لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

انک لتھدی الی صراط مستقیم ۝

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تصنیف

جناب محمد نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی امینی کشمیری

از خلفائے

الحاج مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی کشمیری (قطب الاقطاب)

شعبہ نشرواشاعت

سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان بھمبر آزاد کشمیر

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ
اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تصنیف

جناب محمد نور الدین رحمۃ اللہ علیہ
اویسی امینی کشمیری

از خلفائے

الحاج مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ
اویسی کشمیری (قطب الاقطاب)

شعبہ نشر و اشاعت
سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان بھمبر آزاد کشمیر

سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ھیں

نام کتاب: سیرۃ النبیؐ

مصنف: حضرت محمد نور الدین اویسیؒ

ایڈیشن: دوم

تاریخ طباعت: اگست ۲۰۱۵ء

﴿برائے رابطہ وحصول کتب﴾

(۱) محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون: 00441254671126

(۲) ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون: 03007424574,03451566483

(۳) محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون: 03465259352

نعت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم

از حضرت عباسؓ

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَفِيْ مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ

اس دنیا میں آنے سے پہلے آپ سایۂ خاص میں تھے اس مقام میں جہاں پتوں سے بدن ڈھانپے گئے

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ وَلَا بَشَرٌ اَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَقُ

پھر آپ اترے بستی میں جہاں آپ نہ بشر تھے نہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں۔ نہ لہو کی بوند

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ اَلْجَمَ نَسْرًا وَاَهْلَهُ الْغَرَقُ

بلکہ ایک نطفہ نوری جو سوار تھا کشتی میں اسوقت موجیں چوٹی کو چھو رہی اور لوگ ڈوب چکے تھے

تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ اِلٰى رَحِمٍ اِذَا مَضٰى عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ

پھر یہ نورِ مقدس منتقل ہوتا رہا پشتوں میں رحم کی طرف جب گزرا زمانہ طبقے پیدا ہوتے رہے

وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَتِمًا فِيْ صُلْبِهٖ اَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

آپ اترے آتشِ خلیل میں بھی چھپے ہوئے انکی پشت میں آپ ہی تھے تو پھر وہ کیسے جلتے

حَتّٰى احْتَوٰى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ خِنْدَفٍ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

یہاں تک کہ قرار پکڑا امن والے گھر میں ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر جسکے نیچے خندف کی قوم تھی

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

اور جب آپ پیدا ہوئے تو زمین چمک اٹھی اور روشن ہو گئے آپکے نور سے آفاقِ سماوی

فَنَحْنُ فِيْ ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّوْرِ وَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

پس ہم اسی ضیا اور روشنی سے رشد و ہدایت کی راہیں نکال رہے ہیں

(طبرانی بروایت مواهب زرقانی)

دیباچہ طبع دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

لَوۡلَا کَ لَمَا خَلَقۡتُ الۡاَفۡلَا کَ۔ کہ اگر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا منصوبہ الٰہی میں نہ ہوتا۔ تو نہ زمین ہوتی۔ نہ سورج چاند ستارے اور سیارے ہوتے۔ نہ آسمان ہوتے۔ نہ جن وانس ہوتے نہ ملائکہ ہوتے۔ نہ جنت ودوزخ ہوتے۔ نہ سدرۃ المنتہٰی ہوتا۔ نہ عرش ہوتا نہ کرسی ہوتی۔ نہ کوئی خوبصورتی نہ کوئی خوبی نہ کمال ہوتا۔ یعنی عالمِ ناسوت۔ عالمِ ملکوت۔ عالمِ جبروت۔ عالمِ لاہوت وَمَنۡ فِیۡہِنَّ کا کوئی وجود نہ ہوتا۔

قرآن الحکیم جسکے بارے میں ارشاد ہے۔ لَا رَیۡبَ ۚۛ فِیۡہِ ۚۛ میں بلیغ انداز میں قَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ کیلیے اجمالاً اسکا بیان ہوا۔ اسکی ابتدا تخلیق آدم اِنِّیۡ جَاعِلٌ'' فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً سے ہوئی۔ جس میں نفخ روحِ رحمانی وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ ___ اور اس ''خلیفہ'' کے مقابلہ میں ملائکہ کا اپنے عجز کا اظہار لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ___ اور پھر فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ___ اسکے بعد اصطفائے آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ آل ابراہیم اور آل عمران ___ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ___ کا ذکر ہوا۔ اور اسی تسلسل میں تخلیق حضرت یحیٰؑ کا بیان کہ ظاہری سبب نہیں ___ وَکَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا وَّ قَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡکِبَرِ عِتِیًّا اور حضرت زکریاؑ دعا کرتے ہیں فَھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِیًّا ___ اور اسی طرح واقعہ تخلیق حضرت عیسیٰؑ میں بطور خاص فرشتہ کا ذکر جو انسانی شکل میں حضرت مریمؑ کے پاس آتا ہے فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا سَوِیًّا اور کہتا ہے کہ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ ٭ۖ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ___ اس پر حضرت مریمؑ تعجب سے کہتی ہیں قَالَتۡ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ'' وَّ لَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ'' وَّ لَمۡ اَکُ بَغِیًّا ۔ تو اس پر ملائکہ نے کہا قَالَ کَذٰلِکِ ج قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ'' ج وَ لِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَۃً مِّنَّا ج وَ کَانَ اَمۡرًا

مُقْضِیًّا ــــ یہ واقعات ایک آنے والے واقعہ کیلئے بطور دلیل پیشگی بیان ہوئے۔

آخر میں واقعہ معراج جسمانی ـــــ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ــــ جس میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسمِ بشری (اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ) سے تمام انبیاؑ کے وجودِ رحمانی کی امامت کرائی اور پھر تمام مقامات نوری سے گزرتے ہوئے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ پر اسکی آخیر ہوئی۔ جس سے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کی حقیقت آشکارا کردی گئی۔

''سیرۃ النبیؐ'' پر بہت لکھا گیا۔ لکھا جارہا ہے۔ اور تا قیام قیامت لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن لا یمکن الثنا کما کان حقه ــــ حضرت محمد نورالدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ نے تقریباً نصف صدی تک حقیقی دینِ محمدیؐ کی تبلیغ وترویج کیلئے اپنے آپ کو وقف کئے رکھا۔ اور یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ کے تسلسل میں جہاں دیگر موضوعات پر بالعموم اور تصوف پر بالخصوص بہت سی تصانیف تحریر فرمائیں وہاں سیرۃ النبی آپکا پسندیدہ موضوع تھا۔ جس پر آپ نے ایک بہت بڑا ذخیرہ تخلیق کیا۔ زیر نظر کتاب میں آپ نے اس موضوع پر بڑے آسان فہم۔ پر اثر۔ منفرد۔ اچھوتے انداز میں لکھا ہے جس سے سیرۃ النبی کا ایک واضح اور حقیقی تصور قائم ہوتا ہے۔ کہ سیرۃ النبی میں انسانی پیدائش میں سب سے افضل وجود کے ذاتی صفاتی کمالات کی تحقیق سے افضل الانبیاؑ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تصور حاصل کرنا مقصود ہے۔

''سیرۃ النبیؐ'' کا پہلا ایڈیشن ستمبر ۱۹۹۵ء میں طبع ہوا۔ اب اسکا دوسرا کمپیوٹرائیزڈ ایڈیشن پیش کیا جارہا ہے۔ جس میں گزشتہ ایڈیشن میں رہ جانے والی غلطیوں کی درستگی کردی گئی ہے۔ آپ کی قیمتی آرا کے منتظر رہیں گے۔

العارض

(۱) محمد بشیر اویسی

(۲) ریاض احمد خیال اویسی

از غلامانِ محمد نورالدین اویسی امینی کشمیری رحمتہ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

دیباچہ

سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَالۡخَلۡقَ ۔ پھرو زمین میں۔اور دیکھو یہ جواشیاً تمہیں نظر آرہی ہیں۔انکی پیدائش کی ابتداً کیسے ہوئی یااللہ نے اس تخلیق کی ابتداً کیسے کی!___اس الٰہی تخلیق میں ہر کیفیت۔آسمان۔پہاڑ۔دریا۔درخت۔پتھر۔مٹی۔ہر شے کی پیدائش کو اسکی تخلیقی صفت و خاصیت سے پہچان کرنی ہے۔جس سے ہمیں ایک خالق کی پہچان۔اسکی صفتِ خالقیت۔اشیاً کی پہچان سے ہوسکتی ہے۔

ایک ہیئتِ مخلوق کی پہچان میں۔ہر شے ___ ہر کیفیت کی پہچان میں اسکی ذات اور اسکی صفات سے کیفیت کی شناخت ہوتی ہے۔کہ ایک خالق ___ خالقِ کائنات نے کس ترتیب کس خوبی (ٹیکنیک) سے ___ کس خوبی کے ساتھ بنائی۔جسکے ہر پہلو میں خلق اور مخلوق کی خصوصیاتِ تخلیق کا اظہار ہوتا ہے ___ اسی اظہارِ خصوصیاتِ خالقیت کو ''سیرت'' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔چنانچہ محققین۔مورخین نے جس کیفیت کی تحقیق میں اولین تحقیق کو اولیت دی وہ ''سیرت النبیؐ'' ___ کہلاتی ہے۔کہ کائناتِ خلقت میں اللہ۔خالق اور مخلوق کی تحقیق میں کائنات کے آثار واسرار میں کون سی صفات وخصوصیات کا مشاہدہ وعلم حاصل کیا گیا۔ان حقائق کے اظہار کو سیرت النبی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔عجمی اصطلاح میں ایسی کیفیت کو کائناتِ عالم میں۔ایک مخلوق اور اسکے خالق کی علم بالمشاہدہ خبر دینے والے کو۔''النبی'' ___ خبر دینے والا۔خبر پانے والا موسوم کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے ___ کائنات کی ابتداً ___ بَدَاَ ___ کسی مخبر سے ممکن نہیں ___ لہذا۔کسی تاریخ سے اسکی خبر ممکن نہیں ___ سوائے اسکے۔اللہ تعالیٰ نے ___ حصولِ علم میں۔ایسی قوتیں ودیعت کی ہیں۔جن سے انسان ازل سے ابد تک کے آثار کا مشاہدہ وعلم حاصل کرسکتا ہے ___ قرآن نے اس قوت کو

''روح'' سے موسوم کیا۔ اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌ'' بَشَرًامِّنْ طِیْنٍO ـــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍO ـــ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ ـــ جب کہا اللہ نے روحی ـــ نوری مخلوق سے ـ کہ میں زمین پر ایک جسم (ناری) و روح (نوری) وجود پیدا کرونگا ـــ تخلیق جس ترتیب و ترکیب سے ہو ـــ مگر اس ترتیب میں ایک خاص قوت ''روح'' کا ذکر کیا۔ کہ انسان میں۔ ایک اضافی قوت روح اس میں زائد ودیعت کی گئی۔ یہ ضروری ہے۔ کہ انسانی جسم میں اس روح کا مقام وعمل کیا ہے؟ ـــ ہاں یہ قوت تخلیقی عمل میں شامل نہیں ـــ سوائے اسکے کہ اس قوت کی خاصیت کے تابع۔ ایک نوری عمل ضرور ہے۔ وہ اس قوت کی ازلی تخلیق کے تابع ـــ محض ـــ روحانی علم حاصل کرنا ہے۔ وہ روحانی عمل یہ ہے۔ کہ اس روح کی بَدَا۔ نورِ ازلی سے ہے۔ جس پر موت نہیں اسلئے ابدی قوت ہے۔ اس قوت کے اعتبار سے۔ یہ روح ازل سے ابد تک زندہ و قائم ہے۔ اور اسی خصوصیت پر اس روح سے۔ ازلی علم ـــ تا ابد فراہم ہوسکتا ہے۔

یہی روح ہے۔ جو ارضی وجودِ انسانی۔ میں ودیعت ہونے سے ازلی ـــ ابدی علم حاصل کیا جاتا ہے ـــ اس قوت کے ودیعت ہونے سے ـــ انسانی (تخلیقی) ذمہ داری میں اضافہ ہوتا ہے ـــ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَالْخَلْقَ۔

گو قرآن نے ـــ اس عمل سے متعلق ایک خصوصی ـــ دانستہ بیان پیش کیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ ـــ اور میں نے آدم کو اسکی تخلیق کے ساتھ۔ کائناتِ عالم کے تمام آثار و اسرار کا مشاہدہ وعلم عطا کیا ـــ یہ میرا خصوصی ارادہ تھا۔ کہ انسان میں روح (نوری قوت) کی ودیعت کے ساتھ ـــ صاحبِ مشاہدہ ـــ بَدَا ـــ پیدا کروں۔ تاہم یہ امر براہ راست۔ انسان کے ساتھ منحصر کیا۔ کہ وہ اپنی بَدَا میں۔ صاحب مشاہدہ۔ عالم۔ صاحبِ خبر ''النبی'' کی حیثیت سے پیدا ہو ـــ ہاں۔ یہ مبالغہ تصور نہیں کیا جاتا ـــ کہ انسان اپنی پیدائش میں ـــ صاحبِ خبر۔ ''النبی'' کی خصوصیت سے پیدا ہوا ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ـــ ملائکہ کی نشاندہی پر ـــ ناقص الوجود ـــ قرار دیا ـــ اور اعلانِ الٰہی پر اللہ نے انسان کو ایک اولوالعزم خطاب سے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ـــ زمین کے سفلی۔ ناقص مرکب سے تعمیر کیا ـــ اور اسکی اولوالعزمی ـــ محض نوری قوت کی ودیعت سے (ملائکہ پر) ظاہر کی۔

گذارش ہے۔کہ سیرت النبی سے متعلق سوانح میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بحث کی جاتی ہے۔جبکہ سیرت النبی۔ایک انسان سے متعلق ہوتی ہے ___ اور جہاں تک تخلیق کائنات میں ___ تخلیقی ترتیب الٰہی کا تعلق ہے۔اس سوانح میں۔ایک انسان ___ ابنِ آدم کی سیرت کا اظہار ہوتا ہے۔اور جہاں تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس۔کی تخلیق کائنات سے نسبت ہے۔تو اسکے لئے قطع نظر تخلیقِ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔اسکی تحقیق وعلم مخلوق انسانی کی عقل وفہم سے ماوریٰ ہے۔جسکی ذاتِ اقدس کو سیرتِ النبی کے ذکر میں شامل کرنا ___ شامل ہونا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے شایان شان نہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس۔امت کے تقابل کے ساتھ مرتب کی گئی۔جس میں سیرت النبی کے قرآنی مفہوم پر۔"سیرت"۔(سیرت النبی) ترتیب دی گئی ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کی "سیرت"۔تمام کائنات کی صفت وخصوصیت سے ماوریٰ ہے۔جنکے لئے ___ اعلیٰ جنرل ہونا ___ اعلیٰ انجینئر ہونا ___ اعلیٰ دانشور ہونا۔غرضیکہ جو بھی خصوصیت کائنات میں موجود ہے۔اسکی مثال حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دینا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں۔

بشر تمثیل اک حرفِ عیاں ہے   وجود انکا خلق سے ماوریٰ ہے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور مقدس۔کائنات کی خصوصیات میں وجہ فضیلت ہے۔

گو بصورت من زِ آدم زادہ ام   وز بمعنی جدّ جد افتادہ ام

العارض

محمد نورالدین

اویسی۔امینی۔کشمیری۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ○

تحقیق اللہ نے منتخب [1] کیا۔ آدمؑ کو۔ اور نوحؑ کو۔ اور آلِ ابراہیم (ذریت ابراہیم) اور آل عمران کو تمام مخلوق میں سے۔

اس آیت کا خصوصی تعلق سیرت النبی سے ہے جس میں مخصوص انداز میں انبیاؑ کی خصوصیات کا اشارہ ہے۔

سیرت سے مراد کسی شے میں اسکی ظاہری باطنی خوبیوں اور ذاتی صفاتی کمالات کا پایا جانا۔ اور

---

[1] منتخب کیا۔ اس قرآنی بیان سے مراد۔ اصطفیٰ ۔۔ یعنی منتخب کسی خاص مقصد کے لئے کرنا ۔۔

یہ انتخاب محض اظہار سیرت النبی کیلئے واضح کیا گیا۔ کہ حضرت آدمؑ سے سیرت النبی کا مظاہرہ کیا گیا۔ جس کا تصور وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّھَا کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔ یعنی انسانِ اول حضرت آدمؑ کی خصوصیت۔ معرفت اسرار الٰہی ۔۔۔ مشاہدہ ذاتِ الٰہی کا حاصل ہونا اصل تصور اور خصوصیت کے اظہار سے کیا گیا۔

دوسرا تصور حضرت نوحؑ سے۔ بحیثیت نبی حضرت نوحؑ کا انتخاب یہ ہے کہ مخلوق انسانی میں حضرت نوح نبی کو رسالت کے لئے مخصوص کیا گیا۔ جن سے معرفت اسرار کائنات اور اسرار الٰہی کا مظاہرہ ہوا۔ جو اولین رسول منتخب ہوئے ۔۔ اسکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت سے سیرت النبی کا مظاہرہ کیا گیا۔ جسکے متعلق قرآن نے وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۴) آلِ ابراہیم میں انبیاؑ بنی اسرائیل شمار ہیں جن۔ مخصوص انبیاؑ سے سیرت النبی کا مظاہرہ ہوا۔ اور انبیاؑ بنی اسرائیل میں آلِ عمران سے لیکر حضرت عیسیٰؑ کو اظہار سیرت النبی کے لئے مخصوص کیا گیا۔ جبکہ واقعہ آل عمران میں حضرت زکریا علیہ السلام۔ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں سیرت النبی کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

کتاب ہذا میں سیرت النبی کے مضمون میں انہیں حقائق کو پیش کیا گیا ہے جن حقائق پر سیرت النبی کا مفہوم مترشح ہوتا ہے۔

نبی۔ النبی سے اشارہ مخصوص ذات کی طرف ہے۔ یعنی ایک نبی کی سیرت ـــ یا ایک نبی میں اسکے ذاتی صفاتی کمالات کا تذکرہ ـــ سیرت کا تعلق زیادہ تر انسان سے ہی ہے۔ کیونکہ انسان ہی اس کائنات کی ایک واحد تخلیق ہے۔ جسکی سیرت میں اسکے ذاتی صفاتی کمالات انتہا کو پہنچتے ہیں۔ اور انسانوں میں ایک مخصوص مخلوق۔ رسول ہیں۔ جنکے کمالات عام مخلوق کے مقابلہ میں برتر مقام حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اسلئے سیرت میں زیادہ تر رسول کے کمالات ہی قابلِ بیان تصور کئے جاتے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ اس بیان میں سیرت النبی کا حقیقی تصور کیا ہے۔

زمانہ میں مختلف قوموں میں رسول پیدا ہوئے انکی سیرت میں انتہائی کمال پایا گیا۔ اور ہر قوم نے اپنے پیغمبر کی سیرت میں اسکے انتہائی کمالات کی تعریف کی۔ جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ سب سے اعلےٰ وافضل کمالات کس پیغمبر میں پائے جاتے ہیں ـــ انہیں انتہائی کمالات کی تعریف کے ساتھ ہر قوم نے اپنے پیغمبر کو ہی اعلےٰ وافضل سمجھا۔ قوموں میں پیغمبر اس لئے آئے۔ تا کہ انکے ذاتی صفاتی کمالات کی بناءٔ پر انکے خصوصی کردار وعلم وعمل کی تقلید واتباع کی جائے۔ سو جس پیغمبر کا کردار وعلم سب سے افضل ہو۔ وہی پیغمبر قابل تقلید واتباع ہوسکتا ہے۔!

یہ ایک فطری اصول ہے۔ کہ ہر انسان کو زندگی کے مراحل طے کرنے میں ایک راہنما کی ضرورت۔ ضرور رہتی ہے۔ اسکے لئے بہتر راہنمائی ایک رسول سے ہی میسر آسکتی ہے۔ اسلئے ہر انسان پر لازم ہے۔ کہ وہ اس راہنمائی کے لئے ایک اعلےٰ وافضل سیرت کے حامل پیغمبر کے علم وعمل کی طرف رجوع کرے۔

زمانہ میں ابتدأ سے انبیأ ورسول آئے اور چلے گئے۔ مگر ہم اپنی راہنمائی کیلئے ماضی کے کسی رسول کو نہیں پاسکتے۔ اسلئے ضروری ہے کہ تواریخی طور پر ان انبیأ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے۔ کہ قوموں میں کس پیغمبر کا علم وعمل۔ اسکی ذاتی صفاتی کمالات وخصوصیات۔ سب سے اعلےٰ وافضل ہیں تا کہ اُسی پیغمبر کی تقلید واتباع کی جائے۔

قبل اسکے کہ پیغمبر کی سیرت کا تواریخی مطالعہ کیا جائے۔ یہ امر ضروری ہے کہ ایک ایسی تواریخ کو لیا جائے جس میں واقعات اسناد کے ساتھ اور اپنے اصلی روپ میں موجود ہوں۔ اسکے ساتھ ہی ایک

پیغمبر کے ذاتی صفاتی کمالات میں بنیادی کیفیتوں کو تلاش کیا جائے۔(۱) پیغمبر کی تعریف کیا ہے ــــ (۲) عام انسانوں میں پیغمبر کیوں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ــــ جبکہ پیغمبر بھی عام انسانوں جیسا ایک انسان ہوتا ہے ــــ (۳) پیغمبر کا وجود کیسے ظہور میں آیا ــــ (۴) پیغمبر کے آنے کی ضرورت کب اور کن حالتوں میں ہوئی۔

اِن کیفیات کو معلوم کرنے کا بہتر طریق یہی ہوسکتا ہے۔ کہ کائنات میں مخلوق کی ابتدائی پیدائش کا مطالعہ کیا جائے۔ کہ مخلوق کیوں اور کیسے بنی ــــ مخلوق کا وجود کس چیز سے ہے ــــ مخلوق کی پیدائشی ترکیب کیا ہے ــــ تاکہ مخلوق کی ہر نوع کی تفاوت وتفریق کا اندازہ ہو۔ کہ انسانی مخلوق میں بعض ہستیاں کیوں مخصوص ومنتخب ہوتی ہیں۔ اور پیدائشی ترکیب میں انکے مابین کیا فرق ہوتا ہے۔ اور کونسی خصوصیتِ پیدائشی ایک مخلوق کو دوسری مخلوق سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ تمام کیفیتیں تواریخ عالم سے ہی مل سکتی ہیں۔

زمانہ شاہد ہے۔ کہ ایک انسانی مخلوق نے قوموں اور قبیلوں کی شکل اختیار کی اور اکثر قوموں میں پیغمبروں کا وجود ظاہر ہوتا رہا۔ انہیں پیغمبروں کے وجود سے قوموں نے مذاہب کی شکل اختیار کی۔ اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کے پے درپے آنے کے بعد بھی گزشتہ پیغمبروں کے مذاہب کا وجود قوموں میں باقی رہا۔ انہیں مذاہب کی موجودگی کے باعث قوموں کی پیروی میں ایک پیغمبر کی اعلےٰ سیرت بیان کرنے میں اختلاف پایا گیا۔ اور کسی زمانہ میں یہ فیصلہ نہ ہوسکا کہ کس قوم ومذہب کا پیغمبر باقی پیغمبروں میں اعلےٰ وافضل سیرت کا حامل ہے۔ تاکہ تمام مخلوقِ انسانی ایک ہی پیغمبر کی پیروی میں اسی رسول کی راہنمائی میں اسی کے علم وعمل سے استفادہ کرے۔

مذاہبِ عالم میں کوئی ایسا مذہب نہیں جو اپنے پیغمبر کے علم کے ساتھ اپنے ہی پیغمبر کی سیرت کی تعریف نہ کرتا ہو۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ۔ آیا ان مذاہب میں کس مذہب کے پیغمبر کی سیرت سے متعلق معلومات تواریخی طور پر مسند اور حقیقی پائی جاتی ہیں ــــ

مذاہب کی تواریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گزشتہ زمانوں میں مختلف قومیں اور مذاہب وجود میں آئے۔ جن میں قومِ نوح۔ لوط۔ عاد۔ ثمود اور بنی اسرائیل کے مذاہب پائے گئے۔

انہیں مذاہب میں ۔نوحؑ ۔لوطؑ ۔یونسؑ ۔ابراہیمؑ ۔اسحاقؑ ۔اسماعیلؑ ۔یعقوبؑ ۔یوسفؑ ۔داؤدؑ ۔سلیمانؑ ۔موسیٰؑ ۔زکریاؑ۔ یحیٰیؑ ۔عیسیٰؑ وغیرہ کا ظہور ہوا۔ یوں تو پیغمبروں کی اعلیٰ سیرت مسلّم ہے۔ کہ ہر پیغمبر ہر حال میں اعلیٰ سیرت کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن قوموں کے ذاتی عقائد نے ان پیغمبروں کی سیرت میں۔ اختلافات پیدا کر کے ان میں کمتری اور برتری کا تصور پیدا کیا۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ کسی قوم میں پیغمبر کی اعلیٰ تعلیم اور انکی ذاتی تاریخ اپنی اصلی حالت میں نہ رہ سکی۔ نہ انکے پیروؤں میں صحیح تعلیم وعمل باقی رہا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ دنیا میں قومِ بنی اسرائیل ایک طویل زمانہ تک قائم رہی۔ یہ قوم حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو اسرائیل کے نام سے پکارا گیا۔ انہیں کی ذریت بنی اسرائیل کے نام سے پکاری گئی۔ اس قوم سے حضرت داؤد علیہ السلام ہوئے جنہیں کتاب زبور ملی۔ اسکے بعد اسی قوم سے حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے جنہیں توریت کتاب ملی۔ انہیں کتابوں کے علم پر بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی سیرت کی بنیاد ہے۔ لیکن زمانہ کی طوالت اور متواتر انقلابات۔ اور جابر حکمرانوں کے پے در پے حملوں سے اس قوم کی مذہبی تاریخ وعلم اپنی اصلی حالت میں قائم نہ رہ سکے۔ اسکے علاوہ پیغمبروں کے بعد انکے پیروؤں کی ذاتی غرضمندانہ دست بردنے بھی پیغمبر کی حقیقی تعلیم میں مصنوعی من گھڑت عقائد وعلم شامل کر کے اصل حقیقت کو مسخ کر ڈالا۔ جس وجہ سے ان تواریخوں۔ اور علمی کتابوں میں پیغمبر اور انسانی مخلوق سے متعلق ابتدائی حالات وواقعات کا قطعاً سراغ نہ مل سکا۔ حضرت موسیٰؑ کا دین ایک طویل مدت تک جاری رہا۔ اسی دین (علم) کی تجدید کیلئے۔ بنی اسرائیل قوم میں کئی پیغمبر آئے۔ لیکن ان پیغمبروں کے گزر جانے کے بعد پھر اصل علم مفقود ہوتا رہا۔ اور قوموں کے پاس سوائے پیروان مذہب کے من گھڑت عقائد ونظریات کے اور کچھ اصل باقی نہ رہ سکی۔ بنی اسرائیل کے آخری دور پر حضرت عیسیٰؑ پیغمبر کا ظہور ہوا۔ انہیں کتاب انجیل ملی۔ لیکن یہ تعلیم بھی پانچ سو سال کے اندر اندر پیروانِ مذہب کی تاویلات وتحریفات کا شکار ہو کر اپنی اصلی خصوصیت کو محفوظ نہ رکھ سکی ___ اگرچہ آخری وقت تک یہ علمی تواریخیں زمانہ میں پائی گئیں۔ لیکن ان تواریخوں میں پیغمبروں کے کردار اور بنیادی تخلیق کے متعلق من گھڑت اور مبالغہ آمیز نظریات پائے گئے۔ ان حالات میں کسی مذہب کی تاریخ

سے ہمیں۔ پیغمبر کی تعلیم یا ابتدائی زمانہ کے حالات کا اصل سراغ نہیں مل سکتا۔ البتہ زمانوں کے چند واقعات کے بنیادی تصور ــــ جو روایات کی صورت میں قوموں میں منتقل ہوتے رہے۔ ہمیں انکے دھندلے نقوش ملتے ہیں۔ انہیں واقعات میں ہمیں گزشتہ دور کی چند کیفیات کا پتہ لگتا ہے لیکن ان مذاہب کی علمی تواریخ میں ان کیفیات کے حقیقی نقوش اپنے اصلی روپ میں نہیں ملتے۔ مثلاً ابتدائی تخلیق کے آغاز میں کائنات کی پیدائشی ترکیب۔ مخلوقِ کائنات کی ابتداً ــــ اوران کیفیتوں کی ہیئتوں کا حقیقی تصوراسکے بعد انسان اول حضرت آدمؑ کا وجود۔ انسان اول حضرت آدمؑ کی پیدائش میں وجودی ہیئت و کیفیت۔ اسکی پیدائشی ترکیب کا حقیقی تصور۔ لیکن آدم کی ابتدائی تخلیق میں مخلوق کی ابتدائی ترکیب کا کوئی موادکسی تاریخ میں موجودنہیں ــــ اسکے بعد حضرت نوحؑ کے مٹے ہوئے نشان ــــ حضرت ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ۔ اسماعیلؑ کا رسول ہونا ــــ اورانکے خصوصی واقعات۔ ان واقعات کی اصل بھی مذاہب کی تواریخ پیش نہیں کرتی۔ اسکے علاوہ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت داوٗدؑ۔ حضرت سلیمانؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عزیرؑ کا پیغمبر ہونا ــــ مگر انکے حقیقی واقعات بھی تواریخ پیش نہیں کرسکتی ــــ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا پیغمبر ہونااورانکی زندگی کے اہم واقعات۔ یہ واقعات تواریخ کے لحاظ سے اگر چہ ابھی تازہ ہی ہیں۔ لیکن اس مذہبی تاریخ (انجیل) میں بھی مخلوق کی ابتدائی پیدائش اور پیغمبر کے وجوداوراسکی سیرت کے ذاتی صفاتی کمالات کی خصوصیت کا کوئی اصل مواد حاصل نہیں ہوتا۔ ان واقعات کی تصدیق کیلئے۔ آیا گزشتہ واقعات صحیح ہیں۔ یا مصنوعی ــــ ہمارے پاس مذاہبِ عالم کی کوئی ایسی مسند کتاب (تاریخ) موجودنہیں۔ جس سے ہم پیغمبر کی سیرت سے متعلق۔ ابتدائی تخلیق اور کیفیات کا جائزہ لے سکیں۔ سوائے اسکے کہ پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دینِ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ اورابتدائی تخلیق سے متعلق معلومات کا مطالعہ کریں ــــ ان واقعات کے تصدیق اورانکے حقیقی نشان ہمیں قرآن سے بہت حد تک مل جاتے ہیں۔

صدیاں گزرنے کے بعد قرآن کریم کی تواریخ کو کیوں تسلیم کیا جاتا ہے۔؟ اسکی اولین دلیل یہ ہے۔ کہ یہ قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ آپؐ کی شخصیت تمام قوموں میں مسلّم ہے۔ جسکی تصدیق کے لئے آپؐ کا پیغمبر ہونا ہی کافی دلیل ہوسکتی ہے۔ کہ آپ کو مخالفینِ اسلام

نے۔اور عرب کے ہر باغی سے باغی۔منکر سے منکر شخص نے امین وصادق کے خطاب سے پکارا۔دعوئے رسالت سے قبل آپؐ کی زندگی کے واقعات پر کوئی محقق۔کوئی مخالف کسی قسم کا غلط تصور دینے کی جرأت نہ کرسکا۔۔۔ زمانہ آپؐ کی سیرت وکردار اور علومرتبت کی تائید کرتا ہے۔اس لئے آپؐ پر نازل شدہ قرآن بھی ایک حقیقی علم کی حامل کتاب ہے۔جس میں غیر معقول یا من گھڑت علم پایا نہیں جاتا۔آپؐ کی رحلت کے بعد صدیاں گزرنے کے باوجود قرآنی علم اپنی اصلی حالت میں موجود ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کی علمی تواریخ انجیل پانچ سو سال کے اندر اپنا حقیقی وجود قائم نہ رکھ سکی وہاں قرآن کا وجود چودہ سو سال گزرنے پر بھی علےٰ حالہٖ قائم ہے۔اور اسکے ایک حرف میں بھی ذرّہ بھر تبدیلی نہ آسکی۔اسکی اصل وجہ ایک تو یہ ہے۔ کہ قرآن عربی (قریش) زبان میں نازل ہوا۔اسکی ترتیب بیان اس طرح ہے۔کہ اسکی کلام میں کسی ردو بدل کی گنجائش نہیں۔دوسرے یہ کہ اس قرآن کے حامل رسول کا طریق تبلیغ ایسا مکمل ہے۔کہ کسی زمانہ میں بھی کوئی عظیم حادثہ اس رسولی تنظیم پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔۔۔ وہ طریق۔۔۔ آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہے۔۔۔ اور آپکے تربیت یافتہ پیرو۔!آپؐ کی ذاتی تعلیم وعمل نے قرآنی تعلیم کو ہر زمانہ میں اپنی اصلی ہیئت میں جاری رکھا۔آپؐ کی اعلےٰ تربیت نے ہر زمانہ میں ایسے پیرو پیدا کئے جنہوں نے اپنے علم وعمل سے قرآن کی تعلیم میں کسی قسم کا رخنہ پیدا نہ ہونے دیا۔اور سب سے بڑی وجہ یہ کہ۔حقیقتاً یہ کتاب کلامِ الٰہی ہے۔ جسکی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔۔ کہ یہ قرآن رہتی دنیا تک ہر آئندہ آنے والی قوم کی راہنمائی کیلئے مقرر ہے۔کہ اسکے بعد نہ کوئی رسول آئیگا۔نہ کوئی کتاب آئیگی۔لہذا ضروری ہے۔کہ اس کتاب میں آئندہ آنے والی نسلوں کی علمی۔عقلی۔استطاعت کے مطابق کائنات کی ہر کیفیت کا علم موجود ہونا لازمی ہے۔اسلئے یہ کتاب ہر زمانہ کے ہر شخص کیلئے ہدایت کا حقیقی علم فراہم کرسکتی ہے۔۔قرآن کریم کی تعلیم کا حقیقی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس میں باقی صحیفوں کے مقابلہ میں تعمیلی احکام کے علاوہ کائناتِ فطرت کی تخلیق اور ترکیب کے کھلے نشانات ہیں۔جنکی تحقیق وتفکر میں اسکے تمام آثار صحیح نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔اور قرآن کی آیات قوانینِ فطرت کے عین مطابق ثابت ہوتی ہیں۔اور دنیا کا کوئی محقق قرآنی آیات کے مقابلہ میں نہ کوئی اپنی تحقیق پیش کرسکتا ہے۔نہ اسکی آیات کو جھٹلا سکتا ہے۔اسلئے ضروری ہے۔کہ سیرت وکردار میں ابتدائی پیدائش کی تحقیق کیلئے ہم قرآنی تاریخ سے ہی راہنمائی حاصل کریں۔

قرآنی تاریخ کے علم میں جب ہم مخلوق کی ابتدائی پیدائش کا مطالعہ کرتے ہیں۔تو ہمیں اس پیدائش کی تمام کیفیات اور ترکیبیں صاف صاف ملتی ہیں۔ جو زمانہ کی کسی مذہبی تاریخ میں نہیں مل سکتی ہیں۔ان واقعات میں کسی قسم کی مبالغہ آمیزی یا من گھڑت نظریات کو قطعاً دخل نہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے۔! کہ اگر تمام مذاہب عالم کے سامنے کائنات کے بنیادی۔ابتدائی۔واقعات کا نقشہ قرآن کریم پیش نہ کرتا۔ اوران روایاتی واقعات کی جو مذاہب عالم کے نظریات اور تواریخوں میں پائے جاتے ہیں۔قرآن کریم تصدیق نہ کرتا۔تو ہمارے لئے مشکل تھا کہ ہم ان گزشتہ واقعات کے وجود ہونے پر مشتبہ حالت میں یقین کر سکتے۔اور ہم اصل حقیقت پانے سے قاصر رہ جاتے ــــ!

انہیں سابقہ روایات کے مطابق قرآن کریم نے مخلوق اور اسکی ابتدائی پیدائش سے متعلق واقعات کو ایک مترتب اور واضح طریق پر مخصوص انداز میں اس طرح پیش کیا۔کہ انکے سمجھنے اور یقین کرنے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لہذا سیرت النبی کے متعلق ابتدائی تصور حاصل کرنے کیلئے۔کہ مخلوق کی ابتدا اور اسکی ذاتی صفاتی کمالات کی نوعیت کیا ہے۔قرآنی تاریخ سے ہی مواد لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی تخلیق کے بارے میں قرآن نے جو مفصل بیان پیش کیا اسکی ابتدا قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةًؕ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰) ترجمہ: جب کہا آپؐ کے رب نے ملائکہ سے۔ تحقیق میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔

تخلیق سے متعلق قرآنی تاریخ کا یہ پہلا بیان ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخلیق کی ابتدائی ترکیب میں پیش کیا گیا۔ یہ بیان انسانی مخلوق کے بارے میں ہے۔جس سے انسان کی ابتدائی تخلیق میں اسکی پیدائشی ترکیب اور اسکا وجودی مرکب اور اسکی خصوصیت (سیرت) ظاہر ہوتی ہے۔اس آیت میں۔ ایک زمانہ (وقت) کا تصور بھی ملتا ہے۔کہ انسان کی پیدائش کی ابتدا کب ہوتی ہے۔

اس آیت میں۔اِذْ قَالَ ــــ مَلٰٓئِکَةِ۔ جَاعِلٌ۔ اَرْضِ اور خَلِیْفَةً کے الفاظ میں انسانی پیدائش کی خصوصی سیرت وترکیب پیدائش عیاں ہوتی ہے۔یعنی ــــ ابتدائی زمانہ میں جب انسان کا وجود موجود نہ تھا۔مگر ملائکہ کا وجود موجود تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب کیا لِلْمَلٰٓئِکَةِ۔ کہ میں

ایک وقت زمین (اَرْضِ) میں ایک مخلوق (جَاعِل‘‘) بنانے والا ہوں۔اور وہ مخلوق خَلِیْفَۃَ کے تصور سے دیکھی جائیگی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ انسان سے پہلے ملائکہ کا وجود تخلیق کیا گیا۔اور ملائکہ کے ساتھ مقاماتِ ملائکہ کا تصور بھی قائم ہو جاتا ہے۔جنہیں آسمان سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ہاں! اَرْض کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ملائکہ سے خطاب کیا اس وقت زمین موجود ہو چکی تھی یا نہیں۔؟ یا صرف اسکا ذکر ہوا۔لیکن اس حالت میں ابھی انسان بنایا نہیں گیا تھا۔البتہ اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں یہ چیز مقرر ہو چکی تھی۔جس کا ذکر تخلیق سے قبل ملائکہ کے سامنے کیا گیا۔دراصل ملائکہ سے ذکر کرنے میں۔ایک پیدائشی خصوصیت کا ظاہر کرنا مقصود تھا۔چنانچہ دوسرے خطاب میں اس خصوصیت کا واضح طور اظہار کیا گیا۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰) ترجمہ۔کہا ملائکہ نے کیا تو بنائیگا بیچ زمین کے اسکو جو فساد کرے اس میں اور خونریزی کرے اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں ساتھ تیری پہچان کے اور تیری پاکیزگی بھی بیان کرتے ہیں!

اس واقعہ میں صرف تخلیق کا ذکر ہی نہیں۔بلکہ ملائکہ کے سامنے ذکر کرنے سے انسانی تخلیق کا ایک منظر بھی پیش کیا گیا ہے۔وہ انسان کی ’’سیرت‘‘ سے تعلق رکھتی ہے۔جس میں سیرت النبی کا بنیادی تصور پایا جاتا ہے۔کہ خلیفہ اور ارض کی انسانی پیدائش میں کون سا تصور پایا جاتا ہے۔اور زمین کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ اور اس تخلیق میں کیا مرکب ہے۔اس مرکب میں کونسی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔جن خوبیوں کو مخلوق کی سیرت میں شمار کیا جاتا ہے۔اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ ماسویٰ نوری مخلوق (ملائکہ)۔انسانی مخلوق میں اسکی خلقت کے اعتبار سے کیا قوتیں پائی جاتی ہیں۔

’’خلیفہ‘‘ و’’ارض‘‘ کا ذکر اس وقت ہوا۔جب خلیفہ کا وجود موجود نہ تھا۔(اِنِّیْ جَاعِل‘‘) یعنی میں بنانے والا ہوں (مستقبل میں)۔تو ملائکہ نے خلیفہ اور ارض کا نام سُنکر ہی یہ جان لیا۔کہ ارض ایک مادی کثیف کیفیت کا نام ہے۔اِس کیفیت میں جو بھی شے بنے گی وہ سفلی۔مادی۔اور حیوانی ہوگی۔ان سفلی قوتوں کی خاصیت سوائے فساد و خونریزی کے اور کچھ نہیں ہوتی۔اسلئے ملائکہ کا تصور ارض

کی پیدائش کے متعلق قطعی درست تھا ــــ مگر اللہ تعالیٰ اس زمینی پیدائش کو خلیفہ کے نام سے پکار رہا ہے۔ تو خلیفہ کی صفت کیا ہے۔؟ ملائکہ نے جواب دیا کہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں۔ تیری تقدیس کرتے ہیں۔ اور تیری پہچان بھی کرتے ہیں۔ یہ کام تو نوری مخلوق کا ہے۔ سفلی پیدائش میں تسبیح وحمد کا مادہ نہیں۔! تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ سفلی مخلوق نوری خاصیت کی حامل ہو۔؟ اس قرآنی بیان سے ظاہر ہے۔ کہ ملائکہ کا دیدہ دانستہ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ کا بیان دراصل خلیفہ کے لفظ کی تفسیر ہے۔ کہ تمہارے بعد ایک سفلی وجود کو تسبیح وحمد کا حامل بنانا ہے جس کا وہ ارضی سفلی حیثیت میں اہل ثابت نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ ایک مخصوص اشارہ میں ــــ جس میں مخلوقِ انسانی کی خصوصیت کا راز مضمر تھا ــــ

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰) تحقیق (اس سلسلہ میں) میں جانتا ہوں اس کیفیت کو جو تم نہیں جانتے۔ اسکے جواب میں پھر ملائکہ نے جلالِ خداوندی اور قدرتِ کاملہ کے آگے کوئی سوال کرنے کی جرأت نہ کی۔ کہ وہ ارادۂ الٰہی کے اس راز سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ کیونکہ اس اشارہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا کہ خلیفہ کے معنی ملائکہ کے بعد ایک سفلی مخلوق کا بدرجہ اولیٰ تسبیح و حمد کرنا ہے۔ ان دو تضادات کے باوصف زمین کی مخلوق کا ملکوتی صفات کا حامل ہونا۔ یہ میرے علم میں ہے۔ میرے تخلیقی منصوبہ میں آچکا ہے۔ لیکن یہ ایک ایسی کیفیت ہے۔ جسکا ادراک ابھی تم نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے۔ زمین کے اجزأ سے جب انسان پیدا ہوگا تو لازماً وہ سفلی ہوگا۔ اسکی خاصیت وصفت فساد و خونریزی ہوگی۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور اس انسان کو ہی تسبیح وحمد (ملکوتی صفات) سے متصف کرنا ہے۔ تو اسکے لئے بھی ایک خصوصی ترکیب ہونا لازمی ہے۔ جو صرف اللہ کے علم میں ہے۔ اور ملائکہ کے علم میں نہیں ــــ اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر ایسی حالت میں پیدا کرنا ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے انسانی خصوصیتِ اعلےٰ کی بھی نشاندہی کر دی۔ اور اس ملکوتی خصوصیت کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔ اسکے متعلق قرآن نے پھر ایک نیا انداز بیان اختیار کیا۔ جو آئندہ زمانہ میں پیش کیا گیا۔

اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ م بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ــــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْالَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ اور جب کہا آپؐ کے رب نے ملائکہ سے تحقیق (اب) میں بنانے والا ہوں ایک بشر مٹی سے۔ مٹی کے لیس دار کیچڑ سے پس جب میں

اُسے سنواروں اور پھونک دوں اس میں اپنی روح۔ تو تم اسکے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔!

اس بیان میں انسان (خلیفہ) کی خصوصیات کو اسکے روحانی مرکب کیساتھ۔ اور جسمانی مرکب کو تمام مخلوقِ ارضی کے مقابلہ میں آراستگی کے ساتھ ظاہر کیا ـــــ یعنی۔ خلیفہ سے مراد یہ ہے۔ کہ زمین کی مٹی سے ایک مخلوق ڈھالی جائیگی جو اپنی ہیئت و شکل میں ''بشر'' ہو گا۔ یعنی انسانی جسم کی شکل و صورت میں ظاہر ہو گا اس جسم کے مرکب میں زمین کی قوتیں ہونگی۔ ''حماءِ مسنون'' یہ مٹی لیس۱ دار کیچڑ کی شکل میں ہوگی۔ اس مقام پر حماءِ مسنون کی کیفیت کا صحیح معنوں میں سمجھنا ضروری ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ زمین کی مٹی لیسدار کیچڑ کی ہیئت کیسے اختیار کرتی ہے۔ اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ زمین کی ابتدائی ہیئت و پیدائش معلوم کی جائے۔ یہاں بغیر زمین کی تخلیقی ترکیب کی تحقیق کو شامل کئے حماءِ مسنون کے حقیقی مرکب کا تصور حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک حماءِ مسنون کی اصل ماہیت سمجھ میں نہیں آتی۔ انسانی پیدائش کا حقیقی تصور بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے زمین کی ابتدائی پیدائش اور اسکی تخلیق و مرکب کا مفصلاً بیان پیش کیا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَاط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّط (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۳۰) کیا نہیں دیکھا ان کافروں نے یہ کہ آسمان اور زمین ایک جز تھے۔ پس ہم نے انہیں علٰیحدہ کر دیا ایک دوسرے سے اور بنایا (زمین میں) پانی سے ہر چیز کو زندہ (متحرک)۔

ایک عالمِ قرآن کیلئے ضروری ہے۔ کہ قرآن کے مطالعہ میں۔ قرآنی طرزِ بیان کے ہر اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآنی آیات میں۔ خطاب۔ زبان و ادب کا خیال رکھا جائے۔ جس میں اول شانِ نزول۔ حاملینِ قرآن کے رواجات۔ زبانِ قریش کے اسلوب۔ تشبیہ۔ استعارہ۔ محاورہ وغیرہ کے مطابق قرآنی آیات کے معانی کو حقیقی معنوں میں حاصل کرے۔ اس میں شک نہیں عجمی حیثیت میں۔

---

۱ لیس دار کیچڑ کے تصور کو عام کیچڑ کے تصور میں لیکر اسکی حقیقی ہیئت پر نظر نہیں ڈالی گئی۔ جس وجہ سے انسانی تخلیق کی تحقیق و علم میں شدید غلطیاں اور اختلاف پیدا ہو کر انسانی عظمت کا حقیقی تصور حاصل نہ ہو سکا۔

عربی رواجات۔ زبان۔ استعارات۔ تشبیہات کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ جسکے لئے ایک عجمی عالم علمائے سلف کے قول پر ہی اپنے علم کی بنیاد رکھتا ہے۔ لیکن تبلیغ وراہنمائی اور تحقیق ہر زمانہ میں ہر عالم کیلئے لازم ہے۔ اسلئے جب تک ایک عجمی عالم قرآنی علم کی ہر کیفیت کو حقیقی معنوں میں اپنے تصور میں نہ لائے وہ تحقیق وراہنمائی میں کامل نہیں ہوسکتا۔ جس وجہ سے زمانہ میں انسان قرآنی علم کی حقیقت حاصل کرنے میں تشنہ اور ادھورارہ جاتا ہے۔ اسکا نتیجہ عقائد ونظریات کا اختلاف اور دین میں فساد کا پیدا ہونا ہے۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ عجمی عالم کسی تشبیہی کیفیت یا قرآنی استعارہ کو بذاتہ سمجھ نہیں سکتا تو علماء سابقین کے قول کو بغیر سمجھے قبول ١ کرلیتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص قرآنی آیات کو بغیر تحقیق چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ ہر شخص کیلئے قرآن پڑھنا اور اس پر تفکر کرنا فرض ہے۔ اور علمائے سابقین پر یقین رکھنا اور انکے قول پر یقین کرنا بھی ضروری ہوتا ہے ۔! بعض ایسے مسائل بھی ہیں جن میں علماءؒ میں مسلسل اختلاف رہا ۔ ایسے مسائل بعد کے آنے والے طالبعلموں کیلئے بھی راز سربستہ ہی رہتے ہیں۔ کیونکہ انکے لئے سابقین کی تقلید لازم قرار دی گئی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ قرآن فہمی کیلئے جہاں کسی کیفیت کا علم حاصل نہ ہو۔ علمائے سابقین کی شخصیت کو تسلیم کرکے انکے اقوال کو دیدہ دانستہ بغیر سمجھے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ قرآنی آیات کا بغور مطالعہ کرکے ان آیات کی حقیقت کو خود بھی پانے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ قرآن نے خود اعلان کیا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۴ آیت ۱۷) تحقیق ہم نے آسان بنادیا قرآن کا پڑھنا۔

یہ قرآن ہر انسان کے لئے ہے۔ کہ اس سے ہر انسان ہر زمانہ میں راہنمائی حاصل کرے۔ اور اس پر تفکر کرے۔ اِسلئے قرآن پر ہر شخص کو تحقیق وتفکر کرنا فرض ہے ۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ قرآنی بیان پر بغور نظر رکھی جائے اور سادہ معنی سے بھی قرآن کی آیات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔

---

١ لطف یہ کہ مابعد زمانہ کا عجمی عالم پہلے مفسر کی تفسیر سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا اور قرآنی آیات کی مبالغہ آمیز تفسیر کر جاتا ہے۔

آیت بالا پر بغور مطالعہ کیا جائے تو اس آیت کے آثار خود بخود سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جس میں کسی تحریف یا تاویل کو دخل نہیں۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْ ا۔ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کو جان کر اسکے احکام پر چلنے سے انکار کرتے ہیں۔ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا یہ کہ یہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے۔ یہ کیفیت اس وقت کی ہے۔ جب زمین پر انسانی وجود موجود نہ تھا۔ اور آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے۔ تو اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ میں ''نہیں دیکھا'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ کیفیت دیکھی گئی ہے۔ مگر یہ خطاب عرب کے لوگوں سے ہے۔ تو اسکا مطلب صاف ہے۔ کہ اس کیفیت کو حاضر (حال) حالت میں دیکھنا مبالغہ ہے۔ البتہ یَرَالَّذِیْنَ سے مراد سمجھ لینا ہے۔ قرآنی خطاب سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو ابتدائی کیفیت کا حقیقی تصور حاصل کر چکے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ آسمان وزمین کے ملے ہونے میں خالقیت کی کونسی خصوصیت ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسی بات نہ پوچھتا جو انکے علم میں نہ ہو۔ تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ کیا ان کافروں نے نہیں جانا؟ ـــ یعنی یہ کافر جانتے ہیں۔ کہ آسمان وزمین ملے ہوئے تھے۔ اب رَتْقًا کا حقیقی تصور عجمی کو حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔ برعکس اسکے عرب اس کیفیت کو حقیقی ہیئت میں سمجھتے تھے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے۔ جب لوگ کافر تھے۔ انہوں نے قرآنی علم سے ابھی استفادہ نہیں کیا تھا۔ نہ قرآنی عالم سے قرآنی آیات کی کیفیات کو سمجھایا سنا تھا۔ تو یہ انکی ذاتی تحقیق میں شامل تھا کہ وہ رَتْقًا کے مفہوم کو سمجھتے تھے۔ بلکہ ایسا کہا جائے۔ کہ قرآن نے۔ کائنات کی تخلیق کی اصل ہیئت وکیفیت بیان کی جو پیشتر سے کافر سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ رَتْقًا کی کیفیت آسانی سے سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ جب تک کہ کائنات کی تحقیق میں ابتدائی ماورائے ادراک کیفیتوں کے حقیقی تصورات حاصل نہ ہوں۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ آسمان ایک وجود ہے اور زمین دوسرا وجود۔ یہ دونوں وجود ایک دوسرے سے متصل ہو کر ملے تھے۔ تو یہ مبالغہ اور غلط تصور ہے۔ کیونکہ زمین آسمانِ دنیا کے لاتعداد سیاروں میں ایک ذرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آسمان اور زمین کا اتصال کسی طرح ممکن بھی نہیں ہوسکتا ہے۔ اسلئے رَتْقًا کے لفظ میں خود اسکے معنی اور خود اسکا حقیقی تصور موجود ہے۔ یعنی زمین وآسمان کا یک جز (ایک ہی وجود) ہونا۔ بہ الفاظ دیگر ایک زمانہ تھا جبکہ کائنات

کی تخلیق میں آسمان کا وجود تھا اور باقی سیاروں کا وجود موجود نہ تھا تو یہ سب سیارے آسمان میں ہی سمائے ہوئے تھے۔ یا یہ سب سیارے آسمان سے نکلے فَفَتَقْنٰھُمَا پس ہم نے ان سیاروں اور زمین کو آسمان کے وجود سے ہی بنایا (نکالا) جیسے پانی کے ایک پیالے کے سوراخ سے ایک ایک قطرہ ٹپکتا ہے۔ فَفَتَقْنٰھُمَا میں یہ تصور ہے۔ کہ آسمان سے سیارے اور زمین قطروں کی شکل میں جدا ہوتے رہے۔ السَّمٰوٰت۔ آسمان کے متعلق مدت سے علمائے محققین (علماءِ محققین) میں بحث چلی آتی ہے۔ خاص کر یہ بات قابلِ ذکر ہے۔ کہ علمائے اسلام اور علمائے مغرب (سائنس دان) میں مدتوں سے یہ مناظرہ چلا آرہا ہے۔ علمائے اسلام کہتے ہیں کہ آسمان ہے اور مغربی تعلیم والے کہتے ہیں یہ حدِ نظر ہے آسمان نہیں۔ اس مناظرہ اور کج بحثی کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ قرآنی آیات پر سطحی نظر ڈالی جاتی ہے۔ اور غلط تصور قائم کر کے مخالفینِ اسلام کو نکتہ چینی کا موقع دیا جاتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ جس کیفیت کو آسمان کہا جاتا ہے۔ وہ حد نظر ہی ہے۔ اور جب آسمان کو کسی حد یا کسی طرف متعین کیا جائے تو آسمان کا تصور غلط ہو جاتا ہے ـــ اسکے مقابل قرآن نے صاف بیان کیا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۵) اور البتہ ہم نے سجایا آسمان دنیا کو ستاروں سے۔

اس آیت میں آسمان کا صاف تصور پایا جاتا ہے۔ کہ آسمان دنیا یعنی آسمان اول ایک نوری وجود ہے جس میں یہ تمام سیارے واقع ہیں۔ یعنی آسمان کسی مقام پر واقع نہیں۔ بلکہ یہ ستاروں کا مجموعہ خود آسمان میں شامل ہے۔ بہ الفاظ دیگر زمین اور سیاروں سے علاوہ جو فضا ہے خواہ زمین کے قریب ہی ہو آسمان کہلاتی ہے۔ جیسے سمندر کا وجود ہر جگہ پانی ہے۔ اور اسکی مخلوق اسی وجود میں تیرتی ہے۔ اسی طرح مثل پانی کے آسمان کی ہیئت ہے۔ اور یہ سیارے پیشتر موجود نہ تھے۔ بلکہ اسی آسمان کے اجزاء ہیں جو اسی آسمان میں معلق تیر رہے ہیں۔ اسی تخلیقی ترکیب میں سیارون کے وجود سے قبل یہ آسمان میں رَتْقًا ملے ہوئے تھے۔ بعد میں آسمان سے قطروں کی طرح نکل کر فَفَتَقْنٰھُمَا کی ترکیب سے آسمان میں ہی قرار کیا۔ انہیں سیاروں میں زمین بھی ایک سیارہ ہے۔ جو اسی ترکیب سے وجود میں آئی ـــ اسکے بعد خصوصی طور زمین کا ذکر ہوا۔ کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور بنایا پانی سے ہر شے کو زندہ۔ یہ بیان اسی

واقعہ کی ایک کڑی ہے۔ کوئی علیٰحدہ کیفیت نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں کیفیت تسلسل کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر مخلوق بنانی تھی اسلئے باقی سیاروں کے مقابلہ میں اَلْاَرْض کا خصوصی طور پر ذکر ہوا ـــ یعنی زمین پر ہر مخلوق پانی سے بنائی گئی ـــ اس کیفیت میں درمیانی چند ایسی کیفیتیں اور بھی ہیں۔ جنکا ذکر وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَيٍّ کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے۔ کہ ہم نے زمین پر پانی سے زندگی کے آثار پیدا کئے۔ تو یہ جاننا ضروری ہے کہ ابتدأ زمین کیا تھی۔ اور اس پر پانی کیسے ظاہر ہوا۔ کیونکہ زمین ابتدأ میں ایک نوری ۱؎ وجود کی جز تھی۔ اسلئے زمین کے ابتدائی وجودِ نوری میں پانی کا ہونا ممکن نہیں ہوسکتا۔ اسلئے زمین کی ابتدأ پر غور کرنا ہے۔

یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ چکا ہے۔ کہ آسمان کے تمام سیارے ناری ۲؎ وجود رکھتے ہیں۔ ان میں لاتعداد میلوں کی مسافت میں دور ـــ دور۔ ایسے عظیم سیارے ہیں۔ جو اس دنیوی سورج سے ارب ہا گنا بڑے اور ارب ہا گنا تپش میں تیز ہیں۔ انکی ہیئت گیس کے کُرّے کی سی ہے۔ یہی کیفیت ناری کہلاتی ہے۔ اسی طرح زمین بھی ناری حیثیت میں ابتدأ ناری کرہ تھی جس میں شدید تپش تھی اور اس میں خاکی ہیئت پائی نہ جاتی تھی تو وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَيٍّ۔ زمین سے بھی کچھ ناری وجود نکلے جو زمین کے گرد معلق چکر لگاتے ہیں۔ یہ بھی ستارے کہلاتے ہیں۔ انکی تعداد تھوڑی ہے۔ انکا جسم بھی بہت چھوٹا ہے۔ اسطرح زمین کی اپنی طاقت تقسیم ہوگئی۔ طاقت کم ہونے سے اس میں خاکی آثار پیدا ہوئے۔ یعنی پہلے زمین سے ہوا پیدا ہونے لگی۔ ہوا کی رفتار سے تپش کے مقابلہ میں سردی کا وجود ظاہر ہوا۔ یہ پہلا وجود ہے جو صرف زمین پر ہی پیدا ہوا۔ ہوا ـــ اور سردی نے زمین کی گرمی سے مل کر بخارات کی شکل اختیار کی۔ انہیں بخارات نے بارش (پانی) کی شکل اختیار کی۔ مسلسل ہوا ـــ سردی۔ بخارات نے زمین پر بارش برسانی شروع کردی۔ ہزاروں سال زمین پر مسلسل بارش برسنے سے زمین کی تپش کم ہوتی گئی۔ اور بارش نے زمین کے وجود کو خاکی ہیئت میں تبدیل کردیا۔ زمین کے خاکی ہیئت میں آنے سے

۱؎ نوری سے مراد نوری آسمان کی جز کا تصور ـــ جب کہ زمین ناری سیاروں کی مثل ناری تھی۔

۲؎ ناری وجود عام نار (مادی آگ) کا نہیں۔ بلکہ گیس کی ناری قوت ہے۔

بارش نے زمین پر قرار کیا۔ یہاں تک کہ تمام زمین پانی سے سیراب ہوگئی ۔۔۔ اسی کیفیت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۷) اوراس کا تخت پانی پر تھا۔ اس آیت کے ظاہری معانی پر نظر کی جائے تو ظاہر ہے کہ اللہ کا تخت پر بیٹھنا اور تخت کا پانی میں سمانا یہ قطعاً مبالغہ ہے۔ اللہ کی ذات کسی تخت پر سمانے یا پانی میں سمانے سے منزّہ ہے جبکہ زمین اور پانی اللہ کی مخلوقِ کائنات میں سب سے حقیر ذرہ ہے۔ اور اللہ کی ذات کا تصور یہ ہے۔ کہ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ''○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۱۵) تحقیق اللہ نے تمام مخلوق کائنات کو اپنے اندر سمایا ہے۔ ایسی صورت میں کسی مخلوق میں اللہ لامحدود کا سمانا قطعی غلط تصور ہے۔ اس کیفیت میں یہ تصور کہ اللہ علم یا صفت کے اعتبار سے تخت پر بیٹھا ہے یہ تصور بھی غلط ہے۔ برعکس اسکے اس قرآنی آیت میں استعارہ ہے۔ کہ جس وقت زمین پر ہر طرف سے پانی تھا اس وقت ہر طرف اسی کی حکمرانی تھی۔ اس وقت اس زمین کی بادشاہت کا کوئی دعویدار نہ تھا۔ بلکہ اللہ ہی نے انسان کو پیدا کیا وہی اس کا حاکم و مالک ہے۔ یہی وہ پانی ہے جو زمین سے پیدا ہوا۔ یہی پانی ہزاروں سال زمین پر رہا۔ اس میں تلاطم پیدا ہوتے رہے اور زمین کے تمام ناری اجزأ پانی میں مل گئے ۔۔۔ زمانہ آیا کہ بارش تھم گئی اور رفتہ رفتہ پانی زمین میں جذب ہونا شروع ہوا۔ اسی پانی میں زمین کے ناری ذرات نے مخلوقِ متحرک شکل اختیار کی اور کیڑے مکوڑوں کی شکل میں جاندار وجود حرکت کرنے لگے۔ اسی حرکت کو زندگی (حی) ۱؎ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ انہیں کیڑے مکوڑوں نے حیوانات۔ نباتات۔ چرند و پرند کی شکل اختیار کی۔ بالآخر جب تمام پانی زمین میں جذب ہوا۔ کچھ حصہ زمین کی گہری گھائیوں میں جمع ہوکر سمندر اور دریا کی شکل اختیار کر گیا۔ اور زمین کے بیچ میں ایک نشیبی جگہ باقی پانی جمع ہوگیا۔ اس پانی میں زمین کے تمام جوہر کا مرکب شامل تھا۔ یہی پانی آخر سوکھ کر دلدل کی شکل اختیار کر گیا۔ سالہاسال دلدل کی صورت میں رہ کر لیسدار کیچڑ کی شکل میں آگیا۔ یہی مٹی ہے جسکا ذکر خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ میں ہے۔ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت

۱؎ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ سے مراد زمین کے ناری ذرات کا مادی جسمانی ہیئت میں محسوس ہونا جو نباتات۔ حیوانات کی شکل میں محسوس ہوئے۔

۲۶) ترجمہ: بنایا انسان کو ٹھیکری کی مانند بجتی ہوئی اور لیسدار کیچڑ جیسی مٹی سے ۔ یہ مٹی زمین کے تمام جوہردار قوتوں کا نچوڑ ہے۔ جیسا کہ قرآن نے بتایا۔

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۱۲) ترجمہ: بنایا انسان کو مٹی کے جوہر سے (یعنی مٹی کے جواہراتی اجزاء سے)۔

اسکے بعد انسان کی پیدائشی ترکیب پر قرآنی آیات کی روشنی میں غور کرنا ہے۔ کہ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۔ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں۔ انسان بشر کی ہیئت میں ظاہر ہو کر ابھی بے جان ہے یا جاندار؟

قرآن نے ایک مقام پر انسان کی ترکیب پیدائش میں ایک تصور دیا۔ جس میں انسان کی جسمانی ہیئت ترکیبی کا بنیادی تصور ملتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۔ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً اس نے بنایا تم کو ایک جان سے ۔ اور اسی جان سے اسکا جوڑا بنایا۔ اور بنائے اس جوڑے سے ہی باقی مرد اور عورتیں۔

اس آیت میں اس کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ جب حضرت آدمؑ انسانِ اول کو پیدا کیا۔ قرآن نے انسانی تخلیق کے مختلف طریقے اور ترکیبیں بیان کیں۔ لیکن دوسرے انسان ۔ جو خود انسان میں ہی شمار ہے یعنی جوڑا (حضرت حواؑ) کے وجود کی ترکیب کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ حالانکہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ میں اس انسان (جوڑے) کو بھی شامل ہونا چاہیے تھا۔ بجائے اسکے اس جوڑے کی پیدائشی ترکیب میں صرف اتنا بیان ہوا۔ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ۔ یعنی اسکا وجود انسانِ اول کے وجود سے نکلا۔ مگر نکلنے کی کوئی واضح ترکیب بیان نہیں کی ۔ ظاہر ہے۔ اگر قرآن اس جوڑے کی پیدائشی ترکیب بیان نہیں کرتا۔ تو کوئی بھی اس جوڑے کی تخلیقی ترکیب آسانی سے تصور میں نہیں لا سکتا۔ البتہ جس کیفیت کا بیان قرآن سے حاصل نہ ہو۔ اس کی وضاحت حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث سے یہ ثابت ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کی شرح میں فرمایا کہ حضرت حوا (جوڑا) حضرت آدمؑ کی پسلی سے نکلی ہے ۔ اس حدیث کے ظاہر معنی کو لیا جائے۔ تو اسکے

ظاہری معنی ایسے ہیں۔جیسے وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ کے ظاہری معنی لئے جائیں۔کیونکہ غور و تحقیق سے انسان کی پسلی سے ایک انسان کا بننا یا پیدا ہونا ہمارے لئے کوئی تصور قائم نہیں کرسکتا۔نہ اسکی ترکیب ہی سمجھی جاسکتی ہے۔کہ کس طرح ایک پسلی انسان کی علیحدہ کر کے اسکا ایک انسان بن سکے ـــ اسلئے یہ حدیث بھی معنوی صورت میں حق ہے۔مگر لغوی حیثیت میں۔استعارہ ہے ـــ اس استعارہ کو سمجھنے کیلئے کائنات کے نظامِ تخلیق پر تفکر کرنا ضروری ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شئےِ مخلوق کی ابتدائی تخلیق میں ایک منظم نظام ترتیب دیا ہے۔اور ہر جاندار کی ابتدائی پیدائش ایک ہی نظام کے تحت ہوتی ہے۔کہ ہر جاندار۔کیڑا۔پرند۔چرند۔حیوان۔نباتات۔پودے۔درخت غرض کہ ہر شے مخلوق میں ایک ہی ترکیب پائی جاتی ہے۔کہ ایک لطیف ذرہ جب ایک متحرک جسم کی ہیئت میں انتقال کرنے لگ جاتا ہے۔ تو ابتداً میں وہ ایک ہی ذرہ (لطیف زندہ جسم) ہوتا ہے۔دوران انتقال وہ اس دور سے گزرتا ہے کہ یہ ذرہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔اور یہ دونوں حصے الگ الگ ایک وجود اختیار کر کے وجود جسمانی کی طرف ترقی کرتے دو جسم بن جاتے ہیں۔انہیں دو جسموں میں ایک نر ایک مادہ بنتے ہیں۔جب یہ وجود مکمل ہو جاتے ہیں تو انہیں نر و مادہ سے باقی کثیر جسم اسی قسم کے پیدا ہوتے ہیں۔یہی کیفیت انسانی جسمؐ کی ہے۔عام فطری تخلیقی ترکیب کے نظام کے مطابق نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ ۔ عام جانداروں کی طرح ایک ناری ذرہ ہے۔جو حماءِ مسنون میں قرار کرتا ہے۔بہ الفاظ دیگر مشیتِ الٰہی ـــ قدرت الٰہی کے تابع ایک قوی ناری ذرہ اس حماءِ مسنون میں رکھا جاتا ہے۔جو اسی حماءِ مسنون کی غذا (آمیزش) سے بشری شکل میں ارتقایا انتقال کرتا ہے یعنی حماءِ مسنونِ میں ابتدا ایک جسم (ایک ذرہ) نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ سے ہوئی یہ جسم انسانِ اول کا جسم تھا۔دوران انتقال یہ ذرہ (جسم) بھی دو حصوں میں تقسیم ہوا (جسے پسلی سے نکلنا تشبیہ دیا گیا) اور یہ دونوں جسم ساتھ ساتھ ترقی کرتے انسانی ہیئت میں آکر بشر کی آخری شکل میں ظاہر ہوئے۔ان دونوں جسموں نے حماءِ مسنون سے ہی غذا حاصل کی۔لہٰذا دونوں وجودوں کا مرکب ایک ہی ہے۔اس اعتبار سے دونوں جسموں کو انسان کہا جاتا ہے۔قرآنی آیات پر مسلسل غور کرنے سے معلوم ہوگا۔کہ قرآن نے حضرت آدمؑ کی پیدائشی ترکیب بیان کرنے میں ایک ہی وجود کا ذکر کیا ـــ مگر جنت میں داخل ہوتے وقت دو وجودوں کا ذکر کیا۔

یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ ۔اے آدم سکونت کرتو اور تیرا جوڑا اس باغ میں۔
اس سے پیشتر اس جوڑے کی پیدائشی ترکیب کا ذکر قرآن میں نہ عمداً ہوا نہ قصداً۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جوڑے کی ترکیب نظامِ کائنات کے ماتحت خود بخود ہو جاتی ہے۔جسکے بعد اسکی ترکیب یا تشریح کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔البتہ اس ترکیب میں۔انسانی پیدائشی ترکیب کے تصور میں اختلاف پیدا ہوا۔وہ یہ کہ علماءِ اسلام کے نظریہ میں حضرت آدمؑ انسان اول کی پیدائشی ترکیب میں یہ تصور ہے۔کہ آدم کیلئے ایک مٹی کا پتلا۔سڑی ہوئی لیس دار مٹی سے بنایا گیا۔جو پہلے بے جان تھا۔بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی۔یہ روح وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ ہے جسکا بیان اِنِّیْ خَالِقٌ م بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ـــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔میں کیا گیا۔اسکے علاوہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ○ کی آیت کے معنی میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مٹی کا پتلا ہوا لگنے سے ٹھیکری کے مانند بجنے لگا۔(یہ تصور بظاہر خلاف قانون فطرت ہے۔کہ ہوا لگنے سے مٹی ٹھیکری کی ہیئت نہیں بن سکتی)۔اور یہ کہ انسان کا جوڑا۔روح پھونکنے کے بعد جب انسان زندہ ہوا۔تو اسکی ایک پسلی نکال کر اسکا جوڑا بنایا گیا۔اسکے لئے کوئی ثبوت کوئی دلیل اسکی ترکیب کے لئے موجود نہیں۔اس کے ساتھ ہی انسان کی بناوٹ نہایت موزوں مناسب طریقہ پر کی گئی۔اسلئے یہ تصور بھی مبالغہ آمیز ہوسکتا ہے۔کہ انسان کی بناوٹ میں ایک طرف ایک پسلی زائد ہو۔اگر تناسب کے لحاظ سے برابر ہوتو آئندہ انسان میں ایک طرف ایک پسلی بطور ثبوت کم ہونی ضروری ہے ـــ اسکے برعکس بعض محققین کا نظریہ ـــ کائنات کے نظام کے مطابق یہ ہے۔کہ مثل عام جانداروں کے انسانی تخلیقی ترکیب بھی قانون فطرت کے مطابق ہے۔کہ انسان کے وجود کیلئے نظام کائنات کی تخلیقی ترکیب کے مطابق ایک مخصوص ناری ذرہ مقرر ہوا۔جس نے حماءِ مسنون میں قرار پکڑا۔یہی ذرہ حماءِ مسنون میں انسانی ہیئت کی طرف انتقال کرتا رہا۔اسی سے اسکا جوڑا ساتھ ساتھ بنتا گیا۔اور یہ جوڑا آخری انسانی (بشری) شکل پر مکمل ہوکر ایک زندہ جسم میں ظاہر ہوا۔اور اِنِّیْ خَالِقٌ م بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ کے مقام پر۔بشر بے جان نہیں بلکہ ایک مکمل زندگی کا حامل جسم تھا جسے روح پھونک کر زندہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔اور فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ سے مراد ـــ چونکہ انسان بھی عام حیوانی اجسام کی طرح ارتقاً کر کے بشری ہیئت میں آیا۔اسلئے

عام حیوانی خاصیات وصفات کا حامل تھا۔ اسی کیفیت کا اظہار اس آیت سے کیا گیا۔ کہ زمین کی سفلی قوتوں کے مرکب میں یہی صفت نمایاں ہوتی ہے۔

اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا۔ کیا تو زمین میں اسکو خلیفہ بنائیگا جو پیدائشی حیثیت میں زمینی خاصیات حیوانی کا حامل ہوگا ــــ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس ترکیب میں ایک زائد کیفیت فَاِذَا سَوَّيْتُه' کا دانستہ ذکر کیا کہ عام حیوانی صفات پر جب اسے سنوارا۔ یعنی عام حیوانوں کے مقابلہ میں انسان کی جسمانی بناوٹ ایک خوبصورت اور اعلےٰ بناوٹ کی دوسرے عام حیوانوں کے مقابلہ میں انسان کو قوی حواس اور عظیم عقل وشعور کا مالک بنایا۔ یہی اسکی سوئی ہے۔ اس صفت سے انسان باقی مخلوق میں ایک تو سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۔ مٹی کے جوہری اجزا سے اسکا جسم بنایا۔ دوسرے بشری شکل بنائی۔ تیسرے قوی عقل و شعور دیکر اسے اشرف المخلوقات بنایا جس صفت سے اس میں فساد و خونریزی کی خاصیت کم ہوگئی۔ مگر چونکہ اِسے اشرف الملائکہ (خلیفہ) بنانا تھا اسلئے اس میں ایک زائد صفت وخصوصیت بھی شامل کرنی ضروری ہے جو زمین کی مٹی سے ماسویٰ ایک نوری کیفیت ہے۔ یہ ایک زائد کیفیت ہے جسکا انسانی پیدائشی ترکیب میں کوئی دخل نہیں۔ ویسے بھی یہ کیفیت انسانی پیدائش میں مشاہدے میں آتی ہے کہ نسلِ انسانی میں بھی ایک وجود ابتدأ زندہ (ذرہ منویہ) جرثومہ ہوتا ہے۔ یہی ذرہ بشری شکل کی طرف انتقال و ارتقأ کرکے بشر پیدا ہوتا ہے۔ دوران ارتقأ کوئی وقت ایسا نہیں جہاں اسے زندہ کرنے کیلئے روح پھونکی جائے۔ اسکے باوجود ہر نسلِ انسانی میں تین ماہ دس دن کے بعد روح پھونکی جاتی ہے۔ اس امر کی دلیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے ــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کے تصور میں یہی کیفیت پوشیدہ رکھی تھی۔ جس سے ملائکہ آگاہ نہ تھے۔ کہ سفلی انسان کس طرح تسبیح وحمد کا حامل ہوگا۔

اِن آیات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ سے مراد یہ ہے۔ کہ انسان کی جسمانی حیثیت ایسی ہو گی۔ جو عام مخلوق حیوانی (ارضی) کے مقابلہ میں افضل وآراستہ ہوگی ــــ اسکی جسمانی صفت بھی سوئی کے اعتبار سے نیم روحانی ہوگی ــــ اور اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کی صفت سے متصف کرنے کیلئے وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اپنی ایک مخصوص منتخب روح انسانی مرکبِ جسمانی میں شامل کرکے اسکی خلافت کی تکمیل کردی۔ یہ وجود جسمانی اعتبار سے اشرف المخلوقاتِ ارضی ہے۔ اور روحانی اعتبار سے اشرف المخلوقاتِ

ملکوتی (آسمانی) ہے۔ یہ کیفیت فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ کے ذکر سے ظاہر کی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔ کوئی کام اٹکل پچو یا بلا دلیل نہیں کرتا۔ اب یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ روح کے نفخ سے انسان میں کیا صفت پائی جاتی ہے۔ جس سے وہ اشرف الملائکہ اور مسجودِ ملائکہ کہلاتا ہے۔ سو قرآن نے نہایت تفصیل سے اس کا ذکر کیا۔

روح کا پھونکنا کس غرض سے تھا؟ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب کیا کہ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ ''فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً جب کہا اللہ نے ملائکہ سے میں زمین پر ایک ایسی مخلوق پیدا کرونگا۔ جو تم (ملائکہ) سے بہتر میری تسبیح وحمد کریگا۔ تسبیح سے مراد۔ عبادت اور حمد سے مراد پہچان یعنی معرفت۔ اللہ کی ذات کو پہچاننا ـــــ ملائکہ نے کہا ہم تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری پہچان بھی کرتے ہیں۔ لیکن ارضی انسان سے جو تسبیح وحمد کرانی ہے۔ وہ ملائکہ کی تسبیح وحمد سے اعلیٰ ہوگی۔ اسلئے ملکوتی صفات سے متصف کرنے کیلئے انسان میں روح پھونکی گئی ـــــ اب اس صفت کا مقابلہ کرنا مقصود ہے۔ تاکہ معاملہ صاف ہو جائے ـــــ

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ لا فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۱) ترجمہ: اور علم دیا آدم کو تمام اسماء کا۔ پھر پیش کیا ملائکہ پر۔ پس کہا ملائکہ سے۔ خبر دو مجھ کو اپنے اسماء کی اگر تم اپنے اعتراض (علم) میں درست ہو۔

اس آیت میں ایک اضافی کیفیت کا اظہار ہے۔ کہ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ یعنی روح پھونکنے کے بعد آدم کو اسماء کا علم دیا گیا۔ یہ کیوں ـــــ؟ اسکا اظہار خود قرآنی واقعات سے ہوتا ہے۔ کہ ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ۔ کہ آدم اور ملائکہ کا مقابلہ کرانا مقصود ہے ـــــ مقابلہ کس حیثیت میں ـــــ؟ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنی اگر تم اپنے قولِ معترض میں سچے ہو کہ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ کہ انسان فساد کا حامل ہے۔ اس سے تسبیح و پہچان نہیں ہو سکتی اور وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط ہم ہی تسبیح و پہچان کے حامل ہیں۔ تو پھر اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں جو کیفیت پنہاں تھی وہ اس منصوبہ سے پوری کر دی کہ آدم کو تمامی اسرار و آثار ملکوتی سے روح کے ذریعہ مشاہدہ کرا کر آگاہ کر دیا۔ اسی غرض سے آدم و ملائکہ کا مقابلہ ہوا۔ اور ملائکہ سے ان کی تسبیح وحمد کا

امتحان لیا گیا۔ کہ اے ملائکہ ۔۔ خبر دو مجھ کو اپنے آثار و اسرار ملکوتی کی۔ اس میں شک نہیں کہ ملائکہ تسبیح کے حامل ہیں۔ لیکن انکی تسبیح اسقدر محدود و مختصر ہے۔ کہ وہ اس تسبیح سے تمام اسرار و آثار سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ نیز ہر فرشتہ کیلئے اپنا ایک مقام مقرر ہے۔ ہر فرشتہ اپنے مقام سے بالاتر مقام تک جانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسلئے اُسے اتنے ہی آثار کا علم ہو سکتا ہے۔ جسکا وہ احاطہ کر سکے۔ لہذا ہر فرشتہ اپنی طاقت سے زائد کیفیات و مقامات کی خبر نہیں دے سکتا۔ اور اصل بات تو یہ ہے۔ کہ تسبیح (عبادت) کا نتیجہ معرفت ہے۔ یعنی مقصود اصلی معرفت ہے۔ معرفت میں اصل شے مراتب کا پانا ہے۔ ملائکہ مراتب عالی پا نہیں سکتے۔ اسلئے وہ اَسۡمَآءَ كُلَّهَا کی خبر نہیں دے سکتے۔ تو ملائکہ نے اسماء کی خبر دینے میں مجبوری ظاہر کر کے اپنے عجز کا اظہار کیا۔ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۲) کہا ملائکہ نے پاک ہے تو غلط کرنے اور غلط کہنے سے۔ ہمیں اپنے اسماء میں اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں دیا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ادھر آدم (انسان اور ارضی پیدائش) کیلئے خلافت کے اعتبار سے ملائکہ سے بالاتر مرتبہ عطا کیا گیا۔ اسی لئے حکم ہوا فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ کہ تم انسانی عظمت کے آگے اپنی عاجزی اور کمتری کے ساتھ جھک جاؤ ۔۔۔ اسلئے آدم کو تمام اسماء (اَسۡمَآءَ كُلَّهَا) میں۔ ذاتِ الٰہی (نور ازلی) سے لیکر تمام مخلوقِ نوری ناری۔ اور خاکی کے تمام اسرار و آثار سے آگاہی دی گئی۔ اسکا مطلب یہ ہوا۔ کہ اسماء سے مراد۔ تمام اسرار الٰہی کا علم و آگاہی دینا۔ اس مقام پر اَسۡمَآءَ كُلَّهَا کی شرح میں مفسرین نے صرف زمین کی اشیائے خاکی و مادی کا علم دینا بیان کیا ہے۔ لیکن مندرجہ بالا آیت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا کے ساتھ آدم و ملائکہ کا مقابلہ کرانا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ کا مطلب اشیأ کا پیش کرنا نہیں۔ بلکہ آدم و ملائکہ کا ایک دوسرے کے مقابل کرنا ہے۔ اس حالت میں۔ کہ آدم زمین پر پیدا ہوا۔ اور زمین پر ہی اسکا قیام ہے۔ ادھر ملائکہ سات آسمانوں اور عرش پر مقیم ہیں تو عَرَضَهُمۡ۔ پیش ہونا بھی اسی حالت میں ہے۔ کہ ملائکہ اپنے مقام پر ہیں اور اللہ تعالیٰ انسے خطاب کر رہا ہے۔ یہ کیفیت ایسی ہی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے مقامِ لامکان (لامخلوق) پر موجود ہے اور فرشتوں سے آسمانوں میں خطاب کر رہا ہے۔ اِنِّیۡ جَاعِلٌ" فِی الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ۔ اس خطاب سے یہ ظاہر نہیں کہ اللہ ملائکہ کے قریب ہے۔ یا ملائکہ اللہ کے روبرو حاضر ہیں ۔۔۔ اسی حالت میں ملائکہ جواب دے رہے

ہیں۔اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ ___ مقابلہ کے وقت اللہ تعالیٰ ملائکہ سے خطاب کر رہا ہے۔اور آدم سے بھی (جو زمین پر مقیم ہے) خطاب کر رہا ہے۔آدم اس حالت میں ہے کہ اسے تمام اسرار و آثار الٰہی کا روحانی مشاہدہ ہے۔وہ اللہ کا خطاب سن رہا ہے۔تو یہ تصور بھی درست نہیں ہو سکتا کہ آدم آسمانوں پر ہے۔اور ملائکہ کو اکٹھا کر کے آدم کے روبرو کر دیا گیا ہو یا جیسا کہ مفسرین کا نظریہ ہے۔کہ آدم جنت میں (جو آسمانوں میں ہے) ٹھہرایا گیا۔اور قرآن نے بھی اس بارے میں کوئی ایسا بیان پیش نہیں کیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ آدم و ملائکہ کو ایک جگہ اکٹھا کر کے اور تمام اشیائے زمین کو انکے سامنے لا کر رکھ دیا ہو۔کہ ان اشیأ کے نام بتادو۔نہ اس مقام کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں اکٹھا ہونیکے لئے کسی مقام کو مخصوص کیا گیا ہو اور جہاں پر زمینی اشیأ کو آدم و ملائکہ کے سامنے لا کر رکھدیا ہو۔اور یہ جو اَسۡمَآءَ کُلَّهَا سے زمینی اشیأ مراد لی گئی ہے۔اس دیدہ دانستہ مقابلہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ آدم و ملائکہ کے درمیان آدم کی بزرگی اور برتری کا مظاہرہ کرانا چاہتا ہے۔تو ظاہر ہے یہ بزرگی آدم کو اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ آدم سے ایسا مظاہرہ ہو جس سے اسکی عظمت و برتری ملائکہ پر ثابت ہو۔تو یہ برتری۔زمینی اشیائے مادی کے علم سے نہیں ہو سکتی۔غور طلب امر یہ ہے۔کہ ملائکہ نوری اعتبار سے۔دیکھنے۔سننے۔سمجھنے میں مادی ہیئت کے مقابلہ میں قوی ہیں۔وہ آسمان میں رہ کر زمین کی ہر شے کا احاطہ کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔کیونکہ وہ وسیع سمع و بصر و فہم رکھتے ہیں۔اسلئے وہ زمینی اشیأ کے علم میں عاجز نہیں ہو سکتے۔اور ایسا بھی خلافِ فطرۃ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ انہیں جان بوجھ کر ان کیفیتوں کا علم پانے سے عاجز کر دے۔تا کہ وہ ان زمینی اشیأ کا علم پانے میں مجبور ہوں۔اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی مجبوری ڈالدی جائے۔تو پھر ملائکہ سے ایسا سوال کرنا۔شانِ خداوندی کے خلاف ہے۔کہ خود مجبور کر کے انسے سوال کیا جائے ___ تو ظاہر ہوتا ہے۔کہ اس مقابلہ میں وجہ برتری قوتِ مشاہدہ۔حصولِ مراتب اور آگاہی اسرار الٰہی[1] ہے ___ ملائکہ خود بھی اسماء میں شامل ہیں۔کیونکہ وہ آسمانی مخلوق ہیں۔اور آسمان بھی اسماء میں شامل ہیں۔ادھر۔آدم خاکی ہے۔اسکے سمع و بصر۔و فہم مادہ میں مقید و محدود ہیں۔آدم خاکی حیثیت میں ان اسماء کی خبر نہیں دے

---

[1] اسماء کی تفصیل آگے صفحہ ۳۶۸ پر آئیگی۔

سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس ارضی بشر کی تکمیل کے بعد وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ایک عظیم روح ودیعت کی جس روح کے ذریعہ آدم ذات الٰہی تک رسائی رکھ سکتا ہے۔ اور اسی روح کے ذریعہ پرواز کر کے تمام اسماء و اسرار الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے ـــــ اس لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر آدم سے خطاب کیا۔ قَالَ يٰآدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ اے آدم خبر دو ملائکہ کو انکے تمام آثار و احوال کی ـــــ مادی حیثیت میں یہ امر آدم کیلئے ممکن نہیں۔ اسلئے آدم کے خبر دینے سے یہ چیز ثابت ہوگی۔ کہ آدم میں ملائکہ نوری سے بالاتر عظیم قوت ہے۔ جس سے وہ اس کیفیت کی خبر دے سکتا ہے۔ جس سے وہ مادی حیثیت میں خبر دینے سے عاجز ہے۔ اور دیکھا ملائکہ نے ـــــ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ پس جب خبر دی آدم نے نوری۔ آسمانی۔ ملائکہ کے تمامی احوال و آثار کی۔ تو یہ بات تسلیم ہوئی ـــ کہ ارض کی خاکی پیدائش اگرچہ خاکی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ازلی ارادہ میں آدمِ خاکی کیلئے یہی چیز مقرر کی گئی تھی۔ کہ آدم میں ایک عظیم روح پھونکی جائیگی۔ جس سے وہ اعلیٰ تسبیح کا حامل ہوگا۔ اور اسی تسبیح کے نتیجہ میں وہ ملائکہ سے بالاتر مقام و مرتبہ اور ملائکہ سے وسیع تر مشاہدۂ اسرار الٰہی کا حامل ہوگا ـــ اس کیفیت کا جب مظاہرہ ہوا۔ تو فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ تمام ملائکہ نے اس امر کا اعتراف کیا۔ کہ سُبْحٰنَكَ اللہ تعالیٰ غلط کام کرنے سے پاک ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے۔ وہ درست ہے۔ اس میں اعتراض یا سوال کرنے کی گنجائش نہیں۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کے کرنے میں اسکے فعل و حکم کا احاطہ کر نہیں سکتے ـــ وہ آدم کی اصل ہیئت و حیثیت سے آگاہ نہ تھے۔ انہوں نے صرف علم حاصل کرنے کیلئے اللہ سے سوال کیا تھا۔ جب کہ فطری قانونِ تخلیق کے تحت زمین کے مرکب سے سفلی وجود ہی خلق ہوسکتا ہے۔ اس میں نہ تسبیح و حمد نہ مشاہدۂ اسرار کی قوت ہے۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ ارضی مخلوق خاکی حیثیت ملائکہ سے بالاتر تصور کی جائے۔؟ تو اللہ نے کہا۔ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اس معاملہ میں جو کچھ میں نے زمین پر بنانا ہے اسکے تمام مرکبات۔ جسم اور روح سے ابھی تمہیں واقفیت نہیں۔ اسلئے ثُمَّ عَرَضَهُمْ [1] پھر ملائکہ اور آدم کو ایک دوسرے کے

---

[1] ثُمَّ عَرَضَهُمْ میں سوال هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کے بیان میں هٰٓؤُلَآءِ کے لفظ سے اشیاً کا سامنے ہونا ظاہر کرتا ہے۔ تو عقلی استدلال کے ساتھ یہ امر واضح نہیں۔ کہ اشیاءِ زمینی کو زمین پر جمع کیا گیا۔ یا آسمان (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سامنے کر کے اصل کیفیت سے آگاہ کر دیا۔ تو لازمی بات تھی کہ ملائکہ کو آدم کی برتر حیثیت تسلیم کرنے میں چارہ نہ تھا۔ لیکن اس امر سے شیطان نے انکار کیا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ ق وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۴) ترجمہ: اور جب کہا ہم نے ملائکہ سے سجدہ کرو واسطے آدم کے۔ پس سجدہ کیا ان سب نے۔ مگر ابلیس نے۔ نہ کیا اور اپنی بڑائی کی اور وہ انکار کرنے والوں سے ہوا۔

حضرت آدمؑ کے مظاہرۂ علم و مشاہدہ کے بعد تمام ملائکہ نے حضرت آدم کی عظمت کو تسلیم کیا۔ مگر ابلیس نے حضرت آدمؑ کی عظمت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا۔

قَالَ مَامَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ط قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ج خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پر (ملائکہ کے قریب) تو یہ امر کسی حد تک مبالغہ تصور ہوتا ہے۔ کہ زمین کی تمام اشیأ کو آسمان میں لا کر رکھ دیا جائے! ۔۔۔ سات آسمانوں میں کس آسمان پر؟ ۔۔۔ لانے والا کون ہے؟ ۔۔۔ آدم کو کیسے آسمان پر اٹھایا گیا جہاں ملائکہ کا بھی اجتماع ہو؟ بجائے اسکے ھٰٓؤُلَآءِ کیلئے ملائکہ کی قوتِ بصر (ملکوتی) کیلئے ہر شے پر احاطہ کرنے کی صلاحیت میں کسی شے کے ملائکہ کے سامنے جمع کرنے کی نہ ضرورت ہے۔ نہ ہی کسی مقام کا صحیح تعین ہو سکتا ہے کہ کس جگہ اشیأ جمع ہوں نہ اسکی ضرورت ہے۔ زمین میں ہوں۔ آسمانوں میں ہوں۔ ہاں یہ سب کیفیات اسماء سے موسوم ہیں۔ جن پر ملائکہ کو محدود انداز میں احاطہ ہے۔ اور بعض کیفیات انکے حدِ ادراک سے ماورٰی ہیں۔ اسی طرح آدم کیلئے۔ یہ ضروری نہیں کہ اسے آسمان پر اٹھایا جائے۔ یا اسکے سامنے زمین پر اشیأ کو اکٹھا کر کے رکھ دیا جائے۔ جبکہ زمینی اشیأ اسماء میں شمار نہیں۔ بلکہ آسمانی کیفیات نوری ہی اسماء میں شمار ہیں۔ آدم کیلئے بھی جبکہ اسے روحِ رحمانی سے مشاہدۂ ملکوتی حاصل ہے ھٰٓؤُلَآءِ کا بیان اسمأ ملکوتی ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس حال میں کہ آدم کو ان اسماء سے علم و آگاہی حاصل ہو چکی ہے۔ رہا سوال ثُمَّ عَرَضَهُمْ سے کیا مراد ہے۔ چونکہ یہ مظاہرہ۔ یا یہ منصوبہ۔ اللہ تعالیٰ کے بیان اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔۔۔ اور ملائکہ کے سوال اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا کی حقیقت واضح کرنے کی خاطر واقع ہوا ۔۔۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان کی حقیقت واضح کرنے کی خاطر یہ منصوبہ بنایا۔ کہ پہلے ملائکہ کی تسبیح و حمد کی صلاحیت سامنے کی جائے پھر آدم کی خصوصیتِ خلافت کو واضح کیا جائے۔ ایسی صورت میں آدم اور ملائکہ کا مقابلہ۔ یا امتحان لازم ہوا۔ اسلئے خواہ شخصیتیں کسی مقام پر ہوں۔ ہر دو شخصیتوں کی قوتِ علمی کے تحت اپنے اپنے مقام پر اللہ تعالیٰ دونوں شخصیتوں (آدم۔ اور ملائکہ) سے سوال کرتا ہے۔ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ دراصل مقابلہ کرانا معنی رکھتا ہے۔

خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۱۲) کہا اللہ نے کس چیز نے منع کیا تجھ کو یہ کہ نہ کیا سجدہ آدم کو جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا۔؟ کہا میں بہتر ہوں اس سے۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور پیدا کیا اسکو مٹی سے۔

اس آیت میں نوری۔ خاکی مخلوق سے ماسوئی ایک اور مخلوق کا ذکر ہے۔ وہ ابلیس ہے ــــ ابلیس جنات کی مخلوق سے ہے۔ جنات۔ انسان سے پہلے زمین پر پیدا ہوئے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ یہ مخلوق زمین کی پیداوار ہے۔ جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○

(پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱۴۔ ۱۵) بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے اور بنایا جنوں کو آگ کے شعلوں سے۔

یہ زمین کی ابتدائی کیفیت ہے۔ جب زمین کرۂ نار تھی۔ اسوقت اس پر سوائے آتشی گیس کے روئیدگی کے آثار نہ تھے۔ نہ انسانی وجود کا اس پر ظہور ہوا تھا۔ اسی کرۂ نار کے آتشی شعلوں سے جنوں کا وجود بنا۔ جنات غیر محسوس ہیں۔ اور خاکی جسم سے قوی ہیں۔ ناری ہیئت کے اعتبار سے ان میں قوتِ سمع و بصر بھی قوی ہے۔ انکی پرواز آسمان کے ناری سیاروں تک ہو سکتی ہے۔ ناری لحاظ سے یہ مخلوق پرواز کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ ناری وجود رکھتے ہیں اسلئے یہ بیرونی سیاروں میں آسانی سے داخل ہو سکتے ہیں اور وہاں قیام کرنے میں انہیں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی ـــ یہ نار چونکہ زمین کی قوی قوت ہے۔ اور انسانی وجود اس زمین کی تنزلی کیفیت کی پیداوار ہے۔ اسلئے جسمانی حیثیت میں جنات۔ خاکی انسانی جسم کے مقابلہ میں قوی و غالب ہیں۔ اسی لئے ابلیس نے کہا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ۔ میں خاکی انسان کے مقابلہ میں قوی ناری قوت کا حامل ہوں۔ اسلئے یہ امر میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اپنے سے کمتر درجے کی مخلوق کو اپنی ذات سے بالاتر تسلیم کروں ــــ یہی سوال دبی زبان میں ملائکہ نے بھی کیا تھا ــ کہ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا۔ کیا تو زمین کی خاکی ہیئت کو بزرگی دیکر نوری مخلوق سے تسلیم کراتا ہے!۔ تو آدم کے مظاہرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امر کی نشاندہی کر دی اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لا وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۳) کیا

میں نے تم سے نہیں کہا تھا۔! کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہ میں آسمان وزمین کے غیب کا علم رکھتا ہوں۔ اور مجھے اس چیز کا علم بھی ہے جو تم نے ظاہر کیا کہ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا ــــ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط اور اس چیز سے بھی واقف ہوں جو تم نے چھپا رکھا تھا ــــ یہی کہ ــــ آدمِ خاکی کی برتری تسلیم کر کے اپنی نوری حیثیت کو پست کر دیں!۔ فرق صرف اتنا ہی رہا کہ ملائکہ نے تسلیم کر لیا ــــ اور ابلیس نے آدم کی برتری کو تسلیم نہیں کیا ــــ لہذا اللہ نے اس پر لعنت کی۔ اپنی ذات کے قرب اور ملکوتی مراتب سے نیچے گرا کر دور پھینک دیا۔

قرآنی تواریخ کے اس تفصیلی بیان سے ہمیں مخلوق کی ابتدائی تخلیق میں۔ اسکے وجودی مرکب (روحانی۔ جسمانی) اور اسکی پیدائشی خصوصیات کا پورا مواد حاصل ہوا۔ جسکا حاصل یہ ہے۔ کہ اس مخلوقِ انسانی کی ابتدائی کیفیت و ہیئت کو پہلے خلیفہ نام دیا گیا۔ جس سے مراد۔ زمینی اجزا سے ترتیب دیا گیا ایک وجود۔ جو عام حیوانی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اس میں چند کیفیتیں زمین سے ماسوا پائی جاتی ہیں۔ ایک سوّی۔ سنوارنا ــــ دوسری۔ روح یعنی روح رحمانی۔ تیسرا علم۔ انہیں تین صفتوں کو خلیفہ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسکے بعد یہ وجود بشر کے خطاب سے پکارا گیا۔ بشر سے مراد۔ زمینی اجزا سے ترتیب دیا گیا ایک وجود۔ جو عام حیوانی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ایک انسان کی سی شکل سر۔ دھڑ۔ بازو۔ لاتیں وغیرہ اور آنکھیں۔ کان۔ ناک۔ دل و دماغ وغیرہ۔ ان ہیئتوں کے مجموعہ کو بشر کہا گیا۔ آخر یہ کیفیت آدم کے نام سے پکاری گئی۔ یہی ابتدائی پیدائش ہے۔ انسانی مخلوق کی۔

دوسری بات اس آدم کیلئے زمین پر پیدا ہونا مقرر کیا گیا۔ اسکی جسمانی ہیئت زمین کے اجزا سے مکمل کی گئی۔ اور اسکے ساتھ ہی اسکی برتری وعظمت کو روحِ رحمانی اور علم وخبر سے قائم کیا گیا ــــ گویا۔ آدم کی پیدائش میں صرف ایک ہی خصوصیت ہے۔ کہ اِسکے مرکبِ وجودی میں روح رحمانی ودیعت کی گئی۔ اور اسے علم وخبر دیکر نبی (خبر پانے والا۔ خبر دینے والا) بنا کر زمین پر قائم کیا گیا۔ انہیں خوبیوں کے مجموعہ کو خلیفہ یا نبی کے نام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسلئے ثابت یہ ہوا۔ کہ خلیفہ [1] سے مراد نبی ہے۔ خبر

---

[1] خلیفہ۔ نحوی اصطلاح خلف سے ہے۔ یعنی ایک کے بعد دوسری ذات کا آنا۔ یہاں مفسرین (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دینا اور خبر پانا ــــ خبر کیا شے ہے؟ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔ خبر میں صرف زمین سے لیکر آسمانوں تک۔ آسمانوں سے لیکر اللہ تعالیٰ کی ذات تک جو کچھ۔ خاکی۔ ناری۔ نوری آثار واسرار پائے جاتے ہیں۔ یعنی اسرار الٰہی یا معرفت الٰہی ــــ

گزشتہ بیان سے متعلق ابتدائی تخلیق اور اسکی خصوصیات کے تذکرہ میں قرآن نے اتنے ہی بیان پر اکتفا کیا۔ جس میں آدم کی پیدائشی ترکیب اور اسکی خصوصیات کو ایک واضح اور خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ اسکے بعد اَلْاَرْض میں آدم کی سکونت کو قرآن نے ایک تسلسل کے ساتھ بیان کیا۔

وَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَاص وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۵) ترجمہ۔ اور کہا ہم نے اے آدم سکونت کرو تم اور تمہاری بیوی اس باغ میں اور کھاؤ اس باغ (کے میوؤں) سے جی بھر کر جہاں سے تم چاہو۔ اور نہ قریب ہونا اس درخت کے۔ پس تم ظالموں سے ہو جاؤ گے۔

اس آیت میں زمین پر آدم کی پیدائش کا مقصد ظاہر کرنا ہے۔ کہ آدم کو اس حالت وحیثیت میں پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے۔ سب سے پہلے زمین پر سکونت کرنا ــــ اور زمین کی نعمتوں کا استعمال کر کے اپنی جسمانی زندگی کو برقرار رکھنا ــــ یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا ــــ دوسری بات ــــ ایک حکم کی پابندی ــــ جس میں آدم کیلئے کسی خاص عبادت کو مقرر نہیں کیا گیا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) نے خلیفہ سے مراد خلیفة اللّٰه لیا ہے۔ یہ تصور درست نہیں۔ کہ اللہ کا کوئی قائم مقام ہو نہیں سکتا۔ کہ اللہ کی جگہ امورِ قدرت انجام دے جبکہ اللہ دائم وقائم ہے۔ اور ہر زمانہ میں کائنات پر اسکی قدرت حاوی ہے۔ دوسرے دنیا یا زمین پر نظامِ کائنات کو چلانے کا تصور بھی درست نہیں کہ اللہ کی جگہ انسان دنیا کے نظام کو حکومت کی شکل میں چلائے ــــ اس حیثیت میں خلیفة اللّٰه کا تصور درست نہیں ــــ چونکہ قرآن نے اس بیان میں وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ کے ذکر کو شامل کیا ــــ اسکے ساتھ ہی وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ ملائکہ کے بیان سے خود واضح ہو جاتا ہے۔ کہ خلیفہ سے مراد ملائکہ کے بعد ایک دوسری مخلوق کو تسبیح وحمد پر مامور کرنا ــــ تسبیح وحمد کے نتیجہ میں اَسْمَآءَ کُلَّھَا کی خبر دینا ــــ جب کہ قرآن اس کیفیت کو اَنْبِئُوْنِیْ ــــ اور فَلَمَّآ اَنْبَاَھُمْ کے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ تو یہ امر واضح ہے۔ کہ ''اَنْبَاَ'' میں نبی کا تصور قائم ہے۔

ـــــ بلکہ فطری طور اپنے علم وخبر کے مشاہدے میں ہر لمحہ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی اور اسرار الٰہی (علم الاسماء) سے آگاہ رہنا۔ جو مشاہدہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کی صورت میں اسے دیا گیا ـــــ یہی علمِ نبوت کی صفت۔ عبادت سے تعبیر ہے۔ اسکے ساتھ مشاہدۂ عرفانِ الٰہی سے غافل نہ ہونے کیلیئے۔ ایک حکم کی پابندی وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (یعنی مت قریب ہو اس درخت کے) عائد کر دی گئی ـــــ تا کہ آدم پابندی کے ساتھ خصوصیتِ نبوت کی حفاظت کرتا رہے ـــــ یہاں اس کیفیت پر غور کرنا ضروری ہے۔ کہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے حکم میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے۔ بظاہر اس باغ (جنتِ ارضی) میں سکونت اختیار کرنا۔ اسلیئے ہے۔ کہ آدم نے پیدائشی طور پر زمین پر ہی قیام کرنا ہے۔ اور اپنی جسمانی ہیئت کو صحت مند حالت میں قائم رکھنے کیلیئے اِسے سامانِ زندگی (خوراک) کی ضرورت ہے۔ جو اِسے اس باغ کے میووں سے حاصل ہو گی۔ لیکن خصوصی طور ایک درخت کے نزدیک نہ جانے میں۔ کیوں منع کیا گیا؟ ـــــ درخت کے قریب نہ ہونا۔ ایک حکم برائے حکم ہے۔ یا درخت کے قریب ہونے میں ایک خاص اثر اور نتیجہ مضمر ہے۔؟ ـــــ تو قرآن نے اس کیفیت کے اظہار میں ایک بیان پیش کیا ہے ـــــ

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۱۹۔۲۰) اے آدم سکونت کرو تم اور تمہاری بیوی اس باغ میں اور کھاؤ اس باغ (کے میووں) سے جی بھر کر جہاں سے تم چاہو۔ اور نہ قریب ہونا اس درخت کے۔ پس تم ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ پس وسوسہ ڈالا شیطان نے ان دونوں میں۔ تا کہ ظاہر کر دے واسطے انکے جو کچھ چھپا تھا انکی شرمگاہوں سے۔ یعنی شیطان نے انکے دل میں وسوسہ ڈالا۔ کہ وہ درخت کے قریب جائیں ـــــ تَقْرَبَا الشَّجَرَ سے مراد درخت کا پھل کھانا ـــــ

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ط (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۲) پس جب چکھا انہوں نے درخت کا پھل ظاہر ہو گئیں شرمگاہیں انکی اوپر انکے اور لگے ڈھانپنے اپنے آپ کو (شرمگاہوں کو) باغ کے پتوں سے ـــــ

درخت کا پھل کھانے سے انہیں اپنی شرمگاہوں کا احساس ہوا ـــــ اس کیفیت سے ظاہر ہوتا

ہے کہ آدم وحوا اپنی ابتدائی پیدائش میں ننگے تھے ــــ بظاہر انسانی تصور میں برہنہ ہونا معیوب تصور ہوتا ہے ــــ لیکن یہ انسان کی فطری پیدائش تھی۔ کہ اسکی پیدائش اسی طرح تھی کہ وہ برہنہ پیدا ہو ــــ اور جب اسی حالت میں اُسے علم وخبر اور مشاہدہ عطا ہوا۔ تو اس خصوصیت کے اعتبار سے اسکا جسم پاکیزہ اور نیم روحانی تھا۔ علم وخبر کے اعتبار سے بھی آدم وحوا مشاہدۂ اسرارِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ اس پاکیزگی کے لحاظ سے وہ شہوانی جذبہ سے پاک تھے۔ وَكُلَا مِنْهَا رَغَداً وہ ابتدائی دور تھا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ایسے باغ میں داخل کیا جس میں ہر قسم کے میوے اور غذا موجود تھی۔ آدم وحوا اس سے قبل بھی غذا استعمال کرتے تھے لیکن یہ عام غذا تھی جو آدم وحوا بغیر انتخاب معمولاً کھاتے تھے۔ جن میں گھاس پتے وغیرہ شامل تھے۔ برعکس اسکے ایک مخصوص باغ میں بہتر اور لذیذ میوے تھے۔ جو عام نباتات سے اعلےٰ قسم تھی۔ آدم کو اس حالت میں باغ میں داخل کیا کہ وہ صاحب مشاہدہ اور پاکیزہ جسم تھا۔ جہاں شہوانی جذبات نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی برہنگی کا احساس نہ تھا۔ اور برہنگی کا احساس اس وقت ہوا۔ جب مدتوں آدم وحوا اس باغ کی نعمت کھاتے رہے۔ وافر نعمتوں اور بے محنت رزق کا عطا ہونا اس غرض سے تھا۔ کہ انسان حصولِ سامانِ زندگی کی جستجو سے فارغ رہے اور اس کا ہر لحہ مشاہدۂ اسرار الٰہی (اسماء) میں گزرے۔ اس جنتِ ارضی میں یہی عمل اسکی عبادت سے تعبیر تھا۔ لیکن آدم نے حصولِ رزق میں اس باغ کے مختلف اقسام کے میوؤں کا ایک نیا احساس پایا۔ اور انکے حصول پر توجہ دی۔ یعنی جب ذہن میں ایک لذت نے وجود پایا ــــ تو ان لذتوں کے حصول میں آدم کا ذہن بٹ گیا ــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی کے ساتھ ذہن میں لذتوں کا وجود اور اس پر توجہ کا مادہ بڑھ گیا۔ تو ضروری تھا کہ آدم کے ذہن میں تصور حقیقی کے ساتھ غیر حقیقی تصور شامل ہو گیا ــــ اسی موقع کی تلاش میں شیطان تھا۔ کیونکہ اس نے کہا تھا ــــ قَالَ أَنظِرْنِیٓ إِلَىٰ یَوْمِ یُبْعَثُونَ ۝ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِینَ ۝ قَالَ فَبِمَآ أَغْوَیْتَنِی لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَٰطَكَ الْمُسْتَقِیمَ ۝ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۱۴-۱۶) ترجمہ: کہا شیطان نے ڈھیل دے مجھ کو اس دن تک کہ قبروں سے اٹھائے جائیں۔ کہا تحقیق تو ڈھیل دیا گیا ــــ کہا شیطان نے پس قسم ہے تیری کہ گمراہ کیا تو نے مجھ کو البتہ بیٹھونگا میں (تاک لگا کر) واسطے انکے (انسان کے) تیرے سیدھے راستے پر۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اسکے مرتبہ سے گرا کر دور اور پست اور لائقِ جہنم کر دیا ــــ اس پر

شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے اور سیدھی راہ سے ہٹانے کا عزم کرلیا ــــ تو پہلے قدم پر آدم ہی کو بہکانے کا ارادہ کرلیا۔اور جب آدم کے ذہن میں لذتوں کا احساس ہوا ــــ تو فَوَسْوَسَ۔شیطان نے آدم پر توجہ ڈالکر اسے لذّتوں کا دلدادہ بنانا شروع کیا۔قدرت کا یہ ایک تخلیقی نظام ہے۔کہ انسانی۔نوری ۔ناری۔خاکی قوتوں کے مطابق جب نور سے رابطہ قائم رکھا جائے۔تو نور سے اسے قوت ملتی رہتی ہے۔ جیسے سورج کی شعاعوں سے انسانی جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔اور جب ناری قوت سے رابطہ رکھا جائے تو جسم ناری اثر قبول کرلیتا ہے۔جیسے آگ سے جسم جل جاتا ہے۔اسی طرح جب تک آدم اسماء کلھا کے مشاہدے میں یکسر محو رہا اسے نور سے قوت ملتی رہی۔اور جب لذتوں نے اسکے ذہن میں جگہ پا لی تو قدرتی طور پر اسکا رابطہ نور سے منقطع ہوتا رہا۔اسکا نتیجہ۔روحانی قوت میں کمی آنے لگی۔تو شیطان ناری کی توجہ سے متاثر ہوا۔یہی توجہ فَوَسْوَسَ سے تعبیر ہے۔حضرت آدمؑ لذائذ کی طرف مائل ہوئے۔ جس سے انہاک واستغراق میں خلل پیدا ہوا ــــ خلل پیدا ہونے کا اثر نسیان سے تعبیر ہے ــــ جسے عجمی اصطلاح میں بھول کہا گیا۔یہاں تک کہ آدم کے مشاہدہ اور تصور حقیقی میں فرق آنے لگا ــــ اور آدم بھول گیا۔کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا ــــ یہ بھول آدم میں کچھ اپنی کوتاہی یعنی غیر حقیقی تصورات (لذتِ شناسی) کو ذہن میں جگہ دیکر حقیقی تصورات میں فرق آنے سے۔اور کچھ شیطان کی ناری توجہ سے ہوئی۔تو آدم نے بھول کر درخت کا پھل کھالیا ــــ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ ۔ جب آدم نے درخت کا پھل کھایا ذَاقَا الشَّجَرَ درخت چکھنا ــــ یعنی درخت کا پھل چکھنا یا کھانا ــــ اس امر کا تعین نہ قرآن سے اور نہ حدیث سے ہے۔کہ یہ درخت کس قسم کا تھا ــــ اسکے متعلق کوئی اصل تصور قائم نہیں ہوسکتا۔نہ ہی اس درخت کو کسی معلوم درخت سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔اس درخت کو پودے کے تصور میں نہیں لایا جاسکتا کہ اسے گندم یا انگور کا درخت سمجھا جائے۔جبکہ یہ درخت ابتداً کا تھا اور طویل زمانہ گزرنے کے بعد اسکا وجود باقی رہنا ممکن بھی نہیں ہوسکتا۔سوائے اسکے کہ اس درخت کو اسکے اثرات سے تصور میں لایا جائے۔کہ اس درخت کے پھل میں شہوت کا مادہ کثرت سے تھا۔جسکا اثر یہ ہوا کہ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا۔ کہ آدم میں یہ جذبہ شہوانی ابھر آیا ــــ اور اسکی نظر اپنے جسم پر پڑی۔ جذبۂ شہوانی کے ساتھ شہوانی انتشار پیدا ہوا ــــ تو اس جذبہ کی وجہ سے اسے اپنی برہنگی کا احساس ہوا ــــ

یہی حال اسکے جوڑے حوا کا ہوا ــــ نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ مادۂ شہوت کے غلبہ سے مشاہدۂ اسرار الٰہی اور تصور حقیقی بند ہو گیا ــــ اسطرح لَاَقْعُدَنَّ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ انسان صراطِ مستقیم سے ہٹ گیا۔ یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو شرف نبوت۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی دیکر خلیفہ کا مقام عطا کیا تھا۔ انسان اس مقام سے گر گیا ــــ کہ اس کا مشاہدہ تصور الٰہی بند ہو گیا۔

انسان ایک طرف مادی مرکب کا حامل تھا۔ دوسری طرف روحانی مرکب کا حامل خلیفہ تھا ــــ اسکی روح مشاہدۂ اسرار الٰہی کیلئے تھی۔ جسے صرف مشاہدہ اور تزکیہ سے قوت حاصل تھی۔ دوسری طرف جسم کو مادی غذا کی ضرورت تھی۔ تاکہ ایک وقت معین تک زمین پر رہ کر اپنی خلافت کو قائم رکھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اسکی تخلیق سے پہلے اسکی خوراک سامانِ زندگی (پھل۔ پتے۔ گھاس وغیرہ) پیدا کئے تھے۔ تاکہ انسان کو حصولِ سامانِ زندگی کیلئے ذہن کو الجھانے کی ضرورت نہ پڑے اور اسکا بیشتر وقت مشاہدۂ اسرار الٰہی میں صرف ہو۔ لیکن وافر نعمت۔ اور بے محنت رزق نے انسان میں آرام طلبی اور غفلت پیدا کر کے اسے اصل کی طرف رجوع کرنے سے باز رکھا۔ اسلئے ضروری ہوا کہ انسان پر مشقت ڈالی جائے۔ تاکہ اس میں ہوشیار اور محتاط رہنے کی خو قائم رہے۔ اسلئے کہا۔ اِهْبِطُوْا فِی الْاَرْضِ۔ اے آدم و حوا۔ اس باغ سے نکل کر اب زمین کی وسعتوں میں نکل جاؤ۔ اب تم پر ایک کٹھن دور بھی وارد ہوگا ــــ کہ تم اب حصولِ سامان زندگی کی جستجو میں بھی لگ جاؤ گے۔ اسلئے آئندہ تمہارے لئے یہی طریق مقرر کیا جاتا ہے ــــ کہ تم اپنی خلافت و نبوت ــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی کو قائم رکھو ــــ اور حصولِ سامان زندگی کی سعی بھی کرو ــــ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج اور وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ○ اور کہا ہم نے اترو زمین کی وسعتوں میں اور تم ایک دوسرے کے دشمن بنو گے۔ اور اب تمہارا ٹھکانہ زمین ہوگی اور تم اس میں ایک مقررہ وقت تک رہو گے ــــ

اس سے معلوم ہوا کہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کا حکم اس لئے دیا گیا۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے منصوبہ کے تحت زمین پر ایک انسان کو بنایا گیا۔ اس میں روحِ رحمانی ودیعت کی گئی۔ اور اسی روح کے ذریعہ اسے علم۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی دیا گیا۔ جسکے لئے انسان کو اشرف المخلوقات ۔ پاکیزہ جسم عطا کیا گیا۔ تاکہ انسان زمین پر مقصدِ الٰہی کی تکمیل کر کے ہر لمحہ معرفتِ الٰہی میں مصروف

رہے ــــ اور انسان اپنی پاکیزگی کی حفاظت کر کے ہر لحہ صاحبِ مشاہدہ رہے۔ انسان ہر کثیف کیفیت سے پرہیز کرے تاکہ اسکے جسم میں مادیت۔ کثافت پیدا ہو کر اسکی روحانیت زوال پذیر نہ ہو ــــ یہ کیفیت صرف آدم کیلئے تھی ــــ یہ انسانِ اول کی آزمائش کیلئے تھا۔ اس لئے جنتِ ارضی میں قیام صرف حضرت آدم وحوا کیلئے ہی تھا ــــ

زمین پر آدم وحوا سے علاوہ اولاد آدم نے بھی پیدا ہونا تھا ــــ اور اس اولاد نے بھی بحثیت خلیفہ پیدا ہونا تھا ــــ اسلئے ہر وہ وجود۔ جو بشری شکل میں پیدا ہوا۔ اس وجود میں ایک جسم اور ایک روح (روح رحمانی) پائی گئی اسکے لئے روحانی اعتبار سے علم (اسماء کلھا) کا مشاہدہ ومعرفت لازم ہوگی اور جب ہر وجود کو روح ــــ اور علم دیا گیا۔ تو ہر وجود۔ بشر۔ انسان۔ خلیفہ موسوم کیا جائیگا ــــ اور چونکہ ابتداءً ملائکہ نے خلیفہ کی پیدائش پر سوال کیا۔ کہ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ (یعنی کیا تو زمین پر اس مخلوق کو خلیفہ کی حیثیت سے پیدا کریگا جو زمین پر خونریزی کریگی) تو ثابت ہوا۔ کہ زمین پر ہر انسانی پیدائش خلیفہ تصور کی جائیگی۔ اور ہر فرد کیلئے۔ مشاہدۂ علم واسرار الٰہی کا حامل ہونا ضروری ہوگا ــــ

آدم وحوا کو جنتِ ارضی میں خصوصی طور پر بسایا گیا۔ یہ منصب صرف آدم وحوا کیلئے ہی تھا ــــ اسلئے آدم وحوا کی سکونت جنتِ ارضی میں رہی۔ اسکے بعد چونکہ ایک کثیر تعداد مخلوق کو بھی پیدا کرنا تھا۔ اسلئے حکم ہوا۔ اِهْبِطُوْا فِی الْاَرْضِ ــــ اب باغ سے نکل کر زمین میں سکونت کرو۔ اسی لئے بیان ہوا۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَافَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا کَانَا فِیْهِ

پس محروم کرادیا شیطان نے اس جنت ارضی (کی نعمتوں) سے۔ پس نکال دیا ان دونوں کو اس باغ سے جس میں وہ رہتے تھے ــــ اس بیان میں اشارہ صرف دو ہستیوں آدم وحوا کی طرف ہے۔ اور اِهْبِطُوْا فِی الْاَرْضِ میں بھی اشارہ انہیں دو ہستیوں کی طرف ہے ــــ اسکے بعد مجموعی طور حکم ہوا۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا۔ اور اب تم تمام اولاد آدم زمین میں ٹھہرو ــــ یہاں اِهْبِطُوْا سے مراد کسی اونچے مقام سے نیچے نازل ہونا نہیں۔ جیسے کہ یہ تصور کیا جاتا ہے۔ کہ آدم وحوا کو جنت عقبیٰ میں رکھا گیا ــــ یہ تصور درست نہیں۔ اول یہ کہ جنت عقبیٰ وعدے کا مقام ہے۔ جہاں قیامت کے دن انسان داخل

ہوگا۔ دوسرے یہ مقام غیر معروف روحانی مقام ہے۔ جہاں مادی جسم قرار نہیں کر سکتا۔ تیسرے آدم کو زمین پر ہی بنایا گیا۔ اسلئے اسکا مقامِ سکونت زمین ہی ہے۔ چوتھا۔ جنت میں شہوت نہیں نہ ایسے پتے ہیں جن سے شرم گاہ ڈھانپی جائے۔ پانچواں اِهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا۔ میں بھی جنت سماوی سے نیچے اترنے کا تصور پایا جائے۔ تو جنت سماوی میں اولاد کا پیدا ہونا غلط تصور ہے۔ جو کہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلئے اِهۡبِطُوۡا سے مراد جنت ارضی سے زمین کی نشیبی سطح کی طرف انتقال کرنا ہی ہو سکتا ہے۔ اسلئے اصل تصور اِهۡبِطُوۡا کا زمین کے بالائی حصہ سے نشیبی حصے کی طرف روانہ ہونا۔ جیسے اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا (اترو شہر میں) سے ظاہر ہے۔

اسلئے قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا سے مراد یہ ہے۔ کہ اولادِ آدم کے لئے مستقل طور زمین کی وسعتوں میں سکونت کرنا مقرر کیا گیا ـــــ اسی اولاد میں۔ جب انہیں حصول سامانِ زندگی کی جستجو ہوگی تو مشاہدۂ اسرارِ الٰہی میں حصولِ زائد کو جب دل و ذہن میں جگہ دی۔ تو بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ'' یہ لوگ حصولِ زائد کی خاطر ایک دوسرے کے دشمن ہو کر يُفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ فساد و خونریزی کرینگے۔ جیسا کہ زمانہ میں انسانی آبادی میں فساد و خونریزی دیکھنے میں آئی ـــــ

اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں زمین پر ایک مخلوق بنانا تھا۔ جسکی ابتدا حضرت آدم و حوا سے ہوئی یہ ترکیب ارادۂ ازلی میں تھی کہ زمین پر مخلوق کی ابتدا اسی طرح ہوگی۔ کہ مٹی سے ایک انسان بشکلِ بشر بنایا جائیگا اور اسی سے اس کا جوڑا نکالا جائیگا۔

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ـــ وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا۔ وہ اللہ ہے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور بنایا اسی جان سے اسکا جوڑا۔ اور اسی جوڑے (نر و مادہ) سے کثیر تعداد میں لوگ پیدا ہونگے۔

یہ جان اور اسکا جوڑا حضرت آدم و حوا کی بشری شکل میں نمودار ہوا۔ جہاں ایک جان کا وجود ہوا۔ وہاں اسکے ساتھ اسکا ایک جوڑا بھی بننا ضروری ہوا۔ اور جہاں ایک جوڑے کا وجود مکمل ہو گیا۔ تو اس جوڑے کے وجود سے سلسلہ تناسل کے طریق پر اسکی ذریت پیدا ہونا ضروری تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں جب اِنِّىۡ جَاعِلٌ'' فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً کا منصوبہ بنا تو خلیفہ کے تصور میں صرف،

ایک آدم نہیں بلکہ تمام مخلوقِ انسانی جو زمین کے قیام تک پیدا ہوگی موجود تھی ۔ جہاں تک آدم وحوا کا تعلق تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک خوبصورت باغ میں سکونت اختیار کرنے کو کہا ـــــ یہ صرف انکے ہی لئے تھا۔ چونکہ آدم وحوا سے کثیر مخلوق پیدا ہونا مقصود تھا اسلئے انکے لئے باغ میں سکونت رکھنا مستقل نہ تھا۔ بلکہ لامحالہ انہیں زمین کی وسعتوں میں پھیل جانا تھا ـــــ اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا کے حکم میں ایسے محسوس ہوتا ہے۔ کہ جنتِ ارضی سے نکلنے کے حکم میں اولاد آدم بھی شامل تھی ـــــ حالانکہ ابھی ابتدائی موقع تھا۔ کہ آدم نے درخت کا پھل چکھا فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ یعنی ان دونوں نے چکھا۔ گویا ابھی تیسرا فرد موجود نہ تھا۔ پھر ابھی ان میں سلسلہ تناسل کا عمل جاری نہ ہوا تھا ـــــ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک انمیں جذبہ شہوانی ابھرا ہی نہ تھا ـــــ اور اسی بھول پر اللہ نے حکم دیا۔ اِهْبِطُوْا فِی الْاَرْضِ تم دونوں زمین پر اترو۔ یہ جنتِ ارضی سے زمین کی طرف آنا۔ کسی جرم کی سزا میں نہ تھا۔ بلکہ یہ چیز ازلی طور اولاد آدم کیلئے مقدر ہو چکی تھی کہ وہ زمین کی وسعتوں میں پھیلے۔ البتہ ذَاقَا الشَّجَرَةَ۔ درخت کا پھل کھانے سے آدم وحوا میں شہوت اور مادۂ کثیف غالب آ گیا۔ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا میں اسی جذبۂ شہوانی کا اظہار ہوتا ہے۔ جس سے انکی جسمی لطافت اور روحانی لطافت میں کمی واقع ہوئی جس سے انکے مشاہدۂ اسرار الٰہی اور دیدار الٰہی میں قبض واقع ہوئی۔ یعنی انکا مشاہدۂ حقیقی بند ہو گیا۔ اور آدم وحوا اس لطیف سرور مشاہدہ سے محروم ہو گئے۔ اور جب آدم وحوا نے اپنے روحانی تنزل کو محسوس کیا تو نادم ہوئے ـــــ ورنہ جنتِ ارضی سے زمین پر اترنے میں کوئی تنزل نہ تھا نہ اسکے سبب انہیں ندامت ہوئی ـــــ بلکہ اپنے مراتب ومشاہدات کے تنزل ومحرومی کے باعث دونوں گریاں ہوئے۔ اور جب انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا تو اللہ نے ان پر توجہ کی۔ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۷) پس اللہ تعالیٰ نے آدم کے دل پر چند کلمات القا کئے ـــــ پس متوجہ ہوا اُن پر تحقیق وہ پھر آنے والا رحم کرنے والا ہے ـــــ یعنی انسان کی غلطی پر درگزر کرنے کے ساتھ اس پر رحم کرتا ہے۔

حضرت آدمؑ کو اعتراف گناہ کے بعد بخشش کی طلب تھی۔ کہ انہیں پھر مشاہدۂ اسرار الٰہی اور قرب الٰہی حاصل ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے انکی طرف توجہ کی ـــــ چونکہ انکا مشاہدہ بند تھا۔ اسلئے حضرت آدمؑ

کے دل پر یہ کلمات القا[1] کئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ O (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۳) اے پروردگار ہمارے ہم نے خود اپنے آپ پر ظلم[2] کیا۔۔۔ اور یہ کہ اگر تو ہم پر رحم نہ کرے تو ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہونگے۔

یعنی حضرت آدم نے جب تک جنتِ ارضی کے لذیذ میوے اور لطیف غذا استعمال کی انکی جسمانی لطافت اور روحانی لطافت قائم رہی۔ انکا مشاہدۂ علم وخبر جاری رہا۔ لیکن بے محنت رزق اور وافر غذا نے انہیں یہ بھلا دیا کہ اس باغ میں ایسا بھی پھل ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کھانے سے منع کر دیا اور وہ بھول گئے۔۔۔ اور اس درخت کا پھل کھاتے رہے۔۔۔ یہاں تک کہ اس پھل کے اثر سے ان پر شہوت و مادیت نے غلبہ پالیا اور نور سے نکالکر اندھیرے میں ڈالدیا۔ یہی ایک نعمت تھی جو آدم وحوا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں یہی مراتب عالی اور مشاہدۂ نورانی انہیں عطا ہوا تھا۔ جو شہوت کے غلبہ کی وجہ سے بند ہو گیا۔ اسی تنزل کی وجہ سے آدم وحوا شب وروز روتے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ابتداً آدابِ دعا سکھائے کہ اے رب ہم نے خود اپنی ذات پر ظلم کیا اب تو ہمیں معاف کر اور پھر سے ہمیں وہ چیز عطا کر جو تو نے خاص طور ہمیں اپنی طرف سے دی تھی۔ اور جسے ہم نے خود کھو ڈالا۔ فَتَابَ عَلَيْهِ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی روح کو نوری توجہ سے پاکیزہ کر دیا اور انکا مشاہدہ جاری ہو گیا اور انہیں اپنے مراتب عالی پر پھر سے فائز کر دیا۔۔۔ تحقیق جب کوئی احساس گناہ پر نادم ہو کر اللہ کی طرف قطعی طور پر رجوع کرے تو اللہ اس پر رحم کرتا ہے اور اُسے اپنے قرب میں لا کر اسکا قلب مشاہدہ کیلئے کھول دیتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ آئندہ تنبیہ حکم دیتا ہے۔ کہ تمہارے لئے سلسلہ تناسل کا طریق جاری ہوتا ہے اور اب تمہارے اولاد ہو گی۔ تو اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ج فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ

---

[1] القاسے مراد۔ دل کے ذریعہ۔ بغیر فرشتہ کی وحی کے۔ یا بغیر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور کلام سننے کے ایک بات کا حاصل کرنا۔۔۔ یا ذہن میں آنا۔

[2] ظلم سے مراد یہاں مشاہدۂ نور سے محروم ہو کر اندھیرے میں بھٹکنا۔

فَلاَ خَوْف'' عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۸) تم سب زمین ۱ میں رہو۔ اور جب میری طرف سے تم لوگوں (اولادِ آدم) پر میری ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کرو۔ پس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی اسے نہ خوف ہوگا نہ غم۔

یہ خطاب مجموعی طور پر تمام اولادِ آدم کی طرف ہے۔ کہ تمہارا ٹھکانہ زمین ہوگی۔ اور ایسا وقت آئیگا۔ کہ اولادِ آدم اپنے حصولِ سامان زندگی کی جستجو میں لذت کی دلدادہ ہو کر حصولِ زائد کی خواہش کریگی۔ حصولِ زائد کی جستجو ایسی ہوگی۔ کہ انسان ذخیرہ اندوزی کا عادی ہوجائیگا۔ اسکی زیادہ تر کوشش صرف دینوی لذت کے لئے رہ جائیگی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ انسان اس لذتِ نفس کے غلبہ میں یادِ الٰہی اور مشاہدہ حقیقی کو بھول کر صرف حصولِ دنیا میں اپنی ساری طاقت خرچ کریگا۔ اسلئے وہ قربِ الٰہی اور مشاہدۂ اسرارالٰہی سے محروم ہوجائیگا۔ اس کی پاکیزگی جسم۔ پاکیزگی روح۔ شہوت وکثافت میں بدل جائیگی۔ تو انسان اپنے حصولِ زائد کی خاطر دوسرے انسانوں کے حقوق پر اپنا تصرف وغلبہ کریگا اس طرح بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوّ'' انسان ایک دوسرے کا دشمن بنکر یُفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ فساد وخونریزی کریگا۔ اور انسان میں حیوانی سرشت عود کر آئیگی۔ اور خلافت کے مقام سے تنزّل کے اندھیرے میں گھر جائیگا۔ اسوقت اِسے اپنی بربادی اور تنزّل کا احساس ہوگا اور امن وسلامتی کا متمنی ہو

---

۱ یہاں یہ خیال ہے کہ حضرت آدمؑ کیلئے (یا اولادِ آدم کیلئے) جنتِ ارضی کا قیام مستقل تھا۔ لیکن حضرت آدمؑ کی لغزش کی وجہ سے انہیں جنت سے نکالا گیا۔ اول یہ نظریہ صریحاً غلط ہے۔ کہ یہ جنت وہی ہے جسکا مومنین کو وعدہ دیا گیا۔ کیونکہ قرآنی بیان اِنِّیْ جَاعِلُ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً سے اس نظریہ کی خود بخود رد ہوتی ہے۔ حقیقتاً یہ عنایتِ الٰہی تھی کہ حضرت آدمؑ کے قیام کیلئے یہ جگہ (جو باغ کی شکل میں تھی) مخصوص کی گئی ورنہ یہ تصور قطعاً مبالغہ ہے۔ کہ تمام ذریتِ آدمؑ جو تمام زمین پر پھیلتی رہی اسکے لئے اس باغ میں سکونت کی گنجائش ہو۔ البتہ ایک مختصر خاندان کی حیثیت میں (جیسے دادا۔ باپ۔ پوتے) اس مقام پر سکونت ہوسکتی۔ بقیہ اولاد نے ہرحال میں زمین پر پھیلنا تھا۔ اس لئے قرآن کا اسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے اِھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًا۔ اور اِھْبِطُوْا فِی الْاَرْضِ۔ یعنی تم نے زمین کی وسعتوں میں پھرنا ہے۔ لہذا۔ زمین کی وسعتوں میں منتقل ہوجاؤ۔ پھر کہ کثرت آبادی کے بعد ایک وقت آنا ہے کہ تم فساد وخونریزی کروگے یہ ایک آنے والا واقعہ ہے۔ جسکی قرآن قبل از وقت پیشگوئی کرتا ہے۔ کہ ایسا ہونا ہے۔ ایسا ہوگا۔

گا۔تو اس وقت میں پھر فَتَابَ عَلَيۡهِمۡ ان کی طرف توجہ کرونگا۔پھر اپنی طرف لاؤنگا۔تو اسکے لئے اب القا کا طریقہ نہ ہوگا ـــــ بلکہ اپنی طرف سے ایک ضابطۂ حیات ایک حکم۔ایک کتاب ان میں نازل کرونگا ـــــ چونکہ اس وقت ان میں کوئی صاحبِ مشاہدہ نہ ہوگا۔تو اپنی طرف سے ایک انسان کو منتخب کر کے پیدا کرونگا ـــــ اُسے جسمانی۔روحانی پاکیزگی کے ساتھ پیدا کرونگا۔چونکہ انسانی پیدائش خلیفہ (صاحب مشاہدہ۔صاحب مراتب روحانی اعتبار سے) کی حیثیت سے ہوگی۔اسلئے ایسے منتخب انسان کی تمام قوتیں محفوظ ہونگی۔اسی ایک خلیفہ کو منتخب کر کے وحی کے ذریعہ اپنی کلام۔اپنا ایک ضابطہ ـــــ اپنا ایک قانون ـــــ اپنا ایک اصلاحی لائحہ عمل دونگا۔وہ تمہارے پاس میرا حکم لائیگا۔اس میں ہدایت ہوگی۔ ہدایت سے مراد ایک طالب کو اسکے مطلوب تک پہنچانے کا طریق اور ذریعہ ـــــ طریق عمل ـــــ یہی ہدایت ہے جو تمہارے پاس میرا بندہ لائیگا اسے رسول کا خطاب ملیگا۔پس جو میرے رسول اور میری ہدایت پر پیروی کریگا۔اسکی جسمانی۔روحانی اصلاح ہوگی اور وہ دوبارہ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی۔اور مرتبۂ خلافت پائیگا۔پھر اسے آئندہ آنے والے عذاب کا نہ خوف ہوگا نہ اپنے مراتب سے گر کر تنزل و پسپائی کی ذلت کا غم باقی رہیگا ـــــ

ان آیاتِ قرآنی سے مخلوقِ انسانی کی تمام کیفیات کا پتہ چلتا ہے۔کہ انسان کی ابتدا کس طرح ہوئی ـــــ اور انسان کو خلیفہ کس حیثیت سے کہا گیا۔اور خلیفہ سے مراد یہ کہ ایک زمینی۔سفلی مخلوق کو ملائکہ سے بالاتر مرتبہ عطا کیا گیا۔اس مرتبہ عالی کیلئے۔اِسے روحِ رحمانی (وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِيۡ) عطا کی گئی۔اسی روح سے اسے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا تمام اسرارِ الٰہی سے آگاہ کیا گیا۔اور اسی روح کے ذریعہ اِسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو کر اعلےٰ مرتبہ ملا ـــــ اسی علم و خبر سے اسے فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ جب اسنے خبر دی اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ ـــــ جب اسنے خبر پائی ـــــ نباء سے ''نبی'' ـــــ یہی علمِ نبوت کا حاصل ہونا خلیفہ سے تعبیر ہے۔کہ ملائکہ کے بعد ایک سفلی مخلوق کو مرتبہ عالی دیکر ذاتِ الٰہی کی معرفت دیکر اسے ہر لحہ مشاہدۂ حقیقی اور یادِ الٰہی میں مشغول رہنے کا عمل سپرد کیا گیا۔اور یہ کیفیت صرف آدم سے متعلق نہیں۔بلکہ ہر اس مخلوق سے متعلق ہے۔جو زمین پر شکل بشر پر پیدا ہوا۔اسکا جسم مثل جسمِ آدم ہے۔اسے روحِ رحمانی عطا کی گئی۔اسکی روح مثلِ روحِ آدم ہے۔اس روح کا پایا جانا صرف علم و

مشاہدہ کیلئے ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ ہر روحِ انسانی کو روح کے ذریعہ علم الْاَسماء کی خبر دی جائے۔ اسلئے ہر بشر خبر پانے والا پیدا ہوگا اور جس نے اس خبر اور روح کی حفاظت کی وہ صاحب خبر۔ خبر دینے والا۔ خلیفہ کہلائیگا۔ اسلئے ثابت ہوا کہ ہر انسان اپنی پیدائش میں خلیفہ پیدا ہوگا۔ اور اسے علم الْاَسماء دیا جائیگا ــــ اور جب اِسنے اس علم کی خبر دی تو اس پر بھی۔ خلیفہ و نبی (خبر پانے والا۔ خبر دینے والا) کا اطلاق ہوگا۔

یہاں تک تو انسان کی ابتدائی تخلیق اور اسکی خصوصیات کا ذکر قرآن کریم نے واضح طور پر کیا۔ ان واقعات سے سیرت النبی کے متعلق۔ سیرت اور نبی کا ایک واضح اور حقیقی تصور قائم ہو جاتا ہے۔ کہ حقیقتاً ارادہ الٰہی کے تحت ہر انسان بنیادی طور ''خلیفہ'' اور ''نبی'' ہی پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے۔ خلیفہ۔ نبی۔ کی سیرت میں انسانی مرکب میں۔ جسم۔ روح حیوانی۔ روح رحمانی کی وجودی کیفیت اور انکی صفات کا تفصیلی ذکر کیا ــــ لہذا اسی تصور پر سیرت النبی میں۔ انسانی پیدائش میں سب سے افضل (جسم۔ روح حیوانی۔ روح رحمانی) وجود کے ذاتی صفاتی کمالات کی تحقیق سے ایک افضل نبی کا تصور حاصل کرنا ہے۔

زمین پر انسانی وجود پیدا ہوتے رہے۔ انہیں خلیفہ کی ہر خصوصیت کے ساتھ پیدا کیا گیا۔ اور انکا عمل یہی رہا۔ کہ وہ اپنی خصوصیاتِ خلافت کی۔ تصور اور ذکرِ الٰہی اور توبہ سے حفاظت کریں۔

اسکے بعد یہ ضروری ہے۔ کہ۔ ''نبی'' ــــ اور نبوت کے مفہوم کو صحیح طور ذہن نشین کر لیا جائے ــــ کہ نبی ــــ اور نبوت سے کیا مراد ہے۔ جب تک ان دو کیفیتوں کو صحیح معنوں میں سمجھا نہ جائے۔ سیرت النبی کی تعریف مکمل نہیں ہوسکتی۔ نبی عربی لفظ ہے۔ یہ تصور قرآن سے ہی لیا گیا ــــ قرآن نے اس تصور کو تخلیق انسانی میں ہی بیان کیا ــــ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ لا فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ــــ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ج ــــ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ لا۔ ان آیات میں۔ اول ایک علم کا تصور ہے۔ وَعَلَّمَ ــــ آگاہ کرنا ــــ اَسْمَآءَ كُلَّهَا ــــ تمام اسماء سے۔ یہ کیفیت ہے۔ جسکی آگاہی دی گئی ــــ اسماء کی کیفیت پر عمیق غور کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اسی کیفیت پر علم۔ نبی اور نبوت کے تصور کی اساس ہے۔ اسماء کی تفسیر میں ــــ اسم۔

یعنی نام سے لیا گیا۔۔۔ اسم کی جمع۔ یعنی اشیاءٔ کے نام۔۔۔ اشیاءٔ کو ٹھوس مادی کیفیات تصور کیا گیا۔۔۔ اسلئے اسماء سے زمینی اشیاءٔ مراد لیا گیا۔۔۔ جن میں زمین کی تمام جزئیات نباتات۔ جمادات۔ حیوانات شامل ہو سکتے ہیں۔۔۔ لیکن جہاں تک مندرجہ بالا قرآنی آیات میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔۔۔ اور ملائکہ کا سوال۔ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ اور خاص کر ایک زائد سوال وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ کا ذکر خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بیان زمین پر ایک مخلوقِ انسانی کو خلیفہ کے نام سے پکارنا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلیفہ۔۔۔ خلف سے ہے اور خلف سے مراد ملائکہ کے بعد پیدا کی گئی ایک ہستی۔۔۔ ملائکہ کے بعد آنے والی ہستی میں کیا خصوصیت ہے۔۔۔؟ تو اس کا جواب وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ سے ملتا ہے۔ تو خلیفہ سے یہ ظاہر ہوا۔ کہ تسبیح وحمد کرنے والا۔۔۔ ملائکہ کے بعد۔۔۔ یہ تو تخلیق سے متعلق اظہار تھا۔۔۔ لیکن ملائکہ کا سوال تسبیح وحمد کرنا۔۔۔ بظاہر تخلیق سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ مگر ملائکہ کا سوال وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ ثابت کرتا ہے۔ کہ یہ پیدائش ایک ارضی پیدائش ہو گی۔ اسکی خصوصیت میں تسبیح وحمد کی اعلیٰ صلاحیت کا ہونا ظاہر ہے۔ اسکے بعد یہ کیفیت بھی ارضی پیدائش سے نسبت نہیں رکھتی کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ۔۔۔ لیکن تسبیح وحمد کی صلاحیت کے نتیجے میں۔۔۔ تسبیح وحمد کا ایک انوکھا تصور پایا جاتا ہے۔ یعنی نُسَبِّحُ تسبیح وعبادت سے تعبیر ہے۔ اور حمد سے مراد معرفت و پہچان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ ملائکہ کے بعد ایک ارضی پیدائش میں عبادت کی صلاحیت کا پایا جانا۔۔۔ جو کہ محض ملکوتی خاصیت ہے۔ سفلی۔۔۔ ارضی پیدائش میں ایسی صلاحیت کا پایا جانا ممکن نہیں۔۔۔ ارضی پیدائش میں یہ صلاحیت۔۔۔ ثُمَّ سَوّٰہُ۔ یعنی ارضی پیدائش کو عظیم ذہنی صلاحیت۔۔۔ اور وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ کی ملکوتی خاصیت پیدا کی گئی۔۔۔ اور عبادت کا نتیجہ حَمْد۔ یعنی پہچان ہے کہ اللہ کی ذات اور اسکی خالقیت۔ اور اسکی مخلوق کی پہچان و علم و آگاہی حاصل کرنا ہے۔۔۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس پہچان کی کیفیت کو سامنے رکھ کر اس پہچان کا آدم و ملائکہ کا مقابلہ کرایا۔۔۔ اور اس سے پیشتر وَعَلَّمَ اٰدَمَ میں ملکوتی خصوصیات و صفات کے مطابق آدم کو اسکی عبادت کے نتیجہ میں ملائکہ سے بالاتر علم سے آگاہی دی۔۔۔ یہ علم وہی کیفیت ہو سکتی ہے۔ جو ملکوتی علم سے بالاتر ہو۔ ظاہر ہے۔ ملائکہ روح اور نوری قوت ہیں۔ ان میں۔ مادہ کے

مقابلہ میں قوی۔ سمع وبصر وفہم پایا جاتا ہے۔ روح۔ روحانی حیثیت میں مادہ کا کلی طور احاطہ کر سکتا ہے۔ اسلئے انکا مادی اشیاء کے علم میں عاجز ہونا۔ مبالغہ ہے۔ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا پاک ہے تو نہیں علم ہمیں ان اشیاء کی پہچان وادراک کا سوائے اس کیفیت کے جو تو نے ہمیں علم دیا ــــ ظاہر ہوا ملائکہ کا عجز ان کیفیات میں ہے جو انکی قوت سے بالاتر ہو ــ ملائکہ کی قوت سے بالاتر کیفیت وہ ملکوتی اور نوری قوتیں ہیں جہاں نہ ملائکہ کی رسائی ہے۔ نہ ان میں آدم کی روح کے مقابلہ میں وہ قوت ہے جس سے وہ اپنے سے بالاتر قوت کا ادراک ومشاہدہ کر سکیں۔ اسلئے اسماء سے مراد زمینی اشیاء سے ماسوئی عالم بالا نوری مقامات علیا کی کیفیتیں ہیں جو روح رحمانی (وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ) سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ان کیفیات یعنی عالم بالا کے اسرار وآثار تا ذاتِ الٰہی ــــ کو اسماء سے تعبیر دیا گیا۔ ایسی ہستی کو جو ان کیفیات کا ادراک ومعرفت کی خبر دے اسے فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ ــ نبی کہا جاتا ہے اور انہیں کیفیات اسماء واسرار الٰہی کو علمِ نبوت کہا جاتا ہے ــــ انہیں خصوصیات کے تصور کے ساتھ ایک نبی کی سیرت بیان کی جاتی ہے ــــ چنانچہ اس نبوت کا اولین مظاہرہ حضرت آدمؑ سے کیا گیا ــــ اسکے بعد یہ امر مسلم ہے۔ چونکہ ہر مخلوق انسانی میں یہ دونوں صفات۔ سوّیٰ ــــ اور نفخ روح پائی جاتی ہیں۔ جو کہ محض علم کیلئے ودیعت کی گئی ہیں ــ اسلئے زمین کی ہر مخلوقِ انسانی نبی کے تصور میں دیکھی جائیگی۔ اور ہر نبی کو وہی علم عطا کیا جاتا ہے۔ جو اسماء کلھا میں شامل ہے ــــ یا اسماء کلّھا میں حضرت آدمؑ کو مشاہدہ کرایا گیا ــــ

حضرت آدمؑ کی ابتدائی تخلیق ایسی تھی جس میں کوئی جوڑا (نر و مادہ) نہیں تھا۔ اسلئے قانونِ فطرت کے مطابق پہلی پیدائش ایک جانِ واحد سے ہونی تھی۔ اسکے بعد جب ایک جان سے اسکا جوڑا پیدا ہوا تو آئندہ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا اسی جوڑے سے سلسلہ تناسل کا دور شروع ہوا ــــ اور آئندہ مخلوق نسل در نسل پیدا ہوتی رہی ــــ اسکے بعد طریقِ تناسل میں ہمیشہ یہی ترکیب جاری رہی۔ اسکے بعد اولاد آدم میں کوئی نئی ترکیب تخلیق واقع نہیں ہوئی۔ جس میں پیدائشی طور کسی مخلوق میں کمالاتِ نبوت (انسانی ذاتی صفاتی کمالات) میں فرق یا تفوق ظاہر ہو یہاں تک اولاد آدم کثرت سے بڑھتی اور زمین کی وسعتوں میں پھیلتی گئی۔

حضرت آدمؑ نے جنتِ ارضی سے نکل کر اپنی زندگی کے قیام کیلئے کون سی محنت وسعی کی ــــ؟

اسکا تواریخی طور کوئی جواب نہیں ۔ البتہ زمانہ کے واقعات کا تصور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ زمین پر ہر قسم کے نباتات۔ درخت۔ میوے۔ گھاس۔ پتے پائے جاتے تھے۔ یہی میوے اور گھاس پتے انسان کی فطری غذا تھی۔ ان اشیأ میں خالص جوہر اور غذائی قوتیں پائی جاتی تھیں۔ ان اشیأ کے استعمال سے انسان کلی طور صحت منداور پاکیزہ روح وجسم کا حامل تھا۔ یہ اشیأ انسان کی پیدائش یا بشری ہیئت میں آنے سے قبل زمین سے پیدا ہوئی تھیں۔ یہی غذا حضرت آدمؑ کی بھی تھی۔ ورنہ آپ نے اپنی غذا کے حصول کے لئے نہ زمین کھودی۔ نہ ہل چلایا۔ نہ چولہا جلا کر روٹی پکا کر کھائی۔ یہی کیفیت اولادِ آدم میں رہی۔ کہ اپنے ابتدائی دور میں اولادِ آدم نے پھلوں اور پتوں پر زندگی بسر کی یہاں تک کہ اولادِ آدم میں وسعت ہوئی اور حالاتِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اولادِ آدم نے ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کرنا شروع کیا ۔ اُس وقت اولاد آدم کی حیثیت خلیفہ کی سی تھی۔ کہ وہ بغیر کسی فکر وجستجو کے میوے اور پتے استعمال کر کے اپنی خصوصیت خلافت۔ مشاہدہ اسرار الٰہی سے ہر لحہ آگاہ مصروف تھے۔ یہ ایک فطری امر تھا کہ جب انسان کو ازل سے صاحبِ علم ومشاہدہ پیدا کیا گیا۔ ہر انسان کو یہ خصوصیت حاصل تھی۔ تو ضروری تھا کہ ہر انسان صاحبِ مشاہدہ۔ صاحبِ علم ہو ۔ یہی اسکی پیدائش کا مقصد تھا۔ یہی اسکی زندگی کا عمل تھا اسلئے ایسے عمل کے ساتھ اسکا رجوع سوائے مشاہدہ ذات واسرار الٰہی کے اور کسی شے کی طرف نہ تھا۔ نہ اِسے اسکی ضرورت تھی کہ وہ اپنے سامانِ زندگی کی فراہمی کیلئے اپنے ذہن کو استعمال کرتا ۔

یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔ کہ جب انسان میں خبر پانے کا فطری مادہ موجود تھا۔ تو اسکے لئے اس صفت میں تصورِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی کا عمل ہونا ۔ اور عمل کا اثر پایا جانا ضروری تھا ۔ کہ ہر شخص جب کہ دنیا میں اسے کوئی کام ہی نہ تھا ۔ اسکی طبیعت خود بخود حقیقت کی طرف مائل رہتی ۔ لہذا ہر شخص کی خصوصیتِ خلافت قائم رہنی لازمی تھی۔ البتہ خصوصیت خلافت میں آئندہ آنے والی نسلوں میں کچھ فرق بھی ظاہر ہوا۔ کہ تخلیقی ترکیب بدل گئی ۔ یعنی اولین پیدائش حضرت آدمؑ کی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے وجود کو بشری ہیئت میں بنایا۔ پھر اسکو سنوارا۔ پھر روح ودیعت کی۔ اسکے ہوش وحواس کامل تھے۔ تو اسے مشاہدۂ اسماء الٰہی عطا کیا گیا ۔ برعکس اس کے اولاد آدم کی پیدائشی ترکیب سلسلہ تناسل سے ہوئی۔ کہ ابتدأ میں رحم میں یہ ایک ذرہ تھا۔ پھر رحم مادر میں اسے کئی مراحل سے گزرنا پڑا جیسے

قرآنی بیان سے ثابت ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۝ تحقیق بنایا انسان کو مٹی کے جواہراتی اجزاء سے۔ان جواہراتی اجزاء (سُلٰلَةٍ) میں حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ کے مرکبات کا تصور شامل ہے ۔ یہ اشارہ انسانِ اول حضرت آدمؑ کی طرف ہے۔اسکے بعد ترکیب پیدائش بدل جاتی ہے وہ یہ کہ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۝ پھر انسانی (اولاد آدم) پیدائش نطفہ سے مقرر کی گئی۔ اس مقام پر نطفہ کی قرآنی ترتیب بیان کرنا ضروری ہے۔تا کہ اس نسلی انسان کی ذاتی۔صفاتی سیرت پر تجزیہ کیا جائے کہ آیا یہ نسلی انسان بھی سیرت النبی میں شامل ہوتا ہے؟

قرآن انسان کی نسلی پیدائش سے متعلق تفصیلی ذکر کرتا ہے۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۝ ۔کیا دیکھا تم نے انسان (نسلی انسان) کو یہ کیسے بنایا گیا؟ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۝ بنایا گیا اُچھلتے پانی (مادۂ منویہ) سے جو خارج ہوتا ہے۔مرد کی پیٹھ سے۔ اور عورت کی چھاتی سے۔یہ آیت ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۝ کی تفسیر ہے۔بہ الفاظ دیگر ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً کی ترتیب خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۝ آیت سے ظاہر کی گئی ہے۔کہ نسلی انسان کی ترکیب پیدائش اور وجودی مرکب کیا ہے۔

اس وجود کی تخلیقی ترکیب میں وہی ترتیب ہے۔جو انسانِ اول کے وجود کی ابتدائی تخلیقی ترکیب تھی۔اب دیکھنا ہے۔کہ نسلی انسانی وجود میں بنیادی مرکب کیا ہے؟ یعنی مَّآءٍ دَافِقٍ ۔مادۂ منویہ ۔ مادۂ منویہ کیا کیفیت ہے؟ طبی نقطہ نگاہ سے یہ انسانی وجود کا جوہر ہے۔ جس سے انسانی جسم بنتا ہے۔اور یہی جوہر انسان کا بنیادی وجود ہے۔ یعنی یہ جوہر ظاہراً ایک پانی جیسی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔لیکن خوردبین کے تجربہ میں یہ پانی لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔جسے Cell کہا جاتا ہے۔ان ذرات میں سے ہر ذرہ ایک وجود رکھتا ہے۔یہ ذرہ ایک وجود کی شکل میں محسوس ہوتا ہے ۔ یہ ذرہ متحرک ہے۔جس میں زندگی (حیات) پائی جاتی ہے۔اس ذرہ کی حیات ایک لطیف روح پر قائم ہے۔ اگر اس میں روح کا تصور قائم نہ رکھا جائے تو ذرہ کی حرکت قائم نہیں ہوسکتی۔لیکن تجرباً یہ ثابت ہے کہ یہ ذرہ ایک زندگی کا حامل ہے ۔ اسکے بعد اس ذرہ کی پیدائش یا ابتداً کہاں سے ہوتی ہے؟ ۔ قرآن بتاتا ہے۔ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ یہ ذرات مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتیوں (یا پستان) سے

نکلتے ہیں ـــــ مرد کی پیٹھ سے مراد۔ انسانی کاسۂ سر سے لیکر ـــــ ریڑھ کی ہڈی کے گودے کی آخری حد (سرین) تک کا حصہ ـــــ اور عورت کی چھاتیوں سے مراد خالص پستان ـــــ مرد کی پیٹھ سے خارج ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ انسانی وجود میں سر میں دماغ مادۂ منویہ کا مخزن ہے۔ یعنی انسانی دماغ میں مادہ منویہ قوی لطیف ہیئت میں پایا جاتا ہے۔ جہاں سے یہ مادہ دماغ کے گودے سے نکلی ہوئی شریانوں کے ذریعہ ـــــ جو ریڑھ کی ہڈیوں کے گودے میں سے ہو کر تمام جسم میں وجود میں پھیلی ہیں ـــــ شریانوں کی آخری حد تک پہنچ کر جسم کے گوشت پوست کی شکل اختیار کرتا ہے ـــــ گویا انسانی جسم کا تمام وجود اسی جوہر یا مادۂ منویہ سے بنتا ہے ـــــ یہ امر تحقیق شدہ ہے۔ کہ انسانی دماغ میں یہ جوہر لطیف ہیئت میں پایا جاتا ہے ـــــ اور یَخْرُجُ ۔ خارج ہوتا ہے۔ سے مراد مرد کی عورت سے صحبت (مباشرت) کے وقت یہ مادہ اسی طرح دماغ سے نکل کر مرد کی پیٹھ میں۔ یعنی ریڑھ کی ہڈی کے گودے کی شریانوں سے مَآءٍ دَافِقٍ۔ اچھلتا۔ دوڑتا ہوا ـــــ ایک مخصوص راستہ (شریان) سے گزرتا ہوا ـــــ عضو تناسل سے خارج ہو کر عورت کے رحم میں داخل ہوتا ہے ـــــ اسی طرح بوقت صحبت (مباشرت) اسی موقع پر عورت کا مادۂ منویہ بھی۔ پستان سے نکل کر فرج (شرمگاہ) میں داخل ہوتا ہے ـــــ یہاں عورت کے تَرَآئِبُ کی ترتیب کو واضح انداز میں بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ طب اسلامی (بلکہ محققین مغرب کی سائنس) کی رو سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ مرد کی طرح عورت کے مادۂ منویہ کا مخزن بھی دماغ ہے ـــــ اور یہ جوہر اسی طرح ریڑھ کی ہڈی کے گودے کی شریانوں سے ہوتا ہوا جسم میں پھیلتا ہے ـــــ البتہ عورت کے پستان کو پیدائشی ترتیب کیلئے ایک اہم عضو سمجھا جاتا ہے۔ جیسے مرد کی پیٹھ سے مادۂ منویہ مرد کے خصیتین میں جمع ہو جاتا ہے۔ اسلامی طب میں انہیں ''معدنِ شہوت'' (یا مخزنِ مادۂ منویہ) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کے پستان کی بھی یہی کیفیت ہے۔ کہ عورت کا مادۂ منویہ پستان میں مخزن (جمع) رہتا ہے۔ اور بوقتِ مباشرت یہی مادۂ منویہ اچھلتا۔ فرج (شرمگاہ) کی دیواروں سے خارج ہو کر رحم میں داخل ہوتا ہے ـــــ یہ مادۂ منویہ بھی ذراتِ لطیف کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جس میں ہر ذرہ ایک وجود۔ اور ایک روح کا حامل ہوتا ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کا تمام وجود ـــــ گوشت اور پوست دراصل انہیں ذرات کے مجموعہ سے مرکب ہے ـــــ اسکی مثال ایسی ہے۔ کہ اگر انسان کے گوشت کا ایک ٹکڑہ کاٹ کر اس حد تک

ابالا جائے۔ کہ گوشت پانی کی شکل اختیار کر جائے۔ تو اس پانی کے ایک قطرے کو خورد بین کے ذریعہ دیکھا جائے۔ تو یہ قطرہ لاکھوں ذرات کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ گویا انسانی جسم انہیں ذرات کا مجموعہ ہے۔ ان ذرات میں ہر ذرہ ایک وجودی ہیئت میں محسوس ہوتا ہے ــ اور ہر ذرہ متحرک ہوتا ہے۔ یعنی ہر ذرہ زندگی رکھتا ہے۔ اس حیثیت پر غور کیا جائے تو یہ ذرہ بھی روح و جسم کا ایک وجود ہے۔ یعنی اس ذرہ کی حرکت ایک روح پر منحصر ہے۔ یہی روح اس ذرہ کی روح ہے ــ اور جب ان ذرات سے ایک انسانی جسم تشکیل پاتا ہے (جسے خَلق کہا جاتا ہے) تو ان ذرات کے وجود سے ایک جسم مرکب ہوتا ہے۔ اور انہیں ذرات کی روح کا مجموعہ مل کر انسانی روح کہلاتی ہے۔ گویا جسم کی ہیئت کے ساتھ روح کی بھی ایسی ہی انسانی ہیئت متشکل (بنتی) ہے جیسی انسان کی شکل ہوتی ہے ــــ اسی طرح مادۂ منویہ کے ذرات میں سے ہر ذرہ کی ایک روح و جسم کی صورت ہوتی ہے۔ عورت کے رحم میں۔ مرد اور عورت کا مادۂ منویہ جمع ہو کر۔ پھر انسانی پیدائش کا آغاز ہوتا ہے ــــ یہ ایک فطری تخلیقی عمل ہے۔ جسکے تحت ایک انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔ کہ ان ذرات (مرد۔ عورت) میں ایک غالب اور قوی ذرہ میں نشوارتقا کی صلاحیت ہوتی ہے ــ تو یہ ذرہ رحم میں ارتقائی ــــ یا انتقالی مراحل میں داخل ہوتا ہے ــ بقیہ ذرات رحم میں جمع خون میں یا رحم کی دیواروں میں چپک جاتے ہیں ــــ غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ یہ انسانی پیدائش ایک فطری (قدرتی) تنظیم کے تحت ظہور میں آتی ہے ــ کہ مرد اور عورت کے جسم یکساں ہیئت و مرکب کے ہیں۔ لیکن ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ کے بیان کے تحت انسانی نسلی پیدائش کیلئے۔ دونوں جسموں کا عمل مختلف اور منظم ہے۔ انسان اکثر عورت سے صحبت (مباشرت) رکھتا ہے۔ فطری عمل کے تحت اسی مباشرت پر ایک انسان کی پیدائش منحصر ہے۔ لیکن ہر موقع پر ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک متعین وقت پر ہی ایک ذرہ سے انسانی پیدائش شروع ہوتی ہے۔ پھر یہ ایک عجب انتظام ہے۔ کہ عورت میں رحم۔ اور رحم میں خون جمع ہوتا ہے۔ جو ایک ماہ میں چاند کی پہلی تاریخوں میں خارج ہوتا ہے۔ اس نظام پر غور کیا جائے۔ کہ عورت کے اس عمل میں۔ چاند کے اتار چڑھاؤ کو بھی دخل ہے۔ یہ ایک فطری تنظیم کے تحت عمل میں آتا ہے۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے ــ کہ ہر ماہ عورت کے رحم سے خون خارج ہوتا ہے۔ لیکن ایک خفیف حرکت سے رحم متاثر ہوتا ہے۔ جونہی ایک ذرہ انتقال کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو خود بخود رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

اسکے بعد یہی خون انسانی ارتقا میں اسکی جسمانی ساخت بناتا ہے ـــ لہذا اسی فطری نظام کے تحت اگر مرد کا ذرۂ منویہ قوی و غالب ہو تو وہ ذرہ انسانی جسم کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ اور اگر رحم میں عورت کا ذرۂ منویہ قوی و غالب ہو تو وہ ذرہ انسانی جسم کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ اور فطری تخلیقی اصول اور طبی اصول کے تحت چونکہ مرد کے ذرات میں مردانہ جوہر ہوتا ہے۔ اسلئے مرد کے ذرہ سے لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اور عورت کے ذرہ میں عورت ہی کی قوت ہوتی ہے اسلئے اس ذرہ سے لڑکی پیدا ہوتی ہے ـــ یہ کیفیت انسان کی ابتدائی تخلیقی کیفیت ہے۔ کہ ایک ذرہ یا Cell روح و جسم کا مرکب۔ عورت کے رحم میں۔ عورت کے خون سے اپنی جسمانی ساخت میں ارتقا ـــ انتقال کرتا ہوا مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ جیسے قرآن نے اس زمانہ میں اسکا ذکر کیا۔ جبکہ محققین مغرب کا ابھی وجود ہی نہ ہوا تھا۔ بلکہ وہ ایک وحشی زندگی بسر کرتے تھے۔ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ؕ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۱۴) نسلی طریق پر ابتداً کرنے کے بعد نطفہ (ذرہ) جب بڑھنے لگتا ہے۔ تو اسکی ہیئت جمے ہوئے خون کے لتھڑے کی شکل ہوتی ہے ـــ پھر جمے ہوئے لتھڑے کی شکل گوشت کی بوٹی کے مانند ہوتی ہے ـــ پھر اس گوشت کے لتھڑے میں ہڈیاں نمودار ہوتی ہیں ـــ پھر اس ڈھانچے پر گوشت پوست کی صحیح صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اس جسم کو بشری شکل ـــ شکل انسانی ـــ سر۔ ناک ۔کان۔ آنکھ۔ منہ۔ بازو۔ دھڑ۔ لاتیں۔ پاؤں جملہ اعضائے جسمانی میں تشکیل دیا جاتا ہے۔ پھر اسکی آخری بناوٹ میں اسے سنوارا جاتا ہے۔ کہ اسکے عقل و خرد کو عام مخلوق حیوانی کے مقابلہ میں قوی و بہتر بنایا جاتا ہے۔ اسکے بعد جب یہ بشر مکمل ہو جاتا ہے۔ تو اس میں نوری روح پھونکی جاتی ہے۔ جیسا قرآن سے ظاہر ہے۔ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ انسان کی بشری تکمیل پر اسے۔ قوی قوت سمع و بصر اور عقل و خرد سے سنوارا اور پھر اس میں اپنی روح پھونکی ـــ ہاں کائنات کی تخلیق میں مشاہدہ کرنے سے یہ عمل ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ سارا نظام خود بخود روبہ عمل آتا ہے۔ لیکن قرآن بتاتا ہے ـــ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۔ پھر ہم نے انسانی پیدائش کیلئے اپنے ارادہ و قدرت سے یہ ترتیب بنائی کہ ہم نے ہی انسان کو نسل کی صورت میں پیدا کیا۔ چنانچہ اس تخلیقی ترتیب میں جو ترکیبی آثار نمایاں ہیں۔ وہی آثار خود

اسکی دلیل ہیں کہ انسانی پیدائش اللہ تعالیٰ کے ارادہ۔ منصوبہ کے تحت اسکی قدرت کاملہ سے ہی واقع ہوتی ہے۔ گو بظاہر انسان کو اس عمل میں اللہ کا ہاتھ نظر نہیں آتا لیکن یہ امر واقع ہے۔ کہ اس تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ضرور شامل ہے ــــ اسکے بعد دیکھنا ہے انسان اول آدم کی تخلیق اور نسلی انسان کی تخلیق میں۔ اسکے روحانی جسمانی مرکبات میں کیا فرق یا یکسانیت پائی جاتی ہے۔

انسان اول کو نفسِ واحد سے۔ حماء مسنون میں بنایا گیا۔ خلق کیا گیا ــ نفس واحد ایک ذرہ ہے۔ روح وجسم کا مرکب ــــ یہی ذرہ حماء مسنون۔ زمین کی جواہراتی قوت سے بڑھا کر انسانی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ــــ

اسکے مقابل نسلی انسان بھی ایک نفس واحد سے ابتدا کرتا ہے۔ یہ ذرہ بھی روح وجسم کا مرکب ہے ــــ یہ ذرہ کہیں باہر سے نہیں آتا۔ بلکہ انسان اول کے وجود کا ایک ذرہ ہے یا جز ہے۔ یہ ذرہ بھی اسی نفس واحد کی جز ہے۔ جو نفس واحد انسان اول کا ہے۔ لہذا وجودی اعتبار سے یہ ذرہ بھی وہی نفس واحد کی صفت رکھتا ہے۔ جو انسان اول کے نفس واحد کی بعینہ ہے ــــ اور جسم حماء مسنون سے بڑھا۔ تو عورت کے رحم میں خون۔ زمین کی جوہری قوتوں سے حاصل ہوتا ہے ــــ اس خون میں وہی صفت ہے۔ جو حماء مسنون میں پائی جاتی ہے۔ اس حیثیت میں نسلی وجود کو بھی وہی غذا جسمانی ارتقا کیلئے حاصل ہے۔ جو انسان اول کو حاصل تھی۔ اس اعتبار سے انسان اول۔ اور نسلی انسان کی تخلیقی کیفیت یکساں ہے۔ اور وجودی مرکب بھی ایک ہی قسم کا۔ اور تخلیقی عمل بھی ایک ہی طریق وانداز کا ہے ــــ کہ انسان اول میں بنیادی وجود۔ ذرہ واحد ہے۔ جو روح (روح حیوانی) اور جسم کا مرکب ہے۔ یہاں انسانِ اول کو بشری تکمیل پر روح رحمانی نفخ کی جاتی ہے ــــ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي ــــ ادھر نسلی انسان میں بنیادی وجود ذرۂ واحد ہے۔ جو روح (روح حیوانی) اور جسم کا مرکب ہے۔ ادھر انسان اول ذرۂ واحد سے لیکر بشری (انسانی) ہیئت تک پہنچنے میں کئی وجودی مراحل سے گزر کر بشری ہیئت تک پہنچا۔ جس میں مدت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ زمانہ انسان کی بشری ہیئت سے قبل (محض حیوانی ہیئت) کا زمانہ ہے۔ جس کی مدت کا علم انسان کو نہیں ہوسکتا۔ یہ مدت صدیوں کی حد میں گزری یا اس سے کم یا زیادہ ــــ ادھر نسلی انسان کی مدت ذرہ سے لیکر بشری ہیئت کی تکمیل عورت کے رحم میں غالباً تین ماہ دس

یوم طبی تحقیق میں ظاہر کی گئی ہے۔ کہ اس وقت انسان کا نطفہ (ذرہ واحد) عَلَقَة کی ہیئت سے انتقال کر کے مُضغَة کی ہیئت اختیار کرتا ہے۔ مُضغَة کے بعد ہڈیاں۔ اور گوشت پوست کے مراحل سے گزر کر ''جنین'' (بچہ کی مکمل بشری شکل وصورت) انسانی ہیئت اختیار کرتا ہے۔ اس انسانی ہیئت اور انسان اول کی ہیئت میں یہ فرق ہے۔ کہ انسان اول کا جسم وقامت بھی مکمل ہوکر ''آدمی'' کے تصور میں محسوس ہوتا ہے۔ لیکن نسلی انسان بشری ہیئت مکمل ہونے پر جسم وقامت میں کامل نہیں ہوتا ــــ انسان اول جسم و قامت کی تکمیل پر ہوش وحواس اور عقل میں پختہ ہوتا ہے۔ اسی پختگیٔ وجود پر اس میں وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کی مقرر کردہ روح نفخ کی جاتی ہے جس سے روح کے نفخ کے ساتھ ہی اسماء کلھا کا علم دیا جاتا ہے۔ اور آدمی اس سے باخبر ہوتا ہے ــــ اسکے برعکس نسلی انسان بشری ہیئت مکمل ہونے پر چونکہ جسم وقامت میں مکمل نہیں ہوتا۔ اسلئے اسکے ہوش وحواس۔ عقل پختہ نہیں ہوتے۔ اس موقع پر چونکہ اس میں بھی روح رحمانی نفخ ہوتی ہے۔ لہذا۔ نفخ کی صورت میں اسے اسماء کلھا کا علم بھی دیا جاتا ہے ــــ چونکہ یہ علم روح رحمانی سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ روح رحمانی ایک مکمل نوری وجود ہے۔ جس میں قوتِ سمع وبصر وفہم نوری حیثیت میں کامل ہوتے ہیں ــ اسی قوت سے روح رحمانی (انسان اول میں بھی۔ اور نسلی انسان میں بھی) اسماء کلھا کا مشاہدہ کرتی ہے۔ لیکن نسلی انسان۔ ہوش وحواس اور عقل کی ناپختگی کے باعث اس علم سے (عقلی طور) بے خبر رہتا ہے۔ حتیٰ کہ رحم سے باہر آنے کے بعد۔ شیر خوارگی کے عالم سے سن بلوغت تک جب تک انسانی حواس۔ عقل۔ شعور میں قوتِ ادراک قوی ہو یہ علم سے رفتہ رفتہ باخبر ہوتا جاتا ہے ــــ یہ جاننا ضروری ہے۔ اس علم میں انسان نے کوئی تزکیہ مجاہدہ نہیں کرنا۔ بلکہ یہ انسان کی فطری پیدائشی خصوصیت ہے کہ اسے پیدائشی طور روح رحمانی کے ذریعہ اسماء کا علم دیا جاتا ہے۔ ہاں۔ انسان اول کی بشری ہیئت مکمل ہونے سے قبل اس میں روح رحمانی ودیعت نہیں تھی۔ بلکہ یہ حیوانی مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس لئے اس زمانہ میں نہ اس میں روح رحمانی ودیعت تھی۔ نہ اسے اسماء کلھا کا علم ہوسکتا تھا۔ البتہ روح رحمانی کے ودیعت ہونے پر۔ یہ ہوش وحواس کی پختگی کی وجہ سے ساتھ ہی اسماء کلھا سے باخبر ہوا ــ اور یہ صفت انسان کو پیدائش کے ساتھ ہی عطا ہوتی ہے۔ کہ انسان اول حیوانی مراحل سے نکل کر جب زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ تو یہ روح رحمانی کے ودیعت ہونے۔ اور

اسماء کلھا کا علم حاصل ہونے پر خلیفہ کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نسلی انسان۔ رحم میں جب اسکی بشری ہیئت مکمل ہو کر عورت کے رحم میں ہی اس میں روح رحمانی نفخ کی گئی تو اسکے ساتھ ہی اسے روح رحمانی کے ذریعہ اسماء کلھا کا علم دیا جاتا ہے ــــ یہ بھی خلیفہ کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے ــــ یہ اسلئے کہ پیدائشی ترکیب وترتیب میں ــــ خواہ حماءٍ مسنون ہو یا رحم مادر ہر دو ہیئتوں کی تخلیقی حیثیت یکساں ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ انسان اول کو ہوش وحواس اور عقل وشعور کی پختگی کے ساتھ اسماء کلھا کا علم ہو جاتا ہے اور نسلی انسان کی چونکہ تخلیقی ترکیب بدل جاتی ہے۔ اسلئے اسے پیدا ہونے کے بعد ایک مدت تک حواس وعقل وشعور پختہ ہونے پر اس علم سے آگاہی ملتی ہے ــــ

ان واقعات کے تجزیہ سے یہ امر ثابت ہوتا ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے تصور میں انسانِ اول سے لیکر۔ نسلی انسان ــــ اولادِ آدم میں پیدائش کے آخری فرد تک شامل ہے۔ قرآنی آیات کی رو سے خلیفہ کے معنی نبی کی صفت ہونا ہے۔ اسلئے ارادۂ الٰہی میں اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے قرآنی بیان کا اصل مقصد ومعنی زمین پر ایک نبی کا قیام اصل تخلیقی عمل ہے ــــ

الغرض حضرت آدمؑ کے بعد اولاد آدم اسی حیثیت سے۔ خلیفہ ونبی پیدا ہوتی رہی۔ زمین پر انکا کام صرف تصورِ الٰہی۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی کے ساتھ اپنی جسمانی روحانی حیثیت کو پاکیزہ رکھنا تھا۔ اس اولاد آدم کی غذا بھی فطری غذا۔ پھل پتے وغیرہ تھی ــــ بس یہی انکی زندگی کا مقصد تھا۔ کہ صرف زندگی کے دوام کیلئے غذا استعمال کی جائے جو امر مقصد سے ہٹ کر تھا۔ مقصد صرف اپنی خلافت کو قائم رکھنا تھا۔ کہ فطری غذا استعمال کی جائے۔ اپنی پاکیزہ زندگی کو برقرار رکھا جائے۔ اور مشاہدۂ اسرار الٰہی میں بامشاہدہ رہا جائے ــــ

اللہ تعالیٰ نے بشر سے قبل آسمان بنائے۔ ان میں ملائکہ بنائے۔ ان کے ذمہ تسبیح وتقدیس رکھی ــــ لیکن ملائکہ کا وجود۔ ملائکہ کی تسبیح اصل مقصد نہ تھا ــــ مقصد صرف اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ تھا۔ یہ ایک عظیم مقصد تھا ــــ ملائکہ کا وجود۔ آسمان۔ اور آسمانوں سے اوپر۔ ازل تک جو بھی مقام مخلوق ہوئے وہ درمیانی مراحل تھے۔ کیونکہ قانون فطرت کے مطابق زمین نے اپنے مقام پر ہی پیدا ہونا تھا۔ اور اس سے قبل۔ مقامات بالا۔ آسمان میں زمین نہیں بن سکتی تھی۔ کیونکہ زمین نور ونار کی کمتر

درجہ کی سفلی ہیئت تھی ـــــ اور ارادۂ ازلی میں زمین اور زمین کی ایک مخلوق بنانا مقصود تھا ـــــ سو حضرت آدمؑ کے بعد زمین پر اولاد آدم خلیفہ و نبی کی حیثیت سے پیدا ہوتی رہی ۔ اور انکے لئے حکم ہوا ـــــ اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۔ اولاد آدم زمین پر سکونت رکھے گی ۔ اسکے لئے دو کام جاری رہینگے ۔ ایک جسمانی قوت کو اِلٰى حِيْنٍ (وقت مقرر تک) صحت منداور پاکیزہ رکھنا ۔ پاکیزہ غذا استعمال کرنا ـــــ دوسری روحانی حیثیت کو قائم رکھنا ۔ پاکیزہ ۔ صحت مند جسم کے ساتھ ۔ اپنے حواس ـــــ دل و دماغ کو سالم اور قوی و پاکیزہ رکھ کر اپنے علم و خبر ۔ اسماء و اسرار سے آگاہ رہنا ۔ یہی اسکی عبادت ہے ۔ کہ وہ تصور ذاتِ الٰہی کے ساتھ اسکا ذکر ہر لمحہ جاری رکھے ـــــ لیکن یہ ایک آزمائش ہے ۔ اور کٹھن کام ـــــ ! مادی و سفلی زمینی وجود اور روحانی وجود کی نسبت قائم رکھنا ـــــ سفلی وجود کو مادی غذا پسند ہے ۔ اور روح کو روحانی غذا ـــــ جسم مادی غذا چاہتا ہے ۔ اور روح معرفت و تصورِ الٰہی ـــــ انسان کو اپنی نشو و نما ـــــ اور جسمانی قوت کیلئے ـــــ مادی غذا کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے ـــــ اسلئے مادیت کی طرف بھی توجہ کرنا ہے ۔ یہی ایک کٹھن کام ہے ۔ کہ ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردئی ۔۔۔ بازے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ایک طرف بشری وجود مجسم سفلی مادہ ہے ـــــ دوسری طرف روحانی وجود ـــــ ایک طرف سفلیت کے خارزار میں بسایا ۔ اِهْبِطُوْا فِى الْاَرْضِ ۔ جہاں مادیت کے لئے بے شمار لذتیں پائی جاتی ہیں ـــــ ضروری ہے ۔ کہ انسان مادی لذتوں سے متاثر ہو کر ان لذتوں کا دلدادہ ہو جائے ـــــ جس سے روحانی شرف ہاتھ سے جانے کا احتمال ہے ـــــ اور ہوا یہی ـــــ کہ اولاد آدم نے کثرت کے باعث زمین کی وسعتوں میں پھیلنا شروع کیا ـــــ نقلِ مکانی میں ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے سے ۔ کئی قسم کی غذا ملی ۔ اسطرح انسان کو ایک لذت چھوڑ کر دوسری لذت کا علم و احساس ہوا ـــــ اسی لذت نے انسان میں اسکی غذا میں لذت کی خواہش پیدا کر کے اسکی جستجو پیدا کر دی ۔ اس جستجو نے انسانی ذہن میں تصور حقیقی کے ساتھ ۔ پسندیدہ چیزوں کا تصور بھی جمع کر دیا ـــــ اور انسانی خواہشات نے اسے اپنی پسندیدہ لذت کے حصول کی طرف مائل کر دیا ـــــ اسطرح انسان کا ذہن بٹ کر رہ گیا ۔ جہاں اسے ہر لمحہ تصور و مشاہدۂ حقیقت میں منہمک رہنا تھا ۔ حصولِ لذت نے غذا کی تلاش میں اسکے ذہن کو غیر حقیقی

تصورات میں الجھا دیا۔ رفتہ رفتہ انسانی نسلوں میں تلاشِ رزق کی جستجو بڑھ گئی۔ لذت پسندی نے ۔ ہوس۔ حرص پیدا کر کے زائد حصول کی طرف انسان کو مائل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کے حقیقی تصور و مشاہدہ میں کمی واقع ہونے لگی۔ ادھر حرص و ہوا کے جذبہ نے انسان کو فطری حدود سے تجاوز کرنے پر اکسایا۔ انسان اپنی ذات کیلئے سامان زندگی جمع کرنے لگا۔ دوسروں کے حقوق پر ناجائز قبضہ کرنا شروع کیا۔ اسطرح انسانوں میں ایک دوسرے سے بغض وعناد۔ نفرت وفساد پیدا ہو کر ایک دوسرے کو قتل کرنا۔ غلام بنانا انکی زندگی کا مقصد ہو کر رہ گیا۔ جب مدتوں نسل در نسل یہی طریق جاری رہا۔ تو انسانی صفات و خصوصیاتِ خلافت محو ہوتی گئیں ___ انسان میں مشاہدہ کی قوت باقی نہ رہی ___ مشاہدہ نہ رہا ___ تو تصور حقیقی حاصل نہ ہوا۔ نسل در نسل اسطرح جب پیدائش کا سلسلہ جاری رہا۔ تو ایک وقت ایسا آیا۔ کہ انسان کو یہ علم نہ رہا کہ اسکی اصلی پیدائش۔ اور اسکی خصوصیت۔ اور اسکا مقصد زندگی کیا ہے۔ وہ اپنی خصوصیت خلافت سے بالکل بے خبر ہو گیا۔ اب اِس نے اپنی زندگی کو صرف حصولِ سامان زندگی میں مصروف پایا اسی ماحول میں اس نے آنکھیں کھولیں۔ اسی جستجو میں اپنی زندگی صرف کی اور مر گیا ___ اس دور میں۔ انسانی شرافت۔ پاکیزگی جسم۔ پاکیزگی روح یکسر ختم ہو گئی ___ انسان ابتدأ میں قوی و پاکیزہ جسم تھا۔ باوجود برہنہ رہنے کے۔ اس پر کسی شدید گرمی سردی کا اثر نہ پڑتا تھا۔ جوہری وجود ہونے کی وجہ سے ہر مخلوق اور زمانہ کے ہر ماحول پر غالب تھا۔ مگر اب اسکا جسم کمزور ہو گیا اور معمولی سی سرد ہوا لگنے سے بھی نمونیہ کا شکار ہونے لگا ___ اب سانپ بچھو ___ معمولی سے کیڑے کے ڈسنے سے بھی مرنے لگا ___ یہی وہ زمانہ ہے۔ جس پر محققین مغرب نے انسان کو دیکھ کر ازلی وحشی اور عقل سے خالی انسان سمجھ لیا ___ حالانکہ یہ ابتدائی زمانے کا انسان نہیں۔ جسے اشرفِ المخلوقات ارضی اور اشرف المخلوقات سماوی قرار دیا گیا تھا ___ یہ وہ زمانہ ہے۔ جب زمین پر انسانی مخلوق میں۔ خلیفہ و نبی کا تصور مفقود ہو گیا۔ انسان نے فطری حدود سے تجاوز کر کے فساد و خونریزی اختیار کی۔ اور مشاہدۂ اسرار الٰہی اور تصور ذات سے قلب و ذہن کو خالی کر دیا ___

یہی وہ زمانہ تھا جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے ابتدأ میں کہا تھا اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا اترو زمین میں بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ' ایک زمانہ آیگا کہ انسان (نسلِ آدم) خواہشات نفسانی میں الجھ کر زائد

حصول اور ذخیرہ اندوزی کی ہوس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جائینگے۔ اور انمیں خلافت و نبوت کی تمام خصوصیات مٹ جائینگی۔ ان میں کوئی فرد ایسا نہ ہوگا۔ جو خلیفہ صاحبِ مشاہدہ۔ صاحبِ مراتب ہوگا۔ نہ اسوقت انسانی اصلاح کا کوئی سامان ہوگا۔ تو میں اپنی طرف سے انسان پر اسی طرح احسان کرونگا جسطرح حضرت آدم پر احسان کیا۔ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ہدایت دی اور پھر اسکا تزکیہ کر کے علم و خبر عطا کیا۔ اسی طرح انسان کیلیئے بھی ایک خاص ذریعہ مقرر کیا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى۔ پس اسوقت میں اپنی طرف سے ایک طریقِ اصلاح گمراہ انسانوں کے لئے بھیج دونگا۔ جس پر عمل کر کے وہ پھر پاکیزہ جسم۔ پاکیزہ روح ہو کر سلامتی حاصل کر کے صاحب مشاہدۂ اسرار اور صاحبِ مراتب قرب الٰہی حاصل کر سکینگے۔ البتہ اسوقت انسان خواہشاتِ نفسانی کا غلام بنا ہوگا۔ وہ اپنی پسندیدہ لذتوں کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔ وہ زائد حصول۔ ناجائز ذرائع سے کثیر مال حاصل کرنا ـــــ ذخیرہ اندوزی ـــــ غلاموں سے کام لے کر اپنے گھر دولت و مال کے انبار لگانا ـــــ چور بازاری۔ سود۔ نفع خوری ناجائز۔ ایسی لذتیں ہونگی جنہیں چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوگا ـــــ اور میری ہدایت کی پیروی کرنے پر تیار نہ ہوگا۔ پس جان لو۔ فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ انسانوں میں ایسی بھی طبیعتیں ہیں۔ جو ایسے ماحول اور معاشرے سے متنفر ہیں۔ وہ ہدایت کے طالب ہیں مگر انہیں ہدایت ملتی نہیں ـــــ وہ اپنی زندگی کے انجام سے واقف ہیں کہ مستقبل میں انکے لئے عذاب ہوگا۔ پس وہ میری ہدایت کی پیروی کریں۔ تو انہیں عذاب کے خوف سے نجات ملیگی۔ اور انکی زندگی میں جو اضطراب پیدا ہوا ہے۔ وہ اس سے فارغ ہو کر امن و سلامتی میں داخل ہونگے۔

" فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى" انسان کو علم و خبر دینے کے بعد جب اسکے ہاتھ سے یہ خصوصیت جاتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک طریقِ اصلاح۔ ایک لائحہ عمل پیش کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبہ پر عمل درآمد کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ـــــ یہ ہدایت کلامِ الٰہی ہے۔ اس کلام میں وہ طریق عمل ہے۔ جس سے انسان بدی سے پرہیز کرتا ہے۔ اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ کلام۔ یہ طریقِ عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسلیئے اس ہدایت کے بھیجنے کا بھی ایک خاص طریق مقرر کیا گیا ـــــ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک

انسانی پیدائش کو منتخب کیا ___ یہ انسانی پیدائش قدرتِ الٰہی کی کفالت میں پیدا ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ابتداً ایسی مخلوق کو عام مخلوق کی مانند خلیفہ ہی کی حیثیت سے پیدا کرتا ہے۔ لیکن چونکہ عام مخلوق کا ماحول و معاشرہ گناہ و بدی سے زہریلا ہو چکا ہوتا ہے۔ اور کسی فرد کو یہ موقع نہیں مل سکتا کہ اسکی جسمانی۔ روحانی پاکیزگی کی حفاظت رہے۔ انسان ماحول سے متاثر ہو کر اپنی خصوصی شرافت و خلافت کھو بیٹھتا ہے۔ یا یہ کہ انسان کو اپنی جسمانی روحانی قوت محفوظ رکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اسلئے اپنی عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مشاہدات روحانی سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور معاشرے کی بدی میں مدغم ہو جاتا ہے۔ اسلئے ضروری ہوا کہ ایک منتخب پیدائش کی اسکی ابتداً کے ساتھ ہی اسکی خصوصیات کی حفاظت کی جائے۔ یعنی ایسی پیدائش فطری طور۔ ماحول سے کنارہ کش۔ گناہوں اور برے افعال سے متنفر۔ معاشرے کی برائیوں سے متنفر ہو جاتی ہے۔ اسکے ساتھ ہی اسکی عقلی قوتِ فکر قوی ہوتی ہے۔ وہ کائنات عالم پر ذاتی طور پر فکر کرتا ہے اور معاشرے کی برائیوں اور انجام بد کا احساس کرتا ہے۔ اور خود بھی اپنی حفاظت کیلئے گوشہ نشینی اور فکر و تصور کا عامل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسکی جسمانی۔ روحانی پاکیزگی (صفت خلافت (خلیفہ) معاشرے کی برائیوں سے متاثر نہیں ہوتی۔ تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ایسے فرد کی قوت مشاہدہ۔ قوت علم سالم و قائم رہتی ہے۔ اور وہ علےٰ حالہ خلیفہ و نبی صاحبِ مشاہدہ رہتا ہے۔ اسی قوتِ مشاہدہ۔ اور قوت علم و خبر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو وحی کے ذریعہ ایک نئی ہدایت عطا کرتا ہے۔ جسے کلامِ الٰہی۔ کتاب الٰہی یا ہدایت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور ایسی ہستی۔ یا ایسے خلیفہ یا ایسے نبی کو جسے مخصوص طریقہ پر انسانی ہدایت و اصلاح کیلئے منتخب کیا جائے رسول کہا جاتا ہے۔

یہ زمانہ ہے۔ جب مخلوقِ انسانی میں۔ بحیثیت مجموعی صفاتِ خلافت ___ تزکیہ۔ قوتِ مشاہدہ۔ اسماء کلھا کا علم۔ مشاہدہ اسرار الٰہی۔ تصور ذاتِ الٰہی کا تصور یکسر محو ہو چکا ہے ___ جب صفاتِ خلافت انسان میں باقی نہ رہیں۔ تو انسان کَالْاَنْعَامِ۔ شہوانی قوت سے مغلوب ہو کر خلافِ فطرت اقدام پر اتر آتا ہے ہوائے نفس کا غلام بن کر (اگرچہ انسان فطری طور اللہ کا تصور رکھتا بھی ہو) فطرت کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور زمانہ میں جب کوئی صاحبِ مشاہدہ خلیفہ میسر نہ ہو۔ تو ایسے موقع پر ناری شیطان عوام الناس کو بہکا کر گمراہی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ جیسے شیطان کا دعویٰ تھا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۱۶) کہا شیطان نے قسم ہے تیری ذات کی میں انکو گمراہ کرنے کیلئے گھات میں بیٹھا رہونگا۔ مجھے موقع ملا۔ تو میں انہیں تیرے راستے پر چلنے سے باز رکھونگا ــــ غرض یہ زمانہ انسانی وحشت و گمراہی کا زمانہ ہے۔ جب انسانی ذہن سے خلافت و نبوت کا تصور مٹ چکا ہے۔ تو وعدۂ الٰہی کے تحت انسانی مخلوق میں ایک انسان کو ــــ انسانی ہدایت کیلئے منتخب کیا جاتا ہے ــــ پیدائش کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ اسکی قوتوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس پر بلوغت کی طرف بڑھنے کے ساتھ مشاہدۂ اسماء کلھا کے اسرار کھل جاتے ہیں ــــ اس حیثیت میں تو یہ پیدائشی نبی (خلیفہ) ہے۔ لیکن اس مخصوص ہستی کو الٰہی انتخاب میں عام انسان پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرتا ہے۔ اور اسے مخلوق انسانی کی راہنمائی پر مامور کرتا ہے ــــ یہ دوسرا دور ہے۔ انسانی زندگی کا جس میں۔ ایک بشر کو خلیفہ۔ نبی کی صفت سے علاوہ رسول کا اعزاز ملتا ہے ــــ ہاں اس مقام پر باقی مخلوق انسانی میں یہی ایک انسان۔ نبی۔ و رسول محسوس ہوتا ہے۔ اور باقی مخلوقِ انسانی کو اپنے تنزل کے باعث (اگرچہ انسان فطری طور خلیفہ ہی پیدا ہوتا ہے) نبی کے تصور میں نہیں لایا جاتا ــــ لہذا نبی کا تصور صرف ایک منتخب ہستی کیلئے ہی مخصوص ہو جاتا ہے ــــ اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ باقی مخلوق بشر ہے۔ صرف یہی منتخب ہستی نبی کہلائی جاتی ہے۔ البتہ انتخاب اور خصوصی کلام الٰہی ــــ اور ہدایت پر مامور ہونے کی صورت میں ایک اضافی ــــ علیحدہ ــــ اور افضل اعزاز عطا ہونے سے ایک اور تصور کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ مقام رسول کا ہے۔ یعنی اس اضافی اعزاز میں محض کلام الٰہی۔ وحی کے ذریعہ ایک نیا ضابطۂ عمل حاصل ہونا رسول سے تعبیر ہوتا ہے ــــ ظاہر ہوا۔ بشر کا تصور اگرچہ ایک علیحدہ تصور ہے۔ لیکن یہ بشر بہر حال خلیفہ ــــ نبی کی صفت میں آتا ہے۔ لہذا ہر انسان نبی کہلاتا ہے۔ اس حال میں کہ اسے۔ مشاہدہ اسرار الٰہی۔ مشاہدۂ ذات الٰہی حاصل ہو ــــ ورنہ بشر ہے لیکن حیوانی صفات کا حامل۔ نبی کہلانے کا مستحق نہیں۔ دوسرے مصطفیٰ نبی (منتخب نبی) جسے رسالت کیلئے منتخب کیا گیا۔ یہ بشر باقی مخلوقِ انسانی میں افضل درجہ کا حامل ہے ــــ تیسرے رسول کہ اللہ سے کلام کرتا ہے۔ اور مخلوقِ انسانی کی راہنمائی پر مامور ہوتا ہے۔ یہ ہستی رسالت کے اعتبار سے بھی افضل ترین بشر (افضل البشر) قرار دیا جاتا ہے۔ لہذا۔ مصطفیٰ نبی کے تصور کے ساتھ رسول کا ایک علیحدہ تصور ہے جو

ایک نئے یا اضافی علم ہدایت (ھُدٰی) سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نبی اور اسکا علم (علم نبوت) اور رسول اور ہدایتِ الٰہی دو علیحدہ کیفیتیں قرار دی جاتی ہیں ــــ یعنی نبی وہ ہے جسے علم الاسماء ــــ اسرار و معرفت دیا گیا۔ یہ کیفیت ہر انسانی پیدائش کو حاصل ہوتی ہے ــــ اسلئے پیدائش کا ہر انسان پیدائشی نبی و خلیفۂ ارض کہلاتا ہے۔ اور نبی کہلانے کا مستحق علم و خبر کے پانے۔ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی جاری رکھنے اور مرتبۂ اعلےٰ پانے سے ہوتا ہے۔ برعکس اسکے جس نے اپنے وجود کی پاکیزگی کی حفاظت نہ کی ــــ مشاہدۂ اسرارالٰہی ۔ اور مرتبۂ اعلےٰ کو قائم نہ رکھا اور معرفت و مشاہدہ۔ ذکر الٰہی ــــ تصور الٰہی اور حدودِ الٰہی سے انحراف کیا۔ اس میں اگرچہ خصوصیت باقی رہتی ہے۔ مگر اس خصوصیت کو قائم نہ رکھنے کی وجہ سے خلافت سے محروم ہو کر ایک حیوانی زندگی کا حامل بشری ہیئت میں باقی رہتا ہے ــــ اور جب زمانہ میں انسانی پیدائش حیوانی زندگی بسر کرے اور اس میں کوئی خلیفہ یا نبی کی خصوصیات کا حامل انسان پایا نہ جائے۔ اسوقت ارادہ الٰہی کے تحت انسانی اصلاح کیلئے ایک انسان ــــ ایک خلیفہ نبی کو منتخب کیا جاتا ہے۔ جسکی خلافت و نبوت محفوظ رہتی ہے اسے رسول بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اسے نبی و رسول کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حالات زمانہ کے مطابق نبوت کی دو اقسام ہو جاتی ہیں۔ ایک وہ انسانی پیدائش جسے علم و خبر دیا گیا ارضی خلیفۂ نبی کہلاتا ہے ــــ اسے رسول نہیں کہا جا سکتا۔ یہ صرف نبی کہلا سکتا ہے۔ دوسرے وہ پیدائش جو ارضی خلیفہ کی طرح ہی نبی پیدا ہوتا ہے۔ مگر منتخب رسول ہوتا ہے۔ اسے رسولِ نبی یا مصطفےٰ نبی کہا جاتا ہے۔ یہ مقام عام نبیوں سے افضل بوجہ رسالت کے ہے ــــ اسلئے یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ سیرت النبی میں رسولِ نبی کا تصور نہیں بلکہ ارضی خلیفۂ نبی کا تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی نبوت اور رسالت کی کیفیتوں کا الگ الگ تصور کیا جاتا ہے نہ یہ کہ نبوت اور رسالت کو ایک ہی کیفیت۔ ایک ہی ہیئت تصور کیا جائے۔ اسلئے سیرت النبی میں خلیفۂ ارض (ارضی نبی) کا تصور رکھا جائے ــــ اسی تصور پر ایک نبی کی سیرت کا تجزیہ کیا جائے۔

حضرت آدمؑ سے لیکر تا کثرتِ اولاد جب تک اولادِ آدم میں خصوصیت خلافت و نبوت قائم رہی۔ اس وقت تک رسول کی رسالت کا ظہور نہیں ہوا۔ اس سے قبل اولاد آدم کی عبادت ہی صفتِ نبوت و تصور ذاتِ الٰہی ــــ اور مشاہدۂ اسرار و اسماء تھی۔ یہی انسانی پیدائش کا حقیقی مقصد تھا۔ کہ انسان اپنی

جسمانی روحانی پاکیزگی و شرافت کو محفوظ رکھ کر تصور حقیقی میں مشغول رہے ـــ اور جب اولاد آدم (نسل انسانی) میں انحراف۔ و فساد کا وجود پیدا ہوا اس وقت اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی میں ایک نبی و خلیفہ کو منتخب کر کے بحثیت رسول مبعوث کیا۔ چنانچہ قرآنی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسانی آبادی میں پہلا رسول حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے۔ اس وقت رسول اور ہدایت انسانوں میں جاری ہوئی۔ اور آئندہ مخلوق کیلئے ایک نیا طریق عبادت رائج ہوا ـــ اس میں امر بالمعروف و نھی عن المنکر کا طریق جاری ہوا ـــ دراصل یہ کیفیت عبادت سے تعبیر نہیں بلکہ ایک طریقِ اصلاح ہے۔ جس پر کاربند رہ کر انسان دوبارہ پاکیزہ جسم و روح ہو کر اپنا اصلی مقصد تصورِ ذاتِ الٰہی اور مشاہدہ اسرارِ الٰہی حاصل کرتا ہے ـــ یہی مقصدِ تصور ذات الٰہی۔ مشاہدۂ اسماء ـــ اسرارِ الٰہی اصل عبادت ہے۔ جو ہر انسان اپنی پیدائش کے ساتھ لیکر آتا ہے ـــ یعنی یہ انسانی پیدائش کا فطری مقصدِ زندگی ہے۔ جو اسکی پیدائش کے ساتھ ہی اس پر تخلیقی اعتبار سے خود بخود واجب ہو جاتا ہے۔

قرآنی تواریخ کے ان حقیقی واقعات میں ہمیں گزشتہ ابتدائی تخلیقِ انسانی اور اسکی خصوصیات خلافت و نبوت اور رسالت کے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کیسے پیدا ہوا۔ اسکی جسمانی ہیئت و ترکیب اور خصوصیت کیا ہے ـــ نبی کی تعریف از روئے قرآن کیا ہے ـــ اور رسول کا ظہور کیسے ہوا ـــ اور کن حالتوں میں ہوا ـــ اسکی ضرورت کیسے پیدا ہوئی ـــ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے ـــ کہ اس تخلیقی عنصر میں۔ ایک رسول کی خصوصیات سب مخلوق سے افضل ہیں۔ چونکہ رسول ارادۂ ازلی کی تکمیل کیلئے مخصوص کیا جاتا ہے ـــ اسلئے ہر انسان پر لازم آتا ہے۔ کہ سلسلہ تناسل کے درمیانی دور کی حائل شدہ کمزوری کو دور کرنے کیلئے ایک ہدایت سے استفادہ کرے ـــ یہ ہدایت چونکہ رسول سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلئے ہر انسان پر رسول کی پیروی و اطاعت لازم ہو جاتی ہے ـــ رسولوں میں وہ رسول قابل پیروی تصور کیا جاتا ہے۔ جسکا علم مکمل اور مقصد کو پانے والا ہو ـــ اور جس رسول کے بحثیت نبی و خلیفہ ذاتی صفاتی کمالات تمام رسولوں میں اعلےٰ و افضل ہوں ـــ جس رسول کے ذریعہ عام مخلوقِ انسانی کو کثرت کے ساتھ اپنا مقصدِ خلافت (معرفت الٰہی) حاصل ہوا ہو ـــ اور جس رسول کا علم و عمل ہمیشہ اپنی اصلی حالت میں قائم ہو ـــ یہی رسول قابل اتباع ہو سکتا ہے ـــ انہیں ذاتی صفاتی کمالات میں

ایک نبی و رسول کے متعلق حقیقی واقعات و کیفیات کا اظہار ــــ ایک رسول کی سیرت سے تعبیر دیئے جاتے ہیں ــــ یوں تو سیرت کے بیان میں ایک نبی کا تصور ہوتا ہے۔ جسے سیرت النبی کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں۔ چونکہ ہر انسان بحیثیت نبی زمین پر پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے سیرت میں ہر نبی (انسان) کے ذاتی صفاتی کمالات کا بیان کرنا ضروری ہے ــــ جسکے لئے سیرت النبی کے مسئلہ میں ابتدائی پیدائش سے ایک نبی کے وجود کا جائزہ لیا جائے۔ کہ نبی کب اور کیسے پیدا ہوا ــــ سو قرآنی آیات میں جیسا کہ بیان ہو چکا۔ ابتدائی پیدائش ایک نبی سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اور اسکی پیدائشی ترکیب و ترتیب سے ایک نبی کی سیرت معلوم ہوتی ہے۔ کہ اسکے ذاتی صفاتی کمالات کیا ہیں ــــ سیرت سے مراد ہی یہ ہے۔ کہ ایک پیدائش کے ذاتی صفاتی کمالات کیا ہیں۔ یعنی ایک پیدائش کے وجود میں کیا مرکبات پائے جاتے ہیں۔ جن سے یہ بنا ہے۔ اور اس وجود یعنی جسم کی خاصیت اور صفت کیا ہے۔ سیرت النبی میں ہم ایک اعلیٰ و افضل پیدائش کے جسمانی روحانی اعلیٰ صفات کو بیان کرتے ہیں۔ کہ اس تمام مخلوقِ انسانی میں سب سے اعلیٰ و افضل پیدائش کون ہے۔ اور اسکے جسمانی روحانی کمالات کیا ہیں۔

اس سے قبل کہ سیرت النبی کے بیان میں سب سے افضل نبی و رسول کی افضلیت کی نشاندہی کی جائے۔ یہ ضروری ہے۔ کہ ایک افضل نبی کے جسمانی۔ روحانی کمالات میں وجہِ فضیلت صفات کا پورا تصور حاصل کیا جائے ــــ اس سلسلہ میں دوبارہ قرآنی آیات کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ جن آیات سے نبی کی صفات کو ظاہر کیا گیا ــــ سو وہ یہ مشہور آیت ہے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا یعنی ایک نبی کی خصوصیت میں یہ صفت شامل ہے۔ کہ اسے اسرار الٰہی ــــ ذاتِ الٰہی کا باطنی مشاہدہ دیا گیا ــــ علم دیا گیا۔ اسلئے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ انسان میں کونسے قویٰ ہیں جن سے مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ مشاہدہ کیا چیز ہے؟ ــــ کیسے کیا جاتا ہے۔ مشاہدہ کی ترکیب کیا ہے۔ قرآن نے اس انسانی صفت کے متعلق مفصل بیان پیش کیا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ یہ انسان اول کی مکمل تخلیق ترکیب اور جسمانی صفات کی نشاندہی کی گئی۔ اسکے بعد نسلی انسان کی ترتیب پیدائش کا ساتھ ہی ذکر ہوا ــــ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۔ پھر نسلی ترتیب پر انسانی جوہر یعنی مادہ منویہ یا نطفہ سے پیدائش کا آغاز کیا ــــ اسکے بعد۔ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ ۔ جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا۔ کہ

انسان کی ترکیب پیدائش عام حیوانوں جیسی ہے۔ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔انسان کو عام حیوانوں کے مقابلہ میں خوبصورت شکل وصورت اور متناسب اعضٰے پر بنایا۔ پھر اسکو سنوارا اور اس میں روح رحمانی ودیعت کی۔ سؤری کی تعریف قرآن نے خود کی وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ ۔وَالْاَبْصَارَ۔ وَالْاَفْئِدَةَ۔ اور بنائے تمہارے واسطے کان ـــ اور آنکھیں ـــ اور دماغ اور دل۔ یہ قویٰ انسان میں اشرف المخلوقات صفت پیدا کرتے ہیں ـــ کان علم سننے کیلئے۔ آنکھیں کیفیات کی ماہیت کو ذہن تک پہنچانے کیلئے۔ اور دماغ یعنی ذہن۔ ہر شے کا علم پانے کیلئے۔ اَفْئِدَة۔ دماغ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اور دل کیلئے بھی ـــ یعنی دل غیر محسوس عالمِ نورانی یا باطنی کیفیات کا علم حاصل کرنے کیلئے ـــ اور نفخ روح۔ جیسے حواس حصول علم کا ذریعہ ہیں اسی طرح روح بھی حصول علم کا ذریعہ ہے۔ یہ علم روحانی علم ہے۔ جو آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا ـــ انہیں قویٰ ـــ اور انکے افعال پر انسانی۔ علم اور فضیلت کا انحصار ہے۔ جسکا تعلق مشاہدہ سے ہے۔ اب ان قوائے علمی اور انکی خصوصیت پر مختصر بحث کرنا ضروری ہے ـــ

۱ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ روحانی طور مشاہدہ کرنا ـــ اور ذہنی طور انسانی آگاہی میں کیفیات کا علم میں آنا کس طرح ہوتا ہے ـــ طریقِ مشاہدہ یہ ہے۔

مشاہدہ سے مراد ـــ کسی کیفیت کو اس حالت میں پہچاننا۔ کہ اسکی اصلی ماہیت ذہن میں آجائے اور اسکے حق ہونے میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے ـــ انسان میں کسی کیفیت کی پہچان کیلئے حواس عطا کئے گئے ہیں ـــ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ۔ اور بنائے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں ـــ یہ دو قوتیں انسانی حواس میں شامل ہیں۔ اور پہچان کیلئے یہ دو قوتیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ بغیر ان قوتوں کے پہچان مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔ جب تک ہم ایک کیفیت کی اصلی ماہیت آنکھوں سے نہ دیکھیں ہم اس کیفیت کا علم حاصل نہیں کرسکتے۔ جب تک ایک کیفیت کی اصلی ماہیت کا علم نہ ہو۔ اسکی پہچان مکمل نہیں ہوسکتی۔ اور جب تک ہمیں اس کیفیت کی اصل حقیقت کانوں کے ذریعہ بتائی نہ جائے تب بھی ہمیں ایک کیفیت کا علم نہ ہوسکیگا ـــ اسلئے انسان بغیر حواس کے کسی کیفیت کی اصل ماہیت کو پہچان نہیں سکتا ـــ حواس پانچ قوتیں ہیں۔ جنہیں حواسِ خمسہ کہا جاتا ہے۔ اول ـــ قوتِ بصر۔ یعنی آنکھیں ـــ دوسری ـــ قوتِ سمع۔ یعنی کان ـــ تیسری۔ قوتِ ذائقہ۔ چکھنے کی قوت ـــ چوتھی قوتِ

شامہ یعنی سونگھنے کی قوت ـــــ پانچویں قوتِ لامسہ۔ یعنی چھونے کی قوت ـــــ ان پانچ قوتوں سے ہم ایک شے کی اصل ماہیت بہ تمام وکمال پہچانتے ہیں ـــــ

اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں کے ذریعہ علم حاصل کرنے میں۔ ایک عظیم نظام وترتیب قائم کیا ہے ـــــ یہ قوتیں صرف علم حاصل کرنے کیلئے بنی ہیں ـــــ کائناتِ ارضی کی تمام اشیأ کی تحقیق و پہچان انہیں قوتوں کے ذریعہ ہوتی ہے ـــــ یہ قوتیں ہراس وجود میں پائی جاتی ہیں۔ جوزمین پر موجود ہوتا ہے ـــــ اور اِسے نشو وارتقا کی ضرورت رہتی ہے ـــــ یعنی یہ حواس۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات اورانسان میں پائے جاتے ہیں ـــــ جمادات۔ نباتات میں یہ حواس دیکھنے میں نہیں آتے۔ لیکن ان میں نشو وارتقا کا مادہ ہے۔ یہ وجود۔ اپنی ہیئت تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ ہیئت تبدیل کرنے کیلئے ایک وجود اپنے آپ کو قائم رکھنے اور ترقی کے مدارج طے کرنے کیلئے بیرونی ماحول سے غذا حاصل کرتا ہے ـــــ غذا حاصل کرنے کیلئے ایک وجود میں غذا حاصل کرنے کی قوت وتحریک موجود ہوتی ہے۔ ورنہ اگر وہ غذا حاصل نہ کرسکے تو اسکی نشو ونما۔ اور تبدیلیئے ہیئت قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے یقینی امر ہے کہ جمادات۔ نباتات بھی اپنا وجود قائم رکھنے کی سعی کرتے ہیں ـــــ انکی سعی اور حصول سامانِ زندگی جس طریق سے ہوتی ہے۔ وہی ذریعہ انکے حواس میں ـــــ حیوانات میں سمع وبصر۔ ذائقہ۔ شامہ۔ لامسہ محسوس کیئے جاتے ہیں۔ انہیں قوتوں سے حیوان حصولِ سامانِ زندگی میں سعی کرتے ہیں۔ انہیں قوتوں سے وہ اپنی خوراک پہچانتے ہیں ـــــ انہیں قوتوں سے وہ اپنی خوراک کے سامان اور اسکے حصول کا علم حاصل کرتے ہیں ـــــ انسان میں بھی مثل حیوان یہی حواس خمسہ ہیں۔ لیکن ان حواس میں حیوانوں کے مقابلہ میں زیادہ وسعت وصلاحیت پائی جاتی ہے ـــــ حواس خمسہ کیسے علم حاصل کرتے ہیں۔؟ یہ علم النفسیات کا طویل مضمون ہے۔ جسکی یہاں گنجائش نہیں۔ لیکن سیرت النبی میں۔ نبی کی خصوصیت میں۔ مشاہدہ ایک اہم صفت ہے۔ اس لئے مشاہدہ سے متعلق مضمون کو بیان میں لانا ضروری ہے ـــــ اس بیان سے بغیر سیرت النبی تشنہ رہ جاتی ہے۔

حواس صرف انسانی علم ومشاہدہ کیلئے ہیں ـــــ جن میں آنکھ قوتِ بصر ایک اہم قوت ہے۔ آنکھ سے دیکھنا ـــــ ہی مشاہدہ کرنے سے تعبیر ہے۔ جب آنکھ سے کسی شے کو دیکھا جائے۔ تو اس کیفیت کو اس شے کا مشاہدہ کہا جاتا ہے ـــــ آنکھ کیسے دیکھتی ہے ـــــ؟ اس بحث کیلئے ہمیں نظامِ کائنات

کی تحقیق کو شامل رکھنا ضروری ہے۔ لیکن ہم مختصراً اس بحث کو لینگے ۔۔۔

محققین سائنس اور نفسیات۔ خصوصاً حکمائے متقدمین میں محققین یونان اور اکثر محققین نے اس مسئلہ کی تحقیق میں۔ اپنے اپنے نظریات پیش کئے ہیں۔ جن میں اپنے نظریات کی تصدیق میں بے شمار دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ جدید زمانہ میں محققین مغرب نے بھی ان مسائل میں تحقیق کر کے عینی مشاہدات کو پیش کیا ہے ۔۔۔ محققین مغرب نے حواس خمسہ کے افعال پر کائنات کے نظام کی تحقیق کو بھی شامل کر لیا ۔۔۔ اور اس تحقیق سے بعض ٹھوس اور حقیقی نظریات پیش کئے ہیں۔ جس میں آنکھ کا دیکھنا ۔۔۔ ایک اہم موضوع ہے۔

اس کائناتِ ارضی پر ایک برقی یا ایثری قوت کا وجود پایا جاتا ہے۔ اس فضا نے پوری زمین پر احاطہ کر رکھا ہے ۔۔۔ یہ قوت لطیف ذرات کا مرکب ہے۔ جو دیکھنے میں نہیں آتی ۔۔۔ یہ ایک برقی یا ایثری قوت کا سمندر ہے جس میں (مچھلیوں کی طرح) ہر شئے ارضی تیر رہی ہے۔ اسکی وسعت لامحدود فاصلہ تک ہے۔ کائنات کے تمام سیارے جو انسانی نظر کے احاطے میں آتے ہیں۔ یا اس سے ماورئی ۔۔۔ فاصلہ تک یہ ایثری قوت وسیع ہے ۔۔۔ انسانی فضا میں یہی قوت موجود ہے۔ جو حواس تک کیفیات کا عکس پہنچاتی ہے۔ مثال کے طور جب انسان کسی شئے کو دیکھتا ہے ۔۔۔ تو اِسکا مطلب ۔۔۔ آنکھ کی پتلی اس شئے کی طرف اپنا رخ کرتی ہے۔ جسوقت آنکھ کی پتلی اور مقابل کی شئے کا زاویہ مل جاتا ہے۔ تو اسکا عکس آنکھ کی پتلی پر آجاتا ہے۔ آنکھ کی پتلی پر عکس خود بخود نہیں آتا۔ بلکہ آنکھ اور مقابل کی شئے کے درمیان یہی برقی (ایثری) فضا موجود ہے۔ جس میں مقابل کی شئے کی پوری ہیئت جذب ہو جاتی ہے۔ اور یہی مجذوب ہیئت لہروں کی شکل میں آنکھ کی پتلی پر ٹکراتی ہے۔ اس طرح اس شئے کا عکس آنکھ کی پتلی پر آجاتا ہے ۔۔۔ آنکھ کی پتلی پر اس شئے کا عکس آنے سے دیکھنے کی تکمیل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ عکس آنکھ کے اندر داخل ہو کر آنکھ کی پتلی کے پیچھے پانی کی ایک تھیلی (جسے انگریزی میں Retina کہتے ہیں اور عربی میں ذی حس پردہ کہتے ہیں) پر پہنچتا ہے۔ اس تھیلی سے یہ مجذوب ہیئت اس مقام تک پہنچتی ہے جہاں ریڑھ کی ہڈی کا غدود۔ دماغ کے حصہ سے ملتا ہے۔ یہ دماغ کا ایک حصہ ہے۔ جسے دماغی حصۂ بصارت (انگریزی میں Area of sight) کہتے ہیں۔ اس حصۂ دماغی سے یہ مجذوب ہیئت آگے گزر کر

دماغ کے اس حصہ میں داخل ہوتی ہے۔ جو حصہ ریڑھ کی ہڈی کے گودا۔ دماغ کے گودے سے ملتا ہے۔ اس حصہِ دماغ کو حصہ ٔحرکت ــــ متصرفہ Motor Area کہتے ہیں۔ حصہ حرکت تمام حواس سے آمدہ اطلاعات کا مرکز (جنکشن) ہے۔ حصہ حرکت سے مجذوب کیفیت گزر کر حصہ حرکت سے ملحقہ دماغ کے حصہ میں گزرتی ہے۔ اس حصہ کو واہمہ کہتے ہیں۔ واہمہ سے گزر کر اسکے ملحقہ دماغی حصہ حافظہ میں آجاتی ہے۔ یہ دماغی حصہ خزانہ ہے تمام واقعات کے جمع ہونے کا ــــ حافظہ سے ملحقہ دماغی حصہ حس مشترک کہلاتا ہے۔ اسی حس مشترک میں یہ مجذوب ہیئت جب داخل ہوتی ہے۔ تو اس وقت آنکھ کے مقابل شے کا احساس ہوتا ہے۔ کہ فلاں شے دیکھنے میں آئی۔! دیکھنے کے اس عمل میں ہیئت کے انتقال کرنے میں ــــ آنکھ کی پتلی سے حس مشترک تک وقت اور مسافت کو ناپا نہیں جاسکتا۔ یہ عمل آناً فاناً ہو جاتا ہے۔ ادھر آنکھ نے دیکھا ادھر حس مشترک پر عکس داخل ہوا ــــ

اسی طریق پر ــــ کان کا عمل ہوتا ہے ــــ کان کے اندرونی حصہ میں ایک باریک جھلی پردے کی شکل میں ہوتی ہے۔ اور آواز ضرب لگانے سے اسی ایثری فضا میں جذب ہو جاتی ہے۔ اور لہروں کی صورت میں فضا میں پھیل جاتی ہے۔ کان کے اندرونی پردے کی خاصیت ہے۔ کہ یہ اس برقی لہر کو کھینچ لیتی ہے۔ یہ ایثری لہر جب کان کے پردے سے ٹکراتی ہے۔ تو آواز پردے میں جذب ہو کر دماغ کے حصہ حرکت Motor Area تک پہنچ جاتی ہے۔ حصہ حرکت سے اسی طرح واہمہ ــــ حافظہ سے گزر کر حس مشترک میں داخل ہو جاتی ہے۔ تو آواز کو محسوس کیا جاتا ہے۔ آنکھ کی پتلی۔ اور کان کے پردے سے۔ حس مشترک تک کیفیت کیسے پہنچتی ہے۔ اور کیفیت پہنچانے کا ذریعہ کیا ہے؟

قدرت نے حواس خمسہ کے ذریعہ علم و مشاہدہ حاصل کرنے کیلئے ایک وسیع اور منظم نظام ترتیب دیا ہے جس سے وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ کی خصوصیت ظاہر ہو جاتی ہے ــــ

یہ امر مسلمہ ہے۔ اور عینی مشاہدہ میں تحقیق میں لایا گیا ہے۔ کہ حواس سے کیفیات کے علم حاصل کرنے میں کائناتِ ارضی کی ایثری فضا اصل ذریعہ ہے۔ بغیر اس ذریعہ کے حواس تک کیفیات کا عکس نہیں آسکتا۔ بہ الفاظ دیگر ــــ یہ ایثری فضا ہی ہے جس سے اشیأ کی ہیئت و ماہیت جذب ہو کر دماغ تک پہنچتی ہے۔ آنکھ کی پتلی ــــ کان کے پردے سے لیکر دماغ تک بھی ایک فاصلہ ہے ــــ اس

فاصلہ میں بھی ہیئت اپنی رفتار کے ساتھ گزر کر دماغ تک پہنچتی ہے۔ اس رفتار میں بھی یہی ایثری قوت پائی جاتی ہے ـــــ یعنی ـــــ آنکھ کی پتلی انتہائی باریک شریانوں (اعصاب) کا مجموعہ ہے۔ ان شریانوں میں لطیف خون ہے۔ یہ لطیف خون بظاہر ایک سرخ رنگ کا پانی دکھائی دیتا ہے۔ لیکن خوردبین کے ذریعہ خون کے ایک قطرے کو دیکھا جائے تو بجائے قطرے کے یہ لطیف سرخ ذرات کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ گویا بجائے خود خون سرخ رنگ کا پانی (مائع) نہیں بلکہ لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔ یہ لطیف ذرات زندہ وجود ہیں ـــــ زندہ وجود کی ہیئت ایک جسم ایک روح ہوتی ہے گویا خون کا ہر ذرہ لطیف روح و جسم کا ایک وجود ہے جس میں زندگی ہے ـــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسانی جسم صرف ایک جسم اور روح کا مرقع نہیں بلکہ خون انسان کے تمام جسم میں پایا جاتا ہے ـــــ اسلئے ایک جسم لاکھوں کروڑوں لطیف اجسام (روح و جسم) کا مرقع ہے۔ ان ذرات میں ایک جسم ہے اور ہر جسم میں روح ہے۔ اسی روح سے یہ اجسام زندہ ہیں ـــــ اسی زندگی سے انسانی زندگی وابستہ ہے ـــــ یہی خون۔ جو جسم کے ذرہ ذرہ میں پھیلی ہوئی شریانوں میں دورہ کرتا ہے۔ دراصل کروڑوں ذراتِ لطیف (خونی) شریانوں میں (خون کی شکل میں) دورہ کرتے ہیں ـــــ ان ذرات کی زندگی کیلئے ایک روح کا ہونا لازمی ہے۔ وہی روح ہے۔ جسے روحِ حیوانی کہا جاتا ہے۔ جس روح سے انسانی زندگی قائم ہے۔ انہیں ذرات کے مجموعہ (مرکب کی صورت میں) سے انسانی جسم تعمیر ہوا ہے۔ یہی روح ہے۔ جسکا مرکب برقی اور ایثری ہے۔ اسی قوت میں (آنکھ۔ کان) کیفیات۔ آواز جذب ہو کر شریانوں کے ذریعہ حواس سے دماغ تک پہنچتی ہے ـــــ یہی صورت قوتِ ذائقہ اور شامہ کی ہے۔ یہاں بھی زبان اور ناک کی جھلی میں باریک شریانیں ہیں جن میں یہی لطیف خون اور قوت ہے۔ اسی قوت میں ذائقہ کی کیفیت جذب ہو کر دماغ تک واہمہ۔ حافظہ۔ حس مشترک تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح قوت لامسہ کا عمل ہے۔ قوت لامسہ کا عمل انسان کے تمام وجود سر سے لیکر پاؤں کے انگوٹھے تک وجود کے ہر ذرہ سے ہوتا ہے۔ لامسہ (یعنی مس کرنا یا چھونا) انسان کے جسم کے کسی حصہ پر سوئی چبھاؤ ـــــ وہ آنکھ ہو۔ کان ہو۔ ناک ہو۔ زبان ہو۔ جسم میں۔ ہاتھ ہو۔ پاؤں ہو۔ ہر جگہ کی چبھن کا اثر فوراً واہمہ۔ حافظہ۔ حس مشترک تک پہنچ کر محسوس کیا جاتا ہے ـــــ قوت لامسہ دراصل جسم کے ذرہ ذرہ میں پھیلی ہوئی شریانوں میں خون یا مادہ منویہ میں موجود برقی قوت

(روح) ہے۔اسی روح میں چبھن جذب ہو کر دوران خون کے ساتھ دماغ تک پہنچتی ہے۔تو چبھن کا احساس ہوتا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔حواس خمسہ کے عمل میں اصل محرک اور ذریعۂ حصول علم ''روح'' ہے۔اور ظاہری آلات آنکھ۔کان۔زبان۔ناک بجائے خود علم حاصل کرنے کے قوی نہیں ــــ اور دماغ میں کونسی قوت اس علم کا احساس دلاتی ہے ــ؟ ــــ قدیم محققین میں یونان کے حکماٗ اور محققین مغرب نے دماغ کے متعلق طویل بحثیں کی ہیں ــ جن سے دماغ کے افعال پر روشنی پڑتی ہے ــ

حکمائے یونان نے دماغ کے مختلف حصے بتائے ہیں۔اور انکے افعال بھی الگ الگ بیان کئے ہیں جس میں وَالْاَفْئِدَ ۃ کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔ اَفْئِدَۃ کے قریشی اصطلاح عربی میں دل کے بھی معنی ہیں۔ جسے قَلْبْ بھی کہتے ہیں اور دماغ کے معنے میں بھی آتا ہے۔

حکمانے دماغ کے فعل کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔حکمائے یونان نے دماغ کے تین حصے بتائے ہیں جن میں واہمہ۔حافظہ۔متصرفہ یا عقل ہیں۔ان میں واہمہ حافظہ تمام واقعات جو زندگی کے ساتھ رونما ہوں۔انکی کیفیت حافظہ میں جمع رہتی ہے ــ اور متصرفہ سے فہم۔سمجھ کی جاتی ہے۔حکمائے مغرب نے عینی تجربات میں دماغ کے حصص بتائے ہیں۔جن میں دماغ کے ایک حصہ کو حصہ حرکت Motor Area بتایا ہے۔اسکے ساتھ دوسرا حصہ ــ حصہ بصارت Area of sight بتایا ہے۔ اور تیسرا حصہ مجموعی طور واہمی حصہ دماغ ہے جسے Psychic Area کہا جاتا ہے۔

حصہ حرکت وہ حصہ ہے جہاں ریڑھ کی ہڈی کا گودا دماغ کے گودے کے ساتھ ملتا ہے۔اسی حصۂ دماغ سے ریڑھ کی ہڈی کے گودے میں ایک بڑی شریان (یا رگ) نیچے تک چلی جاتی ہے۔اس رگ سے بے شمار پٹھے نکل کر جسم کے ہر حصے میں پھیلتے ہیں۔انہیں رگوں پٹھوں سے تمام جسم میں خون پہنچتا ہے۔انہیں رگوں پر جسم کے ہر عضو کی حرکت منحصر ہوتی ہے۔ان رگوں کا مرکز حصۂ حرکت ــــ Motor Area ہے۔اسی حصۂ دماغ پر جسم کے ہر عضو کی حرکت ہوتی ہے ــــ اسی لئے اس دماغ کے حصہ کو حصہ حرکت یا Motor Area کہا گیا ہے ــــ اس دماغ کے حصہ کا تعلق براہ راست حس مشترک سے ہوتا ہے۔یعنی حصۂ حرکت۔حس مشترک (عقل) کے کنٹرول (قابو) میں ہوتا ہے۔جب جسم کے کسی حصہ کو حرکت دینا مقصود ہو تو یہ تحریک عقل سے ہوتی ہے۔عقل حصہ حرکت کی شریانوں کو کھینچتا

ہے تو حصہ حرکت کے ذریعہ جسم کے پٹھے کھچ جاتے ہیں ـــ تو جسم کا بازو یا دیگر اعضاء پٹھوں کی مدد سے حرکت کرتے ہیں ـــ گویا تمام جسم کی حرکت و عمل حصہ حرکت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں ـــ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ اور قوتِ لامسہ جسم کے تمام اعضاء کا عمل شامل ہے۔

حواسِ خمسہ کی ہر اطلاع حصۂ حرکت تک پہنچتی ہے۔ کیونکہ ہر عضو کے پٹھے اسی حصۂ حرکت سے ملتے ہیں ـــ حصہ حرکت کے ملحق حصۂ بصارت Area of sight ہے۔ یہ حصہ صرف قوتِ بصر (نظر۔ آنکھ) سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ کہ آنکھ کی دیکھی کیفیت کو محفوظ کر لیتا ہے۔ یہ اسلئے کہ آنکھ کے دیکھنے سے ہی کسی کیفیت کے وجود کا علم ہوتا ہے ـــ

حصۂ حرکت کے ساتھ واہمہ کا دماغی حصہ واقع ہے۔ جو کیفیت حواس کے ذریعہ کان۔ ناک۔ زبان۔ لامسہ کی اطلاعات حصہ حرکت پر آتی ہیں۔ وہ عکس حصۂ حرکت سے واہمہ میں داخل ہوتے ہیں ـــ

واہمہ: حواس خمسہ کی حاصل کردہ کیفیات کا نام۔ رنگ اور تمام ہیئت و کیفیت پہچان لیتا ہے۔ اسی حصہ سے ہر شے کے وجود کی ماہیت کا احساس حاصل ہوتا ہے ـــ کہ وجود کی ہیئت و کیفیت کیا ہے ـــ یہاں سے کیفیت گزر کر حافظہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

حافظہ دماغ کا ایک اہم اور خصوصی حصہ ہے۔ انسانی علم و آگاہی کا دارومدار اسی حافظہ پر ہے۔ حواس خمسہ سے حاصل کردہ تمام کیفیات حافظہ میں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اور انسان کی زندگی تک ان کی ہیئتیں حافظہ میں جمع رہتی ہیں۔ اور جب انسان کسی گزشتہ واقعہ کو یاد کرتا ہے تو اسکا مطلب کیفیت کو حافظہ سے حس مشترک کی طرف لانا ہوتا ہے۔ یعنی جب ہم یہ یاد کرنا چاہیں۔ کہ ہماری گزشتہ دس سال کی عمر میں ہم ایک حادثہ کا شکار ہوئے تھے۔ تو یہ واقعہ بعینہٖ ہمارے حافظہ میں محفوظ ہو گیا اور یاد کرنے کے وقت اس واقعہ کی کیفیت اسی طرح حس مشترک میں آتی ہے۔ جس طرح حال میں آنکھ سے اپنے سامنے ایک بیل کو چلتے دیکھتے ہیں۔ یعنی بیل کا عکس آنکھ کے ذریعہ حصۂ حرکت ۔ حصہ بصارت۔ واہمہ سے حافظہ میں آتا ہے اور حافظہ سے حس مشترک میں آتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ حال میں آنکھ سے کیفیت حافظہ میں آتی ہے۔ حافظہ اس کیفیت کو حس مشترک پر ڈالتا ہے ـــ اور ماضی کی کیفیت باہر سے نہیں آتی۔ بلکہ حافظہ ہی سے اٹھکر حس مشترک پر آتی ہے۔ حس مشترک کا محسوس کرنا دونوں صورتوں میں ایک

ہی طرح کا ہوتا ہے۔ جیسا آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ ویسے ہی حافظہ کی یادداشت کے وقت حافظہ سے کیفیت اٹھکر حس مشترک میں آنے پر عقل محسوس کرتا ہے۔

محققین مغرب نے Psychic Area کو مجموعی طور پر۔ یادداشت اور فہم کا حامل قرار دیا ہے۔ لیکن اسکے علیحدہ علیحدہ ۔ یادداشت واہمہ اور سمجھ کی کیفیت کا ابھی تک اندازہ نہ کر سکے کہ واہمہ۔ حافظہ اور حس مشترک الگ الگ حصے ہیں۔ بلکہ ان میں Psychic Area دراصل واہمہ کا نام ہے۔ جو خود دماغ کا ایک الگ حصہ ہے۔

علمائے اسلام نے دماغ کے پانچ حصے بتائے ہیں۔ وہ علمائے متقدمین۔ حکمائے یونان و حکمائے مغرب کا ماحصل ہے ـــــ یعنی۔ (۱) حصہ حرکت (۲) حصہ بصارت (۳) واہمہ (۴) حافظہ (۵) حس مشترک۔ حصہ مشترک کے دو حصے ہیں۔ ان میں ایک حصہ عقل کہلاتا ہے۔ دوسرا حصہ شعور جنہیں ماہرین نفسیات نے شعور اور تحت الشعور کا ایک فرضی نام دیا ہے۔ کیونکہ وہ دماغ کے اس حصہ کے عمل کو دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کہ یہ عمل کیسے ہوتا ہے ـــــ

حس مشترک کا ایک حصہ عقل کہلاتا ہے۔ یہی حصہ ہے۔ جو حواس خمسہ کی حاصل کردہ کیفیات کو محسوس کر کے ایک کیفیت کے وجود۔ اور علم کا احساس دلاتا ہے۔ یعنی جب آنکھ سے دیکھا جائے تو یہ کیفیت حصہ حرکت۔ حصہ بصارت۔ واہمہ۔ حافظہ سے گزر کر عقل کے حصہ میں داخل ہوتی ہے تو یہ جانا جاتا ہے۔ کہ ہم فلاں شے کو دیکھ رہے ہیں۔ عقل ٹھوس مادی اشیاء کا ادراک کرتی ہے اور عقل ہی حصہ حرکت کو کنٹرول میں رکھتی ہے ـــ اسی عقل کے ذریعہ حرکت کی جاتی ہے۔ اسے تحت الشعور بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حس مشترک دماغ کا وہ حصہ ہے جو پیشانی کی طرف ہوتا ہے۔ اسکے دو حصے اوپر نیچے ہوتے ہیں۔ اوپر کے حصہ کو شعور کہتے ہیں۔ نیچے کے حصے کو عقل یا تحت الشعور (یعنی شعور کے نیچے کا حصہ)۔

شعور بھی عقل کے ساتھ ادراک میں اشتراک کرتا ہے۔ یعنی جو کیفیت عقل محسوس کرتی ہے وہ کیفیت شعور بھی محسوس کرتا ہے۔ لیکن شعور کا عمل عقل کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہے۔ عقل نیند میں ادراک و حرکت کا عمل چھوڑ دیتی ہے۔ یعنی خفتہ ہو جاتی ہے۔ جس سے انسان پر نیند طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسرا حصہ شعور اپنا عمل و ادراک و حرکت جاری رکھتا ہے۔ اس طرح نیند میں بھی انسان کی حرکت و ادراک

اور علم جاری رہتا ہے ـــــ اس حیثیت میں حس مشترک کے دو حصے۔ دو الگ الگ کام کرتے ہیں۔

حواس خمسہ کے ذریعہ کیفیات کو حاصل کر کے دماغ تک پہنچانا۔ اور کیفیات کے وجود سے آگاہ ہونا۔ یہ تمام انعال آنکھ کا دیکھنا یا مشاہدہ کرنے سے تعبیر ہے۔ اسی کیفیت کو مشاہدۂ ظاہری کہا جاتا ہے۔ جس میں ٹھوس مادی اشیائے کائنات کا ادراک و علم حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن حصولِ علم کے لئے ماورائے ادراک روحانی کیفیات کا علم حاصل کرنا بھی انسان کے لئے لازم ہے۔ جسکے لئے انسان میں حصولِ علم کی قوتیں پائی جاتی ہیں۔

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ انسانی ادراک اور علم میں اصل قوت روح ہے۔ جسکے ذریعہ دیکھا (مشاہدہ کیا) جاتا ہے ـــــ دماغ ایک لطیف گودے (گوشت) کا ٹکڑا ہے۔ جس میں بے شمار شریانیں پائی جاتی ہیں یا یہ شریانوں ہی کا مجموعہ ہے۔ اس دماغ سے مشاہدہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ دماغ کا کیفیات محسوس کرنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ دماغ میں بھی یہی ایثری برقی قوت ہے جو کیفیات جذب کرنے کا کام کرتی ہے۔ دماغ کے ادراک و احساس میں بھی کیفیات دماغ کی شریانوں کے خون میں جذب ہونے سے ہوتی ہے۔ چونکہ شریانوں کا خون لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔ اور ذرات جسم و روح کا مرکب ہیں ـــــ اور روح ہی اصل محرک و عامل ہے۔ اسلئے دماغ میں بھی روح ہی بدرجہ اولیٰ کام کرتی ہے۔ یعنی دماغ کا احساس کرنا ـــــ روح کا ادراک کرنا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان کے جسم میں درحقیقت روح دیکھنے۔ سننے۔ چکھنے۔ سونگھنے۔ مس کرنے کا عمل کرتی ہے۔ روح ہی دیکھتی سنتی ہے ـــــ مشاہدہ کرتی ہے۔ روح اپنی ہیئت کے اعتبار سے قوی و لطیف ہے۔ اسلئے اسکا عمل بھی لطیف و وسیع ہوگا ـــــ

چونکہ انسان کیلئے اسکا خصوصی عمل مشاہدہ ہی ہے۔ اور مشاہدہ میں ـــــ اسرارِ الٰہی۔ باطنی ـــــ اور روحانی کیفیات کا مشاہدہ کرنا مقصود ہے۔ اسلئے اس مشاہدہ کی تکمیل روح سے ہوتی ہے۔ ٹھوس مادی اشیأ کی روح حیوانی سے ـــ اور غیر مادی ـــ روحانی کیفیات کیلئے اسے روحِ رحمانی عطا کی گئی ہے۔ جس طرح ٹھوس مادی اشیأ کا ادراک روح حیوانی سے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح رحمانی چونکہ رُوْحِیْ (میری روح) یعنی عظیم روح ہے۔ اسکی وسعت۔ اسکی قوتِ ادراک تمام اسرارِ الٰہی کا احاطہ کرسکتی ہے ـــــ اسی روح سے اسرار الٰہی کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ یعنی اس روح میں ارضی برقی۔ ایثری

قوت کے مقابلہ میں۔ عظیم نوری جوہر پایا جاتا ہے۔ جو تمام اسرار باطنی کو احاطۂ نظر میں لا سکتی ہے۔

ترکیبِ مشاہدہ کیا ہے ــــ؟ اسکی تشریح بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اسی مشاہدہ سے انسانی خلافت کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے ــــ

آنکھ سے دیکھنا بھی مشاہدہ کہلاتا ہے۔ انسان شب و روز مشاہدہ کرتا ہے ــــ اور ذہن (حافظہ) میں علم جمع کرتا ہے ــــ انسان کو حصولِ سامانِ زندگی کیلئے ایک علم کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ اپنی خوراک اور اسکے حصول کیلئے آسانی پائے ــــ حصولِ سامانِ زندگی کیلئے اسے علم الاشیاَ کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت حواسِ خمسہ اور ذہن سے پوری کی جاتی ہے۔ انسان جب اپنی غذا کیلئے خوراک تلاش کرتا ہے ــــ تو فطری طور وہ اپنی خوراک پہچانتا ہے اور اس پہچان کا مادہ وہ اپنی پیدائش کے ساتھ پاتا ہے ــــ انسانی ابتدا٘ وہ ہے۔ جو غیر محسوس ہے۔ اسوقت انسان کا وجود بظاہر موجود نہیں ہوتا۔ لیکن غیر محسوس شکل میں اسکا ایک لطیف وجود ہوتا ہے۔ یہ اسکی ظاہری پیدائش سے قبل کا وجود ہے۔ یہ ایک ذرۂ لطیف کی شکل میں باپ کی پیٹھ (صُلْبِ وَ تَرَائِبُ) میں موجود ہوتا ہے ــــ بالفاظِ دیگر یہ وجود باپ کے مادۂ منویہ مَاءٍ دَافِقٍ میں موجود ہوتا ہے۔ مَاءٍ دَافِقٍ کا اصل مخزن دماغ ہوتا ہے۔ دماغ مادۂ منویہ کا مخزن ہے۔ یعنی یہ مادہ دماغ کا جوہر ہے۔ جو انتہائی لطیف ذرہ منویہ کی شکل میں دماغ میں ہوتا ہے (بہ الفاظ دیگر یہ ذرۂ منویہ۔ روح حیوانی کا ہی ایک ذرۂ لطیف ہے۔ جو حواس سے دیکھا نہیں جا سکتا)۔

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ اگر یہ ذرہ خود غذا حاصل کرنے کی سعی نہ کرے تو نشو و نما نہیں پا سکتا۔ اسلئے فطری عادت کے مطابق خود بخود یہ ذرہ خون سے غذا حاصل کرنے لگ جاتا ہے ــــ اس عمل کو ذریعۂ ربوبیت کہا جاتا ہے ــــ چونکہ ہر مخلوق ارادۂ الٰہی کے تحت پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ اسلئے قدرت نے فطری طور یہ قوت ہر مخلوق میں ودیعت کی ہے۔ کہ وہ اپنی زندگی کے ہر دور میں ــــ ارادی ــــ غیر ارادی طور پر خود بخود اپنی خوراک کیلئے سعی کرتا ہے۔ ہوش و حواس پختہ ہونے پر انسان حواس خمسہ اور دماغ کی مدد سے اپنی خوراک پہچانتا ہے۔ لیکن حواس سے قبل بھی اسکا وجود موجود ہوتا ہے۔ اسے بھی نشو و نما کیلئے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسوقت انسان کا غیر ارادی طور اپنی خوراک پہچاننا۔ دراصل اسکی روح (روح حیوانی) کی تحریک سے ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی

روح ایک لطیف (ناری) قوت ہے۔اس روح میں۔بہ اعتبار ہیئت۔قوت سمع۔بصر اور فہم پائی جاتی ہے۔ اسلئے انسان ہوش وحواس سے قبل روح کے ذریعہ غیر محسوس طریقہ پر اپنی خوراک کی طرف رجوع کرتا ہے۔چونکہ اس عمل میں انسانی وجود ظاہراً نامکمل ہوتا ہے۔اور یہ عمل چونکہ روحانی ہے۔اسلئے ایسے عمل کو سمجھا یا محسوس نہیں کیا جاتا۔کہ روح کس طرح انسانی غذا حاصل کرنے میں معاون ہوتی ہے۔مثال کے طور پر۔یہ تو ظاہر ہے۔کہ رحم مادر میں انسانی ذرہ۔ایک زندہ وجود ہوتا ہے ــــ اسکی ہیئت کا ظاہری آنکھ سے تصور نہیں کیا جا سکتا۔کہ یہ ذرہ کس طرح رحم میں خون سے غذا حاصل کرتا ہے۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔کہ یہ ذرّہٗ انسانی فی الواقع خون سے غذا حاصل کرتا ہے ــــ اور سامان ربوبیت کا تصور کیا جائے کہ مُضْغَۃً (گوشت کے لوتھڑے) کی شکل میں بھی انسان ایک زندہ وجود ہوتا ہے ــــ جب کہ اسکا منہ (دہانہ) نہیں ہوتا ــــ اس کے حواس وذہن کی ساخت ابھی بنی نہیں۔اسکے باوجود یہ خوراک حاصل کرتا ہے ــــ اس میں کوئی روحانی قوت ہے جو غذا کی طرف رجوع کر کے غذا حاصل کرتی ہے ــــ! پھر جب بچہ تیار ہوتا ہے۔اسکا منہ۔سر۔دھڑ۔جسم پورا ہو جاتا ہے۔لیکن وہ منہ سے غذا حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔تو اسکے ناف پر ــــ اندرونی آنتوں سے ملی ہوئی آنت ناف سے باہر آتی ہے۔جس آنت سے غذا آنتوں میں داخل ہوتی ہے۔!س آنت کے ذریعہ بچہ کا غذا چوسنا ایک فطری عمل ہے۔(جسے روحانی عمل کہا جاتا ہے) اور جب یہ پیدائش کے آخری ــــ اور ابتدائی مرحلہ پر دنیا پر ظاہر ہوتا ہے۔تو اسے علم نہیں کہ وہ کہاں اور کس دنیا میں داخل ہوا ــــ اسے معلوم نہیں کہ اسے غذا کی ضرورت ہے ــــ اسکے باوجود جب ماں اسے اپنی چھاتی سے لگا لیتی ہے ــــ اور پستان اسکے منہ میں دیتی ہے۔تو بچہ ایک ماہرانہ انداز میں دودھ چوسنے لگ جاتا ہے۔حالانکہ اسکے ہوش وحواس کامل نہیں ہوتے۔ظاہر ہے۔اگر بچہ پستان منہ میں رکھ کر نہ چوسے تو اسے غذا نہیں مل سکتی۔لیکن ماہرانہ انداز میں اسکا چوسنا اور غذا حاصل کرنا۔اس امر کی دلیل ہے۔کہ انسان فطری طور پر اپنی پیدائش کے ساتھ سامان زندگی حاصل کرنے کی عادت پاتا ہے ــــ اور آئندہ نئے دور میں اسے ماں باپ کی پرورش میسر ہے۔اسلئے حصولِ سامانِ زندگی کا نظام بدل جاتا ہے۔یعنی اب ماں باپ اسکی خوراک مہیا کرتے ہیں۔اسوقت خود اسے۔نہ حواس استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔نہ علم کی ــــ لیکن اسکے باوجود انسان (بچہ) روحانی طریقہ

پر اپنی غذا قبول کرنے کیلئے غیر ارادی طور پر۔ اپنا ارادہ اور عمل استعمال کرتا ہے۔ یہی عمل اس امر کی دلیل ہے۔ کہ انسان (بچہ) روحانی تحریک پر یہ فعل کرتا ہے۔ کہ بغیر ہوش و حواس اپنی غذا حاصل کرتا ہے ــــ اور جب انسان کے ہوش و حواس مکمل ہو جاتے ہیں۔ تو ماں باپ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اور انسان خود اپنی غذا کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ تو یہ اپنے حواس و ذہن کو استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جسمانی طور انسان ابتدأ میں اپنے سامان زندگی سے ناواقف ہوتا ہے ــــ اسلئے اسے اپنے سامانِ زندگی کیلئے حواس و ذہن کو استعمال کر کے اپنے سامانِ زندگی کا علم جمع کرنا پڑتا ہے ــــ جس کیلئے اسے علم الاشیأ حاصل کرنا پڑتا ہے۔ انسان ہر شئے کو دیکھتا ــــ پہچانتا ــــ اور اسکا علم ذہن (حافظہ) میں جمع کرتا ہے۔ اسی کیفیت حصولِ سامانِ زندگی کے علم حاصل کرنے کو مشاہدہ سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ یہ مشاہدۂ اشیائے کائناتِ ارضی ہے ــــ جس سے انسان کائنات کی تمام اشیأ کو دیکھ کر اسکے مرکبات۔ اسکے اثرات اور ذرائع حصول ــــ کی تحقیق کر کے کائناتِ ارضی کی پہچان کرتا ہے۔ اس پہچان میں ایک طرف انسان۔ اشیائے کائنات کو پہچانتا ہے ــــ ان پر اپنا تسلط جماتا ہے۔ مزید برآں انکی تخلیقی ترکیب پہچان کر ان کے خالق کا بھی پتہ لگاتا ہے۔ اس عمل سے ایک یہ نتیجہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ کہ انسان اشیائے کائنات کے مشاہدۂ عینی و ذہنی سے اشیأ کے خالق کی پہچان ــــ علم الیقین کے ساتھ کرتا ہے۔ علم الیقین سے مراد یہ کہ اشیائے کائنات کی تحقیق۔ حواس و ذہن سے کی جاتی ہے۔ حواس ٹھوس مادی اشیأ کا احساس کر سکتے ہیں۔ غیر مادی حالت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اسلئے جہاں اشیائے کائنات کی ابتدأ ختم ہو کر کیفیات غیر مادی ہیئتیں اختیار کرتی ہیں وہاں صرف یقین کرنا ہوتا ہے۔ مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اسلئے اس تاثر کو علم الیقین کہا جاتا ہے۔ کہ ایک خالق کا یقین ہو جاتا ہے۔ مگر اسکا وجود مشاہدہ میں نہیں آتا۔ جب تک کہ اسکا مشاہدہ عین الیقین سے نہ کیا جائے لیکن یہ امر محال ہے۔ کہ مخلوق کے خالق اور ان اشیأ اور مخلوق کا حواس کے ذریعہ مشاہدہ کیا جائے جو غیر جسمانی روحانی ہیئت میں پائی جائیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۱۰۴) نہیں ادراک کیا جاتا اس کو آنکھوں (حواس) سے۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ تمہاری آنکھوں کو۔ اور وہ انتہائی لطیف (نور) ہے۔ اور اسی لا انتہا نوری حیثیت سے وہ ہر کیفیتِ مخلوقی کا ادراک رکھتا

ہے۔اسکی لاانتہا نوری ہستی کا ادراک حواس سے ناممکن ہے۔لیکن خصوصیتِ خلافت ونبوت میں انسان کو اسکی ذات اور اسکے مخلوقی نورانی اسرار کا مشاہدہ ازل سے دیا گیا ہے۔اسلئے اسکا مشاہدہ کرنا بھی ضروری ہے ــــ اس مشاہدہ کیلئے ہی انسان کو روحِ رحمانی (روحی) عطا کی گئی ہے۔یہ روح اسکی مادی تخلیق کا جزنہیں۔بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زائد قوت عطا کی گئی ہے ــــ اس روح سے مشاہدۂ الٰہی اور اسرارِ الٰہی کیسے کیا جاتا ہے ــــ؟

روح ایک وسیع اور قوی وجود ہے ــــ روح میں قوت سمع ــــ قوت بصر ــــ قوت فہم وسیع پائی جاتی ہے۔جیسے قَالُوْآ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ کے بیان سے ظاہر ہے۔کہ ملائکہ میں وسیع قوتِ سمع ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کی کلام سنتے ہیں۔اور وسیع قوتِ بصر ہے۔کہ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔پاک ہے تو نہیں علم ہمیں اسرار الٰہی کا۔مگر علم ہے۔اتنا جتنا تو نے ہمیں دکھایا ــــ اور وسیع قوتِ فہم ہے ــــ ایک تو واقعہ سے قبل جان لیا کہ انسان زمین پر فساد و خونریزی کرینگے ــــ دوسرے اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ تحقیق تو جاننے والا۔چھپی کیفیتوں کو ــــ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بغیر دیکھے سمجھ لیا ــــ ملائکہ نوری پیکر ہیں۔انہیں روح بھی کہا گیا ــــ جیسے فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا۔پس ہم نے حضرت مریم کی طرف اپنا ایک روح بھیجا۔یہاں ملائکہ کو روح کہا گیا ــــ اس لئے ملائکہ اور روح میں ایک ہی نوری قوت کا تصور پایا جاتا ہے۔اور رُوْحِیْ میں ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۔کہ یہ ایک عظیم نوری قوت ہے۔جس میں مشاہدۂ ذات الٰہی کی صلاحیت و استطاعت پائی جاتی ہے ــــ گویا مشاہدۂ ذاتِ الٰہی کیلئے۔انسان میں حواس (آنکھ) کی جگہ خود روح دیکھنے کا کام کرتی ہے ــــ روح میں کیفیت جذب کرنے کا مادہ ہوتا ہے ــــ جیسے کائناتِ ارضی کی ایتھری فضا میں۔ہیئت اور آواز جذب کرنے کا مادہ ہے ــــ اسی جذبی قوت سے ایک شے کی ہیئت ــــ ایک ضرب کی آواز۔کان کی ایتھری قوت میں جذب ہوکر۔دماغ کی روح میں جذب ہوکر مشاہدہ کی تکمیل ہوتی ہے ــــ روح رحمانی بھی ایتھری قوت سے عظیم روحی قوت ہے۔روحی اعتبار سے اس روح میں بھی جذب کی قوت ہے ــــ عالم نورانی میں بھی۔چونکہ نور بھی روح کا تصور رکھتی ہے۔اسلئے اسی نوری جذب کے ذریعہ روحِ رحمانی کو کیفیاتِ نوری کا جذب حاصل ہوتا ہے ــــ یہاں تک ثابت ہوا

کہ عالمِ نورانی کا جذب روح رحمانی کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن انسان کو ذہن کے ذریعہ کیسے اس روحی کیفیت کا علم ہوتا ہے۔ جبکہ انسان ہر کیفیت کا علم ذہن و عقل سے ہی حاصل کرتا ہے ــــ؟ تو جاننا ہے۔ کہ روح رحمانی انسانی وجود سے متعلق ہے۔ اور وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں روح کی نسبت کیسے انسان سے ہوتی ہے ــــ

جیسا کہ قرآنی بیان وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ میں ــــ اَفْئِدَۃ میں ذہن سے علاوہ قلب کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ تو ظاہر ہے جہاں سمع و بصر اور ذہن حصول علم کے ذرائع ہیں وہاں ذہن کے ساتھ قلب کا بھی حصولِ علم کا ذریعہ ہونا لازمی ہے ــــ

قلب: یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ انسانی وجود میں ایک روح ــــ روحِ حیوانی موجود ہے۔ جس روح سے انسان کی زندگی قائم ہے۔ اس روح کے ہوتے ہوئے ــــ یہ روح نہ دیکھنے میں آتی ہے۔ نہ محسوس کی جاتی ہے۔ لیکن تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ انسانی بناوٹ (خِلْق) اسی روح سے ہے۔ انسانی بناوٹ میں یہ کیفیت بہ تحقیق معلوم ہو چکی ہے۔ کہ انسانی شریانوں میں جو خون جاری ہے۔ یہ خون دراصل۔ ذرات کا زندہ مجموعہ ہے ــــ یہ ذرات جسم و روح کا ایک وجود ہے ــــ انہیں ذرات۔ کی روح انسانی روحِ حیوانی کہلاتی ہے۔ لیکن یہ ذرات اور انکی روح غیر محسوس ہے۔ تاوقتیکہ خورد بین سے اسے نہ دیکھا جائے۔ یہ ذرات جسم کے ذرہ ذرہ میں (خون میں) پھیلے ہیں ــــ گویا یہ روحِ حیوانی اور انسانی بشری جسم ایک دوسرے میں مدغم (یا ملے ہوئے) ہیں ــــ اسی طرح انسانی وجود میں دماغ اس روحِ لطیف کا مرکز ہے۔ یعنی دماغی ساخت کے اعتبار سے باقی جسم کے خلیئے (ذرات) کے مقابلہ میں دماغی خلیئے برقی قوت میں جسم سے قوی ہیں ــــ اور دماغ کا ایک حصہ جسے حافظہ کہا جاتا ہے۔ پیمائش میں ایک انچ سے زیادہ نہیں۔ لیکن روحانی اعتبار سے اس کا عمل بھی غیر محسوس ہے۔ کہ اس میں زمانہ کے تمام واقعات و کیفیات کے نقوش بعینہٖ محفوظ و جمع ہیں۔ بظاہر حافظہ کا حجم ایک انچ سے زیادہ نہیں۔ لیکن آنکھ سے دیکھنے میں ہاتھی کی مکمل ہیئت حافظہ میں سما جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر آنکھ اور حافظہ میں ہاتھی کا عکس لطیف۔ ہو کر ذرہ سے بھی ہزارویں یا اس سے بھی کم لاکھ اور کروڑویں حصہ کے وزن میں کم۔ ہیئت اختیار کر کے حافظہ میں لطیف روحانی ہیئت میں جمع ہو جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا۔ کہ حافظہ بظاہر

ایک انچ حجم کا گودا ہے۔لیکن اسکی بناوٹ روحانی بھی ہے۔اس بناوٹ میں اتنی وسعت ہے۔کہ زندگی کے تمام واقعات پہاڑ۔دریا۔سمندر۔درخت عظیم الجثہ جانوروں کی کیفیتیں اسی ہیئت میں محفوظ ہیں جس ہیئت میں یہ کیفیتیں پائی جاتی ہیں ـــــ یہی کیفیت قلب کی بھی ہے۔کہ بظاہر یہ ایک نرم گوشت کا لوتھڑا دکھائی دیتا ہے۔لیکن حافظہ کے مانند اسکی بھی ایک لطیف روحانی ہیئت ہے۔اسی لئے قلب کو قلب سے علاوہ فواد بھی کہا جاتا ہے۔کہ اس میں بھی مشاہدہ کیلئے دماغ کی طرح ایک روحانی خاصیت پائی جاتی ہے ـــــ چونکہ انسان میں روح رحمانی نفخ کی گئی ہے ـــــ روحِ رحمانی کیلئے بھی مثل روحِ حیوانی (جسکا مرکز دماغ ہے) انسانی وجود میں ایک مرکز ہونا ضروری ہے۔چونکہ یہ روح بمنزلہ روح حیوانی عظیم تر ہے۔اسلئے اسکا مقام قلب ہی مقرر کیا گیا ہے۔جسطرح روحِ حیوانی کا دیکھنا (مشاہدہ کرنا) آنکھ اور دماغ کا دیکھنا متصور ہوتا ہے۔اسی طرح روح رحمانی میں بھی سمع و بصر اور فہم کی قوت موجود ہے۔ یہ روح تمام اسرارِ الٰہی کا مشاہدہ کر کے قلب کو منعکس کرتی ہے۔جس طرح ایثری قوت میں کیفیت جذب ہو کر آنکھ۔حصہ بصارت۔واہمہ ـــــ حافظہ عقل (عقل کی روح) پر آتی ہے۔اسی طرح روح رحمانی وسیع ہو کر ذات الٰہی تک پہنچتی ہے ـــــ اور نورِ الٰہی میں جذب ہو جاتی ہے (جیسے سمندر میں قطرہ جذب ہو جاتا ہے) یہی جذبی عکسِ فنا قلب پر آجاتا ہے ـــــ قلب سے یہ عکس مثل حواسِ خمسہ کے دماغ کے حصہ حرکت میں داخل ہوتا ہے۔حصہ حرکت سے حصۂ بصارت پر آجاتا ہے۔حصۂ بصارت سے واہمہ پر ـــــ واہمہ سے حافظہ پر ـــــ حافظہ سے شعور پر آکر اس کیفیت کے علم کی تکمیل کرتا ہے۔شعور پر اس لئے کہ یہی حصہ حسِ مشترک کا غیر محسوس کیفیات کا ادراک کرتا ہے۔جیسے نیند میں سویا ہوا آدمی عقل کی خفتگی پر کیفیات دیکھتا محسوس کرتا ہے۔حالانکہ محسوس کرنے والی عقل خفتہ ہوتی ہے۔اسکا مطلب یہ ہوا۔روحانی کیفیتوں کا ادراک روحِ رحمانی سے ہوتا ہے۔یہ عکس قلب پر وارد ہوتا ہے۔قلب سے یا تو دماغ میں داخل ہوتا ہے۔یا مانند حافظہ قلب میں محفوظ ہو جاتا ہے۔تو شعور براہ راست قلب سے کیفیت کا مشاہدہ کر کے عالمِ روحانیت کی کیفیات سے آگاہ ہو جاتا ہے۔یہ طریقہ ہے روح سے کیفیات کی ہیئتوں کو حاصل کر کے دماغ کی روح سے عالمِ باطن یا اسرار الٰہی کا مشاہدہ کرنا ـــــ اسی طریقہ پر۔آدم کو وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں اسرارِ الٰہی اور ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي)

روح رحمانی سے ہوا جسے علمِ نبوت کہا جاتا ہے ــــ اور اسی طرح نسلِ انسانی کو بھی یہ علمِ نبوت اسکی پیدائش کے ساتھ ہی روحِ رحمانی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ــــ چونکہ اسکا ذہن قوی نہیں ہوتا اسلئے یہ علم قلب اور روحِ رحمانی میں محفوظ رہتا ہے ــــ البتہ دماغی روحِ حیوانی مشاہدہ کر لیتی ہے۔ کیونکہ یہ روح سالم الوجود اور کامل وجود ہے۔ لیکن یہ علم حافظہ میں جمع رہتا ہے۔ لیکن عقل کی ناپختگی کے باعث انسان (شیر خوار) کے علم و آگاہی میں نہیں آ سکتا ــ اسکے باوجود چونکہ روح حیوانی سالم الوجود ہے۔ روح حیوانی قلبی کیفیات کا ادراک کر لیتی ہے۔ لیکن عقل کی ناپختگی کے باعث انسان (شیر خوار بچہ) عقلی طور پر ایسی روحانی کیفیات سے بے خبر رہتا ہے۔ اور جب تک انسان کا ذہنی حصہ۔ عقل۔ حافظہ۔ واہمہ قوی نہ ہو۔ انسان کسی روحانی۔ مادی۔ کیفیت سے آگاہی حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسے انسان نیند میں کیفیات دیکھتا ہے۔ بعض کیفیتوں کا اسے احساس۔ ہوتا ہے۔ بعض کا نہیں ــــ خواب بھی نیند میں مشاہدہ کرنے کی کیفیت ہے ــــ نیند کی حالت میں انسان ظاہری حواس آنکھ۔ کان۔ مس وغیرہ سے کیفیات دماغ واہمہ۔ حافظہ تک پہنچا کر عقل تک لاتے ہیں۔ لیکن عقل کی خفتگی کی وجہ سے حواسِ خمسہ کی لائی ہوئی کیفیات کا علم نہیں ہوتا ــــ اس سے ظاہر ہوا۔ کہ عقل ہی کیفیات کی آگاہی کی تکمیل کرتی ہے۔ لیکن نیند کی حالت میں بھی انسان غیر جسمانی کیفیات دیکھتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ عقل کے ساتھ اسکا دوسرا حصہ شعور نیند کی حالت میں غیر جسمانی کیفیات پاتا ہے۔ جسے خواب میں دیکھنا (رَءٰ فِی الْمَنَامِ) کہا جاتا ہے۔ خواب کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا دیکھنا۔ سننا دو طرح سے ہے۔ مادی اشیاء کا علم حاصل کرنا عقل سے تعلق رکھتا ہے۔ اور غیر مادی یا غیر جسمانی کیفیات کا علم حاصل کرنا شعور سے تعلق رکھتا ہے ــــ

نیند کی حالت میں بھی انسان پر دو کیفیتیں طاری رہتی ہیں۔ ایک ظاہری حواس سے کیفیات کا حاصل کرنا ــ یا مشاہدہ کرنا ــــ دوسری بغیر حواس کے کیفیات کا حاصل کرنا ــ یا مشاہدہ کرنا ــــ ظاہری حواس سے جاگتی حالت میں عقل کے ذریعہ کیفیات حاصل کرنا ــــ مجازی۔ مادی مشاہدہ ہوتا ہے ــ اور نیند کی حالت میں ظاہری حواس سے کیفیات حاصل کرنا نیم روحانی یا نومی[1] مشاہدہ ہوتا ہے

---

[1] نیند میں دیکھنا۔ رویائے ــ یا رویائے صادقہ

۔۔۔۔۔ دوسری حالت بغیر حواس کے جاگتی حالت میں شعور کے ذریعہ کیفیات حاصل کرنا حقیقی مشاہدۂ روحانی کہلاتا ہے ۔۔۔۔ اور نیند کی حالت میں بغیر حواس کے کیفیات حاصل کرنا یہ بھی شعور کے ذریعہ ہوتا ہے ۔۔۔۔ اسے رویائے صادقہ کہتے ہیں ۔۔۔۔

ظاہری حواس سے جاگتی حالت میں مشاہدہ کرنا عام انسانی مشاہدہ ہے۔ جو ہر شخص شب و روز کرتا ہے۔ اور نیند کی حالت میں حواس کے ذریعہ مشاہدہ کرنا۔ اسی طرح کیفیات حاصل کرنا ہے۔ جسطرح جاگتی حالت میں کی جاتی ہیں۔ فرق صرف نیند یا عقل کی خفتگی کا ہوتا ہے ۔۔۔۔ نیند میں مانند بیداری کے حواس اپنا عمل جاری رکھتے ہیں۔ آنکھ کیفیات کا عکس نیند میں بھی حاصل کرتی ہے۔ لیکن چونکہ آنکھ پر پپوٹوں کا پردہ پڑا ہوتا ہے۔ اور باہر سے کیفیات آنکھ کی پتلی پر نہیں آسکتے اسلئے نیند میں آنکھ کی اطلاع نہ لانے میں پپوٹے روکاوٹ بن جاتے ہیں ۔۔۔۔ برعکس اسکے اگر نیند میں آنکھ کے پپوٹے اٹھا کر کوئی روشنی آنکھ کے آگے رکھی جائے تو یہ عکس براہ راست دماغ تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح نیند میں جو آواز کان کے پردے سے ٹکرائے براہ راست دماغ تک پہنچ جاتی ہے ۔۔۔۔ قوت شامہ۔ قوت ذائقہ۔ اور قوت لامسہ بھی اسی طرح اپنا عمل جاری رکھتے ہیں۔ جسم سے اگر کوئی شے مس کر جائے تو نیند کی حالت میں یہ احساس برابر دماغ تک پہنچ جاتا ہے۔ اب نیند کی حالت میں حواس سے آمدہ اطلاع کیسے دیکھی جاتی ہے ۔۔۔۔ اسکا طریق یہ ہے ۔۔۔۔ کہ جب تک حواس سے حاصل کردہ کیفیات میں شدت نہ ہو یہ کیفیات حافظہ تک آتی ہیں۔ مگر عقل میں داخل نہیں ہوتی ہیں۔ جس وجہ سے انکا احساس نہیں کیا جاتا اور جب کیفیات میں شدت پائی جائے۔ جیسے جسم میں سوئی کا چبھنا ۔۔۔۔ ناک میں دھواں داخل ہونا ۔۔۔۔ آگ کی تپش سے جسم کا متاثر ہونا ۔۔۔۔ زوردار آواز کا شدت سے کان کے پردے پر ٹکرانا ۔۔۔۔ یہ کیفیتیں اسی شدت کے ساتھ حافظہ تک آتی ہیں اور حافظہ سے اسی شدت کے ساتھ عقل میں داخل ہوتی ہیں ۔۔۔۔ تو اس شدتِ روانی سے عقل جاگ جاتی ہے۔ تو جاگتی حالت میں آنے سے یہ کیفیتیں خود بخود بیداری کی حالت میں محسوس کی جاتی ہیں ۔۔۔۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ عقل کیسے خفتہ ہو جاتی ہے۔ یہ ایک فطری نظام ہے۔ جو خصوصی طور پر انسانی دماغ میں قائم کیا گیا ہے۔ کہ انسان دورانِ زندگی کچھ دیر کیلئے۔ احساس و حرکت سے فارغ و بے خبر رہے۔ تا کہ چوبیس گھنٹے کی مصروفیت اور تکان اور متواتر تفکرات سے

فارغ ہوکر اسکے جسم کو آرام حاصل ہو ــــ چونکہ انسانی حرکت وعمل اور احساس اسکے دماغ متصرفہ ــــ عقل وشعور سے وابستہ ہے۔ اسلئے انسانی زندگی کے باقی حرکات واعمال جاری رہتے ہیں اور اسکے آرام کیلئے صرف دماغ کے عقل کو خفتہ کیا جاتا ہے ــــ انسانی دماغ میں مشاہدہ واحساس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ ہر حواس لطیف شریانوں کے لطیف جوہری خون کے ذریعہ کیفیات جذب کر کے دماغ تک پہنچا تا ہے ــــ یہ ترسیلِ کیفیات دورانِ خون (اور خون میں روح) کے ذریعہ ہوتی ہے اور کیفیات دماغ میں داخل ہونے کا طریقہ بھی یہ ہے کہ حواس سے آمدہ کیفیات کا احساس دماغ میں دوران خون کے ذریعہ ہوتا ہے۔ خون حصہ حرکت سے ہوتا ہوا۔ حصہ بصارت۔ واہمہ۔ حافظہ میں داخل ہوکر عقل کے حصہ میں داخل ہوتا ہے۔ عقل بھی لطیف باریک شریانوں کا مجموعہ ہے۔ انہیں شریانوں میں خون داخل ہوتا ہے۔ اس خون میں دماغ کے مقام پر روح برتی (ایثری) ہیئت میں ہوتی ہے ــــ اسی خون کے عقل میں داخل ہونے سے عقل حواس کی کیفیات محسوس کرتی ہے ــــ اور جب انسان کا جسم تھک جائے ــــ اور اعضاء پر بوجھ پڑنا شروع ہو جائے یعنی اعضاء کے اعصاب ڈھیلے پڑ جائیں تو قدرتی طور عقل کی شریانیں (عقل کے اعصاب) سکڑ کر خون کی رفتار (جو دماغ میں داخل ہوتا ہے) میں فرق آ جاتا ہے ــــ اسی رفتار کے روکنے سے کوئی کیفیت عقل میں داخل نہیں ہوتی۔ عقل کے اعصاب سکڑنے سے حصہ حرکت کے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں جس سے انسانی حرکت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان احساس وحرکت سے عاری ہوکر سو جاتا ہے ــــ نیند کی حالت میں جب حواس کی اطلاع میں شدت ہو۔ تو یہ اثر اسی شدت کے ساتھ دورانِ خون میں زور دیکر عقل کی شریانوں میں داخل ہوتا ہے۔ جس سے عقل کی شریانوں کا سکڑنا ختم ہو جاتا ہے۔ تو عقل بیدار ہوئی ــــ اور انسان بیدار ہو جاتا ہے۔

بعض حالتوں میں انسان پر تکان شدت کی ہوتی ہے۔ اسی شدت کے ساتھ عقل کے اعصاب بھی سختی سے سکڑ جاتے ہیں تو انسان گہری نیند میں چلا جاتا ہے ــــ ایسی حالت میں بھی۔ ماسوائے آنکھ۔ اور زبان کے۔ کان۔ ناک اور لامسہ (جسم) سے کیفیات حافظہ تک برابر جاری رہتی ہیں ــــ اس حالت میں اگر حواس کی کیفیات میں شدت ہو ــــ مگر عقل گہری خفتگی میں ہو۔ تو ایسی

کیفیات عقل میں داخل نہیں ہوتیں ـــــ ایسے وقت میں جب کسی کیفیت میں شدت ہو۔اور جسم پر اسکا اثر طاری ہو۔تو اسوقت فطری نظام کے زیر اثر شعور میں یہ کیفیت داخل ہو جاتی ہے۔شعور چونکہ غیر جسمانی کیفیتوں کا احساس کرتا ہے۔اس وقت عقل کی خفتگی کی حالت میں شعور کا احساس کرنا خواب کی حالت پیدا کرتا ہے۔اگر انسانی جسم و روح قوی و پاکیزہ حالت میں ہو۔تو شعور (شعور کی روح) حواس کی کیفیت کو اسی طرح محسوس کرتا ہے۔جس طرح جاگتی حالت میں محسوس کرتا ہے۔فرق صرف آنکھ سے نہ دیکھنے کا ـــــ اور شعور (یعنی دماغی روح) کا کام براہ راست دیکھنے کا ہے۔اسی لئے اسے ''خواب'' یعنی نیند کی حالت میں دیکھنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔گویا ایسی حالت میں براہ راست روح حیوانی کا دیکھنا شعور سے دیکھنا تصور ہوتا ہے۔جسے خواب (نیند) میں دیکھنا ''خواب'' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

انسان میں چونکہ خصوصیت علم حاصل کرنے کی ہے۔جسکے لئے اسے دماغ۔حواس۔روحِ حیوانی۔روح رحمانی ملی ہے۔یہ سب ذرائع انسانی مشاہدہ کیلئے ہی ہیں ـــــ اسلئے انسان کئی ذرائع سے علم و مشاہدہ حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ـــــ انسانی دماغ میں۔حافظہ کا عمل ایک اہم اور خصوصی عمل ہے۔انسان کی زندگی میں اسکے عروج وارتقا اسکے علمی کمال کا انحصار۔حافظہ پر ہی ہے ـــــ کائناتِ ارضی کی تحقیق کرنے والی عظیم محقق شخصیتوں نے یہ تحقیق کی ہے۔کہ کائناتِ ارضی میں ایک وسیع جوہری (ایثری) فضا پائی جاتی ہے۔یہ فضا درحقیقت لطیف ذرات (خلیات) کا مجموعہ ہے۔جو تمام کائنات میں وسیع سمندر کی طرح پھیلی ہے۔یہ فضائے ارضی ہے۔جس میں ارضی ماحول کے مطابق لطیف ذرات پائے جاتے ہیں۔ان محققین کی تحقیق اس کائناتِ ارضی کی حد تک ہی محدود ہے۔لیکن یہ فضا اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔یہاں تک کہ یہ فضا ناری کروں تک وسیع تر ہوتی چلی گئی ہے۔اور ناری فضا کے تصور میں پائی جاتی ہے۔ناری ماحول میں اس فضا کے خلیات ناری قوت کے حامل ہیں ـــــ اور اس سے آگے جب ناری حدود ختم ہو کر نوری حدود شروع ہوتی ہے تو اس فضا میں اسکے ذرات (خلیئے) نوری ہیئت میں پائے جاتے ہیں۔غرض یہ کہ یہ عظیم ایثری فضا ارضی ماحول میں اپنا وجود ارضی ہیئت میں رکھتی ہے۔جس میں قوی ذرات پائے جاتے ہیں۔انسانی علم دیکھنے ـــــ سننے میں یہی فضا معاون ہے۔کہ کیفیات اسی فضا کے ذرات میں جذب ہو کر آنکھ۔کان تک پہنچتے ہیں۔یہی نہیں۔بلکہ مشرق سے لیکر

مغرب تک شمال سے لیکر جنوب تک آواز اور ضرب ــــ اور ہیئت (شکل وصورت) اس فضا میں جذب ہو کر سیکنڈوں کے وقفہ میں شمال سے لیکر جنوب تک اور مشرق سے لیکر مغرب تک برقی لہروں کی شکل میں انتقال کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ اس فضا میں ایک اور صفت یہ ہے۔ کہ کیفیات کے وجود ــــ آواز۔ شکل وصورت اس میں جذب ہو کر محفوظ بھی ہوتے ہیں۔ یعنی یہ فضا ابتدائے آفرینش (ابتدائے زمین) سے موجود ہے۔ کیونکہ ابتدائے پیدائش سے ہی اسکی ضرورت رہی ــــ اسلئے ابتدائے پیدائش سے لیکر حال تک کی تمام کیفیات۔ آواز۔ شکل وصورت وغیرہ سب اس فضا میں محفوظ ہیں۔ اگر کوئی ذریعہ ایسا ایجاد کیا جا سکے جس سے فضا کی محفوظ شدہ کیفیات کی آواز اور ہیئتیں قابو کی جا سکیں۔ جسطرح۔ ریڈیو میں مشرق کی آواز مغرب میں قابو کی جاتی ہے۔ تو انسان ابتدائے زمانہ کے واقعات و حالات کا بعینہٖ مشاہدہ کر سکیگا۔ کیونکہ یہ کیفیتیں ریڈیو۔ ٹیلی ویژن کی طرح پردہ پر عکس پذیر ہو کر مشاہدہ کی جا سکتی ہیں۔ لیکن جدید تحقیق کو یہ چیز ابھی حاصل نہیں۔ اسلئے اس فضا کی یہ خصوصیت علمِ غیب کی ہی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ امر تحقیق شدہ ہے۔ کہ انسانی حواس میں یہی ایتھری قوت کیفیات کی ہیئتوں کو حاصل کرنے میں اصل محرک ہے۔ اور انسان میں بھی یہی قوت کیفیات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح دماغ میں بھی یہی قوت حصولِ علم۔ اور مشاہدہ میں کارفرما ہے ــــ اور حافظہ کا عمل چونکہ لطیف ہے۔ یعنی حافظہ میں حواس کے ذریعہ پیدائش سے لیکر آخر عمر تک جو بھی واقعات و کیفیات پیش آئیں سب اس میں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اسی صفت کے اعتبار سے اسی حصۂ دماغ کو حافظہ کہا جاتا ہے ــــ انسان۔ جو کچھ دیکھتا ہے ــــ جو کچھ سنتا ہے۔ جو کچھ محسوس کرتا ہے ــــ یہ وقتی طور نہیں۔ بلکہ اس علم پر اسکی آئندہ زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ انسان جو کچھ پڑھتا ہے۔ سکول۔ کالج میں ــــ اسے یاد رکھتا ہے۔ اسی علم کی بنیاد پر وہ آئندہ ایک لائحہ عمل بناتا ہے۔ اگر اسکے پاس پڑھا ہوا علم محفوظ نہ رہ سکے تو اسکے پاس آئندہ زندگی کیلئے عمل کیلئے کوئی وجود نہ ہوگا۔ اسلئے ضروری ہے۔ کہ انسان کے پاس علم کا ایک خزانہ جمع ہو۔ جس کی بنیاد پر وہ عروج وارتقا کی طرف قدم اٹھائے ــــ یہ خزانہ حافظہ ہے ــــ ایک ادیب۔ ایک مورخ۔ ایک مقرر۔ ایک موجد۔ اسی حافظہ کے جمع شدہ علم سے اجزاء سمیٹ کر نئے علم۔ تاریخ۔ تقریر۔ ایجاد کا وجود پیدا کرتا ہے ــــ

انسان کے سامنے اس ساری کائناتِ ارضی وسماوی کی وسعت ہے۔اور یہ سب کچھ اسکی نظر سے گزرتا ہے۔اسلیئے لازمی طور اس کائناتِ ارضی وسماوی کے تمام نقوش حافظہ مین سما جاتے ہیں۔تو ظاہر ہوا۔کہ انسانی حافظہ کی وسعت کائناتِ ارضی وسماوی کی وسعت سے وسیع تر ہے ــــ یہ امر تحقیق کو پہنچ چکا ہے۔ کہ کائناتِ ارضی میں اس وسیع فضائے ایثری کے مجموعی ذرات (خلیات) سے زیادہ خلیات انسانی دماغ (حافظہ) میں پائے جاتے ہیں۔اس تحقیق سے حافظہ کی اہمیت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے ــــ ادھر انسانی دماغ میں حافظہ کا عمل چوبیس گھنٹے باہر سے کیفیات حاصل کر کے اپنے میں جمع کرنا ــــ اور عقل و شعور کو کیفیات منتقل کرنا ہے۔یہ عمل ہر لحہ چوبیس گھنٹے۔بیداری اور نیند کی حالت میں جاری رہتا ہے۔ جاگتی حالت میں عقل محسوس کرتا ہے۔تو اسے عقلی مشاہدہ کہا جاتا ہے ــــ جاگتی حالت میں حواس سے کیفیات موصول ہوتی ہیں۔تو انکی اطلاع متواتر عقل تک پہنچتی ہے اور جب حواس کے ذریعہ کیفیات بند ہوں۔مثلاً تنہائی میں۔جب آنکھ۔کان۔مس وغیرہ سے کوئی کیفیت حافظہ تک نہ آئے۔تو اس وقت حافظہ اپنی جمع شدہ کیفیات عقل کی طرف منتقل کرتا ہے۔یہ حالت بیداری میں ہو تو اسے خیالات کی رو میں بہہ جانا کہا جاتا ہے اور جب عقل پر نیند طاری ہو جائے تو بھی حافظہ کیفیات حواس کے ذریعہ عقل پر منتقل کرتا ہے۔مگر عقل بوجوہ خفتگی اسے قبول نہیں کرتا ــــ اسی حالتِ خواب میں اگر حواس سے اطلاعات بند ہو جائیں۔تو حسب عادت حافظہ اپنی جمع شدہ کیفیات عقل کی طرف منتقل کرتا ہے۔لیکن ان کیفیات کو عقل بھی قبول نہیں کرتی۔اسطرح انسان۔اپنے ماحول اور وقت کے تفکرات سے بے خبر ہو کر پرسکون ہو جاتا ہے ــــ اسی حالت میں اگر حافظہ سے کوئی کیفیت ابھرے جس میں شدت ہو۔جیسے انسان بیداری میں کسی واقعہ کی نوعیت سے متاثر ہوتا ہے۔مثلاً اپنے عزیز کی وفات کی خبر سنی۔یا تجارت میں نقصان ہوا ــــ یا ایسی ہی کوئی واردات۔جو حافظہ میں جمع تھی۔ابھر آئی ــــ لیکن عقل نے قبول نہ کی ــــ اسوقت یہ کیفیت شعور میں منتقل ہوتی ہے تو یہ کیفیت خواب (نیند میں دیکھنا) کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔اسے خیالی خواب کہا جاتا ہے ــــ یہ کیفیت بھی ایک قسم کے مشاہدہ کی ہے۔لیکن یہ مشاہدہ خیالی ہے ــــ یہ مشاہدہ بغیر حواس کے ہوتا ہے ــــ

اسکے علاوہ بغیر حواس کے مشاہدہ کی ایک اور قسم ہے ــــ چونکہ انسان کی روحِ حیوانی ایک

سالم وجود ہے۔ روحانی اعتبار سے بذاتِ خود روح سمع و بصر (سننا۔ دیکھنا) اور فہم کی صلاحیت ۱؎ رکھتی ہے ــــ اور حواس۔ ودماغ میں بھی یہی قوت اصل مشاہدہ کرنے والی قوت ہے۔ اسلئے روح بذاتِ خود بغیر حواس کے ادراک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی قوت کے تابع روح حیوانی جاگتی حالت میں بغیر حواس کے مشاہدہ کرتی ہے۔ یہ مشاہدہ کائناتِ ارضی کی تمام کیفیات کا مشاہدہ ہوتا ہے ــــ جس میں انسان بیداری۔ اور نیند دونوں حالتوں میں خیالی مشاہدہ سے ماسوئی کیفیاتِ ارضی کا ادراک کرسکتا ہے ــــ اس مشاہدہ میں ــــ ماضی۔ حال۔ مستقبل کے زمانے کے واقعات کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔ ماضی چونکہ حافظہ میں بھی جمع ہے ــــ اسلئے ماضی کے اکثر واقعات حافظہ سے بھی۔ حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ گزشتہ بیان کیا گیا ــــ کہ اس کائناتِ ارضی کی ایثری فضا میں گزشتہ زمانہ کے تمام واقعات۔ آواز۔ اور ہیئتیں (شکل وصورت) جذب ہوکر جمع ہیں۔ ماضی کے انہیں کیفیات کو روح حیوانی ایسے ہی دیکھتی ہے۔ جیسے حافظہ کے ماضی کے واقعات شعور سے مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ گویا۔ کائنات کی فضائے ایثری بھی بمنزلہ حافظہ ہے ــــ اور روح حیوانی کا اپنی وسعت وقوت کے اعتبار سے اس فضا سے رابطہ ہو جاتا ہے۔ اور جو فضائے ایثری میں جمع شدہ واقعات اور کیفیات میں سے کیفیات روح کے سامنے آئیں روح انکا مشاہدہ کرلیتی ہے۔ یہ واقعات غیر جسمانی ہیں اور روح ان کیفیات کو شعوری طور پر مشاہدہ کرتی ہے۔ یہ مشاہدہ شعوری اور روحانی مشاہدہ تصور کیا جاتا ہے۔ ایسے مشاہدہ کو ناسوتی یا استدراجی مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ ناسوتی اس کیفیت کو کہا جاتا ہے۔ جو کیفیات کائناتِ ارضی میں غیر جسمانی حالت میں واقع ہوں اور روح حیوانی سے مشاہدہ کی جائیں۔ یہ کیفیت اِسی فضائے ایثری کی ہے ــــ اسلئے اسے ناسوتی مشاہدہ سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ ان کیفیات کا مشاہدہ دونوں حالتوں (نیند اور بیداری) میں ہوتا ہے۔

۱؎ چونکہ روح بھی مانند نوری یا ناری پیکر وجود رکھتی ہے ــــ نوری ــــ ناری پیکروں میں۔ ملائکہ اور جن کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ دونوں قوتیں سمع و بصر اور فہم کی وسیع قوت کی حامل ہیں اسی قوت کے اعتبار سے انسانی روحیں بھی وسیع ادراک کی حامل ہیں۔ انسانی دماغ میں شعور ایک لطیف جز ہے۔ جس میں روح حیوانی بھی بمقابلہ باقی جسم کے لطیف ہیئت میں پائی جاتی ہے۔ اسلئے لطیف کیفیات کا روحانی ادراک ــــ مشاہدہ شعوری یا ادراکِ شعوری کہلاتا ہے۔

اسکے علاوہ ـــــ چونکہ انسان اسرارالٰہی عالمِ ملکوتی (یعنی خالص نوری یا وسیع تر عظیم تر نوری کیفیاتِ عالمِ بالا) کے مشاہدہ کی قوت روحِ رحمانی کے ذریعہ رکھتا ہے ـــــ یہ مشاہدہ دو صورتوں میں ہوتا ہے۔ یعنی اسرارالٰہی کی کیفیات روح رحمانی حاصل کرتی ہے۔ جسکا عکس قلب پر آتا ہے ـــ قلب سے حافظہ تک ۔ اور حافظہ سے شعور میں منتقل ہوتا ہے۔ شعور کا مشاہدہ دراصل روح حیوانی کا مشاہدہ ہی ہوتا ہے۔ اسلئے اسرارالٰہی کی کیفیات کا مشاہدہ۔ انہیں دو روحوں سے تکمیل پذیر ہوتا ہے ـــــ یہ مشاہدہ بھی بیداری ـــ اور نیند دونوں حالتوں میں ہوتا ہے۔ نیند میں کیفیات باطنی روح رحمانی کے ذریعہ قلب پر آتی ہیں اور عقل کی خفتگی کے عالم میں یہ کیفیت شعور پاتا ہے۔ اسے رویائے صادقہ یا مشاہدۂ حقیقی (نومی) کہا جاتا ہے ـــــ اور بیداری کے عالم میں بھی روح رحمانی کے ذریعہ کیفیات قلب تک آ کر حافظہ میں منتقل ہوتی ہیں۔ حافظہ سے شعور پر منتقل ہو کر مشاہدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اسے مشاہدۂ حقیقی (ایقظة ۔ جاگتی حالت) کہا جاتا ہے۔ یہی مشاہدہ اصل ہے۔ جو بیداری کی حالت میں شعور سے کیا جائے۔ اور یہ انسان کے دماغ کی عادت ہے ـــــ کہ کیفیات عقل و شعور کے مشاہدہ کے ساتھ مستقل طور حافظہ میں جمع ہو جاتی ہیں۔ یعنی ایک طرف کائناتِ ارضی کی کیفیات کا وجود حافظہ میں جمع ہو کر ظاہری علم کا خزانہ ہوتا ہے۔ دوسری طرف کائناتِ سماوی ملکوتی اور بالا مقاماتِ نوری (اسرارالٰہی) کی کیفیات حافظہ میں جمع ہو جاتی ہیں ـــــ اور چونکہ مقاماتِ نوری کی کیفیات نہایت وسیع ہوتی ہیں۔ اسلئے ان کا مقام قلب میں روح رحمانی میں بھی جمع ہوتا ہے ـــــ اسے باطنی اسرار کے علم کا خزانہ کہا جاتا ہے ـــــ یہی وہ علمٌ ہے۔ جو اسماء کلھا میں شمار ہے اور جو انسان کو اسکی پیدائش کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اور پیدائش کے ساتھ ہی یہ علم انسانی قلب (روح رحمانی) میں جمع رہتا ہے۔ جیسے حافظہ میں واقعات جمع رہتے ہیں۔ لیکن عقل کی ناپختگی کے باعث انسان (شیر خوارگی یا بچپن کے عالم میں) روحانی کیفیات کا علم نہیں پا سکتا۔ ان کیفیات و واقعات کو تسلیم کرنے کیلئے قرآنی آیات پر عمیق غور و تحقیق ضروری ہے۔ اسکے علاوہ انسانی تخلیق پر کامل تحقیق قرآنی آیات کی روشنی میں ضروری ہے۔ کہ زمین پر انسان کس حیثیت سے پیدا ہوتا ہے ـــــ تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن نے انسانی صفات و کمالات کا تفصیلی طور بیان دیا۔ اور ابتداً میں انسانی تخلیق دو طرح سے ہوئی۔ ایک ابتدائی تخلیق بشر کی شکل و صورت میں بغیر جوڑے (مرد عورت)

کے۔ دوسری نوعِ انسانی بشری شکل وصورت میں جوڑے (مرد عورت) سے نسلی ترتیب میں۔ ان دونوں ترتیبوں میں پیدائشی مرکب۔ جسم۔ روح حیوانی۔ روح رحمانی ایک ہی ترکیب سے ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔ اُسکے بعد نسل انسانی کی پیدائش ایک ہی ترکیب طریق تناسل سے جاری ہوئی اور کسی دوسری نوع (قسم) کی وجودی ترکیب مجموعی یا عمومی حیثیت سے مقرر نہیں کی گئی ــــ

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ قرآن نے ابتدائی ــــ اور نسلی ترکیبِ پیدائش سے علاوہ پیدائش کیلئے کوئی اور ترکیب وضع کی ہے ــــ جس میں نسلی ترکیب اور انسانی مرکب سے اعلیٰ وافضل خصوصیات موجود ہوں۔ تاکہ سیرت میں ایسی نوع کو شامل کرکے۔ سب سے اعلیٰ وافضل سیرت کے نبی کے ذاتی صفاتی کمالات کو جانا جائے۔

قرآن نے رسولوں کی خصوصیات کے ذکر میں۔ رسولوں کو۔ عبد۔ مصطفےٰ۔ نبی۔ خلیفہ۔ رسول کے خطاب سے پکارا ــــ یہ امر ثابت شدہ ہے۔ کہ عام مخلوقِ انسانی کو قرآنی آیات کی روشنی میں۔ خلیفہ پکارا گیا ــــ اور خلیفہ کے تصور میں ایک خبر پانے [1] والا ــــ اور خبر دینے والا۔ تصور پایا جاتا ہے۔ اسی خبر کے اعتبار سے اسے نبی کہا جاتا ہے ــــ اور نبی کی پیدائشی ترکیب میں ــــ مٹی ــــ اور نطفہ کی ترتیب مفصلاً بیان کی گئی ــــ اور اولاد آدم کیلئے ایک فطری قانون کے مطابق جبکہ اسکی پیدائش مرد عورت کے اختلاط سے ہوتی ہے۔ اسکی پیدائش سلسلۂ تناسل سے مقرر کی گئی ــــ اس سے ماسوئی قرآن نے تخلیق سے متعلق چند ایک نئے واقعات اور نئی خصوصیات کا ذکر کیا۔ جن میں انسانی تخلیق میں بعض ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جو عام مخلوق میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک نئی پیدائشی ترکیب اور سیرت میں اعلیٰ وافضل حیثیت رکھتی ہیں ــــ قرآن نے ان واقعات کو ایک علیٰحدہ باب اور نئے انداز سے بیان کیا ــــ اس بیان میں خصوصی طور سیرت النبی سے متعلق واقعات پیش کئے گئے ہیں۔

---

[1] خبر پانے والا۔ سے مراد وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے بیان سے واضح ہے۔ کہ آدم کو اسماء کا علم دیا گیا۔ اس سے علم پانا مراد ہے ــــ اور فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ کے قرآنی بیان میں اس علم کو ملائکہ تک پہنچانا۔ یا ملائکہ کو بتانا خبر دینا مراد ہے۔ چونکہ اس علم کے پہنچانے میں قرآن نے نَبَاءَ کا لفظ استعمال کیا۔ اسلئے نباء۔ نَبِ سے مراد خبر دینا ہے۔ خبر دینے کی صفت سے انسان کو نبی کی صفت سے پکارا گیا۔ اور اَسْمَآءَ كُلَّهَا کی کیفیات کو حقیقتاً علم نبوت قرار دیا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۳) تحقیق اللہ نے منتخب کیا۔ آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو تمام لوگوں میں ـــــ یہ انتخاب بحیثیت بشر ـــــ بحیثیت خلیفہ ـــــ بحیثیت نبی ـــــ بحیثیت رسول ہے۔ اس انتخاب میں تخلیقی خصوصیت ـــــ نبوت کی خصوصیت اور رسالت کی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔

یہی خصوصیت حضرت آدمؑ کی بیان کی گئی ـــــ آپ کی خصوصیت میں انسانی افضلیت و برتری کا مظاہرہ ہے۔ یعنی عام مخلوق کے مقابلہ میں جسمانی حیثیت میں انہیں اشرف المخلوقات بنایا۔ آپ کو روحِ رحمانی عطا کی گئی۔ اسماء کلھا کا علم دیکر۔ آدم وملائکہ کا امتحان لیکر انسان کو اَشْرَفُ الْمَلٰئِکَہ قرار دیا گیا ـــــ آپ ابوالبشر ہیں۔ کہ زمین پر جتنی بھی صاحبِ کمال و صاحب مرتبہ مخلوق پیدا ہوگی۔ آپ کو ان سب کا والد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہی انکا اصطفٰے (انتخاب) ہے۔ کہ انسانی خلافت و نبوت اور شرافت کے مظاہرہ کیلئے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا ـــــ

اولادِ آدم میں جب کثرت پیدا ہوئی۔ تو بعض نے اپنی خلافت و نبوت کی تصور و یکسوئی ـــــ اور مشاہدۂ ذاتِ الٰہی اور اسرارِ الٰہی سے حفاظت کی ـــــ اور بعض نے حقیقی تصور کو چھوڑ کر۔ مادی لذتوں کو پسند کیا۔ اور انکے حصول میں اپنے حقیقی تصورات سے غافل ہو کر مشاہدۂ اسرار الٰہی کو پسند نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا ۔ انسانی آبادی میں اولاد آدم نے حصولِ زائد کیلئے ۔ ایک دوسرے کا حق چھین کر لوگوں کو اپنا غلام بنالیا ـــــ اور اسی حصولِ زائد کیلئے ایک دوسرے کے دشمن بن کر قتل و فساد شروع کیا۔ جس سے وہ اپنی خلافت و نبوت کے مقام سے گر کر ظلمت [1] و انحراف میں پھنس کر رہ گئے ـــــ وعدۂ الٰہی کے تحت انسانی اصلاح

---

[1] ظلمت کے تصور میں اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ تنزل کی صورت میں مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ اور علمِ اسرار الٰہی (علمِ نبوت) اس حال میں بھی انسانی قلب و ذہن میں جمع رہتا ہے۔ صرف مشاہدہ کی قوت سالم نہیں رہتی گویا حقیقی صفتِ خلافت اس میں باقی رہتی ہے۔ لیکن۔ اسکے ذاتی کردار و عمل۔ تسبیح و حمد۔ تصور و یکسوئی اور توجہ نہ ہونے سے مشاہدہ نہ ہونے کی صورت میں۔ یہ مقامِ خلافت یا صفت خلیفہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ جبکہ ضرورت اس امر کی رہتی ہے۔ کہ اسے دوبارہ مقامِ خلافت پر لانے کیلئے۔ اسکی اصلاح کی جائے۔ اور اسے تسبیح و حمد۔ تصور و یکسوئی کا عامل بنا کر اسے دوبارہ اپنے قلبی اور ذہنی علم کا مشاہدہ کرایا جائے۔ جسکے لئے وعدۂ الٰہی کے مطابق رسول کے ذریعہ ہدایت بھیجی جاتی ہے۔

کیلئے ایک ہدایت بھیجنے کا انتظام کیا گیا ـــــ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى ۔پس فساد و انحراف اور گمراہی کے وقت میں ایک ہدایت بھیجونگا۔جس ہدایت میں انسانی اصلاح کیلئے ایک لائحہ عمل ہوگا۔اسکے لئے یہ ضروری تھا۔کہ اس ہدایت کے ساتھ ایک عامل راہنما بھیجا جائے۔سو انسانی مخلوق میں گمراہی کے وقت ہدایت پہنچانے والی پہلی ہستی۔ایک خلیفہ۔نبی کا انتخاب ہوا ـــــ یہ پیدائشی نبی تھے۔انکی نبوت کی حفاظت کی گئی۔اور اسی نبی کو۔جبکہ اِسے مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل تھا۔اسی قوتِ مشاہدہ کے ذریعہ۔اللہ کی کلام (ہدایت) دی گئی۔یہ خلیفہ و نبی ـــــ حضرت نوحؑ ہیں۔جو انسانی مخلوق کی اصلاح کیلئے ہدایت لیکر آئے۔انہیں مصطفیٰ ومنتخب کیا گیا اور رسول کے خطاب سے موسوم کیا گیا۔یہ پہلے رسول ہیں جنکا انتخاب بحیثیت رسول زمین پر ہوا ـــــ

حضرت نوحؑ کے بعد پھر زمانہ میں انحراف و بغاوت کا دور شروع ہوا۔اور پھر وعدۂ الٰہی کے تحت لوگوں کی اصلاح کیلئے رسول مبعوث ہوئے ـــــ اور ایک زمانہ ایسا آیا۔جب انسانی مخلوق میں فساد و انحراف۔گمراہی۔ہوسِ ملک گیری۔حصولِ زائد کا مادہ انتہا کو پہنچا۔انسان نے حصولِ دنیا میں اسقدر ترقی حاصل کی کہ اپنے دنیوی اقتدار کے نشہ میں خود خدا بن بیٹھا ـــــ یہ زمانہ مخلوقِ انسانی کیلئے نہایت مہلک اور شدید گمراہی اور محکومی و پستی کا گزرا ـــــ اُس وقت ایک ایسے رسول کی ضرورت ہوئی جو انسان کے اس عظیم و قوی اقتدار کا خاتمہ کرنے والا ہو ـــــ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتخاب ہوا ـــــ اس انتخاب میں اللہ تعالیٰ کو خلافتِ انسانی کا جا بجا مظاہرہ کرنا تھا۔جو ملائکہ کے اعتراض أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ میں کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ کے منصوبہ میں مقرر کیا تھا۔کہ یہ بندہ میری انتہائی تسبیح و حمد کریگا ـــــ سو اس مظاہرہ کیلئے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتخاب ہوا ـــــ

ابتدا میں حضرت آدم علیہ السلام کو وہبی طور۔روح رحمانی عطا کی گئی۔انہیں قوی و پاکیزہ جسم دیا گیا انہیں علم الاسماء دیا گیا ـــــ اور انسے خلافت کا مظاہرہ کیا گیا۔اور ثابت کیا گیا کہ انسان اشرف المخلوق ہے۔جسمانی اعتبار سے عام حیوانی مخلوق کے مقابلہ میں ایک قوی جوہری قوت کا حامل وجود رکھتا ہے۔اور اشرف الملائکہ قرار دیئے جانے کیلئے انہیں ایک عظیم روح عطا کی گئی۔اور کامل اکمل

خلیفہ قرار دینے کیلئے انہیں اسماء کلھا کے تمام آثار و اسرار سے آگاہ کر کے علم و آگاہی میں بھی بلند مرتبہ دیا گیا۔ اور پھر دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خلیفہ کی اصل صفت کا مظاہرہ کیا گیا جو اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں مضمر تھی وہ تھا ایک بندے کا اپنے خالق کے تصور کو دائمی صورت میں قائم کر کے ہر اس شے سے منہ پھیرنا جس سے انسان کی کمتری (حقیقی تصور سے غفلت) ظاہر ہو ــــ سو اللہ نے اس مظاہرہ کیلئے حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی ــــ اول یہ کہ تصور حقیقی کو اپنی تمام خواہشات پر مقدم رکھنا۔ دوئم یہ کہ باطل کی قوتوں سے دب کر حقیقت سے منہ نہ موڑنا ــــ سوئم یہ کہ اللہ کی محبت کو اپنی ہر خواہش پر مقدم سمجھ کر اپنی جان اولاد تک راہِ حق میں قربان کرنے کیلئے تیار ہونا۔ یہ وہ مظاہرہ ہے۔ جس میں ایک انسان نے اپنی خلافت و نبوت کا عظیم ثبوت دیکر۔ اپنی خلافت کی دلیل پیش کی کہ زمین پر ایسا بھی انسان پیدا ہوگا۔ جو انتہائی تسبیح و حمد کا مظاہرہ کرنے والا ہوگا ــــ سو انسانی آبادی میں جب لوگوں میں خصوصیت نبوت باقی نہ رہی تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتخاب ہوا۔ جن کی ذریت سے آئندہ۔ نبیوں میں افضل نبی ــــ اور رسول پیدا ہوئے۔ یہی اصطفائے ابراہیم علیہ السلام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو فرزند ہوئے۔ ایک حضرتِ اسحٰقؑ۔ دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ انہیں دو فرزندوں سے منتخب۔ رسول اور نبی ہوئے ــــ جنہیں عام انسانوں پر فضیلت و برتری حاصل رہی۔ حضرت اسحاقؑ کی اولاد سے حضرت یعقوبؑ ہوئے ــــ جنہیں اسرائیل کے لقب سے پکارا گیا ــــ انکی اولاد و ذریت تمام عرب میں پھیلی۔ زیادہ تر اولاد۔ مصر و شام میں سکونت پذیر ہوئی۔ اور قوم بنی اسرائیل کہلائی اسی قوم سے بنی اسرائیل کے رسول پیدا ہوئے ــــ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ انکی بھی ذریت ہوئی۔ جنکا ٹھکانہ زیادہ تر مکہ کے ملحقہ علاقوں میں رہا ــــ جب تک بنی اسرائیل رسول ہوئے۔ بنی اسماعیل میں کوئی رسول پیدا نہیں ہوا ــــ تاہم بنی اسماعیل خاندان میں دین ابراہیمی جاری رہا۔ اور اسی دین کے تحت یہ قومیں ہر زمانہ میں بیت اللہ (مکہ) سے تعلق رکھتی رہیں ــــ اسکے مقابل بنی اسرئیل قوم میں۔ پے در پے رسول پیدا ہوئے۔ اور انکی نسبت حضرت یعقوب (اسرائیل)۔ یوسف۔ داؤد۔ سلیمان۔ موسیٰ علیہم السلام سے رہی ــــ یہ سب منتخب ہستیاں تھیں۔ جنہیں آل ابراہیم کہا جاتا ہے۔ آلِ ابراہیم میں بنی اسرائیل قوم میں

مختلف زمانوں میں اصلاح کیلئے نبی منتخب کیے گئے۔ ان میں صرف دو نبیوں کو بحثیت رسول منتخب کیا گیا۔ جن میں داوٗدؑ نبی کو زبور کتاب الٰہی (احکام وہدایت) دی گئی۔ اور دوسرے حضرت موسیٰؑ نبی کو بحثیت رسول منتخب کر کے تورات کتاب الٰہی (احکام وہدایت) دی گئی۔ باقی نبی یوسفؑ۔ سلیمانؑ۔ عزیزؑ وغیرہ نبی۔ بحثیت نبی منتخب ہوئے۔ انکا انتخاب یہ تھا۔ کہ یہ پیدائشی نبی تھے۔ انکی نبوت وخلافت کی حفاظت رہی۔ اور یہ ہستیاں زمانہ۔ ماحول کے مطابق۔ گمراہی اور نافرمانی کے اثرات سے محفوظ رہیں ــــ اس وقت زمانہ پر گمراہی۔ ضلالت ونافرمانی کا دور دورہ تھا۔ گزشتہ رسولوں کی ہدایت کا وجود معدوم ہو چکا تھا ــــ اور انسان اندھیروں میں بھٹک کر خلافت سے محروم۔ حیوانیت پر آچکا تھا ــــ اسوقت ایسے نبی منتخب کیے گئے۔ جنہوں نے کچھ اپنی قوتِ نبوت سے اور کچھ گزشتہ رسولوں کی ہدایت (جوانہوں نے قوت مشاہدہ سے حاصل کی) سے لوگوں کی راہنمائی کر کے انہیں علمِ نبوت سے آگاہ کیا۔ اور انکی اصلاح کی ــــ یہی انتخاب اصطفائے آل ابراہیم سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسکے بعد آلِ عمران کا انتخاب ہے۔ آلِ عمران بھی قومِ بنی اسرائیل (آل ابراہیم) سے ہے ــــ لیکن قرآن نے آل عمران کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے ــــ آل عمران کے اصطفیٰ میں خلیفۂ ارض (فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً) کی خصوصیت۔ ایک نئی طرز کی تخلیقی خصوصیت ہے۔ جس میں ایک نئی تخلیقی ترکیب ومرکب کا ذکر کیا گیا ہے ــــ اس تخلیقی ترکیب کو قرآن نے ایک نئے انداز اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس میں ایک خصوصی پیدائش کا ذکر ہوا۔ اس بیان میں ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ○ جب پکارا زکریا نے اپنے رب کو دل سے پوشیدہ طور۔

رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ○

(پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۳۔۴) اے رب میرے بدن کے جوڑ کمزور ہو چکے ہیں ــــ اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گیا ہے ــــ اور نہیں ہوتا ہوں میں تجھ سے دعا مانگنے میں ناامید ــــ اے رب میرے میں جانتا ہوں کہ اس وقت بڑھاپے میں ــــ مجھ میں اولاد پیدا کرنے کی قوت باقی نہیں رہی۔ لیکن میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ کہ تو ہر شے پر قادر ہے۔ کہ قدرتِ کاملہ سے عطا کرے۔ وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۵) میں

اپنے بعد اپنے اقارب سے مخدوش ہوں ــــ اور میری بیوی بانجھ ہے ــــ پس تو اپنی قدرتِ کاملہ سے روحانی طور مجھے ایک لڑکا عطا کر ــــ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے ــ کہ سلسلہ تناسل میں جب ایک انسان بوڑھا ہو جائے ــــ تو اس میں بچہ پیدا کرنے کی قوت باقی نہیں رہتی ــ دوسرے بانجھ عورت میں بھی بچہ پیدا کرنے کی قوت نہیں پائی جاتی ۔ ایسی صورت میں ایک ضعیف مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا قطعی ناممکن ہے ــــ اس حالت میں ضعیف مرد اور بانجھ عورت سے اگر لڑکا پیدا ہو ۔ تو وہ ظاہری اسباب (نطفہ) کے بغیر ــــ اور گزشتہ ترکیبِ تناسل سے علاوہ ایک نئی ترکیب ہو سکتی ہے ــــ جو مِنْ لَّدُنْکَ وَلِيًّا یعنی بغیر ظاہری اسباب و ذریعہ کے روحانی ترکیب اور قدرتِ کاملہ سے ہو سکتی ہے ۔ گویا یہ ترکیب پیدائش گزشتہ کی ترکیبوں سے نئی اور علیحدہ ہو گی ــــ تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ایک نئی تخلیق کا آغاز کرتا ہے ۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ يَحْيٰى اے زکریا میں تجھے بشارت دیتا ہوں ۔ کہ تمہارے ایک لڑکا ہو گا جس کا نام یحیٰؑ ہو گا ــــ حضرت زکریاؑ کیلئے یہ خوشخبری فطری طور باعثِ تعجب بھی تھی ــ وہ جانتے تھے کہ انسانی تخلیقی ترکیب میں پیدائش بغیر طریق تناسل (نطفہ) کے نہیں ہو سکتی ۔ ہم دونوں میاں بیوی میں قوتِ تناسل موجود نہیں ــ تو اللہ تعالیٰ سے اس پیدائش کے متعلق استفسار کیا ۔ کہ اس پیدائش کی ترکیب کیسے ہو گی ــ؟ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ''وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۸) کہا زکریا نے میرے لئے لڑکا پیدا ہونے کی ترکیب کیا ہے ۔؟ جب کہ انسانی پیدائش کیلئے ۔ نطفہ اور ماں کا رحم قابل حمل ہونا ضروری ہے ۔ اور یہ دونوں کیفیتیں ہم میں سالم نہیں ــــ؟ میری بیوی بانجھ ہے ۔ اور میں بوڑھا ضعیف ہو چکا ہوں ۔ قَالَ كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ''وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ○ اللہ تعالیٰ نے کہا ایسے ہی بغیر اسبابِ ظاہری ۔ (نطفہ و عدم صلاحیت رحم) اس پیدائش کو بھی اسی طرح پیدا کرونگا جیسے عام انسان ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں ــ لیکن چونکہ انسانی پیدائش کیلئے اسکا بنیادی وجود نطفہ مقرر ہے ۔ تا ہم میرے پاس ایسے ذرائع موجود ہیں کہ بغیر نطفہ ایک وجود پیدا کروں ــــ یہ

میرے لئے بحیثیت خالق آسان ہے اور تحقیق اس سے قبل بھی میں نے آدم کو پیدا کیا۔ جہاں۔ نہ نطفہ تھا۔ نہ ماں کا رحم۔!

ان واقعاتِ قرآنی میں۔ ایک نئی پیدائش کا ذکر ہوا۔ ان واقعات میں ایک نئی پیدائش میں ایک نئی ترکیب کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ جہاں نطفہ نہ ہو وہاں اس کی قدرتِ کاملہ کے ارادے سے۔ ایک بنیادی وجود کو ماسوائے نطفہ کے سبب بنایا جا سکتا ہے ـــــ اور ماں کا رحم چونکہ پیدائش انسانی۔ اور بشری شکل کیلئے ضروری ہے۔ تو اللہ نے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ط (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۹۰) اور ہم نے حضرت زکریاؑ کی بیوی کی قدرتِ کاملہ سے اصلاح کی کہ انکا بانجھ پن جاتا رہا۔ اور وہ بچہ پیدا کرنے کے قابل ہو گئی ـــــ اس مقام پر قرآن نے ظاہر طور نطفہ کا بدل (سبب) نہیں بتایا۔ لیکن واقعات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ باوجود نطفہ نہ ہونے کے اپنی قدرتِ کاملہ سے ماں کے پیٹ سے ایک لڑکا پیدا کر سکتا ہے ـــــ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے۔ کہ بغیر کسی سبب کے ایک کیفیت پیدا کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے نظام میں ایک منظّم ترتیب قائم کر رکھی ہے۔ جس میں ہر مقام پر ایک پیدائش کیلئے ایک سبب مقرر کیا ہے۔ اور بغیر سبب ایسی کوئی پیدائش دیکھنے میں نہیں آتی جسکی کوئی علت قبل از وجود موجود نہ ہو ـــــ البتہ بعض کیفیتوں کے اسباب محسوس کئے جاتے ہیں۔ اور بعض کے محسوس نہیں کئے جاتے۔ جن کیفیتوں کے اسباب محسوس ہوتے ہیں۔ وہ ٹھوس مادی شکلوں میں محسوس ہوتی ہیں۔ اور جن کے اسباب محسوس نہیں ہوتے ـــــ درحقیقت انکے بھی اسباب موجود ہیں۔ لیکن ہمارے ادراک میں نہیں آتے ـــــ یہ ایسی کیفیتیں ہیں۔ جنکے لئے ظاہری اسباب میسر نہیں۔ یا انکی پیدائش میں ترکیب ہی ایسی ہے۔ کہ انکے لئے جو اسباب انکی بناوٹ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ وہ غیر محسوس ہیں۔ ان اسباب کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ اسلئے یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ ایسی کیفیتیں بغیر اسباب کے خود بخود کُنْ فَيَكُوْنُ کے حکم کے تحت آناً فاناً ہو جاتی ہیں۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ کُنْ کہا اور بغیر سبب ایک وجود ظاہر ہوا۔ نہیں۔ بلکہ عادت کے مطابق جب ایک پیدائش کو عام پیدائش کی طرح پیدا نہ کرنا ہو۔ بلکہ اسکی تخلیقی ترکیب کو بدل ڈالنا ہو ـــــ تو کُنْ سے اسکی ترکیبی ہیئت بدل جاتی ہے۔ ورنہ بغیر سبب پیدائش نہیں ہوتی ـــــ اس کُنْ کے باوجود ایک پیدائش کا سبب غیر محسوس موجود ہوتا ہے۔

قرآن اپنے ہر بیان کو ایک مدلل طریقہ پر پیش کرتا ہے۔ جسکی دلیل خود پیش کرتا ہے۔ اگر خود پیش نہ کرے۔ تو ایسے بیان یا واقعات انسانی فہم میں آچکے ہوتے ہیں ـــــ اور بعض ایسے بیانات کیلئے ہمیں نظامِ کائنات پر فکر کرنے سے خود بخود دلائل حاصل ہو جاتے ہیں ـــــ قرآن کی یہ ایک خاص صفت ہے۔ کہ اسکا بیان قوانینِ فطرت کے نظام پر غور و فکر کرنے کے بعد صحیح ثابت ہوتا ہے۔ یہ قرآن ہی کی معجز بیانی ہے۔ کہ اس نے اپنے ہر دعوے کیلئے ایک کھلی دلیل بھی پیش کی۔ جس سے ماورائے ادراک (غیر محسوس) واقعات کی سچائی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ اور اس چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ کہ انسان ہر بات کو بالغیب (بغیر دیکھے سمجھے) تسلیم کرتا رہے ـــــ ایمان بالغیب ایک حد تک ہوتا ہے۔ جب تک انسان اپنی قوتِ مشاہدہ حاصل نہ کر سکے۔ اِسے ایمان بالغیب کے ساتھ الٰہی (روحانی) قوتوں کو تسلیم کرنا چاہیے ـــــ اور اسکے ساتھ ہی قرآنی آیات پر غور و فکر کر کے ان واقعات کو حق الیقین کی حد تک تسلیم کرنا چاہیے ـــــ

آلِ عمران کے بیان میں۔ کَذٰلِکَ کے اشارے میں یہی کیفیت مضمر ہے۔ کہ اگر ایک پیدائش کیلئے ظاہری اسباب موجود نہیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پیدائش کیلئے ایک طریق۔ ایک سبب موجود ہے۔ اسکے لئے قرآن خود دلیل پیش کرتا ہے ـــــ اس سلسلہ میں قرآن نے واقعہِ حضرت زکریاؑ کو بطورِ دلیل پیش کیا کہ جہاں انسانی پیدائش کیلئے نطفہ موجود نہ ہو۔ وہاں اللہ تعالیٰ قدرت کاملہ سے بغیر نطفہ بھی ایک انسان پیدا کرتا ہے اور پھر۔ اس ترکیب کو ایک اور واقعہ کے ظہور سے ثابت کرتا ہے ـــــ جسکی ابتدا قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ج اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۵) جب کہا عمران کی بیوی نے اے رب تحقیق میں نذر کرتی ہوں ـــــ اِس اولاد کو جو میرے پیٹ میں ہے۔ پس تو اِسے قبول کر۔ تحقیق تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس واقعہ میں آل عمران کی خصوصیت اور اصطفیٰ بیان کرتا ہے۔ اصطفٰی آل عمران (وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ) کی مندرجہ بالا آیت میں ذکر ہوا ـــــ اسی واقعہ سے اصطفٰی آل عمران

شروع ہوتا ہے ـــ کہ عمران کی بیوی نے دعا کی کہ اے اللہ میں اپنے پیدا ہونے والی اولاد کو ہیکل (گرجا) میں بطور نذر پیش کرونگی۔ اس وقت دین موسوی میں یہ ایک طریقہ رائج تھا کہ دین کا اجرا ہیکل (گرجا) سے ہوتا تھا۔ ہیکل میں علمائے بنی اسرائیل دین موسوی کی تبلیغ کرتے تھے۔ یہ علما راہب کہلاتے تھے۔ انکا عمل یہ ہوتا تھا۔ کہ ہیکل کے حجرے میں خلوت نشین ہوکر۔ تزکیہ نفس ـــ اور مجاہدہ کر کے روحانیت حاصل کرتے ـــ اور عالم ہوکر لوگوں کی اصلاح و تربیت کرتے۔ ایک عالمِ دین کیلئے۔ تزکیۂ نفس اور مجاہدہ ضروری عمل تھا۔ تاکہ اس میں مشاہدۂ غیبی کی قوت پیدا ہوکر روحانیت پیدا ہو ـــ اسکا طریق یہی ہوتا تھا۔ کہ لوگ اپنی ایک اولاد (لڑکا) کو نذر مان کر ہیکل کے علماؒ کے حوالہ کرتے۔ اور علماؒ اس بچہ کی پرورش خود کرتے اور بالغ ہوکر اسے حجرے میں بٹھا کر اسکا تزکیۂ نفس کر کے اسے صاحبِ مشاہدہ عالم بناتے۔ جو آئندہ راہب (یا ولی) بن کر تبلیغِ دین کرتا ـــ دین موسوی میں یہ دینی رواج تھا۔ کہ بنی اسرائیل کے عالمِ دین (راہب) بننے کیلئے کوئی پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہونے والا بچہ ہیکل کیلئے نذر مان کر وقف کر دیتا۔

اسی خیال پر عمران کی بیوی نے بھی نذر مانی کہ میں اپنا پیدا ہونے والا لڑکا ہیکل کی نذر کرونگی۔ لیکن اس بار (باوجود نذر ماننے کے) بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا ہوئی ـــ

فَلَمَّا۔ وَضَعَتْهَآ اُنْثٰی پس جب بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا ہوئی۔ تو عمران کی بیوی پریشان ہوئی۔ کہ نذر میں تو لڑکی پیدا ہوئی ـــ لڑکی نذر میں قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ اس سے قبل نذر میں لڑکے پیدا ہوتے تھے ـــ اور نذر میں لڑکوں کو لیا جاتا تھا ـــ لڑکیوں کو نہیں لیا جاتا ـــ یہاں واقعہ خلافِ توقع ہوا ـــ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ! نہیں لڑکا مانند لڑکی کے۔ یعنی لڑکے کی جگہ تو لڑکی نذر میں قبول نہیں کی جاتی۔! لیکن یہاں کیفیتیں الہامی اور اصطفائی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک مقرر کردہ منصوبہ کو جامۂ عمل پہنانے کیلئے بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا کرنا تھا۔ اور یہ سب اللہ کے ارادے سے ہو رہا تھا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۶) اور اللہ جانتا تھا جو کچھ عمران کی بیوی نے جنا۔ ایسا ہونا ارادۂ الٰہی کے تحت تھا۔ کہ لڑکی پیدا ہو ـــ اور ضروری تھا کہ اسے ہیکل میں قبول کیا جائے۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ج (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت

۳۷) پس اس نوزائیدلڑکی کو بطریق احسن ہیکل میں قبول کیا گیا۔اور دیئے اسکو پاک میوے اور اسکی کفالت (پرورش) کیلئے حضرت زکریا علیہ السلام کو منتخب کیا گیا۔۔اور اس لڑکی کا نام سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ حضرت مریمؑ رکھا گیا۔۔۔

ہیکل کے راہبوں نے الہامی طور حضرت مریمؑ کو قبول کیا۔۔۔ چونکہ لڑکی کا نذر میں قبول کرنا دینِ موسوی میں پہلا واقعہ تھا۔اس لئے لڑکی کی پرورش کیلئے بھی ضروری انتخاب کیا گیا۔۔۔ اس وقت الہامی طور کسی معاملہ میں ہدایت حاصل کرنے کیلئے الہامی فال ڈالی جاتی تھی۔۔۔ اور فال ڈالنے کا طریقہ یہ تھا۔کہ دریا میں قلم پھینکے جاتے۔۔۔اور جسکی قلم بہاؤ کے مخالف سمت اوپر کی طرف تیرتی۔فیصلہ اسی کے حق میں کیا جاتا۔۔۔ چنانچہ بہت سے راہبوں نے اپنی قلمیں دریا میں پھینکیں۔مگر سب کی قلمیں بہاؤ کے رخ بہہ گئیں۔ان راہبوں میں حضرتِ زکریاؑ کا بھی انتخاب ہوا تھا۔اور جب حضرت زکریاؑ نے قلم پھینکی تو قلم بہاؤ کے مخالف رخ اوپر کی طرف چڑھنے لگی۔اس طرح الہامی طور حضرتِ زکریاؑ کو حضرتِ مریمؑ کا کفیل (پرورش کنندہ) مقرر کیا گیا۔۔۔

نذر میں مانے ہوئے بچوں کو ہیکل کے مشرقی کونے میں ایک حجرے میں رکھا جاتا۔جہاں دین موسوی کے قانون کے مطابق انہیں غذا دی جاتی اور انہیں پابند کیا جاتا۔۔۔ حضرت مریمؑ کو بھی اس حجرے میں رکھا گیا۔جہاں حضرت زکریاؑ۔انکی نگرانی کرتے رہے۔حضرت مریمؑ نے اسی حجرے میں پرورش پائی۔دین موسوی کے قانون کے مطابق انہیں غذا دی گئی۔۔۔ یہ غذا اتنی مقدار میں ہوتی جس سے تزکیہ جاری رہتا اور مادیت کا غلبہ وجود پر طاری نہ ہوتا۔۔۔ اسی حالت میں حضرت مریمؑ شیرخوارگی سے طفولیت اور بلوغت کی طرف بڑھنے لگیں۔یہاں تک کہ انکے حواس وعقل وشعور نے کام کرنا شروع کردیا۔اس حالت میں حضرت مریمؑ رات دن حجرے میں معتکف رہتیں رہیں۔۔۔ حضرت زکریاؑ ایک وقت مقرر پر آکر حضرت مریمؑ کو دیکھتے اور مقررہ غذا حجرے میں چھوڑ کر چلے جاتے۔اور حجرے کا دروازہ مقفل کر جاتے۔۔۔

چونکہ قرآن نے ہی اس واقعہ کو اصلی کیفیت میں بیان کیا۔اسلئے قرآن نے اس واقعہ کو بطور خبر پیش کیا۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ م اِذِانْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ

۱۹ آیت ۱۶) اور ذکر کریں کتاب سے حضرت مریمؑ کا۔ جب انہیں انکے لوگوں (راہبوں) نے مکان (ہیکل) کے مشرقی حجرے میں مقفل کر کے رکھا تھا۔ جہاں وہ اعتکاف میں تھیں ـــــ

حضرت مریمؑ اس دور میں داخل ہو چکی تھیں کہ انکے ہوش وحواس۔ عقل وشعور روحانی تزکیہ سے جلا پا چکے تھے ـــــ اور پھر ایک دن ایک عجیب واقعہ رونما ہوا ـــــ حضرت زکریاؑ قفل کھول کر حجرے میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں ـــــ!

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۳۷) جب حضرت زکریاؑ ہیکل کے حجرے میں داخل ہوئے ـــ تو پایا حضرت مریمؑ کے پاس رزق (میوے) تو کہا حضرت زکریاؑ نے اے مریم یہ تیرے لئے کہاں سے میوہ آیا ـــــ تو حضرت مریمؑ نے کہا یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ وہ اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ بغیر حساب۔ بغیر ذریعہ کے ـــــ

حضرت مریمؑ تو مقفل حجرے میں رہتی تھیں۔ اور انہیں مقرر مقدار میں غذا (میوے یا رزق) ملتی تھی ـــ لیکن آج خلافِ معمول حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کے حجرے میں ضرورت سے زیادہ میوہ اور وہ بھی لذیذ اور خوبصورت شکل میں دیکھا تو تعجب سے پوچھا یہ رزق تجھے کہاں سے ملا ـــ؟ تو حضرت مریمؑ کا تزکیہ مجاہدہ پورا ہو چکا تھا۔ انکا جسم مزکی اور روحانی ہو چکا تھا۔ انہیں اسرار الٰہی کا مشاہدہ حاصل ہو چکا تھا۔ چونکہ حضرت مریمؑ کی پیدائش ارادۂ الٰہی کے تحت تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی پاکیزگی جسم وروح کا خود سامان کیا ـــ اور اپنی طرف سے انہیں پاکیزہ غذا فراہم کی تا کہ انکے جسم میں مادیت کا اثر باقی نہ رہے۔ تو حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت زکریاؑ کو جواب دیا۔ کہ یہ رزق مجھے براہ راست اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ بغیر اسباب بغیر حساب رزق دیدیتا ہے۔ اس مقام پر حضرت مریم علیہا السلام کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت مریمؑ ان اسرار سے واقف ہو چکی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور حضرت مریمؑ کے درمیان واقع ہوئے۔ کہ وہ باطنی اسرار سے آگاہی حاصل کر چکی ہیں ـــ اور یہ تمام منصوبہ دراصل کسی خاص منصوبہ اور مقصد کیلئے تھا۔ جس میں آل عمران کی خصوصیت اور اصطفیٰ کا مظاہرہ کر کے۔ خلیفہ فی الارض کی ایک اور خصوصیت کا اظہار کرنا مقصود تھا ـــ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو کسی خاص واقعہ کیلئے مخصوص کر کے انہیں منتخب کیا ۔۔۔ اِذْقَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۳) جب کہا ملائکہ نے حضرت مریمؑ سے۔ اے مریم تحقیق اللہ نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ اور (ہیکل کی خلوت نشینی کے نتیجہ میں) تجھے پاکیزہ جسم و روح کیا ہے۔۔۔ دنیا کی عورتوں میں سے ۔۔۔

اِصْطَفَا ۔۔۔ اور طَهَّرَ۔ انتخاب اور پاک کرنا۔ یہ دو خصوصیتیں ایک خصوصی مقصد کیلئے ہیں ایک عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ دنیا کی عورتوں میں مخصوص کرنے سے مراد یہ کہ حضرت مریمؑ کی ذات سے تخلیقی ترکیب میں ایک نئی تخلیق کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ ترکیب سلسلۂ تناسل کی ترکیب (نطفہ) سے علیحدہ ہے اور دوسرے اس تخلیق کیلئے حضرت مریمؑ کو پاک رکھنا یعنی مادی آلائشوں سے پاک رکھنا بھی ایک خاص مقصد سے ہے۔ اسکا ذکر خود قرآن کرتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ م اِذِانْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا ۔۔۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۶۔۱۷) اور ذکر کر کتاب سے حضرت مریمؑ کا جب اسے انکے لوگوں نے ہیکل کے مشرقی حجرے میں مقفل و معتکف کر رکھا تھا ۔۔۔ پس اسی جگہ پر ہم نے بھیجا طرف مریم کے اپنا ایک روح (ملائکہ) پس وہ بشری شکل میں آکر حضرت مریم کے سامنے آیا ۔۔۔ اس آیت میں دو خاص کیفیتیں ہیں۔ جن پر غور کرنا ہے ۔۔۔ ایک روحنا۔ ملائکہ کو کہا گیا ۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ملائکہ بھیجا گیا ۔۔۔ اس سے قبل بھی حضرت مریمؑ کے پاس ملائکہ آیا وَاِذْقَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ میں ملائکہ کی ایک ہی کیفیت ملکوتی کا اظہار کیا گیا۔ مگر اس مقام پر ملائکہ کو ایک نئے روپ میں پیش کیا گیا۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا پس وہ بنا واسطے مریم کے ایک وجود بشری ہیئت میں اپنے پورے اعضا کے ساتھ ۔۔۔ سو۔ سوال یہ ہے کہ پہلے صرف ملائکہ پر اکتفا کیا گیا۔ مگر دوسری بار ملائکہ کو بشری شکل و صورت میں پیش کرنے میں کیا غرض ہے ۔۔۔؟ وہ واقعہ سے خود ظاہر ہے۔ کہ روح سے مراد ملائکہ۔ یعنی روح اور ملائکہ ایک ہی کیفیت نوری ہیں۔ روح بھی نوری وجود رکھتی ہے۔ اور ملائکہ بھی نوری وجود کے حامل ہیں۔ نور۔ حواس کے ذریعہ محسوس نہیں کیا جا سکتا ۔۔۔ دوسری بات روح۔ یا نور بشری ہیئت میں انتقال کرنے کی قدرت رکھتے ہیں

۔۔۔ ایک اور بات یہ کہ بشری ہیئت میں محسوس ہونے سے یا بشری ہیئت میں انتقال کرنے میں۔ روح یا نور اپنی نورانی صفت کھونہیں بیٹھتا۔ نہ اس میں کوئی فرق پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے بشری ہیئت میں ملائکہ کی نورانی صفت علےٰ حالہ باقی رہتی ہے۔ اسلیئے ایک بشری ہیئت بھی روحانی یا نوری کہلاسکتی ہے ۔۔۔ اور بشری ہیئت وشکل میں بھی ایک نوری وجود۔ نوری صفت کا حامل رہتا ہے۔

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۸) کہا مریم نے تحقیق میں پناہ مانگتی ہوں اللہ کی تجھ سے۔ اگر تم پاکباز ہو؟ اس بیان میں ایک خاص کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ملائکہ نوری پیکر بشری ہیئت میں دیکھا جاتا ہے۔ یعنی ایک وجود مثل بشر صرف انسانی شکل و صورت۔ اعضاء سے محسوس ہوتا ہے۔ اس ہیئت میں باوجود بشری شکل وصورت کے انسانی وجودی مرکب نہیں۔ بلکہ نوری مرکب (نور) ہے۔ اور بشری شکل وصورت پانے سے نوری مرکب میں فرق نہیں آتا ۔۔۔ دوسری کیفیت یہ کہ نوری وجود بشری ہیئت بدلنے پر قادر ہوتا ہے ۔۔۔ اس حالت میں یہ ضروری نہیں ہوتا۔ کہ بشری شکل پانے سے اس وجود میں وہی خصائل وصفات پائے جائیں جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں ۔۔۔ اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر ایک روح کو بشری ہیئت میں پیدا کیا جائے تو اسکے روحانی صفات وکمالات بشری شکل میں بھی نوری حیثیت میں باقی وقائم رہتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک آئندہ آنے والے واقعہ کیلیئے بطور پیشگی پیش کیا گیا ۔۔۔ تاکہ آئندہ اگر کوئی وجود نور سے بشری حالت میں پیدا کیا جائے۔ تو وہ وجود مثل ملائکہ صفاتِ نوری کا حامل ہوگا ۔۔۔ چنانچہ اس واقعہ میں اس کیفیت کی مزید تفصیل بیان کی گئی ۔۔۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۹) نہیں میں انسانی خاصیات کا بشر نہیں۔ بلکہ تیرے رب کی طرف سے بھیجا گیا ملائکہ ہوں۔ میں نوری وجود کا حامل ہوں ۔۔۔ یہ اسلیئے کہ تجھے اللہ کی طرف سے ایک لڑکا (بغیر ظاہری اسباب کے) دیا جائے۔ اس آیت میں بھی روح کا بشری ہیئت میں نوری صفات کا حامل ہونا ۔۔۔ اور انسان کی طرح۔ چلنا۔ پھرنا۔ سننا۔ دیکھنا۔ سمجھنا ثابت ہوتا ہے ۔۔۔ مزید برآں اصل مقصد اصطفائے آل عمران کا اظہار کرنا ۔۔۔ کہ ایک عورت سے بغیر ظاہری اسباب (نطفہ) کے ایک مخلوق کا پیدا کرنا ہے ۔۔۔ اور جیسے نور بشری

ہیئت اختیار کرنے پر قادر ہے۔اسی طرح یہ نور بھی انسانی شکل وصورت میں پیدا ہوگا ـــــ

حضرت مریم علیہا السلام کیلئے فطری طور۔ یہ واقعہ تعجب خیز تھا ـــــ اسلئے کہ انسانی پیدائش میں بغیر نطفہ۔ بغیر عورت مرد کے سبب کے انسان کی پیدائش نہیں ہوسکتی ـــــ قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ ''وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ'' وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا○ (پارہ۱۶ سورۃ۱۹ آیت۲۰) کہا مریم نے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ میرے لڑکا ہو۔ جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا نہیں۔ بغیر بشری خاصیت کے لڑکا پیدا نہیں ہوسکتا۔ تو ابھی تک میں ازدواجی رشتہ میں داخل نہیں ہوئی۔ نہ مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ـــــ؟ تو ملائکہ نے کہا۔

قَالَ کَذٰلِکِ ج قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ'' ج وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ج وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا○ (پارہ۱۶ سورۃ۱۹ آیت۲۱) کہا اسی طرح پیدا کیا جائیگا۔ تیرے رب نے کہا کہ یہ میرے لئے آسان ہے۔ کہ ایک نئی تخلیق کی ابتداً بغیر ظاہری اسباب کے کروں۔ یہ اسلئے کرتا ہوں۔ کہ بناؤں میں اس واقعہ کو ایک نشانِ خالقیت اور نشانِ قدرت لوگوں کیلئے ـــــ اور پیش کروں اس واقعہ کو ملائکہ کے سوال اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ کے جواب میں جو میں نے اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں دیا تھا ـــــ کہ انسانی تخلیق کے متعلق جو منصوبہ میرے ارادے میں آچکا ہے۔ اسکا ابھی تمہیں علم نہ ہوسکے گا۔

اس قرآنی آیت میں حقیقتاً ایک ایسے واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ جو بظاہر خلافِ قانونِ فطرت محسوس ہوتا ہے۔ یہ واقعہ اپنی نوعیت میں بالکل نیا ہے ـــــ اسکی تخلیقی ترکیب بھی گزشتہ ترکیبوں کے مقابلہ میں بالکل نئی اور عجیب ہے ـــــ لیکن یہ ترکیب بھی باقی ترکیبوں کے ساتھ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے منصوبہ میں ازل سے مقرر ہوچکی تھی ـــــ جس میں قدرتِ کاملہ کا خصوصی دخل تھا ـــــ اور قرآن میں اس کیفیت کو اس نرالے انداز سے بیان کرنا بھی ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا کے اشارے کا خصوصیت سے بیان کرنے سے مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی خالقیت اور ربوبیت اور ہر تخلیق کی ابتداً۔ اور اسکی خصوصیت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے ـــــ اور انسان کو یہ علم ہوجائے۔ کہ انسانی تخلیق اور اسکی خلافت ونبوت میں کیا کیا خصوصیات پائی جاتی ہیں ـــــ! نیز یہ کہ ملائکہ کو بھی یہ معلوم ہو۔ کہ فی الارض خلیفہ کی تخلیق صرف زمینی مادہ ہی سے نہیں بلکہ خلیفہ کی تخلیق

میں زمین سے ماسوئی نوری ترکیبیں بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر قصص اور کیفیات کی صورت میں اکثر واقعات کو پیش کیا ۔۔۔ اور ایسے واقعات کا ذکر صرف قرآن ہی پیش کرتا ہے۔ باقی صحیفوں میں سوائے احکام کے ایسے حکیمانہ بیانات نہیں ملتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنی شریعت کو مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ (یعنی تصدیق کرنے والا باقی مذاہب کے روایاتی قصص اور احکام کو) بتایا ۔۔۔ اسلیئے یہ قصص اور کیفیات محض کہانی نہیں ۔۔۔ بلکہ قرآن میں ان کیفیات کو خصوصی درجہ دیا گیا ہے۔ وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ۔ تاکہ لوگوں کو تخلیق کے تمام راز ثبوت و دلائل کے ساتھ حاصل ہوں اسلیئے واضح ہو کہ جو لوگ قرآن کی آیتوں پر اپنی محدود عقل کے ساتھ اعتراض کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ قرآن کا عمیق نظروں سے مطالعہ کریں ۔۔۔ اسکی آیات پر پوری قوتِ علم کے ساتھ عبور حاصل کریں۔ وہ قرآن کے ماننے والے ہوں ۔۔۔ یا قرآنی علم (عربی) جاننے والے ۔۔۔ یا قرآن سے انکار کرنے والے ہوں ۔۔۔ جب تک قرآن کو ایک روحانی صحیفہ کی حیثیت سے مطالعہ میں نہ لائیں ۔۔۔ وہ قرآنی علم اور اس کے حکیمانہ آثار کو سمجھنے سے قاصر رہینگے۔ بلکہ اپنی محدود عقل سے قرآنی آیات کو سمجھنے سے غلط عقائد و نظریات پیدا کر کے حقیقت سے دور ہو جائینگے۔ اور قرآن کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ قرآن جو کچھ انسانی علم و آگاہی کیلئے مواد پیش کرتا ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب اتنا واضح علمی مواد پیش نہیں کر سکتی۔

قرآن سے انکار کرنے والے کسی حد تک حق بجانب ہیں ۔۔۔ کیونکہ اول انکا عقیدہ اللہ کی خالقیت اور قدرتِ کاملہ پر جمتا نہیں۔ وہ اس لئے کہ قرآن صاف طور پر روحانی کیفیات کا ذکر کرتا ہے۔ جسکے لئے عقلی طور کوئی شخص دلیل حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ روحانی طور واقعات و کیفیات کو نہ پرکھا جائے ۔۔۔ اور نہ ہی وہ قرآن کے لانے والے کی ذاتی شخصیت تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ رسول صادق ہے ۔۔۔ امین ہے ۔۔۔ رسولِ برحق ہے ۔۔۔ اور جب تک رسول کی ذاتی شخصیت کو تسلیم نہیں کیا جاتا ۔۔۔ وہ رسول کی ایسی کتاب کو تسلیم کرنے پر بالغیب آمادہ نہیں ہو سکتے ۔۔۔ یہ رسول ہی کی ذاتی شخصیت ہے۔ جس کی کلام (بات) کو سچ سمجھ کر بغیر تحقیق۔ ایمان بالغیب کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسلیئے ذاتی طور عقلی قوت سے قرآن کا مطالعہ کرنے والے قرآن کی اصل حقیقت (روحانیت) کو نہ سمجھ سکتے ہیں۔ نہ اس پر

ایمان لا سکتے ہیں۔ اور جب تک قرآن کو عقلی حدود میں مطالعہ میں نہ لایا جائے اسکی روحانیت واضح نہیں ہو سکتی۔ ایسے لوگ قرآنی حقیقت سے لاعلمی کے باعث قرآنی آیات پر اعتراض کرتے ہیں۔ دراصل یہ اعتراض قرآن پر درست نہیں۔ بلکہ انسان کی اپنی کوتاہئ فہم کا غلط نتیجہ ہے۔ جس سے انسان گمراہی کی طرف جا کر حقیقت سمجھنے سے عاری ہو جاتا ہے۔

قرآن نے اپنے ماننے والوں کو مومن (یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) کہہ کر پکارا — یعنی اے ایمان والو۔ ایمان لانے والوں سے مراد جنہوں نے۔ اللہ کو خالق تسلیم کیا — اسکے بعد اس کی کلام کتاب الٰہی کو دلچسپی سے سنا — اسکے کلام بھیجنے کی غرض کو سمجھا — وہ یہ کہ یہ کائنات کیوں بنی۔؟ اسلئے کہ اس کائنات میں انسان کو تمام مخلوق پر مشرف و افضل بنایا — اسکے ذمہ تصور و مشاہدۂ اسرار الٰہی رکھا — انسان کے عمل کو اسکا نتیجہ بنایا — کہ انسان اپنی ذمہ داری کو بطریقِ احسن تکمیل تک پہنچا کر اس زندگی کے بعد نئی آنے والی زندگی میں امن و راحت حاصل کرے۔ اور جس نے تصور و مشاہدہ کو قائم نہ رکھا وہ انسانی شرافت سے گر کر ذلیل ہوگا اور آئندہ زندگی (آخرت) میں اسے عذاب ہوگا — اسلئے انسان اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے۔ آخرت کی زندگی کیلئے بہتر عمل (تصور و مشاہدہ) کو قائم رکھے — یہ ہے کلام بھیجنے کی اصل غرض — ! اور اس کی کب ضرورت پڑی — ؟ — اسوقت جب انسان سے اسکی شرافت چھن گئی۔ اس نے تصور حقیقی کو دل سے محو کر دیا — اور وہ پست و ذلیل۔ لائق عذاب ہوا۔ ایسے وقت میں اللہ نے انسانی فلاح و اصلاح کے لئے اپنی کلام۔ کتاب الٰہی بھیجی — جس نے اس کلام کو سنا۔ اس میں انسانی اصلاح کیلئے ہدایات و احکام ہیں۔ انہیں قبول کیا۔ اور ان پر عمل کیا — یہ ضروری ہے۔ کہ انسان نے حصولِ زائد کی جستجو میں مالِ دنیا کی ہوس میں۔ دل سے ایک حقیقی تصور کو نکال دیا — تو کتاب الٰہی کی ہدایت پر عمل کرنے کیلئے۔ پہلا قدم مالِ دنیا کی ہوس اور اسکی جستجو کو ایک حد تک ترک کرنا — اور دنیوی لذتوں اور خواہشات کو ایک حد تک ترک کرنا — ضروری ہے — خواہشات نفسانی اور دنیا کی پسندیدہ لذتوں کو ترک کرنے میں انسان۔ تکلیف محسوس کرتا ہے — اسی کیفیت کو — یعنی اللہ تعالیٰ کی کلام سنکر۔ اسکی ہدایت کو قبول کرنے۔ اور اس پر عمل کرنے کیلئے۔ اپنی ہر خواہشات نفسانی — اور دنیوی لذتوں کو ترک کر کے۔ صرف اللہ کی محبت دل میں پیدا کر کے اسکے تصور کو حاصل

کرنے کیلئے۔تزکیہ۔یعنی لذت ترک کرنے سے جسم کو تکلیف پہنچانا ـــــ اور زیادہ تر وقت بجائے حصولِ دنیا کے۔تصور ذاتِ الٰہی میں صرف کرنے کی محنت سے انسانی قلب و ذہن کو جو لطافت و سرور حاصل ہوتا ہے۔اسے ایمان کہا جاتا ہے۔اور ایسے انسان کو ایمان والا کہا جاتا ہے ـــــ ایمان ـــــ اور اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے۔کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ـــــ اور اسکے اسرار کو بلا دیکھے تسلیم کرتا ہے ـــــ اور کتاب میں جو کچھ ہدایت کی شکل میں بیان کیا۔اس پر یقین رکھتا ہے ـــــ اور جو کیفیتیں ماورائے ادراک واقع ہیں۔لیکن انسانی ادراک وحواس میں نہیں آتیں۔انہیں مانتا ہے ـــــ اور یقین رکھتا ہے کہ مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً ج (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۹۱) جو کچھ بھی بنا ہے۔بے معنی اور بغیر کسی خالق کے ارادے کے نہیں ہوسکتا ـــــ اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد ایک انسان پر یہ ضروری ہو جاتا ہے۔کہ وہ اپنے حقیقی مقصد اور پیدائش کی اصل غرض ـــــ تسبیح وحمد کو اپنے لئے لازم قرار دے۔تسبیح وحمد کا نتیجہ مشاہدۂ اسرار الٰہی ہے ـــــ مشاہدۂ اسرار میں تصور حقیقی کو اپنی ہر شے اپنی ہر غرض پر مقدم سمجھنا ضروری ہے۔تصور حقیقی یا تسبیح وحمد انسان کا حقیقی اور خصوصی عمل ہے۔بغیر اس عمل کے انسان مقامِ اشرف پر قائم نہیں رہ سکتا ـــــ مقامِ اشرف پر قائم نہ رہا تو انسان بشری شکل میں۔سوئے عقل وخرد کی اعلیٰ صفت سے خالی ہو کر یکسر حیوانی خصلت میں آجاتا ہے۔حیوانی صفت کا حامل خلیفہ کے مقام سے گر جاتا ہے ـــــ الغرض خلیفہ اور مومن میں ایک ہی تصور پایا جاتا ہے۔اور خلیفہ بغیر تسبیح وحمد کے خلیفہ کہلانے کا حقدار نہیں رہتا۔تو اسکا دوسرا مقام پستی وحیوانیت ہوتی ہے۔

جب بھی کسی زمانہ میں ایک رسول کا ظہور ہوا۔رسول نے کلامِ الٰہی۔کتابِ الٰہی کو احکام کی صورت میں گمراہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ـــــ سو جنہوں نے ان احکامات کو اللہ کی کلام تسلیم کیا۔انہوں نے ابتدائی طور۔اس امر کا اقرار کیا۔کہ فی الواقع یہ کلامِ الٰہی ہے۔اور اس میں احکامِ خداوندی ہیں۔یہ احکام انسانی۔اصلاح کیلئے ہیں ـــــ اس اقرار کے بعد انہوں نے احکامِ الٰہی پر اٰمَنَّا کہکر تعمیل کی۔اور اپنی خواہشات نفسانی۔اور لذت دنیوی کو ترک کیا ـــــ اور احکام کی تعمیل میں تسبیح وحمد اور تصور حقیقی کو قائم کیا ـــــ اُسے مومن کہا جاتا ہے ـــــ اور جس نے رسول کی پیش کردہ اصلاحی تعلیم کو کلامِ الٰہی اور ہدایت تو سمجھا۔اور تسلیم کیا۔لیکن لذتِ دنیوی کو ترک نہیں کیا ـــــ احکام کی پوری تعمیل نہ کی۔تصور حقیقی اور تسبیح و

حمد کو اپنی لذتِ دنیوی اور حصول دنیا پر مقدم نہ سمجھا۔ وہ مسلم کہلاتا ہے۔ لیکن مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسلئے قرآن کے خطاب میں جہاں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پکارا گیا۔ تو اسکا خطاب ان لوگوں سے ہے۔ جو اپنی دنیوی زندگی پر اخروی زندگی کو مقدم سمجھ کر۔ تسبیح وحمد اور تصور ذاتِ الٰہی کو اپنے لئے لازم رکھتے ہیں ـــ ایسے لوگ احکام کی تعمیل میں مشاہدۂ حقیقی حاصل کرتے ہیں ـــ اسلئے قرآن کے ہر اس حکم پر یقین رکھتے ہیں۔ جو بظاہر دلیل نہیں دیتا لیکن اسکے باطن میں ایک حقیقت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور بغیر دیکھے بھی وہ ایسے حقائق کو یقین کی حد تک تسلیم کرتے ہیں ـــ

قرآن نے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) کے خطاب سے کیوں پکارا ـــ؟ اسلئے کہ اٰمَنُوْا سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جنہوں نے رسول کی کلام (کلام الٰہی) کو دلچسپی سے سنکر اس پر عمل کیا ـــ عمل ـــ اصل عمل ـــ تصورِ ذاتِ الٰہی ہے ـــ تصورِ ذاتِ الٰہی انسانی خصوصیت میں شامل ہے۔ کہ وہ اپنی پیدائش کے ساتھ (روحانی طور) تصورِ الٰہی ـــ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی حاصل کئے ہے۔ یہی انسان کا فطری عمل ہے ـــ اسکے بعد اس عمل کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ جب انسان حصولِ دنیا۔ اور لذتِ نفس یعنی دنیوی سامان کی خواہش میں زیادہ سے زیادہ سامان حاصل کرنے میں فطری قانون کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ تو لذتِ نفس (نفس کی خواہشات کو پورا کرنا) کی سعی میں انسان اپنا حقیقی تصور کھوڑ التا ہے ـــ اور دنیا میں فساد و انحراف کر کے اپنا نصب العین ـــ حقیقی مقصدِ زندگی بھول جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ایک رسول کے ذریعہ ایک ہدایت بھیجتا ہے۔ یہ ہدایت۔ اصلاحی احکام ہوتے ہیں ـــ اور انسانی گمراہی کے بعد یہ احکام بطور عمل پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ ان احکام پر عمل کر کے انسانی اصلاح ہوتی ہے ـــ اصلاح سے مراد ـــ انسان حصولِ دنیا ترک کر دیتا ہے اور احکام کی حدود میں اپنے آپ کو پابند اسی طرح کرتا ہے۔ جس طرح ایک بیمار حکیم کے زیرِ علاج رہ کر ایک طرف دوا استعمال کرتا ہے۔ دوسری طرف ان مضر اشیاء سے پرہیز کرتا ہے۔ جن سے بیمار کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ احکام بھی بطور علاج ہیں۔ احکام کی پیروی۔ ان چیزوں سے پرہیز کرنا جن چیزوں نے انسان میں روحانی قوتوں کو کمزور کر دیا یعنی برائی سے پرہیز یہ سب اصلاحی عمل ہے۔ اصل عمل نہیں ـــ اصلاحی عمل سے جسم پاکیزہ۔ روح پاکیزہ ہو کر۔ انسان اپنی پیدائشی پاکیزہ حیثیت میں آ کر پھر سے روح حیوانی۔ روح رحمانی

سے قوتِ مشاہدہ حاصل کر کے۔ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی ــــ تصور ذاتِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔ اور پھر انسان اپنے مقامِ خلافت پر پہنچ کر اپنا حقیقی عمل مشاہدۂ اسرارِ الٰہی اور تصور ذاتِ الٰہی کو قائم کر کے۔ خلیفہ و نبی کے مقام کو حاصل کرتا ہے ــــ ایسا شخص کائنات کی ہر تخلیقی ترتیب سے آگاہ ہو جاتا ہے ــــ اور صاحبِ علم کہلاتا ہے۔ ایسے علم کو علم راسخ کہا جاتا ہے ــــ اور ایسے عالم کو راسخون فی العلم کہا جاتا ہے۔

قرآن نے ایسی کیفیتوں کے متعلق ایک واضح بیان دیا ہے۔ جس میں۔ مومن۔ خلیفہ۔ اور علمِ راسخ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ "مُّحْكَمٰتٌ" هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ " ط فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ "فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ج وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ لا كُلٌّ "مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۷) وہی ہے جس نے اتاری اوپر آپؐ کے کتاب ــــ اس میں آیتیں احکام کی ہیں۔ یہ آیتیں اصل ہیں کتاب کی اور دوسری آیتیں ہیں متشابہات (یعنی انکے ظاہر معنی سے علاوہ باطنی معنی (تصورات) بھی ہیں) پس وہ لوگ جنکے دلوں میں کجی (فساد) ہے پس پیروی کرتے ہیں ان آیتوں کی جو متشابہات سے ہیں ــــ ڈھونڈتے ہیں اس میں فتنہ اور ڈھونڈتے ہیں اسکی حقیقت کو ــــ اور نہیں رکھتے ان کیفیتوں کا علم۔ مگر اللہ جانتا ہے ــــ اور وہ لوگ جانتے ہیں جن کا علم راسخ ہے ــــ وہ کہتے ہیں ــــ ہم ایمان لائے ان متشابہات آیات پر ــــ یہ تمام ہمارے رب کی طرف سے ہے ــــ اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر صرف صاحبِ شعور ــــ

اللہ تعالیٰ نے ابتدأ ہی یہ وعدہ کیا تھا ــــ کہ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ "تم حصولِ دنیا میں لذتِ نفس کی خاطر ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے۔ اسوقت انسان کی حالت کیا ہوگی ــــ؟ ــــ انسان اپنی ساری طاقت مادی حصول میں صرف کر کے۔ اپنی پاکیزہ نفسی ختم کروالیگا۔ اسکے ذہن میں ماسوئی اللہ کے غیر اللہ کا تصور ہوگا اور اس طرح اسکے قلب و ذہن سے۔ تصورِ حقیقی محو ہو جائیگا۔ اور انسان اپنے مقامِ خلافت سے گر کر اندھیروں میں بھٹکنا شروع کریگا ــــ تو اس وقت فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى۔ میں ایک ہدایت ایک رسول کے ذریعہ بھیجونگا ــــ اس ہدایت میں احکام ہونگے۔ اس ہدایت

کے بھیجنے کا طریق یہ ہوگا کہ اپنی کلام ایک منتخب نبی کو رسول بنا کر اسکے ذریعہ تمہارے پاس بھیجونگا ـــــ سو ایک رسول کے ذریعہ کتاب بھیجنے کا اصل مقصد اصلاحی احکام بھیجنا اور ان احکام پر عمل کر کے اپنی اصلاح کرنا اپنے جسم و روح کو پاکیزہ بنا کر قوت مشاہدہ حاصل کر کے دوبارہ تصورِ حقیقی کو پا کر مقامِ خلافت پر فائز ہونا ہے ـــــ یہی اصل مقصد ہے۔ یہی اصل ہے کتاب کی ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ۔ یہ اسلئے کہ تم روح رحمانی کے ذریعہ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی حاصل کرو ـــــ چونکہ تم ان آثار و اسرار سے بے خبر ہو چکے ہو۔ اسلئے اس قرآن میں ان آثار و اسرار کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ جو عالمِ باطن میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں ـــــ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ "۔ اور اس قرآن میں ایسی آیات بھی ہیں۔ جو معنی کے لحاظ سے ایک ظاہری معنی (ترجمہ) رکھتی ہیں۔ لیکن ان آیات کا ایک باطنی معنی بھی ہے۔ جو حقیقی تصور ہے ان آیات کا ـــــ ! یہ معنی ـــــ یہ تصور۔ بغیر قوتِ شعور یا روح رحمانی کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ان آیات کو متشابہات آیات کہا جاتا ہے ـــــ اسلئے ان آیات قرآنی مُحْکَمٰت" اور مُتَشٰبِهَات" کو سمجھنے کیلئے ایک نبی کو منتخب کیا گیا۔ اسلئے کہ وہ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی اسرار و آثار باطنی کے مشاہدہ و فہم کی صلاحیت رکھتا ہے ـــــ اور قرآن میں جو متشابہات آیات بیان کی گئی انکی سمجھ اور مشاہدہ بھی رکھتا ہے ـــــ لہذا انسان کیلئے یہ لازم ہے کہ اپنا جسمانی ـــــ روحانی تزکیہ حاصل کرنے۔ اور حقیقی علم پانے کیلئے۔ ایک رسول کی طرف رجوع کیا جائے ـــــ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ جس نے میرے رسول کی پیروی کی اور اس سے میری کلام سنکر اس پر عمل کیا وہ اپنا مقام حاصل کریگا ـــــ یہ مقامِ خلافت ہے۔ یہ مقام نبوت ہے ـــــ یہ مقامِ ایمان ہے۔ کہ انسان حق الیقین کے ساتھ کلامِ الٰہی کے بیان کردہ آثار و اسرار سے آگاہی حاصل کرتا ہے ـــــ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک احسان ہے۔ کہ انسان کے گمراہی پر اُسے پھر مقامِ خلافت حاصل کرنے کا سامان مہیا کر دیتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۶۴) تحقیق اللہ نے مومنوں پر احسان کیا۔ جب اٹھایا انکے بیچ میں ایک رسول انہیں میں سے۔ جو میری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے ـــــ اور انکا تزکیہ کرتا ہے ـــــ اور انکے علم و آگاہی میں لاتا ہے۔ کتاب کے

جملہ احکام وکلام کو اور چھپی کیفیتوں کو حالانکہ اس سے پہلے وہ ان آثار و واقعات سے بے خبر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر یہ احسان کیا۔ کہ دوبارہ گمراہی سے نکل کر حقیقت کی طرف آنے کا سامان مہیا کر دیا اور ایک ہدایت بھیجی اور اس ہدایت کو ایک رسول کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا۔۔ ورنہ یہ امر انسان کے ذمہ تھا۔۔ کہ وہ خود اپنی خلافت وعلم وآگاہی کی حفاظت کرے۔۔ لیکن انسان اپنی خصوصیات خلافت کی حفاظت نہ کر سکا تو اللہ نے اپنی طرف سے۔ یہ انتظام کر دیا۔ کہ اسی مخلوق سے ایک نبی کو منتخب کیا۔۔ یہ بھی عام پیدائشوں میں ایک پیدائش ہے۔ اللہ نے اس پیدائش کو خصوصیت دی اور رسول بنایا جو اللہ کی کلام۔۔ اللہ سے پاتا ہے۔۔ اور یہ کلام لوگوں کو پڑھکر سناتا ہے۔ یعنی اُدھر اللہ سے سنتا ہے۔ ادھر لوگوں کے سامنے اسی کلام کو دہراتا ہے۔۔ اس میں احکام ہیں۔ ایک طریقِ عمل ہے۔ اصلاحی ضابطہ ہے۔۔ لوگ سنتے ہیں۔ مگر انگلیاں کانوں میں دیتے ہیں۔ کہ ہمارے دل اس کلام سے متاثر نہ ہوں۔ کیونکہ اس کلام پر عمل پیرا ہونے سے۔ ہمارے دنیوی مفادات ہاتھ سے دینے پڑینگے۔ دنیوی لذت ترک کرنی پڑیگی۔۔ لیکن وہ لوگ جو احساس رکھتے ہیں۔ کہ حصولِ دنیا میں انسان فطری اصول وقانون کی حدوں سے تجاوز کر کے فساد پر آمادہ ہو جاتا ہے۔۔ اور دنیا میں انتشار و پراگندگی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اسلئے ایک حقیقی راہ کو پانا ضروری ہے۔ وہ لوگ رسول کی کلام سنتے ہیں تو اس پر عمل کرنے کو کوشش کرتے ہیں۔ تو رسول انکا تزکیہ کرتا ہے۔ تزکیہ سے مراد زبانی کلام سے انہیں پرہیز بتاتا ہے۔ کہ اپنے ظاہری اعمال وافعال میں۔ خلوص ودیانت اختیار کرو۔۔ دنیوی لذتوں کو کم کرو۔ جسم پاک رکھو۔ کپڑے پاک رکھو۔ خوراک پاک رکھو۔۔ اسکے ساتھ ہی روح کا تزکیہ بھی کرتا ہے۔۔ روح کا تزکیہ ایک طرف افعال واعمال میں حسن پیدا کرنا۔۔ دوسری طرف براہ راست روح سے روح کی نسبت قائم کرنا۔۔ یہ نسبت رسول کی روح سے کی جاتی ہے۔۔ جسطرح ناقص وکثیف غذا کھانے سے۔ خون کے صحت مند ذرات متاثر ہو کر اپنے دفاعی ارتقائی قوت کھو کر بیمار ہو جاتے ہیں۔ اور پاک و صاف اور بہتر غذا کھا کر انسان میں صحت وتوانائی آجاتی ہے۔ جسمانی توانائی میں خون صالح ہو کر جوہر صالح پیدا ہوتا ہے۔ جوہر صالح سے جسم (گوشت پوست ہڈیاں وغیرہ) صحت مند بنتا ہے۔ جوہرِ صالح۔ خون کا جوہر۔۔ روح حیوانی سے موسوم ہے۔ اسطرح انسانی افعال سے روح پاکیزہ ہو جاتی

ہے۔اسی طرح روح رحمانی بھی متاثر ہو جاتی ہے۔یعنی جب انسان کی روحِ حیوانی انسانی اعمال و افعال سے متاثر ہو کر اسکی نورانیت مدہم ہو جاتی ہے۔اسی طرح انسان کی روح رحمانی میں پرواز کی قوت کم ہو جاتی ہے ـــــ اسکی صحت کیلئے علاج ایسا ہی ہے جیسے انسانی جسم کی صحت کیلئے۔کیمیاوی جواہرات سے علاج ـــــ یا برقی قوت سے علاج۔یا سورج کی شعاعوں سے علاج کیا جاتا ہے۔روحِ رحمانی چونکہ خالص نور ہے۔اسکے لئے ایک خالص نور سے علاج کیا جاتا ہے۔وہ علاج تزکیۂ نوری کہلاتا ہے۔یعنی رسول کی روح رحمانی۔قوی و پاکیزہ ہوتی ہے۔رسول اسی روح سے برقی توجہ (شعاع) ایک تابع (پیرو یا مومن) کی روح پر ڈالتا ہے ـــــ روح کا مرکز و مسکن انسانی قلب ہوتا ہے۔اسلئے رسول کی توجہ براہ راست قلبِ انسانی پر پڑتی ہے۔جس سے رسول کی روح تابع کی روح سے متصل ہو کر اس میں داخل ہوتی ہے۔یا ایک تابع کی روح رحمانی رسول کی روح رحمانی سے اثر حاصل کر کے قوی ہو جاتی ہے ـــــ روح رحمانی ـــــ اور روح حیوانی کے تزکیہ سے ان میں مشاہدہ کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ تو روحانی تزکیہ کے ساتھ قرآنی آیات کے متشابہات اسرار و آثار کا علم بالمشاہدہ حاصل ہوتا ہے ـــــ یہ آثار و اسرار۔وَالْحِکْمَةَ کا درجہ رکھتے ہیں۔یعنی چھپی ہوئی کیفیات۔یہ چھپی ہوئی کیفیات متشابہات سے ہیں۔جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں ـــــ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ" پس یہ متشابہات کیفیتیں ماورائے حواسِ ظاہری ہیں۔انکا علم رسول کراتا ہے۔پہلے وہ یُزَکِّیْهِمْ تزکیہ کرتا ہے۔تو مشاہدہ کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔پھر تلاوت کے ساتھ ان آیات کا باطن مشاہدہ میں آتا ہے ـــــ ان آیات میں جو آثار و اسرار ہیں۔وہ کیفیتیں اَسْمَآءَ کُلَّهَا میں شامل ہیں۔یعنی ان اسرار و آثار میں کیفیات اسماء کلھا کی ہیں جو انسانی مشاہدہ میں آتی ہیں ـــــ اسی مشاہدہ سے رسالت و تبلیغ کا مقصد پورا ہو کر انسان اپنے حقیقی مقامِ خلافت پر آجاتا ہے ـــــ اور جب مقامِ خلافت حاصل ہوا۔تو اسکی اصل عبادت تصور ذاتِ الٰہی ـــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی جاری ہو جاتا ہے ـــــ ہاں ظاہر حالت میں عام انسان بوجہ اپنی غفلت۔پستی ـــــ فساد و گمراہی کے اس علم سے بے خبر ہوتا ہے۔اسکے علاوہ وہ بذات خود اس علم کا حامل نہیں۔بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اسے اس علم کی آگاہی دیتا ہے۔اس لئے سوائے اللہ کے کوئی ذات یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ عالمِ غیب السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پر کلی احاطہ کر سکتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ اس

تمام کائناتِ ارضی وملکوتی کے احوال کا علم رکھتا ہے۔ ہاں جن لوگوں کو اس نے ہدایت دی۔ اور انہوں نے تسلیم کیا۔ رسول کی اتباع کی۔ تلاوت سنی۔ تزکیہ حاصل کیا۔ قرآنی علم پر عبور حاصل کیا۔ انہیں غیب السموٰت کا علم بذریعہ مشاہدہ روحانی حاصل ہوا۔ یہ راسخون فی العلم ہیں۔ یہ تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ ماورائے ادراک احوال کا صدور۔ اور ذکر کرتا ہے۔ یہ بیشک اللہ کا بیان ہے۔ اسکی قدرت کاملہ سے ہوتا ہے۔ اسلئے یہ سب برحق ہے۔ یہ تو صاحب شعور عالم ہی۔ حاصل کر سکتا ہے اور وہی اسکی تصدیق وتائید کر سکتا ہے۔ باقی جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اللہ ہے۔ اسکی کلام ہے۔ اور رسول اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اور جب وہ اللہ کی کلام سناتا رہے۔ تو وہ بلا دیکھے یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اللہ کی کلام میں جو آثار واسرار بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ برحق اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور انکا وقوع قدرتِ کاملہ سے ہونا قابل یقین ہے۔ یہ لوگ ہیں جو اللہ کی کلام سے نصیحت حاصل کرکے فلاح کی طرف آکر رسول سے تزکیہ پاتے ہیں۔ اور قرآنی آیات کا علم بالمشاہدہ پاکر اپنے مقصد کو پاتے ہیں۔ ان تمام آثار میں ایک چیز خاص یہ ہے۔ کہ انسان کے قول وفعل اور عمل کی انتہا۔ مشاہدہ اسرار الٰہی پر منتج ہوتی ہے۔

قرآن نے طریق مشاہدہ میں ایک صاحبِ مشاہدہ مومن کو راسخ العلم سے خطاب کیا ہے۔ سوائے راسخ العلم کے قدرتِ کاملہ کے آثار وآیاتِ متشابہات کو کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ يَقُولُونَ اٰمَنَّا بِهٖ لا كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج۔ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۷) راسخ العلم قدرتِ کاملہ پر اعتراض نہیں کرتا۔ وہ ماورائے ادراک کیفیتوں کے صدور کو ہر حال میں تسلیم کرتا ہے۔ یہی کیفیت واقعہ حضرت مریمؑ میں ظاہر ہوتی ہے۔

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا○۔ کہ حضرت مریمؑ کے بغیر ذریعہ سلسلہ تناسل کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ یہ واقعہ اصطفائے آلِ عمران کی خصوصیت میں بیان کیا گیا۔ کہ واقعہ کے ظہور میں۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے مقرر کردہ منصوبہ کا اظہار کیا جائے۔ کہ بغیر نطفہ کے ایک انسان کی پیدائش ہو۔ اس واقعہ کے ظہور کے اسباب پیشتر ایک واقعہ میں بطور دلیل پیش کیے گئے۔ کہ اگر انسانی پیدائش کیلئے ظاہری (نطفہ) سبب موجود نہ ہو تو نطفہ کی جگہ

نوری وجود سبب بنا کر نور کو نطفہ کی جگہ بنیادی سبب بنایا جاتا ہے۔ اس مقام پر اس بنیادی سبب کی تفصیل پیش کرنے کیلئے قرآن نے خود بھی اس اعتراض کو بیان کیا۔

قَالَتْ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا○ حضرت مریم کی زبانی یہ سوال بیان کیا گیا کہ میرے کیسے لڑکا ہوگا جبکہ اس پیدائش میں سلسلہ تناسل کی کوئی ترکیب پائی نہیں جاتی۔ تو اللہ تعالیٰ اس نوری سبب کا خود اظہار کرتا ہے۔

فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۱۲) اور ہم نے حضرت مریم میں اپنا روح نفخ کیا۔ یہ ہمارے ارادہ ازلی میں تھا کہ زمین پر ایک ایسی انسانی پیدائش بھی ہوگی۔ جو صرف روح سے بنائی جائیگی۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ جب کہا ملائکہ نے اے مریم تحقیق اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تمہیں ساتھ کلمہ اپنے کے سے نام اسکا مسیح ابن مریم ہوگا۔ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۵) یہ لڑکا میرے کلمہ یعنی روحنا سے ہوگا۔ یہ حکیم اعظم ہوگا۔ اس کا نام عیسیٰ ہوگا اور ابن مریم کہلائیگا۔

اس آیت میں اس تخلیقی ترکیب کا وضاحت سے ذکر کر دیا۔ جو فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا کی ترکیب کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ یہ ایک روحنا تھا۔ یہ ملائکہ تھا جس نے بشری ہیئت حاصل کی۔ یہ کیفیت۔ یہ ترکیب و تخلیق یہ ارادہ الٰہی میں ازل میں موجود تھی۔ کہ ایک روح۔ یا ملائکہ۔ بشری ہیئت میں آسکتا ہے۔ یہ ترکیب اسلئے ظاہر کی کہ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ۔ وہ اللہ اس پر قادر ہے۔ کہ روح کو اپنی روحانی خاصیتوں کے ساتھ بشری شکل میں ظاہر کرنے۔ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ تا کہ یہ ثابت ہو کہ انسان کی پیدائش بغیر نطفہ کے روح کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ کہ ایک روح (مثل ملائکہ) بشری ہیئت میں آکر اپنی روحانی خصوصیات میں قائم رہتی ہے۔ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا یہ ترکیب اسلئے تھی۔ کہ قبل اسکے ملائکہ ایک مجسم روح تھا۔ اس میں بشری ہیئت اختیار کر لینے پر اس روح میں بشری خواص نہیں۔ بلکہ اسکی روحانیت اس حال میں بھی علیٰ حالہٖ قائم ہے۔ اور اب نفخ روح میں بھی ایک روح کو بطنِ مریم میں پھونک کر کُنْ کے حکم سے بشری ہیئت میں انتقال کی طرف رجوع کرایا۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ○

تحقیق عیسیٰ کی پیدائش کی مثال ایسی ہے۔ جیسی آدم کی پیدائش کی مثال کہ دونوں مقامات پر نطفۂ انسانی بنیادی سبب نہیں۔ بلکہ روح (روحانی ذرہ) اصل سبب ہے ــــ اور پھر بطنِ مریمؑ میں اس روح کو کُنْ کا حکم دیا کہ بشری ہیئت کی طرف انتقال کرو ــــ فَیَکُوْن ــــ پس اس روح نے نطفہ کی طرح بطن مریمؑ میں (خون رحم) غذا کو قبول کر کے بشری لباس اوڑھنا شروع کیا۔ جسطرح آدم نے حماء مسنون میں کُنْ سے لیس دار مادہ قبول کر کے بشری ہیئت کی طرف انتقال شروع کیا ــــ اب نفخ روح سے اور ماں کے وجود (خون رحم) سے ایک بشر پیدا ہوگا۔ جو اسی حالتِ روحانی میں ہوگا۔ مگر بشر کی حیثیت میں وہ کھائیگا۔ پی سکیگا۔ چلتا پھرتا رہیگا ــــ لیکن اس کے نوری وجود کی خاصیت میں بہ اعتبارِ نور فرق نہ آئیگا۔ اوراس بشر کی خصوصیت اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَکَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۷۱) سوائے اسکے نہیں کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم ہیں ــــ یہ ایک روح (نور) سے بنے ہیں جو بطریقِ القا حضرت مریمؑ کے بطن میں نفخ کیا گیا ــــ یہ خالص نور ہیں ــــ اوراس بشری ہیئت کی خاصیت اپنے نوری وجود کے اعتبار سے نوری ہوگی ــــ

ان آیات سے ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ تناسل سے ماسویٰ۔ ایک نئی تخلیقی ترکیب کا آغاز کیا۔ جو اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں ازل سے ہی مقرر کی گئی تھی۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا (یہ چیز میرے ارادے میں پیشتر مقرر ہو چکی تھی) کیونکہ اس تخلیق کا ظہور بھی (فِی الْاَرْضِ) زمین پر ہوا ــــ اس پیدائش کا بنیادی وجود نطفہ کی جگہ نور ہے۔ لہذا اس پیدائش میں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا مثل ملائکہ نوری خاصیت کا پایا جانا ضروری ہے ــــ اوراسی واقعہ کی دلیل کیلئے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ملائکہ کو بشری شکل میں پیش کیا گیا ــــ اسکے ساتھ ہی قرآن نے اس پیدائش کی نوری خصوصیات کی دلیل میں مزید چند واقعات کا دانستہ ذکر کیا جو خصوصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بیان کئے گئے ــــ

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَکَانًا قَصِیًّا۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ ج قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۝ فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْجَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا۝ وَهُزِّیْٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا۝ فَکُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَیْنًا ج فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا لا فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ

صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۚ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِىَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِىْ نَبِيًّا ۙ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۲۔۳۰) پس حاملہ ہوگئی ساتھ (حمل) اسکے۔ پس جا پڑی مکان دور (جنگل) کے ساتھ اسکے (حمل کے) پس آیا وقت بچہ کی ولادت کا (دردزہ کا) درخت کے نیچے ــــ کہا مریم نے اے کاش میں مرگئی ہوتی قبل اسکے (ولادت کے) اور میرا نشان مٹ گیا ہوتا ــــ پس پکارا اسکو درخت کے نیچے کہ مت غم کھا تحقیق بنایا ہے تیرے رب نے تیرے (درخت کے) نیچے چشمہ ــــ اور ہلا طرف اپنی تنے درخت کے کو گرائیگا تیری طرف تازہ کھجوریں ــــ پس کھا (کھجوریں) اور پی (چشمہ کا پانی) اور ٹھنڈی کر آنکھیں (بچہ کی محبت سے) ــــ پس اگر دیکھے تو آدمیوں سے کسی کو ــــ پس کہدے تحقیق میں نے نذر مانی ہے اللہ کے واسطے روزہ رکھنا پس ہرگز نہ بولونگی آج کے دن کسی انسان سے۔ پس آئی ساتھ اسکے (بچہ کے) اٹھائے ہوئے گود میں ــــ اپنی قوم میں ــــ کہا انہوں نے اے مریم ۔! تحقیق لائی ہے تو ایک عجیب چیز! ــــ اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ آدمی برائی کا ــــ اور نہ تھی تیری ماں بدکار ــــ پس اشارہ کیا مریم نے طرف بچہ کے ــــ کہا انہوں نے کیونکر کلام کریں ہم اس سے جو گود میں بچہ ہو ــــ؟ کہا حضرت عیسیٰؑ نے تحقیق میں خدا کا بندہ ہوں۔ اور مجھے کتاب (کلام الٰہی) دی گئی ہے ــــ اور مجھے نبی بنایا گیا ہے ــــ

اِن آیات میں ــــ ایک پیدائش کیلئے بنیادی وجود (نطفہ) کا حمل کی شکل میں انتقال کرنا ــــ اور بشری حالت میں پیدا ہونا تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا۔ کہ ایک نور نے کُنْ کے حکم سے بشری ہیئت کی طرف انتقال کیا۔ اور یہ بچہ بھی عام انسانوں کی طرح پیدا ہوا ــــ مگر عام انسانوں اور اس نوزائیدہ میں تخلیقی اعتبار سے فرق ہے ــــ وہ یہ کہ عام سلسلہ تناسل کی نطفہ کی پیدائش۔ بنیادی وجود کے لحاظ سے مادی ہے ــــ اور یہ پیدائش بنیادی وجود کے لحاظ سے نوری خاصیت کی حامل ہے ــــ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ تیری بریّت اور انکشافِ حقیقت کیلئے یہ پیدائش خود اپنی دلیل پیش کریگا ــــ کہ میں عام سلسلہ تناسل کی ترکیب کی پیدائش نہیں۔ جس میں ایک مرد کی ضرورت ہو ــــ بلکہ میری

پیدائش ارادۂ الٰہی اور قدرتِ کاملہ کے تحت ہوئی ہے ـــــ بلاشبہ میں بھی اِنِّیْ بَشَر" مِّثْلُکُمْ ـــــ تمہاری طرح کی بشری ہیئت رکھنے والی پیدائش ہوں ـــــ میری پیدائش حق پر ہے۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ میں اللہ کا بندہ ہوں ـــــ شیر خوارگی کی حالت میں میرا کلام کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ میں نطفہ انسانی کی پیدائش نہیں۔ بلکہ ارادۂ الٰہی کے تحت نور سے بنا ہوں۔ اور میری نورانی صفت اس حال میں بھی قائم ہے۔ کہ میں گود میں بول رہا ہوں ـــــ سن رہا ہوں ـــــ سمجھ رہا ہوں۔ اس شیر خوارگی کی حالت میں۔ میرا کلام کرنا ـــــ سننا۔ سمجھنا نوری حیثیت سے ہے۔ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ میں بھی اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے حکم میں شامل ہوں ـــــ مجھے بھی خلیفہ بنایا گیا ـــــ اور مجھے بھی علم دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ نوری اعتبار سے میں علم وخبر سے آگاہ ہوں۔ مجھے اللہ نے رسالت کیلئے منتخب کیا ہے ـــــ اور نبوت میں بھی منتخب کیا گیا۔ اور باقی مخلوق سے افضل کیا گیا کہ میرا وجود سفلی آلائشوں سے پاک نوری مرکب کا حامل نوری صفات پاتا ہے ـــــ

ان آیات میں ایک پیدائش کا اصطفا ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں انسانی مرکب سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ۔ اور مَآءٍ مَّھِیْنٍ۔ زمین کے جواہرات ـــــ اور زمین کی اعلیٰ وافضل قوت ـــــ اور نطفہ کے علاوہ ایک وجود کا بنیادی سبب روح یعنی نور بھی ہوگا ـــــ نوری اعتبار سے یہ وجود تمام مادی پیدائشوں سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ایسا کرنا ـــــ کس غرض سے تھا ـــــ؟ ـــــ وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ۔ تاکہ بناؤں اس واقعہ کو لوگوں کیلئے ایک نشان ـــــ دلیل کی صورت میں۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پیدائش کو فضیلت دینا چاہے ـــــ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ـــــ (ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّن") تو اللہ اپنے مخصوص مخلوق کو بعض پر فضیلت عطا کرتا ہے۔ یہ فضیلت پیدائشی جسمانی حیثیت سے اور علمی حیثیت سے ـــــ پیدائشی حیثیت میں اشرف المخلوقات ـــــ علمی حیثیت سے اشرف الملائکہ ـــــ اور رسالت کی حیثیت سے اشرف النبوۃ ـــــ اس مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش آلِ عمران کا اصطفا ہے۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی حیثیت میں بھی عَلَی الْعٰلَمِیْنَ تمام مخلوق سے افضل پیدائش قرار دیا ـــــ اور یہ پیشگی شہادت پیش کی گئی وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ۔ تاکہ کسی

وقت بھی اگر کسی قسم کی پیدائش کیلئے شہادت دی جائے۔ کہ ایک وجود۔ ماں باپ کے ہوتے بھی ــــ نور سے پیدا ہوتا ہے (جیسے واقعہ زکریا و یحیؑ میں) ایک وجود بغیر باپ کے پیدا ہوتا ہے۔ (جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ـــــ ایک وجود بغیر ماں باپ کے پیدا ہوتا ہے ـــــ ہُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ'' یہ امر اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔ اور ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی پیدائش کو جسمانی حیثیت میں فضیلت دیکر افضل الخلائق بنانا چاہے تو اس میں کسی شک و شبہ اور انکار کی گنجائش نہیں۔ کہ ایسا وجود۔ بشری شکل و صورت میں مجسم نور تصور کیا جا سکتا ہے ــــ؟

اب سوال یہ ہے ــــ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ بطن مریم علیہ السلام میں پرورش پائی جہاں عام پیدائشوں کی طرح اس بچہ کی پرورش رحم میں خون سے ہوئی ــــ اور خون سے ہی اس بچہ کا جسم بنا تو ضروری ہے۔ کہ خونی تاثیر جسم میں پائی جائے جس میں مادیت پائی جاتی ہے۔ لہذا جسم میں مادیت کا اثر پایا جانا ضروری ہے۔ تو اس صورت میں یہ جسم مجسم نور نہیں کہلا سکتا ــــ؟ اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے۔ کہ اس پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ نے دانستہ طور چند باتوں کا ذکر کیا ــــ وہ یہ کہ

وَاِذْقَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۲) جب کہا ملائکہ نے اے مریمؑ تحقیق اللہ نے تجھے منتخب کر لیا ہے۔ اور پاک رکھا ہے۔ عالم کی عورتوں سے ــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آلِ عمران کے خصوصی انتخاب میں حضرت عیسیٰؑ کے نوری وجود کو پیدا کرنا تھا۔ اور وہ بھی اس حالت میں۔ کہ اس پیدائش کی ترکیب میں۔ ایک ماں کا وجود موجود ہو ــــ ایک ماں کے رحم سے عام مخلوق کی طرح پیدا کرنا مقصود تھا ــــ وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پیدائش کیلئے سوائے آدم کے ماں کے رحم سے پیدا ہونا ہی مقرر کیا ہے ــــ اس لئے جب ایک پیدائش کیلئے نور سے پیدا کرنا مقصود ہو۔ اور بشری حالت میں اسکا وجود نوری تصور کرنا مقصود ہو تو ایسے جسم کو مادی آلائشوں سے پاک رکھنا بھی ضروری تھا ــــ اسلئے بطور ثبوت یہ بیان دانستہ طور پیش کیا گیا ــــ کہ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں منتخب کیا۔ اس انتخاب کیلئے پہلے اِمْرَاَتُ عِمْرٰنَ عمران کی بیوی کے دل میں القا کیا کہ وہ اپنے پیٹ میں ہونے

والی پیدائش کو نذر مانے ــــ اور پھر وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۔ اللہ جانتا تھا کہ جو کچھ اس نے جنا ــــ یعنی یہ ارادہ ازلی کا ازلی مقرر کردہ منصوبہ ہے۔ کہ حضرت مریمؑ کو ایک نئی اور عجیب مخلوق کی پیدائش کیلئے منتخب کر کے وَطَھَّرَکِ اسے پاک کر دیا ــــ یہ پاکیزگی جسمانی تھی ــــ اس جسمانی پاکیزگی کیلئے اللہ نے دانستہ طور ایک واقعہ کا ذکر کیا۔ فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا ۔ اور یہ تو اللہ کی مرضی سے ہی ہوا۔ سو راہبوں نے بھی بذریعہ القائے ربانی اسے قبول کیا۔ اور پھر چونکہ حضرت مریمؑ کو راہبانہ طریق پر پرورش کیا گیا ــــ تو اس میں رواج کے مطابق لطیف میوے دیئے گئے۔ یہ رواجی پاک غذا تھی۔ لیکن اسی پر اکتفا نہ کیا گیا ــــ بلکہ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ؕ قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۷) پس جب حضرت زکریا مقفل حجرے میں داخل ہوئے تو حضرت مریم کے پاس رواجی غذا سے بغیر ایک رزق دیکھا تو پوچھا اے مریم یہ رزق تجھے کہاں سے ملا ــــ تو حضرت مریم نے کہا۔ یہ رزق مجھے اللہ سے ملتا ہے۔ وہ اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ بغیر ذریعہ کے بھی۔

یہ بیان طَھَّرَکِ پاکیزگی جسم کیلئے بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ کہ اولاً جس وجود کو کسی خاص امر کیلئے منتخب کیا گیا ہو ــــ تو امر واقع ہونے سے قبل اس وجود میں بھی قدرت کاملہ استعمال ہو ــــ سو یہ حقیقت بھی قابلِ باور ہو سکتی ہے۔ کہ واقعہ زکریا کو اسی حقیقت کی دلیل کیلئے پیش کیا گیا ہو کہ جب اللہ چاہے تو ماں کے پیٹ میں یہاں بھی نور کو غیر محسوس طریقہ پر حضرت مریمؑ کے لئے عمران کی بیوی میں نفخ کیا گیا ہو تا کہ یہ وجود پاک پیدا ہو ــــ اسکے ماسوئی یہ بیان بھی دلیل کیلئے کافی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی پرورش مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ــــ اپنی طرف سے دیئے گئے میووں سے کی۔ یہ میوے چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں ــــ رواجی راہبوں کے مقرر کردہ میوے نہیں اسلئے یہ میوے بھی پاک ــــ لطیف ــــ نوری ــــ میوے ہیں۔ جن سے وجود طَھَّرَکِ پاک رکھا گیا۔ اور جب اس میوے سے علاوہ کوئی مادی میوہ استعمال نہ کیا گیا تو حضرت مریمؑ کا وجود حجرے کی خلوت نشینی (تزکیہ مجاہدہ) سے پاک ہو گیا ــــ اور جب نوری میوہ استعمال ہوا۔ تو اس وجود میں جو خون بنا وہ بھی مادی آلائشوں سے

پاک ہوا ــــ ایسے مقام پر جب ایک نور کو نفخ کیا گیا۔ اور کُنْ کے حکم سے نور نے رحمِ مادر میں بشری جسم کیلئے غذا استعمال کی وہ غذا پاک تھی جس میں مادی آلائش نہ تھی ــ ہ اسلئے حضرت عیسیٰؑ کے بشری وجود میں کسی قسم کی مادی آلائش کا دخل نہ رہا ــــ اور پھر" یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ یعنی یہ پیدائش گود میں باتیں کریگی" ــــ میں ایک حقیقت کا اظہار ہے۔ کہ مادی وجود شیر خوارگی میں بات نہیں کر سکتا۔ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا○ یہ تو ہوسکتا نہیں کہ قانونِ قدرت کے مطابق بشری (بظاہر مادی) جسم گود میں شیر خوارگی کی حالت میں۔ ہوش وحواس۔ اور کلام کی عدم صلاحیت میں کلام کرے۔ جبکہ اس میں نہ قوتِ فہم ہے۔ نہ قوتِ سمع ہے۔ نہ قوتِ کلام ہے۔ یہ ایک حقیقت بھی ہے۔ کہ ایسی حالت میں مادی جسم کلام وفہم سے عاری ہے۔ تو پھر اس حالت میں فہم وکلام مادہ سے نہیں بلکہ نور سے ہی ہوسکتا ہے ــ

واقعہ حضرت عیسیٰؑ میں حضرت عیسیٰؑ کو نوری وجود ثابت کرنے کیلئے قرآن نے ایک طویل و واضح بیان پیش کیا ــــ ان واقعات کو عمیق نظر مطالعہ کرنے سے حضرت عیسیٰؑ کے نوری وجود کی دلیل صاف صاف ظاہر ہوتی ہے ــــ

اِذْقَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ قلے اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْھًافِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ○ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ○ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَد" وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَر" ط قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ط اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَه' کُن فَیَکُوْنُ○ وَ یُعَلِّمُهُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ○ع وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۵ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ لا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا' بِاِذْنِ اللّٰہِ ج وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ج وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ لا فِیْ بُیُوْتِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○ع .... وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ○ع اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا........ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۵۔۴۹،۵۴۔۵۵) اور جب کہا ملائکہ نے اے مریم تحقیق اللہ بشارت دیتا ہے تجھ کو ایک نوری فرزند کی اپنی طرف سے۔ نام اسکا

مسیح۔عیسٰی ہوگا۔اور ابن مریم کہلائیگا ___ آبرو والا بیچ دنیا کے۔اور آخرت میں۔اور نزدیک (قریب) کئے گئے لوگوں سے ہوگا ___ اور باتیں کریگا شیر خوارگی کے عالم میں (گود میں) اور بزرگ شخصیت اور صالحوں سے ہوگا۔کہا مریم نے اے رب کیسے ہوگا میرے لڑکا اور نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے۔؟ کہا ملائکہ نے اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب مقرر کرتا ہے کوئی کام ___ پس سوائے اسکے نہیں۔کہ کہتا ہے واسطے اس کام کے "ہوجا" پس وہ ہوجاتا ہے اور علم دیگا اسکو کتاب (کلام الٰہی) کا اور پوشیدہ کیفیتوں کا ___ اور توراتِ موسٰیؑ کا اور انجیل کا۔اور بنائیگا رسول طرف بنی اسرائیل کے ___ یہ کہ تحقیق میں آیا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔یہ کہ میں بناتا ہوں واسطے تمہارے مٹی سے پرند کی ہیئت پس میں اسمیں پھونکتا ہوں۔پس وہ ہوجاتا ہے پرندہ اڑنے والا ___ اللہ کے حکم سے ___ اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھوں کو اور برص والوں کو اور زندہ کرتا ہوں مرے ہوئے کو اللہ کے حکم سے ___ اور خبر دیتا ہوں (غیب سے) جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم ذخیرہ کرتے ہو گھروں میں۔تحقیق ان کیفیتوں میں البتہ نشانِ قدرت ہیں واسطے تمہاری ہدایت کے۔اگر تم ایمان لانے والے ہو ___

ان آیات میں بعض کیفیتیں اگرچہ ظاہر میں ایک خاص معنی رکھتی ہیں۔لیکن اِنکے پس منظر میں ایسی کیفیتیں تصور میں آتی ہیں۔جن سے ایک نوری وجود کی دلیل ملتی ہے ___ کَلِمَة۔عجمی زبان میں کلمہ آتا ہے لیکن عربی اصطلاح قریش میں ___ کلمہ۔ایک امر ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔تمام روحیں حکم ربی سے بنی ہیں ___ امر میں کُن کا تصور ہے۔کُنْ کہا روح ہوگئی ___ ادھر روح کو رُوْحِیْ اور رُوْحِنَا بھی کہا گیا ___ ایک مقام پر روحی ___ انسانی روح روحِ رحمانی۔مجسم نور ہے۔دوسرے مقام پر رُوْحَنَا ملائکہ۔نوری پیکر ہے۔ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا اور ہم نے حضرت مریمؑ میں روح پھونکدی۔اس روح میں بھی ایک نور کا تصور ہے۔اسلئے کلمة اللّٰہ سے مراد اللہ تعالٰی کے حکم کُنْ سے بنی ہوئی ایک روح جو مجسم نور ہے ___ اسکی دلیل کلام فی المھد سے دی گئی ___ اسکے بعد فطری طور نوری اثرات کا تصور دیا گیا۔

مٹی کا پرند بنا کر اس میں نفخ کرنا ___ نفخ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ایک روحانی ___ دوسرا جسمانی۔روحانی طریقہ نفخ کا ___ ایک ملائکہ کے ذریعہ۔یا براہ راست اللہ کے ذریعہ جیسے

وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ میں نفخ کی نسبت براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہے۔اس میں ملائکہ کا دخل نہیں۔
کیونکہ ملائکہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے) بیان کے مطابق ان کیفیات سے بےخبر ہیں ـــ اور ملائکہ سے یہ امر مخفی ہیں ـــ ملائکہ کا نفخ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا میں ظاہر ہے۔کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ اپنے امر کا ملائکہ سے کام لیتا ہے۔لہذا نفخ ملائکہ کے ذریعہ بھی ہوتا ہے۔اور نفخ کی ترکیب کیا ہے ـــ؟ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنا ارادہ کسی شخص پر ظاہر کرتا ہے۔تو اپنی کلام (جو نوری ہیئت میں ہوتی ہے) جیسے کلامِ الٰہی کو نُوْرٌ ''مُّبِیْنٌ'' کہا گیا۔کہ اسکا وجود نوری ہوتا ہے۔اور جب زبان سے ادا ہو تو الفاظ کی ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔اور جب کتاب پر لکھی جائے تو ٹھوس ہیئت میں محسوس کی جاتی ہے ـــ یہ کلام نوری ہیئت میں ایک شخص کے قلب پر القا ہو جاتے ہیں ـــ یہی طریق نفخ کا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ایک نور کو بطن (رحم) میں بطریقِ القا پہنچاتا ہے۔یہی طریقِ القا ملائکہ کا بھی ہے۔کیونکہ وہ بھی نوری وجود رکھتے ہیں ـــ اور نوری قوت کو القا کرتے ہیں ـــ دوسرا جسمانی ـــ یہ نفخ۔حلق۔زبان اور ہونٹوں سے ہوتا ہے۔اس میں پھیپھڑوں سے نکلی ہوئی سانس نفخ ہوتی ہے ـــ چونکہ انسانی جسم میں خون ـــ اور خون میں جوہر (روح) موجود ہے۔یہی خون پھیپھڑوں میں بھر جاتا ہے۔اسی خون میں سے ایک گیس یا جوہر سانس کے ذریعہ خارج ہوتا ہے ـــ ایک پاکیزہ جسم۔ پاکیزہ روح انسان کی سانس میں بھی ایک قوی اور لطیف جوہر شامل ہوتا ہے۔یہی سانس نفخ کی صورت میں کسی جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔اور جسم کو اسی طرح متاثر کرتا ہے۔جس طرح مادی قوت سورج کی ناری شعاعیں انسانی جسم کو متاثر کر کے تمازت پہنچاتی ہیں ـــ (یہ طریقہ سورج کا نفخ کہا جا سکتا ہے) اسی طرح فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا سے مراد نوری وجود کی سانس چونکہ مجسم نوری ہے۔یہی نور مٹی میں نفخ کے ذریعہ سرایت ہو کر مٹی میں زندگی بن کر اسے جاندار بنا دیتی ہے۔یہی سانس (نفخ) نابینا کی آنکھوں کی شریانوں میں داخل ہو کر نئی زندگی پیدا کر کے بینائی کا سبب بن جاتا ہے ـــ یہی سانس (نفخ) نوری شعاع بن کر برص کے ذرات کو ہلاک کر کے صحت پیدا کرتا ہے ـــ یہ سب علامتیں ایسی ہیں جن میں ایک کیفیتِ نوری کا وجود ثابت ہوتا ہے۔اسکے علاوہ نوری وجود کی ایک خاص صفت وہ یہ کہ نور کے انتقال میں کوئی مادی کیفیت حائل نہیں ہو سکتی ـــ نور ـــ نور میں داخل ہو سکتا ہے۔اس کیفیت کے

اظہار میں قرآن نے ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ بھی خصوصیت آل عمران میں دانستہ طور شامل کیا گیا ہے۔اس واقعہ کا تعلق گزشتہ بیان کی گئی آیت

اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

(پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۵۵) سے ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ میں تمہیں وفات دونگا اور اٹھاؤنگا اپنی طرف اور پاک کرونگا ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا ـــ اب ان طریقوں کا ذکر ہے۔ جن سے وفات دینا ـــ اپنی طرف اٹھانا ـــ اور کافروں سے پاک کرنا ہے ـــ قرآن نے ان واقعات کو حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ کے حالات کے مطابق بیان کیا ـــ اور مُتَوَفِّيْكَ ـــ رَافِعُكَ ۔ مُطَهِّرُكَ کو تین مراحل کے ساتھ نسبت دی ـــ

حالاتِ زمانہ کے واقعات یہ تھے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے تبلیغی سلسلہ میں ہیکل کے راہبوں کے خلاف انکے من گھڑت۔ خود ساختہ دینی عقائد کی مخالفت کی اور دینِ اسلام کی سچی تعلیم دی۔ اور جو کچھ انجیل میں ہدایت کے احکام تھے انکو پیش کیا۔ اسوقت فلسطین میں یہودیوں کی حکومت تھی ـــ ہیکل کے راہب دین موسوی کے پیرو تھے۔ چونکہ توراۃ گزشتہ دور میں کئی حادثات میں گزر چکی تھی۔ اور بعد میں بنی اسرائیل کے منتخب نبیوں۔ عزیرؑ اور ایسے ہی چند نبی (جنکا نام کسی کتاب نے پیش نہیں کیا) تھے جنہوں نے قوتِ مشاہدہ سے توراۃ کے احکام اخذ کر کے توراۃ کو ترتیب دیا۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ بعد کے پیروانِ دینِ موسوی نے صرف اپنی اغراض پوری کرنے کیلئے توراۃ میں اپنے من گھڑت نظریات وعقائد داخل کر کے غلط مذہب بنایا تھا ـــ انجیل چونکہ کتابِ الٰہی تھی۔ اس میں ہدایت کے سچے احکام تھے۔ جن سے راہبوں کے من گھڑت نظریات کی رد ہوتی تھی۔ اور لوگ انکے من گھڑت عقائد کو غلط سمجھ کر پیروانِ دینِ موسوی کے تسلط سے آزاد ہونے لگے تھے۔ اسلئے ـــ راہبوں نے حضرت عیسیٰؑ کے دین کی مخالفت شروع کی۔ چونکہ انکا اثر حکومت پر بھی کافی تھا ـــ اسلئے راہبوں نے حکومت کا تعاون حاصل کیا ـــ اور اولاً حضرت عیسیٰؑ کی تبلیغ میں روکاوٹیں پیدا کر دیں ـــ چونکہ حکومت کا غلبہ شدت کے ساتھ رعیت پر تھا۔ اسلئے لوگوں میں سے کسی فرد کو دین عیسوی میں شامل ہونے کی جرأت نہ ہوئی ـــ دوسرے بنی اسرائیل قوم میں برسر اقتدار طبقہ غالب اور اکثریت میں تھا۔ اسلئے ایسے لوگوں

نے بھی دین عیسوی کی مخالفت کی ــــ تیسرے دینِ حقیقی کا اثر مدتوں مفقود ہو چکا تھا ــــ سحر اور حکمت عروج پر تھا۔ کمزور لاعلم عوام عقیدے میں کمزور تھے۔ وہ ایسے ہی پیرووں کے عقیدت مند تھے۔ جو عام لوگوں کو ــــ رزق دینے ــــ بیماری میں شفا بخشنے ــــ حادثات میں مدد دینے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اسلئے کم علم عوام انہیں حقیقی عالم سمجھ کر اسی قسم کے دین پر پورا ایمان وعقیدہ رکھتے تھے۔ وہ لوگ تصورِ ذاتِ الٰہی ــــ اور علمِ نبوت سے یکسر محروم ولاعلم تھے اسلئے ایسے لوگوں میں کوئی اس کا اہل نہ تھا کہ وہ بہ رضا حضرت عیسیٰؑ کا ساتھ دیتا۔ سوائے چند آدمیوں کے ــــ چونکہ حکومت یہودیوں کی تھی۔ انہیں ملک پر پورا غلبہ حاصل تھا ــــ اسلئے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔ راہبوں کے اشارے پر کفر کا فتویٰ دیدیا ــــ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دینِ موسوی (توراۃ) کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور غرباً کا ساتھ دیکر ملک میں بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی واقعہ کو قرآن نے اس آیت میں پیش کیا ہے اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو یہ بشارت دیدی کہ یہ کافر (یہودی) آپکو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ جھوٹا مقدمہ آپ پر بنا رہے ہیں اور آپ کو رات دن پریشان کر رہے ہیں۔ میں عنقریب اس کا انتظام کرنے والا ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل قوم کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا۔ لیکن قرآنی آیات کی روشنی میں یہ امر واضح ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کا ایک خاص ارادہ تھا۔ جس میں اصطفائے آل عمران ــــ اور اصطفائے آل عمران سے اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کے منصوبے کی ایک خاص جز نوری پیدائش کا ہونا ظاہر کرنا تھا ــــ اصل مقصد حضرت عیسیٰؑ کی بحیثیت نبی۔ و خلیفہ فی الارض اور خصوصیت خلافت میں بشری حیثیت میں ایک نوری وجود کا پیدا کرنا تھا ــــ اس میں حضرت عیسیٰؑ کے وجودی مرکبِ نوری کو تمام کائنات کے وجودوں پر فضیلت دینی تھی ــــ جسکا مظاہرہ ارادۂ الٰہی کے مطابق ہونا تھا ــــ سو حضرت عیسیٰؑ کیلئے یہ بھی ازل سے مقرر تھا۔ کہ اس نوری وجود سے اور بھی نشانِ قدرت اور خصوصیت خلافت کا مظاہرہ کیا جائے۔ وہ یہ کہ ملائکہ نے اعتراض کیا تھا۔ اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں اس راز کو بھی ظاہر کرنا تھا ــــ کہ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وہ اس پر بھی قادر ہے۔ کہ فِى الْاَرْضِ زمین میں ہی نوری وجود سے نوری مخلوق

پیدا کر کے ان سے تسبیح وحمد وتقدیس کرائے۔ جبکہ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ (یعنی ہم نوری پیکر ہی تسبیح وحمد کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور زمینی مخلوقِ سفلی میں تسبیح وحمد کی صلاحیت نہیں) کے دعوے میں فرشتوں کا اعتراض نوری حیثیت میں ہی تھا ـــــ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ میں نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے یہ بتانا تھا۔ کہ میں اس پر بھی قادر ہوں۔ الارض میں بشر کو نوری حیثیت میں بھی پیدا کروں۔ اسلئے اس قدرت کا بچشم خود نظارہ کرو۔ بس حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا اصل مقصد یہی تھا اور چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی جسمانی طور تمام عالم پر فضیلت دی۔ اسلئے اس فضیلت کے ساتھ رسالت کی فضیلت عطا کر دی۔ کہ ان کا شمار عام خلفاً ارض میں نہ ہو۔ بلکہ ان فضیلت یافتہ اولوالعزم رسولوں میں شمار ہو۔ جنہیں عام انسانوں (خلفاً و نبی ارض) پر فضیلت دی گئی۔ اسکے بعد چونکہ اکثر زمانوں میں انبیاً اور رسولوں کے ساتھ ایسے ہی ہوا ـــــ کہ انکے زمانہ میں بہت کم لوگوں نے انہیں تسلیم کیا۔ مگر انکی وفات کے بعد کثرت سے دین اسلام میں لوگ داخل ہوئے اسلئے حضرت عیسیٰؑ کی رسالت کے متعلق بھی یہی طریق مقرر ہوا۔ کہ آئندہ آنے والی قومیں دینِ عیسوی میں داخل ہوئیں ـــــ

اللہ تعالیٰ نے اپنے منصوبہ کی تکمیل کیلئے۔ ازل سے یہ مقرر کیا تھا۔ کہ جہاں اس پیدائش کو عظیم نشانِ قدرت بنایا۔ وہاں اسکی فضیلت کو بھی عظیم بنادے۔ وہ یہ کہ اس نوری وجود کو نوری ملائکہ کے مقابلہ میں نوری آسمانوں میں جگہ دے۔ تاکہ یہ ثابت ہو۔ کہ یہ ارضی بشر۔ نوری آسمانوں کے ملائکہ کے اس حال میں بھی اشرف الملائکہ اور لائق سجدہ ہوسکتا ہے۔ اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے ازل سے رَفَعَ مقرر کیا تھا۔ اور یہ مقدر ہو چکا تھا۔ سو اسکی تدبیر اللہ نے ایسے ہی کی

وَمَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۵۴) اور یہودی راہب اور حکومت جھوٹا مقدمہ بنا کر حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس سلسلہ میں اللہ نے بھی ایک تدبیر مکمل کرلی تھی ـــــ جیسا کہ یہودی کہتے ہیں۔

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ج وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ

الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًاۚ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۵۷ تا ۱۵۹) اور یہودیوں نے اپنی دانست میں حضرت عیسیٰ کو قتل کر ڈالا۔ اور اب بھی (نزول قرآن کے وقت) وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو ___ اور (میں کہتا ہوں) نہیں قتل کیا اسکو ___ اور نہ صلیب دیا اسکو اور لیکن شبہ میں ڈالا گیا (اللہ کی طرف سے) انکو ___ اور وہ لوگ جنہوں نے قتلِ عیسیٰ علیہ السلام میں (واقع پر) اختلاف کیا ___ البتہ بیچ شک کے ہیں (وہ اس امر میں پُر یقین نہیں) نہیں ہے واسطے اُنکے صحیح علم مگر پیروی کرتے ہیں گمان وظن کا۔ اور نہ قتل کیا اسکو یقیناً ___ بلکہ اٹھا لیا اللہ نے اسکو طرف اپنی اور ہے اللہ اس امر پر غالب قدرت رکھنے والا۔ اور چھپی باتوں کو جاننے والا ___ اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لائیگا۔ ان پر اپنی موت سے پہلے۔ اور دن قیامت کے ہوگا وہ ان پر گواہ۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رَفَع کی بشارت دی تھی۔ اِدھر یہودی اپنے مکر کا جال پھیلا رہے تھے ___ تو اللہ نے کہا۔ اے عیسیٰ یہ لوگ آپ کو پریشان کر رہے ہیں۔ تو میں عنقریب انکی اس پریشانی سے پاک کرونگا (آزاد کرونگا) وہ یہ کہ ان کے بیچ میں سے آپکا وجود معدوم کر دونگا۔ مُتَوَفِّيْكَ۔ کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ اول اسکا حقیقی تصور پایا جائے۔ کہ وفات یا موت کا اصل تصور۔ اصل معنی کیا ہے ___

یہ ارشاد اسوقت ہوا۔ جب حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام بقیدِ حیات تھے۔ کیونکہ خطاب انہیں کی طرف ہے۔ مُتَوَفِّيْكَ سے اگر مراد موت لی جائے۔ تو اِسکے تعین کیلئے وقت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ کہ فلاں موقع پر موت دی جائیگی ___ قرآنی ترتیب بیان میں وفات کا ذکر اول ہے ___ اور رَافِعُكَ کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے ___ اور مُطَهِّرُكَ آخری درجہ پر ہے ___ مُطَهِّرُكَ کے لفظی معنی پاک کرنا ___ ان تینوں کیفیتوں کے تعین پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ اس واقعہ اور بیان میں کافروں سے پاک کرنا ہے ___ جس سے مراد کافروں کی ایذا رسانی اور ستم رسانی سے محفوظ کرنا ہے ___ جیسے عجمی اصطلاح میں "قصہ پاک کرنا" سے مراد ایک کام کو ختم کرنا ہے ___ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک نور سے ہوئی ___ اور قرآن نے مختلف معجزات سے حضرت عیسیٰؑ کے نوری وجود کی دلیل بھی

پیش کی۔ اسلئے حضرت عیسیٰؑ کے وجود کو پاک کرنے کا اس مقام پر تصور ہی مبالغہ ہے۔ لہذا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کے اشارے میں کافروں کی ایذا رسانی کا تصور پایا جاتا ہے۔ جیسا مسلسل تواریخ ـــــ اور قرآنی تواریخ سے ظاہر ہے۔ کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن بن گئے اور انہیں قتل کرنے کے منصوبے بنائے۔ تو اس منصوبے کو خاک میں ملانے کیلئے قصہ ہی پاک کرنے کا انتظام کرنا ہے ـــــ ایسی صورت میں اگر وفات ہی مقصود ہے۔ تو اسی وفات کیلئے یہودی بھی منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اگر پاک کرنا مُطَهِّرُكَ وفات سے ہی ہوا۔ تو اس مُطَهِّرُكَ کی کوئی اہمیت وخصوصیت باقی نہیں رہتی ـــــ جب تک کہ کافروں کے وفات دینے (قتل کرنے) کے منصوبہ کے خلاف واقعات رونما نہ ہوں ـــــ ادھر اللہ تعالیٰ نے انہیں رَفَعَ کرنا ہے ـــــ تو اگر مراتب کا رَفَعَ تصور کیا جائے۔ تو پیدائشی اعتبار سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی ـــــ روحانی رَفَعَ تو حاصل ہو چکا ہے ـــــ اسکے بعد کسی مرتبہ کی برتری کا یہاں تصور نہیں پایا جاتا ـــــ اب تواریخی واقعات کی روشنی میں ان واقعات کی اصل کیفیت کو حاصل کرنا ہے۔ کہ یہودی راہبوں نے یہودی بادشاہ سے مل کر حضرت عیسیٰؑ پر کفر اور بغاوت کا فتویٰ دیکر حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرنے کے وارنٹ حاصل کئے تا کہ انہیں قتل کیا جائے ـــــ سو تاریخ سے ظاہر ہے۔ کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کی تلاش میں شہر میں پھیل گئے۔ ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی کی نشاندہی کر دی۔ کہ آپ ایک مکان میں موجود ہیں ـــــ چنانچہ مخبر کی معیت میں پولیس اس مکان پر پہنچی اور مخبر کو اندر بھیجا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر باہر لائے تو اللہ نے کہا وَمَكَرُوْا مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ انہوں نے مکاری کا جال پھیلایا۔ مگر اللہ نے اپنی تدبیر کی۔ اسکی تدبیر ہر امر پر غالب ہے ـــــ تاریخ نے یہ بتایا۔ کہ اللہ کے مکر نے یہ صورت بنائی۔ وہ اس پر قادر ہے۔ کہ مخبر کی شکل کو حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں تبدیل کر دیا ـــــ مخبر اپنی ذہنی حالت میں خود مخبر ہی تھا۔ مگر شکل میں عیسیٰ ـــــ مخبر نے بہت تلاش کیا مگر حضرت عیسیٰؑ اسے نہ ملے۔ گھبراہٹ میں باہر نکلا تو پولیس نے دیکھا کہ عیسیٰ گھبراہٹ میں نکل کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے گرفتار کر لیا اور کشاں کشاں بازاروں سے پھرا کر عدالت میں لے آئے۔ چونکہ پولیس کا مقصد حل ہو چکا تھا اسلئے مخبر کی نہ ضرورت محسوس کی نہ اسکی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی ـــــ عدالت نے عیسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ اس وقت تمام لوگوں نے بچشم خود دیکھ لیا ـــــ کہ

حضرت عیسیٰ گرفتار ہوئے اور انہیں قتل کا حکم دیا گیا ـــــ اور انکے کاندھے پر صلیب رکھی گئی اور انہیں مقتل میں صلیب دیا گیا۔ اس وقت چند حواری بھی تھے۔ وہ اس منصوبہ الٰہی سے بے خبر تھے۔ انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ کو دیکھا اور صلیب ہوتے بھی دیکھا۔ اسلئے انکے لئے بھی شک کی گنجائش نہ تھی کہ یہ حضرت عیسیٰ نہیں ہیں لہذا۔ یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو قتل و صلیب ہوتے دیکھ کر یقین کرلیا کہ آپ صلیب دیئے گئے ـــــ لیکن یہ وہ زمانہ ہے۔ جب ہیئت (شکل و صورت) بدلتی ہے۔ مگر وجودی خاصیت نہیں بدلتی ـــــ ملائکہ بشری شکل ہو جاتا ہے۔ مگر کہتا ہے اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکَ میں فرشتہ ہوں ـــــ میں فرشتہ ہوں ـــــ یہی حال مخبر کا ہوا ـــــ اسکی شکل بدل گئی مگر ذاتی خاصیت۔ ذہن نہیں بدلا ـــــ اُسنے پکارا۔ میں فلاں ہوں۔ میں مخبر ہوں۔ مگر پولیس کیلئے اسکا کوئی ثبوت نہ تھا جبکہ اسکی شکل عیسیٰؑ کی تھی ـــــ عدالت میں پکارا۔ میں مخبر ہوں۔ مگر دنیا حضرت عیسیٰؑ کو شکل سے پہچانتی تھی۔ جذبۂ انتقام میں کسی ذہن کو یہ فرصت نہ ملی کہ وہ اس کی تحقیق کرے کہ مخبر کہاں ہے۔! اور جب حضرت عیسیٰ کو صلیب دیا گیا۔ تو مخبر کے لواحقین کو مخبر کی تلاش ہوئی۔ اور مخبر کا زمین پر نشان نہ ملا ـــــ تو ضروری تھا کہ انکے دلوں میں شک و شبہ نے جگہ لی۔ لیکن عیسیٰ کی شکل نے اس شبہ کو ظن و گمان میں بدل ڈالا۔ اور وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ہم نے کس کو صلیب دیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی حضرت عیسیٰؑ کا وجود بھی موجود نہ تھا۔ تو آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ کوئی کہتا کہ صلیب دیئے گئے۔ کوئی کہتا کہ مخبر کہاں ہے۔ اگر مخبر صلیب دیا گیا تو حضرت عیسیٰؑ کہاں ہیں۔

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ اور جو اختلاف کرتے ہیں اس معاملہ میں شک و شبہ میں پڑ گئے۔ مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ۔ انہیں علم ہی نہیں کہ آیا یہ کیا معاملہ ہوا۔ اب وہ اپنے اٹکل پچو نظریہ پر ہی یہ کہتے ہیں۔ نہیں جی ہم نے قتل کر دیا ـــــ! تو اللہ اسکی تردید کرتا ہے۔ وَمَا قَتَلُوْهُ یہودی انہیں قتل نہ کر سکے۔ بلکہ ہم نے انکے ساتھ ایک مکر کیا ـــــ اور نصاریٰ عیسیٰؑ بھی دیکھتے تھے ـــــ کہ حضرت عیسیٰ صلیب دیئے گئے۔ وہ بھی دراصل ظن و گمان میں گرفتار ہیں لیکن انکے حضرت عیسیٰ کا وجود بھی انہیں نہیں ملا ـــــ انہوں نے بھی ظن پر ہی حضرت عیسیٰ کو صلیب پر دیکھا لیکن قدرت کاملہ نے اپنا کام انجام دیا ـــــ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا اور انہوں نے یقیناً حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا ـــــ بلکہ واقعات سے صاف ظاہر ہے۔ قرآنی بیان سے صاف ظاہر ہے ـــــ کہ حضرت عیسیٰؑ قتل کیے گئے نہ صلیب دیئے

گئے۔تو تواریخ نے اس واقعہ کے بعد کسی عیسیٰ کے وجود کو پیش نہیں کیا تو رَفَعَ سے مراد سوائے اسکے کچھ نہیں۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اللہ نے خود انہیں اٹھایا اِلَيْهِ اپنی طرف۔اب رَفَعَ سے مراد مرتبہ اعلیٰ ہے۔ اور مرتبہ اعلیٰ اونچائی کی طرف لے جانا ہے۔اونچائی طرف اللہ کے ہے ــــ اور اللہ ــــ اور آسمان کی جہت فَوْقَكُمْ اوپر تمہارے ہے۔تو صاف ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ ۔تو یہ قتل وصلیب کی صاف نفی ہے۔اور اس نفی کو شَبِّهَ سے قوی تقویت ملتی ہے۔اور جب زمین پر وجود موجود نہیں تو رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کہ یہ ارادہ ازلی کا مقرر کردہ منصوبہ ہی تھا کہ اس مخصوص منتخب نوری پیدائش کیلئے اس واقعہ کو بطورِ دلیل پیش کیا جائے۔کہ نوری جسم کو نوری آسمان پر اٹھالیا۔یعنی اس پیدائش کو روحانی مرتبہ سے ماسویٰ بہ اعتبار جسم مرتبہ جسمانی عطا ہوا ــــ اس واقعہ سے یہ ثبوت فراہم کرنا ہے۔کہ حضرت عیسیٰؑ چونکہ نوری وجود ہیں۔یہ وجود۔مادی رزق کا محتاج نہیں ہوسکتا۔اسلئے جب تک اللہ چاہے۔اس جسم کو آسمان میں قائم رکھے ہوئے ہے ــــ رہا یہ سوال کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب دیئے گئے۔قبر میں دفن کئے گئے۔اور تین دن کے بعد زندہ ہوکر آسمان پر چلے گئے ــــ اول یہ کہ ظاہر حالت میں نصاریٰ (جو چند افراد پر مشتمل تھے) نے بھی شبیہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب ہوتے اور دفن ہوتے دیکھا۔لہذا انکی دانست میں یہی کیفیت تھی کہ حقیقتاً حضرت عیسیٰؑ صلیب دیئے گئے ــــ اور آسمان پر جانے کا تصور ویقین حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے ایک نے دلایا جو حضرت عیسیٰؑ کی رسالت پر کامل ایمان لاچکا تھا۔جس نے تین دن بعد یہ بشارت دی کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر چلے گئے ــــ اس تصور میں یہ شبہ شامل تھا۔کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب دیئے گئے۔یا مخبر صلیب ہوا ــــ اور جیسا کہ نصاریٰ یہ منظر دیکھ چکے تھے کہ فی الواقع حضرت عیسیٰؑ ہی صلیب دیئے گئے اسلئے حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کو اسطرح پیش کیا گیا۔کہ فی الواقع حضرت عیسیٰؑ ہی صلیب دیئے گئے ــــ جیسا کہ دیکھنے میں آیا ــــ اور تین دن بعد آسمان پر چلے گئے۔چونکہ اس ظاہر واقعہ صلیب میں جہاں صلیب دینے والے کو حضرت عیسیٰؑ ہی کی شکل میں دیکھا گیا ــــ نصاریٰ مخبر کے مکان میں داخل ہونے پر ہیئت بدلنے کی کیفیت کو سمجھ نہ سکے اسلئے انہیں اس رَفَعَ کا علم نہ ہوسکا جو اللہ تعالیٰ نے ــــ مخبر کی شکل بدلا کر اس مقام پر حضرت عیسیٰؑ کو اسی حال میں آسمان کی طرف اٹھالیا ــــ اسلئے نصاریٰ نے ظاہر حالات کے تابع حضرت

عیسیٰؑ کو صلیب دیا جانے ــــ قبر میں دفن ہونے اور تین دن بعد آسمان پر جانے کا عقیدہ اختیار کیا ــــ

چونکہ نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ نے پیدائشِ ارضی میں دو کیفیتیں مقرر کی ہیں۔ انکا پورا ہونا بھی قانونِ قدرت کے مطابق ضروری ہے۔ انسانی پیدائش کو دو کیفیتوں میں پابند کر دیا۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۲) انسان کے وجود کو حیات سے ظاہر کیا ــــ اور اسکے وجود کو موت سے معدوم کیا ــــ یہی دو کیفیتیں ہیں۔ جن پر انسان کا وجود و عدم منحصر ہے ــــ وَاللّٰہُ اَنْۢبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْھَا وَ یُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا ○ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۱۷۔ ۱۸) وہ اللہ ہے جس نے اگایا تمکو مانند نباتات کے زمین سے پھر اسی طرح تمہیں زمین میں لوٹا دیگا اور پھر نکالیگا قیامت کے دن جسطرح کہ نکالنا مقرر کیا ہے ــــ

ان تمام خصوصیاتِ خلافت و نبوت کا ایک مقصد یہ ہے۔ کہ آزمائے تمکو کہ کون تم میں سے اچھا عمل کرتا ہے اور یہی ایک طریق اول و آخر مقرر ہے۔ کہ انسان کا وجود عدم تھا ــــ مگر وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ اور پانی سے ہر چیز کو متحرک و محسوس بنایا۔ حیات سے مراد متحرک و محسوس بنانا۔ نہ یہ کہ مردہ بے جان سے جاندار بنانا ــــ کیونکہ ایک بے جان وجود جب متحرک نہیں تو اس پر حیات کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اسے زندہ نہیں کہا جاتا۔ کہ اسکی حرکت و عمل ساکت ہو جاتا ہے۔ اور اسکا وجود معدوم کرنے کی فوراً سعی کی جاتی ہے۔ اور گڑھے (قبر) میں ڈالکر اسکا اعادہ مٹی میں کیا جاتا ہے۔ تاکہ اسکا وجود معدوم ہو جائے۔ اس طرح دونوں کیفیتیں حرکت و محسوس ختم ہو کر حیات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایک کیفیت کے متحرک و محسوس ہونے کو حیات سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اور جب زمین پر اسکا وجود باقی نہ رہے تو اسے موت سے تعبیر دیا جاتا ہے [۱] ــــ ایک مقام پر قرآن کریم نے حیات و موت کا ایک ایسا ہی تصور دیا۔

---

[۱] قرآنی آیت پر غور کرنا ضروری ہے۔ کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ میں حقیقی تصور کیا ہے ــــ اسکے متعلق گزشتہ بیان ہو چکا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں وہ تصور پایا جاتا ہے۔ جب زمین پر اشیاً کا وجود موجود نہ تھا ــــ کُلَّ شَیْءٍ سے مراد زمین کی تمام اشیاً ہے۔ جس میں جمادات۔ نباتات۔ حیوانات شامل ہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

(پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۴) اور مت کہو واسطے انکے جو قتل کیے گئے بیچ راہ اللہ کے اموات (مردے) بلکہ حیات (زندہ) ہیں لیکن تم اس زندگی کا شعور سے ادراک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ـــــ یہ امر قانونِ فطرتِ کائنات کے مطابق ہے۔ کہ ایک غیر متحرک جسم پر موت کا اطلاق ہوتا ہے۔ ایک وجود کی حرکت ختم ہونے پر اُسے مردہ کہا جاتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی اسکے معدوم کرنے کیلئے اسکے وجود کو زمین میں گاڑھ کر عدم کیا جاتا ہے ـــــ لیکن جو لوگ طبعی موت سے ماسوئی قتل ہو کر اپنی حرکت کھو بیٹھتے ہیں۔ انکی نوعیت عام اموات سے مختلف ہو جاتی ہے ـــــ موت پر کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔؟ انسان کی ایک روح۔ روح رحمانی اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ یہ عالمِ بالا کی جز ہے۔ دوسری روح۔ روحِ حیوانی یہ ناری وجود ہے۔ جو خاکی وجود کے قریب عالمِ روحانی میں داخل ہوتی ہے۔ اِسے عالمِ برزخ کہا جاتا ہے۔ یہ زمین کے ملحق عالم ہے اسلئے اسکا اعادہ عالمِ برزخ میں ہو کر زمین کے ظاہر سے عدم ہو جاتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے۔ تو ان اشیائے کل کا وجود پہلے ہی موجود تھا ـــــ اور انکی تخلیقی ترکیب سے یہ ظاہر ہوتا ہے ـــــ کہ ہر شے کا وجود ظاہر ہونے سے قبل لطیف ذرات کی شکل میں موجود ہوتا ہے۔ اشیائے زمینی میں ہر شے ایک لطیف ذرے سے ابتدا کرتی ہے۔ اور ہر ذرہ کی محسوس ہیئت پانی کے ذرات سے غذا حاصل کرنے سے بنتی ہے ـــــ یہی کیفیت جب غیر محسوس ذرۂ لطیف (ناری) پانی سے جسم کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے حَیٌّ سے تعبیر دیا ہے۔ جبکہ یہ ذرہ ابتدا میں ایک جان۔ ایک روح کا حامل زندہ وجود محسوس ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بے جان شے میں روح داخل ہونے سے کیفیت کو حَیٌّ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ کوئی مخلوق شے ازل سے ابد تک بے روح بے جان تصور نہیں کی جا سکتی اور ایک شے کی موت پر بھی غور و تحقیق سے کام لیا جائے۔ ایک جاندار وجود کے جسم سے روح الگ ہو کر جسم اگرچہ بے حس و حرکت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس پر موت کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن عمیق نظروں سے دیکھا جائے۔ تو جسم بذات خود اجزائے زمینی میں منتشر ہو کر زندہ ذرات کی شکل میں باقی رہتا ہے۔ صرف اسکی ہیئت معدوم و غیر محسوس ہو جاتی ہے ـــــ اس عدم ہیئت کو اصل موت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ازروئے قرآن بعض ایسے وجودوں کو۔ جنکی روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے۔ ان پر موت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ ایسے جسموں کی وجودی حیثیت ایسی ہوتی ہے۔ جن میں روح حیوانی کے الگ ہونے پر بھی جسمانی ذرات کی زندگی قائم رہتی ہے۔ اور زمینی ذرات میں بوجہ قوی زندگی کے باقی رہتے ہیں۔ باوجود روح الگ ہونے کے انہیں حیات اسوجہ سے کہا جاتا ہے۔ کہ یہ معدوم نہیں ہوتے۔

تیسرے بشری وجود یہ مٹی کا ہے۔اسکا اعادہ زمین (قبر) کی مٹی میں ہو جاتا ہے۔دوروحیں زمین سے عدم ہو جاتی ہیں۔انکی حرکت اور احساس۔محسوس نہیں کیا جاتا۔اسلئے موت میں داخل ہوتی ہیں۔اسی طرح جسم کی حرکت ختم ہوکر وجود مٹی میں مل کر فنا ہو جاتا ہے۔فنا سے اسکی حرکت واحساس ختم ہو جاتا ہے یہ ایک وجود کی موت کہلاتی ہے۔اللہ کی راہ میں قتل ہونے میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے۔کہ انسان کا جسم ایک عظیم سانحہ سے دوچار ہو جاتا ہے ـــــ یہ ایک تزکیہ کا عمل ہے۔جس سے انسانی خون۔جوہر۔اور جسم مزکی ہو جاتا ہے۔مزکی سے مراد اس وجود کی ہیئت جوہری ہو جاتی ہے۔اور جب اسے عدم کرنے کیلئے زمین میں دفن کیا جاتا ہے۔تو زمین کے ذرات اس وجود کو جذب نہیں کر سکتے کیونکہ یہ وجود جوہری حیثیت حاصل کرتا ہے۔اسوجہ سے یہ وجود ذراتِ زمینی کے جذب سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جب تک ذراتِ زمینی وجود کو متاثر نہ کریں۔وجود گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔دوسرے چونکہ یہ وجود جوہری ہوتا ہے۔اسلئے روحانی حیثیت میں تنزل اور گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔چونکہ زمین میں اسکا وجود عدم ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔اسلئے اس پر کلی موت کا اطلاق نہیں ہوتا ـــــ روح ہر وجود کی خواہ طبعی موت واقع ہو۔یا فی سبیل اللہ قتل سے موت واقع ہو۔عالمِ برزخ میں مقام پاتی ہے۔فرق صرف یہ ہے۔عام طبعی موت میں۔انسان کی روح اسکی پاکیزگی کے مطابق مقام پاتی ہے۔یعنی عالمِ برزخ میں ایک پاکیزہ روح کا مقام لطیف اور خوشگوار ماحول میں ہوتا ہے۔اور اپنے عمل کے مطابق اسکی قوتِ کلام۔سمع۔فہم قوی رہتی ہے۔اسلئے یہ روح عالمِ برزخ میں رہ کر عالمِ امکان کا ادراک واحاطہ کر سکتی ہے۔کیونکہ عالمِ برزخ۔اور عالم امکان (ارضی) ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ عالمِ برزخ لطیف عالم ہے۔اسلئے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔اسطرح روح کی حرکت باقی وقائم رہتی ہے۔اسی لئے اسے حیات سے تعبیر دیا جاتا ہے۔لہذا موت ایک وجود کے زمین پر عدم ہونے سے واقع ہوتی ہے۔اسی تصور کے ساتھ حیات اور وفات کا تصور لیا جائے۔تو مُتَوَفِّیکَ سے مراد زمین سے معدوم ہونا تصور لیا جاتا ہے ـــــ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجود نوری کے ساتھ زمین سے اٹھائے گئے اور آسمان میں مقیم ہوئے۔اسلئے زمین پر ان پر عدم ہونے کے لحاظ سے مُتَوَفِّیکَ کا اطلاق ہوتا ہے ـــــ چونکہ ہر وجود کیلئے حیات کے بعد کلی عدم ہونا لازمی ہے۔اسلئے حضرت عیسیٰؑ کے بشری جسم کو اس

حکم میں آکر ایسی ہی موت حاصل کرنا ہے۔ جس میں حرکت ساقط ہوگی مگر زمین میں جسم باقی ومحفوظ رہیگا ـــــ اور چونکہ اس وجود میں روحِ حیوانی نہیں ـــــ کیونکہ روحِ حیوانی نطفہ سے متعلق ہے۔ اور حضرتِ عیسیٰؑ میں زندگی کا محرک ایک نور ہے۔ اسلیئے قبر میں انکا جسم بمنزلہ روحِ حیوانی قوتِ کلام وسمع۔ فہم قوی کا حامل زندہ وجود تصور ہوگا ـــــ یہ آخری موت ارادہ الٰہی کے مطابق عمل میں آیگی۔ یہ موت چونکہ زمین پر واقع ہوتی ہے۔ اور زمین سے نسبت رکھتی ہے۔ اسلیئے وعدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا نزول دوبارہ زمین پر ہونا ضروری ہے۔ اور زمین پر زندگی بسر کرنے کے بعد آخری موت پائینگے۔ لیکن اس اُخروی موت کے بعد آپ کے وجودِ نوری کی وہی حیثیت باقی رہیگی۔ جو نوری وجود کو ہوتی ہے۔

حیات بعد الموت کو سمجھنے کیلیئے ـــــ انسانی وجودی مرکب کی تحقیق وفہم ضروری ہے ـــــ کہ انسان کی ابتدا کب اور کن اجزاء سے ہوئی ہے۔

سِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَا نْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۰) پس گھومو زمین میں۔ تحقیق کرو کہ ایک متحرک ومحسوس بناوٹ کی ابتدا کیسے ہوتی ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ انسان کا وجود تین کیفیتوں سے مرکب ہے ـــــ بشری اعتبار سے انسان ایک روح ـــــ ایک جسم کا مرکب ہے ـــــ یعنی ایک روحِ حیوانی یہ ایک ناری مجسم وجود ہے۔ یہ روح بھی زمین کی پیداوار ہے۔ لیکن زمین کی قوی لطیف قوتوں کا جوہر۔ اسکا تصور قرآن نے خود دیا ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱۴۔۱۵) بناوٹ دی انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے ـــــ اور بنایا جنوں کو آگ کے شعلوں سے۔ گزشتہ بیان ہو چکا ہے۔ "صَلْصَال" زمین کی ناری ہیئت کی کیفیت کا تصور ہے۔ کہ ابتدا میں زمین ناری (سیاروں) وجود کی معلول ہے ـــــ ناری ہیئت کے تصور میں۔ ایک قوی جوہری قوت کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ہر شئےِ مخلوق۔ کثیر تعداد ذراتِ لطیف کا مجموعہ ہوتی ہے۔ مثلاً پانی ایک سیال شئے نظر آتی ہے۔ لیکن اسکی اصل ہیئت لطیف ذرات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ کیفیت خوردبین سے دیکھی جاتی ہے۔ اسی طرح خون ـــــ بھی لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح ٹھوس مادی اشیاء۔ نباتات۔ جمادات وغیرہ کو تحلیل کیا جائے تو یہ اپنی اصلی ہیئت میں لطیف ذرات میں محسوس ہوتے ہیں

ـــ اسی طرح ناری کیفیت میں بجائے خود نار (آگ) بھی ناری لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔ یہ کیفیت خورد بین سے دیکھی جاسکتی ہے ـــ برقی قوت۔ ہوا ـــ گیس ـــ ہر جوہری قوتیں دراصل برقی۔ مادی اور جوہری ذرات کا مجموعہ ہیں ـــ یہ کیفیت تحقیق شدہ ہے۔ کہ اگر ناری یا برقی قوت کا آبی ذرات سے اتصال (ٹکراؤ) ہوجائے۔ تو بھاپ کی شکل اختیار کرجاتے ہیں ـــ بھاپ بجائے خود ایک غبار کی شکل میں محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اس کی اصل برقی یا ناری ذرات اور آبی ذرات کا مجموعہ ہے۔ جب بھاپ کو تحلیل کیا جائے۔ تو برقی ذرات الگ ہوکر برقی فضا میں چلے جاتے ہیں۔ باقی پانی رہ جاتا ہے۔ یہ پانی آبی ذرات کا مجموعہ ہوتا ہے ـــ

اور جب ہم انسانی وجود کا تجزیہ کرتے ہیں۔ تو انسانی جسم زمینی ذرات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جب یہ جسم زمین میں داخل ہوتا ہے۔ تو زمین کے مختلف اجزاء ـــ لوہا۔ سونا۔ چاندی۔ ابرق۔ شنگرف اور دیگر کیمیاوی اجزائے جماداتی میں منتشر ہوکر جذب ہوجاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسانی جسم زمین کے جماداتی ذرات کا مجموعہ ہے ـــ اور انسان کی روح بھی ایک مستقل وجود ہے۔ یہ وجود صلصالی قوت کا جوہر ہے۔ یعنی یہ زمین کی ابتدائی ناری قوت کی جز ہے ـــ یا اس ناری قوت کا ذرہ ہے۔ یہ ذرہ اگرچہ ناری ہے۔ لیکن اس میں زندگی ہے۔ یہ ایک زندہ وجود ہے۔ ناری ہیئت میں مادہ نہیں ـــ مادہ سے مراد ٹھوس جسم ـــ بلکہ لطیف ذرہ ہے۔ ناری اعتبار سے یہ زندہ ذرہ بھی ایک ناری جسم اور ایک روح کا مرکب ہے۔ یہی روح اس ناری وجود کی زندگی کا سبب ہے۔ یہی وہ روح ہے۔ جو انسان کی روح کہلاتی ہے ـــ انسان کی پیدائش ایک ذرۂ لطیف سے سمجھی جائے۔ یا خاک کے پتلے سے۔ تاہم دونوں صورتوں میں انسان ایک روح۔ ایک جسم کا مرکب ہے ـــ بظاہر انسانی پیدائش کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کی ابتداً حماءِ مسنون کے مقام پر ہی ہوتی ہے۔ لیکن انسانی روح۔ اس زمانہ سے قبل کی ہے۔ اسلئے انسانی ابتداً کا اصل تعین حماءِ مسنون پر نہیں ہوتا۔ بلکہ روح کی ابتداً پر ہوتا ہے۔ روح ناری ہے۔ مگر اس کا وجود بذات خود نار سے نہیں۔ بلکہ نار سے بھی ماقبل کے نوری وجود کا معلول ہے۔ اسلئے نوری وجود کی ابتداً بھی فرضی طور ابتداً تصور کی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شے کی بناوٹ میں۔ ایک علت ایک معلول کا ابدی ـــ دائمی نظام چلا آتا ہے۔ اسلئے ہر چیز کی ابتداً ماضی میں مسلسل

گزشتہ زمانہ کی طرف چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ علت و معلول کا سلسلہ ایک ایسی علت پر آ کر رکتا ہے۔ جسکی وسعت پر غور و تصور کیا جائے تو اسکی ابتدا لامحدود کیفیت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسلئے یہی وہ کیفیت و ہیئت ہر شئے مخلوق کی ابتدا سمجھی جاتی ہے ___ اس علتِ لامحدود ہیئت کو اللّٰہ سے موسوم کیا جاتا ہے ___ اور جہاں تک کسی شے کی ابتدا کو پہچانا جائے۔ اسکی پہچان اسی حد تک ہو سکتی ہے۔ جہاں تک اس شے کے وجود مرکب کو احساس میں لایا جا سکتا ہے۔ جیسے انسان کا جسم ___ اسکی ابتدا زمین کی خاکی ہیئت مٹی سے ہوتی ہے۔ اور روح۔ اسکی ابتدا زمین سے ہی ہے۔ لیکن زمین کی ناری ہیئت سے شروع ہوتی ہے۔ اسلئے ظاہراً روح کی ابتدا بھی زمین سے تصور کی جاتی ہے۔ اس سے مادری۔ چونکہ حواس اس وجود کا ادراک نہیں کر سکتے۔ تاوقتیکہ روحانی قوتوں کے ادراک و مشاہدہ کی صلاحیت حاصل نہ ہو ___ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بشری وجود سے قبل بھی انسانی وجود (ناری ہیئت میں) موجود ہوتا ہے ___ اور بشری وجود پر صرف حواس سے محسوس کیا جاتا ہے ___ حواس میں آنے والا وجودِ بشری جسم کہلاتا ہے۔ اور ماقبل کا وجود جو حواس میں نہیں آتا۔ روحِ حیوانی کہلاتا ہے۔ اور تیسری کیفیت روح رحمانی ہے۔ یہ بھی انسانی مرکبِ وجودی میں شامل ہے۔ کیونکہ اسی روحانی وجود سے اسکے حقیقی وجودِ خلیفہ کی تکمیل ہوتی ہے ___ اگر اس وجودِ روحانی کو تسلیم نہ کیا جائے۔ تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کو انسانی حیثیت میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ نیز اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے قرآنی بیان کی رد ہو جاتی ہے ___ یہ روحِ رحمانی وہ روح ہے۔ جو وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ ___ میں انسان میں ودیعت کی جاتی ہے۔ اسکی اصل زمین سے نہیں بلکہ نوری عالم سے ہے۔ اس نوری عالم کا تصور رُوْحِیْ ۱ کے ذکر سے حاصل کیا جاتا ہے۔ کہ اس روح سے انسان مشاہدۂ اسرار الٰہی ___ اور ذات الٰہی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اسلئے یہ روح اس نور کی جز ہے جہاں سے مخلوق کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسلئے یہ تصور بھی یقینی ہے۔ کہ انسان کی ابتدا ازل سے ہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ تینوں کیفیتیں انسان کے بشری وجود کے ظہور سے قبل بھی موجود ہوتی ہیں ___ اسلئے

---

۱ جیسا کہ صفحہ ۹۷ پر روح کے متعلق بیان ہے۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا ○ اس مقام پر روحنا میں نوری قوت (ملائکہ) کا تصور پایا جاتا ہے۔

انسانی وجود میں حیات کا تصور صرف اسکے ظہورِ خاکی کا تصور ہے۔ ورنہ حقیقی حیات میں یہ ہر زمانۂ ماقبل میں موجود ہوتا ہے ـــــ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ انسان ماقبل میں منتشر (الگ الگ) ہوتا ہے۔ یعنی بشری وجود سے پہلے۔ ایک روح رحمانی عالم نورانی میں مخزن (جمع) ہوتی ہے۔ اور روح حیوانی عالمِ ناری میں مخزن ہوتی ہے ـــــ اور جب انسان کا بشری وجود مکمل ہوتا ہے۔ اسوقت یہ تینوں مرکب روح رحمانی ـــــ روح حیوانی ـــــ بشری جسم۔ تینوں یکجا ہو کر انسانی ہیئت کی تکمیل کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ انسانی خاکی پیدائش تینوں وجودوں کے اتصال (یکجا ہونے) کا عمل ہے ـــــ اسکے بعد زمین پر انہیں تینوں وجودوں سے انسانی عمل و فعل سرزد ہوتا ہے ـــــ انسانی عمل میں یہی ایک خصوصیت ہے۔ کہ ان تینوں وجودوں کو اپنی اصلی ہیئت میں قائم رکھ کر انہیں استعمال کیا جائے۔ روح رحمانی سے مشاہدۂ اسماً الٰہی جاری رکھا جائے۔ روح حیوانی سے ان اسرار کی آگاہی حاصل کی جائے ـــــ اور جسم سے ایک وقت مقررہ تک صحت مند حالت میں اپنے عمل کو جاری رکھا جائے ـــــ انسانی زندگی کے مقرر وقت کے زمانہ میں ـــــ انسان دو کیفیتوں سے گزرتا ہے۔ ایک پستی ـــــ دوسرا عروج۔ عروج سے مراد اپنی انسانی ہیئت (روحانی۔ جسمانی) کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھ کر اپنے مقامِ خلافت کی حفاظت کی جائے ـــــ پستی سے مراد یہ کہ اپنے مقصد حقیقی سے ہٹ کر غیر حقیقی کیفیتوں کی طرف توجہ دیکر حقیقی مشاہدہ کی صلاحیتوں کو کھوڈالنا ـــــ یعنی خواہشات نفسانی کے حصول میں فطری حدود سے تجاوز کر کے جسم کو بیمار و کمزور کر دینا۔ جس سے روحانی قوت بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے۔ کہ روح حیوانی میں مشاہدہ کی قوت کم ہو جاتی ہے ـــــ اور روح رحمانی میں پرواز کی صلاحیت کم ہو کر اسرار الٰہی اور ذات الٰہی کی نورانی کیفیتیں حاصل نہیں کر سکتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسانی عمل سے ایک انسان عروج حاصل کر کے اپنی روحانی جسمانی قوت کو علےٰ حالہٖ قائم رکھتا ہے۔ اور دوسرا پستی کی طرف جا کر اپنی قوتوں کو پست کر کے تنزل پزیر ہو جاتا ہے ـــــ یہاں تک کہ انسان کا وقت ختم ہو جاتا ہے ـــــ اسکے بعد۔ جسطرح حیات صرف انسان کے خاکی وجود کے ظہور کا تصور ہے۔ اسی طرح موت اسکے وجود خاکی کے عدم کا تصور ہے۔ معدوم (نابود) ہونے کی صورت میں اسکی تینوں کیفیتیں پھر علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ حیات ان تینوں کیفیتوں کے اتصال سے ہی تعبیر ہے۔ جسم کے ذرات۔ زمین کے کیمیاوی ـــــ جماداتی اجزأ میں اعادہ کرتے ہیں

(لوٹ جاتے ہیں)۔روح چونکہ ناری ہے۔خاکی اجزأ میں نہیں سما سکتی۔اسلئے یہ اپنی ناری قوت میں اعادہ کرتی ہے۔اور روح رحمانی چونکہ نورانی عالم کی جز ہے۔اسلئے اسکا نوری عالم میں داخل ہونا لازمی ہے ـــ اب موت کے بعد انکی قوتیں ـــ خاصیتیں ـــ افعال و اعمال کے اثرات پر انکی آئندہ ہیئتوں کا انحصار ہے ـــ حیات سے پہلے جبکہ انسانی بشری وجود مکمل نہیں ہوتا روح رحمانی ایک نوری عالم میں مخزن (خزانہ میں) ہوتی ہے ـــ اسوقت اسکے ذمہ کوئی عمل نہیں۔اسلئے یہ روح مشاہدہ اسرار سے خالی ہوتی ہے ـــ یا یہ کہ اپنے وجود کے لحاظ سے چونکہ یہ بھی مثل ملائکہ ایک نوری قوت۔سمع۔بصر و فہم کی حامل ہے ـــ اسلئے اسے ازل سے ہی اسماء کلھا کا مشاہدہ ہو۔یہی مشاہدہ لیکر وہ انسان میں داخل ہو کر اسکی خلافت و نبوت کی تکمیل کرتی ہے۔لیکن قرآن نے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں انسانی مشاہدہ کا تعین کر دیا۔کہ آدم میں روحِ رحمانی اسکی بشری ہیئت کی تکمیل پر نفخ کی گئی اور اسکے بعد اسماء کلھا کا مشاہدہ دیا گیا تو ظاہر ہوا۔کہ روحِ رحمانی کو اسکی پیدائش پر اسماء کا مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا ـــ تاوقتیکہ اسے بشری جسم میں نفخ نہ کیا جائے ـــ اسی اساس پر انسان کی نبوت قائم ہوتی ہے ـــ لیکن اس روح کے ذمہ کوئی عمل نہیں۔نہ یہ کسی عمل کے نیک و بد سے متاثر ہوتی ہے ـــ اسی طرح انسانی وجودِ بشری سے قبل روح حیوانی پاکیزہ قوی۔مشاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہے ـــ گویا روح حیوانی قبل از جسم۔چونکہ ایک روحی وجود ہے۔اس میں بھی سمع و بصر و فہم کی قوت پائی جاتی ہے ـــ اسلئے بشری جسم کی ہیئت سے قبل اس میں مشاہدہ کی قوت پائی جاتی ہے۔کہ یہ حواس خمسہ کی محتاج نہیں ـــ لیکن یہ روح مثل روحِ رحمانی اسماء کلھا کا مشاہدہ بذات خود نہیں کر سکتی جب تک کہ بشری جسم کی تکمیل پر اس روح کا روح رحمانی سے اتصال و رابطہ نہ ہو۔یہ اسلئے کہ روحِ رحمانی نوری وجود ہے۔وہ نوری کیفیات کا ادراک کرتی ہے اور روحِ حیوانی ناری وجود ہے۔ناری اعتبار سے بذاتِ خود اس میں نوری کیفیت کا احاطہ کرنے کی استطاعت نہیں۔جب تک کہ بشری تکمیل پر نفخِ روح میں روحِ رحمانی کا روح حیوانی سے اتصال نہ ہو۔

موت کے بعد جب تینوں قوتیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔تو اگر انسان نے اپنی قوتوں کو قائم رکھا تو ان کی خصوصیاتِ مشاہدہ اور روحانی قوت اپنی اصلی حالت میں قائم رہینگی۔روح رحمانی کا مشاہدہ

قائم رہیگا۔روح حیوانی کی قوتِ مشاہدہ قائم رہیگی اور اگر انسان نے اپنی جسمانی قوت کو مزید قوت دی تو یہ وجود بھی ناری ہیئت اختیار کر جاتا ہے۔ پھر یہ قوت زمین کے اجزا میں جذب نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ جسم قائم رہتا ہے۔لیکن ــــ چونکہ اس جسم کی حرکت وعمل روح سے قائم ہے۔روح علیٰحدہ ہوگئی تو جسم کی حرکت ساقط ہو جاتی ہے۔مگر وجودی ہیئت باقی رہتی ہے ــــ بہ الفاظ دیگر ــــ موت سے انسان کی ظہورِ خاکی کی حیثیت (حیات) ختم ہو جاتی ہے۔مگر حقیقی حیات ہر تینوں قوتوں کی قائم رہتی ہے۔اور انسان کی خصوصیات خلافت مشاہدہ وعمل باقی رہتا ہے۔یعنی روح رحمانی اپنے مقام نورانی میں داخل ہو کر اسماء کلھا کا مشاہدہ جاری رکھتی ہے ــــ روح حیوانی چونکہ اب روح رحمانی سے رابطہ واتصال کر چکی ہے۔اسلئے اب اسکا مشاہدہ روحِ رحمانی جاری رہتا ہے۔نیز یہ کہ یہ روح اپنی اصلی حالت میں قائم ہے۔اسلئے اسکی قوتِ سمع۔بصر۔فہم۔کلام بھی باقی رہتا ہے ــــ موت کے بعد اگر فرق ہے۔تو یہ ہے۔کہ زندگی میں یہ بجائے خود جسم میں مشاہدہ وحرکت وعمل کی خود محرک ہے۔صرف جسمانی اعضاً کو متحرک کر کے استعمال کرتی ہے ــــ موت کے بعد چونکہ یہ جسم سے علیٰحدہ ہو جاتی ہے۔اسلئے جسم خود عمل ومشاہدہ سے محروم ہو جاتا ہے ــــ یا یہ کہ روح جسم کو استعمال نہیں کرتی اور جسم ساقط ہو جاتا ہے ــــ ایسا ہونا ارادہٗ الٰہی کے تحت ہے۔کہ موت کے بعد جسم کی حرکت وعمل باقی نہ رہے کیونکہ ازل سے لیکر ابد تک زمین پر انسانی آبادی زندہ حالت میں سما نہیں سکتی۔اسلئے اس تنگ نائے ارض کی تنگیٔ داماں کے باعث یہ مقرر ہوا۔کہ ایک معینہ مدت کے بعد انسانی وجود کو زمین سے نابود کر کے آنے والی مخلوق کیلئے جگہ چھوڑی جائے ــــ اسلئے انسانی پیدائش میں یہ ایک لازمی تقدیر مقرر کی گئی کہ جسم کو غیر متحرک کر کے زمین میں جذب کیا جائے ــــ البتہ ایسے وجودوں کو جنہوں نے تزکیہ سے اپنی قوتوں کو عروج دیا انکی جسمانی ہیئت ناری ہیئت میں بدل جاتی ہے۔اسلئے یہ وجود باقی رہتے ہیں۔مگر مسئلہ یہ باقی رہ جاتا ہے۔کہ اگر ناری ہیئت میں جسم باقی رہ جائے تو وہ زمین پر قائم رہ سکتا ہے۔اس صورت میں بھی ایک وجود کو دائمی حالت میں زمین پر رہنے کی گنجائش نہیں اسلئے اپنی قوتوں کے ساتھ جذبِ زمین نہیں ہوتا بلکہ موجود رہتا ہے ــــ یہ عام انسانوں کی حالت ہے۔جو ہر انسان پر وارد ہوتی ہے۔کہ وہ موت کے بعد بھی ایک قوتِ حیات رکھتا ہے ــــ ایسی حالت میں اسکے افعال موت کے بعد بھی برابر جاری رہتے ہیں ــــ

یعنی مشاہدہ ــــ سمع ۔ بصر۔ فہم ۔ کلام ۔ ارادہ باقی رہتا ہے ۔ یعنی انسانی روح عالم برزخ میں وہی حیثیت رکھتی ہے ۔ جو عالمِ امکان (دنیا) میں ہوتی ہے ــــ البتہ جس انسان نے اپنی قوتوں کو قائم نہ رکھا اور پستی میں چلا گیا ۔ اسکا وجود باقی نہیں رہتا ــــ اسکی روح حیوانی میں قوتِ سمع ۔ بصر ۔ کلام فہم اس حالت میں نہیں رہتی کہ وہ عالم برزخ یا عالم نورانی کا مشاہدہ کر سکے ۔ چونکہ سمع و بصر ۔ کلام و فہم اس کا فطری خاصہ ہے ۔ اسلئے روح حیوانی میں یہ قوتیں باقی رہتی ہیں ۔ مگر بوجہ پستی کے وہ انہیں اسی طرح استعمال نہیں کر سکتی ۔ جس طرح زندگی میں ایک انسان ۔ کمزور نظر ۔ اندھا ۔ گونگا ۔ بہرا اور مجنون ہو جاتا ہے ۔ چونکہ یہ روح لطیف ہے ۔ اور مجسم زندگی ہے ۔ اسلئے یہ ماحول کے اچھے برے اثرات سے متاثر اسی طرح ہوتی ہے ۔ جس طرح ایک مریض انسان حواس نہ ہونے کی صورت میں جسمانی طور ماحول کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے ــــ عام انسان چونکہ بعض ہی اپنی قوت بحال رکھتے ہیں اور بعض نہیں ۔ اسلئے مخلوق میں چند ایسی ہستیاں مخصوص ہو جاتی ہیں جو اپنی زندگی میں محنت و جہد و عمل اور تزکیہ سے اپنی قوتوں کو تازیست بحال رکھ کر موت میں داخل ہو جاتی ہیں ۔ ان لوگوں کو نبوت و خلافت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے ۔ انہیں روح رحمانی سے اسرار الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے ۔ روح رحمانی سے یہ تمام کیفیاتِ نورانی کا مشاہدہ کر لیتے ہیں ۔ اسلئے بعد موت یہ زندہ حالت میں تصور کیۓ جاتے ہیں ۔ چونکہ انہیں مقام خلافت ۔ مقامِ نبوت حاصل ہوتا ہے ۔ انہیں دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے ۔ اسلئے انہیں حیات النبی کہا جاتا ہے ــــ

ان لوگوں میں چونکہ مخصوص ۔ رسولوں کو افضل مقام حاصل ہوتا ہے ۔ اپنے مقامِ رسالت کے اعتبار سے انکا عمل روحانی طور جاری رہتا ہے ۔ یعنی انکی راہنمایانہ صلاحیت و صفت بعد موت بھی باقی رہتی ہے ۔ اسلئے باقی مخلوق کے مقابلہ میں ۔ رسول اور مخصوص نبی (جو رسول کے بعد بغیر کتاب کے راہنمائی کرتے ہیں) اپنی خصوصیت کے اعتبار سے باقی مخلوق سے افضل حیات النبی کہلاتے ہیں ــــ اسی طرح جسقدر انسانؑ کو جسمانی روحانی افضلیت حاصل ہو اسی قدر وہ ہستی باقی انبیاؑ و رسل سے افضل حیات النبی تصور کیۓ جاتے ہیں ۔ جسمانی اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ جسمانی طور بھی (نورانی حیثیت میں) باقی مخلوق سے افضل ہیں ۔ اسلئے چونکہ آپ ایک وسیع زمانہ تک باوجود زمین پر معدوم ہونے کے جسمانی حالت میں باقی ہیں ۔ اسلئے تمام انبیاؑ و رسل میں حضرت عیسیٰؑ ۔ روحانی ۔ جسمانی لحاظ سے سب سے

افضل۔ سب سے اعلےٰ حیات النبی ہیں ـــــ اسکے بعد قرآن نے کسی ایسے وجود کی نشاندہی نہیں کی جسکا وجود حضرت عیسیٰؑ کے وجود سے افضل قرار دیا جا سکتا ہو۔ البتہ سیرت النبی میں سب سے افضل ذاتی صفاتی کمالات کو جاننے کیلئے انسانی پیدائش میں سب سے افضل وجود کی تحقیق میں بَدَاَالْخَلْقَ میں مخلوق میں ابھی تحقیق جاری رکھنی ہے۔ کہ کیا اور کوئی ایسی مخلوق باقی ہے۔ جو تمام مخلوقِ ارضی وسماوی میں افضل قرار دی جائے۔ اسکے لئے ہمیں۔ ابتدائے تخلیق پر دوبارہ نظر کرنی ہے ـــــ اور اس کا جائزہ قرآنی آیات کی روشنی میں لینا ہے۔

قرآن نے ازل میں ایک واقعہ پیش کیا۔ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃًط۔ جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسانی پیدائش سے قبل ملائکہ کا وجود موجود تھا۔ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تخلیق کا سلسلہ قدیمی ہے۔ اور یہ وجود مخلوق ہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ خالق سے ماسوٰی اس مخلوقِ قدیمی کا اجرا کب اور کیسے ہوا۔ تا کہ حقیقی معنوں میں بَدَاَالْخَلْقَ کی تحقیق ہو کر مخلوق کی تمام انواع کو پہچانا جائے۔ کہ اس تمام مخلوق نوری۔ ناری۔ خاکی میں افضل مخلوق کون ہے ـــــ یہ ظاہر ہے۔ خاکی۔ ناری۔ وجود سے افضل نوری وجود ہوتا ہے۔ تو انسان سے افضل وجودی اعتبار سے ملائکہ ہیں۔ اسلئے یہ تحقیق کرنا ضروری ہے۔ کہ ملائکہ کس نور سے پیدا ہوئے لازمی طور وہ نور ملائکہ کے نوری وجود سے افضل قرار دیا جا سکتا ہے ـــــ اسکے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ایک خالق کے وجود سے ہی تحقیق کی ابتدأ کی جائے۔

قرآن نے کائناتِ ارض وسمٰوٰت کی بَدَاَ (ابتدأ) میں ایک عظیم قوت کا تصور پیش کیا ہے۔ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم '' ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۷ آیت ۳) وہ اللہ اول وازل سے ہے۔ وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے۔ وہی باطن ہے۔ اور وہ تمام اشیأ کا علم رکھتا ہے۔ یعنی یہ کائناتِ ارض وسمٰوٰت۔ خالق ومخلوق سے ظاہر ہے ـــــ ایک خالق ہے۔ دوسری مخلوق۔ یہی دو کیفیتیں ہیں۔ جنکا وجود موجود ہے ـــــ اللہ کی ذات خالق ہے۔ اس سے ماسوٰی مخلوق ـــــ ابتدائی تخلیق کی تحقیق میں اول کیا تھا ـــــ ؟ ھُوَالْاَوَّلُ۔ سب سے پہلے اللہ تھا ـــــ یہ وہ زمانہ ہے جب مخلوق کا وجود نہ تھا ـــــ اور صرف اللہ کی ذات موجود تھی ـــــ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد '' کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک

ہے۔اَحَد سے مراد۔کسی کیفیت کا وجود موجود نہیں۔سوائے اللہ کے ___ احد اس حالت میں کہ اسکی وسعت کی کوئی حد نہیں۔اس وسعت کا تصور لفظِ اَللّٰہُ سے ہوتا ہے۔اللہ کے معنی۔کہ اسکی ذات اتنی وسیع ولامحدود ہے۔کہ جب یہ تصور کیا جائے۔وہ کب سے تھا___ کتنا وسیع ہے۔تو اللہ کی ذات میں اسکی ابتدأ کی طرف پرواز کر کے لامحدود زمانہ تک ___ لامحدود وسعت تک پرواز کی جائے۔تو اسکی حد نہیں ملتی۔تو انسان کی عقل حیرت ودرماندگی میں پڑکر بے بس ہو جاتی ہے۔تو زبان سے اللّٰہ کا لفظ نکلتا ہے۔یعنی۔ اللہ کی ذات کی وسعت میں جب انسانی فکر پرواز کرتی ہے۔تو اسکی ابتدأ کو وسیع سمجھ کر جو حیرت و درماندگی کا اثر ذہن پر پڑتا ہے۔تو تعجب میں انسان کے منہ سے اللہ نکلتا ہے۔جس کے معنی حیرت و درماندگی میں ڈالنے والی ذات ___ نہ اسکی ابتدأ کو پایا جاتا ہے۔نہ اسکی انتہا ہے ___ ! یعنی اپنی قوت و وسعت کے اعتبار سے ایک ایسی ہستی جسکے بعد کسی دوسری کیفیت کا وجود قائم نہیں ہوسکتا ___ اسکی ذات سے کوئی مقام خالی نہیں جہاں کسی دوسرے وجود کے سمانے یا موجود ہونے کی گنجائش ہو ___ ماسویٰ اللہ کے کسی دوسرے وجود کا پایا جانا قطعی ناممکن ہے ___ یہ اَللّٰہُ اَحَدْ' کا تصور ہے۔اور ابتدأ میں یہی ایک ذات تھی۔جبکہ اسکے مقابل کسی دوسری شے کا وجود موجود نہ تھا ___ اب مشاہدے سے بھی یہ ظاہر ہے۔ کہ اللہ کے سِوا ایک دوسری کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔جسے مخلوق کے نام سے پکارا جاتا ہے ___ اسکے سوا۔اسکا اور کوئی تصور نہیں ہوسکتا ___ کیونکہ اللہ احد ہونے کی صورت میں اس مخلوقی وجود کا بجائے خود ایک مستقل وجود ہونا ___ اللہ کی ذات کے مقابلہ میں ناممکن ہے ___ اسلئے مخلوقی حیثیت میں اگر کوئی وجود موجود ہے۔تو وہ ھُوَ الْاٰخِرُ ۔وہ دوسرا وجود بھی اللہ ہی ہے۔یعنی اول زمانہ میں جب کچھ نہ تھا۔تو وہی تھا۔اب دوسرے زمانہ میں بھی وہی ہے ___ ھُوَ الظَّاھِرُ۔اللہ کی ذات ایک لامحدود نور ہے ___ نوری اعتبار سے وہ دیکھنے میں نہیں آتا ___

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ۔اس اللہ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا ___

وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ وہ لطیف (نور) ہے۔اور ہر کیفیت کو جانتا ہے۔اسلئے اس ذات میں قوت سمع و قوت بصر قوت فہم بھی ہے۔

ھُوَ الْبَاطِنُ۔وہ ذات چونکہ نورِ لاانتہا۔نورِ عظیم ہے۔اس لئے اسکا وجود غیر محسوس ہے ___

سوال یہ ہے۔ کہ جب وہ اللہ ایک قدیمی ازل اور واحد نور ہے۔ تو یہ مخلوقی وجود ماسوٰی اللہ کیسے ظاہر ہوا جبکہ اللہ کی واحدیت میں اس مخلوق کیلئے نہ کوئی مقام ہی پایا جا سکتا ہے۔ نہ اس مخلوق کیلئے ___ کوئی غیر وجود پایا جا سکتا ہے۔ جس سے مخلوق کا وجود بنایا جائے ___ ادھر اللہ نے کہا ھُوَ الْاٰخِرُ۔ دوسرا وجود بھی وہ خود ہے ___ اگر وہ خود ہے ___ تو اسکی نوری ہیئت قائم رہنی چاہیے۔ اسکی شکل وصورت میں تبدیلی نہیں آنی چاہیے۔ دوسرے وہ اَللَّطِیْفُ ہے۔ وہ نور ہے۔ مخلوق میں محسوس کیفیتیں بھی پائی جاتی ہیں ___ تو مخلوقی کیفیت بھی نوری ہونی چاہیے۔ تاکہ اللہ کی نوری حیثیت برقرار رہے۔ تیسرے یہ کہ مخلوقی کیفیتیں مستقل نہیں ہیئت تبدیل کرتی ہیں۔ ایسی غیر مستقل ہیئتیں ھُوَ الْاٰخِرُ (اللہ) نہیں ہو سکتی ہیں ___! مزید براں اگر یہ کیفیتیں غیر اللہ ہیں۔ تو انکا وجود کہاں سے آیا ___ اور اللہ کی احدیت میں وہ کونسی جگہ خالی ہے۔ جہاں مخلوق کو سمانے کی گنجائش ملی ؟ ___ اگر مخلوق اللہ کی ذات سے علیحدہ مقام پر قائم ہے۔ تو یہ اللہ کی حد تصور ہوگی۔ جس سے اسکی واحدیت ولامحدودیت میں نقص واقع ہوگا ___

اس سوال کے جواب میں۔ ابتدائی پیدائش کی تحقیق کو ہی موضوعِ بحث رکھ کر تجزیہ کرینگے۔ اسکے لئے ھُوَ الْاَوَّلُ کے تصور سے ہی ابتدأ کی جائیگی ___ یعنی جب ہم اپنے تصورات میں ایک تخلیق کی ابتدأ کیلئے تفکر کریں۔ تو ہمارے لئے ایک آسان راہ پیدا ہوتی ہے۔ کہ جب ایک زمانہ میں صرف اللہ کی ذات ہی پائی جاتی تھی ___ اور اس لامحدود نور کے مقابلہ میں کوئی دوسری کیفیت موجود نہ تھی۔ اور نہ ہی ایسا کوئی مقام تھا جہاں احد کا وجود نہ ہو ___ تو اللہ نے بَدِیْعُ (ابتدأ کرنے والا مخلوق کا) کی حیثیت سے ارادہ کیا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ "فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں ___ تو اس ارادہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مخلوق بنانے سے پہلے یہ امر اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں تھا کہ وہ صرف اسی ارادے کی تکمیل کا آغاز (ابتدأ) کرے۔ اسکے سوا ارادۂ ازلی میں کسی اور کیفیت کیلئے مقصدِ خاص نہیں تھا ___ چونکہ اس ارادے میں ماسوا اللہ کے ایک دوسری کیفیت کا تصور تھا ___ اسلئے اللہ تعالیٰ نے زمین اور خلیفہ بنانے کیلئے ___ ایک خصوصی تخلیقی ترکیب کا آغاز کیا ___ جو ارض اور خلیفہ کی تخلیق سے نہ تھی ___ کیونکہ ارض اور خَلِیْفَه تخلیق کی آخری شکل ہے۔ اس سے پیشتر نورانی مخلوق کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے اس بیان وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ کی آیت میں ملائکہ کا وجود قبل از تخلیق ارض ظاہر ہوتا ہے ___

چونکہ اللہ سے ماسوئی دوسری تخلیق کا وجود غیر اللہ کی صفت میں ہی ہوسکتا ہے۔تو ضروری ہے۔کہ اللہ کو پہلے ایک غیر اللہ وجود مخلوق کرنا پڑے۔تو اسکی صورت سوائے اسکے کچھ نہیں ہوسکتی کہ اللہ اپنے ہی نورِ لامحدود سے ایک محدود نور مخلوق کرے۔اس حال میں کہ ماسوئی اللہ نورِ الٰہی مخلوق کیلئے مواد میسر آنا ممکن نہیں۔سو اللہ نے ارادہ کیا کہ مخلوق بنے تو ''ارادہ کیا'' اور حکم دیا'' کُنْ'' ۔

اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ۔جب اللہ تعالیٰ کسی کیفیت کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کیفیت کیلئے حکم دیتا ہے۔تو وہ ہو جاتی ہے ــــ تو اِس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ کے نور میں ایک نور نقطہ کی شکل بنا ــــ تخلیق کا تقاضا ہے۔کہ اسکے لئے غیر اللہ وجود ثابت ہو۔ورنہ اگر اللہ اپنی ذاتِ لا محدود سے ہی ہر وجود بنائے۔تو اُس وجود کی حیثیت بھی لامحدود رہتی۔تو لامحدود حیثیت میں وہ وجود اللہ ہی کی صفت میں رہ سکتا ہے۔اُسے مخلوق نہیں کہا جا سکتا۔دوسرے مخلوق کی حیثیت لامحدود نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ اس میں فنا (تبدیلئے ہیئت) اور محدودیت کا اثر نہ ہو ــــ اسلئے ضروری ہوا۔کہ کُنْ سے ایک مخلوق ومحدود نور ہو۔کہ جب چاہا اسکی مخلوقی ہیئت مٹا کر اصل میں جذب کر دیا ــــ اس مخلوقی نور کی حیثیت ذاتِ الٰہی کے نور میں نقطہ کی ہے۔جیسے دائرہ میں مرکز ایک نقطہ سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ نقطہ محدود ہے۔اور دائرہ کی وسعت وحیثیت میں واحدیت و وسعت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا ــــ یہی وہ ابتدائی نور ہے۔جو مخلوق بھی ہے لیکن اللہ کی ذات میں اسکی وسعت بھی عظیم ہے۔کہ اسکی حیثیت اپنی وسعت کے اعتبار سے لامحدود تصور میں آتی ہے۔لہٰذا۔اللہ خود اس نور کی علت بنا اور یہ نور معلول بنا ــــ ایک علت لامحدود کی تعریف بھی یہی ہے۔کہ اسکا معلول اپنی وسعت میں لامحدود کا درجہ رکھتا ہو۔اس نور کو نورِ ابتدائی کہا جاتا ہے۔جہاں سے تخلیق کی ابتدأ ہوتی ہے اور سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَالْخَلْقَ (پھرو زمین پر اور دیکھو خلق کی ابتدأ کیسے ہوئی) ــــ میں اسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ جو ہر مخلوق کا منبع ومبدع ہے۔اسی نورِ ابتدائی سے آئندہ مخلوق کا مخلوقی وجود غیر اللہ ہوسکتا ہے۔کہ بنیادی طور پر یہ نور بھی ذاتِ الٰہی کا نور ہی ہے۔اور اب اس مخلوق کیلئے۔نہ کسی غیر کیفیت سے مواد حاصل کرنے کی ضرورت رہی۔نہ کسی مقام کی ضرورت رہی جہاں غیر اللہ وجود کا وجود سمانے کی ضرورت ہو۔ اب اس مقام پر حکمِ کُنْ کو سمجھنا ضروری ہے۔کہ ارادہ ازلی میں اَرْض اور خَلِیْفَه کا تصور ہے ــــ لیکن

اولاً کُن کا حکم نورِ ابتدائی کیلئے استعمال ہوا ___ اس سے معلوم ہوا۔ یہ کُن کا حکم نورِ ابتدائی کیلئے نہیں۔ بلکہ ارض اور خلیفہ کیلئے استعمال ہوا ___ بہ الفاظِ دیگر۔ ارض اور خلیفہ کی تخلیق کے ارادے میں نورِ ابتدائی پیدا کیا گیا ہے ___ جس میں ارض اور خلیفہ کا وجود سمایا ہے ___ نور ابتدائی کے پیدا کرنے سے ہی ارض اور خلیفہ پیدا ہونگے ___ اور چونکہ یہ ابتدائی ترکیب علت و معلول کی ترتیب سے عمل میں آئی اسلئے آئندہ تخلیقوں میں بھی علت و معلول (سبب اور مسبب) کا طریق استعمال ہوگا ___ چونکہ ابتدائی وجود ایک عظیم نور ہے۔ لہذا اس وجود کے معلول بھی نوری ہونگے ___ اسلئے یہ تصور ہمیں آسانی سے حاصل ہوتا ہے۔ کہ ایک نورِ ابتدائی ہی آئندہ تمام مخلوقات کی واحد علت ہے۔ جس سے تمام مخلوق معلول کی حیثیت سے پیدا ہوگی ___ سو اسکی ترکیب یہ ہے۔ کہ جسطرح نور الٰہی میں نور ابتدائی معلول۔ مرکز اور نقطہ کی حیثیت سے پیدا ہوا ___ اسی طرح نور ابتدائی کی علت سے اسکا معلول ___ مرکز اور نقطہ کی حیثیت سے پیدا ہوگا۔ جیسا نورِ ابتدائی کی ___ ابتدائی ہیئت وسیع ہے۔ اسی طرح ابتدأ میں نورِ ابتدائی کے معلول کی حیثیت بھی وسیع ہوگی ___ نور الٰہی ایک عظیم نور ہے ___ عظیم نور سے مراد ___ نور ایک عظیم روشن قوت ہے ___ وسعت کے اعتبار سے ___ اسکا عرض (لمبائی ۔ چوڑائی) لامحدود ہے ___ نوری اعتبار سے اس میں قوی تمازت (تپش) پائی جاتی ہے۔ لہذا نور کا یہی تصور ہے۔ کہ نور ایک روشن ___ وسیع اور تپش رکھنے والی قوت ہے ___ اسلئے نور ابتدائی بھی ایک عظیم نور ___ وسیع اور تپش رکھنے والی قوت ہے۔ اسکے معلول میں بھی یہی صفت پائی جاتی ہے۔ کہ جہاں تک ان قوتوں میں نورانیت پائی جاتی ہے۔ ان میں عظیم وسعت اور تپش پائی جاتی ہے۔ لیکن۔ جیسا کہ نور الٰہی کے مقابلہ میں نورِ ابتدائی کی حیثیت کم ہوگی۔ اسی طرح نور ابتدائی کے مقابلہ میں اسکے معلول کی حیثیت کم ہوگی ___ جسطرح نور الٰہی میں ایک ہی نورِ ابتدائی کی تخلیق ہوئی اسی طرح نور ابتدائی میں بھی ایک ہی نور مرکز میں معلول ہوگا۔

دوسرے یہ کہ جس طرح نور الٰہی میں نور ابتدائی مخلوق ہونے کے بعد ___ نورِ الٰہی کا وجود باقی رہتا ہے۔ منتشر نہیں ہوتا ___ اسی طرح نور ابتدائی میں نور ثانی (معلول) مخلوق ہونے کے بعد نورِ ابتدائی کا وجود باقی رہیگا ___ ہر معلول کی حیثیت مرکز کی ہوگی اور ہر علت اپنے معلول پر ہر جہت سے اسی طرح احاطہ کئے ہوگی جسطرح دائرہ مرکز پر احاطہ کئے ہے ___ آئندہ تخلیق میں ہر معلول علت کی حیثیت اختیار کر

کے اپنے مرکز میں ایک معلول پیدا ہوگا ــــ یہ سلسلہ اسوقت تک علت و معلول۔ مرکز کی صورت میں جاری رہیگا۔ جب تک اس نوری قوت میں معلول پیدا کرنے کی قوت پائی جائیگی ــــ اور اسی طرح نور ابتدائی سے معلول در معلول نوری وجود تخلیق ہوتے رہے۔ ان تخلیقوں کا بہ اعتبارِ وجود کوئی نام نہیں دیا جاتا ــــ سوائے عالم باطن۔ یا عالم نورانی ــــ یا عالمِ بالا کے ــــ چونکہ یہ قوتیں حواس و عقل کے احاطہ میں نہیں آتی ہیں۔ انکا وجود نورانی ہے ــــ اور غیر محسوس ہے۔ اسلئے انہی قوتوں کو عالمِ باطن سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ هُوَ الْبَاطِنُ ــــ وہ باطن ہے ــــ یہاں ایک تصور ذاتِ الٰہی کا پایا جاتا ہے ــــ کہ باطن میں بھی وہی ــــ اسی کا نور ہے۔ یعنی عالمِ باطن بھی اسی کے نور سے بنا ہے۔ تخلیقی ترتیب میں عالمِ باطن چونکہ مخلوق ہے۔ اسلئے نورِ ابتدائی کے مخلوقی نور سے ہی انکا وجود ہے لیکن بنیادی طور ــــ نورِ ابتدائی میں نورِ الٰہی کا نور ہی بنیادی وجود ہے۔ اسلئے هُوَ الْبَاطِنُ کو اسی تصور کے ساتھ پیش کیا گیا ــــ اسی طرح عالم باطن کی تخلیق علت در علت۔ معلول در معلول ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ کیفیتوں کے اسمأ (نام) قرآن میں بیان کیئے گے۔ قرآن نے عالمِ بالا کے مقامات میں ایک مقام کو سدرۃ المنتھیٰ کے نام سے ظاہر کیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں نوری عالموں کی تخلیق ہو کر نوری تخلیق باطن میں شمار ہوتی ہے ــــ اور انکا کوئی تصور حواس عقل سے حاصل نہیں کیا جاسکتا ــــ سدرۃ المنتہیٰ کے بعد عرش کا تصور دیا گیا ــــ عرش میں ایک تخت کا تصور دیا گیا ــــ یہ متشابہات سے ہے۔ جیسے قرآن نے نزولِ قرآن کی غایت میں وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ" ہے یعنی قرآن نے متشابہات کیفیات کا بھی ذکر کیا ہے ــــ جیسے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ وہ رحمٰن تخت پر متمکن ہے۔ یہ عرش عربی اصطلاح قریش کی زبان کا تصور ہے۔ یعنی ایک اونچا مقام ــــ عوام کے مقابلہ میں ــــ خاص کیلئے اونچا مقام ــــ اس مقام کیلئے جگہ کا تعین اور خاص ترتیب دی جاتی ہے۔ تاکہ عام مقام کے مقابلہ میں خاص مقام کی فوقیت اور تخصیص ظاہر ہو ــــ یہ متشابہات اسلئے ہے۔ کہ انسانی مخلوق میں ایک برگزیدہ ہستی کو اسکی عظمت کے اعتبار سے ایک اونچا مقام حاصل ہوتا ہے ــــ تاکہ عوام اور خاص کی فضیلت و برتری۔ اور قوت و وسعت کی تخصیص اور تمیز ہو ــــ یہی تصور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں ہے۔ کہ مخلوقی تخت کے تصور میں ہی اللہ کی الٰہیت و برتری کا تصور آسانی سے حاصل کیا جائے ــــ متشابہات اسلئے۔ کہ مخلوق کے تخت (عرش) میں

محدودیت کا تصور ہے۔ یعنی ایک بزرگ و برتر ہستی تخت میں سما جاتی ہے۔ تخت اس ہستی کے مقابلہ میں اتنا وسیع ہوتا ہے۔ جس میں وہ ہستی سما جاتی ہے۔ تخت پر بیٹھنے میں کسی ہستی کی شخصیت کی بزرگی کیلئے تخت کو زینت دی جاتی ہے۔ تا کہ اس زینت سے تخت پر بیٹھنے والے کی شخصیت ظاہر ہو ــــ یہ دراصل ایک بزرگ کی بزرگی ہے۔ جسکی بڑائی کی جاتی ہے۔ اور تخت کی زینت سے اسکے مقامِ ارفع کا مظاہرہ ہوتا ہے ــــ اسکا مطلب یہ ہوا۔ کہ عرش یا اسکی زینت سے مراد مقامِ ارفع ہے۔ جو ایک بزرگ و برتر ہستی کیلئے واجب ہوتا ہے ــــ

وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ۔ اور اس (اللہ) کا تخت پانی پر تھا ــــ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور اقتدار و قوت کا تصور دیا گیا ہے۔ یہاں بھی عرش کے لفظ عربی ــــ قریشیُ الاصطلاح میں انسانی تصورِ عرش کے مطابق تصور دیا گیا ہے۔ جس میں اگرچہ تصور وہی ہے۔ کہ ایک وجود تخت میں سمایا ہے۔ لیکن متشابہات کیفیت کی صورت میں یہاں تخت کا سمانا تصور میں نہیں آتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ لامحدود کسی تخت میں سمانے سے منزّہ اور پاک ہے۔ اسکی ذات کسی مخلوق میں سمانے سے پاک ہونے کی صورت میں ایسا تصور نہیں ہونا چاہیے۔ جس تصور سے اللہ کی واحدیت اور لامحدودیت میں فرق ہو۔ لیکن ایسی کیفیتوں کو متشابہ کے زمرہ میں لانے سے تصور واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہاں تخت سے مراد وہ تخت نہیں جس میں سمایا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی لامحدودیت کے تصور میں اسکی برتری و قوت اور قدرت کا تصور آ جاتا ہے۔ کہ وہ ذات اعلیٰ ہے اس کا مقام ارفع ہے ــــ یہی تصور عرش کا ہے۔ کہ یہ ایک نورانی مقام ہے۔ جو سدرۃ المنتہیٰ کے بعد سلسلہ کے ساتھ ایک نوری وجود کا معلول ہے۔ یہاں تک جو نوری مقامات عالمِ بالا کے ہیں ان مقامات کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا نہ ان کے ظاہری [1] نام ہیں۔ نہ انسانی ذہن میں ایسا کوئی تصور ظاہری ہے جس تصور کے مطابق ان عالمِ بالا کی قوتوں کا کوئی تشبیہی تصور دیا جائے۔ یہ تمام عالم اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے زیرِ نگیں۔ اور زیرِ حکم تابع مخلوق ہیں ــــ

---

[1] البتہ جن لوگوں کو عِلْمُ الْاَسْمَآء کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ انہیں عالمِ بالا کی کیفیتوں کی ہیئت اور انکے نام بھی معلوم ہوتے ہیں۔

عرش کے بعد کرسی کا تصور قرآن میں دیا گیا۔

وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ احاطہ کیا ہے اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو۔ اس آیت میں ایک تخلیقی ترتیب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس سے مخلوق کی تخلیقی ترتیب کا تصور حاصل ہوتا ہے یعنی اسکی کرسی ایک نوری عالم ہے۔ اس کے مرکز میں نقطہ کی حیثیت میں آسمان اور زمین ہیں۔ اور کرسی نے آسمانوں اور زمین پر دائرہ کی حیثیت میں احاطہ کیا ہے ـــ کرسی کا تصور بھی انسانی تصور کے مطابق دیا گیا ہے۔ کرسی سے مراد وہ بنیاد ہے۔ جس پر تعمیر کھڑی کی جاتی ہے ـــ یعنی کرسی نورانی عالم کی تعمیر میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ کرسی سے اوپر خالص نوری عالم ہیں ـــ جو اپنی نورانی قوت۔ نوری (روشنی) وسعت اور تمازت میں خالص ہیں کُرْسِیُّهُ ۔ اُسکی کرسی سے مراد یہ تمام عالم اللہ کی ملک اور حکومت کے زیر نگین ہے۔ جہاں سوائے اللہ کی حکومت کے کسی اور کی حکومت نہیں۔

کرسی کے بعد سمٰوٰت کا تصور دیا گیا ہے۔ آسمان کا تصور قرآن میں عام دیا گیا ہے۔ آسمان سے مراد نوری عالم ہی ہے۔ اور آسمان میں بھی تخلیقی ترکیب کا تصور حاصل ہوتا ہے۔ آسمان میں چکی کا تصور پایا جاتا ہے ـــ یعنی دائرہ کی مانند ایک نوری مقام جو ہر جہت سے گول دائرہ کی مانند ہے ـــ تاکہ یہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ کہ عالمِ بالا کی تخلیق میں ہر علتِ نوری دائرہ کی مانند ہے۔ اور ہر معلول مرکز کی حیثیت سے علت میں واقع ہے ـــ اور سمٰوٰت میں جمع کا تصور (صیغہ) ہے۔ اسلئے کرسی کے بعد اب ایک علت میں جو بھی معلول ہوگا وہ آسمان کے نام سے ہی منسوب ہوگا اسلئے اسکی تفصیل سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۔ سات آسمان طبقوں کی شکل میں دی گئی۔ ایک دوسرے کے اوپر ـــ سات آسمانوں کی تخلیقی ترکیب میں بھی یہی ترتیب ہے کہ کرسی کے بعد ایک نوری عالم ہے اسے انسانی تصور میں ساتواں آسمان کہا جاتا ہے ـــ تخلیقی اعتبار سے یہ پہلا آسمان ہے ـــ چونکہ تحقیق و مشاہدہ میں زمین سے آسمانوں کی طرف جانے میں ساتواں آسمان (آخری آسمان) اول آتا ہے۔ اسلئے تخلیقی ترکیب میں ساتویں آسمان کو آسمان اول کہا جاتا ہے۔ اور پہلے آسمان کو ساتواں آسمان کہا جاتا ہے ـــ ان آسمانوں کی تخلیقی ترتیب یہ ہے کہ ساتویں آسمان کو پہلا آسمان تصور کر کے اسکے مرکز میں ایک آسمان معلول ہوا۔ تخلیقی ترکیب میں یہ دوسرا آسمان ہے۔ لیکن تحقیقی ترتیب میں یہ چھٹا (ششم) آسمان کہلاتا ہے۔ اسی طرح چھٹے آسمان نے

علت کی حیثیت اختیار کی اسکے مرکز میں ایک آسمان معلول ہوا۔ یہ پانچواں آسمان ہے ــــ پانچویں میں چوتھا آسمان۔ چوتھے میں تیسرا آسمان ــــ تیسرے میں دوسرا آسمان اور دوسرے میں آسمان اول مخلوق ہوا۔ یہ آسمان بھی ایک نوری وجود ہے۔ نوری فضا ہے ــــ اول ابتدائی پیدائش میں یہ آسمان مثل دوسرے آسمانوں کے ایک نوری وجود تھا ــــ نورِ ابتدائی سے لیکر آسمانِ اول تک تمام عالم نوری وجود رکھتے ہیں۔ آسمانِ اول نوری وجود کی آخری تخلیقی قوت ہے۔ اسکے بعد اس آخری نوری قوت میں دوسری نوری قوت معلول ہونے کی قوت نہیں کہ اسکے بعد دوسرا آسمان اس آسمانِ اول سے بنے۔ اسلئے آخری قوتِ نوری جو نورِ ابتدائی سے بنی آسمان اول آخری نوری قوت ہے۔ اولاً اس آسمان کو ایک نوری فضا کے تصور میں پایا جاتا ہے۔ جسکا نام آسمانِ اول ــــ یا آسمانِ دنیا کہا جاتا ہے ــــ اسکے بعد سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان کے بعد براہ راست ارض ــــ زمین کا تصور آتا ہے۔ حالانکہ ــــ ارض کے ساتھ فضا میں لاتعداد سیارے بھی موجود ہیں ــــ جنہیں "کَوَاکِبْ" کہا گیا ہے ــــ

قرآن نے آسمانوں کے بعد اسلئے صرف اَرْض کا تصور دیا۔ کہ یہ تمام بیان کردہ کیفیتیں ازلی ارادہ میں شامل نہیں۔ سوائے اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے ــــ یہ کیفیتیں ایسی حیثیت میں ہیں۔ جیسے ایک میوے کے ارادے میں اول تصور بیج کا ہے ــــ جس پر میوے کا انحصار ہے ــــ یا جس سے میوے کا وجود پیدا ہوسکتا ہے۔ یا یہ کہ میوے کی پیدائش کیلئے ایک بیج کا وجود پیدا کیا گیا جس میں میوے کا وجود سمایا ہے۔ اگر بیج میں میوے کا وجود نہ سمایا ہو تو میوہ پیدا ہونہیں سکتا ــــ بیج سے میوے کا وجود کئی وجودوں سے منتقل ہوکر میوے کے مقام پر آکر میوہ (پھل) پیدا ہوتا ہے۔ گویا پھل بیج کا ہی معلول ہے۔ مگر اسکے انتقال میں یہ پودے۔ تنے۔ شاخوں۔ پتوں (کونپلوں) پھول سے گزر کر آخری مرحلہ پر پھل کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور صورت یہ کہ وہی بیج جو اسکا بنیادی وجود ہے۔ میوے کے سینے میں پھر بیج کی شکل میں موجود ہوتا ہے۔ چونکہ ارادۂ ازلی میں اصل مقصد ارض ہی کا ہے۔ اسلئے باقی سیاروں کا ذکر آسمان کے ساتھ نہیں۔ یہی صورت تخلیق کائنات کی ہے۔ کہ نورِ ابتدائی "ارضِ خلیفه" کے میوے کا بیج ہے۔ اور باقی عالم بالا کی نوری قوتیں۔ درخت۔ پتوں۔ پھولوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ درخت۔ پتوں۔ پھولوں کی حیثیت میوے کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا ــــ

کہ اگر ارضِ خلیفہ کی پیدائش کا مقصد ارادہ ازلی میں نہ ہوتا تو ان باقی کیفیتوں کی نہ اہمیت ہے۔نہ انکے بنانے کی ضرورت پڑتی۔

آسمان اول تک نوری قوت ختم ہو جاتی ہے۔اسکے بعد آسمانِ اول میں کسی نوری وجود کے پیدا ہونے کی قوت باقی نہیں۔لیکن ــــ چونکہ ارض اور خلیفہ بنانا مقصود ہے۔سوارض کے تصور میں ایک سفلی (خاکی) قوت کا تصور ہے ــــ نوری قوت سے نوری وجود بنتا ہے۔سفلی قوت نہیں بن سکتی۔ اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ۔کیا تو اس زمین میں ایسی مخلوق بنانے کا ارادہ رکھتا ہے جو سفلی اور خاکی پیداوار ہے۔کیونکہ ارض کے تصور میں۔سفلیت کا ہی تصور ہے۔ملائکہ نے ارض کا نام سن کر یہ تصور پالیا۔کہ ارض نوری قوتوں کی انتہائی پست اور تنزلی کیفیت ہے۔جسکا خاصہ سفلیت کے سوا کچھ نہیں سو ارض کی پیداوار میں اپنی سفلی پیدائش کے اعتبار سے فساد و خونریزی ہے ــــ

سفلی وجود کے پیدا ہونے میں ــــ جسطرح ذات الٰہی کے لامحدود نور میں مخلوق نہیں بن سکتی اس طرح نور سے سوائے نور کے سفلی کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی۔آخری درجہ نور جب تقسیم ہو تو اُس سے نار پیدا ہوسکتی ہے چونکہ آئندہ پیدائش میں نور سے نور پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔اسلئے نور تنزل پذیر ہو کر نار کی ہیئت میں تقسیم ہوگا ــــ سو آسمان اول کے بعد۔اسکے مرکز میں کیفیت ناری پیدا ہوئی یہ ناری فضا ہے۔اس ناری فضا نے سیاروں ستاروں کی شکل اختیار کی۔یہی ناری ہیئتیں سیارے ستارے یا کواکب کہلاتے ہیں ــــ کواکب اسلئے کہ ان کیفیتوں کو بھی انسانی تصورات کے مطابق بتایا گیا۔کہ یہ کیفیتیں عقلی مشاہدے میں آتی ہیں ــــ انکی ہیئتیں چراغوں کی طرح نظر آتی ہیں ــــ ان سیاروں میں خاکی ہیئت کا تصور نہیں ــــ بلکہ یہ سب سیارے ناری وجود رکھتے ہیں ــــ ان سیاروں میں ایک ناری سیارہ ایسا بھی ہے جو آسمان اول کے مرکز میں واقع ہے۔اس سیارے کا نام زمین اَلۡاَرض ہے۔باقی سیاروں کے نام شمس۔قمر۔مشتری۔زہرہ۔مریخ وغیرہ ہیں۔اسوقت زمین ناری ہیئت میں آسمان کے مرکز میں واقع ہے گویا باقی سیاروں شمس۔قمر۔مشتری۔زہرہ۔مریخ وغیرہ ستاروں کے ساتھ ارض (زمین) بھی بحثیت ستارہ آسمان میں واقع ہے۔ وَلَقَدۡ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۵) اور البتہ سجایا آسمان دنیا (آسمان اول) کو چراغوں سے۔آسمان اول ایک نوری وجود ہے۔جس میں

ناری سیارے واقع ہیں۔آسمان اول بجائے خودنوری مقام ہے۔لیکن جوں جوں اسکے مرکز کی طرف آؤ ۔۔۔ تو یہ نوری فضاناری فضامیں تبدیل ہوتی ہے۔اسلئے آسمانِ اول میں دوفضائیں واقع ہیں۔آسمان اول کے قریب فضانوری ہے۔جوخاص آسمان کہلاتا ہے۔اسکے بعد مرکز کی سمت فضاناری کیفیت بن جاتی ہے۔جس میں تمام سیارے واقع ہیں۔ان سیاروں کی فضاناری ہے۔اورسیارے خود ناری ہیئت میں ہیں۔ان میں کوئی ایسا سیارہ نہیں جوناری فضا سے باہر ہو۔اسلئے ان سیاروں میں ناری کیفیتیں پائی جاتی ہیں ۔۔۔ اور ناری سیارہ زمین چونکہ آسمان کے مرکز میں ہے۔اس میں تنزل کے آثار نمایاں ہوگئے۔ یعنی اسکی ناری قوت میں تنزل کی وجہ سے ایک قوت (ہوا) پیدا ہوئی ۔۔۔ ہوا میں رفتار پائی گئی۔ہوا کی رفتار نے سردی کا وجود پیدا کیا۔ہوامیں سردی سرایت کرگئی ۔۔۔ سردہوا کوناری تپش نے متاثر کیا۔تو ہوا بھاپ میں بدل گئی ۔۔۔ بھاپ نے پانی کی شکل اختیار کی۔یہ ہوا۔پانی زمین کی پیداوار ہیں۔اسلئے زمین تین کیفیتوں میں تقسیم ہوگئی ۔۔۔ نار ۔۔۔ ہوا ۔۔۔ پانی ۔۔۔ ہوااورنار نے پانی کو پیدا کیا ۔۔۔ پانی نے زمین پر برس کرزمین کی تپش کو بھاپ بنا کر پھر پانی کی شکل میں تبدیل کر کے زمین پر برسنا شروع کردیا ۔۔۔ ہزاروں سال یہی عمل زمین پر جاری رہا یہاں تک کہ پانی نے زمین کی تپش کومختلف گیسوں (قوتوں) میں تبدیل کر کے زمین کوٹھوس مادی (خاکی) شکل میں تبدیل کردیا ۔۔۔ اورجب زمین سے ناری طاقت (تپش) ختم ہوگئی توزمین پانی سے سیراب ہونے لگی ۔۔۔ اورزمین نے مٹی کی شکل اختیار کی ۔۔۔ اب یہی زمین باقی ناری سیاروں کے مقابلہ میں خاکی زمین بن گئی۔اسکی ناری قوتیں۔مختلف شکلیں اختیار کرگئیں ۔۔۔ جس میں۔ہوا ۔۔۔ گیس ۔۔۔ ایٹم ۔۔۔ ایتھر ۔۔۔ بجلی ہیں۔اسکے علاوہ زمین کی اندرونی قوتوں نے جمادات ۔۔۔ سنکھیا ۔۔۔ سونا ۔۔۔ لوہا ۔۔۔ تانبا ۔۔۔ ابرق ۔۔۔ پارہ ۔۔۔ شنگرف۔وغیرہ کی شکل اختیار کی۔اور زمین پرجب ہرطرف پانی ہی پانی تیرنے لگا توناری ذرات نے پانی کے اثر سے نئی محسوس شکلیں اختیار کیں جن میں نباتات ۔۔۔ یعنی پودے اگنے لگے۔پودوں نے ہزاروں سال گزرنے کے ساتھ درختوں کی ہیئت اختیار کی۔اورکہیں پودے بنے۔کہیں پھول اُگے اسطرح زمین سبزہ زار ہوگئی ۔۔۔ اور باقی ناری ذرات نے حیوانات۔کیڑوں مکوڑوں کی شکل اختیار کی اور ہزاروں سال گزرنے کے ساتھ یہ کیڑے مکوڑے۔عظیم الجثہ جانوروں کی ہیئت اختیار کرگئے جن میں پروں کی وجہ سے بعض جانور پرواز

کرنے لگے۔اور جن میں پرواز کی صلاحیت نہ تھی۔وہ ہاتھی۔شیر۔ریچھ۔گھوڑے۔گائے۔بکری۔ بندر۔خرگوش۔مرغی وغیرہ کی ہیئتوں میں تبدیل ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارادۂ ازلی میں زمین پر ایک خلیفہ کا تصور باندھا تھا۔اسلئے ضروری تھا کہ زمین پر ایک خلیفہ کے وجود کی داغ بیل ڈالی جائے۔جیسے ناری ذرات نے جمادات۔نباتات۔حیوانات کی ہیئت اختیار کی۔اسی زمین پر ایک ایسے وجود نے بھی جنم لیا۔۔۔جو قوت کے اعتبار سے ان تمام پیدائشوں سے قوی قوت کا حامل تھا۔چنانچہ جب زمین میں پانی جذب ہوگیا۔تو زمین کی نشیب میں پانی جمع ہو گیا۔اس پانی میں زمین کی تمام جوہری قوتیں موجود تھیں۔۔۔یہی پانی زمین میں جذب ہوکر دلدل کی شکل میں آیا۔۔۔اسی دلدل کا ذکر قرآن نے انسانی پیدائش کے ساتھ کیا۔۔۔

اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ جب کہا تیرے رب نے ملائکہ سے میں زمین پر ایک بشر بنانے والا ہوں مٹی سے۔مٹی کے لیسدار کیچڑ سے۔یہی وہ جوہر ہے۔جس سے انسان کی پیدائش ہوئی۔۔۔اس مٹی میں زمین کی تمام جوہری قوتوں کا نچوڑ جمع تھا۔ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ۔۔۔بنایا انسان کو مٹی کی جوہری قوتوں کے نچوڑ سے۔۔۔اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی کی تکمیل ہوگئی۔۔۔اسی تخلیق سے سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ کی تکمیل ہوگئی۔کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے لیکر انسان تک اسطرح پیدائش کو ترتیب دیا۔اب معلوم ہوا۔کہ تخلیق کی ابتداٗ کہاں سے ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے۔لیکن تخلیق کی ابتداٗ پر فکر کرنے کا طریقہ قرآن نے سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کی ترتیب سے بتایا۔کہ بجائے ذاتِ الٰہی سے تخلیق کی ابتداٗ کرنے کے زمین سے اس تحقیق کی ابتداٗ کی جائے۔۔۔اسکے لئے قرآن نے تحقیق کرنے کی راہ بتائی۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ تحقیق آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں تمہارے سامنے کئی نشان ہیں۔شرط یہ ہے۔کہ پہلے تم ایک خالق اور ایک منبعِ حقیقی کو بلا دیکھے تسلیم کرو۔کہ یہ کائنات بغیر کسی خالق کے بغیر کسی سبب وعلت کے نہیں بن سکتی۔اسلئے اس خالق مبداٗ حقیقی کو قبل از وقت تسلیم کر کے اللہ کی ذات سے فکر کی ابتداٗ کر کے مخلوق کی پیدائش کی آخری حد تک پہنچو۔تو تمہیں اس کائنات کی ابتداٗ کا علم ہو جائیگا۔کہ اس کائنات کا

وجود اللہ کی ذات سے تخلیق ہوا اور اگر حقیقت سے انکار کرنے والے بنیادی طور بغیر تحقیق اللہ کی ذات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ تو پھر اسکا آسان طریقہ یہی ہے۔ کہ اپنے گردوپیش کی اشیأ اور خود اپنی ذات کی پیدائش پر فکر کرو۔ کہ یہ اشیأ کہاں سے آئیں۔ کیسے پیدا ہوئیں۔ انکی پیدائشی ترکیب کیا ہے۔ تو تمہیں ہر شے کی پیدائش میں اسکی ایک علت (بنیادی وجود) کی پہچان ہوگی۔ اسطرح ہر مقام پر ہر علت کی علت کو پہچانو تو تمہاری تحقیق اس حال میں بھی ایک علتِ لامحدود تک پہنچ کر مخلوق کی ابتدأ کو پہچان سکتی ہے لہذا اپنی قریبی اشیأ سے تحقیق کر کے اسکی ذات تک پہنچو ــــ اور اس تحقیق کیلئے تمہارے وجود میں تمہاری تخلیق ــــ تمہاری تخلیقی ترکیب۔ تمہارے جسمانی مرکب کی خاصیتوں میں بھی ایک خالق کی خالقیت کے آثار موجود ہیں۔ جنھیں اگرچہ وہ ذات ماورائے ادراک ہے۔ اسکے باوجود صحیح فکر سے تم قریبی اشیأ پر فکر کر کے بھی ایک خالق کا سراغ پاسکو گے ــــ

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰) اللہ کی ذات کا تصور کیا ہے؟ وہی جن صفات پر انسان بنا ہے۔ اللہ کی ذات کیا ہے ــــ وہی جس بنیاد پر تمہارا اور کائنات کا وجود بنا ہے۔ یعنی تم بیج کی حیثیت سے اپنے بنیادی وجود کو دیکھو جسکا تم پھل ہو۔ سو جو کچھ تمہیں تخلیقِ کائنات میں نظر آتا ہے وہ بدرجہ اتم ان صفات کا (بہ اعتبار بیج) حامل ہے۔ بس یہی اللہ ہے۔ یہی اسکی صفات ہیں۔ کیونکہ ہر مخلوق ایک سبب کے ذریعہ بنتی آئی ہے۔ ہر مسبب میں وہی صفت ہے۔ جو اُسے اسکے سبب سے ورثہ میں ملی ہے ــــ اسلیئے بنیادی طور انسان میں جو صفات پائی جاتی ہیں وہی اسکے خالق میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اب تم زمین سے تحقیق کی ابتدأ کرو کہ زمین ایک سیارہ ہے۔ اور کائنات میں لاتعداد سیارے روشن اور تپش میں شدید ہیں ــــ اس فضائے آسمانی کا حواس و عقل سے احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کو لطیف سے لطیف ایٹمی خوردبین کا ذریعہ بھی میسر ہو لیکن آسمان اول کی وسعت اور ان سیاروں کی وسعت و مسافت کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ محققین مغرب نے اپنی تحقیق کو انتہا کا درجہ دیکر کروڑوں میل مسافت تک رسائی حاصل کی ــــ جس تحقیق نے یہ ثابت کردیا کہ زمین کے سیارے سے مریخ۔ اور قمر تک کی مسافت کروڑوں میل ہے ــــ یہ وہ سیارے ہیں جو زمین سے قریب ہیں۔ اسکے علاوہ راتوں کے اندھیروں میں ان آسمانی چراغوں پر غور کرو۔ جو انار کے دانوں کے مانند فضائے آسمانی میں پھیلے ہیں

ـــــ اور یہ وہ سیارے ہیں جنکی وسعت عظیم ہے۔ ان سے ماورائی اور بھی سیارے ہیں جنکا تصور انسانی ذہن سے مشکل ہے۔ اگر انسان عقلِ سلیم سے اس فضائے آسمانی کی وسعت اور ان سیاروں کی کثرت اور محل وقوع پر سوچے تو ان کی تہہ کو پانے سے عقل حیرت و درماندگی میں پڑ جائیگی۔ یہ ابتدائی قدم ہے۔ جہاں انسان کی تحقیقی پرواز رک جاتی ہے۔ لیکن انسانی ذہن کی خیالی پرواز بہت دور تک جا سکتی ہے۔ اسکے لئے خلوص نیت۔ حصول علم کی خالص نیت ـــــ اور حقیقت پسندی شرط ہے ـــــ

جیسے کہ اس کائناتِ ارض وسمٰوت کی تخلیق میں ایک منظم نظامِ ترتیب پایا جاتا ہے۔ اس میں ہر شے کی تخلیق میں ایک سبب۔ ایک علت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس نظام میں کسی اٹکل پچو یا چھومنتر کی ترکیب نہیں کہ کُنْ کا حکم دیا اور چھومنتر سے کیفیت بغیر سبب پیدا ہوئی۔ نہیں اس نظام میں ایک کیفیت علت بنتی ہے اور دوسری معلول۔ اسی ترتیب سے ازل سے کائنات بنتی آئی۔ اب اسی ترتیب سے زمین سے ابتدا کی جائے اور انہیں راہوں سے منبعِ حقیقی کی طرف تفکر کے راکٹ (ترکب۔ گھوڑا) پر بیٹھ کر فضائے آسمانی میں داخل ہو جاؤ تو یہ ترتیب نہایت آسانی سے اپنی قریبی اشیاء پر غور کرنے سے گھر بیٹھے سمجھ آ جائیگی ـــــ اس فکر میں ہر شے کو اپنی اصل علت میں واپس کر دو ـــــ تمام سیارے آسمان اول کی مخلوق ہے۔ ان تمام سیاروں کو فنا کر دو اور اپنی پہلی حالت میں لاؤ۔ تو ستاروں کا وجود گم ہو جائیگا۔ ان کی منتشر قوتیں یکجا ہو جائینگی تمام ناری قوتیں یکجا ہو کر۔ انکی تپش۔ انکی روشنی ـــــ انکی وسعت (طول و عرض) سمٹ کر ان تمام قوتوں کا مجموعہ بن جائیگی۔ تو یہ قوت (آسمان اول) اپنی ابتدائی حالت میں عظیم روشنی۔ عظیم تپش اور عظیم وسعت کی حامل ہوگی۔ اسکا اندازہ اور تصور انسانی عقل سے بعید ہے۔ لیکن اس قوت کی عظمت کا ایک تصور ضرور ذہن پر طاری ہوگا۔ آسمان اول کی وسعت کو آسمان دوئم میں جذب کرو۔ اسی طرح ہر آسمان کو اسی ترتیب سے جذب کر کے آسمان ہفتم (ساتویں) میں جذب کرو ـــــ تو آسمان ہفتم تمام آسمانوں کی روشنی ـــــ تپش۔ وسعت (طول و عرض) کا مجموعہ ہوگا۔ اسی طرح۔ کرسی۔ عرش۔ سدرۃ المنتہٰی۔ اور عالم بالا کی وسعتوں کو مجتمع کرتے جاؤ تو انکی روشنی ـــــ انکی تپش۔ انکی وسعت عظیم شمار ہوگی۔ لیکن یہ قوتیں چونکہ مخلوق ہیں۔ اور ہر مخلوق کی ایک علت موجود ہے۔ اسلئے باوجود غیر محسوس لاانتہا۔ روشنی۔ تپش اور وسعت کے بھی انکی حدیں مقرر ہیں ـــــ تخیلی حالت میں انکے طول و

عرض۔ روشنی۔ تپش کا اندازہ ممکن نہیں۔ تاہم یہ قوتیں محدود ہیں۔ اسلئے یہ قوتیں مخلوق ہیں۔ البتہ جہاں تک ان قوتوں کو انکے منبع کی طرف جمع کرتے جاؤ۔ انکی روشنی۔ انکی تپش ــــ اور انکی وسعت لا انتہا کی شکل اختیار کرتی جائیگی ــــ اور اس مخلوق کی ابتدائی کیفیت جس نور سے یہ سب بنی ہیں ــــ اسے نورِ ابتدائی کہتے ہیں جب اس نوری وجود کا تصور کرو تو کائنات کی تمام قوتوں کا جامع اور تمام قوتوں سے ــــ روشنی۔ تپش ــــ وسعت میں اس قدر وسیع کہ اسکی انتہا کو پانا قطعی ناممکن ہے ــــ یہی وہ نورِ ابتدائی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نورِ لامحدود میں نقطہ ومرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب اس نورِ ازلی کو پہچانا گیا ــــ تو قوتِ فہم میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ایک کیفیت کی انتہائی روشنی ــــ انتہائی تپش اور انتہائی وسعت (طول وعرض) کا احساس پائے۔ اور اسی احساس کے ساتھ اس نور میں داخل ہو جس سے نورِ ابتدائی بنا ــــ تو اسکے بعد۔ انسانی عقل وشعور واحساس کی اتنی وسعت نہیں کہ اس نورِ لامحدود کی وسعت کو پاسکے ــــ اسی نور کے تصور میں جب ہم اسکی ذات میں داخل ہو کر پرواز ابد الآباد کرتے جائیں تو اسکی وسعت ختم نہیں ہوتی ــــ نہ زمانہ ختم ہوتا ہے۔ نہ پرواز ختم ہوتی ہے۔ تو اسی احساس کے ساتھ جب ہم اس نور میں پرواز کرتے ہوئے اسکے آغاز وانجام کے تصور میں کھو جاتے ہیں تو ہمارے منہ سے بے ساختہ اللہ کی صدا نکلتی ہے۔ یہی وہ نورِ لامحدود ہے۔ جو ہر شے کا مبدأ اور خالق ہے ــــ اسی تصور کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کا احساس دلایا ــــ اور وہ بھی انسان کو اسکی اپنی صفات میں۔ انسان میں ــــ سب سے اہم قوت ــــ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ۔ بنائے تم میں قوتِ سمع (کان سے سننا) قوتِ بصر (آنکھ سے دیکھنا) قوتِ ذہنی وقلبی (عقل وشعور سے سمجھ اور ادراک کرنا) اور دل سے فقہ کرنا یعنی روحانی مشاہدہ کرنا۔ انسان میں۔ قوتِ سمع۔ سننے کی طاقت۔ قوتِ بصر۔ دیکھنے کی طاقت۔ قوتِ کلام۔ بولنے کی طاقت۔ قوت فہم۔ سمجھنے اور تدبیر کی طاقت ــــ ارادے کی طاقت۔ فعل وعمل کی طاقت۔ انسان مانند پھل ہے۔ اسلئے یہ قوتیں اسکے بیج۔ بنیادی وجود میں بدرجہ اتم موجود ہونی ضروری ہیں۔ اسلئے جہاں تک ادنےٰ سے اعلےٰ کی طرف ہر تخلیق کی علت کو دیکھو تو اس میں اپنے معلول کی تمام صفات کا پایا جانا لازمی ہے۔ انسان میں جو قوتیں ہیں وہ اسکی علت میں بھی ہونی چاہیں ــــ یا جو قوتیں علت میں پائی جائیں وہی معلول میں پائی جائینگی ــــ انسان زمین کی پیداوار ہے۔ بشری جسم

میں۔آنکھ۔کان۔دماغ اسکے بنیادی وجود میں پائے جاتے ہیں۔اسلئے ضروری ہے۔کہ جس زمین کی یہ جز ہیں۔اس میں بھی۔آنکھ۔کان۔دماغ ہوگا ــــ زمین آسمانوں کی معلول ہے۔اسلئے آسمانوں میں بھی قوتِ سمع۔قوت بصر۔قوت فہم کا پایا جانا ضروری ہے۔آسمانوں کی مخلوق ملائکہ ہیں ــــ ان میں اگرچہ کان۔آنکھ۔دماغ نہیں۔لیکن نوری ہیئت میں۔ان میں قوتِ کلام ــــ قوتِ سمع ــــ قوتِ فہم ــــ ارادہ وفعل موجود ہے۔اس سے ثابت ہوا۔کہ آنکھ۔کان۔دماغ۔صرف بشری ہیئت میں محسوس کئے جاتے ہیں۔نورانی ہیئتوں میں کان۔آنکھ۔دماغ نہیں۔لیکن ان میں قوتِ سمع۔بصر۔فہم ارادہ بشری ہیئت کے مقابلہ میں قوی ہے۔انسان بشری حیثیت میں۔اپنی آنکھ سے انتہائی دور کی شے دیکھ نہیں سکتا۔دور کی آواز سن نہیں سکتا۔اپنے احاطہ سے باہر غیر محسوس کیفیت کو سمجھ نہیں سکتا ــــ لیکن ملائکہ آسمان سے لیکر زمین کی کیفیتوں کو دیکھ سکتے ہیں اور سن بھی سکتے ہیں۔اسی لحاظ سے انکی فہم میں بھی وسعت ہے ــــ اسی طرح جسقدر قوی قوتوں کا وجود ہے۔اپنی نوری ہیئت میں ان میں بھی قوتِ سمع۔قوتِ بصر۔قوتِ فہم پائی جانی ضروری ہے۔تو ظاہر ہوتا ہے۔سمع وبصر۔فہم وارادہ کیلئے۔کان۔آنکھ۔دماغ کا ہونا شرط نہیں۔بلکہ بجائے خود نوری وجود قوی قوتِ سمع وبصر۔فہم وارادہ رکھتے ہیں۔اور آنکھ۔کان۔دماغ ان قوتوں کی ادنیٰ اور محدود ہیئت وحیثیت ہے ــــ اور جب یہ تمام نوری قوتیں ایک نورِ ابتدائی میں جمع ہوں ــــ تو نورِ ابتدائی میں بدرجہ اتم قوتِ سمع۔قوتِ بصر۔قوتِ فہم۔قوتِ ارادہ پایا جاسکتا ہے۔اسی اعتبار سے علتِ لامحدود نوری قوت اپنی نوری ہیئت کے اعتبار سے لاانتہا۔علیم۔وسمیع۔فہیم اور صاحبِ ارادہ ہوگی۔ اور جب اس نورِ لامحدود میں ایک ارادہ وفہم کا تصور کیا جائے۔تو پھر کسی دوسری علت کا تصور ختم ہوجاتا ہے۔کہ اس علتِ لامحدود کے بعد بھی (جبکہ ہر وجود کیلئے ایک علت کا پایا جانا ضروری ہے) کوئی علت ہو ــــ لہذا۔اپنی قوتِ سمع۔بصر۔فہم وارادہ کے ہوتے اسی ذاتِ لامحدود سے ارادہ استعمال ہوا۔اور اسی ارادہ سے مخلوق کی ابتدا ہوتی ہے ــــ

ان قرآنی شواہد سے ہمیں کائناتِ خلقت کی ابتدا انتہا معلوم ہوتی ہے۔جن میں انسانی پیدائش اور ان خصوصیات میں ــــ ایک بشری وجود کے مرکب۔جسم وروح۔اور اسکے ذاتی صفاتی کمالات روح ــــ علم۔علمی کمال ــــ خصوصیت خلافت۔نبوت کا علم ہوجاتا ہے۔اسکے بعد انسانی مخلوق

میں۔ بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت رسالت سے ملی ــــ اور بعض کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر کے عام خلفائے ارض اور نبیوں پر فوقیت و برتری عطا کی ان مصطفےٰ پیدائشوں میں سب سے اعلےٰ مقامِ فضیلت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا۔ کہ عام مخلوق کے مقابلہ میں آپکا وجود نور سے بنایا ــــ اور بشری ہئیت میں بھی آپکی صفتِ نوری قائم رہی ــــ اور آپکو حیات النبی بنا کر ایک نشان قدرت بنا کر زندہ جسم کے ساتھ آسمان پر قائم کیا ــــ اسکے بعد کسی پیدائش کے متعلق ایسی خصوصیت بیان نہیں کی گئی۔ لیکن من جملہ مخلوقِ کائناتِ خلقت کی تحقیق میں جہاں تک مخلوق کا تعلق ہے۔ ہمیں اپنی تحقیق وفکر میں ایک نوری وجود کا علم اس تحریک (سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَالْخَلْقَ) سے ہوا ــــ کہ ایک نوری وجود بھی مخلوق ہوا۔ جس سے تمام کائناتِ خلقت کا وجود پیدا ہوا ــــ وہ ــــ نورِ ابتدائی ہے ــــ اور جب ہم ہر تخلیق کی ابتدائی پیدائش میں اسکے وجود کی تحقیق کرتے ہیں۔ تو ہمیں یہ پہچان ملتی ہے۔ کہ ہر وجود میں ایک ہی نورِ ابتدائی کا وجود بنیادی وجود ہے ــــ اور ہر وجود میں جو خوبی۔ جو حسن۔ جو روشنی۔ جو تپش ــــ جو وسعت حاصل ہے۔ وہ اسی نورِ ابتدائی سے حاصل ہے۔ آسمانوں کا نور ــــ ملائکہ کا وجود ــــ سیاروں کا وجود۔ سورج کا نور۔ چاند کا نور ــــ زمین کی سیرابی ــــ زمین کے خوبصورت گلزار۔ رنگ برنگ خوبصورت پھول۔ میوؤں کی خوبصورتی اور ان کی لذّت۔ آبشاروں کا ترنم۔ پہاڑوں کی رنگینی۔ سمندر کی پہنائیاں ۔ وحوش وطیور کے زمزمے۔ انسان کی خوبصورتی۔ اسکی نبوت ورسالت کے تمام کمالات کا اصل منبع ومبدأ یہی نورِ ابتدائی ہے۔ تو جب ہم ان تمام کمالات کی پہچان میں کھو جاتے ہیں تو جسطرح اللہ کی لامحدودیت کے تصور میں ہماری وجدانی زبان سے ''اللّٰہ'' کا لفظ نکلتا ہے۔ اسی طرح تمام کائنات کی پہچان میں جب ہم اسکی تمام کمالات وخوبیوں میں ایک ہی کیفیت کو دیکھتے۔ پہچانتے اور پاتے ہیں تو وجدانی عالم میں ہمارے منہ سے بے ساختہ لفظ محمدؐ نکلتا ہے ــــ یعنی ہر شے کی خوبی وکمال کا سبب ہر خوبی ہر کمال میں اسی نور کو پہچانا گیا ــــ ہر خوبی کی تعریف اسی نورِ ابتدائی سے ہے تو ہر شے میں پہچانا گیا نور مُحَمَّدٌ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

اس نور کی تعریف یہ ہے۔ کہ عرش بھی اسی نور سے بنا۔ کرسی بھی اسی نور سے بنی۔ آسمان اور ملائکہ بھی اسی نور سے بنے ــــ زمین اور زمین کی تمام قوتیں۔ تمام خوبصورتی۔ تمام کمالاتِ نبوت اسی نور

سے بنے ـــ یہ نور بمنزل بیج ہے۔ بیج کی حیثیت سے جو کچھ بیج سے درخت پتے۔ پھول۔ میوے نکلتے ہیں سب بیج سے نکلے ہیں ـــ زمین پر انسانی پیدائش کا سبب یہی نور ہے ـــ حضرت آدمؑ بھی اسی نور سے بنے۔ وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ بھی اسی نور کی مخلوق جز ہے۔ حضرت نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ آل ابراہیم۔ آل عمران۔ مریمؑ۔ عیسیٰؑ تمام اسی نور کی جز ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا نور وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا۔ یہ ارادہ ازلی میں ازل سے مقرر ہو چکا تھا۔ فَنَفَخۡنَا فِيهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا بھی ایک مقرر کردہ نور مخلوق ہوا ـــ یہ نور اللہ کی ذات سے نہیں نکلا ـــ یہ نور نورِ ابتدائی کی جز ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تمام تر فضیلتِ جسمانی روحانی سب اسی نور سے ہے ـــ تو ظاہر ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق کے بعد بھی ایک ایسے نور کا وجود موجود ہے جو سب مخلوق سے اعلیٰ وافضل وجود ہے لیکن یہ نور خلیفہ فی الۡاَرض میں شامل نہیں بلکہ فی الۡاَرض خلیفۃ کے منصوبہ سے الگ ایک ازلی نور ہے۔ جسے ہر مخلوق پر فضیلت وبرتری حاصل ہے تو ظاہر ہوا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی روحانی افضلیت کے مقابلہ میں۔ نورِ ابتدائی کے وجود کو حضرتِ عیسیٰؑ کے وجود سے افضلیت کا مقام حاصل ہے ـــ

قرآنی تاریخ سے ہمیں معلوم ہوا۔ کہ کائنات میں۔ ملائکہ ـــ بشر ـــ آدم۔ نبی۔ رسول کیلئے ذاتی صفاتی کمالات میں کسی مخلوق میں وجہِ فضیلت کونسی کیفیت وخصوصیت ہے۔ اور مخلوق میں کس کس کو یہ فضیلت بدرجہ اولیٰ حاصل ہوئی ـــ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ میں جو اصطفا ان مخصوص پیدائشوں کو حاصل ہوا۔ اسکی تمام تر تفصیل بھی قرآن نے واضح طور پیش کی۔ ان واقعات کے اظہار سے ہمیں سیرت سے متعلق کیفیات وخصوصیات کا پورا پورا مواد حاصل ہوا ـــ آلِ عمران کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اس اصطفےٰ کا آخری وجود ہے ـــ جس سے تخلیقی خصوصیات کو انتہائی بلند مقام حاصل ہوتا ہے ـــ لیکن واقعاتِ زمانہ میں چند ایک کیفیات ایسی بھی پائی جاتی ہیں ـــ جنکے مشاہدے کے بعد ایسی کیفیتیں محسوس کی جاتی ہیں جنکا پسِ منظر ابھی تشنۂ تحقیق ہے ـــ وہ یہ کہ ارادۂ ازلی کا ظہور آدم سے ہوا ـــ جس سے مراد یہ تھی کہ آدم اور اولادِ آدم زمین پر خلیفہ کی حیثیت سے رہنی چاہیے ـــ مگر ہم دیکھتے ہیں ـــ کہ یہ انسانی مخلوق خلیفہ کی تمام خصوصیات کو محفوظ نہ رکھ سکی۔ اس سے شر وفساد ہوتا رہا ـــ اور اولادِ آدم میں صرف رسول ہی۔ خلیفہ اور

نبی کی حیثیت سے سالم رہا۔ اِن میں مراتب پائے گئے ــــ آخر حضرت عیسیٰؑ اپنی ذاتی خصوصیات میں ایک اعلیٰ ہستی پیدا ہوئے ــــ جو اپنی جسمانی ہیئت میں بھی باقی مخلوق سے اعلیٰ وافضل تھے ــــ اسی پیدائش کے اعتبار سے آپکی نبوت وخلافت بھی اعلیٰ وافضل رہی ــــ لیکن حضرت عیسیٰؑ کی رسالت کے بعد مخلوقِ ارضی میں دوبارہ شر وفساد پیدا ہوا ــــ اس شر وفساد نے گزشتہ قوموں کے مقابلہ میں انتہا کردی۔ تو معلوم ہوا ــــ کہ خلیفہ۔ نبی اور رسول کی انتہا ابھی باقی ہے ــــ اسلئے ضرورت ایک ایسے خلیفہ۔ نبی ــــ رسول کی ہے ــــ جو تخلیقِ آدمؑ۔ تخلیقِ یحیٰؑ۔ تخلیقِ عیسیٰؑ کی تمامی خصوصیات کا جامع ومرکب ہو۔ اور زمین پر ایک ایسے خلیفہ کا ظہور ہو۔ جس سے مقصودِ کائنات میں ــــ ان تمامی خصوصیات بشری۔ روحی خلافت۔ نبوت۔ رسالت کی کلی طور تکمیل ہو جائے ــــ اور اسکے بعد خلافت ونبوت کو دوام حاصل ہو کر دوبارہ کسی رسول کی ضرورت باقی نہ رہے ــــ اور آئندہ کسی خلیفۂ ارض نبی کو منتخب کر کے رسول بنا کر بھیجنے کی نوبت باقی نہ رہے۔

قرآن میں تخلیق کی ذاتی صفاتی کمالات وخصوصیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ایک خلیفہ کا ظہور آدم سے کیا ــــ مگر اسکی پیدائش آخری درجہ نور (ارض) پر ہوتی ہے ــــ حالانکہ اس سے قبل پیدائشی لحاظ سے بہت سی بالاتر قوتیں بھی نورانی کیفیتوں میں پائی گئیں۔ جن میں۔ آسمان ــــ ملائکہ۔ عالم بالا کی قوتیں ــــ سب سے بالاتر قوت وہ نورِ ابتدائی ہے ــــ جس نور میں مخلوقِ کائنات کی تمامی خوبیاں سمائی ہوئی ہیں ــــ ان نوری کیفیتوں کے مقابلہ میں ارضی بشر کا وجود کم حیثیت رکھتا ہے ــــ اور روحانی حیثیت کا مقابلہ کیا جائے ــــ پیدائش کے لحاظ سے۔ یہ ارضی مخلوق اُس نورِ ابتدائی کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی ــــ اسکے علاوہ ہم دیکھتے ہیں ــــ کہ بظاہر جسمانی حیثیت میں اس خلیفہ میں کائنات کی بعض قوتوں ــــ سورج۔ ایٹم۔ ایتھر۔ بجلی کے مقابلہ میں بھی برابر کی حیثیت محسوس نہیں کی جاتی ــــ خلیفہ کے معنی قائم مقام کے بھی ہیں ــــ قائم مقام کی تعریف یہ ہے کہ وہ باقی مخلوق کے مقابلہ میں برتر حیثیت حاصل کیے ہو ــــ لیکن آدم تو بہت ادنیٰ خاکی مقام کی پیدائش ہے ــــ اسکے مقابل نورِ ابتدائی کو تمام مخلوق سے برتر حیثیت حاصل ہے۔ اس برتری کے لحاظ سے نورِ ابتدائی کو ہی قائم مقام خلیفہ خلیفة الله کا مقام حاصل ہے ــــ اس کیفیت کا اندازہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا

ہے ـــ کہ آدم پر خلیفہ ہونے کے باوجود ـــ خلیفہ کی صفت کلی طور آدم پر ختم نہیں ہوتی۔ قرآنی واقعات یہ خود بتا رہے ہیں۔ کہ خلیفہ زمین پر ہوگا ـــ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور اسی زمین کی پیدائش سے ہوگا ـــ اس میں روح پھونکی جائیگی ـــ اسکی ایک ترکیب آدمؑ سے ظاہر ہوئی ـــ دوسری ترکیب یحیٰؑ کی نوری پیدائش سے ہوئی۔ تیسری ترکیب حضرت عیسیٰؑ سے ہوئی ـــ لیکن اَلْاَرْضِ پر افضل ترین خصوصیات کے حامل نبی ـــ و رسول حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بعد بھی مخلوقِ ارضی میں خلیفہ کے ارادے کی تکمیل نہ ہوئی ـــ اسلئے اس ارادۂ ازلی کی تکمیل کیلئے ایک نئی تخلیق کا ہونا ضروری ہے۔ جسکے لئے یہ کیفیت صادق آئے۔

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ ہستی تمام مخلوق سے بالاتر ـــ سب مخلوق سے اعلےٰ و افضل۔ ذاتی صفاتی کمالات میں تمام تخلیقوں سے بالاتر۔ خلیفہ اعظم قرار دی جائیگی ـــ کیونکہ خلیفۂ ارض میں آدم سے ماسوا کئی اعلےٰ کیفیتیں بھی پیدا ہوئیں ـــ اسلئے ضروری ہے۔ کہ ارادۂ ازلی کے تحت ایک ایسے نبی کا ظہور ایک ایسے رسول کا ظہور ہو جس سے کائنات میں کلی طور ارادۂ ازلی کی تکمیل ہو۔

قرآن نے سیرت النبی سے متعلق تفصیل میں اصطفائے۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ آل ابراہیم اور آل عمران کا مفصل بیان پیش کیا ـــ ان واقعات کو اس مضمون میں وضاحت سے بیان کیا گیا ـــ اب اس بیان میں آلِ ابراہیم کے اصطفا میں مزید تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ وہ ہے۔ آل ابراہیم میں بنی اسرائیل سے علاوہ بنی اسماعیل کے حالات ـــ آلِ ابراہیم کے قصہ میں قرآن نے بنی اسرائیل کی فضیلت بیان کی ہے ـــ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۴۷) اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمتیں جو میں نے انعام کی تم پر اور یہ کہ فضیلت دی تمہیں دنیا کے لوگوں پر۔ اس آیت میں آل ابراہیم میں حضرتِ اسحاقؑ (حضرت ابراہیمؑ کے فرزند) کی اولاد کا ذکر کیا گیا۔ حضرت اسحاقؑ کی اولاد حضرت یعقوبؑ ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کو اسرائیل کہا گیا۔ اسلئے حضرت یعقوبؑ کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا گیا ـــ اس ذریت میں اکثر نبی ـــ رسول پیدا ہوئے۔ جنہیں عام لوگوں پر فضیلت عطا ہوئی۔ ان میں حضرت یعقوبؑ۔ یوسفؑ۔

سلیمانؑ ۔داؤدؑ ۔موسیٰؑ اور دوسرے نبی ہوئے۔انہیں میں آلِ عمران بھی شامل ہے۔اور حضرت عیسیٰؑ بھی بنی اسرائیل قوم سے ہیں ــــ انہیں انبیاؑ ورسولوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے ــــ

اس واقعہ میں حضرت اسماعیلؑ اور اِنکی اولاد کا ذکر نہیں ــــ یہ قوم بنی اسرائیل سے علیحدہ شمار ہوتی ہے۔لیکن آلِ ابراہیم میں شامل ہے ــــ گو قرآن نے اصطفا کی صورت میں بنی اسماعیل کا ذکر نہیں کیا۔تاہم قرآن میں بنی اسماعیل کے چند خصوصی واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔جنکی تفصیل یہاں بیان کرنا ضروری ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۴) اور جب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے چند باتوں سے۔پس اس نے پورا کیا ان باتوں کو ــ تو کہا ہم نے اس آزمائش کے صلے میں ہم تجھے پیشرو بنائینگے لوگوں کیلئے۔کہا ابراہیم نے اور میری ذریت کو بھی امام بنانا کہا اللہ نے بناؤنگا مگر میں حق سے انکار کرنے والوں اور گمراہوں کیلئے عہد نہیں کرتا۔

اس آیت میں ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیم کی ذریت کی اولوالعزمی اور فضیلت کا صاف بیان ہے ــــ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی کی حیثیت سے منتخب کر کے خصوصیتِ نبوت میں آزمایا۔کہ یہ خلیفہٗ ارض میرا بندہ بن کر کس قدر میرے تصور کو قائم رکھتا ہے۔اور میری محبت پر اپنی پسندیدہ لذتوں کو کس حد تک قربان کرتا ہے ــــ

پہلا واقعہ حضرت ابراہیمؑ کا تلاش حقیقت میں تفکر کرنے کا ہے ــــ

وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا ج قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَھْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَکُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ الشَّمْسَ بَازِغَۃً قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَآ اَکْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ○ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۷۶۔۸۰) اسی طرح ہم دکھارہے تھے ابراہیم کو

آسمانوں اورزمین کے آثار ــــ تاکہ وہ یقین کرنے والوں سے ہو ــــ پس جب چھا گئی اس پر رات دیکھا ستارے کو کہا یہ میرا رب ہے ــــ پس جب وہ غائب ہو گیا۔تو کہا نہیں میں دوست رکھتا زوال پانے والوں کو ــــ جب دیکھا چاند چمکتا ہوا ــــ کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غائب ہو گیا۔کہا اگر نہ ہدایت کرے مجھے میرا رب البتہ میں ہو جاؤنگا گمراہ قوم سے۔پھر جب سورج کو چمکتا دیکھا۔کہا یہ میرا رب ہے۔یہ سب سے بڑا ہے۔پس جب وہ بھی غروب ہو گیا۔تو کہا۔اے قوم تحقیق میں بری ہوں۔اس سے جسے تم اللہ کا شریک کرتے ہو۔تحقیق میں متوجہ ہوا اسی کی طرف جس نے آسمان اورزمین پیدا کیے سب کو چھوڑ کر اورنہیں ہوں میں شرک کرنے والوں سے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اس کائنات کی تخلیق کو دیکھ کر ایک خالق کا وجود تسلیم کیا۔اوراسکی جستجو کی ــــ اوراسے بالغیب کے ساتھ تسلیم کیا ــــ یہ واقعہ ایک انسان کو بن دیکھے اللہ اوراسکی خالقیت تسلیم کرنے کا ایک سبق ہے۔کہ ہر شخص وہ کسی بھی حالت میں ہو۔اسکی عقل۔اسکی فکر۔اسکی روح اسے ایک اللہ کو تسلیم کرنے کی تحریک دیتی ہے۔اورانسان بغیر کسی راہنمائی کے اللہ کا تصور حقیقی ہو یا خیالی۔پا سکتا ہے۔

دوسرا واقعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو تبلیغِ دین کیلئے مامور کیا ــــ اس وقت نمرود بادشاہ کی مصر پر حکومت تھی۔نمرود اللہ کا باغی بندہ اسقدر اقتدار وعروج حاصل کر چکا تھا۔کہ خود کو انسانوں کا رب سمجھتا تھا۔اور بندگانِ خدا کو محکوم وغلام بنا رکھا تھا۔اوراس نے ملائکہ کے اس بیان کے مطابق اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا کا پورا مظاہرہ کیا ــــ حضرتِ ابراہیمؑ کی فطرتِ سلیم نے نمرود اوراس کی قوم کی باطل پرستی سے انکار کیا۔اورانہیں جھٹلایا ــــ اور ایک اللہ کی حاکمیت کا تصور دلایا ــــ نمرود اوراسکی قوم نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کا منصوبہ بنایا۔حضرت ابراہیمؑ جان دینے پر تیار ہوئے لیکن باطل کا مقابلہ نہ چھوڑا ــــ

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ رُشۡدَهٗ مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیۡنَ ۞ اِذۡقَالَ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیۡلُ الَّتِیۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ ۞ قَالُوۡا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِیۡنَ ۞ قَالَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۞ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِیۡنَ ۞ قَالَ بَلۡ رَّبُّكُمۡ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الَّذِیۡ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِیۡنَ ۞ وَ تَاللّٰهِ

لَاَ كِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ○ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ○قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ○ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ○قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ○ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ○قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ○اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ○ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ○وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ○ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۵۱ تا ۷۰) اور تحقیق دی ہم نے ابراہیم کو اسکی ہدایت اس سے پہلے اور ہم خوب واقف تھے اس سے جب کہا اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے۔ کیا ہیں یہ مثالی بت جنکے لئے تم خلوت کرتے ہو۔ کہا پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو انکی پرستش کرتے ــــ کہا بیشک تم اور تمہارے اجداد گمراہی میں ہو۔ کہا کیا تو لایا ہے ہمارے لئے سچی بات یا تو ہم سے کھیل رہا ہے۔ کہا بیشک تمہارا رب۔ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے بنایا اِنکو اور میں اس پر گواہی دیتا ہوں۔ قسم ہے اللہ کی میں ضرور تدبیر کرونگا تمہارے بتوں کیلئے بعد اسکے کہ تم یہاں سے کہیں چلے جاؤ گے۔ پس اس نے کر دیا ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے۔ سوائے بڑے بت کے شاید وہ اِسکی طرف رجوع کریں ــــ وہ کہنے لگے کس نے کیا ہے یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ۔! بیشک وہ بڑا ظالم ہے۔ وہ بولے ہم نے سنا ہے۔ ایک جوان کو کہ انکا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اسکو ابراہیم کہتے ہیں ــــ کہا انہوں نے لے آؤ اسکو لوگوں کے سامنے تا کہ وہ گواہی دیں۔ کہا انہوں نے اے ابراہیم کیا تو نے ہی ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے؟ کہا۔ بلکہ کیا ہے انکے بڑے بت نے یہ کام ــــ پس اُن سے پوچھو اگر وہ بولتے ہوں۔ پس انہوں نے سوچا اپنے جی میں۔ پھر کہنے لگے تحقیق تم ہی ظالم ہو۔ پھر جھکا لیا سروں اپنوں کو شرم سے۔ بیشک تجھے معلوم ہے۔ کہ یہ بت بولتے نہیں ــــ کہا پس کیا تم پوجتے ہو اللہ کے سوا انکو جو نہ نفع دیتے ہیں تم کو کچھ نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں تم کو۔ تف ہے تمہارے لئے اور واسطے ان بتوں کے جنکو تم پوجتے ہو۔ اللہ کے سوائے۔ کیا

پس تم عقل نہیں کرتے۔ کہا کافروں نے جلاؤ اُسکو اور مدد مانگو اپنے معبودوں سے اگر تم ایسا کرو ـــ اور ہم نے اس آگ کو حکم دیا۔ اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ اور سلامتی بن جا۔ اوپر ابراہیم کے ـــ

اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش میں حضرت ابراہیمؑ کو ثابت قدم پایا تو آگ کو قدرتِ کاملہ سے حضرت ابراہیمؑ کیلئے گلزار بنا دیا ـــ یہ تو حضرت ابراہیمؑ کی اپنی ذات پر آزمائش تھی۔ اسکے بعد حضرت ابراہیمؑ کو اس بات میں آزمایا۔ کہ وہ اپنی عزیز ترین لذت۔ خواہش کو اللہ کی خاطر ترک کرنے پر آمادہ ہے ـــ؟ تو حکم ہوا۔ حضرت اسماعیلؑ کو (جو حضرت ابراہیمؑ کی سب سے لذیذ و عزیز شے تھی) لق و دق ویرانے میں میرے حکم پر چھوڑ آؤ ـــ تو حضرت ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور انکی والدہ کو مکہ کے لق و دق ریگستان میں بھوک اور پیاس کی حالت میں چھوڑ آئے۔ آپ نے یہ حکم اللہ کا حکم سمجھ کر پورا کیا اور دل پر ذرہ بھر رنج محسوس نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش میں بھی حضرت ابراہیمؑ کو ثابت قدم پایا ـــ تو اسکے بدلے حضرت اسماعیلؑ کے پاؤں کے نیچے چشمہ پیدا کر دیا ـــ اور دونوں ماں بیٹوں کیلئے رزق کا سامان بہم پہنچایا۔ انہیں کے قدموں سے اس لق و دق ریگستان کو آباد کر دیا ـــ حضرت اسماعیلؑ نے اسی مقام پر پرورش پائی تو عرصہ دراز کے بعد حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم سے مکہ کے اس مقام پر پہنچے تو اس جگہ کو آباد پایا اور حضرت اسماعیلؑ اور انکی والدہ کو بسلامت۔ خوش و خرم پایا ـــ اس طرح حضرت ابراہیمؑ کے دل میں حضرت اسماعیلؑ کی محبت اور بڑھ گئی ـــ اور حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ اسی مقام پر قیام کیا ـــ جب حضرت اسماعیلؑ سن بلوغ کو پہنچے اور عقل و حواس پختہ ہو گئے ـــ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ پر ایک عظیم آزمائش ڈالی ـــ کہ اے ابراہیم اب پھر تم سے تمہاری محبت کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اُٹھو اور میری خاطر اپنے عزیز بیٹے کی قربانی دو۔ اسوقت حضرتِ ابراہیمؑ مقامِ نبوت پر فائز تھے۔ انہیں مشاہدۂ اسرار الٰہی اور ذاتِ الٰہی کا تصور حاصل تھا۔ لیکن چونکہ یہ ایک آزمائش تھی ـــ اسلئے اللہ تعالیٰ نے خواب کی حالت میں حضرت ابراہیمؑ کو یہ حکم دیا ـــ کہ جاگتی حالت میں انسان ہوش و حواس میں قائم ہوتا ہے۔ اور اپنے ارادے پر اِسے قابو حاصل ہوتا ہے۔ خواب میں انسان۔ حواس و عقل استعمال نہیں کرتا ـــ اسلئے ظاہر تو ارادہ بھی ساقط ہوتا ہے۔ جیسے نیند میں انسان حواس سے یا عقل سے کیفیات حاصل نہیں کرسکتا ـــ یا اپنے ارادے سے حرکت نہیں کرسکتا ـــ خواب کی حالت میں انسان

اپنے مشاہدے میں خیالی تصورات بھی شامل کرلیتا ہے۔ جس میں کیفیت اصل نہیں ہوتی۔ بلکہ خیالی ہوتی ہے۔ ایسے خواب کو خیالی خواب کہا جاتا ہے۔ جسکی اہمیت نہیں ہوتی ــــ اسطرح انسان اپنے خواب پر یقین نہ کرنے کی گنجائش پاتا ہے۔ اگر انسان اپنے خواب کی تعبیر میں خواب کے واقعات پر عمل نہ کرے تو اس پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ یہی کیفیت حضرت ابراہیمؑ کے خواب میں حکم پانے کی تھی۔ کہ آیا حضرت ابراہیمؑ بیٹے کی قربانی دینے پر آمادہ ہونگے یا ان پر بیٹے کی محبت غالب آئیگی اور وہ اس خواب کو خیالی خواب کے عذر پر بیٹے کی قربانی سے باز رہینگے۔ تو یہ ایک غیر معقول عذر سمجھا جائیگا ــــ دوسری نوعیت یہ بھی ہے۔ کہ نبی کے خواب میں شک کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ اسکے مشاہدے کی قوتیں کثافت سے پاک اور حقیقی مشاہدہ حاصل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں۔ جن سے وہمی کیفیات پیدا نہیں ہوسکتی ہیں۔ اسلئے نبی نیند کی حالت میں بھی حقیقی مشاہدہ رکھتا ہے ــــ پیشتر صفحہ ۷۸ سے ۸۱ پر تفصیل خواب میں مشاہدہ کے متعلق بیان ہو چکا ہے۔ لیکن یہاں چونکہ خواب میں دیکھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اسلئے ضروری ہے۔ کہ اس خواب کی اصل نوعیت کی تشریح کی جائے ــــ

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ط (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۷ آیت ۱۰۲) کہا ابراہیم نے اے بیٹے میرے۔ تحقیق میں نے دیکھا۔ نیند میں۔ یہ کہ میں نے تجھے ذبح کیا ــــ پس دیکھ (سوچ) میں نے کیا دیکھا؟۔ اس آیت کا طرزِ بیان قرآنی الفاظ میں ہے ــــ ''اَرٰى فِي الْمَنَامِ ''۔ دیکھا نیند کی حالت میں ــــ نیند کی حالت میں دیکھنا ــــ کہنا کیوں ضروری ہوا ــــ جبکہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ مجھے حکم ہوا کہ تجھے ذبح کروں۔ آخر حضرت ابراہیمؑ کا بیٹے سے واقعہ بیان کرنے سے یہی مقصد تھا۔ کہ یہ حکمِ الٰہی ہے۔ کہ میں بیٹے کو ذبح کروں۔ ''خواب میں دیکھنے'' میں یہی مصلحت ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں ایسا دیکھنے سے یہ پختہ یقین ہے۔ کہ یہ ایک حقیقت ہے جس میں مجھے بیٹے کی قربانی دینے کا پورا حکم دیا جاتا ہے ــــ کیونکہ خواب [1] میں دیکھنا بھی مشاہدے کی ایک صحیح کیفیت ہے جسے رویائے صادقہ سے نسبت دیا جاتا ہے۔ قرآن نے اس سلسلہ میں مشاہدہ کرنے

---

[1] خواب کی تفصیل آگے صفحہ ۴۲۵ سے صفحہ ۴۲۷ تک پیش کی جاتی ہے۔

کی قوتوں کا خود ذکر کیا ہے ـــ جن میں طریق مشاہدہ وعلم میں یَعْلَمُوْنَ۔یُبْصِرُوْنَ۔یَعْقِلُوْنَ۔ یَفْقَهُوْنَ۔ یَشْعُرُوْنَ کی ترکیبوں کو الگ الگ مشاہدہ کی کیفیتوں میں استعمال کیا ہے۔

یَعْلَمُوْنَ : هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَنُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ○ (پارہ ۱۱ سورۃ ۱۰ آیت ۵) وہی ہے اللہ جس نے سورج کو روشنی پھیلانے والا بنایا ـــ اور چاند کو روشن بنایا ـــ اور مقرر کیا اسکے لئے منزلوں میں چلنا۔تاکہ جان سکو برسوں کی تعداد اور ماہ ودن وغیرہ ـــ نہیں بنایا ان کیفیتوں کو اللہ نے مگر ایک حقیقت کے ساتھ تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ان کیلئے جو ان کیفیتوں کا علم رکھتے ہیں۔

(۱) یُبْصِرُوْنَ : وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ○ (پارہ ۲۶ سورۃ ۵۱ آیت ۲۰۔۲۱) ترجمہ:اور بیچ زمین کے نشانیاں ہیں یقین رکھنے والوں کے لئے۔اور تمہارے وجود میں بھی۔کیا تم نہیں دیکھتے۔

(۲) یَعْقِلُوْنَ : وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۙ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۴) ترجمہ:اور زمین میں مختلف قطع نزدیک نزدیک ہیں۔اور باغ ہیں انگوروں کے۔اور کھیتی کیلئے۔اور کھجور کے درخت جڑیں ملی ہوئی۔اور بغیر ملے سیراب کی جاتی ہیں ایک ہی پانی سے ـــ اور فضیلت دیتے ہیں بعض کو بعض پر پھلوں (خوبصورتی اور لذت) میں۔تحقیق اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے ـــ

(۳) تَفْقَهُوْنَ: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ط اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا○ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۴۴) ترجمہ: تسبیح کرتے ہیں واسطے اسکے سات آسمان اور زمین ـــ اور جو کچھ (مخلوق) انمیں ہے۔نہیں کوئی شے مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ اسکی پہچان کے لیکن تم میں قوت فقہ نہیں کہ انکی تسبیح کو سمجھ سکو۔تحقیق وہ حلم والا اور بخشنے والا ہے ـــ

(۴) تَشْعُرُوْنَ : اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ج وَمَا یَشْعُرُوْنَ لا اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ع○ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶

آیت ۲۱) وہ مردے ہیں بے حرکت ہیں۔اور نہیں شعور رکھتے کہ کب اٹھائے جائینگے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَات'' طبَلْ اَحْيَآء'' وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

(پارہ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۴) اور نہ کہو واسطے انکے جو قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں مرے ہوئے۔ بلکہ زندہ ہیں۔لیکن تمہیں انکی زندگی کا شعور نہیں۔

يَعْلَمُوْنَ : یعنی کسی کیفیت کی اصل ماہیت کو ذہن میں لانا ـــــ کیفیت خواہ مادی ہو یا روحانی ـــــ يَعْلَمُوْنَ اس امر کی دلالت کرتا ہے۔کہ انسان میں علم حاصل کرنے کی قوتیں موجود ہیں۔علم حاصل کرنے کی قوتیں۔حواس خمسہ اور دماغ ہے۔۔دماغ میں عقل اور شعور ہے ـــــ یہی دو کیفیتیں علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔علم کے حصول میں مشاہدہ کے بغیر علم حاصل نہیں ہوسکتا۔اسلئے حواس ہی علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں جن سے مادی کیفیات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔مشاہدہ کرنے کیلئے قوتِ بصر۔ آنکھ کا ہونا ضروری ہے۔بغیر آنکھ کے کسی کیفیت کی اصل ماہیت ذہن (عقل وشعور) کو حاصل نہیں ہوتی ـــــ آنکھ ٹھوس مادی کیفیتوں کا احاطہ کرتی ہے ـــــ اسلئے جہاں ٹھوس مادی کیفیتوں کا علم حاصل کیا جائے وہاں قرآن نے براہ راست آنکھ۔بصر یا تُبْصِرُوْنَ کالفظ استعمال کیا ـــــ

(۱) تُبْصِرُوْنَ : آسمانوں اور زمین کی کیفیتیں آنکھ کے احاطہ میں آتی ہیں۔اسلئے قرآن نے اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ کالفظ استعمال کیا۔ اَفَلاَ تَعْلَمُوْنَ یا اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ نہیں کہا ـــــ اور جہاں محسوس کیفیتوں کا ذکر ہوا۔ جو حواس کے ذریعہ ذہن تک پہنچتی ہیں۔انکے مشاہدے اور علم کیلئے اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ کالفظ استعمال کیا ـــــ

(۲) يَعْقِلُوْنَ : قرآن میں جہاں ٹھوس مادی کیفیات اور انکی تحقیق وعلم کا ذکر ہے۔ایسی کیفیتوں کے بیان میں يَعْقِلُوْنَ کالفظ استعمال ہوا ہے۔کیونکہ یہ کیفیتیں۔حواس کے احاطہ میں آسکتی ہیں اور عقل کے ذریعہ انکا علم اور انکی تحقیق ہوسکتی ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات پر بیان کیا گیا۔

(۳) تَفْقَهُوْنَ : جہاں غیر محسوس ماورائے ادراک۔حواس اور عقل کے احاطہ میں نہ آنے والی کیفیتیں پائی جائیں قوتِ فقہ سے علم میں لائی جاتی ہیں ـــــ جیسے نمبر۳ کی آیت سے واضح ہوتا ہے کہ آسمانوں۔ زمین۔ملائکہ۔پہاڑ۔درخت۔دریا۔پتھر۔مٹی۔حیوانات جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں موجود ہے۔

سب تسبیح کرتے ہیں۔ساتھ اسکی پہچان کے ___ انسانی تصور میں "تسبیح": رکوع۔سجود۔قیام۔مراقبہ سے ہوتی ہے ___ اوراس تسبیح میں۔ادا ___ حرکت محسوس ہوتی ہے۔تسبیح میں باقی مخلوق سے نہ رکوع و سجود۔قیام ومراقبہ ادا ہوتا ہے۔نہ کسی اور حرکت سے ان اشیأ کی تسبیح محسوس ہوتی ہے ___ لیکن یہ اشیأ تسبیح کرتی ہیں۔تو ظاہر ہوتا ہے۔کہ رکوع۔سجود۔قیام سے ماسوئی بھی تسبیح ادا ہوتی ہے۔اسلئے ان اشیأ کی تسبیح غیر محسوس۔روحانی طرز کی ہوتی ہے۔جس کے لئے قوت فقہ کا ہونا ضروری ہے۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ سے مراد کہ انسان میں یہ قوتِ فقہ موجود ہے۔جو صرف غیر محسوس اشیأ کی کیفیات کا علم حاصل کرنے کیلیئے ہے۔لیکن انسان میں چونکہ دائی۔تزکیہ۔پاکیزگی روح وقلب نہیں اسلئے یہ کیفیتیں مشاہدہ وعلم میں نہیں آتیں ___ "فقہ" قلب کے مشاہدہ کی قوت ہے۔جو انسان کو خصوصیاتِ خلافت ونبوت میں عطا کی گئی ہے ___

لَهُمْ قُلُوْب" لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُن" لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَاز وَلَهُمْ اٰذَان" لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَاط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ○ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۷۹) انکے دل ہیں اس سے فقہ نہیں کرتے ___ اور انکی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں ___ ان کے کان ہیں ان سے سنتے نہیں یہ لوگ مانند حیوانوں کے ہیں۔بلکہ انسے بھی زیادہ گمراہ یہ لوگ اپنے اعمال سے غافل ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔یہ قوتیں خصوصیات خلافت میں شامل ہیں۔ان قوتوں کو مشاہدۂ حقیقت کیلیئے بنایا گیا۔تاکہ ان سے علم حاصل کیا جائے۔اس عمل کو بھی مشاہدہ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔بصورتِ دیگر اگر ان قوتوں کو استعمال نہیں کیا گیا۔تو انسان خلیفہ کے مقام سے گر کر حیوان بلکہ حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔

یہ قوتیں انسان کی سوئی میں شامل ہیں ___ کیونکہ انسان آنکھ کے ہوتے ہر حال میں دیکھ سکتا ہے۔کان کے ہوتے ہر حال میں سن سکتا ہے۔اور قلب میں پیدائشی طور قوتِ فقہ موجود ہے۔تو پھر لَا يُبْصِرُوْنَ۔ لَا يَسْمَعُوْنَ۔ لَا يَفْقَهُوْنَ۔سے ان قوتوں کی نفی نہیں ہوتی کہ یہ قوتیں سرے سے نہیں ہیں۔حیوانوں میں بھی قوتِ سمع۔قوتِ بصر۔قوتِ فقہ پائی جاتی ہے ___ تو پھر انسان کو کیوں كَالْاَنْعَامِ

مثل حیوان کہا گیا۔وہ اس لئے کہ یہ قوتیں انسانی سوّئی میں شامل ہیں۔سوّئی کی خصوصیت یہ ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۲۳)اور بنائے تمہارے واسطے کان۔قوتِ سمع۔آنکھیں قوتِ بصر۔۔۔اور دل و دماغ مگر بہت کم لوگ ہیں جو تلاشِ حقیقت اور حصولِ عرفان میں ان قوتوں کو استعمال کر کے شکرانِ نعمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

آنکھیں حصول علم میں معاون ہیں۔کہ ایک شے کی اصل ماہیت کا احاطہ کر لیتی ہیں۔۔۔کان اس ماہیت کی تصدیق کرتے ہیں۔دل و دماغ اس علم پر غور و فکر کر کے حقیقت کی تہ کو حق الیقین کی صورت میں پالیتے ہیں۔یہ قوت عام حیوانوں میں نہیں۔نہ وہ اصل ماہیت کی تلاش کی صلاحیت رکھتے ہیں۔نہ حقیقت کا علم سننے کی ان میں صلاحیت ہے۔۔۔ان میں عقل و شعور ہے۔لیکن عالم باطن۔اسرار الٰہی پانے کی ان میں صلاحیت نہیں۔ایک پرندہ کمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔۔۔اسکی آنکھ دیکھتی ہے۔ وہ ایک راہ سے کمرے میں داخل ہوا۔اسکی دماغی قوت قوی نہیں۔۔۔اسکا حافظہ قوی نہیں۔اسے وہ راستہ یاد نہیں جس راہ سے داخل ہوا۔۔۔پرندہ شیشے کی کھڑکیوں سے باہر کی روشنی دیکھتا ہے۔اور باہر نکلنے کیلئے کھڑکی کی طرف دوڑتا ہے۔لیکن شیشے سے ٹکرا کر گر جاتا ہے۔اسکے دماغ میں شیشے کو پہچاننے کی صلاحیت نہیں۔باوجود ایک بار شیشہ سے ٹکرانے کے دوبارہ اسی شیشے کو راستہ سمجھ کر باہر جانے کیلئے دوڑتا ہے۔اور شیشہ سے ٹکرا جاتا ہے۔یہی فرق حیوانی اور انسانی دماغ میں ہے۔۔۔ایک جانور دریا کے کنارے چلتا ہے۔راستہ دشوار ہے۔کہ پاؤں پھسل کر دریا میں بہہ جائے۔وہ اس دشوار راستہ کی خطرناکی کو سمجھتا نہیں۔۔۔پاؤں پھسل کر دریا میں گر جاتا ہے۔جانور کو دریا سے نکال کر کھڑا کر دو۔۔۔وہ دوبارہ اسی راہ پر چلنا شروع کریگا۔اور دوبارہ پھسل کر دریا میں بہہ جائیگا۔اس میں راستہ کی دشواری کا احساس نہیں۔۔۔جب تک کہ خود اسے ہٹا کر دوسرے راستہ پر نہ ڈالا جائے۔یہی فرق انسان کو حیوان سے ممیز کرتا ہے۔اور حواس کی خصوصیت میں اسے حیوان سے افضل قرار دیتا ہے۔اسی طرح دماغی ہیئت میں بھی۔انسان حیوان سے افضل ہوتا ہے۔کہ حیوان میں نفع و نقصان کی تمیز اور بچاؤ کرنے کی صلاحیت نہیں۔اسکے علاوہ حیوانی دماغ میں بھی مشاہدہ کی قوت ہوتی ہے۔۔۔اس میں قوتِ عقلی بھی ہے۔اور قوتِ شعوری بھی

۔ اسکی قوتِ عقلی صرف اسکے سامان زندگی کی چند اشیأ کو یادرکھ کر اسکی خوراک کی تلاش میں معاون ہوتی ہے۔ جیسے مرغی کے سامنے مکئی کے دانے ڈال دیئے جائیں۔ وہ اپنی قوتِ بصر سے کام لیتی ہے۔ جہاں جہاں زمین پر دانہ بکھرا ہو۔ مرغی فوراً دانہ دیکھ لیتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسکی پشت یا پہلو میں دانہ پڑا ہو مرغی فوراً دیکھ کر چُگ لیتی ہے۔ اور اگر مکئی کے دانے کے برابر اور دانے بھی مکئی میں ملا دو مرغی ہرگز ان دانوں کو نہیں چھوتی بلکہ چن چن کر مکئی کے دانے چُگ لیتی ہے۔ یہ اسکی قوتِ بصر اور دماغ کی قوت ہے۔ کہ اپنی خوراک پہچان لیتی ہے۔ اور اسے حاصل کرتی ہے۔ یہی کیفیت چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک ہے۔ لیکن ان میں تحقیق وفکر کی صلاحیت نہیں۔ اسکے مقابل انسان اپنا سامان زندگی حاصل کرنے کیلئے آسانی حاصل کرسکتا ہے۔ وہ اپنی خوراک حاصل کرنے کیلئے ایٹم ــــ اور راکٹ تیار کر کے آسانی سے اپنی خوراک فراہم کرسکتا ہے ــــ

حواس اور دماغ۔ جسمانی حفاظت کا کام بھی خصوصی طور کرتے ہیں۔ یہ صفت حیوان اور انسان میں برابر حیثیت میں پائی جاتی ہے ــــ حیوان بھی حواس اور دماغ سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔ اور انسان بھی اپنی جسمانی حفاظت کیلئے ان قوتوں کو استعمال کرتا ہے ــــ جیسے آنکھ ہر وقت مستعد رہتی ہے۔ کہ کسی وقت کسی حادثہ کو فوری طور دیکھ کر جسم کی حفاظت کا سامان کرے۔ اس میں کان۔ ناک۔ زبان۔ قوتِ لامسہ (چھونے کی قوت) انسانی حفاظت میں برابر کے شریک ہیں ــــ اور دماغ بھی انسانی حفاظت میں ہر لحہ مستعد رہتا ہے ــــ جہاں تک انسانی خوراک کا تعلق ہے۔ انسان مقررہ اوقات میں حصولِ رزق میں انہیں۔ استعمال کرتا ہے۔ بقیہ اوقات میں صرف جسمانی حفاظت کا کام ہی کیا جاتا ہے ــــ

جنگل میں ایک ہرن ــــ یا بھیڑ بکری ــــ گھاس چرتی بھی رہتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ اسے ہر لمحہ اپنی حفاظت کا احساس رہتا ہے۔ حیوانوں میں اپنی حفاظت کا شدت سے احساس رہتا ہے۔ کیونکہ حیوان انسان کے مقابلہ میں فوری طور اپنی حفاظت کیلئے دماغ استعمال کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسلئے گھاس چرتے ہوئے بھی۔ باربار سر اٹھاتا۔ ادھر ادھر دیکھتا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی حفاظت آنکھ ہی کرتی ہے ــــ اسلئے وہ اپنی حفاظت کیلئے باربار آنکھ کو استعمال کر کے ادھر ادھر خطرات سے آگاہ رہنے کی کوشش کرتا ہے ــــ تاکہ کوئی حادثہ اچانک اس پر وارد ہو کر ہلاک نہ کر ڈالے ــــ اسکے مقابلہ میں انسان

حواس کے ہوتے کسی حدتک حادثہ سے لاپرواہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اسکی دماغی قوت میں اتنی صلاحیت ہے۔ کہ اچانک حادثہ کی صورت میں وہ دماغ سے کام لیکر اپنی حفاظت کر سکے ___ اسی دفاعی اثر کے تابع ہر جاندار میں مشاہدہ ظاہری اور مشاہدہ باطنی کی قوت بھی دماغ میں پائی جاتی ہے۔ درحقیقت انسانی دماغ کا مشاہدہ دفاعی قوت وتحریک کے زیر اثر ہی ہوتا ہے۔ اگر چہ دماغ مشاہدہ کیلئے ہی بنا ہے۔ لیکن مشاہدہ سے ماسوا۔ اسکا کام جسمانی حفاظت کرنا بھی ہوتا ہے۔ یہ دونوں کیفیتیں علم اور حفاظت دونوں دماغ کی مشاہداتی قوت کو متحرک کرتے ہیں ___

حیوان پر جب نیند غالب ہوجاتی ہے۔ اسے احساس ہو جاتا ہے۔ کہ اسکی آنکھ بند ہورہی ہے۔ اور وہ حادثہ کی اطلاع پا نہیں سکتا۔ اسلیئے وہ نیند کی حالت میں بھی اپنی حفاظت کا احساس رکھتا ہے ___ حیوان کی قوتِ دفاع اور دماغ ہر وقت کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ حیوانوں میں کتوں پر ایسی کیفیت دیکھنے میں آتی ہے۔ کہ کتا جاگتی حالت میں بار بار بھونکتا رہتا ہے یا کسی آدمی۔ یا کتے۔ یا کسی قوی جاندار کو دیکھتے ہی بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے۔ کہ کتا درندہ ہے۔ اس میں چیر پھاڑ کی زیادہ خو (عادت) پائی جاتی ہے۔ اسلیئے اسے ہر وقت اپنی حفاظت کا احساس رہتا ہے۔ اسکا بھونکنا دراصل مالک کی حفاظت کرنے یا مکان کی رکھوالی کیلئے نہیں۔ بلکہ اپنی حفاظت کیلئے۔ عادتاً بھونکنا یا حملہ کرنا ہے۔ اسے کسی قوی قوت کو دیکھتے ہی اپنی حفاظت کا احساس ہوتا ہے۔ مکان میں کسی غیر پر حملہ کرنے میں بھی اسکی اپنی حفاظت کا احساس ہے۔ کہ یہ شخص مجھ پر حملہ نہ کردے۔ اور جانے پہچانے آدمی پر حملہ نہ کرنا اسلیئے ہے۔ کہ اِسے اس آدمی سے نقصان کے خطرے کا احساس نہیں ہوتا۔ کتا دن میں کم بھونکتا ہے اور بعض اوقات ایک جگہ بیٹھ کر سو بھی جاتا ہے۔ یہ اسلیئے کہ ایک تو دن میں اسکی آنکھ کام کرتی ہے۔ دوسرے مالک کے گھر میں رہ کر اسے کسی حدتک اطمینان رہتا ہے۔ کہ میں محفوظ جگہ پر ہوں۔ اسکے برعکس رات کو زیادہ بھونکتا اور مکان کے اردگرد گھومتا ہے ___ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ رات کو اسکی قوتِ بصر زیادہ کام نہیں کرسکتی۔ یہ کیفیات کو دیکھ نہیں سکتا۔ اسلیئے اسے خطرات اور حادثات اور حملہ کا احساس شدت سے ہوجاتا ہے۔ اس لئے اپنی حفاظت کیلئے مستعد ہوجاتا ہے۔ اور خطرات کی نگرانی کرتا ہے۔ کہ کسی جگہ کوئی حملہ آور اس پر وار نہ کر جائے۔ دراصل کتا مکان کی نگرانی نہیں کرتا بلکہ اپنی حفاظت کے لئے بھاگ دوڑ

اور بھونکنا شروع کرتا ہے۔ اسطرح مالک کا مقصد حفاظت کا پورا ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک کی ہے۔ کسی وقت کتا دن میں سو جاتا ہے۔ تو نیند کے ساتھ ہی۔ کتے کی لاتیں ہلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور نیند میں بھونکنا غرّانا شروع کرتا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے۔ کہ کتا آنکھ کے بند ہوتے ہی حادثہ کا احساس کرتا ہے۔ مگر تکان کی وجہ سے عقل خفتہ ہو جاتی ہے تو اس پر مجبوری کا اثر شدت سے طاری ہو جاتا ہے۔ اسکا ارادہ اپنی حفاظت کیلئے نیند میں متحرک ہو جاتا ہے۔ یہ ارادہ۔ قوتِ دفاع ہے۔ جو ایک جاندار کی حفاظت میں متحرک ہو جاتی ہے۔ قوتِ دفاع وہ ذرات ہیں جو خون میں جسم کی تعمیر اور مہلک ذرات کا دفاع کر کے ایک جاندار کی حفاظت کرتے ہیں ــــ ارادہ چونکہ دل سے پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے ارادہ خواہش کی شکل اختیار کر کے دماغ میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں خطرات کے حملہ کا احساس ہوتا ہے۔ تو حافظہ سے خطرات کے تصورات ابھر کر شعور میں داخل ہوتے ہیں۔ حافظہ میں۔ انسان۔ شیر اور درندوں کی شکلیں موجود ہوتی ہیں۔ تو کتا نیند میں حافظہ کے اثر سے شعور کے ذریعہ خواب دیکھتا ہے ــــ کہ شیر آتا ہے۔ یا مکان میں کوئی آدمی داخل ہوتا ہے۔ تو کتا خواب کی حالت میں دوڑتا ہے۔ تو اسکی ٹانگیں ہلتی ہیں ــــ اور خواب کی حالت میں بھونکتا ہے۔ تو اکثر نیند کی حالت میں کتے کے بھونکنے کی آواز بھی سنی جاتی ہے ــــ اس سے مراد حواس و دماغ علم سے ماسوا۔ حفاظت کا کام بھی کرتے ہیں۔ چونکہ حیوان میں بھی دوران خون ہے۔ خون بھی ذرات کا مجموعہ ہے۔ یہ ذرات بھی لطیف ہیں۔ اسلئے ان ذرات میں بھی روح ہے۔ اس روح کو بھی روحِ حیوانی کہا جاتا ہے ــــ روح حیوانی میں مشاہدہ کی قوت ہے۔ اسلئے حیوان کا دماغ اور روح بھی خواب دیکھ سکتی ہے۔ اور غیر جسمانی کیفیات کا مشاہدہ کر سکتی ہے ــــ چونکہ حیوان کی روح بھی مثل انسان ایک روح ہے۔ اسلئے اس میں بھی الارض (زمین) سے متعلق قریبی غیر محسوس اشیاً کا ادراک کرنے کی صلاحیت ہے۔ لیکن چونکہ حیوان۔ میں کلام اور فہم کی وسیع قوت نہیں اسلئے اسکا مشاہدۂ روحانی۔ حواس سے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ نہ سمجھا جاتا ہے۔ البتہ جیسا کہ روح کی صفت ہے۔ یعنی روحانی۔ سمع۔ بصر۔ فہم۔ کلام ــــ روحانی اعتبار سے اس روح کو بھی حاصل ہے ــــ فرق صرف یہ ہے۔ کہ حیوان انسان کی طرح اس روح کو استعمال نہیں کر سکتا۔ اسلئے یہ باور کرنا مشکل ہوتا ہے کہ حیوان بھی مشاہدہ ــــ کلام۔ سمع۔ بصر۔ فہم کی روحانی قوت رکھتا ہے۔ نہ ہی حیوان سے کسی وقت اس کیفیت

کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا ہے۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔کہ بہ اعتبارِ روح جبکہ حیوان میں بھی زندگی ہے۔ اور زندگی کو قائم رکھنے کیلئے عام جسموں کی طرح۔خون۔جوہراور روح پائی جاتی ہے۔اسلئے اس روح میں بھی مشاہدہ اور کلام سمع و بصروفہم کی روحانی صلاحیت پائی جاتی ہے۔اسی روح سے اسکی تسبیح و پہچان نسبت رکھتی ہے۔کہ کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں۔جوایک روح ایک جسم نہ رکھتی ہو۔وہ زمین (مٹی) ہو یا پہاڑ۔جمادات ہو یا نباتات یا حیوانات۔ہر شے میں ہیئت تبدیل کرنے کا مادہ ہے۔ہیئت تبدیل کرنا بغیر زندگی کے نہیں ہوسکتا۔زندگی سے مراد روح کا پایا جانا۔کیونکہ ہر شے ذرات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اور ذرات ہیئت تبدیل کرتے ہیں۔اسلئے ہیئت کی تبدیلی دلیل ہے روح کی ــــ اور جہاں روح ہے۔ وہاں اس میں روحانی صفت۔سمع۔بصر۔کلام۔فہم کا پایا جانا ضروری ہے۔اسلئے ہر شے میں روحانی حیثیت میں قوتِ سمع۔کلام۔بصر۔فہم موجود ہے کوئی شئے مخلوق ان قوتوں سے خالی نہیں ــ فرق صرف یہ ہے۔کہ ان قوتوں کو جسمانی ساخت اور صلاحیت کے ذریعہ ہی دیکھا یا محسوس کیا جاتا ہے۔بغیر حیوان اور انسان۔باقی مخلوق میں ایسی جسمانی ساخت نہیں۔جس میں کان۔آنکھ۔زبان۔دماغ ہو جس سے اس روحانی قوت کا مظاہرہ ہو کر محسوس کیا جاتا ہے۔اسلئے کسی شے کی روحانی قوت کو محسوس نہیں کیا جاتا۔لیکن تنظیم فطرت کے تابع اس سے انکار نہیں کیا جاتا ــــ یہی وہ قوت ہے جس سے غیر محسوس تسبیح وحمد متعلق ہے۔جسطرح ملائکہ کا وجود بغیر آنکھ۔کان۔زبان۔دماغ۔بصر۔سمع۔کلام وفہم کی قوت رکھتے ہیں۔ چونکہ قرآن نے ملائکہ کی کلام کا ذکر کیا اسلئے ہم باور کرلیتے ہیں کہ ملائکہ بغیر حواس و دماغ کے بھی کلام۔ سمع۔بصر وفہم کی قوت رکھتے ہیں۔اسی طرح اگر ایک درخت کے تنے میں ایک روح سرایت کر جائے ــــ اور درخت سے کلام کی آواز آئے۔تو اسکا مطلب یہ ہے کہ درخت میں کان۔آنکھ۔سمع۔فہم نہیں۔مگر اس میں سرایت کی گئی ایک روح ہے جو بولتی ہے۔مگر دیکھنے میں نہیں آتی۔چونکہ یہ عادت نہیں کہ ایسی اشیأ میں روح بولے۔اور انسان حواس سے سن سکے ــــ یہی روح ہے جو ہر شے میں قوتِ عمل رکھتی ہے ــــ یہ بھی ثابت ہے۔کہ روح ہی ہر وجود میں۔مشاہدہ وعمل کی محرک وسبب ہے۔اسلئے ہر وجود میں تسبیح و پہچان کا کام اس روح سے سرزد ہوتا ہے ــــ اور روحانی اعتبار سے ہر روح اپنے خالق کو پہچان کر اسکی تسبیح کرتی ہے۔لیکن وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔یہ کیفیت بغیر روحانی قوت کے دیکھی نہیں جاسکتی

ہے۔ کیونکہ اسکی ہیئت روحانی ہے ___ اور فقہ بھی دل ___ یعنی روح سے ہوتی ہے ___ انسان میں بھی روح ہے۔ جس میں مشاہدہ کی قوت ہے اسلئے یہی روح تسبیحِ اشیأ کا ادراک و مشاہدہ کرسکتی ہے ___ ایک مقام پر اس مشاہدہ کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے چیونٹیوں کی کلام سنی ___ وہ ہر جاندار کی کلام سنتے تھے۔ ظاہر ہے۔ چیونٹی میں زبان ایسی نہیں کہ کلام کرسکے تو اسکا بولنا کس نوعیت کا ہوسکتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ج وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ○ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَىْءٍ ط اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ○ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ○ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ لا قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ج لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ لا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِىْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَدْخِلْنِىْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ○ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۱۵ تا ۱۹) اور بیشک ہم نے دیا تھا داوٗد اور سلیمان کو ایک خاص علم۔ اور کہا ان دونوں نے شکر ہے اللہ کا جس نے فضیلت دی ہمیں اوپر بہت لوگوں صالحوں پر۔ اور وارث ہوا سلیمان داوٗد کا۔ اور بولا اے لوگو ہمیں سکھائی گئی بولی پرندوں کی اور دی گئی ہمیں ہر ایک چیز۔ بلاشبہ یہ تو اللہ کا فضل ہے ___ اور جمع کئے گئے واسطے سلیمان کے لشکر جنوں سے اور انسانوں سے اور پرندوں سے پس وہ تقسیم کئے جاتے تھے جماعتوں میں ___ یہاں تک کہ وہ آئے ایک وادی میں چیونٹیوں کی۔ تو کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو! گھس جاوٗ اپنے بلوں میں۔ نہ کچل ڈالیں تمکو سلیمان اور انکے لشکر اور وہ شعور[۱] نہیں رکھتے۔ پس مسکرایا ہنستے ہوئے اسکی بات پر۔ کہا اے میرے رب تو توفیق دے مجھے۔ کہ میں شکر کروں تیری اس

---

۱ ان میں قوتِ شعور سے آگاہی کا مادہ نہیں کہ تمہارے وجود اور ہلاکت سے باخبر ہوں ___ اسکی باقی تشریح شعور میں صفحہ ۱۷۰ پر آئیگی۔

نعمت پر جو تو نے عطا کی مجھ کو اور میرے والدین کو اور کہ میں عمل کروں نیک جو تو پسند کرے اور داخل کر مجھ کو اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بندوں صالحوں میں۔

حضرت سلیمانؑ کو یہ خصوصیت عطا ہوئی۔ کہ وہ ہر بے زبان جاندار کی کلام سنتے تھے۔ جیسا کہ آیات بالا سے ظاہر ہوا۔ لیکن سمجھنا یہ ہے۔ کہ انہوں نے کس قوت سے یہ کلام سنی ــــ فطری قانون کے مطابق کلام۔ ''سمع'' کان سے سنی جاتی ہے۔ اس سننے میں۔ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ کہ اصل محرک روح ہے ــ جیسے۔ ایک منہ سے جب آواز نکلتی ہے۔ تو اسکی ہیئت ایک ہوا کی ہوتی ہے۔ جو پھیپھڑوں سے خارج ہوتی ہے۔ اور حلق میں آکر زوردار آواز کی ہیئت بن جاتی ہے۔ یہی ہوا۔ فضا کی ایثری قوت میں جذب ہو جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہوا بجائے خود ایک لطیف ہوا ہے اور بیرون فضا میں بھی ہوا پائی جاتی ہے۔ جس میں حلق کی ہوا جذب ہو جاتی ہے ــــ ایک ہوا کا دوسری ہوا میں جذب ہونے سے مراد ایک ہی قسم کی دو قوتیں آپس میں مل جاتی ہیں۔ اگر ان قوتوں میں یکسانیت نہ ہو تو آپس میں جذب نہیں ہو سکتیں۔ اس سے ظاہر ہوا۔ کہ منہ کی ہوا بھی ایثری قوت کی حامل ہے ــــ یہی آواز کان کے پردوں سے ٹکراتی ہے اور پردے کی باریک شریانوں میں جذب ہو کر خون کے ذروں میں شامل ہو کر دماغ تک پہنچتی ہے۔ اس عمل سے ظاہر ہوا کہ کان سے دماغ تک جو خون رواں ہے۔ یہ بھی ایثری قوت کا حامل ہے ــــ اور دماغ تک پہنچ کر آواز کا احساس ہونے سے مراد آواز دماغ کی ایثری قوت میں کیفیت جذب ہو جاتی ہے۔ یہی جذب کا عمل ہے۔ جس سے آواز سننے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس تمام عمل میں ایثری قوت ہی آواز نکالنے اور آواز سننے کی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ اسلئے حواس خمسہ اور عقل کے عمل میں ایثری قوت کو ہی محرک سمجھا جاتا ہے۔ یہی قوت۔ قوتِ لامسہ میں بھی عمل کرتی ہے۔ ادھر جسم کے ساتھ کانٹا لگا ادھر چبھنے کی کیفیت دماغ تک پہنچی۔ یہ برقی عمل اس امر کی دلالت کرتا ہے۔ کہ حواس کا برقی عمل دراصل ایثری قوت کا ذاتی عمل ہے ــــ لامسہ میں احساس دلانے والی قوت خون کے ذرات میں جوہری قوت ہوتی ہے۔ یہی جوہری قوت انسان کی روحِ حیوانی کہلاتی ہے۔ یہی روحِ حیوانی حیوانوں میں بھی موجود ہے۔ اسلئے روح حیوانی کا رابطہ روحِ انسانی سے ہو کر ایک دوسرے کی آواز (دو روحوں کا آپس میں کلام) سنی جاتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے ــــ کہ اگر حیوانوں کی روح کلام کی قوت رکھتی ہے۔اور انسانی روح اِسے سن سکتی ہے۔تو ہر انسان کو یہ کلام سننی چاہیے ــــ لیکن ایسا نہیں۔حیوانوں کو کلام کرتے محسوس نہیں کیا گیا ــــ اور انسانوں کو بھی حیوانوں کی کلام سنتے نہیں دیکھا گیا ــــ؟ اسکا جواب قرآنی آیت سے ملتا ہے۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ تم بے زبان قوتوں کے روحانی افعال (کلام) کا ادراک نہیں کر سکتے حواس سے ــــ البتہ اس کیلئے قوتِ فقہ کی ضرورت ہے قوتِ فقہ قلب سے ہوتی ہے ــــ لَهُمْ قُلُوْبٌ'' لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۔ان کے دل ہیں مگر وہ اس سے فقہ نہیں کرتے۔اسکا مطلب یہ ہے۔کہ دل مخزن ہے روح کا۔دل کا فقہ کرنے سے مراد۔''تم روح کے ذریعہ اس ماورائے ادراک عمل کو محسوس کرنے کی قوت نہیں استعمال کرتے۔'' بہ الفاظ دیگر جن لوگوں کے دل پاکیزہ ہوں۔انکی روح میں یہ قوتِ مشاہدہ ہوتی ہے۔وہ ایسی کیفیتوں کا احساس کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور لوگوں میں جنہیں تزکیۂ قلب حاصل نہیں۔انکی روحوں میں فقہ کرنے کی قوت باقی نہیں رہی اسلئے وہ ایسی کیفیتوں کا احساس کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ــــ حضرت سلیمانؑ کے ادراک کرنے کی نوعیت بھی ایسی ہے کہ نبی ہونے کی حیثیت سے انہیں روحانی طور فقہ کرنے کی قوت موجود ہے ــــ اور وہی قوتِ فقہ سے حیوانوں کی کلام سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں ــــ اور روحانی اعتبار سے ہر حیوان کی روح میں۔کلام۔سمع و بصر۔فہم کی قوت پائی جاتی ہے۔لیکن جسمانی اعتبار سے حیوان کا چونکہ حافظہ اور عقل و شعور کامل نہیں اسلئے وہ اپنی قوتِ روحانی کے اثرات سے آگاہ نہیں ہوتے۔یا اگر شعور کے ہوتے آگاہ بھی ہوں۔تو بوجہ۔حواس۔کلام۔وفہم کی عدم صلاحیت کے انسان سمجھ نہیں سکتا ــــ اس کیفیت کا ظاہراً حیوان سے مظاہرہ بھی نہیں ہوتا۔کیونکہ حیوان میں دماغی صلاحیت نہیں۔اسکا حافظہ کمزور ہے۔اس میں کیفیات جمع نہیں رہ سکتیں۔ اسلئے وہ ایسے روحانی علم کو نہ حافظہ میں جمع رکھ سکتا ہے۔نہ اس سے علمی استفادہ کر سکتا ہے۔لیکن بجائے خود حیوانی روح اس بات کی اہل ہے۔کہ بہ اعتبارِ روح اس میں کلام۔سمع۔بصر۔فہم موجود ہے۔ایسی کیفیتوں کو قوتِ فقہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔یہ قوتِ فقہ ہر انسان کو بحیثیت خلیفہ و نبی حاصل ہے۔لیکن قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔بہت کم لوگ ہیں جو اپنی قوتِ فقہ۔قوتِ مشاہدہ کو سالم رکھ کر اسے استعمال کرتے ہیں۔

(۴) شُعُوْرُ : انسانی ادراک میں شعور ایک روحانی قوت ہے۔جس سے ماورائے ادراک غیر جسمانی

قوتوں کا ادراک ہوتا ہے۔ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ کہ حکمائے یونان۔ حکمائے مغرب (یورپ)۔ اور حکمائے اسلام نے دماغ کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں۔ حصۂ حرکت یا متصرفہ۔ حصۂ بصارت۔ واہمہ۔ حافظہ۔ حس مشترک پانچ حصے ہیں۔ حس مشترک میں دو حصے ہیں۔ ایک عقل۔ دوسرا شعور ـــــ اسی شعور کو قرآن نے لَا تَشْعُرُوْنَ کے تصور میں بیان کیا ـــــ قرآن نے غیر محسوس۔ ماورائے ادراک کیفیتوں کے ادراک کرنے میں اس لفظِ شعور کو استعمال کیا ـــــ یہ کیفیت خود قرآنی بیان سے معلوم ہو جاتی ہے۔ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۔ نہیں دھوکہ دیتے کسی کو مگر اپنے آپ کو مگر انہیں اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی کیفیت کا احساس[1] نہیں۔

یہ واقعہ منافقین کے حق میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ کافر مومنوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں۔ کہ ہم بھی اسلام اور رسول پر ایمان لائے۔ دراصل وہ اپنے آپ کو مومن بتا کر مومنوں کے اندرونی حالات اور راز دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ـــــ اور مومنوں میں تفرقہ وفساد پھیلا کر اسلام کو کمزور کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ اور یہی دھوکہ دیتے ہیں۔ کہ ہم مومن ہیں ـــــ اور اسلام کے خیر خواہ ہیں۔ اسطرح وہ اپنی چالوں کو کامیاب سمجھ کر اپنے آپ کو نفع میں سمجھتے ہیں ـــــ حالانکہ ایسا نہیں ـــــ وہ ایک اللہ ـــــ اور رسول کے خلاف۔ نافرمانی۔ اور اسلام دشمنی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کے خلاف اقدام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ع (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۹) ـــــ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی ہدایت ماننے سے انکار کیا ـــــ اور جھٹلایا ـــــ اور منافقانہ طرز اختیار کی انکے لئے جہنم کا عذاب قائم ہو جاتا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہ کر شدید تکلیف میں مبتلا رہینگے۔

منافقین اپنی طرف سے مومنوں کو دھوکہ دیکر خوش ہوتے ہیں۔ کہ ہم کامیاب اور نفع میں ہیں۔ مگر اسکے نتیجہ میں جو اثرات پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہے۔ کہ انکی منافقت اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ دھوکہ میں ہیں کہ ہمارے اس عمل سے اسلام کو دھوکہ پہنچیگا۔ برعکس اسکے وہ خود کو دھوکہ دیتے

---

[1] حس۔ حواس سے ہے ـــــ یعنی ادراک نہیں۔

ہیں کہ اپنے عمل سے جہنم کا عذاب حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ جہنم کا عذاب۔ انسانی عمل کا غیر محسوس ثواب نتیجہ ہے۔ جس کا انہیں ادراک نہیں کہ اُنکے لئے عذاب جمع ہو رہا ہے۔ اسلئے اپنے عذاب کا ادراک نہ کرنا۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ کے لفظ سے ظاہر کیا گیا۔ اس جگہ لَا یَعْقِلُوْنَ ___ یا وَھُمْ لَا یَعْلَمُوْن نہیں کہا گیا۔ چونکہ کیفیت ماورائے ادراک ہے۔ جو شعور سے ہی حاصل کی جاتی ہے اسلئے وَمَا یَشْعُرُوْنَ کا لفظ استعمال کیا گیا___

وَمَا یَشْعُرُوْنَ لا اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ○ اور انہیں شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائینگے۔

اس آیت میں بھی حشر کے دن اٹھایا جانا۔ ایک ماورائے ادراک کیفیت ہے۔ یہ کیفیت متشابہات میں شامل ہے۔ اسلئے یَشْعُرُوْنَ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَات'' ط بَلْ اَحْیَآء'' وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ○ اور مت کہو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں ''مردہ''۔ بلکہ زندہ ہیں لیکن تم اس زندگی کو بغیر شعور جان نہیں سکتے۔ ظاہر ہے۔ حرکت اور روح حیوانی کے علیحدہ ہونے سے جسم پر موت کا اطلاق ہوتا ہے۔ انسان قتل ہونے کے بعد دونوں کیفیتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو لازماً اسے مردہ کہا جانا چاہیے ___ کیونکہ حیات حرکت اور روحِ حیوانی کے خون میں موجود ہونے سے ہوتی ہے ___ جب یہ دونوں کیفیتیں موجود نہیں تو اس جسم کو حیات نہیں کہا جا سکتا اور انسان اس حالت میں مردہ کی حیثیت میں ہی ہوتا ہے۔ اس میں حرکت بھی نہیں اور خون بھی نہیں۔ اسکے باوجود۔ اس جسم کو ''حیات'' کہا جاتا ہے ___ اس وجہ سے کہ یہ جسم اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے قتل ہوا ___ لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں۔ اس جسم پر کیا کیفیت طاری ہوئی جس سے اس جسم کو حیات کہا جاتا ہے ___ ایک یہ کہ اللہ کی راہ میں انسان جذبۂ ایمانی سے سرشار ہوتا ہے۔ اسکے خون میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اور قتل ہوتے وقت اسکا تزکیہ ہو کر اسکے وجود کے ہر ذرہ میں اتنی لطافت پیدا ہوتی ہے۔ کہ وجود بمنزلہ روح ہو جاتا ہے ___ خون صرف حرکت کو جاری رکھتا ہے۔ خون خارج ہونے سے جسم کی حرکت ساقط ہو جاتی ہے۔ مگر جسم باقی [1] رہتا ہے۔ عام انسان کے

---

[1] قتل ہونے سے انسانی وجود کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ یعنی خون کے ذرات یکسر روحی (نوری) ہو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مرنے پر انسانی جسم کے تمام ذرات مردہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن شہید کے جسم کے ذرات (یعنی سارا جسم) لطیف ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں زندگی کے آثار باقی رہ جاتے ہیں۔ یا بہ الفاظ دیگر تزکیہ کی وجہ سے مجسم زندگی بن جاتے ہیں ـــــ اور بہ اعتبار روحانی ہیئت حاصل ہونے کے اس جسم میں روح کی طرح قوتِ سمع۔ بصر۔ فہم باقی رہتی ہے۔ اور یہ کیفیت محسوس نہیں کی جاتی کہ مردہ جسم بظاہر مردہ محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اسکی ساخت اور خاصیت بدل کر اس میں لطافت و روحانیت آ جاتی ہے۔ اسی روحانی اثر کے تابع اس میں حیات کی خاصیت سمع۔ بصر۔ فہم باقی رہتی ہے ـــ اور خون خارج ہونے سے صرف حرکت ساقط ہو جاتی ہے ـــــ ایسی صورت میں یہ غیر متحرک جسم بمنزلہ روح اپنے قریب کی ہر کیفیت دیکھتا۔ سنتا اور سمجھتا ہے ـــ اسی طرح جسطرح روح بغیر بشری شکل دیکھتی۔ سنتی۔ سمجھتی ہے ـــــ روح چونکہ مجسم حیات ہے۔ اسلئے یہ جسم بھی مجسم حیات تعبیر دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ کیفیت آنکھ سے محسوس نہیں کی جاتی اسلئے یہ کیفیت ماورائے ادراک ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ کیفیت ماورائے ادراک ہو جاتی ہے اسلئے اس کیفیت کو روح۔ قلب سے غیر محسوس طریقہ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ روح و قلب سے حاصل کردہ کیفیت غیر محسوس روحانی ہوتی ہے۔ ایسی کیفیت کو عقل سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ بلکہ شعور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسلئے وَلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ بغیر شعور نہیں دیکھا جا سکتا کہا گیا ـــــ ایسی کیفیت کا مشاہدہ کرنے کا طریق یہ ہے۔ کہ جس شخص میں روح۔ قلب ـــ اور شعور سے دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو ـــــ وہ بغیر آنکھ کے اپنی روح سے اس جسم (نوری ذرات جسمانی) کو دیکھتا ہے۔ تو اسے یہ جسم مردہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ روحانی حیثیت میں ایک زندہ انسان نظر آتا ہے جو زندہ انسان کی طرح بولتا ـــــ سنتا اور سمجھتا ہے اور کلام کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) جاتے ہیں۔ بظاہر خون خارج ہو جاتا ہے۔ یہ وہ خون ہوتا ہے۔ جو دوران میں آئندہ وجود کی حیثیت برقرار رکھتا ہے۔ لیکن جو خون تعمیر جسم میں آ چکا ہو۔ وہ ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ قتل ہونے سے نورانی حیثیت حاصل کر جاتا ہے۔ یہی جسم میں جمع شدہ خون روح یا نوری ہیئت میں جسم کی ساخت و قوت کو قائم رکھتا ہے۔ اسی جسم کی ساخت و قوت کو جو غیر محسوس (شعوری) ہے حیات سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہاں حیات سے مراد جسم کا نوری حالت میں قائم رہنا ہے۔ چونکہ جسم کی نوری کیفیت غیر محسوس ہے۔ جو دیکھنے میں نہیں آتی مگر شعور (مشاہدۂ قلبی) سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کیفیت کو وَلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ سے متعلق کیا گیا۔

یہ کیفیت روحانی ــــ شعوری ہے۔ چونکہ عام انسانوں میں بوجہ تزکیہ نفس نہ ہونے کے یہ شعوری قوت صاف نہیں رہتی اسلئے ایسے لوگ اس زندگی کا ادراک نہیں کرسکتے اسلئے وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ سے مراد یہ کہ جس قوتِ شعوری سے ایک زندگی دیکھی جاتی ہے۔ وہ قوت عام آدمیوں میں نہیں پائی جاتی یعنی انکی قوتِ شعوری اس قدر رمز کی نہیں۔ اسلئے وہ نہیں مشاہدہ کرسکتے ــــ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کو اگر سطحی معنی میں تصور میں لایا جائے ''تم نہیں سمجھتے'' تو اس معنی سے تَشْعُرُوْنَ کا حقیقی تصور غائب ہو کر مسئلہ حیات سمجھا نہیں جاسکتا۔

قرآن میں تَشْعُرُوْنَ کا لفظ دراصل وہ قوت ہے۔ دماغ کا وہ حصہ ہے جسے شعور کہا جاتا ہے۔ جو غیر مادی کیفیات کا ادراک کرنے والی قوت ہے۔ جو ہر شخص میں پائی جاتی ہے۔ اس شعور کا تعلق قلب اور روح سے ہے۔ اور اس قوت سے روحانی کیفیتیں ادراک میں لائی جاتی ہیں۔ لیکن عام انسان چونکہ اپنی اصلی حیثیت خلافت و نبوت پر قائم نہیں ہوتا ــــ اسے مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل نہیں ہوتا۔ اسلئے ایسے انسان کا شعور ــــ قلب۔ روح کے ذریعہ ایسی کیفیتوں کو پا نہیں سکتا ــــ کیونکہ شعور کے ذریعہ علم حاصل کرنے کیلئے روحانی جسمانی پاکیزگی شرط ہے۔

قرآن نے انسانی وجود میں ایسی قوتوں کا ذکر کیا جن سے انسان جاگتی حالت میں ماورائے ادراک غیر جسمانی غیر محسوس کیفیتوں کا ادراک و علم حاصل کرسکتا ہے۔ یہ قوتیں خصوصیاتِ خلافت و نبوت (مشاہدۂ اسرار و اسماٗ) میں شمار ہوتی ہیں ــــ یہی طریق ہے انسان کے مشاہدہ کا۔ کہ انسان کائنات کی ہر شے کی اصل سے آگاہ ہوسکتا ہے۔ اور ہر شے کو اپنی اصلی حالت میں مشاہدہ کرسکتا ہے۔ یہ قوتیں بیداری۔ اور خواب میں یکساں طور پر کام کرتی ہیں۔ نیند کی حالت میں بھی یہی قوتیں مشاہدہ میں کام کرتی ہیں۔ انکے سوا کوئی اور قوت انسان میں نہیں جن سے مشاہدہ کیا جاتا ہو ــــ فرق صرف ایک انسان کے عمل کا ہے۔ جس عمل سے انسان کی یہ قوتیں یا مستقل طور قوی رہتی ہیں ــــ یا انکی قوت میں فرق آتا ہے۔ جس سے مشاہدہ میں فرق آتا ہے۔ مثال کے طور ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ کہ جب انسان کی مشاہدہ کی قوتیں قوی اور پاکیزہ اور صحت مند ہوں تو اسکا مشاہدہ حقیقی اور صاف ہوتا ہے۔ اور اگر انسان میں کمزوری واقع ہو روح جسم صحت مند نہ ہو تو اسکے مشاہدے میں فرق اور نقص واقع ہوتا ہے۔

جیسے صحت مند آنکھ تھوڑی سی روشنی میں بھی صاف ایک کیفیت دیکھ سکتی ہے۔ بیمار آنکھ تیز روشنی میں بھی کیفیت کو صاف نہیں دیکھ سکتی۔ صحت مند کان سے باریک آواز سنی جا سکتی ہے۔ لیکن بیمار کان سے زوردار آواز کو بھی سنا نہیں جاتا۔ اسی طرح دماغی حالت کمزور ہو جاتی ہے۔ تو واہمہ کا کام ہر شے کی ہیئت۔ رنگ۔ حجم کو پہچاننا ہے ــــ صحت مند واہمہ دور سے دور کیفیت کو اپنی اصلی حالت میں پاکر اسکی اصلی ہیئت پہچانتا ہے۔ مگر بیمار واہمہ میں ایک ہیئت کا اصل روپ پہچاننے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ جسے دور ایک مقام پر ایک سفید ستون نظر آتا ہے۔ اگر صحت مند واہمہ ہوتو اس پر ستون کا پورا نقشہ پوری ہیئت جذب ہوگی تو ستون صاف نظر آئیگا۔ اگر واہمہ بیمار ہو۔ تو بجائے ستون کے سفید کپڑے میں ملبوس ایک آدمی کی ہیئت محسوس کی جائیگی۔ تو اس ستون کو انسان سمجھا جائیگا ــــ تو اس طرح اصل مشاہدہ میں قوتوں کی کمزوری کے باعث فرق اور نقص واقع ہوگا۔ یہی کیفیت مشاہدہ میں۔ اصل وفرع کا اختلاف پیدا کرتی ہے۔ جاگتی حالت میں انسان عقل کو کام میں لاتا ہے۔ تو کسی کیفیت کی اصلی ماہیت پانے میں قدرت رکھتا ہے۔ لیکن نیند میں۔ حرکت وارادہ۔ عقل ساقط ہونے کی وجہ سے کسی کیفیت کی اصل وفرع میں فرق نہیں کر سکتا۔ اسلئے نیند کی حالت میں دیکھی ہوئی کیفیت میں اختلاف واقع ہوتا ہے ــــ

خواب کی حالت میں ــــ حواس سے بھی کیفیات دماغ کو حاصل ہوتی ہیں ــــ جن میں سوائے آنکھ کے کان ــ زبان (ذائقہ) ناک (سونگھنا) اور مس (چھونا) یہ قوتیں شعور تک کیفیت کا عکس پہنچاتی ہین لیکن عقل کے خفتہ ہونے کی وجہ سے علم میں نہیں آتیں ــــ اسی طرح بجائے خود روح حیوانی بغیر حواس کی مدد کے کیفیات دیکھتی ہے ــــ یہ کیفیات بھی واہمہ سے گزر کر شعور تک پہنچتی ہیں۔ شعور کا دیکھنا دراصل روح کا دیکھنا ہی متصور ہوتا ہے۔ اگر واہمہ صحت مند ہوتو کیفیت کی اصل ہیئت واہمہ پہچان کر شعور تک پہنچاتا ہے۔ تو نیند میں دیکھی ہوئی کیفیت اصل ہیئت میں مشاہدہ کی جاتی ہے۔ اگر واہمہ کمزور ہوتو کیفیت اصل شکل میں دیکھی نہیں جاتی۔ جسطرح واہمہ سفید ستون کو سفید لباس میں آدمی کی کیفیت بنا لیتا ہے۔ واہمہ کے غلط ہیئت دینے سے خواب میں دیکھی ہوئی کیفیت کی تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ خواب میں مبدل صورت میں واقعات دیکھنا واہمہ کی کمزوری کے باعث ہوتا ہے۔ کہ ایک کیفیت کی ہیئت واہمہ سے ہی بدل کر دوسری شکل میں دیکھی جاتی ہے جسکی تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ واہمہ

صحت مند حالت میں اشیاءٔ و کیفیات کی اصل ہیئت حافظہ کو منتقل کرتا ہے۔ اور حافظہ اس کیفیت کو عقل یا شعور تک منتقل کرتا ہے۔ اصل میں واہمہ ہی کسی کیفیت کو صحیح یا غلط شکل میں پیش کر کے اصل کو نقل میں تبدیل کرتا ہے۔ اور کمزوریٔ اعصاب کمزوریٔ دماغ کی وجہ سے جب واہمہ کمزور ہو جاتا ہے تو اسکے فعل کو "وہم" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ورنہ بجائے خود صحت مند واہمہ کیفیات کی اصل ہیئت کو جذب کر کے اصل ہیئت میں آگے گزار دیتا ہے ـــ

انسانی قوائے علمی درحقیقت صحت مند حالت میں صحیح کیفیات حاصل کرتے ہیں۔ نیند کی حالت میں بھی انکا عمل صحت منداور صحیح ہوتا ہے ـــ اسی طرح واہمہ کے ساتھ جب اعصابی کمزوری کے باعث حافظہ کمزور ہو جائے تو اس میں کیفیات جمع رکھنے کی ترتیب نہیں رہتی۔ حافظہ سے تصور اور یکسوئی کی جاتی ہے۔ تصور سے مراد یہ۔ کہ حافظہ میں کیفیات کو ترتیب دیکر۔ ان میں سے کسی مطلوبہ کیفیت کو شعور پر منتقل کرنا ـــ تاکہ اسکی ہیئت کو دوبارہ محسوس کیا جائے ـــ یکسوئی سے مراد جملہ خیالات اور بیرون سے آمدہ کیفیات کو روک کر حافظہ سے ایک ہی کیفیت کو شعور پر لاکر مسلسل اس کیفیت کو شعور سے دیکھنا۔ اِسے تصورِ خیالی کہا جاتا ہے ـــ دوسری کیفیت تصور کی یہ ہے۔ کہ ماورائے ادراک عالمِ غیب کی کیفیات کو روحِ رحمانی کے ذریعہ حاصل کر کے ذہن پر منتقل کرنا ـــ اس صورت میں کیفیات واہمہ پر آتی ہیں۔ واہمہ سے حافظہ پر آجاتی ہیں ـــ حافظہ شعور پر منتقل کر کے عالمِ غیب کی کیفیات کا احساس دلاتا ہے ـــ اسے تصورِ حقیقی کہا جاتا ہے۔ اسی نوع کا مشاہدہ حقیقی مشاہدہ کہلاتا ہے۔ جو ایک اولوالعزم خلیفہ۔ نبی یا رسول کو حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ نبی یا رسول روحانی جسمانی حالت میں قوی و پاکیزہ ہوتا ہے۔ اسکی روح رحمانی قوی و عظیم ہوتی ہے ـــ اسکی دماغی قوت۔ واہمہ۔ حافظہ۔ عقل۔ شعور اور قلب پاکیزہ۔ صحت مند حالت میں ہوتے ہیں۔ اسلئے انکے مشاہدات حقیقی ہوتے ہیں۔ جن میں کسی قسم کے نقص یا کمزوری کی قطعاً گنجائش نہیں ـــ یہی وجہ ہے۔ انبیاءٔ کا خواب بھی۔ بمنزلہ مشاہدہ بیداری ہوتا ہے۔ یہ ہستیاں۔ بیداری اور خواب میں یکساں مشاہدہ حقیقی رکھتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ منتخب نبی ـــ رسول ہوتے ہیں۔ انکی نسبت براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ تاکہ اللہ کی کلام پاکر لوگوں تک ہدایت پہنچائیں۔ اس کلام کو پانے کیلئے انبیاءٔ کی قوتِ مشاہدہ انتہائی پاکیزہ اور قوی ہوتی ہے۔ اور ان

قوتوں میں ـــــ اور مشاہدہ حاصل کرنے میں نقص کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اسلئے انبیأ کا جاگتی حالت میں مشاہدہ حقیقی ہوتا ہے ـــــ اور نیند کی حالت میں بھی چونکہ یہی قوتیں روبہ عمل ہوتی ہیں اسلئے انبیأ کے نیند کے حالت میں مشاہدات رویائے صادقہ کہلاتے ہیں۔ یعنی ایسی کیفیات روح کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہیں۔ چونکہ انکے واہمہ۔ حافظہ۔ شعور پاک ہوتے ہیں۔ اسلئے ان کے خوابوں میں نقص واقع نہیں ہوسکتا ـــــ اور چونکہ انبیأ کے روح وقلب ہر وقت ذاتِ الٰہی کے احکام کی طرف متوجہ رہتے ہیں اسلئے ان پر حقیقی روحانی کیفیتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ جنکا مشاہدہ۔ نینداور بیداری میں یکساں رہتا ہے۔ اور انکے مشاہدے میں کسی قسم کا غلط یا فروعی تصور شامل نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسے صحت مند ذہن میں۔ واہمہ بھی صحت مند ہوتا ہے۔ حافظہ میں بھی خیالات ترتیب میں ہوتے ہیں۔ اور حافظہ کی ترتیب ارادے کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ حافظہ کسی وقت بھی بلا ارادہ اپنی کیفیتوں کو خودبخود شعور پر منتقل نہیں کرسکتا اسلئے انبیأ کے تصورات حقیقی ہوتے ہیں۔ ان میں تصور خیالی پایا نہیں جاتا ـــــ ایسی حالت میں اگر نبی نیند میں کوئی کیفیت دیکھے تو چونکہ اسکا حافظہ قوی ہوتا ہے۔ اوراس میں قوی ترتیب پائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں نبی کی خواب میں کوئی خیالی خواب شکل نہیں بناسکتی۔ اور چونکہ نبی کا قلب ہر لحہ یادِ الٰہی ـــــ اور تصورِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ اسلئے نبی کے مشاہدہ میں سوائے حقیقی کیفیات کے دوسری کوئی کیفیت قلب و ذہن میں داخل نہیں ہوسکتی ـــــ یہی کیفیت حضرت ابراہیمؑ کی تھی۔ کہ آپکے قلب وروح ہر لحہ تصور الٰہی میں متوجہ رہتے تھے اسی توجہ میں اللہ تعالیٰ نے نیند کی حالت میں بیٹے کا واقعہ دکھایا ـــــ اور خواب میں اسی لئے کہ نبی کا خواب رویائے صادقہ ہوتا ہے۔ جسکے حقیقی ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ـــــ اسلئے حضرت ابراہیمؑ نے اس واقعہ کو خیال سے پاک حقیقت کا رنگ دیکر اپنے ایثار ومحبت کا مظاہرہ کیا کہ آپ اپنے بیٹے کی قربانی دینے پر بخوشی آمادہ ہوئے ـــــ لیکن اس واقعہ کا خواب کی صورت میں پیش آنا۔ حضرت اسماعیلؑ کے جذبۂ محبت کا امتحان لینا بھی مقصود تھا ـــــ

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى پس تم دیکھو (سوچو) کہ ہم نے یہ خواب حقیقی دیکھی ہے۔ یا اسے خیالی سمجھیں گے۔ وہ اس لئے۔ اگر حضرت اسماعیلؑ میں حقیقی جذبۂ محبت ہو وہ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں قربان ہونے پر آگے بڑھینگے۔ ورنہ خواب میں تاویل کرینگے کہ یہ اللہ کا حکم نہیں۔ بلکہ خیالی تصور ہے۔

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۷ آیت ۱۰۲) اے باپ کر جو کچھ تمہیں حکم ہوا ___ تم پاؤ گے مجھے اللہ نے چاہا صبر کرنے والوں میں۔ اندازہ کرنے کا مقام ہے۔ کہ قرآن خود بتا رہا ہے۔ مَاتُؤْمَرُ اور شیطان نما مسلمان اللہ کے منتخب و مصطفےٰ و برگزیدہ ہستیوں کی عظمت تسلیم کرنے میں تاویل کرتے ہیں ___ جیسے شیطان نے تاویل کی ___ کہتے ہیں یہ اللہ کا حکم نہیں تھا۔ بلکہ نفسانی خواہش ہے ___ اگر قرآنی آیات حقیقت پر مبنی ہیں ___ تو اسے انسان کو غلط فہمی میں ڈالنے کیلئے نفسانی خواہش کو مَا تُؤْمَرُ کے لفظ سے بیان نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر ان الفاظ کو حضرت اسماعیلؑ کی غلط تاویل سے نسبت دی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کو انسانی تحقیق و علم کیلئے واضح کر دینا چاہیے تھا۔ کہ یہ میرا حکم نہ تھا بلکہ حضرت ابراہیمؑ کی نفسانی خواہش تھی ___ اور پھر نفسانی خواہش یا خیالی خواب کو حقیقت کا رنگ دینا ایک نبی و رسول کی عقلی کمزوری کی دلیل ہے۔ اگر نبی و رسول میں غلطی کا تصور کیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی وحی۔ ہدایت۔ اصلاح۔ دین اللہ پر شبہ کرنے کی گنجائش ہو جاتی ہے ___ کیونکہ نبی و رسول قوتِ مشاہدہ سے ہی وحی اور الہام پاتا ہے۔ اگر ان قوتوں میں تصورِ خیالی کو دخل رہا تو پھر ہر وحی میں شبہ پایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ تصور قطعاً باطل اور خلافِ فطرت ہے۔ کہ نبی یا رسول وحی حقیقی اور تصور خیالی میں فرق کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو ___ بالفرض اگر اس واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ کی خواہش یا خیال ہی سمجھا جائے ___ تو بھی یہ خواہش حضرت ابراہیمؑ کی انتہائی عظمت و محبت کی دلیل ہے۔ کہ انہیں اللہ کی محبت میں اپنے بڑھاپے کے سہارے۔ آنکھوں کے نور کو قربان کرنے کا جذبہ موجود تھا ___ یہ جذبہ اپنی نوعیت میں انتہائی کمال کا حامل ہے ___ جس سے ایک نبی کی خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے ___ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ابتلا کہا ___ اور اپنی طرف سے ابتلا بتایا ___ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا ___ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمایا جانا۔ ایسی حالت میں۔ حضرت ابراہیمؑ کے خواب کو خیالی تعبیر دینا شرارتِ نفس کے تابع ہو سکتا ہے۔ یا نبی کی نبوت سے انکار کی صورت میں ایسا ہو سکتا ہے۔ یا کسی شخص کی عقلی کمزوری اور محرومئ علم کے باعث ہو سکتی ہے۔ کہ نبی و رسول کو اسکی صفات و کمالات میں پہچاننے کی صلاحیت نہیں۔ کہ نبی صاحبِ مشاہدہ واقف اسرارِ الٰہی ہوتا ہے۔ اسکی قوتِ مشاہدہ خالص اور قوی ہوتی ہے۔ جس میں کسی کمزوری کا وجود پایا نہیں جا سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بعد اپنے بیٹے کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے یہ الفاظ ادا کئے۔

یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ اے بیٹے میں نے تجھے خواب میں ذبح کیا ـــ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی پوری کرنے کیلئے خود اپنا حکم خواب کی شکل میں نبی و رسول کو پہنچاتا ہے۔ کیونکہ کسی ملائکہ کے ذریعے وحی کو صرف ہدایت کیلئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اسکے سوائے القا ـــ الہام ـــ پسِ پردہ آواز دینا۔ یا خواب میں بتانا ـــ مشاہدہ کی مزید ترکیبیں ہیں جن سے اللہ ایک نبی سے کلام کرتا ہے۔ اسی نوع کا حکم خواب میں بتایا گیا ـــ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی۔ پس دیکھ میں نے کیا دیکھا ـ یہ الفاظ حضرت ابراہیمؑ کے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو ایسے الفاظ کہنے کی ضرورت نہ تھی بجائے اسکے پوچھا جاتا کہ تمہاری کیا مرضی ہے۔ یا تمہارا کیا ارادہ ہے ـــ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ۔ اے باپ وہ پورا کر جو تمہیں حکم ہوا۔ تُؤۡمَرُ کے لفظ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ واقعہ خیالی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اگر یہ خیال تصور کیا جائے تو نعوذ باللہ ایک اولوالعزم نبی اور عام آدمی میں کچھ فرق نہیں۔ جو دماغ کی خرابی کے باعث اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے اور کہتا ہے۔ مجھے اللہ نے بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ـــ اور پولیس اسے قتل کے مقدمے میں گرفتار کرتی ہے۔ نبی و رسول کا مقام اصلاحِ امت اور اللہ کی کلام لوگوں تک پہنچا کر انہیں سیدھے راہ پر لانا ہے۔ اگر نبی کے ذہن میں تصور خیالی شامل ہو گیا پھر انسان کو نبی و رسول سے صحیح ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کلام سے گمراہی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ خواب حضرت ابراہیمؑ کی اپنی خواہش ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے نبی سے ایسی سنت کا اجرا نہ کرتا کہ ہر شخص اپنی خواہشات نفسانی کی تحریک پر بیٹوں کو ذبح کرتا ـــ بلکہ حضرت ابراہیمؑ پر وحی کر کے انہیں اس خیال سے روک دیتا۔ کیونکہ ایثار و محبت کے لحاظ سے اگر یہ جذبہ قابلِ تعریف ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور قانونِ فطرت کے نزدیک ایسا خیال احسن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اپنے بندے سے ایسی قربانی طلب نہ کرے۔ اور اس میں یہ دیکھنا مقصود ہو کہ میرا بندہ بحثیت خلیفۂ ارض۔ نبی ـــ اللہ تعالیٰ کیلئے کہاں تک اپنی عزیز سے عزیز شے قربان کرنے پر تیار ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ یہ کہ بندہ نتائج کو ذہن میں نہ لا کر ایسے حکم سے مسرت حاصل کرتا ہے۔ اسکی دانست میں سوائے اسکے کچھ نہیں کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں

قربان کروں۔ ذبح کروں ــــ! اگر اس میں اللہ کا حکم شامل نہ ہوتا۔ اور یہ جائز نہ ہوتا۔ تو اللہ یا تو حضرت ابراہیمؑ کو ایسے فعل سے باز رکھتا۔ یا حضرت اسماعیلؑ ذبح ہو جاتے ــ بھلا۔ اللہ تعالیٰ بھی عام انسانوں کی مانند بادشاہ ہے۔ جو کسی غلط فعل کو درست قرار دیکر اسکی تعریف کرتا ــ جبکہ اللہ تعالیٰ خود بیان کرتا ہے۔ وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۔ اللہ نے ابراہیم کو چند باتوں سے آزمایا۔ اگر یہ چند باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں ــــ تو لازمی طور بیٹے کی قربانی کا خواب بھی اللہ کی آزمائش میں شامل ہے ــــ جسکے نتیجے میں۔ اللہ حضرت ابراہیم و اسماعیلؑ سے راضی ہو گیا۔ اور

وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ۔ اور چونکہ یہ آزمائش صرف خلوص نیت اور اظہار محبت کیلئے تھی جسکا مظاہرہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے پورا کیا تو ہم نے یہ مظاہرہ دیکھ کر۔ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح نہ ہونے دیا ــــ انسان بدنیتی کو چھوڑ کر شعور سے کام لیکر قرآن کے اس تفصیلی بیان پر غور کرے جو قرآن نے دانستہ طور بیان کیا ــــ

فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانْظُرۡ مَاذَا تَرٰىؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ○ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِۚ○ وَ نَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۙ○ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ○ وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ○ وَ تَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۖ○ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ○ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ○ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۷ آیت ۱۰۱ تا ۱۱۰) پس بشارت دی ہم نے ایک لڑکے کی۔ پس جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا ــ تو کہا ابراہیم نے اے بیٹے میرے تحقیق میں دیکھتا ہوں خواب یہ کہ میں ذبح کرتا ہوں تجھ کو ــ پس سوچ تو کہ میں نے کیا دیکھا ــ! کہا اسماعیل نے اے باپ کر گزر جو کچھ تجھے حکم ہوا ہے البتہ تو پائیگا مجھے صبر کرنے والوں سے۔ پس جب دونوں اللہ کے حکم پر راضی ہوئے۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کیلئے اسماعیل کو منہ کے بل گرا کر ذبح کرنا چاہا ــــ تو میں نے پکارا اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ تو نے خواب میں میرے حکم کو پورا کر دیا ــــ (بس رک جاؤ) تحقیق ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو تحقیق یہ میرا حکم برائے آزمائش تھا ــــ اور ہم نے اسماعیلؑ کے بدلے ایک جانور ذبح

کرنے کا حکم دیا ـــــ (اور اس محبت کے اظہار میں اپنی عزیز شے قربان کرنے کے بدلے میں) اور اس ادائے حکم کی یاد ابدالآباد زندہ رکھنے کیلئے ہم نے آئندہ آنیوالی نسلوں کیلئے یہ فعل فرض کر دیا ـــ کہ بیت اللہ میں ارکان حج کے ساتھ حضرت اسماعیل کے ذبح کی یاد تازہ کرنے کیلئے دنیا کا ہر مومن ایک جانور قربان کرے۔ سلامتی ہو ابراہیم پر۔ ایسے ہی بدلہ ملتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

اللہ تعالیٰ کی یہ ایسی کلام ہے۔ جو قیامت تک کے لوگوں کیلئے ہدایت کا سامان فراہم کرتی ہے۔ پس اس میں ایک حرف بھی ایسا نہیں جس میں کسی نقص اور بے معنی اعتراض کی گنجائش ہو۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ آئندہ مخلوق میں۔ بڑے بڑے فلاسفر۔ سائنسدان۔ محقق پیدا ہونگے انکے ہاتھوں میں بھی یہ قرآن آئیگا۔ تو پھر کسی مخلوق کو اس قرآن پر معمولی اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ جرأت اگر کریگا۔ تو اس قرآن کا ماننے والا ـــــ جسکی عقل کمزور۔ جسکا علم کمزور۔ صرف اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر اس قرآن کی اصل کو تاویلات میں گم کر کے کسی دوسرے کو اسکی عظمت تسلیم نہ کرنے کا موقع فراہم کریگا ـــــ خیر۔ اس بات سے بھی قرآن کی عظمت کسی طرح کم نہیں ہو سکتی بلکہ انسان اپنے علم سے اپنی عقل پر پردہ ڈال کر گمراہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے ابتلأ پر کامیابی حاصل کرنے کے سلسلہ میں اپنی طرف سے ان پر انعام کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ط (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۷) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مکہ کے اسی مقام پر ایک گھر بناؤ۔ اور جب اٹھائی بنیاد اس گھر کی ابراہیم و اسماعیلؑ نے تو دونوں باپ بیٹے نے دعا مانگی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ع (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۷ تا ۱۲۹) اے رب قبول کر یہ کام ہمارا ـــ ہم سے (ابراہیم و اسماعیل سے) تحقیق تو سننے والا۔ جاننے والا ہے۔ اے رب بنا ہمیں

تابعداروں اپنے سے اور ہماری ذریت کو بھی ایک مسلم جماعت اور سکھا ہمیں اس گھر کی تعظیم وعبادت کے طریق ــــ اور توجہ کر ہم پر۔ تحقیق تو اپنی طرف سے توجہ کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔اے رب اس گھر کے قریب جو تابعداروں کی جماعت ہو ان میں ایک رسول منتخب کر انہیں میں سے۔ جو تیری (کلام) آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے۔اور آگاہی دے تیرے کلام وعلم کی۔اور انکا تزکیہ (روح وجسم) کرے۔ تحقیق تو غالب اور چھپی کیفیتوں کا جاننے والا ہے ــــ

اس واقعہ کی نسبت اصطفائے آلِ ابراہیمؑ سے ہے۔ ایک اصطفا حضرت اسحٰقؑ (فرزند ابراہیمؑ) سے پورا ہوا ــــ دوسرا اصطفا آل ابراہیمؑ کے دوسرے فرزند حضرت اسماعیلؑ سے پورا کیا گیا ــــ بنی اسرائیل کی ذریت میں ابتلا کا ذکر نہیں ہوا مگر حضرت اسماعیلؑ کے اصطفا کو اسی ابتلا سے ظاہر کیا ــــ اسکے عوض دعائے ابراہیمی میں۔ حضرت اسماعیلؑ کے اصطفا میں ــــ ذبحِ عظیم پہلی خصوصیت۔ بیت اللہ کا بنانا دوسری خصوصیت۔ مکہ کے ویرانے میں آبادی کا ہونا تیسری خصوصیت ــــ اس آبادی کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے بنانا ــــ اور اس اولاد کو اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً بنانا چوتھی خصوصیت۔ اور اسی اولاد سے ایک رسول کا مبعوث ہونا پانچویں خصوصیت ہے ــــ

آل ابراہیم میں ملک مصر وشام میں بنی اسحاق وبنی اسرائیل کو نبوت ورسالت دیکر تمام مخلوق پر فضیلت دی اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰؑ تک جاری رہا۔ اور دوسری طرف مکہ کے ویرانے سے بنی اسماعیلؑ (اولاد اسماعیل) کو آباد کر کے ان کی ذریت کو مکہ کی آبادی میں بسایا۔ اور انکے لئے بیت اللہ کا طواف قائم کیا ــــ

بنی اسرائیل کے لئے فلسطین میں بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) بنایا۔ جس کی عظمت احکامِ الٰہی کے نزول سے دی ــــ اس گھر کو توریت کلام الٰہی اور زبور کلام الٰہی سے زینت دی۔ کہ اس گھر میں توریت وزبور کو رکھا گیا۔ بہ الفاظ دیگر یہ کلام الٰہی کا گھر بنایا گیا ــــ اس گھر کی بناءٔ حضرت سلیمانؑ نے ڈالی اور بنی اسماعیل کیلئے حضرت ابراہیم واسماعیلؑ کا بناءٔ کردہ گھر مقرر کیا اس گھر کو اللہ کا گھر کہا۔ یعنی جلالتِ الٰہی کا مسکن اور مرکز ــــ بنی اسرائیل کیلئے بیت المقدس کا طواف مقرر کیا اور بنی اسماعیل کیلئے بیت اللہ کا طواف مقرر کیا ــــ

بنی اسرائیل قوم میں انبیاؑ اور رسولوں کے پیدا ہونے سے اصطفائے آل ابراہیمؑ کو پورا کیا گیا جنکے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ ہوئے ان انبیاؑ ورسولوں نے اپنی قوم بنی اسرائیل میں تبلیغ وہدایت کا کام کیا جو بیت المقدس کے گرد طواف کرتے رہے۔ بنی اسرائیل کا دین۔ زبور اور توریت کے احکام کے مطابق جاری رہا اور ان کا قبلہ بیت المقدس رہا ــــ

اور بنی اسماعیل قوم میں حضرت اسماعیلؑ کے بعد تا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔ اس زمانہ میں بنی اسماعیل قوم میں اصطفیٰ کا کوئی مظاہرہ نہ ہوا ــــ البتہ بنی اسماعیل قوم خاندانوں قبیلوں کی صورت میں مکہ میں آباد رہی انکا قبلہ بیت اللہ رہا ــــ اور انکا دین دین ابراھیم شروع سے آخر تک رہا۔

حضرت اسماعیلؑ کے بعد انکی اولاد مین کئی قبیلے بنے جنکی مختصر تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے بارہ فرزند ہوئے۔ ہر فرزند کی اولاد ایک ایک قبیلے کی شکل میں تقسیم ہوئی اور ہر قبیلہ ایک سردار کے ماتحت اپنی قومی زندگی گزارتا رہا۔ اسی طرح ہر قوم سے قبیلوں کی وسعت ہوئی۔ اور یہ قبیلے مکہ میں آباد ہوتے رہے۔ ہر قبیلہ کا حاکم ایک سردار ہوتا۔ یہ سردار قبیلہ کے حاکم کا بڑا لڑکا ہوتا تھا ــــ اس طرح ہر زمانہ میں ایک سردار کا بڑا لڑکا اپنے والد کا قائم مقام سردارِ قوم بنتا رہا۔ بنی اسماعیل کی اکیس پشتوں کی اولاد مکہ کے وسیع علاقہ میں پھیلی اور مکہ میں اسی قوم کے سردار بحیثیت حکمران قابض رہے۔ انہیں کی نگرانی میں بیت اللہ بھی رہا ــــ اکیسویں پشت کے بعد بنی اسماعیل میں انکی اولاد سے ایک قوم کے سردار عدنان ہوئے یہ مکہ میں امیر کی حیثیت میں حکمران رہے انہیں کی نگرانی میں بیت اللہ کا تمام انتظام رہا ــــ بیت اللہ میں دور دور سے قبیلوں کے لوگ زیارت کعبہ کیلئے آتے تھے۔ انکے لئے زیارت کے موقع پر تمام انتظام انہیں کے سپرد تھے۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۵) اور ہم نے عہد لیا ابراہیم واسماعیل سے کہ پاک رکھیں میرا گھر (بیت اللہ) واسطے طواف کرنے والوں کے اور خلوت کرنے والوں کے۔ اور رکوع وسجود کرنے والوں کے ــــ یہ کہ لوگ اس گھر کا طواف وزیارت کرنے کیلئے آئینگے۔ اور دینِ ابراہیمی واسماعیلی کی

تقلید میں۔ حضرت ہاجرہؓ کے ابتلا۔ کی تقلید کرینگے۔ اور دو پہاڑوں کے درمیان (جہاں حضرت ہاجرہؓ شیر خوار اسماعیلؑ کیلئے پانی حاصل کرنے کیلئے دو پہاڑوں پر چڑھتی رہیں) سعی کرینگے۔ اور ایک مقام پر حضرت ابراہیم و اسماعیلؑ کی تقلید میں (جب شیطان دونوں کو قربانی دینے سے روکنے کی کوشش کرتا رہا تو دونوں نے شیطان پر پتھر برسا کر بھگا دیا) شیطان پر کنکر برسائیں ــــ اور پھر وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ اور یہ قربانی آئندہ آنے والی قوموں کے لئے فرض کر دونگا ــــ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی تقلید میں قربانی دینگے ــــ اور پھر دونوں بیت اللہ کا طواف کرینگے عبادت کرینگے۔ بیت اللہ میں چلہ کشی (اعتکاف) کرینگے اور رکوع و سجود سے اللہ کی نماز ادا کرینگے۔ اس عبادت کی تقلید میں لوگ بھی طواف کرینگے۔ اعتکاف (چلہ کشی یا خلوت و مراقبہ) کرینگے۔ رکوع و سجود کرینگے۔ اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کیا۔ جو سال میں ایک بار ادا کیا جاتا رہا ــــ عرب میں مکہ کے مضافات سے بنی اسماعیل میں سے ہر قبیلہ کے لوگ سالانہ حج بیت اللہ کرنے آتے۔ یہاں حجاج کی آمد پر انکی ضروریات کھانے رہائش اور بیت اللہ کا حج کرنے کے تمام انتظامات بنی اسماعیل کے سردارِ قوم کے ذمہ ہوتے۔

عدنان کے بعد انکی اولاد میں دو بیٹے معد۔ اور عک ہوئے۔ معد بڑا لڑکا تھا۔ اسلئے یہ سردار قوم بنا ــــ اسی طرح معد کا لڑکا نزار ــــ نزار کا لڑکا مضر۔ مضر کا لڑکا الیاس۔ الیاس کا لڑکا مدرکہ۔ مدرکہ کا لڑکا خزیمہ۔ خزیمہ کا لڑکا کنانہ۔ کنانہ کا لڑکا نضر۔ نضر کا لڑکا مالک اور مالک سے فہر بڑا لڑکا سردار قوم ہوئے۔ فہر کا لقب قریش بھی ہے۔ انہیں قریش اسلئے کہا گیا۔ کہ انکے وقت میں حسان حاکم یمن ایک فوج لیکر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔ اسکا مقصد یہ تھا۔ کہ بیت اللہ کو گرا کر ملبہ یمن لے جائے۔ اور یمن میں ہی بیت اللہ تعمیر کرے۔ فہر نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر حسان کا مقابلہ کیا اور اُسے شکست دی۔ حسان کو گرفتار کیا۔ تین سال قید رکھنے کے بعد فہر نے حسان کو آزاد کر دیا ــــ حسان یمن جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا ــــ اس فتح سے فہر کی عظمت کا سکہ عرب میں بیٹھ گیا ــــ فہر اور اولادِ فہر عرب کے جملہ قبائل سے بہادر اور طاقتور قبیلہ تھا ــــ فہر خود زبردست طاقت کا مالک تھا ــــ شہسوار۔ نڈر۔ تلوار کا دھنی۔ ہر قبیلہ پر اسکی بہادری کی دھاک بیٹھ گئی ــــ اسلئے اسے قُرَیْش کے لقب سے پکارا جاتا تھا ــــ قریش اصطلاح عرب میں ویل مچھلی کو کہتے ہیں۔ فہر کی حیثیت عرب قوم میں ویل مچھلی کی سی تھی۔ اسلئے

اسے قریش کہتے اور فہر کی اولاد کو قریشی کہا جانے لگا۔

فہر کی اولاد میں غالب اور محارب دولڑکے ہوئے ان میں غالب بڑا لڑکا سردار بنا۔ غالب کی اولاد۔ میں لُوِیٔ ___ اور لُوِیٔ سے کعب ___ کعب سے مُرّہ ___ مرہ سے کلاب بڑا لڑکا۔ کلاب کا اصل نام حکیم تھا۔ کنیت ابوزہرہ تھی۔ انہوں نے شکاری کتے پاک رکھے تھے اسلئے کلاب کہتے تھے۔ کلاب سے قُصَیّ بڑا لڑکا ہوا۔ انکا اصل نام زید تھا۔ شیر خوارگی میں ہی والد کا انتقال ہوگیا اور ماں نے دوسری شادی ربیع بن حزام الخدری سے کی۔ اس کا قبیلہ شام کی سرحد پر سکونت پذیر تھا۔ قصی نے والدہ کے ساتھ شام میں پرورش پائی۔ ان دنوں مکہ پر بنوخزاعہ کی حکومت تھی ___ حلیل سردار مکہ نے اپنی بیٹی المسماۃ حُبَیّ قصی سے بیاہ دی۔ اور جہیز میں تولیتِ بیت اللہ کا حق بیٹی کو عطا کیا اور ابوغبشان کو بیٹی کا وکیل مقرر کر دیا ___ حلیل کے مرجانے کے بعد ابوغبشان نے شراب کے مشکیزہ کے عوض قصی کو حق وکالت فروخت کر دیا ___ اس طرح قصی کا قبضہ بیت اللہ پر ہوا ___

بنوخزاعہ نے اس فروخت کو تسلیم نہ کیا۔ اور قصی کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ آخر معمر بن عوف کو ثالث مقرر کیا گیا ___ اس نے فیصلہ کیا کہ بنوخزاعہ کے جتنے آدمی مارے گئے قصی انکا خون بہا ادا کرے ___ اور بنوخزاعہ شہر کی حکومت چھوڑ کر مکہ سے باہر چلے گئے۔ اس طرح قصی کا مکہ پر پورا قبضہ ہوگیا۔ قصی نے اپنی تمام قوم (اولاد فہر) کو جگہ جگہ سے بلا کر مکہ میں آباد کیا ___ اسوقت اولاد فہر کی بارہ شاخیں ہوگئیں تھیں ___ قصی کی کوشش سے وہ سب مل کر مکہ میں آباد ہوگئیں ___ اور قریش کی عزت وحکومت سارے ملک میں تسلیم کی گئی ___

حضرت اسماعیلؑ کے بعد بیت اللہ پر بنوجرہم کا قبضہ ہوگیا تھا ___ بنوجرہم حضرت اسماعیلؑ کے سسرال تھے۔ صدیوں تک انہیں کی حکومت مکہ پر رہی ___ اور بیت اللہ کی تولیت انہیں کے سپرد رہی ___ پھر عمالقہ کا قبضہ ہوا ___ دوبارہ بنوجرہم نے اقتدار حاصل کر کے قبضہ کیا ___ جب وہ ظلم کرنے لگے تو عمرو بن الحی خزاعی نے جو بنوجرہم کا ہمشیرہ زاد تھا ___ انکو مکہ سے نکال دیا ___ بنوجرہم کا ظلم ختم ہوا ___ اس وقت تک دین ابراہیمی کے مطابق عبادات۔ اور حج کعبہ ہوا کرتا تھا ___ اور شام میں بنی اسرائیل قوم میں انبیاءؑ کی تمثیلی شکلوں کو بت بنا کر انکا تصور کرتے تھے ___ یہ تصور انہیں انبیاءؑ کی تعلیم سے ملا تھا۔ کیونکہ

نبوت میں تصور حقیقی قائم کرنے کیلئے ایک نبی کا توسل لیکر مراقبہ میں نبی کا تصور بحیثیت راہنما۔ یا راہبر کرنا ایک خصوصی طریق مشاہدہ تھا۔ جب لوگوں میں تزکیہ باقی نہ رہا اور حقیقی تصور حاصل کرنے میں دقت پیش آئی تو انہوں نے خیالی تصور قائم کرنے کیلئے انبیاءؑ کی تمثیلی شکل میں بت تراشے۔ اور انہیں بتوں سے تصور میں مدد لینے لگے ــــ اور یہ تصور انہیں بت پرستی تک لے گیا۔ انہوں نے اپنی ضرورتوں کیلئے انہیں بتوں سے امداد طلب کرنے کا نظریہ پیدا کر کے مکمل بت پرستی پیدا کی۔ جس میں حضرت موسیٰؑ۔ عزیرؑ۔ اور حضرت عیسیٰؑ۔ مریمؑ کے بت تراش کر انکی پرستش (تصور) شروع کر دی ــــ

اس بت پرستی کے زمانہ میں ۲۰۷ء میں عمرو بن الحی خزاعی نے مصر و شام میں عمالقہ کو بت پرستی کرتے دیکھا۔ کہ وہ لوگ بتوں سے اپنی مرادیں مانگتے تھے۔ انکے خیال میں بت مرادیں پوری کرتے تھے۔ اسلئے اُسے یہ طریقہ پسند آیا۔ اور شام سے ایک بت لا کر بیت اللہ میں اسے نصب کر دیا۔ ــــ اسکا نام ہبل تھا ــــ یہاں سے بیت اللہ میں بت پرستی رائج ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ مکہ کے ملک میں تمام قوموں میں بت پرستی پھیل گئی۔ کیونکہ حج کے موقع پر تمام قبیلے بیت اللہ میں حج کرنے آتے۔ یہاں تک کہ یہ بت پرستی اصل عبادت میں شامل ہوگئی اور اس بت پرستی میں بھی کئی قسم کے طریقے رائج ہو کر یہ چیز دین کی اصل (شکل) اختیار کر گئی ــــ

قصی کے بعد اولاد قصی میں جائیدادوں پر جھگڑے پیدا ہوئے۔ جنکی وجہ سے بعد میں مختلف قبیلوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے لڑائیاں شروع کر دیں۔ اور عرصہ دراز تک یہی قبیلے جو ایک ہی بنی اسماعیل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپس میں خونریز لڑائیاں لڑنے میں مصروف رہے۔ زمانہ کی طوالت اور درمیانی دور کی بت پرستی نے اس قوم میں اصل عبادت کو محو کر دیا ــــ اور انکی حالت بت پرستوں کی سی ہوگئی۔ لیکن ان قوموں میں۔ دین ابراہیمی ہی جاری رہا ــــ

قصی کی اولاد میں عبد مناف۔ عبدالدار۔ عبدالعزیٰ ہوئے۔ عبد مناف بڑا لڑکا تھا۔ عبد مناف کو بچپن میں والدہ مناۃ بت کے پاس لے گئیں اسلئے انہیں عبد منات بھی کہتے تھے۔ اپنے وقت میں بہت حسین تھے۔ انکا لقب قمر البطحا (بطحا کا چاند) مشہور ہوا ــــ حد درجہ خدا ترس اور حق شناس تھے۔ برائی پسند نہ کرتے تھے۔ لوگوں کو بھی برے اعمال و حرکات سے باز رہنے کی ترغیب دیتے تھے۔

آپکے بھائی عبدالدار تھےتولیت کعبہ انہیں کے سپرد تھی۔ بیت اللہ کی کنجیاں انہیں کی تحویل میں دی گئی تھیں ــــ اور آخر تک کعبہ کا کلید بردار یہی قبیلہ رہا ـــــ آپکی اولاد میں۔ مطلب۔ ہاشم۔ عبدالشمس۔ نوفل۔ ابو عمر۔ ابوعبیدہ وغیرہ تھے۔ ہاشم سب سے بڑا لڑکا تھا۔ اس لئے قوم کی سرداری انہیں کو ملی۔

ھاشم : انکا نام عمر ہے۔ ہاشم اسلئے کہتے ہیں۔ کہ مکہ میں قحط پڑا۔ یہ شام میں تجارت کرنے گئے تھے۔ انہوں نے سنا کہ مکہ میں قحط پڑا ہے۔ تو بجائے دیگر سامان خریدنے کے آٹا اور روٹیاں اونٹوں پر لاد کر مکہ لائے۔ مکہ پہنچ کر عام لنگر کھول دیا ـــــ لوگوں کو گوشت روٹی پکا کر تقسیم کی۔ عرب میں شوربے میں روٹیاں ملا کر کھانا ایک لذیذ قسم کا کھانا سمجھا جاتا ہے۔ اسے "ثَرِیْدْ" کہتے ہیں۔ شوربے میں روٹیاں ٹکڑے کر کے ملانے کو ھَشِیْم کہتے ہیں۔ اسلئے آپ کا لقب ہاشم رکھا گیا۔ یعنی گوشت روٹی کھلانے والا ـــــ اسکے بعد یہ سلسلہ ہر سال بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں کیلئے جاری کیا گیا ـــــ سلسلہ حج میں زائرین کو حج کے موقع پر ھشیم دیا جاتا ـــــ اسلئے انہیں ھاشم پکارا گیا ـــــ اسی نسبت سے آپکی اولاد کو بنی ھاشم کہتے ہیں۔ اس سے قبل انہیں قریش کہا جاتا تھا۔ لیکن اب یہ خاندان دو ناموں میں بٹ گیا ـــــ ہاشم سے قبل فہر کی اولاد کی شاخیں قریش کہلائیں۔ اور ہاشم کی اولاد سب بنی ہاشم (ہاشمی) کہلائے۔ اس طرح بنی ہاشم قریش بھی ہیں اور ہاشمی بھی ـــــ انکی اولاد میں۔ عبدالمطلب۔ صیفا۔ اسد۔ نضلہ ہوئے۔ ان میں بڑا لڑکا عبدالمطلب تھا ـــــ

عبدالمطلب کا اصلی نام عامر تھا۔ لقب شیبہ۔ شیبہ عربی اصطلاح میں بوڑھے کو کہتے ہیں۔ پیدائش کے وقت انکے سر پر چند بال سفید تھے اس نسبت سے انہیں پیدائش کے ساتھ ہی بزرگی کا لقب ملا ـــــ والد کی وفات کے بعد انکی پرورش انکے چچا مطلب نے کی اس نسبت سے انہیں عبدالمطلب کہا گیا اور عام طور پر اسی نام سے پکارے جانے لگے۔ انہیں شیبۃ الحمد ـــــ معظم الطیر السماء اور سید قریش بھی کہا کرتے تھے ـــــ چاہِ زمزم عمرو بن حرث جرہمی نے بند کر دیا تھا۔ آپ نے خواب میں اشارہ پا کر ایک جگہ کھدائی شروع کی۔ اسوقت چاہ زمزم کا نشان مٹ چکا تھا۔ لوگوں نے انکے فعل کو لغو سمجھا لیکن کھدائی کے دوران بنی جرہم کی مدفون اشیاء اور تلواریں برآمد ہوئیں۔ تو قریش کے لوگوں کو یقین ہو گیا اور چاہ کی کھدائی میں شرکت کی درخواست کی لیکن عبدالمطلب نے انکی شرکت قبول نہ کی اور خود ہی چاہِ زمزم کو مکمل

کیا۔اوراس میں سے پانی جاری ہوا۔ یہ چاہ زمزم۔حضرت اسماعیلؑ کی یادگارتھی۔ جب آپکووالدہ کے ساتھ مکہ کےلق ودق ویرانے میں حضرت ابراہیمؑ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔تو پیاس کی شدت سے تکلیف میں آپکے ایڑیاں زمین پر رگڑنے سے یہ چشمہ اُبل پڑا۔عبدالمطلب نے دعائے ابراہیمی کے مطابق چشمہ کو جاری کر کے بیت اللہ کے طواف کرنے والوں کیلئے ٹھنڈا پانی مہیا کر دیا ــــ اورآئندہ رہتی دنیا تک لوگ اس شیریں پانی سے سیراب ہوتے رہینگے ــــ عبدالمطلب کے تیرہ اولادیں ہوئیں۔جن میں سب سے بڑے فرزند عبداللہ ہیں ــــ عبداللہ کے معنی اللہ کے بندے۔

جب سے بنی اسماعیل خاندان میں دینِ ابراہیمی کے ساتھ بت پرستی شامل ہوئی۔بعض قبیلے کے لوگ اپنی اولاد کا نام یا تو انکی صفت کے ساتھ رکھتے ۔یا عام رواج کے مطابق۔ الیاس۔ مدرکہ۔فہر۔غالب۔کعب یا عبدالعزیٰ۔عبدمنات بتوں کے ناموں پرنام رکھتے۔لیکن یہ پہلی ہستی ہے۔ جنکے نام کی نسبت اللہ کے نام سے رکھی گئی۔ یہ القائی نام تھا ــــ کہ یہ ہستی کسی رواج یا بت پرستی سے نسبت نہیں رکھتی بلکہ دینِ ابراہیمی سے خالصتاً نسبت رکھتی ہے۔اسلئے انکا نام اللہ کا بندہ رکھا گیا۔اس نام میں خلافت اور نبوت کی شان پائی جاتی ہے۔کہ آپ اللہ کے بندے قرار دیئے گئے۔

عبداللہؓ اپنے والد کے لاڈلے بیٹے تھے۔عبدالمطلب کے دل میں بھی اسی طرح القا ہوا۔ جسطرح عمران کی بیوی کے دل میں القا ہوا۔کہ وہ اپنے پیدا ہونے والے بچہ کو اللہ کی راہ میں نذر مان کر ہیکل میں دے۔اسی طرح عبدالمطلب نے بھی نذر مانی کہ اگر انکے دس لڑکے ہوں۔تو ایک لڑکا قربانی کیلئے پیش کرے ــــ اس مقام پر پھر القائے ابراہیمی کی تجدید ہوئی ــــ کہ حضرت عبدالمطلب اپنے دادا کی رسم کیلئے اپنی اولاد کو اللہ کی راہ میں قربانی کیلئے پیش کرے ــــ چنانچہ قرعہ حضرت عبداللہؓ کے نام پڑا کیونکہ عبداللہؓ اپنے والد کے عزیز ترین بیٹوں میں سے تھے۔آپ نے بھی حضرت عبداللہؓ کو قربانی کیلئے تیار کیا۔جس پر وہ بھی بخوشی راضی ہو گئے۔لیکن۔ابو طالب نے اپنے برادرِ شفیق کے بچاؤ کیلئے مزاحمت کی۔عبداللہؓ کے ننھال والے بھی مزاحم ہوئے۔آخر فیصلہ ہوا۔کہ ایک مشہور کاہنہ کے پاس جا کر فال ڈالیں۔اور جو کچھ کاہنہ کہے اس پر عمل کیا جائے ــــ کاہنہ نے کہا۔کہ عبداللہؓ کے ساتھ اونٹوں پر قرعہ ڈالا جائے۔جہاں اونٹوں پر قرعہ نکلے اتنے اونٹ قربانی دیئے جائیں۔چنانچہ قرعہ دس اونٹوں سے

ڈالا گیا۔لیکن قرعہ میں عبداللہؓ کا نام آیا۔اسی طرح دس دس اونٹوں کا اضافہ کیا گیا۔اور ہر اضافہ پر عبداللہؓ کا نام آتا رہا۔آخر ایک سو اونٹوں پر ـــ اونٹوں کے نام قرعہ پڑا ـــ تو عبداللہؓ کی بجائے سو اونٹ قربان کیئے گئے ـــ اسکے بعد خون بہا میں سو اونٹوں کی دیت مقرر کی گئی۔اس سے قبل عرب میں قتل میں ایک آدمی کا خون بہا دس اونٹ ہوتی تھی۔مگر حضرت عبداللہؓ کی قربانی کے بعد انسان کی قیمت دس سے سو اونٹ ہوگئی ـــ

حضرت عبداللہؓ کا ذاتی کردار اعلیٰ تھا ـــ آپ فطرۃً شرمیلے۔نیک نفس۔متحمل مزاج۔خوش خلق اور خوبصورت تھے۔قوم میں جو غیر پسندیدہ رواجات اور بری عادتیں پیدا ہو چکی تھیں آپ انسے متنفر تھے۔آپ اپنے آبائی دینِ ابراہیم پر قائم تھے۔اور بت پرستی کو پسند نہ کرتے تھے ـــ آپ کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ فاطمہ بنت الخثعمیہ نے اِن سے اظہارِ محبت کیا ـــ اور اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے سو اونٹ دینے چاہے۔لیکن انہوں نے اس درخواست کو رد کر کے یہ شعر سنایا ؎

اَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُوْنَہٗ وَالْحِلُّ لَاحِلّٗ فَاسْتَبِیْنَہٗ

فَکَیْفَ اِلَی اِلَّاالَّذِیْ تَبْغِیْنَہٗ یَحْمَیَ الْکَرِیْمُ عِرْضَہٗ وَدِیْنَہٗ

فعلِ حرام کے ارتکاب سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔حلال کو میں بے شک پسند کرتا ہوں۔مگر اسکے لئے اعلان ضروری ہے۔تم مجھے کیسے پھسلاتی ہو۔مگر شریف انسان کو لازم ہے کہ اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرے۔

یہ واقعہ عبداللہؓ کی دینداری اور بلند سیرت اور علو مرتبت کا آئینہ دار ہے ـــ حضرت عبداللہؓ دین حنیف کے پابند تھے۔دین ابراہیمی دین اسلام تھا ـــ جس پر عرب کا ہر قبیلہ پابند تھا ـــ لیکن بت پرستی کی وجہ سے ان میں بے شمار بری روایات داخل ہو چکی تھیں ـــ جس کی وجہ سے عرب کا معاشرہ نہایت پست و ذلیل ہو چکا تھا ـــ تمام عرب میں بنی اسماعیل قوم مختلف قبیلوں میں بٹ چکی تھی۔ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا۔طویل زمانہ گزرنے کی وجہ سے ایک ہی خاندان کی قوم منتشر ہو کر ایک دوسرے سے بیگانہ ہو چکے تھے۔اور ان قبائل میں ایک دوسرے سے دشمنی پیدا ہو چکی تھی۔آزاد خود مختار ہونے کی وجہ سے ان قوموں میں نظم وضبط پایا نہ جاتا تھا۔کوئی قانون نہ تھا جسکی پابندی کی جاتی۔طویل عرصہ سے ان میں کوئی

رسول بھی مبعوث نہ ہوا تھا۔ جس سے ہدایت حاصل کی جاتی۔ ایسی حالت میں لوگوں میں حلال وحرام کی کوئی تمیز باقی نہ رہی تھی۔ آزاد ہونے کی وجہ سے ہر شخص اپنی من مانی کرتا۔ ملک عرب کی فضا کچھ ایسی تھی۔ کہ ہر آدمی جنگجو تھا۔ بات بات پر قبیلوں میں جنگ ہو جاتی اور لاکھوں جانیں تلوار کے گھاٹ اتر جاتیں۔ علم نہ ہونے کی وجہ سے دین کی اصل ہیئت مسخ ہو چکی تھی۔ بے حیائی عام ہو چکی تھی۔ شراب۔ قمار بازی وغیرہ قسم کے جرائم عام تھے۔ غرور وفخر انکی سرشت میں ملا ہوا تھا۔ کوئی شخص کسی کی بڑائی برداشت نہ کرتا اور بات بات پر میانوں سے تلواریں نکالتے تھے۔

اسکے باوجود قبیلوں کے سرداروں میں صلح جوئی کا مادہ بھی تھا ـــ اور قومی اصلاح کا احساس بھی پایا جاتا تھا۔ ذہنی حالتیں بہت قوی تھیں ـــ باریک سے باریک مسائل حل کرنے کی بھی ان میں صلاحیت پائی جاتی تھی ـــ تعلیم وتعلم کا کوئی رواج نہ تھا بلکہ لوگ اکثر ان پڑھ رہنا اپنی شان سمجھتے تھے اسکے باوجود ان میں عظیم شعرا بھی تھے۔ فلسفی بھی تھے۔ اور اکثر بحث ومباحثہ کی مجلسیں بھی ہوتی تھیں۔ فن سپہ گری میں یکتائے روزگار تھے۔ پہلوانی۔ نیزہ بازی۔ شہسواری۔ تیراندازی انکے روزمرہ کے مشاغل تھے۔ لیکن یہ سب قوتیں تخریب اور برائی کی زینت میں استعمال ہوتی تھیں۔ عرب کا محل وقوع ایسا تھا۔ جہاں بیرونی شہروں سے تجارتی روابط تھے۔ اکثر لوگ تجارت کرتے تھے۔ ان میں غریب مفلوک الحال بھی تھے۔ اور حد درجہ امیر بھی تھے۔ غلاموں کی تجارت بھی ہوتی تھی۔ عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں پست وذلیل سمجھا جاتا تھا ـــ اسکے ساتھ ہی معزز قبیلوں کے لوگوں میں شریف لوگ بھی تھے۔ جو ایسے معاشرہ سے متنفر کسی بہتر ماحول کے متلاشی تھے۔

الغرض یہ تھی بنی اسماعیل قوم کی تاریخ جس میں حضرت ابراہیمؑ سے لیکر زمانہ مسیح عیسیٰؑ تک کے حالات بیان کئے گئے ـــ یہ زمانہ حضرت عیسیٰؑ کے پانچ سو سال بعد کا زمانہ ہے ـــ جب نہ بنی اسرائیل سے کسی نبی کا ظہور ہوا ـــ اور بنی اسماعیل میں حضرت اسماعیلؑ کے بعد کسی نبی ورسول کا ظہور ہوا ہی نہیں ـــ جس سے آل اسماعیل کا اصطفا ظاہر ہوتا ـــ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل آلِ اسحٰق کے آخری نبی ورسول ہوئے۔ لیکن زمانہ کو ابھی ایک رسول کی انتظار تھی۔ کیونکہ عادتِ الٰہی کے مطابق۔ زمین پر۔ نافرمانی۔ فساد وخونریزی۔ ظلم وبغاوت انتہا کو پہنچی تھی۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى ۔ اسوقت اللہ تعالیٰ

ایک ہدایت بھیجتا ہے۔ اسکے لئے ایک نبی کو منتخب کرتا ہے۔ تو اُسے رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی اسے ذاتی صفاتی کمالات بھی عطا کرتا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ کونسا نبی منتخب ہوگا جسے رسول بنا کر بھیجا جائیگا ــــ تا کہ دیکھا جائے کہ دنیا میں سب سے افضل نبی کس کو قرار دیا گیا۔ جس سے سیرت النبی کی تکمیل ہو ــــ

تواریخ کا یہ وہ دور ہے جب حضرت عیسیٰؑ کے بعد الارض کی مخلوق میں واقعات کے مطابق کسی نبی کی نشاندہی نہیں ہوتی ــــ اس وقت زمانہ میں کوئی فرد ایسا نہ پایا جاتا تھا۔ جو نبی کی صفت سے متصف ہو ــــ ہر چہار اطراف گھٹاٹوپ اندھیرا تھا ــــ شر و فساد کو اسقدر تقویت حاصل ہو چکی تھی۔ کہ اگر گزشتہ رسولوں میں سے کوئی بھی رسول ان میں بھیجا جاتا۔ تو کوئی شخص اس رسول کی آواز پر کان نہ دھرتا ــــ لذتِ نفس نے انسان کو اس حد تک گھیر رکھا تھا۔ کہ اسکے سامنے اللہ کا نام لینا مشکل ہو گیا تھا۔ اور اگر کوئی اللہ کی طرف بلانے والے آئے تو اُسے قتل کر دیں ــــ لوگوں میں اخلاقی کمزوریاں۔ فسق و فجور۔ بغاوت و انحراف اس قدر غالب آ چکا تھا۔ کہ کسی قوت کا اِن کے غلبۂ شر پر غالب آنا ناممکن تھا ــــ لیکن وعدۂ الٰہی میں ایک خصوصی عہدِ اسماعیلی کی تکمیل ہونی تھی ــــ مگر جہاں تمام عالم پر کفر و ظلمت نے احاطہ کر لیا ہو۔ وہاں کسی شجر سے شیریں ثمر کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

ہاں! جہاں تمام دنیا پر حیوانیت غالب آ چکی ہو ــــ وہاں ــــ قدرتِ کاملہ خود سبب بن کر ایک ناممکن وجود کو ممکن بنا دیتی ہے ــــ اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے ذریت اسماعیلی کی ایک مخصوص شاخ کو مصطفیٰ کیا ــــ جس شاخ کی ایک ہستی عبدالمطلب تھے ــــ مکہ میں یہ گھرانا شریف و امیر سمجھا جاتا تھا۔ اب اگر کوئی ذریعہ ایسے وقت میں دعائے ابراہیمی کے پورا ہونے کا تھا ــــ تو وہ یہی ذریت اسماعیلی کا مخصوص خاندان اور مخصوص ہستی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ عبدالمطلب کے گھر ایک لڑکا ہوا۔ انکا نام عبداللہ (اللہ کا بندہ) رکھا گیا ــــ حضرت عبدالمطلب نے انہیں نذر مانا ــــ کہ اللہ کی راہ میں قربان کئے جائیں۔ مگر انکی جگہ اونٹوں کی قربانی فدیہ میں دی گئی ــــ جانوروں کا فدیہ دینا اللہ کی طرف سے ایک انعام ہے۔ جو اپنی خوشنودی کے اظہار میں عطا کرتا ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۳۷)

اللہ تعالیٰ نہ گوشت کو پسند کرتا ہے نہ خون بہانے کو۔ لیکن وہ پسند کرتا ہے۔ جذبۂ عشق ومحبت کا اظہار! اللہ تعالیٰ انسانی قلوب پر نظر رکھتا ہے۔ کہ انسان بحیثیت خلیفہ اپنی عظمت و برتری کے عوض میرے لئے اپنے دل میں جذبہ تشکر واحسان رکھتا ہے!

سو حضرت عبداللہؓ کی قربانی میں بھی اظہارِ تشکر ہے۔ جیسے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی سے اظہارِ عشق ادا کیا گیا۔ اس مقام پر دعائے ابراہیمی کے آثار ظاہر ہوئے ــــ اور ذبحِ اسماعیل کی دوبارہ یاد تازہ کر کے عہدِ اسماعیلی کی تجدید کی گئی ــــ معلوم ہوتا ہے ــــ کہ حضرت عبداللہؓ کا ذبح اپنے جد کی دعا کی قبولیت میں آخری دعا کا ظہور حضرت عبداللہؓ سے ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ کا رشتہ حضرت آمنہ علیہا السلام سے ہوا ــــ یہی وہ کائنات کی مخصوص ترین طاہرہ۔ مصطفےٰ ہستی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی طہارت واصطفےٰ سے بھی اونچا مقام دیکر مصطفےٰ کیا۔ جس سے کائنات پر مجسم امن وسلامتی کا ظہور ہونا تھا ــــ

قرآنی تواریخ کا خلوصِ نیت سے مطالعہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ گزشتہ مخصوص ہستیوں کیلئے قرآن نے واضح الفاظ میں پیش گوئی کی۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ تحقیق اللہ نے مخصوص ومنتخب کر لیا آدم ــــ نوح ــــ ابراہیم۔ آل ابراہیم اور آل عمران کو ــــ دنیا کے لوگوں میں سے ــــ ان تمام مخصوص ومنتخب ہستیوں کے کمالات کھول کھول کر قرآن نے بیان کئے۔ حضرت مریمؑ کی پاکیزگی۔ نورانیت اور عظمت کو روشن دلائل کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کو تمام دنیا کی پیدائشوں پر فضیلت دیکر اس عظمت و بزرگی کے تمام پہلو روشن دلیلوں کے ساتھ پیش کئے۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بعد قرآن ہمیں کسی عورت۔ کسی بشر۔ کسی نبی۔ کسی رسول کے اصطفا کا تصور نہیں دیتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد زمین پر کسی ایسی پیدائش کی گنجائش باقی نہیں۔ جو حضرت عیسیٰؑ کے مقابلہ میں جسمانی۔ روحانی طور پیدائش میں افضل ہو ــــ لیکن قرآنی واقعات کے تسلسل اور واقعاتِ زمانہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی۔ زمانہ کو ایک نبی و رسول کی ضرورت ہے۔ اور ضروری ہے کہ ایسے نبی و رسول میں بھی عظیم خصوصیات پائی جائیں ــــ مگر قرآن نے ایسے نبی کی کوئی خصوصیت کوئی اصطفےٰ کا ذکر نہیں کیا ــــ البتہ تاریخ نے ہمیں ایسے نبی کے آثار حضرت عبدالمطلب کے گھرانے میں حضرت عبداللہؓ کی پیدائش میں بتا دیئے۔ کیونکہ یہ

پیدائش اس دعا کی اجابت کا مظہر ہے۔ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ط اے رب اٹھا بنی اسماعیل قوم سے ایک رسول انہیں میں سے جو تلاوت کرے تیری کلام اور علم دے کلامِ الٰہی کا اور اسرارِ مخفی کا اور تزکیہ کرے انکا ــــ سو یہی وقت اس دعا کی مقبولیت کا تھا ــــ مگر اس رسول کے متعلق کسی خصوصیت و اصطفا کا یا پیدائشی خصوصیات کا ذکر نہیں۔ حضرت زکریاؑ کے مقابلہ میں حضرت عبداللہؓ کا کوئی ذکر نہیں ــــ حضرت مریمؑ کے مقابلہ میں حضرت آمنہؓ کی کوئی خصوصیت بیان نہیں کی گئی ــــ آخر اسکا کیا سبب ہے ــــ؟ کہ جس گھرانے میں ہمیں ایک رسول کے آثار محسوس ہوتے ہیں قرآن نے ان کی کوئی خصوصیت بیان نہیں کی ــــ اس کی وجہ ــــ یہ ہے۔ کہ یہ چیز مصلحتِ الٰہی میں ہے۔ کہ گزشتہ نبیوں کو میں نے خصوصیت دی اور انکی تعریف کی۔ مگر یہ رسول مجسم عظمت کا حامل ہوگا ــــ اور خود کائنات اسکے کمالات کا مشاہدہ کر کے اسکی تعریف کرے ــــ

گزشتہ نبی خود صاحبِ کمال تھے۔ مگر انہوں نے اس کیفیت کا مشاہدہ کیا کہ کائنات میں ایک عظیم پیدائش کا ظہور ہونا ہے۔ چنانچہ انسانی آبادی میں جتنے بھی نبی پیدا ہوئے انہوں نے ایک عظیم رسول و نبی کی پیشگوئی کی ــــ حضرت موسیٰؑ نے بھی انکے متعلق پیش گوئی کی۔

''فاران کے پہاڑوں سے آنے والا ایک نور اپنی ہمراہی میں ایک لاکھ چوبیس ہزار مشعلوں کے ساتھ ظہور کرے گا'' (توریت)

اور حضرت عیسیٰؑ نے بھی اس رسول کی پیشگوئی کی۔

وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ط (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۶) اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی اسرئیل میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اسکی جو تمہارے ہاتھوں میں ہے توریت ــــ اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیگا انکا نام اَحۡمَدُ ہوگا ــــ

گزشتہ انبیاؑ نے اپنی قوموں کو آئندہ آنے والے زمانے میں ایک منتخب نبی ــــ رسول کے ظہور

کی بشارت دی ــــ اور بنی اسرائیل کے آخری نبی ۔رسول نے بھی ۔ایک نبی و رسول کی بشارت دی ۔ کہ انکی صفت احمدؐ ہوگی ۔ظاہر ہوا۔حضرت عیسیٰؑ کے بعد ایک نبی کا ظہور یقینی ہے ــــ ہر قوم کو اسی نبی کے ظہور کا انتظار رہا ــــ اور اب ایسا زمانہ آیا ــــ کہ زمین پر کسی قوم سے مِنھُمْ اُن میں سے کسی نبی کے ظہور کا یقین نہیں ۔!

اچانک انسانی آبادی میں ہیجان پیدا ہوا ــــ قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہوا ــــ ہزار سالہ زرتشتی آگ یکلخت بجھ گئی ــــ! نہ معلوم اس باطل کدہ میں اچانک کیوں اضطرابی کیفیت طاری ہوئی ــــ! ــــ معلوم ہوتا ہے کائنات میں کسی نئے نشان کا ظہور ہوا ــــ!

سننے میں آیا مرحوم عبداللہؓ کے ہاں بطنِ آمنہؓ سے ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی ــــ! ویسے جہاں میں اسکے سوا ــــ اور کوئی کیفیت نظر نہیں آتی ــــ جس پر ہماری تجسس کی نگاہیں مرکوز ہوں!

لیکن دنیا پر پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں ــــ یہ بھی ان میں کی ایک ایسی ہی پیدائش ہے ــــ غیر معروف ۔غریب خاندان کے اس نوزائید پر ہماری توجہ کیوں سمٹ کر آتی ہے ــــ؟ اس نوزائید سے ان ہیجانی کیفیات کی کیا نسبت ــــ؟ ــــ ہاں! یہ کیفیت حضرت آمنہؓ سے ہی پوچھی جائے ــــ حضرت آمنہؓ پر غنودگی کے آثار طاری ہیں ــــ مگر چہرۂ منور پر انتہائی مسرت و تبسم کے آثار محسوس ہوتے ہیں ــــ! نہ معلوم اس درد و قرب کے وقت مسرت و تبسم کے اثرات کا کیا سبب ہے ــــ! یہ کیفیت تو اہلِ علم ہی جان سکتے ہیں ۔جنہیں علم و خبر کا مشاہدہ ہو رہا ہے ــــ ہاں ــــ! حضرت آمنہؓ کو غنودگی میں کسی کیفیت کا مشاہدہ ہو رہا ہے ۔! ایک نور زمین سے آسمان تک چھایا ہوا ــــ اس نور سے کمرہ جگمگایا ہوا ــــ حضرت آمنہؓ پر یہ نور مثل شعاع چھایا ہوا ــــ! کمرے میں انتہائی لطیف و پُر سرور خوشبو آ رہی ہے ــــ! آسمانوں سے خوبصورت نورانی پیکر اتر رہے ہیں ــــ خوبصورت نوری دوشیزائیں نوری لباس میں شاداں فرحاں ــــ رقص کناں ــــ درِ آمنہؓ پر حاضری دے رہی ہیں ــــ! ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہی ہیں ــــ اور کہتی ہیں ۔

ع حور و گاؤ آئے مُحَمَّدِ عَرَبِیْ صلے اللہ علیہ وسلم

ملائکہ دست بستہ کھڑے عظمتِ انسانی کو تسلیم بجا لا رہے ہیں ــــ! کہتے ہیں آنے والے کا ظہور ہوا۔

خلیفہٴ اعظم محمد مصطفےٰؐ کا ظہور ہوا ــــ ہاں اسی نبی کا ظہور ہوا جسکے نور کو ہم نے ازل میں دیکھا تھا ــــ جسکا نام مُحَمَّدُ (نور ابتدائی) تھا ــــ یہ وہی نور ہے جسے ہم نے آدم کو تسلیم کرتے وقت دیکھا تھا ــــ!

مگر ــ گزشتہ نبیوں نے ایک رسول کی بشارت دی تو اس کا نام احمدؐ بتایا ــــ! ادھر عالمِ بالا میں شور مچا ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم زمین پر تشریف لائے۔ بھلا احمد و محمد میں کیا نسبت ــــ؟ محمد تو ابتدائی نور کی صفت ہے ــــ یہ تو ایک بشر ہے جسے احمدؐ کہا گیا ــــ! خیر دیکھئے دنیا میں اس نوزائیدہ کا کیا نام رکھا جاتا ہے ــــ

حضرت عبداللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور اب حضرت آمنہ علیہا السلام تمثیل مریمؑ نظر آتی ہیں ــــ اس وقت حضرت عبداللہؓ کے والد عبدالمطلب موجود ہیں ــــ! آپکو خبر ہوئی۔ کہ حضرت عبداللہؓ کے گھر بطنِ آمنہؓ کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ آپ انتہائی مسرور ہوئے۔ اسی اثنا میں ابوالحکم (عمر بن ہشام) کو بھی اس کی کنیز نے عبداللہؓ کے گھر لڑکا پیدا ہونے کی خبر سنائی اس کی خوشی کی بھی انتہا نہیں ــــ سینہ میں خوشی سے دل دھڑکتا ہے۔ بے ساختہ ہو کر کنیز کو آزاد کر دیا ــــ اور آکر اس نوزائید کا انتہائی مسرت کے جذبات سے دیدار کیا ــــ حضرت عبدالمطلب نے بچہ کو لیکر سینہ سے لگایا ــــ بھلا یہ سینہ کبھی اندھیرا ہو سکتا ہے! ہر گز نہیں ــــ! ــ آپ بچے کو لیکر بیت اللہ میں آئے ــــ جو دعائے ابراہیمی کا مخصوص مقام تھا ــــ ابھی تک دعائے ابراہیمی کی صدا فضا میں گونج رہی تھی ــــ

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ ط اے ہمارے رب اس مکہ کے رہنے والوں میں انہیں کی قوم سے ایک رسول اٹھا ــــ جو انہیں تیری کتاب پڑھکر سنائے۔ اور انہیں پاک کرے اور انہیں کتاب و حکمت سے آگاہ کرے۔

حضرت عبدالمطلب نے بھی دعا مانگی۔ اے ربِ کعبہ اس بچہ کو تو دنیا میں محمود و برگزیدہ کر۔ یہ دعائیہ الفاظ اگرچہ حضرت عبدالمطلب کی زبان سے ادا ہو رہے تھے ــــ لیکن الفاظ قلبی ارادے کے ساتھ تھے ــــ قلب پر ایک طرف دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا اثر تھا۔ اور دوسری طرف اسی نوزائید کے نور کا اثر القا ہو رہا تھا ــ جسے آپ نے سینہ سے لگا رکھا تھا ــــ! دراصل یہ دعائیہ الفاظ زبان عبدالمطلب کے نہ تھے۔ بلکہ وہ تاثر تھا۔ جو اس نوزائید کے نور میں سمایا تھا ــــ دراصل دعائے ابراہیمی

کے ساتھ اسی نورِ ازلی کی توجہ تھی۔ جسے کائناتِ خلقت میں خصوصیت کے ساتھ مصطفیٰ کیا گیا۔۔ لیکن یہ اصطفیٰ باقی مصطفیٰ ہستیوں کے مقابلہ میں ایک رازِ سربستہ تھا جو اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے خزانہ میں پوشیدہ رکھا گیا۔۔۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا اصل میں ازلی ارادہ میں اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے تصور میں بھی ایک ارادہ تھا۔ جسکی تکمیل زمین پر ہونی مقصود تھی۔۔۔ کیونکہ زمین پر آدمؑ کی تخلیق سے ابتدا ہوئی۔ پھر حضرت یحییٰؑ کی پیدائش میں ایک اور خلیفہ کی تخلیق سے خلافت کا ایک اور مظہر ہوا۔ پھر اسکے بعد حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق سے بھی خلافت کا ایک عظیم نشان ظہور پذیر ہوا۔۔۔ ثابت ہوا۔ کہ ایسے مظاہرات سے خلافت کی تکمیل ختم نہیں ہوئی بلکہ ابھی خلیفہ کا ایک اور مظاہرہ باقی ہے۔ جو تمام مظاہرات سے بالاتر مظاہرہ ہے۔ کیونکہ اس مظاہرہ کو محمد واحمد کے ذاتی صفاتی کمالات سے ظاہر کیا۔۔۔

آدم کی صفت یعنی نام: گندم گوں رنگت والا۔۔۔ بغیر ماں باپ کے پیدا ہونے والا۔۔۔ بشری شکل کی پہلی مخلوق۔

نوح۔۔۔ نوح کے معنی۔ آرام وراحت دینے والا۔۔۔ ماں باپ نے ان کو آرام وراحت کا موجب قرار دیا۔

اسحاق۔۔۔ اسحاق کے معنی۔۔۔ ضَاحِکَ : ہنس مکھ۔ ہشاش بشاش چہرہ۔

یعقوب۔۔۔ یعقوب کے معنی۔۔۔ عقب میں آنے والا۔۔۔ یہ اپنے بھائی کے توام (جوڑواں) پیدا ہوئے۔۔۔

موسیٰ۔۔۔ موسیٰ کے معنی۔۔۔ پانی سے نکالا ہوا۔ فرعون نے انہیں پانی سے نکالا تھا۔ جبکہ پیدا ہوتے ہی انہیں والدہ نے صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دیا۔۔۔ صندوق فرعون کے محل میں (نہر کے ذریعہ جو محل میں جاتی تھی) داخل ہوا۔ تو فرعون کی بیوی نے پانی سے نکالا۔ اس وقت فرعون نے انکا نام ''پانی سے نکالا ہوا'' موسیٰ رکھا۔۔۔

اسی طرح محمد اور احمدؐ کا نامِ مقدس صفت پر ہی رکھا گیا۔۔۔ پہلے نور ابتدائی کی صفت بھی محمدؐ تھی۔۔۔ اب اس نوزائید کا نام۔۔۔؟

حضرت عبدالمطلب گھر لوٹے۔۔۔ خوشی میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو دعوت دی۔۔۔ لوگوں

نے پوچھا۔ کہ عربی رواج کے مطابق بچہ کا کیا نام رکھا ــــــ؟ یعنی بچہ کس صفت کا مالک ہے ــــــ تو آپ نے فرمایا بچہ کا نام "مُحَمَّدْ" صلے اللہ علیہ وسلم رکھا گیا ــــــ (حضرت آمنہؓ نے تائید کی کہ عالمِ غیب میں اس بچہ کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارا گیا) لوگ تعجب میں پڑ گئے ــــ کہ آپ نے عرب کے مروجہ ناموں کو چھوڑ کر انکا ایسا نام رکھا جو آج تک کسی کا نہیں رکھا گیا ــــــ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں ــــ میرا بچہ دنیا میں حمد کیا جائے ــــــ مکہ کے عرب لوگ اس نام کی صفت وخصوصیت کو "محمد" سنکر سمجھ گئے ــــ کہ محمد کے معنی کائنات میں تعریف کئے گئے پہچانے گئے ہیں ــــــ یہ ایسا نام ہے جو ازل سے کسی مصطفٰے نبی۔ رسول کا نہیں ہوا۔ نہ کسی ہرقل۔ نہ کسی کسریٰ کے شہنشاہ۔ نہ کسی فرعون کا ہوا ہے ــــــ

آدمؑ ابوالبشر ہیں ــــ انکا نام محمد نہیں ــــ نوح وابراہیمؑ بھی تمام عالموں میں مصطفٰے کئے گئے انکا نام محمد نہیں ــــ یحیٰؑ بھی ایک نوری پیدائش ہیں۔ انکا نام محمد نہیں ــــ داؤد وسلیمانؑ بھی عظیم المرتبت نبی ہیں۔ انکا نام محمد نہیں ــــ موسیٰؑ کلیم اللہ ہیں۔ انکا نام بھی محمد نہ ہوا ــــ عیسیٰؑ روح اللہ وکلمۃ اللہ ہیں انکا نام بھی محمد نہیں ــــ مگر محمد کے معنی تو یہ ہیں۔ کہ حَمَدْ کئے گئے ــــ! اور حَمْدُ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مختص کیا گیا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ــــ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ حمد اللہ کے لئے واجب ہے۔ اور جو حمد ہے۔ وہ تو اللہ رب العلمین کے لئے ہی ہے ــــ! اَلْحَمْدُ کی حَمْدُ اور مَحَمَّدُ کی حمد میں تصور ایک ہی پایا جاتا ہے ــــ! تو محمد کی حمد کا کیا تصور ہے۔ جب کہ حمد صرف اللہ ہی کیلئے ہے ــــــ؟

اس سے قبل مُحَمَّدُ نور ابتدائی کی صفت ثابت ہوئی ــــ وہ نورِ ازلی ہے ــــ اور اب آخر میں اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ کی تخلیق میں بھی ایک بشر محمد کہلایا ــــ تو اس حمد میں ــــ اور اللہ کی حمد میں کیا کیفیت مشترک ہے۔ جس میں دونوں ذاتوں کے لئے حمد مشترک ہو؟

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ مَحَمَّدُ کے معنی حمد کئے گئے۔ حمد کے معنی بدرجہ اتم خوبیوں کے حامل ان خوبیوں کا تصور کیسے حاصل ہوتا ہے ــــــ؟ کہ جب کائنات کی ہر شے کے کمال کو دیکھا جاتا ہے تو ہر شے کے ذاتی صفاتی کمال پر نظر پڑتی ہے۔ مثلاً ایک محسوس کیفیت شمس (سورج) ہے تو اسکی ذاتی صفت اسکا ناری وجود ہے۔ جو باقی وجودوں کے مقابلہ میں قوی اور عظیم ہے یہ اسکا مرکب ہے۔ اسکی صفت (زندگی میں معاونت) حرارت ــــ روشنی ــــ آرام پائی جاتی ہے۔ یہ اسکا صفاتی کمال ہے جو اور

وجودوں میں نہیں ـــــ جب ہم سورج کو دیکھتے ہیں۔ تو اسے اسکے ذاتی صفاتی کمال سے پہچان کر یہ تصور حاصل کرتے ہیں کہ اسکی اصل نار سے ہے جو خاکی وجودوں سے افضل ہے اور اس میں یہ صفت ہے کہ حرارت۔ روشنی۔ آرام اسکی خوبی ہے۔ تو ہم اسی ذاتی صفاتی کمال سے سورج کی حمد (پہچان) کرتے ہیں ـــــ حمد سے مراد کسی وجود میں بدرجہ اتم ذاتی کمال اور اس وجود کے بدرجہ اتم صفاتی کمال کیا ہیں؟ انہیں دیکھنے اور پہچاننے سے اس وجود کا علم حاصل کرنا حمد سے تعبیر ہے ـــــ اسکا مطلب یہ ہوا۔ کہ کسی وجود کے ذاتی کمال (مرکب وجودی) اور صفاتی کمال (وجود کے خواص) کی پہچان کرنا۔ حمد سے تعبیر ہے ـــــ اس پہچان میں کمالات اور برتر خصوصیات پہچان میں آتی ہیں۔ سو جس وجود میں اعلیٰ ذاتی صفاتی کمالات کو پہچانا جائے۔ اسی قدر اسکی پہچان اور اسکی خوبیوں کی تعریف کی جاتی ہے ـــــ

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ: اللہ کی ذات کیا ہے۔ ایک نورِ عظیم و لامحدود ہے ـــــ اسکی صفت کیا ہے ـــــ؟ لامحدودیت ـــ لاانتہا تپش ـــــ لاانتہا روشنی ـــــ روشنی کے اعتبار سے لاانتہا حسین ان کیفیات کو دیکھ کر ـــــ پہچان کر اسکی حمد یہ ہوگی۔ کہ اس کی لامحدودیت سے حیرانگی پیدا ہو کر ایک جذبۂ حیرتِ حقیقی قلب و ذہن پر طاری ہو کر زبان سے غیر ارادی طور ـــــ بے ساختہ ''اللہ''! نکلتا ہے۔ اسکی تپش کا احساس کر کے ـــــ یا دیکھ کر پہچان کر اسکے جلال کا رعب طاری ہو کر ذہن سکڑ جاتا ہے۔ ذہن کے سکڑنے کا تاثر یہ ہوتا ہے۔ کہ سر جھک جاتا ہے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے ـــــ اور زبان سے بے ساختہ اَکْبَرُ نکلتا ہے ـــــ! اسکی روشنی کو دیکھ کر یا پہچان کر۔ اپنی ذات سے بے خبر ہو کر کھو جاتا ہے ـــــ ایک بے خودی طاری ہو جاتی ہے ـــ اور بے خودی میں ـــــ بے ساختہ زبان سے ھُوْ نکلتا ہے ـــ ان تینوں تاثرات کو یکجا کیا جائے ـــ تو زبان سے ھُوَ اللّٰہُ اَکْبَرُ ادا ہوتا ہے۔ جب اس نور کے حسن پر نظر پڑتی ہے۔ تو اس میں نورِ ابتدائی کا وجود محسوس ہوتا ہے۔ تو زبان سے بے ساختہ محمد نکلتا ہے اور جب نورابتدائی کو پہچانتے ہیں اس میں وسیع مخلوق سمائی ہوئی نظر آتی ہے اور اس وسیع مخلوق کو جب ہم دیکھتے یا پہچانتے ہیں۔ تو ہمیں۔ ہر وجود میں وسعت ـــ (حد) تپش ـــــ روشنی ـــــ اور حسن محسوس ہوتا ہے۔ یہی کیفیتیں ذاتِ احمدؐ میں بھی ہیں ـــ تو ہر کیفیت کی حد میں نورِ ابتدائی کی حد ـــــ ہر تپش میں نورِ ابتدائی کی تپش ـــــ ہر روشنی میں نورِ ابتدائی کی روشنی

(نور) دیکھی پہچانی جاتی ہے۔ کیونکہ نور ابتدائی علتِ کائناتِ خلقت ہے۔ تو جب ہم ہر شئے مخلوق میں۔ اسکی وسعت ــــ اسکی تپش ــــ اسکی روشنی ــــ اور اس روشنی کے اعتبار سے اس کے حسن میں ایک ہی نور ابتدائی کو محسوس کرتے ہیں۔ تو ہر خوبی۔ ہر کمال۔ خوبصورتی لذت کو اسی نور ابتدائی سے نسبت دی جائیگی ــــ اور جب ہم یہ پہچانتے ہیں۔ کہ ایک ہی نور ــــ ایک ہی وجود ہے جو ہر شے کی تخلیق ــــ اسکے ذاتی صفاتی کمالات میں پہچانا جاتا ہے۔ تو اُسے تخلیقی اعتبار سے ہر شے میں پہچانا۔ ہر خوبی کے کمال کی تعریف کیا گیا ــــ اور ہر شے کے ذاتی صفاتی کمالات کا بنیادی سبب جانا گیا۔ تو اسی صفت کو مَحَمَّدُ سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ اسکا دوسرا تصور یہ ہے۔ کہ جب ہم اللہ کی پہچان کیلئے۔ اپنے قریب سے ــ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ــ اٰیٰت'' لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (تحقیق آسمان اور زمین کی بناوٹ ــــ (مرکب وخاصیت ــــ ذاتی صفاتی کمالات) میں ایک خالق اللہ کی پہچان کے نشانات و آثار پائے جاتے ہیں۔ اور انسان کی ذات میں بھی اللہ کی پہچان کیلئے قوی آثار پائے جاتے ہیں) ــــ تو ہم اللہ کی پہچان۔ اپنی ذات اور کائنات کی اشیأ سے پہچان کی ابتدأ کرتے ہیں ــــ ہمیں اپنی وجودی کیفیت میں۔ دو روحیں نظر آتی ہیں۔ یہ روحیں بمنزلہ نور ہیں۔ انسانی صفت میں۔ سمع و بصر۔ کلام و فہم و تدبر۔ تنظیم کیفیتیں پائی جاتی ہیں ــــ ان کیفیتوں کا وجود ــــ انکی علت۔ کائناتِ ارضی کی کیفیتیں ــــ پہاڑ ــــ درخت ــــ دریا ــــ حیوان۔ اور دیگر اشیأ ستارے۔ چاند۔ سورج۔ ان کیفیتوں کا وجود ــــ انکی شادابی و حسن ــــ اور انکی علت۔ آسمان نوری عالم ــــ انکی مخلوق ــــ انکی نورانیت اور انکی علت یہ تمام کیفیتیں ایک علت پر ختم ہو جاتی ہیں۔ جو ان تمام کیفیات کی علت ہے۔ اسے نورِ ابتدائی کہتے ہیں ــــ تو ہم اللہ کی پہچان میں۔ کائنات ارض و سمٰوٰت کی پہچان کرتے ہیں۔ تو ہمیں اللہ کی پہچان میں ایک نور کی پہچان ہو جاتی ہے جسے نورِ ابتدائی کہتے ہیں۔ اسی پہچان سے اللہ کی پہچان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اور جب نور ابتدائی تک اپنی پہچان کرتے ہیں۔ تو اس نور کا وجود نورِ الٰہی سے ہے۔ بس ایک نور ابتدائی کی پہچان سے اللہ کے نور کی پہچان ہو جاتی ہے ــــ یہی پہچان مشترک ہے۔ کہ ہم اللہ کی پہچان میں محمدؐ کی پہچان کرتے ہیں۔ اسی محمدؐ کی پہچان سے ہماری پہچان مکمل ہو جاتی ہے کہ ہم محمدؐ کی پہچان کرتے ہیں ــــ اور محمدؐ کے نور کی علت پہچانی تو اللہ پہچانا جاتا ہے

___اس طرح محمدؐ کی پہچان بدرجہ ۱؎ اتم ہو جاتی ہے۔جس سے وللّٰہِ الحمد اور محمد کی یکساں حمد ہو جاتی ہے۔اور چونکہ محمد میں بنیادی وجود نور اللہ ہے اسلئے پہچان کی نسبت اللہ سے دی جاتی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ___

اب دیکھنا ہے۔کہ نورابتدائی نورِ کل ہے ___ نور محمدؐ نورِ کل ہے ___ لیکن بشری احمدؐ کی صفت میں بھی محمد کا تصور ہے ___ جیسے کہ بشری وجود کو بھی محمدؐ کہا گیا۔تو نوری وجود ___ اور بشری وجود میں حمد میں کس نوع کا اشتراک ہے؟

سوال یہ ہے۔کہ قرآنی واقعات کا تجزیہ کرنے سے یہ معلوم ہوا۔کہ حضرت عیسیٰؑ کا بشری وجود۔تمام مخلوق کے بشری وجود سے افضل ہے۔کیونکہ یہ بشری جسم نوری قوت کا حامل ہے۔اسکے مقابل باقی بشری وجود خاکی مرکب میں خاکی اور ادنیٰ حیثیت رکھتے ہیں۔خلیفۂ ارض کی حیثیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحانی۔جسمانی اعتبار سے افضل خلیفہ نبی ہیں ___ اسکے بعد نورِ ابتدائی کی حیثیت مخلوقی اعتبار سے افضل ہے۔کیونکہ اس نور سے تمام خلفاً وانبیأ کی فضیلت وابستہ ہے ___ یہ نور خلیفۂ ارض میں شامل نہیں ___ اس نور کا نام محمد ہے۔لیکن الارض میں بھی ایک بشری وجود مُحَمَّدٌ کے نام سے پکارا گیا ___ اور حمد کے اعتبار سے نورابتدائی کی حمد (محمد) اور بشری محمدؐ کی حمد میں یکساں مادۂ حمد ہے۔ تو ظاہر ہوا۔یہ بشری وجود نسبتِ نور اول سے حضرت عیسیٰؑ سے روحانی۔جسمانی اعتبار سے افضل ہے۔ لیکن یہاں فرق نمایاں ہے۔کہ اس وجود کی پیدائش عام بشری پیدائش جیسی ہے۔جس میں محمدٌ بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔عام بشری شکل وطریق پیدائش میں مساوی حیثیت میں محسوس ہوتے ہیں۔نور کے مرتبۂ فضیلت اور بشر کے مرتبہ میں فرق موجود ہے۔تو پھر بشری محمدؐ کی حمد ___ نورِ ابتدائی کی حمد میں کیسے یکسانیت ہو سکتی ہے۔اگر اس وجود کو محمد قرار دیکر تمام وجودوں سے افضل قرار دیا جائے۔تو ضروری ہے۔کہ اس بشری تخلیق میں ___ آدمؑ ___ یحیٰؑ ___ عیسیٰؑ کی وجودی کیفیت سے برتر کیفیت (مرکب) پائی جائے۔

۱؎ چونکہ اس نوع کی حمد میں محمدؐ کا مخلوق میں کوئی ثانی نہیں اس لئے یہ حمد محمدؐ کیلئے خاص ہو جاتی ہے نیز یہ حمد اللہ کی حمد کیلئے ہی ہے اسلئے اس حمد کی نسبت وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ سے ہی دی جاتی ہے ___

حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ کہا گیا ــــ تو لازمی طور حضرت عیسیٰؑ کو جسمانی حیثیت میں تفوق وبرتری حاصل ہے ــــ عیسیٰؑ اگرچہ بشری شکل میں ہی پیدا ہوئے۔ مگر تخلیقی اعتبار سے وہ مجسم روح۔ (نور) ہیں۔ لیکن محمدؐ کے ظاہری وجود کی بظاہر یہ کیفیت نظر آ رہی ہے۔ کہ نہ قرآن نے انکے کسی اصطفےٰ کا ذکر کیا نہ انکی پیدائش میں کسی خصوصیت کا ذکر ہوا ــــ نہ ہی ظاہراً اس بشری وجود کی پیدائش میں کوئی خصوصیت نظر آ رہی ہے ــــ جس خصوصیت پر ماقبل کی مصطفےٰ وافضل خصوصیات پر اس وجود کو فضیلت دی جائے! تو پھر ان ابتدائی اور مصطفائی کیفیات کے مقابل جن میں۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب۔ یحییٰ۔ زکریا۔ مریم اور عیسیٰ علیہم السلام کی خصوصیات شامل ہیں ــــ اس وجود بشری (محمدیؐ) میں کیا خصوصیات ہیں۔ جن سے انہیں محمدؐ پکارا گیا ــــ؟

قرآنی تواریخ کے اندازِ بیان پر بنظرِ عمیق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن نے تخلیق سے متعلق واقعات کو ایک تسلسل اور ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے ــــ ایک تخلیق کی کیفیت کے اظہار کے بعد دوسری نئی تخلیقی کیفیت بھی بیان کی ــــ آدم کی تخلیق کے ذکر کے ساتھ دیدہ دانستہ ایک اور کیفیت کا اشارہ کیا ــــ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے ساتھ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ کا اشارہ بھی دیا۔ کہ جہاں ایک خاکی وجود کی تخلیق ہوئی ــــ وہاں اس سے قبل نوری وجود بھی تخلیق ہوا ہے ــــ یہاں اگر خلیفہ کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ مگر دانستہ طور ملائکہ کا بھی ذکر ہوا۔ کہ ایک نوری وجود اس سے قبل پایا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آدمِ خاکی۔ خلیفہ ابتدائی پیدائش نہیں۔ بلکہ اس سے قبل ملائکہ تخلیق کئے گئے ہیں ــــ اس اندازِ بیاں سے جہاں۔ نوری وجود ملائکہ۔ اور خاکی وجود آدم کی تخلیق کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قوتیں مستقل نہیں۔ بلکہ فانی ہیئت تبدیل کرنے والی کیفیتیں ہیں۔ قرآن نے اگرچہ اس کیفیت کو بیان نہیں کیا۔ لیکن ترتیب اور اندازِ بیان سے یہ بات خود بخود سامنے آتی ہے۔ جس کیلئے اب قرآن کو اس کیفیت کے بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

دوسری بات یہ کہ ایک وجود کے علم سے دوسرے وجود کی شہادت ملتی ہے ــــ قرآن نے صرف ایک خلیفہ سے متعلق کیفیت بیان کی۔ مگر اس سے ملائکہ کے وجود کی بھی نشاندہی کی گئی اور اس وجود کی حقیقت بھی معلوم ہوئی۔ کہ اس وجود کی خاصیت کیا ہے۔ اس وجود کی صفت کیا ہے۔ جسکا براہ راست

قرآن نے ذکر نہیں کیا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ ایک زائد بیان ہے جسکا خلیفہ کی تخلیق سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر اس زائد بیان کا مقصد یہ ہے۔ کہ خاکی وجود سے قبل نوری وجود پایا جاتا ہے۔ اور اسکی خاصیت۔ سمع (سننا) وَاِذْقَالَ۔ جب کہا تو کہنے سے ظاہر ہوا ملائکہ نوری حیثیت میں قوت سمع بھی رکھتے ہیں۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا ـــ کا بیان بھی خلیفہ کی تخلیق سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن اس بیان سے یہ معلوم ہوا۔ کہ ملائکہ میں قوتِ کلام بھی پائی جاتی ہے ـــ اور ساتھ ہی قوتِ بصر و فہم بھی رکھتے ہیں ـــ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ کے بیان سے ملائکہ کے علم و عمل کی خصوصیت بھی ظاہر ہوگئی ـــ ملائکہ کے اس بیان سے۔ اگرچہ ملائکہ کو دیکھا نہیں جاتا۔ لیکن قرآنی بیان سے بغیر دیکھے۔ ملائکہ کے وجود کے ساتھ۔ ایک نوری کیفیت ـــ اور نوری کیفیت سے نوری مخلوق۔ اسکی صفات کلام۔ سمع۔ بصر۔ فہم۔ علم و عمل کا یقین کی حد تک علم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ خاکی ہیئت خود مستقل نہیں۔ بلکہ اس سے قبل بھی ایک نوری ہیئت پائی جاتی ہے۔

جہاں تک انسانی قوتِ ذہنی کا تعلق ہے۔ انسانی ذہن۔ غور و فکر۔ معاملہ فہمی۔ اور تحقیق کی صلاحیت رکھتا ہے ـــ اسی صفت کے نتیجہ میں۔ انسان کسی کیفیت پر غور و فکر اور تحقیق سے خود بخود کیفیات کی اصل پا سکتا ہے ـــ انسان میں قوتِ کلام۔ قوتِ سمع۔ قوتِ بصر۔ قوتِ فہم۔ قوتِ عمل کیلئے۔ زبان ـــ کان ـــ آنکھ ـــ دماغ۔ اور اعضاء و جوارح ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ زبان۔ کان۔ آنکھ۔ دماغ۔ اور اعضاء پر ہی ان قوتوں کا مدار ہے۔ اگر یہ اعضاء نہ ہوں تو پھر کلام۔ سمع۔ بصر۔ فہم و عمل نہیں ہو سکتے۔ لیکن قرآنی بیان سے یہ کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ بغیر زبان۔ کان۔ آنکھ۔ دماغ اور اعضے کے بھی یہ قوتیں (کلام۔ سمع۔ بصر۔ فہم) ہو سکتے ہیں ـــ اسطرح ان کیفیتوں کا علم محدود نہیں بلکہ وسیع ہو جاتا ہے ـــ علاوہ ازیں کائناتِ خلقت پر غور و فکر کرنے سے تخلیق کی بعض ترکیبیں ہم اپنی ذہنی صلاحیتوں سے بھی بغیر قرآنی علم کے سمجھ سکتے ہیں ـــ وہ یہ کہ جب ایک وجود مستقل نہیں۔ تو اس وجود کی کوئی علت (سبب) اور کوئی خالق بھی موجود ہے ـــ اسطرح ہم ایک وجود کے ہونے پر اسکے ماقبل کے وجود کا احساس کرتے ہیں ـــ کہ ایک مسبب کیلئے اسکا سبب ہونا ضروری ہے ـــ خاک کی کیفیت کو دیکھ کر ہم اسکی علت کو مادہ سے قوی تصور کرینگے کیونکہ مسبب ـــ سبب کی منتشر اور تنزلی کیفیت ہوتی ہے۔ اس

طرح ہم خاک سے قوی کیفیت نار کا خود بخود احساس کرینگے۔ نار بجائے خود مستقل نہیں اسکا سبب ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلئے اس سبب کی ہیئت ناری وجود سے ہی پہچان کر نور کا احساس کرینگے۔ اس کے ساتھ انسانی وجود کے جملہ خواص چونکہ اسکے سبب سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اسلئے ہر علت کو اسکے معلول کے خواص اور صفات کے مطابق ہم غیر جسمانی ــــ ماورائے ادراک کیفیتوں کی اصل ماہیت بھی پا سکتے ہیں۔ ان کیفیات کی تصدیق کیلئے جو ہم اپنے ذہن ــــ غور و فکر سے حاصل کرتے ہیں قرآن ایک دانستہ اور مختصر بیان میں انکی کیفیات پیش کر کے تصدیق کر دیتا ہے جیسے ملائکہ کے دانستہ اور مختصر بیان سے۔ ملائکہ۔ کے نوری وجود۔ کلام۔ سمع۔ بصر۔ فہم کی کیفیتیں سمجھ کر اپنی تحقیق کی تصدیق کر لیتے ہیں ــــ یہ ہے قرآن کا نرالا اندازِ بیان۔ اسی طرح تخلیق کے سلسلہ میں قرآن ایک واقعہ بیان کرنے سے قبل ایک زائد کیفیت کا دانستہ طور اشارہ کرتا ہے جس سے اصل واقعہ کی حقیقت خود بخود بغیر تفصیل بیان کرنے کے سمجھ میں آجاتی ہے۔ مثلاً واقعہ حضرت زکریاؑ میں قرآنی اندازِ بیان میں ــــ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا○قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا○ جب حضرت زکریاؑ نے دعا مانگی اے رب میرے بدن کے جوڑ کمزور ہو چکے ہیں (یعنی قوتِ تناسل باقی نہیں رہی) اور سر بوڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گیا ہے ــــ لیکن میں تجھ سے مانگتا ہوں ــــ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ گو قانون فطرۃ کے مطابق میری دعا کی قبولیت کے اسباب موجود نہیں۔ پھر بھی تو اپنی قدرتِ کاملہ سے سبب پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا○ میری بیوی بانجھ ہے۔ جس سے اولاد پیدا نہیں ہو سکتی ــــ باوجود پیدائش کے لئے ہمارے پاس ذریعہ موجود نہ ہونے کے۔ هَبْ لِىْ ــــ لَّدُنْكَ عطا کر ــــ روحانی طور ــــ یہاں الفاظ کے معانی میں خود انکے تصور بھی پائے جاتے ہیں۔ کہ اللہ سے اولاد مانگنے میں کون سے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ یہ پیدائش مادی نہیں۔ بلکہ روحانی ہے ــــ

اس واقعہ کو دانستہ طور بیان کیا گیا۔ تاکہ یہ سمجھ میں آئے۔ کہ بغیر سلسلہ تناسل کے اولاد پیدا ہونا قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا ــــ البتہ اگر اللہ چاہے۔ تو مادی ذرائع سے

ماسوئی۔ وہ قدرتِ کاملہ سے لڑکا پیدا کر سکتا ہے۔ وہ کیسے؟ نطفہ اگر نہیں۔ تو ـــــ روح۔ یا نور سے اسکا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ چونکہ اس سے قبل نہ نور کو پیدائش کیلئے استعمال کیا گیا۔ نہ ایسی پیدائش کیلئے قانون ہی بنا ہے۔ کہ نور سے اولاد پیدا ہو۔ مگر انسانی ذہن ـــــ اور تصور میں یہ چیز آ گئی کہ نور سے بھی اولاد ہو سکتی ہے۔ اسی لئے فَهَبْ لِیْ ـــــ مِنْ لَّدُنْکَ کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ اگر اللہ چاہے تو بغیر مادی ذرائع کے نور کو ذریعہ بنا کر اولاد (انسان) پیدا کر سکتا ہے۔ ایسا ہونا یقینی حد تک ممکنات سے ہو سکتا ہے۔! اسکے بعد اس کیفیت کو ممکن بنانے کیلئے بیان کیا گیا ـــــ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی۔ اے زکریا میں نے چاہا ـــــ تجھے لڑکا دونگا ـــــ اسکا نام ملائکہ کا نہیں بلکہ بشری ہے ـــــ یعنی وہ نوری ذریعہ سے ہوگا مگر پیدائش اسکی بشری ہوگی ـــــ اس بیان سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ اس پیدائش کی ترکیب کیا ہے۔ یعنی نطفہ کی جگہ نور ـــــ اور نور سے نور ہی پیدا ہوتا ہے۔ اسکی شکل بشری نہیں ہوتی۔ مگر میں اس نور کو نطفہ بنا کر ماں کے پیٹ سے پیدا کرونگا ـــــ وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ اور ہم نے اسکی بیوی کا روحانی علاج کر کے اسے بچہ پیدا کرنے کے قابل بنا دیا (یعنی رحم کو درست کیا) ـــــ بس اسکے بعد کسی بات کی ضرورت نہ رہی ـــــ حضرت زکریاؑ کو یہ یقین ہے وَلَمْ اَکُنْ م بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا۔ میں تو کامل یقین رکھتا ہوں کہ تو اولاد پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مگر قرآن نے پھر دانستہ طور بیان دیا ـــــ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ'' کہا اے رب میرے واسطے لڑکا ہونے کی ترکیب کیا ہے؟ ـــــ یہ بیان علم اور یقین کو مستحکم کرنے کیلئے ہے ـــــ قَالَ کَذٰلِکَ کہا اللہ نے اسی طرح پیدا کرونگا ـــــ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ'' وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا۔ یہ میرے لئے آسان ہے۔ کیونکہ پہلے بھی میں نے آدم کو بغیر ذریعہ تناسل کے پیدا کیا۔ جبکہ پیدائش کیلئے کوئی ذریعہ مقرر نہیں تھا ـــــ اس بیان سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ بغیر سلسلہ تناسل کے اللہ تعالیٰ ایک پیدائش کا وجود ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ واقعہ اگرچہ ماورائے ادراک ہے۔ لیکن تمہارے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ایسے واقعہ پر بھی بغیر تحقیقِ عقل (جبکہ تمہاری عقل کی حدود سے یہ کیفیت باہر ہے) یقین کرو ـــــ یہ قرآنی بیان بھی دانستہ اور اصل واقعہ سے زائد بیان ہے ـــــ اصل واقعہ صرف یہ ہے۔ کہ بغیر نطفہ نور کے ایک انسان پیدا کرنا ـــــ اگر نطفہ انسانی پیدائش کا سبب نہ ہو۔ تو مِنْ لَّدُنْکَ

اللہ تعالیٰ ایک انسانی پیدائش کیلئے نور کو سبب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس امر میں مجبور نہیں کہ وہ نطفہ کے بغیر کسی اور ذریعہ سے انسان پیدا نہیں کر سکتا دوسرے یہ کہ انسانی پیدائش نطفہ کے بغیر اور ذریعہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ اسلئے کہ سلسلۂ تناسل سے ماسویٰ ایک اور ترکیب پیدائش کا بھی ذہن میں تصور سما سکے ـــــ

اور آئندہ ایسے قرآنی بیانات پیش کیۓ گئے جس سے نوری پیدائش کے دلائل فراہم ہوں جیسے واقعہ حضرت مریمؑ میں ـــــ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ارادے کا انسان سے رابطہ ہونا ـــــ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط پس جب حضرت زکریا ہیکل کے مقفل حجرے میں داخل ہوئے تو حضرت مریمؑ کے پاس رزق پایا ـــــ بولے اے مریم یہ رزق تیرے واسطے کہاں سے آیا ـــــ مطلب یہ کہ جو دنیوی رزق تجھے دیا جاتا ہے۔ وہ اتنا ہوتا ہے کہ تمہارے کھانے کے بعد باقی کچھ بچ نہیں رہتا ـــــ اتنا میوہ تو تمہیں کسی نے دیا نہیں تو پھر کہاں سے آیا ـــــ؟ تو حضرت مریمؑ کی زبانی بیان دیا جاتا ہے هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یہ میوہ اگرچہ متشابہ نظر آتا ہے جیسا دنیوی میوہ ہوتا ہے۔ مگر یہ میوہ مِنْ لَّدُنْكَ اللہ نے روحانی طور روحانی میوہ دیا ہے۔ یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ۔ مجھے منتخب کیا ہے۔ اور میرے وجود کو مادی آلائشوں سے پاک رکھا ہے۔ اسلئے روحانی غذا سے میری نشوونما کرتا ہے۔ اس بیان میں صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ کئی آثار و رموز ہیں ـــــ ایک یہ کہ ایک جسم کو قطعی نوری بنانے کیلئے۔ گوشہ نشینی میں رکھ کر نفس کشی کرائی جاتی ہے۔ اس سے نفس میں کثیف آلائشیں داخل نہیں ہوتیں۔ دوسرے پیدائش کی کثافت تحلیل ہو کر جسم پاک ہو جاتا ہے۔ یا نوری خاصیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ مگر بشری شکل عام احساسات کے مطابق عام انسانوں جیسی محسوس ہوتی ہے۔ یہ جسم بجائے مادی غذا کے نوری غذا سے پرورش پاتا ہے۔ دوسرا لطیف نکتہ یہ ہے۔ کہ جو مادی غذا مجھے ہیکل کی طرف سے دی جاتی ہے۔ وہ نوری وجود میں جا کر تحلیل ہو کر ـــــ اپنی ہیئت ختم کر کے نور میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسلئے اس بشری شکل میں عام انسانوں جیسی کیفیت و خاصیت نہیں بلکہ نوری خاصیت ہے۔ یہ بیان بھی دیدہ دانستہ دیا گیا تاکہ ایسے واقعات کے ظہور پر یہ واقعہ بطور دلیل لایا جائے ـــــ اسکے ساتھ ہی دوسرا بیان پیش کیا گیا یہ بھی زائد واقعات میں شامل ہے فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ پس بھیجا ہم نے ایک ملائکہ طرف مریم کے۔

پس وہ پوری بشری شکل میں اس پر ظاہر ہوا ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے تسلیم کرنے کیلئے خود واقعات کا ظہور کیا۔ اور ایسے واقعات کو قرآن میں دانستہ طور پیش کیا ـــــ ورنہ اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ ملائکہ اس حالت میں حضرتِ مریمؑ کے پیش ہو ـــ اس واقعہ میں ایک خاص کیفیت کا اظہار کرنا تھا ـــ وہ یہ کہ نور بشری شکل میں انتقال کرسکتا ہے۔ نور سے بشری ہیئت پیدا ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے جب نور نے بشری شکل و ہیئت اختیار کی تو اسے بشر کہا جانا چاہیے۔ پھر اسے نور نہیں کہا جاسکتا ـــــ اور بشری ہیئت حاصل ہونے کے بعد اس وجود میں بشری خاصیت لازمی آئیگی۔ اس میں نوری صفت باقی نہ رہیگی ـــ لیکن قصہ یہیں ختم نہیں ہوا ـــ اسکے ساتھ ہی ایک بیان اور بھی پیش کیا ـــ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا○ ـــ کہا مریم نے میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے یہ کہ تو پاک انسان ہے!۔ اس آیت کے الفاظ پر غور کرنا ہے۔ ویسے الفاظ سادہ ہیں۔ مگر مفہوم میں لطیف ـــــ حضرت مریمؑ نے ایک بشری وجود سامنے دیکھا ـــ اور گمان ہوا کہ یہ کس نیت سے یہاں میرے پاس آیا۔ اس بیان سے ثابت کرنا ہے۔ کہ آیا نور جب بشری ہیئت اختیار کرتا ہے۔ اسکی کیفیت کیا ہوتی ہے ـــ اول یہ کہ بشر محسوس ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں بشری خاصیت ہونی چاہیے۔ تیسرے یہ کہ ایسے بشر کو نور کہا جاسکتا ہے یا نہیں ـــــ اسکی اصل یہ ہے اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا○ سوائے اسکے نہیں میں نوری پیکر (ملائکہ) ہوں تاکہ تجھے لدنی طریقہ پر ایک لڑکا دیا جائے ـــ اس بیان سے ثابت کرنا ہے۔ نور بشری شکل میں بھی نور رہتا ہے ـــ اور یہ کہ بشری شکل وصورت بھی نوری صفات کی حامل ہوسکتی ہے ـــ بشری ہیئت اختیار کرنے میں نوری صفات زائل نہیں ہوتے بلکہ اپنی اصلی حالت میں قائم رہتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ نور بشر بن سکتا ہے۔ اور بشر نور ہوسکتا ہے ـــ یہ کیوں ایسا بیان دیا گیا ـــــ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا○ تاکہ حضرت مریمؑ کو حضرت زکریاؑ کی طرح بغیر سلسلہ تناسل بغیر مادی ذریعہ کے ایک لڑکا دیا جائے ـــ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا یہاں الفاظ فَهَبْ لِيْ ـــ اور مِنْ لَّدُنْكَ ہیں جس میں روحانی عطا کا تصور پایا جاتا ہے۔ اور لِاَهَبَ میں بھی یہی تصور پایا جاتا ہے۔ گویا زکریاؑ کا وَهَبَ حضرت مریمؑ کے لِاَهَبَ کے لئے پیشگی ثبوت فراہم کیا گیا ـــ اور لِاَهَبَ لَكِ حضرت زکریاؑ کے بیٹے یحییٰؑ کے لئے نور سے ہونا بطورِ ثبوت

پیش کیا گیا ـــــ اور کھلی دلیل کیلئے یہ بیان پیش کیا گیا۔ فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوْحِنَا ۔اور ہم نے لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا کی ترکیب پیدائش میں ایک روح کو حضرت عیسیٰؑ کے وجود کیلئے ازل سے مخصوص کیا۔ یہی روح حضرت مریمؑ میں نفخ کی تا کہ اس نور سے لڑکا پیدا ہو ـــــ نفخ روح کا بیان اسلئے ہوا۔ تا کہ ایک نوری پیدائش کی ترکیب بھی معلوم ہو اور اس نوری پیدائش کی ترتیب ـــــ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَاللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائشی ترکیب میں ایسی ہی ترتیب ہے۔ جیسی آدمؑ کی پیدائش میں۔ آدم مٹی سے۔ بنایا۔ بغیر ماں باپ کے۔ ایک لیس دار کیچڑ میں ـــــ اور عیسیٰؑ کی ترتیب بھی ایسی ہی کہ ماں کے بطن میں روح کو ڈال دیا۔ اسی جگہ ـــ جس جگہ پر عام نسل کی پیدائش ہوتی ہے (یعنی رحم) اس مقام پر پاکیزہ خون ہے ـــ اسی مقام پر منتخب نور کو سمایا اور اسے کہا ''کن'' ہو جا ـــ یعنی ''خون کی طرف متوجہ ہو جا ـــ اور اپنی ہیئت بشری شکل میں لا'' ـــ اسطرح پیدائش میں ایک نور بشری شکل میں پیدا ہو گا۔ اسکی صفت نوری ہو گی ـــ اس کیفیت کیلئے بھی قرآن نے دانستہ بیان پیش کیا اور اس واقعہ کا اللہ تعالیٰ نے دیدہ دانستہ ظہور کیا ـــ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ شیر خوار بچہ گود میں کلام کرے ـــ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ ط اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ لا ۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا ـــ گود میں۔ شیر خوار حالت میں ـــ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ـــ اور مجھے نبی بنایا گیا ـــ یہ دلیل ہے۔ کہ نور بشری ہیئت میں نوری خاصیات کا حامل ہوتا ہے۔ دیکھنے میں۔ اس میں تمام بشری عوامل محسوس ہوتے ہیں۔ اس کی بشری ہیئت قائم رہتی ہے۔ مگر چونکہ اسکا بنیادی وجود نور سے ہے۔ اسلئے بشری ہیئت میں خاصیتِ نوری قائم اور مستقل رہتی ہے۔ یہ واقعاتِ حضرت عیسیٰؑ بھی بطور دلیل پیشگی بیان کئے گئے۔ یہ واقعات کی اصل نہیں۔ ان واقعات سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے۔ کہ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ۔ تا کہ آئندہ آنے والے زمانہ میں ان واقعات کو بطور دلیل لیا جائے۔ مثل زکریاؑ باپ کا وجود۔ ماں کا وجود ہو بھی ـــ تب بھی ایک منتخب نور سے ایک انسان کی پیدائش ہو سکتی ہے ـــ اس پیدائش کی ترکیب کیا ہو گی ـــ باپ اور ماں کے ہوتے ہوئے۔ اگر ان میں سلسلہ تناسل کی قوت موجود بھی ہو ـــ تو بھی اللہ کسی انسان کو نور سے بنانا چاہے تو وہ روحانی طور ایک نور کو مخصوص کر کے بطن میں نفخ کر کے ایک

نوری بشر پیدا کرسکتا ہے اسے ابن زکریا ہی کہا جائیگا ___ لیکن زکریا کا اس پیدائش میں دخل نہ ہوگا ___ یہ نوراسی طرح بشری ہیئت میں انتقال کریگا جسطرح حضرت مریمؑ کے بطن میں نور نے بشر کی ہیئت اختیار کی ___ یہ پیدا ہونے میں بشر ہی محسوس ہوگا مگر اسکی خاصیت نوری بھی ہوگی ___ یہ اگرچہ بشر محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس وجود میں یہ صلاحیت نوری اعتبار سے ہے کہ بغیر زبان بولیگا ___ بغیر حواس دیکھ سکیگا ___ بیماروں کو اچھا کریگا۔ مادر زاد اندھوں کو بینا کریگا ___ مردوں کو بھی زندہ کریگا ___ سب سے بڑی صفت نوری وجود ہونے کی دلیل آسمان میں بھی جسم کے ساتھ داخل ہوسکیگا۔ ان آیات کو گزشتہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ تمام واقعات ایک آئندہ ہونے والے واقعہ کے ظہور کے لئے پیشگی دلائل و ثبوت ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ کونسا وجود ہے جسکے لئے اتنی کھلی دلیلیں پیش کی گئیں ___

قرآنی آیات پر غور کرنے سے یہ امر ثابت ہے کہ ھُوَ الْاَوَّلُ سے تخلیق کی ابتدا ہوئی ___ اور یہی نور مخلوق کا بنیادی وجود و علت ہے ___ اور علت ہی مخلوق کی خالق ہے ___ مخلوق اپنی بناوٹ میں لامحدود نور سے تخلیق نہیں ہوئی۔ بلکہ ایک مخصوص و منتخب مخلوقی نور سے بنی۔ اس مخلوقی نور کو نورِ ابتدائی کہتے ہیں۔ کہ جب ازل میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق بنانے کا ارادہ کیا تو اسکے لئے سوائے اسکے کوئی ترکیب پیدائش کیلئے ممکن نہ تھی کہ اپنی ذات سے ایک نور کو جز کی حیثیت میں پیدا کرتا ___ اور اگر نورِ ابتدائی کو مخلوق نہ کرتا۔ تو کائناتِ عالم کا وجود ہونا ممکن نہ ہوتا۔ اسی کیفیت کا اشارہ اس قول میں مضمر ہے۔ کہ لَوْلَاکَ: اگر ابتدا میں نور ابتدائی نور (یعنی نور محمدیؐ) مخلوق نہ کرتا ___ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ یہ تمام کائنات بننے کیلئے اور کوئی ترکیب موزوں اور مناسب نہ تھی اور جب ہم فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (پھر وار دیکھو مخلوق کی ابتدا کیسے ہوئی) کی تحقیق میں ہر مخلوق کی ابتدا کا پتہ کرتے ہیں۔ تو ہم اسی نورِ ابتدائی کو ہر مخلوق کا بنیادی وجود پہچانتے ہیں ___ اور ہر مخلوق میں اسی نورِ ابتدائی کا مرکب پاتے اور پہچانتے ہیں۔ اسلئے اس پہچان کو محمدؐ سے تعبیر دیتے ہیں ___ اسلئے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مخلوقِ ارض و سمٰوٰت میں سب سے افضل وہ مخلوق ہے۔ جسکے وجود سے کائناتِ ارض و سمٰوٰت کی تمام فضیلت تمام کمالات تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اسلئے اس نور محمدیؐ کو افضل الخلائق السمٰوٰت وَالْاَرْض سے تعبیر دیتے ہیں اور انہیں صفات و کمالات کی بنا پر اس نور کو محمد سے موسوم کرتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ محمد

نام اس مخلوق کا ہوسکتا ہے۔ جو اپنے کمالات وصفاتِ ذاتی میں سب سے اعلیٰ وافضل ہو ــــ اسکے بعد کسی اور مخلوق کا محمد نام نہیں دیا جاسکتا ــــ لیکن اَلْاَرْضِ میں ایک بشری وجود کا ظہور ہوا۔ قرآن نے اسکا نام مَحَمَّدْ'' پکارا ۱ ــــ تو یہ دوسری مخلوق ہوئی۔ اگراس وجودِ بشری کو محمدؐ پکارا جائے۔ تو ظاہراً یہ دو وجود قرار دیئے جائینگے۔ ایک وجود نوری ــــ دوسرا وجود بشری۔ بشری اعتبار سے بشری وجود نوری وجود سے افضل نہیں ہوسکتا۔ اسکے باوجود ــــ اس وجود کو محمدؐ پکارا گیا۔ تو ضروری ہے کہ بشری محمدؐ کی نوری محمد سے قریبی نسبت ہو ــــ سو وہ نسبت یہ ہے کہ ہر مخلوق کا وجود دو کیفیتوں کا مرکب ہے۔ ایک روحِ حیوانی یا جسم ــــ دوسرا روح رحمانی۔ اسلیئے بشری وجودِ محمدیؐ بھی دو روحوں کا مرکب ہوگا۔ مگر اس سے قبل ایک بشری وجود کی تخلیق ہوئی۔ یہ وجود حضرت عیسیٰؑ کا ہے۔ قرآنی ارشاد کے مطابق یہ وجود عام وجودوں کی طرح روحِ حیوانی سے نہیں بنا ــــ بلکہ ایک مخصوص ومنتخب نور سے بنا ــــ روحِ حیوانی ناری قوت ہے۔ اور روحِ عیسیٰ نوری قوت۔ یعنی انسان میں ایک ناری قوت روح حیوانی ــــ اور دوسری قوت نوری ــــ روح رحمانی پائی جاتی ہے۔ اسکے برعکس حضرت عیسیٰؑ میں ایک منتخب نور سے (روح حیوانی کی جگہ) جسم بنا اور ازلی عہد کی روح روح رحمانی علم وخبر کی روح سے مرکب جسمانی کی تکمیل ہوگئی ــــ اس تخلیق میں ایک دلیل پیش کی گئی۔ کہ ایک وجود کو جسمانی لحاظ سے بدرجہ اتم فضیلت حاصل ہونے کیلیئے ناری روح (روح حیوانی) کی جگہ نوری روح سے اسکے وجود کو بنایا جائے ــــ اسلیئے ضروری ہے کہ جس جسم کو محمدؐ پکارا گیا۔ محمد نام کے اعتبار سے اس وجود میں۔ جسمانی اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ کے نوری جسم سے افضل نور منتخب ہو ــــ چونکہ ایک وجود کی افضلیت اور اس کی ہیئت ترکیبی کیلیئے قرآن نے یحییٰؑ۔ ملائکہ نوری۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے وجود کی ہیئت ترکیبی میں دلیل پیش کیں۔ کہ نور سے بھی جسم بنایا جاتا ہے۔ یہ سب ترکیبیں اسی جسمِ محمدؐ کی ہیئت ترکیبی کیلیئے بطور دلیل دی گئیں۔ کہ چونکہ قرآن نے ان کا نام محمدؐ پکارا ــــ اس لئے انکے مرکب جسمانی کیلیئے۔ حضرتِ عیسیٰؑ کے مرکب جسمانی سے افضل نور منتخب ہو ــــ سو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے جسم کیلیئے ازل سے ایک نور منتخب کیا۔ جسکا اشارہ وَکَانَ

---

۱ مُحَمَّدْ'' رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

اَمْرًا مَّقْضِیًّا ۔ کے ارشاد میں واضح طور ملتا ہے۔اسی طرح محمدؐ کے جسم کیلئے بھی ازل سے ایک نور منتخب ہونا ارادۂ ازلی کے تحت لازمی ہے۔ یہ انتخاب حقیقی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق جسم کیلئے ازل سے نور منتخب کیا۔ اسلئے یہ ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی افضل وجود کیلئے نور منتخب کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے نور کو جسم میں انتقال کرنے کی ترکیب یہ تھی۔ کہ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ۔۔۔ یعنی نفخ کے ذریعہ جسم کی ترتیب دی۔ مگر قرآن نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم کیلئے نفخ کی ترکیب بیان نہیں کی۔ یہ اسلئے کہ محمد نام سب سے افضل ہے۔ چونکہ عادت الٰہی میں یہ چیز قبل آچکی ہے۔ کہ اللہ نے ایک وجود کو افضلیت عطا کرنے کیلئے۔ اسکا جسم نور سے بنایا۔ اسلئے اب محمدؐ کیلئے بیان کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی ۔۔۔ اب نفخ کے مقابلہ میں منتخب نورِ محمدیؐ کی جسم حاصل کرنے کی ترتیب کیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک وجود کو پیدا کرنے کیلئے قانونِ فطرت سے علیٰحدہ ایک ترکیب اختیار کی اسی طرح جسم محمدیؐ کیلئے بھی ایک علیٰحدہ ترکیب اختیار کی ۔۔۔ وہ یہ کہ جب آدمؑ بنے تو یہ بشر تھے یہ ناری اور خاکی کیفیت کا مرکب تھا۔ اس وجود سے انہیں نوری وجود پر فضیلت حاصل نہ تھی۔ مگر خَلِیْفَه کی حیثیت سے انکا مقام ملائکہ سے برتر ہونا مقصود تھا۔ اس لئے آدم میں ایک نوری روح نفخ کی گئی۔ یہ روح ملائکہ کے نوری وجود سے افضل تھی ۔۔۔ یہ روح علم کے لئے عطا ہوئی۔ اسلئے آدم کی حیثیت یہ ہے۔ کہ بشری حیثیت میں آدمؑ جسمانی اعتبار سے ملائکہ سے کمتر ہیں۔ لیکن علمی اعتبار سے برتر ۔۔۔ لیکن اس برتری کے باوجود اس وجود میں ایک جز (جسمانی) ملائکہ سے کمتر ہی ہے۔ اس کمتری کو ملائکہ کے مقابلہ میں فضیلت دینے کیلئے اس جسمانی کمزوری کو بھی دور کرنے کیلئے حضرت عیسیٰؑ کے وجود کو بشری لحاظ سے افضل بنا کر اسے نور سے بنایا۔ اب یہ جسم ناری نہیں بلکہ نوری ہوا ۔۔۔ چونکہ خلافت عطا ہونے کیلئے علمی برتری بھی انسان کو حاصل ہے۔ اسلئے نوری جسم کے ساتھ اس روح کا نفخ ہونا بھی ضروری تھا جو علم کے لئے مخصوص کی گئی وہ روح رحمانی ہے۔ اسلئے حضرت عیسیٰؑ کے وجود کی ترکیب میں دو روحیں ایک ناری روح سے افضل اور دوسری اس جسمانی روح (نوری) سے افضل۔ روح رحمانی سے روح و جسم کی تکمیل کی گئی۔ مگر محمدؐ کو حضرت عیسیٰؑ کے مقابلہ میں جسمانی لحاظ سے بھی افضل بنانا مقصود ہے۔ تو یہ روح ۔۔۔ روح جسمانی عیسیٰؑ سے افضل ہونی ضروری ہے۔ عیسیٰؑ کی روحِ جسمانی سے افضل روح۔ روح رحمانی ہے۔ اسلئے ضروری ہے۔ کہ اسی

روح سے محمدؐ کا جسم بنایا جائے تا کہ حضرت عیسیٰؑ کے مقابلہ میں جسمانی لحاظ سے افضلیت حاصل ہو۔ اسلئے محمدؐ کے جسم کیلئے روح رحمانی کو مخصوص کیا گیا۔ جس روح کو عام انسانوں میں خلافت۔ نبوت اور علمی برتری کیلئے نفخ کیا گیا۔ اسکے معنی یوں ہوئے کہ عام انسانوں کی روح رحمانی ـــــ اور محمدؐ کی روح جسمانی ایک ہی کیفیت ہیں ـــــ چونکہ ہر مخلوق کی روح اور جسم کی روح۔ نور ابتدائی سے ہی بنائی گئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسی نورِ ابتدائی سے آدم کی روح رحمانی کو نکالا ـــــ اور حضرت عیسیٰؑ کی روح جسمانی ـــــ روح رحمانی کو بھی اس نورِ ابتدائی سے اسکی جز کی صورت میں بنا کر خزانہ غیب میں جمع کیا ـــــ اسی طرح جسم محمدؐ کیلئے بھی نور ابتدائی سے روحِ رحمانی کی منتخب روحوں میں ایک روحِ رحمانی کو منتخب کر کے خزانہ غیب (عالم بالا کے مخصوص خزانہ) میں جمع کیا ـــــ اور جب جسم محمدیؐ کے ظہور کا وقت آیا ـــــ تو اس جسم محمدیؐ کے نور کو بجائے براہ راست نفخ کرنے کے ایک نئی ترکیب مقرر کی کہ یہ روح ـــــ روحِ رحمانی کے ساتھ (علاوہ روح) حضرت آدمؑ کی پشت میں منتقل کی ـــــ اس طرح عام مخلوق کے مقابلہ میں حضرت آدمؑ میں دو روحوں (روح حیوانی ـــــ اور روح رحمانی) کے علاوہ تیسری منتخب روحِ محمدیؐ شامل ہوئی ـــــ یہ مقام صرف حضرت آدمؑ کو حاصل ہوا ـــــ یہ کیفیت بھی اصطفیٰ آدمؑ میں شامل ہے۔ آدمؑ کے بعد یہ روح ـــــ اولادِ آدم میں نوحؑ کے بعد انکے بڑے لڑکے میں منتقل ہوئی۔ اسی طرح پشت در پشت اولادِ آدم میں منتقل ہوتے ہوتے پشت ابراہیمؑ میں آئی ـــــ یہی نور پشت اسماعیلؑ میں منتقل ہوا یہی نور اولادِ اسماعیلؑ میں (بڑے لڑکے کی پشت میں) منتقل ہوتے پشتِ عبدالمطلب میں منتقل ہوا ـــــ پشتِ عبدالمطلب سے پشتِ عبداللہ میں منتقل ہوا ـــــ پشتِ عبداللہ سے بطنِ آمنہؓ میں اسی طرح منتقل ہوا۔ جسطرح حضرت عیسیٰؑ کا نور بطنِ مریمؑ میں القا ہوا ـــــ یہی نور بنیادی وجود حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سبب بنا جس سے بشری محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا ـــــ چونکہ انسانی حیثیت میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بحیثیت خلیفہ پیدا ہونا تھا۔ سو آپ جسمانی اعتبار سے ویسے ہی بشر محسوس ہوتے ہیں جیسا ملائکہ بشری ہیئت میں ـــــ آپکی روح جسمانی ـــــ روح رحمانی ہے ـــــ روح رحمانی کے نفخ سے خلیفہ قرار دیا جاتا ہے۔ سو آپؐ جسمانی حیثیت سے ہی خلیفہ قرار دیئے گئے۔ اب آپکو علم عطا ہونے۔ یا علمی برتری سے خلافت پانے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ بلکہ آپ جسمانی حیثیت سے اسماء

کلھا کا علمِ نبوت۔ جسم (حواس و عقل) سے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اسماء کلھا کا ــــ علمِ نبوت۔ اسرار الٰہی کا مشاہدہ روح رحمانی سے ہوتا ہے۔ روح رحمانی آپکا جسم ہے۔ اسلئے آپؐ جسمانی قوتوں۔ حواس (سمع۔ بصر۔ ذہن) سے ہی اسرار الٰہی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ جب جسم سے ہی خلافت کا مقام حاصل ہوکر ــــ جسم سے ہی علمِ نبوت۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل ہوا۔ اب خلافت حاصل کرنے کیلئے روح رحمانی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ البتہ چونکہ ہر وجود دو روحوں (روح حیوانی۔ روح رحمانی) سے مکمل ہوتا ہے۔ اسلئے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کی تکمیل کیلئے دو روحوں کا ہونا لازمی ہے۔

چونکہ نور ابتدائی کا نام بھی محمد ہے۔ اور بشری جسم کا نام بھی محمدؐ ہے۔ اسلئے ظاہر ہوا کہ دو ہیئتوں کا محمد نام پانا دراصل ایک ہی وجود کی دو روحوں کا نام ہے۔ یعنی نورِ ابتدائی (نور محمدیؐ) بشری محمدؐ میں عام روح رحمانی کے مقابل بحیثیت روح رحمانی جسم محمدیؐ سے متعلق ہے۔ اسی روح سے بشری جسم محمدیؐ کی (بحیثیت دو روحوں کے) تکمیل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے نورِ ابتدائی کا نام بھی محمد ہے اور بشری وجود کا نام بھی محمدؐ ہے۔ یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کی تکمیل نورِ ابتدائی اور روح رحمانی سے ہوکر دونوں محمد یک جا ہوکر ایک محمد کے تصور میں لائے جاتے ہیں ــــ یہی نسبت نور محمدیؐ اور بشری محمدؐ کی ہے۔ جس میں نور اول کو محمد کہا گیا اور بشری وجود کو محمد کیا گیا۔ دراصل یہ ایک ہی وجود کی دو جسمانی ــــ روحانی کیفیتیں ہیں جس سے ایک وجود کی تکمیل ہوتی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ بشری محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمام کائناتِ عالم کی مخلوق سے بالاتر و افضل ترین ہستی ہیں۔ آپؐ کا وجودی مرکب مثل روح عیسیٰؑ۔ عام انسانی پیدائشوں میں نفخ کی گئی روحِ رحمانی سے ہے ــــ روحانی علمی حیثیت میں۔ ہر مخلوقِ انسانی کو آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ آل ابراہیم۔ حضرت موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ اور تمام انبیاءؑ کو روح رحمانی سے اسرار الٰہی کا مشاہدہ کرنا ہے۔ مگر آپؐ نورِ ابتدائی کی حیثیت میں خود مجسم اسرار الٰہی سے تعبیر ہیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (پارہ اول سورة ۲ آیت ۳۱) اور علم دیا آدم کو تمام اسماء کا۔

اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ بتاؤ مجھے اپنے اسماء (بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (پارہ ۷ سورة ۶ آیت ۱۰۱) آسمانوں اور زمین کا منبع و مبدع)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ○ (پارہ ۱۶ سورة ۲۰ آیت ۹) اللہ ہے نہیں کوئی

معبود مگر وہ۔اسی کے واسطے ہیں اسماءِ حسنیٰ۔

اِن آیات میں اسماء کے تصور میں جیسا گزشتہ بیان ہو چکا ہے۔کہ اسماء سے مراد ملکوتی کیفیاتِ نوری جو غیب کا درجہ رکھتی ہیں ـــــ یہ اسماء آسمانوں کی کیفیات اور آسمانوں سے اوپر کی کیفیات نوری مراد ہیں۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی سے مراد جب اسماء کو نورانی تصور میں لیا جائے تو ان نورانی کیفیتوں میں عالم بالا کی عظیم قوتوں کو اسماء الحسنیٰ کہا جائیگا ـــــ لَهٗ سے مراد جتنی بھی نوری کیفیتیں ہیں سب اللہ کے نور سے نسبت رکھتی ہیں۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰) اللہ کی ذات کا تصور کن صفات سے ہے۔انہیں صفات سے جو لوگوں (مخلوق) میں ہیں ـــــ یعنی جو صفات مخلوق میں جزوی حیثیت میں پائی جاتی ہیں وہی صفات کل کی حیثیت میں اللہ میں پائی جاتی ہیں۔انسان میں سمع۔بصر۔کلام۔فہم وارادہ۔عفو۔رحم۔درگزر ـــــ قہر وغصہ۔وغیرہ صفات پائی جاتی ہیں۔یہی صفات اللہ میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔اسلئے کہ اللہ کی ذات بمنزلہ دانہ (بیج) ہے۔اور بیج سے پیدا ہوئی کیفیتیں بیج ہی کی پیداوار ہیں۔تنا۔شاخیں۔پتے۔پھول۔پھل۔لذت۔رنگت وغیرہ۔اب بیج کا تصور اسی صفت پر کیا جائیگا کہ درخت کی تمام صفتیں جزوی حیثیت رکھتی ہیں۔اور انہیں صفات پر کل کی حیثیت سے بیج کا تصور کیا جائیگا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ تمام مخلوق ارضی وسماوی کی صفات جزوی ہیں۔انہیں صفات کے تصور پر اللہ کی صفت کو کل کی حیثیت میں تصور میں لایا جائیگا ـــــ اس سے ظاہر ہوا کہ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی سے مراد تمام نورانی عالم اللہ تعالیٰ کے نور سے بنے ہیں ـــــ اور اسماء سے مراد عالم بالا کے نوری مقامات و کیفیات ـــــ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۴) واسطے اسی کے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔وہی ہے بلند اور بڑا ـــــ لَهٗ واسطے اسکے ہے۔یہ ظاہر عجمی معنی ہے۔لیکن جہاں تک تخلیقی ترکیب کا تعلق ہے لَهٗ سے مراد ''اُسی سے ہے'' یعنی اسی کی ذات سے ہے ـــــ اسی کے نور سے ہے ـــــ جو کچھ آسمانوں کی کیفیت ہے اور جو کچھ زمین کی کیفیت ہے ـــــ

وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ لا صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

وَمَا فِی الْاَرْضِ ط اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ع (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲۔۵۳) اور آپ پہنچانے والے ہیں طرف صراطِ مستقیم (سیدھی راہ) کے ــــ (سیدھی راہ کیا ہے؟) اللہ کا راستہ ــــ (اللہ کا راستہ کیا ہے) وہی جو راہ زمین سے آسمانوں کی طرف جاتی ہے ــــ وہی راہ ہے۔ جو لَہٗ اسکے نور سے زمین اور آسمانوں کی تخلیق کے مقامات ہیں۔ خبر دار رہو۔ کہ سب کام اللہ کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔

زمین اور آسمانوں کی کیفیات اللہ کی راہ سے تعبیر ہیں۔ زمین اور آسمان اللہ کے نور سے بنے ہیں۔ وَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اسی کے نور سے اسماء حسنیٰ۔ آسمانوں کی نورانی کیفیات بنی ہیں۔ یہ تمام کیفیات ماورائے ادراک عالم میں ایک سِرّ (راز) کی حیثیت رکھتے ہیں انہیں کیفیات کو اسرار یا اسرار الٰہی کہا جاتا ہے ــــ قرآن نے لَہٗ میں اپنی ذات کا تصور دیا۔ لیکن تخلیقی ترکیب میں یہ اسماء و اسرار اول نورِ ابتدائی سے بنے ہیں اسلئے ان اسماء کی نسبت نورِ اول نورِ محمدیؐ سے ہے۔ چونکہ نورِ محمدیؐ میں بھی بنیادی نور ــــ نورِ الٰہی ہے۔ اسلئے ان اسماء کو لَہٗ سے نسبت دینے میں اللہ کا تصور شامل ہوتا ہے ــــ

نورِ ابتدائی نورِ محمدیؐ ہے ــــ نورِ محمدیؐ روحِ محمدیؐ ہے ــــ اسلئے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کی دو کیفیتیں ہیں ــــ وجودی (جسمانی) لحاظ سے وہ بشری محمدؐ ہیں ــــ یہ بشری محمدؐ روحِ رحمانی ہے جس کی خاصیت مشاہدہ کرنا ہے ــــ روحی لحاظ سے آپکی علمی ۱ روح تمام کائنات خلقت تمام اسماءِ حسنیٰ تمام اسرار باطنی کا مجموعہ ۲ ہے۔ اس تصور کے ساتھ ہر مخلوق کو نورِ محمدیؐ۔ وجودِ محمدیؐ ۳ کا عرفان و

---

۱ علمی روح سے مراد انسان کی روحِ رحمانی جس روح سے انسان کو اسرارِ الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

۲ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی روح (جیسی عام مخلوق کی روح حیوانی) عام مخلوق کی روحِ رحمانی ہے۔ اور عام مخلوق کی روحِ رحمانی کے مقابلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ رحمانی۔ نورِ ابتدائی ہے ــــ نورِ ابتدائی مجموعہ کل کائنات ارض و سمٰوٰت کا ــــ اسلئے کل کائنات ارض و سمٰوٰت میں زمین سے لیکر ذاتِ الٰہی (نورِ ابتدائی) کا مجموعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مقدس کی روحِ رحمانی ہے۔ جبکہ بہ اعتبار محمد تمام مخلوق ارض و سمٰوٰت کو محمدؐ کی ہی حمد سے محمد کی تکمیل ہوتی ہے۔

۳ وجودِ محمدیؐ سے مراد محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ''روحِ رحمانی''۔ یہ روح نورِ ابتدائی ہے۔ جس سے کل کائنات بنی۔ اسی روح (نور) سے عالمِ بالا کے مقام و اسرار بنے جو اسماء کلھا سے تعبیر ہیں۔

مشاہدہ اپنی روح رحمانی سے کرنا ہے۔ اسی مشاہدہ و عرفان سے حمد کی تکمیل ہوتی ہے ـــــ اسی حمد کے لحاظ سے "مُحَمَّدْ" آپ کو نام دیا جاتا ہے ـــــ چونکہ کائنات میں آپؐ ہی کی حمد کی جاتی ہے۔ تو آپؐ کیلئے حمد نہیں بلکہ آپ مجسم حمد ہیں ـــــ آپکے لئے ذات الٰہی کی پہچان مقرر ہے ـــــ چونکہ کائنات ساری اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے۔ یہ کائنات وجودِ محمدیؐ ہے۔ اس لئے یہ تسبیح وجودِ محمدیؐ سے نسبت دی جائیگی۔ اسلئے وجودِ محمدؐ کو تسبیح و حمد کے اعتبار سے احمد پکارا جائیگا۔ حمد کی انتہائی تکمیل سے مراد احمد ہوتا ہے۔ اس سے یہ رمز خود بخود آشکارا ہو جاتی ہے کہ خالق اور مخلوق کے تخلیقی عمل میں انسانی تصور سمٹ کر ایک ہی نقطہ پر آ جاتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ نہیں کوئی لامحدود احد مگر اللہ ـــــ اور جو کچھ مخلوقی صورت میں بھیجا گیا وہ محمد ہیں صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اسکے سوا کسی دوسرے وجود کا تصور باقی نہیں رہتا۔

اللہ کی صفتِ خاص اَحَدْ" ہے۔ وَهُوَ الْاَوَّلُ ہے۔ اسکے بعد اللہ کے سوا جو بھی وجود محسوس ہوتا ہے۔ هُوَ الْاٰخِرُ ہے۔ دوسرا وجود۔ دوسرے وجود میں اللہ سے سوا ایک وجود کا تصور پایا جاتا ہے۔ جو صفتِ احدیت کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔ کہ احد کے سوا کسی دوسرے وجود کا ہونا ممکن نہیں۔ لہذا یہ وجود هُوَ الْاٰخِرُ بھی اللہ کا نور تصور کیا جائیگا ـــــ لیکن تخلیقی ترکیب میں اللہ سے سوا وجود۔ نورِ ابتدائی ـــــ یا نور محمدیؐ سے تعبیر ہے۔ لہذا هُوَ الْاٰخِرُ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا تصور پایا جائیگا۔ اور اسی وجود سے هُوَ الظَّاهِرُ ہے۔ یعنی۔ اللہ سے سوا جو وجود ظاہر ہوتا ہے وہ نور محمدیؐ سے ہے۔ اس سے سوا۔ عالمِ بالا کی نوری کیفیات جنکا ظاہری وجود نہیں بلکہ خالص نوری وجود ہے هُوَ الْبَاطِنُ سے تعبیر ہے۔ یہ وجود بھی نور محمدیؐ سے ہیں۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی هُوَ الْاَوَّلُ۔ هُوَ الْاٰخِرُ۔ هُوَ الْبَاطِنُ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ نور محمدی کا بنیادی وجود نورِ اللہ سے ہے۔ لہذا یہ صفات اللہ و محمدؐ میں مشترک تصور کی جاتی ہیں۔ انہیں اوصاف و صفات کی پہچان پر وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اور محمدؐ کی حمد میں مادہ یکساں مشترک ہوتا ہے۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد سے ہی اللہ کی حمد کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور یہ جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تفسیر میں بیان کیا گیا۔ کہ خالق و مخلوق کے تخلیقی عمل میں کائنات کا وجود محسوس ہوتا ہے تو اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تحقیق میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ کل کائنات کا وجود

بذات خود کوئی نیا وجود نہیں۔ بلکہ یہ کائنات محمدؐ سے تعبیر ہے۔ جو اَسۡمَآءَ کُلَّهَا میں شمار ہے۔اسی اسماء کلھا سے معرفت کی تکمیل ہوتی ہے اسی معرفت کی تکمیل سے۔ نبوت (اسماء کلھا) اور نبوت کی معرفت سے نبی کا تصور کامل ہو جاتا ہے۔ جو معرفت ہر انسان۔ خواہ عامی ہو یا منتخب ''نبی'' کو حاصل کر کے مقامِ نبوت حاصل ہوتا ہے۔ نبی کی تعریف دراصل یہ ہے۔ کہ اسماء کلھا کے مشاہدہ ہی سے نبی قرار دیا جاتا ہے۔ اسماء کلھا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا روحانی وجود تشبیہ دیا گیا۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کی معرفت سے ہی نبی بن سکتا ہے۔ اسی معرفت کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسی تکمیل حمد سے ہی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو محمدؐ پکارا گیا۔

وَاِذۡقَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ ''فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً ط جب کہا تیرے رب نے میں زمین پر ایک تسبیح وحمد کا حامل نبی بناؤنگا۔ تو ملائکہ نے کہا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط کیا تو زمین پر اسکی سفلی پیداوار کو تسبیح وحمد کا حامل بنائیگا ؟ تو ملائکہ کے تصور میں زمین کی پیداوار کی ہیئت آئی جو کہ سفلی تھی۔ لیکن اس رمز کو نہ پہچان سکے جو اللہ کے ارادے میں موجود تھی۔ تو اللہ نے کہا

اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ تحقیق میں جانتا ہوں جو کچھ اس پیدائش میں (جَاعِلٌ'') میں سرّ پوشیدہ ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۝ اور علم دیا آدم کو تمام اسرارِ الٰہی کا اور اسے ملائکہ کے روبرو کیا۔ اور کہا ملائکہ سے تم بتاؤ اپنے ہی اسماء تمہارا وجود کہاں سے آیا تمہارے وجود کا مرکب کیا ہے۔ تم کس شے سے بنے ہو۔ تم اپنی بدع کا پتہ دو تمہاری ابتداً کہاں سے ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ط اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ۝ پاک ہے تو غلطی سے۔ غلط کہنے سے۔ نہیں معلوم ہمیں ان سوالات کا مگر جتنا تو نے ہماری خلقت کے اعتبار سے علم دیا تحقیق تو جاننے والا ہے۔ اور اسرار و رموز سے آگاہ ہے۔ تو اللہ نے کہا اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ۝ کیا میں نے تم سے کہا نہیں

تھا کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ کہ میں آسمانوں اور زمین کے اسرار غیب سے واقف ہوں جو تم نہیں جانتے ــــ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نوری حیثیت میں ارضی سفلی کیفیت کو اپنے سے کمتر سمجھ کر اسکے آگے جھکنا پسند نہیں کرتے۔ اور پھر ظاہر کرتے ہو کہ نوری اعتبار سے ہم تسبیح و حمد کے حامل خاکی پیدائش سے افضل ہیں۔ لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں اسکی ابتدا کیسے کی اور اسکی آخر کیا کرونگا ــــ سو اِنِّیْ جَاعِلٌ'' کی ابتدا محمد (نور محمد) سے کی اور آخر اسکی احمد و محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے ہونا میرے منصوبہ میں ہے سو یہ ایک خلیفہ اعظم ہیں۔ نبی اعظم ہیں۔ باقی نبیوں کی سیرت محدود ہے۔ لیکن نبی اعظم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت لا انتہا ہے۔ یہی کیفیت سیرت النبی سے تعبیر ہے۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم نام کے ساتھ قرآن نے احمد کا نام بھی دیا ــــ

مُحَمَّدٌ'' رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔ محمد رسول ہیں۔ اور نبیوں کی نبوت پر مہر کرنے والے

وَمُبَشِّرًا، بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ، بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُط (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۶) اور ایک رسول کی بشارت دی گئی۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد آئینگے۔ ان کا نام احمدؐ ہوگا ــــ ان کا نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہے ــــ احمد جسم ہے ــــ اور محمد روح ــــ

محمد کی صفت حمد کئے گئے ــــ مخلوق سے ــــ مخلوق میں ــــ

مخلوق میں حمد کئے گئے۔ سے مراد ــــ روح رحمانی کی اصل ہیئت ــــ نورِ محمدیؐ کی اصل ہیئت ــــ یعنی جسم و روح محمدیؐ کی اصل ہیئت کو پہچاننا کہ نور محمدیؐ کی کیفیاتِ مخلوق کائنات کی اصل کو روح رحمانی (جسم محمدیؐ) سے مشاہدہ کرنا یا پہچاننا ــــ کہ یہ سب کیفیات زمین سے لیکر آسمان۔ عرش۔ عالم بالا۔ عالم باطن ــــ اسرار الٰہی ــــ تا ذاتِ الٰہی۔ نور محمدیؐ (روح محمدیؐ) ہی ہے۔ ان کیفیات کو روح رحمانی کے ذریعہ حاصل کرکے روح حیوانی کا آگاہ ہونا ــــ مخلوق میں حمد کئے گئے مراد ہے۔

محمدؐ کی صفت حمد کیا گیا ــــ کائنات میں جس کیفیت کو پہچانا گیا وہ ایک ہی نورِ محمدیؐ ہے ــــ روحِ محمدیؐ ہے۔ یہ محمد ہے ــــ اور احمد کی صفت ــــ اپنی روح ــــ نور محمدیؐ (اپنا نور) کو

پہچاننے کیلئے ـــــ عام مخلوق انسانی کی روحوں (روح رحمانی) میں سما کر خود ـــــ خود کو پہچاننا ـــــ یا عام انسانوں کا روح رحمانی (جسم محمدیؐ) سے نور محمدیؐ کو پہچاننا احمد سے تعبیر ہے۔ کہ ہر انسان میں پہچان کرنے کی قوت خود جسمِ محمدیؐ ہی ہے ـــــ (جو وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِىْ میں روح رحمانی انسان میں ودیعت کی گئی ہے)۔

اور یہ جو ایک وجود کو احمد سے خطاب کیا گیا۔ جسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہا گیا۔ جن کا ظہور مکہ میں ہوا اور انہیں بشری ہیئت میں پیدا کیا گیا۔ اور انکی تسبیح وحمد ـــــ اور تصور و مشاہدہ کو احمد سے پکارا گیا ـــــ اس سے مراد کائنات میں سب سے زیادہ حمد (پہچان) کرنیوالا۔ کہ بشری حیثیت میں۔ آپکا ذاتی عمل۔ آپکا تصور و مشاہدہ ـــــ آپکا ذکر اللہ۔ سب مخلوق سے اعلےٰ وافضل ہے۔ اسی عمل کے اعتبار سے آپؐ نے کائنات میں سب سے زیادہ تسبیح۔ سب سے اعلےٰ مشاہدہ وتصور ذاتِ الٰہی حاصل کیا ـــــ اسی عظیم۔ تسبیح و مشاہدہ وتصور کے علم کو براہ راست آپؐ سے نسبت دیکر احمد نام دیا گیا ـــــ اب دیکھنا ہے ذاتی طور آپکا عمل کیا ہے۔

وَمُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْم بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُط۔ اور بشارت دی حضرت عیسیٰؑ نے کہ میرے بعد ایک رسول آئیگا۔ اسکی صفت احمد ہوگی۔ گویا زمین پر آپؐ کا ظہور احمد کی حیثیت سے ہوا۔ اور محمد کل کائنات کا وجود ہے ـــــ جیسے نور ابتدائی (نور محمدیؐ) تمام کائنات کے وجود کا منبع ہے ـــــ ہر جسم اسی نور سے ہے۔ ہر روح اسی نور سے ہے۔ اسی طرح مخلوقِ انسانی کا جسم بھی اسی نور سے ہے اور اسکی روح بھی اسی نور کی جز سے مخصوص کی گئی ہے ـــــ یعنی آدمؑ سے لیکر قیامِ قیامت تک جو بھی انسان پیدا ہوگا انکی روحیں ازل سے نورِ محمدیؐ سے مخصوص کی گئیں۔ ان میں آدم کی روح رحمانی اسی نور سے مخصوص کی گئی جو آدم کی تخلیق پر اس میں نفخ کی گئی۔ اسی طرح ہر نبی کیلئے ایک روح نور محمدیؐ سے منتخب کی گئی۔ جو انکی پیدائش پر ان میں نفخ کی گئی۔ ان انبیاءؑ میں وہ جو عام حیثیت رکھتے ہیں ـــــ اور وہ ہستیاں بھی جو مخصوص مقام پائے ہوئے ہیں۔ جن میں نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ آل ابراہیمؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ موسیٰؑ تمام خاص انبیاءؑ شامل ہیں۔ اسی نورِ محمدیؐ سے حضرت عیسیٰؑ کا وجودی نور ـــــ اور روح رحمانی بھی مخصوص کیا گیا ـــــ اسی نور سے محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بشری جسم کیلئے سب سے اعلےٰ نور منتخب کیا گیا۔ اس

جسمانی نور کی اصل وہی نور ہے جس نور سے تمام مخلوقِ انسانی کی روح رحمانی بنائی گئی۔

گزشتہ بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیا ہے ـــــ اور مخلوق کی کیفیت و حیثیت کیا ہے ـــ اور اس تمام کائنات کی غرض و غایت کیا ہے ـــــ اب ہم ان تمام گزشتہ بیانات کا نچوڑ دوبارہ پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ذہن کو ان واقعات کی حقیقت قبول کرنے میں۔ شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور حقائق کو عقلِ سلیم۔ اور قلب صمیم سے پرکھ کر تسلیم کیا جائے ـــــ

قرآن نے اس کائنات کی غرض و غایت واضح الفاظ میں بیان کی۔ لیکن ان آیات کا عقل سلیم اور قلبِ صمیم سے مطالعہ کر کے قرآن کے حقیقی نظریات کو پانے کی کوشش کی جائے۔ اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ ان حقائق کو سمجھنے کیلئے ذہن کو فروعی نظریات سے خالی کیا جائے۔

قرآن نے ابتدأ ہی میں اس کائنات کی غرض و غایت سادہ اور آسان الفاظ میں بیان کی۔ لیکن قرآن کی زبان عربی ہے۔ یہ عربی زبان قریشی اصطلاح کے مطابق ہے۔ یعنی اس قرآنِ عربی میں وہی الفاظ۔ وہی صیغے۔ وہی محاورے۔ وہی استعارے۔ وہی تشبیہات پائے جاتے ہیں۔ جو عرب میں قریشی زبان عربی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ قریشی عربی زبان ازلی زبان ہے۔ یہ زبان حضرت آدمؑ نے استعمال کی ـــــ اور یہی زبان اللہ تعالیٰ نے استعمال کی۔ کیونکہ جب تک بشری حواس کا وجود نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک نوری زبان استعمال کی ـــــ

وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ " فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط۔ جب کہا آپکے رب نے ملائکہ سے کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ـــــ ظاہر ہے۔ اِس وقت خلیفہ کا بشری وجود تخلیق نہیں ہوا تھا ـــ اور بشری حواس کا وجود بھی نہیں تھا ـــ لیکن اسوقت ایک اللہ کا وجود تھا ـــ لفظِ اللّٰہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا حقیقی تصور پایا جاتا ہے۔ اللّٰہ کے لفظ کے ماسویٰ کسی اور لفظ سے اللہ کی ذات کا تصور مکمل نہیں ہوسکتا ـــ قرآنِ عربی میں اللہ کی ذات کیلئے۔ اللّٰہ کا لفظ ہی استعمال ہوا۔ اسکے علاوہ جہاں آدم ـــ ملائکہ ـــ اور اللہ کے درمیان مکالمہ ہوتا ہے۔ اس مکالمہ میں مَلَائِکَۃُ ـــ خَالِقٌ " ـــ بَشَر " ـ طِیْنٍ ـــ حَمَاٍمَّسْنُوْنٍ ـــ صَلْصَالٍ ـــ اَرْضِ ـــ فَقَعُوْا ـــ سٰجِدِیْن ـــ سَوّٰی ـــ نُفِخَ ـــ خَلِیْفَة ـــ نُسَبِّحُ ـــ بِحَمْدِکَ ـــ اَلنَّار ـــ اسماء ـــ نَبَا ـــ الفاظ ہیں۔ جن

الفاظ سے خود انکی شرح ہوتی ہے۔ یعنی قرآنی ترتیب بیان میں جو بھی الفاظ ہیں۔ وہ اس ہیئت میں ہیں۔ کہ انکی ہیئتِ لفظی سے ہی ان الفاظ کے معنی مترشح ہوتے ہیں۔ مثلاً فَجر "۔ فجر کے معنی صبح ــــ فجر صبح کی کیفیت ہے ــــ یعنی روشنی بہنا۔ صبح کی کیفیت میں روشنی زمین پر بہتی معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے اسے "بہنے والی کیفیت" فجر کہا جاتا ہے ــ اسی طرح پانی بہنے کو بھی فجر کہا جاتا ہے۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ پس بہ نکلیں اس پتھر سے بارہ آنکھیں ــــ عین چشمہ کو کہا گیا۔ اسکی ہیئت آنکھ کی طرح ہے۔ اسلئے اسی ہیئت کے مطابق اسکا نام عین (چشمہ) کہا گیا ــــ اور آنکھ سے پانی بہنے کی ہیئت کو فَجَرَ کہا گیا ــــ اسی تصور سے صبح کو فجر کہا گیا ــــ دوسری مثال ثَمَر " ہے ثَمَر " سے مراد پھلنے والی شے ثَمَر " اِذَا اَثْمَرَ۔ پھلنے والی چیز جب پھلتی ہے۔ اسی طرح قرآن میں ارض میں زمین کا اصل تصور ہیئت مرکب کیفیت تمام معلوم ہو جاتی ہے ــ آسمان کے معنی چکی یا سرپوش وغیرہ ــــ یہ الفاظ قرآن نے ان ابتدائی کیفیتوں کے بیان کئے جب بشر کا وجود نہ تھا ــــ اور ان الفاظ کے بغیر ان ابتدائی کیفیتوں کی ہیئتوں کا اصل تصور کسی اور زبان کسی اور تصور۔ کسی اور ہیئت میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا ــــ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن عربی کی زبان ازلی ہے اسی زبان میں ملائکہ سے خطاب ہوا ــــ اسی زبان سے بشر کو خطاب کیا گیا۔ اسی زبان کو نوح نبی۔ رسول تک استعمال کیا گیا۔ نوحؑ کے بعد اولاد نوحؑ میں چار لڑکے حام۔ سام۔ یافث اور یام ہوئے۔ یہ اولادیں عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئیں انکی وسعت نے زبان میں فرق ڈالدیا۔ جس سے سام کی اولاد جو مصر و شام کے علاقوں میں آباد ہوئی میں عربی زبان کی اصلی ہیئت بدل کر۔ عبرانی۔ سریانی۔ تورانی۔ کلدانی وغیرہ زبانوں میں تبدیل ہو گئی۔ لیکن جو اولاد مکہ کے قریب کے علاقہ میں آباد ہوئی انکی زبان خالص عربی رہی۔ یہی زبان حضرت ابراہیمؑ نے استعمال کی حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسماعیلؑ نے استعمال کی اور اسی طرح اولاد اسماعیل میں پشت در پشت جاری رہ کر فھر (قریش) تک پہنچی۔ فہر چونکہ طاقتور ہستی تھی۔ اسکی اولاد کو بھی یہی اقتدار حاصل رہا۔ اسی قوت وغلبہ کے لحاظ سے اس زبان کو بھی غلبہ حاصل ہوا۔ اور یہ عربی زبان ــــ زبانِ قریش کہلائی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عربوں میں یہی مستقل زبان استعمال رہی۔ اس زبان کی صفت یہ ہے۔ کہ اسکے الفاظ میں ہر کیفیت کا اصل تصور حاصل ہوتا ہے۔ اس زبان

میں ایک کیفیت کا پورا تصور سما جاتا ہے۔ اسکے ایک لفظ کو اسقدر وسعت حاصل ہے۔ کہ اگر ایک لفظ کے معنی کیے جائیں تو سمندروں کی وسعت جتنی سیاہی درکار ہوگی ـــــ اور زمین سے کئی گنا وسیع تختہ مشق کی وسعت درکار ہوگی۔ اسکا ایک سادہ سا لفظ حَمْدُ ہے ـــــ مگر اسکے معنی ـــــ اور معنی میں تصور لا انتہا وسعت ہے۔ اور حمد کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق کیا گیا ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو سوائے حمد کے اور کسی لفظ سے احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ حمد کے معنی تعریف کرنا۔ ایسی بات ہے۔ جیسے کوزے سے سمندر کی تعریف کرنا ـــــ الغرض قرآن اللہ تعالیٰ کی زبان ہے۔ اسی زبان کو قریش عرب نے استعمال کیا ـــــ اور یہ ایک خاص خصوصیت ہے۔ کہ قرآنِ عربی میں الفاظ میں خود اسکی ہیئت و معنی موجود ہوتے ہیں۔ اسی زبان میں قرآن نے ابتدائی پیدائش کا ذکر کیا۔

وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ ''فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ جب کہا آپکے رب نے ملائکہ سے۔ تحقیق میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ ـــــ کہا ملائکہ نے کیا تو بنائیگا زمین میں اسکو جو اس میں فساد کریگا ـــــ اور خون بہائیگا ـــــ اور ہم تیری تسبیح ساتھ پہچان کے کرتے ہیں۔ اور تیری بزرگی بیان کرتے ہیں ـــــ کہا اللہ نے میں جانتا ہوں۔ جو کچھ تم نہیں جانتے ـــــ

ان سادہ الفاظ پر اگر بہ نظر عمیق غور نہ کیا گیا۔ اور سطحی طور معنی کے تصور کیے تو ان واقعات کی اصل کیفیت ذہن سے اوجھل رہ کر حقیقی مطلب حاصل نہ ہوگا ـــــ اسلئے واقعات و کیفیات کی نوعیت پر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ اول ملائکہ سے خطاب کرنے کی غرض کیا تھی ـــــ دوئم زمین کی پیدائش کو خلیفہ کے نام سے پکارنا ـــــ سوئم ملائکہ کا سوال ـــــ کہ تو زمین پر ایسی مخلوق بنائیگا۔ جو فساد و خونریزی کریگی۔ اگر ان الفاظ کو اسی شرح میں سمجھا گیا۔ تو ابتدا ً میں ہی۔ اس بیان کی اصل کیفیت چھپ کر تاویلات کا دور شروع ہو جائیگا۔ یعنی ظاہر ہے جب اللہ نے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بناؤنگا ـــــ اور ملائکہ نے اسکے جواب میں کہا۔ کہ وہ فساد و خونریزی کریگا ـــــ غور کرنے کا مقام ہے ـــــ الارض کے لفظ میں زمین کا پورا تصور ہے۔ زمین کے لفظ سے ہی ملائکہ نے اسکی اصل ہیئت کو سمجھا۔ کہ وہ سفلی

مقام ہے۔اور اسکی مخلوق میں بھی سفلی خاصیت کا ہونا لازمی ہے۔اور یہ ایک حقیقت ہے ـــــ ملائکہ کا سوال قطعی درست ہے۔اس مقام پر اگر اس معنی کو تصور میں نہ لایا گیا ـــ تو خود بخود فروعی اعتراض پیدا ہوتا ہے ـــــ ایک یہ کہ ملائکہ کو کیسے معلوم ہوا زمین پر انسان فساد کریگا۔اور جب دیکھنے میں آیا ـــ کہ زمین پر اسکی مخلوق نے فساد کیا ـــ تو ثابت ہوا۔ملائکہ کا اعتراض (جبکہ اس سوال کو ملائکہ کا اعتراض کہا جاتا ہے۔حالانکہ یہ اعتراض نہیں بلکہ سوال ہے۔سوال سمجھنے سے واقعہ کی نوعیت بدل جاتی ہے) درست ہے تو اس کیفیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عقلی تاویل کی گئی۔ایک یہ کہ آدمی سے پہلے زمین پر جن رہتے تھے۔ انہوں نے فساد کیا تو ملائکہ نے دیکھ لیا اسلئے اسی واقعہ کو دیکھ کر ملائکہ نے کہا کہ زمین کی مخلوق فساد کرنے والی ہے۔حالانکہ یہ تصور غلط ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ خلیفہ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔جس میں جن ناری کا تصور نہیں۔بلکہ مادی ہیئت کا تصور ہے۔ناری ہیئت اگر فساد کرے تو ضروری نہیں۔خاکی ہیئت بھی فساد کرے ـــ اور یہ کہ ملائکہ کا اعتراض درست تھا ـــ جو کہ اللہ تعالیٰ کی کلام کے مقابلہ میں کیا گیا ـــ یہ بھی لغو ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے آگے ملائکہ کا اعتراض درست ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی ہی خالقیت کو (یعنی زمین کی پیدائش کی خاصیت جو اللہ نے بنائی) بلا دلیل رد کرے۔اسلئے اللہ کی کلام کو نہ غلط کہا جا سکتا ہے۔نہ ملائکہ کے سوال کو غلط کہا جا سکتا ہے۔البتہ قرآنی بیان نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ تضاد پیدا ہو کر اس قسم کے اعتراضات کا وجود پیدا ہوتا ہے ـــــ اور اس تضاد کو اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ کے بیان میں بغیر سمجھے چھپایا جاتا ہے ـــــ اس لئے قرآن کے ہر لفظ پر عمیق غور کرنا ضروری ہے ـــــ ملائکہ کے سوال کے بعد خلیفہ بنانے کے جواب میں یہ کہا وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ۔اللہ نے تو صرف یہ کہا کہ میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو ملائکہ نے اس خلیفہ پر ایک تو سوال کیا کہ اس وجودِ ارضی کی اصل ماہیت بیان کی اور دوسرے زائد از ضرورت کیفیت کیوں بیان کی جس میں ملائکہ نے اپنی خوبی ''تسبیح کا ساتھ پہچان کے'' تقدیس کا ذکر کیا ـــ اگر اس آیت میں حمد کے مفہوم کو صحیح معنوں میں نہ سمجھا گیا۔تو اس تمام واقعہ کی اصل غرض اور حقیقی مفہوم بدل کر بالکل متضاد اور غلط تصور قائم ہو گا جس سے ایک طویل تاویل پیدا ہو کر عظیم فتنہ علم میں پیدا ہو گا ـــ جو قرآنی عقائد کے سلسلہ میں طویل زمانہ سے علمائے متقدمین و متاخرین میں اختلاف چلا آرہا ہے۔اور کسی طرح بھی ختم ہونے میں نہیں آتا ـــ اسلئے قرآنی

الفاظ کو قرآنی اصطلاح میں سمجھنا ضروری ہے۔

ملائکہ سے خطاب کرنا اس غرض سے ہے۔ جو لفظ خلیفہ سے اور نَحۡنُ نُسَبِّحُ سے خود بخود عیاں ہوتا ہے۔خلیفہ ــ خلف سے ہے ــ اور مقدم ملائکہ ہیں ــ یعنی ملائکہ کے بعد دوسری ایسی قوم جو ملائکہ کے قائم مقام ہو۔ ملائکہ چونکہ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں وَاِذۡقَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اور فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً میں دانستہ طور ملائکہ کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ کی تسبیح وحمد۔ ملائکہ کے قائم مقام ہے۔ اسلئے خلیفہ کا لفظ ادا کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ اے ملائکہ میں زمین پر ایک ایسی قوم بناؤ نگا جو میری تسبیح۔ حمد اور تقدیس کرے ــ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کے ساتھ چونکہ فِی الۡاَرۡضِ کا لفظ استعمال کیا اسلئے ملائکہ نے سوال کیا ــ کہ ارض کا تصور خاکی۔ سفلی وجود ہے ــ تسبیح وحمد۔ تقدیس صرف نوری وجود کا خاصہ ہے ــ سفلی وجود کا خاصہ نہیں۔ تو پھر کیسے ایک سفلی وجود تسبیح۔ حمد۔ تقدیس کا حامل ہوگا ــ؟ بات صاف اور درست ہے ــ اور ہم تو تسبیح۔ حمد ــ تقدیس کرتے ہیں۔ تسبیح و تقدیس وحمد نوری صفت کا خاصہ ہے مادی۔ سفلی صفت کا خاصہ نہیں ــ؟ اور ایسا ہونا قانونِ قدرت کے خلاف ہے؟ تو اللہ نے کہا اس سلسلہ میں جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ کہ سفلی وجود فساد و خونریزی ترک کر کے تسبیح۔ حمد ــ تقدیس کرے گا ــ!

اب دیکھنا ہے۔ تسبیح۔ حمد۔ تقدیس کا کیا تصور ہے۔ اور خلیفہ پیدا ہو تو اسکی ہیئت وحیثیت کیا ہے جس سے وہ خلیفہ کہلائیگا ــ یعنی سفلی وجود ملائکہ کے مقابلہ میں۔ تسبیح۔ حمد اور تقدیس کا اہل ہوگا ــ یہ واقعہ ایک زمانہ کا ہے۔ جس میں اَلۡاَرض کی پیدائش کو خلیفہ کہا گیا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر پھر اسی ارضی پیدائش کا ذکر کیا ــ اِذۡقَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ○ ــ مِنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ○ اور جب کہا آپکے رب نے ملائکہ سے تحقیق میں بنانے والا ہوں ایک بشر مٹی سے۔ مٹی کے لیسدار کیچڑ سے۔ پس جب میں نے اِسے سنوارا (جب میں اسے سنوارونگا) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اِسے اپنے سے افضل تسلیم کرو۔

پہلے بیان میں۔ ’’میں بنانے والا ہوں زمین پر ایک خلیفہ‘‘ ــ دوسرے بیان میں بھی اسی

خلیفہ کا تصور وذکر ہے۔ لیکن تفصیل کے ساتھ ـــــ کہ وہ زمین کی سفلی قوت سے بنیگا۔ سفلی مرکب میں۔ مٹی۔ اور مٹی کے مرکب میں لیس دار کیچڑ سے ـــــ عجمی زبان میں حماء مسنون کو لیس دار کیچڑ یا دلدل کے تصور میں پیش کیا گیا۔ مگر اس تصور سے حماءِ مسنون کے مرکب کی اصل قوت کا تصور پایا نہیں جا سکتا۔ کہ حماء مسنون کی خاصیت کیا ہے ـــــ یہ کیفیت اُس وقت تک سمجھی نہیں جا سکتی۔ جب تک زمین کے تمام مرکبات کا علم نہ ہو سکے اور معلوم ہو۔ کہ مٹی کو حَمَاءٍ مَّسْنُونٍ کیوں کہا گیا ـــــ قرآن نے زمین کی اصل ہیئت ومرکب کا بھی حوالہ دیا۔ تاکہ حماءِ مسنون کی کیفیت سمجھی جائے ـــــ

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے ـــــ اور بنایا جنوں کو آگ کی لوؤں سے۔ صلصال کی کیفیت بھی زمین کی ایک کیفیت ہے ـــــ جس سے انسان کو بنایا گیا۔ اس کیفیت کا سمجھنا بھی اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک زمین کی ابتدائی کیفیت کا علم نہ ہو ـــــ

یہ امر تسلیم شدہ ہے۔ کہ زمین ایک سیارہ ہے۔ مثال کے طور۔ اگر زمین سے باہر فضا میں نکل جاؤ تو زمین کوئی الگ شے محسوس نہ ہوگی بلکہ یہ بھی باقی سیاروں میں ایک سیارہ دکھائی دیگی ـــــ یا اگر چاند میں جا کر زمین کو دیکھا جائے ـــــ تو چونکہ چاند زمین سے اسقدر فاصلے پر ہے۔ کہ چاند باقی سیاروں کے مقابلہ میں بڑا سیارہ دکھائی دیتا ہے ـــــ اور اگر زمین سے نکل کر دور جائیں تو چاند بھی ایک ستارے کی شکل میں دکھائی دیگا ـــــ اسی طرح چاند میں سے زمین کو دیکھا جائے۔ تو فاصلہ کے لحاظ سے زمین بھی چاند کے برابر نظر آئیگی۔ یعنی چاند میں رہ کر۔ چاند زمین کی طرح محسوس ہوگا اور زمین چاند کی طرح دکھائی دیگی ـــــ اگر چاند سے نکل کر دور فضا میں معلق ہو جائیں تو عام ستاروں میں زمین بھی ایک سیارہ نظر آئیگی ـــــ اور زمین ـــــ زمین کی شکل میں محسوس نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمین بھی عام سیاروں میں ایک سیارے کی حیثیت رکھتی ہے ـــــ صرف اس سیارہ کو باقی سیاروں۔ سورج۔ چاند ـــــ مشتری۔ زہرہ۔ مریخ وغیرہ کے مقابلہ میں زمین نام دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ زمین کی ہیئت وحیثیت عام سیاروں جیسی ہے ـــــ عام سیاروں کی ہیئت ناری ہے۔ اسلئے زمین کی ہیئت وحیثیت بھی ابتداً میں ناری تھی ـــــ قرآن نے زمین کی علت کا ایک حوالہ دیا۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط کیا نہیں دیکھتے یہ کافر کہ یہ آسمان اور زمین ملے (یکجز) ہوئے تھے۔ پس ہم نے انہیں جدا کیا ـــــ (یعنی آسمان سے زمین نکالی) اور زمین میں پانی سے ہر شے کو متحرک و محسوس کیا ـــــ اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ نظامِ تخلیق کے مطابق آسمان اول تمام سیاروں کی علت ہے۔ آسمان اول کے نور سے تمام سیارے بنائے گئے ـــــ اور تقسیم ہونے سے انکی ہیئت ناری ہوگئی۔ باقی سیاروں کے ساتھ زمین کا وجود بھی نوری آسمان سے نکلا ہے۔ اسلئے عام سیاروں کی طرح اسکا ناری ہونا۔ لازمی ہے اور وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ سے مراد۔ کہ ناری زمین کو پانی سے ٹھنڈا کیا گیا۔ اسی ناری زمین کی وہ ہیئت جو نار تھی اور پانی سے ٹھوس شکل میں آگئی ـــــ اپنی ابتدأ میں اسکی ہیئت ٹھیکری کے مانند تھی۔ اسی کیفیت کی طرف صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ میں اشارہ ہے۔ کہ یہی وہ مٹی ہے جو حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کی ہیئت پانی سے بنی ـــــ چونکہ زمین ناری تھی ـــــ ناری زمین میں ناری قوت ہے ـــــ زمین سے ہی جن بنے جو ناری وجود ہیں ـــــ صلصال کے ساتھ الجان (جنوں) کا ذکر اسلئے ہوا۔ کہ جن زمین کی ابتدائی ہیتِ ناری کی پیدائش ہے۔ جن لطیف اور غیر محسوس ہیں۔ یعنی جوہری ہیں۔ جو محسوس نہیں کئے جاتے۔ اسلئے ابتدائی زمین کی کیفیت لطیف ناری جوہری قوت تھی ـــــ لطیف ناری قوت سے مراد جوہری ہے۔ جوہر میں ایتھر ـــــ ایٹم۔ برق پائے جاتے ہیں ـــــ یہی کیفیت صلصال میں پائی جاتی ہے۔ یہی کیفیت ہے جو حماء مسنون میں پائی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی تحقیق سے ہمیں حماءِ مسنون کے مرکب کی اصل ہیئت معلوم ہوتی ہے کہ یہ مٹی زمین کی تمام جوہری قوتوں کا مجموعہ و مرکب ہے۔ یہ مٹی عام مٹی کی طرح کمتر حیثیت کی مٹی نہیں۔ یہ کیفیت بغیر زمین کی تحقیق کے قرآنی آیات سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر زمین کی ہیئت کی تحقیق نہ کی جائے۔ تو ہم حماء مسنون کی خاصیت نہیں سمجھ سکتے۔ اسلئے جب انسانی تخلیق کی ابتدأ کو نہ سمجھا گیا۔ آئندہ انسان کے متعلق خصوصیات و کیفیات میں ہمیں ـــــ کیفیات کا صحیح تصور حاصل نہ ہوسکیگا ـــــ

قرآن نے اسی جوہری تصور کے ساتھ حماءِ مسنون کا ذکر کیا ـــــ اس سے معلوم ہوگا کہ زمین پر پیدائش کے وجودی مرکب میں ایک جوہر یا روح موجود ہے ـــــ جس سے اسے حیّ۔ زندہ

تصور کیا گیا ـــــ اور جب یہ وجود تیار ہوا۔ تو اسکے اعضٰے کے تناسب کے مطابق اسے بشر کہا گیا۔ بشر کے معنی ایک رخ اسکا شر کا مجسمہ ـــــ دوسرا رخ اسکا خیر کا مجسمہ ـــــ اسکا بشری وجود زمین کے جواہرات کا مرکب ہے ـــــ اسلئے اسے اشرف المخلوقاتِ ارضی کہا جاتا ہے۔ باقی حیوانوں (چرند و پرند) کے مقابلہ میں یہ بشری وجود قوی جوہر کا مرکب ہے۔ اس وجود میں سفلیت اور شر پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ فِی الْاَرْض ۔ زمین کی پیداوار سے ہے۔ اسلئے اس وجود میں فساد و خونریزی کا مادہ ہے۔ اس وجود پر خَلِیْفَةَ کا اطلاق نہیں ہوتا ـــــ

اسکے بعد فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ جب میں اسے سنوارونگا ـــــ اس ترکیب میں بشری وجود کی تکمیل کے بعد ایک اضافی کیفیتِ سوّی کا ذکر ہے۔ سوّی سے مراد سنوارنا ـــــ انسان کے سنوارنے میں۔ عام مخلوقِ حیوانی کے مقابلہ میں انسان کے حواس اور ذہن کی اعلےٰ صلاحیت کا پایا جانا ہے۔ کہ بشری خاصیتِ فساد کی اصلاح ہو سکے۔ وہ انسان کی عقل و خرد اور ارادہ ہے۔ عقل و خرد سے نفع و ضرر کی تمیز کی جاتی ہے ـــــ اور خیر و شر کی تمیز کی جاتی ہے ـــــ یعنی انسان خیر و شر کو سمجھ کر خیر قبول کرتا ہے۔ اور شر سے پرہیز کرتا ہے ـــــ اس طرح انسان فساد و خونریزی سے باز رہنے کی قوت و صلاحیت پاتا ہے۔ جس سے اسکے شر۔ فساد و خونریزی کی صفت محدود ہو جاتی ہے۔ اسطرح بشری وجود میں شر کا اثر ختم ہو کر خیر کا مادہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس حیثیت میں اسے ملائکہ کے تصور (اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ) سے بالاتر مقام حاصل ہوتا ہے۔ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ ـــــ اور اس میں اپنی روح پھونک دوں ـــــ گزشتہ روح کے متعلق بیان ہو چکا کہ روح کیا چیز ہے۔ اس روح کو روحِ رحمانی کہا جاتا ہے۔ اس روح کا تعلق نور سے ہے۔ اسطرح ارضی وجود بشری میں ایک اور اضافی قوت شامل کی جاتی ہے ـــــ ایک تو اس کی ذاتی قوت و حیثیت نوری ـــــ دوسری اسکی صفت۔ کلام۔ سمع۔ بصر۔ فہم میں قوی و وسیع۔ اس طرح انسان ذاتی حیثیت میں نوری قوت کا حامل ہو جاتا ہے۔ یعنی نور ہر شے ناری ـــــ خاکی پر قوی و غالب ہے۔ اسلئے انسان اس قوت کے حاصل ہونے سے روحانی اعتبار سے ہر شے مخلوق پر غالب ہے۔ یہ روح ـــــ ایک قوی و عظیم نور ہے۔ اسی قوت کے اعتبار سے یہ وجود ہر اس مخلوق سے قوی تر ہے جو اس نور سے کمتر درجہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ملائکہ بھی اس قوی نور سے کمتر حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلئے جسمانی اعتبار سے بھی

یہ بشری وجود روح کے مرکب سے ملائکہ سے افضل قرار دیا جاتا ہے ـــــ اسکے ساتھ ہی چونکہ یہ روح اضافی قوت ہے۔ بشری جسم کی تکمیل یا زمین کی خاصیت سے اسکا کوئی تعلق نہیں ـــ کیونکہ بشری جسم سوّی تک مکمل ہو جاتا ہے اسوقت یہ وجود زندہ و متحرک صاحبِ ارادہ وفہم ہوتا ہے۔ اسلئے روحِ رحمانی کا انسانی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسا گزشتہ بیان میں آچکا ہے۔ کہ ملائکہ اور بشر میں علمی لحاظ سے مقابلہ کیا گیا۔ تو علمی لحاظ سے بشر نے انتہائی علم کی آگاہی کا مظاہرہ کیا ـــــ چونکہ ملائکہ کے مقابلہ میں ارضی بشر کو روح دی گئی ـــ روح سے اسماء کا علم دیا گیا ـــــ اسماء ـــ خبر ہے ـــــ اس طرح بشر خبر پانے والا ثابت ہوا۔ اور ملائکہ کے آگے خبر دی فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ (پس جب اس نے ملائکہ کو خبر دی) تو اسے خبر دینے والا کہا گیا۔ عربی میں۔ خبر کو نبا کہا جاتا ہے۔ اسلئے اسی اعتبارِ خبر سے آدم کو نبی کہا گیا ـــــ خلیفہ کا تصور اسی کیفیت سے مکمل ہو جاتا ہے کہ خلیفہ سے مراد ایک سفلی بشر ـــ جس میں سوّی ہو۔ اور اسے روح نفخ کی گئی۔ جس سے اس نے خبر پائی ـــ اور خبر دی ـــ اور اسے نبی کہا گیا ـــ یعنی نبی ـــ تسبیح وحمد کا حامل۔ اسرار الٰہی کا شاہد خلیفہ سے موسوم ہوتا ہے ـــــ ان واقعات میں ایک بشر۔ خلیفہ [1] ـــ انسان کی تخلیقی ترکیب میں اسکی تمامی خصوصیاتِ ذاتی وصفاتی کا علم ہو جاتا ہے۔ انہیں خصوصیات ذاتی وصفاتی کو ایک نبی کی سیرت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ امر قرآنی آیات سے ثابت ہے۔ کہ خلیفہ کے تصور میں زمین کی ہر انسانی پیدائش شامل ہے۔ کیونکہ ہر انسانی پیدائش میں یہی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جن میں۔ بشری وجود ـــ سوّی (حواس وفہم کی صلاحیت) روحِ رحمانی۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــ ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے ہر انسانی پیدائش انہیں خصوصیات کے مطابق نبی وخلیفہ کہلاتی ہے۔ اور ان تمام پیدائشوں کی خصوصیاتِ نبوت سیرت النبی میں شمار ہوتی ہیں ـــ

یہ تھی ایک ابتدائی پیدائش کی کیفیت ـــ جس میں وجودی کیفیت و مرکب کا اصل تصور حاصل ہوتا ہے یہ ایک ابتدائی قرآنی واقعہ ہے۔ جس سے کائنات کی تخلیق کی غرض وغایت واضح ہو جاتی ہے۔

---

[1] جہاں تک قرآنی بیان پر غور وتحقیق کا تعلق ہے۔ خلیفہ سے مراد ملائکہ کے بعد دوسری مخلوق کا تسبیح وحمد کا حامل ہونا۔ اسکے مقابل خلیفہ سے خلیفة الله مراد لیکر آدم یا انسان کو امور دنیا میں حاکم یا حکمران تصور کرنا قطعی لغو اور غلط نظریہ ہے۔

کہ زمین پر ایک خلیفہ کا وجود کس غرض سے پیدا ہوا۔اب دیکھنا ہے۔کہ خلیفہ بنانے کے بعد خلیفہ کی زندگی کا مقصد اعلےٰ کیا ہے ___؟ یہ بات بھی قرآنی آیت سے واضح ہے۔وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ۔گو قرآن نے خلیفہ کی تعریف میں ان باتوں کا ذکر نہیں کیا ___ لیکن یہ کیفیتیں دراصل خلیفہ کے لفظ (یا تصور) میں پائی جاتی ہیں۔اسی لئے ملائکہ نے خود بخود اس بات کا ذکر کیا۔کہ خلیفہ کی صفت تسبیح وحمد اور تقدیس کرنے والا ___ اور صاحبِ علم ہوتا ہے ___! چونکہ ملائکہ کو بشر میں ودیعت کردہ اضافی قوتوں کا علم نہ تھا۔کیونکہ یہ اضافی قوتیں زمین کی پیداوار نہ تھیں۔انکی نظر اس مقام تک نہ جاسکی۔ اسلئے خود کو نوری مخلوق سمجھ کر تسبیح وحمد ___ اور تقدیس کا اہل جانا ___ چونکہ لفظ خلیفہ میں تسبیح وحمد اور تقدیس مراد ہے۔اسلئے انسان کے ذمہ صرف تسبیح۔حمد۔تقدیس ___ ملائکہ کے قائم مقام۔ملائکہ سے افضل تسبیح وحمد کا مظاہرہ کرنا ہے ___ گویا خلیفہ سے مراد ملائکہ کے مقابلہ میں اعلےٰ وافضل تسبیح حمد اور تقدیس کرنے والا۔اس حال میں کہ ملائکہ کے مقابلہ میں انسان سفلی (خاکی مادی) حیثیت بھی رکھتا ہے ___ ظاہر ہے ملائکہ نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط ہم تیری تسبیح کرتے ہیں ___ ساتھ تیری پہچان کے ___ تو اسکے نتیجہ میں اللہ نے کیوں مقابلہ کرایا اور آدم کو کیوں اسماء کا علم دیا ___ اور ملائکہ سے کیوں سوال کیا اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ خبر دو مجھ کو عالم باطن یا نوری کیفیات کی۔؟ جبکہ وہ فی الواقع تسبیح وحمد کے عامل تھے ہی۔ملائکہ کا کہنا مبنی بر حقیقت تھا کہ وہ تسبیح کرتے ہیں۔تو پھر انسے امتحان کیوں لیا گیا۔؟ ___ یہ اسلئے کہ تسبیح و حمد کا نتیجہ علم ومشاہدۂ اسماء واسرار ہی ہے۔ضروری ہے کہ تسبیح وحمد کے نتیجہ میں مشاہدۂ خبر حاصل ہو ___ اسلئے ضروری ہوا۔کہ تسبیح وحمد کے نتیجہ میں اسرارِ الٰہی کا مشاہدہ وعلم ہونا لازمی بات ہے۔

اَسْمَآءَ کُلَّھَا کے معنی اگر زمینی اشیاءٗ کا علم ہو۔تو پھر وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط کے خطاب کی کوئی اہمیت نہیں رہتی ___ کیونکہ اشیائے زمینی کے علم کی تسبیح وحمد سے کوئی نسبت نہیں۔اللہ تعالیٰ کا ملائکہ سے سوال کرنا ___ یا امتحان لینا۔اسی سوال پر ہے۔کہ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط ___ خلیفہ کے بنانے میں ملائکہ کا انہیں الفاظ میں سوال یا اعتراض ہے۔جس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا مختصر جواب دیا۔امتحان کے وقت ملائکہ نے عاجزی کا اظہار کیا کہ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ۔کہ ہم ان اشیأ کے علم سے آگاہ نہیں ـــ اول یہ کہ ملائکہ زمینی اشیأ کے علم سے مجبور نہیں ـــ دوسرے یہ کہ اشیائے زمینی کا علم بتانے سے آدم کی خلافت کی دلیل قوی نہیں ہو سکتی ـــ جب تک کہ آدم کی طرف سے تسبیح وحمد کے مقابلہ میں کسی برتر تسبیح وحمد کا مظاہرہ نہ کیا جائے ـــ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ میں جب تک ملائکہ کی تسبیح وحمد سے برتر کیفیت کا مظاہرہ نہ ہو۔آدم کی برتری ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ کیفیت تسبیح وحمد کے مقابلہ سے ہی ہو سکتی ہے ـــ کہ خلیفہ کی حیثیت میں آدم کو حمد کی خصوصیت دی گئی۔ حمد سے مراد پہچان ـــ پہچان ـــ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ـــ اللہ کی حمد سے ہی پوری ہو سکتی ہے ـــ اللہ کی پہچان میں ـــ آسمانی کیفیاتِ ملکوتی اور عالم بالا کے نوری مقامات شامل ہیں اسلئے اَنْۢبِـُٔوْنِیْ ـــ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ـــ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ میں۔تسبیح سے مشاہدہ حاصل کر کے اسماء۔ اسرار باطنی کی خبر دینا ہے ـــ

اس قرآنی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سفلی وجود کو۔سوّی ـــ اور روح سے فضیلت دیکر ـــ ملائکہ سے افضل بنایا ـــ اور اس فضیلت کا مظاہرہ ہوا۔کہ انسان۔سفلی وجود کے ساتھ ـــ سوّی اور روح کی خصوصیت قائم رکھ کر مشاہدۂ اسرار الٰہی سے حمد کی تکمیل کر کے اللہ کی تقدیس کرے ـــ یعنی اپنی سفلیت کو سوّی سے قابو میں رکھے ـــ اپنے حواس وعقل وشعور کی قوت سے سفلی خاصیتوں کو حد میں پابند کر کے۔اپنی روحِ حیوانی ـــ اور روح رحمانی سے اپنے علم وخبر کی خصوصیت کو اپنی زندگی کے انجام تک تصورِ الٰہی کے ساتھ قائم رکھے۔اور ہر لحہ مشاہدۂ اسرار الٰہی سے شاہد رہے ـــ اسی اسرار الٰہی کے مشاہدہ ـــ اور تصور الٰہی سے اللہ تعالیٰ کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے۔یہ تسبیح وحمد اور تقدیس۔ملائکہ کی تسبیح وحمد اور تقدیس سے بالاتر ہے۔کیونکہ ملائکہ کو روح رحمانی حاصل نہیں جس سے وہ اسماء کلها کا مشاہدہ حاصل کر سکیں۔اسی لحاظ سے ملائکہ کی تسبیح وحمد اور تقدیس کی کلی تکمیل نہیں ہوتی ـــ اس تسبیح وحمد وتقدیس کی تکمیل کو انسانی ذاتی عمل پر منحصر کیا گیا ـــ کہ انسان اپنے عمل سے تسبیح وحمد کی تکمیل کرے۔

زمین پر اس تسبیح وحمد کا مظاہرہ ـــ اول آدم سے ہوا ـــ اسکے بعد یہی عمل تمام اولاد آدم کیلئے

مقرر ہوا۔ کہ ہر انسان اپنی جسمانی روحانی خصوصیات کو قائم رکھ کر۔ مشاہدۂ اسماء اور تصور ذاتِ الٰہی کو تسبیح وحمد سے قائم رکھے ــــ اس کیفیت کو قرآن نے خود پیش کیا۔ زمین پر انسانی پیدائش کیلئے صرف تسبیح و حمد اور مشاہدۂ اسرارِ الٰہی مقرر کیا گیا ــــ یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۵)

اے آدم تو اور تیرا جوڑا اس باغ میں سکونت کرو اور کھاؤ اس باغ کے میوؤں سے ــــ جی بھر کر ــــ اور مت قریب ہونا اس درخت کے پس تم ظالموں (اندھیرے والوں) سے ہو جاؤ گے ــــ یہ ایک سادہ سا حکم ہے۔ اس حکم میں آدمؑ کی خصوصیات یا تسبیح وحمد کا ذکر نہیں۔ لیکن آدم کی حیثیت کو اسی حال میں دیکھنا ہے۔ کہ وہ صاحبِ علم۔ صاحبِ مشاہدہ اور تسبیح وحمد کا حامل ہے ــــ اور لازمی طور جب کہ آدم کے ذمہ اور کوئی کام نہیں۔ تو اسکا عمل اس حال میں بھی تسبیح وحمد۔ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی رہیگا۔ اسکے لئے اسے حکم ہوا۔ کہ باغ میں جو چیز چاہو کھاؤ ــــ مگر ایک درخت کا پھل نہ کھانا ــــ اس حکم میں ہر غذا کھانا ــــ اور ایک غذا کھانے سے منع کرنا ــــ بے مقصد نہیں۔ بلکہ اس حکم میں ایک اہم بات یہ ہے کہ آدم اپنی جسمانی ــــ روحانی سالمیت کو قائم رکھے۔ تاکہ اسکے روحانی مشاہدہ میں فرق نہ آئے ــــ اسکے لئے اِسے ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ــــ اس حکم میں صرف تعمیلِ حکم کا تصور نہیں۔ بلکہ آدم کیلئے مادیت کے غلبہ سے محفوظ رہنے کی ہدایت بھی ہے۔ گویا انسان کو تسبیح وحمد ــــ اور مشاہدہ اسرارِ الٰہی قائم رکھنے کیلئے اپنی جسمانی ــــ روحانی قوت کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ حفاظت اس طرح ہو کہ۔ مادیت کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ اسکے حصول کیلئے ذہن کو مشغول نہ کیا جائے ــــ اور ایسی غذا استعمال نہ کی جائے جس غذا میں کثافت کا اثر ہو ــــ کیونکہ انسانی بشری جسم زمین کی کثیف قوت کی پیداوار ہے۔ اگر غلیظ اور کثیف اشیاً کا استعمال کیا گیا ــــ تو مادیت بڑھکر روح کو کمزور کردیتی ہے۔ جس سے قوتِ مشاہدہ میں فرق آکر ذہن وقلب سے روحانی ــــ نورانی اثرات زائل ہو کر مشاہدہ بند ہو جاتا ہے۔ تو انسانی زندگی بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور انسان خصوصیاتِ خلافت ونبوت سے محروم ہو جاتا ہے ــــ

حضرت آدمؑ نے اپنی سفلی بشری خاصیت سے مغلوب ہو کر ــــ درخت کا پھل کھالیا۔ اس پھل میں کثیف قوت کا اثر تھا ــــ رفتہ رفتہ آدم کے مشاہدۂ اسرارِ الٰہی میں فرق آنے لگا۔ یہاں تک کہ

مشاہدہ بند ہو گیا۔ اور کثیف و غلیظ قوت نے غلبہ پا کر حیوانی قوتِ شہوت کو ابھارا ــــــ

بشری ۱؎ ہیئت میں ملائکہ شہوت سے پاک ہوتا ہے۔ بشر میں۔ بشری اعتبار سے شہوت پائی جاتی ہے لیکن سوئی ــــ اور نفخِ روح اس شہوت پر غالب رہتی ہے۔ اسلئے انسان پر شہوت کا غلبہ (مغلوب ہو کر) غالب نہیں ہو سکتا ــــ جب انسان پر شہوت کا غلبہ نہ ہو تو فرشتہ سیرت کہلاتا ہے۔ اس حالت میں انسانی وجود میں شہوانی قوت قوی حالت میں موجود ہوتی ہے۔ یہ قوت جسمانی نشو و نما میں صالح حالت میں معاون رہتی ہے ــــ شہوانی قوت۔ خون کے جوہر۔ مادۂ منویہ کو کہا جاتا ہے ــــ مادۂ منویہ خالص جوہری ہو تو اسکا فعل بھی لطیف ہوتا ہے۔ جس سے لطیف۔ صحت مند جسم بنتا ہے۔ جب اس جوہر میں کثیف و غلیظ غذا کا اثر شامل ہو تو اسکی لطافت کم ہو جاتی ہے۔ لطافت کم ہو جانے سے۔ انسانی اعصاب کمزور ہو کر انمیں قوتِ دفاع اور قوتِ ارادہ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اسلئے شہوانی غلبہ کے تحت انسان میں شر (برائی) کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔ اور ارادۂ انسان بے بس ہو کر برائی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ باوجود سمجھ ہونے کے انسان شہوانی افعال ــــ برائی میں بے اختیار رہتا ہے ــــ یہی کیفیت آدم سے رہی۔ کہ شہوانی مادہ میں کثافت پیدا ہوئی۔ جس سے جسمانی لطافت کمزور ہو گئی۔ اور روحِ حیوانی میں مشاہدہ کی قوت کمزور ہو کر روحانی مشاہدہ بند ہو گیا ــــ اور اب اس چیز کی ضرورت پڑی کہ دوبارہ روحانی لطافت کو قوی کر کے قوتِ مشاہدہ لطیف ہو کر مشاہدۂ اسرارِ الٰہی جاری ہو۔

اب چونکہ مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے براہ راست اللہ تعالیٰ سے کلام یا وحی حاصل نہیں ہو سکتی اسلئے۔ اسکے لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ــــ فَتَلَقّٰیٓ اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ پس القا ہوئے آدم کو اپنے رب کی طرف سے کلمات ــــ فَتَابَ عَلَيۡهِ۔ پس توجہ کی اس پر ــــ

اَلْقَا ــ اور كَلِمٰت کی ترکیب کیا ہے۔ اسکے ظاہری معنی یہ ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی اور اسے چند کلمات یا وظائف بتائے۔ جنہیں پڑھ کر حضرت آدمؑ کی خطا معاف ہو ــــ لیکن القا ــ اور کلمات کے قرآنی معانی میں وسعت بھی ہے ــــ اس کیفیت کو قرآن کی

۱؎ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ یعنی بشری شکل میں ملائکہ کا پایا جانا۔

اس آیت کی روشنی میں سمجھا جائے ـــــ

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا ۱ اَوْمِنْ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۱) نہیں کسی بشر کے واسطے یہ کہ کلام کرے اللہ اس سے۔ مگر قلب کے ذریعہ ـــ یا پسِ پردہ ـــ یا ملائکہ کے ذریعہ" وحیاً " یہ طریقِ کلام ـــ یا اطلاع ہے ـــ کہ انسان قوتِ مشاہدہ یا قوتِ قلبی سے اطلاع حاصل کرتا ہے جسے فقہِ قلبی بھی کہا جاتا ہے ـــ حجاب یا بغیر مشاہدہ دل میں بات آنے سے ـــ اسے القیٰ کہتے ہیں۔ یُرْسِلَ رَسُوْلًا ملائکہ کے ذریعہ القا کی کیفیت کیا ہے ـــ

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ کَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ۔ سوائے اسکے نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود ـــ اللہ کا کلمہ ہے۔ جو مریمؑ کی طرف القا کیا گیا ـــ اسکی تشریح قرآنی آیت سے ہی کی جاتی ہے ـــ حضرت عیسیٰؑ کے وجود کیلئے قرآن نے بتایا۔ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ ہم نے حضرت مریمؑ میں اپنی روح نفخ کی ـــ یہاں نفخ میں القا کا تصور ہے اور روح میں کلمہ کا تصور ہے ـــ یعنی روح۔ کَلِمَتُهٗ ہے ـــ اور نفخ ـــ اَلْقٰهَآ ـــ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ ۔ کی شرح بھی انہیں الفاظ کے تحت ہوگی۔ کہ اللہ کی کلام۔ مانندِ نور ہے ـــ فَتَابَ سے مراد نوری توجہ حضرت آدمؑ کے قلب پر ڈالنا ـــ یہ نور کلام ہے۔ جو دل پر وارد ہوتی ہے ـــ دل روح رحمانی کا مسکن ہے ـــ چونکہ اس وقت آدم کی قوتِ مشاہدہ بند ہے ـــ اسلئے یہ توجہ القا کی صورت میں آتی ہے ـــ تو حضرت آدمؑ کے دل سے چند کلمات ابھر کر شعور پر آتے ہیں۔ شعور سے زبان پر آکر ـــ زبان سے کلمات جاری ہوتے ہیں۔ یہ کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کئے جاتے ہیں ـــ یہ ہدایت ہے ـــ جس میں ایک طریقِ دعا ـــ ایک طریق تسبیح ہے۔ جسکے ادا کرنے سے ـــ حضرت آدمؑ کی روحانی کثافت دور ہو جاتی ہے۔ اور انہیں پھر قوتِ مشاہدہ حاصل ہو کر مشاہدۂ اسرارِ الٰہی جاری ہو جاتا ہے ـــ یہ کیفیت فَتَلَقّٰٓی ۔ القا کے ذریعہ ہوئی۔

---

۱ اِلَّا وَحْیًا سے مراد۔ اللہ تعالیٰ کا روح کے ذریعہ انسان کو مطلع کرنا۔ جس میں ایک طریق مِنْ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ۔ دوسرا ملائکہ کے ذریعہ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا کسی بھی صورت میں ہو وحی سے تعبیر ہوتا ہے۔

ان آیات میں ـــــ القٰی ۔ کلمات ۔اور فتاب تین کیفیتیں ہیں۔جن سے کثافت دور ہوکر قوتِ مشاہدہ حاصل ہوتی ہے ـــــ پہلے فَتَابَ ـــــ یعنی توجہ نوری قلب پرڈالنا ـــــ توجہ میں نور کا شامل ہونا ـــــ القٰی سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل (روح رحمانی) پرنوری توجہ ڈالنے کی ترکیب اورکلمات سے مراد توجہ میں نور کی شعاع قلب پر آنا۔نوری توجہ سے۔قلب پر نور وارد ہونا۔ایسے ہی ہے جیسے ملائکہ کے ذریعہ قلب پر کلماتِ الٰہی (الفاظ قرآنی) نوری ہیئت میں وارد ہوتے ہیں۔اسی طرح فتلقٰی میں نور قلب پر وارد ہوا۔جس میں رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا...... کے الفاظ تھے۔یہی الفاظ بیان کرنا دعا میں حضرت آدمؑ کو سکھایا گیا ـــــ یہی الفاظ حضرت آدمؑ کی خطا یا ظلمت طاری ہونے پر حضرت آدمؑ کی زبان سے جاری ہوئے۔فتاب سے مراد اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے حضرت آدمؑ کو دوبارہ نوری پاکیزہ قلب ہونے کی تدبیر بتا کر اسے دوبارہ قابل مشاہدۂ اسرار الٰہی بنا دیا۔یہی طریق اصلاح ہے جس سے حضرت آدمؑ کو مشاہدہ کی قوت حاصل ہوئی۔

وحیًا ۔ یہ طریقِ کلام یا طریقِ اطلاع ہے۔کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی فرد کو اپنے ارادے یا کلام سے آگاہ کرے۔اس وحی کے دو طریق ہیں ـــــ اول یہ کہ انسان کا قلب وشعور قوی اور پاکیزہ ہو۔تو وہ روح رحمانی کے ذریعہ۔معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔اسے مشاہدۂ اسرار الٰہی (عالمِ باطن) اور دیدارِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔تو وہ اللہ کو دیکھتا ہے۔اللہ اس سے کلام کرتا ہے۔یہ طریق روح رحمانی سے تعلق رکھتا ہے ـــــ

دوسرا طریق یہ کہ کسی فرد میں قوتِ مشاہدہ نہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ اپنا ارادہ۔اپنی کلام القا کرتا ہے۔یعنی انسان کے قلب پر نوری توجہ سے بات وارد ہوتی ہے۔قلب سے ذہن (شعور) میں منتقل ہوتی ہے۔تو انسانی سوچ میں (ذہن سے) الفاظ ابھرتے ہیں۔تو انسان ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتا ہے جیسے حضرت آدمؑ نے دعا کی رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا سکتة وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡلَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ○ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۳) دوسرا ارادۂ اللہ تعالیٰ کا اسی طرح قلب پر نوری ہیئت میں وارد ہوتا ہے۔تو کوئی فرد یا انسان اسی تحریک (سوچ) کے مطابق عمل کرتا ہے۔جیسے وَاَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِىۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا۔(پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۶۸) شہد کی مکھی کو وحی کیا جاتا ہے۔

کہ شہد کی مکھی میں۔قلب اور ذہن اسکی ہیئت کے مطابق ہیں۔اور وہ بھی ان کو استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔البتہ انسان کو روح رحمانی عطا ہے۔شہد کی مکھی کو روح حیوانی حاصل ہے۔روح حیوانی میں بھی مشاہدہ کی صلاحیت ہے۔اسی روح سے شہد کی مکھی وحی حاصل کر کے پہاڑوں میں اپنا گھر بناتی ہے۔ہاں یہ جاننا ضروری ہے۔اَوْحٰی اِلَی النَّحْلِ میں دو ترکیبیں ہیں۔ایک فطری ترکیب کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے حشرات الارض میں۔دماغ اور دل اور قوتِ حس مقرر کی ہے۔کہ ان قوتوں سے وہ اپنی زندگی کا سامان (رزق) حاصل کرنے میں فکر۔فہم ــــ سوچ کرتے ہیں۔لہٰذا ان قوتوں سے وحی بھی اخذ کی جاتی ہے۔دوسرے براہ راست حیوانات کو کسی امر کی اطلاع دینا۔اس میں بھی وَحْیًا بطریق القا۔اللہ تعالیٰ اپنا ارادہ وحی کرتا ہے۔یہ طریق انسانوں پر بھی وارد کیا جاتا ہے۔ان ترکیبوں۔وحیًا اور القا میں یہی صورت یُکَلِّمَہُ اللّٰہُ (اللہ کے کلام کرنے یا ارادہ وحی کرنے) کی ہے۔تیسرے مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ: مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ میں۔انسان صاحبِ مشاہدہ ہوتا ہے۔اسے نورانی کیفیتیں مشاہدہ ہوتی ہیں۔انہیں نوری کیفیات میں انسان غیبی آواز سنتا ہے۔یہ آواز بھی وحی میں شامل ہے۔یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنی کلام پہنچانا چاہتا ہے۔تو اسی نورانی عالم میں انسان اللہ کو نہیں دیکھتا بلکہ اسے غیبی آواز سنائی دیتی ہے۔یہی کیفیت مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ سے تعبیر ہے۔جیسے حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔

اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ج اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ؕ (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۱۲) بے شک میں تیرا رب ہوں تو اپنے جوتے اتار ڈال بیشک تو پاک جنگل طویٰ میں ہے۔ موسیٰؑ نے نور دیکھا اور اللہ کی آواز سنی یہ ترکیب مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ کی ہے۔ایسے میں صاحب مشاہدہ انسان اگر چہ اسے مشاہدہ اسرار الٰہی بھی حاصل ہو۔یہ ترکیب وحی بھی استعمال ہوتی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ بعض موقعوں پر بعض حالتوں میں۔نوری عالم میں غیبی آواز میں کلام کرتا ہے ــــ جو انسان روح رحمانی کے واسطہ سے سنتا ہے۔اور بغیر مشاہدۂ روح رحمانی ــــ اپنے حس کے کانوں سے بھی محسوس کرتا ہے۔ لیکن کانوں سے سننا صرف محسوس ہوتا ہے۔دراصل جیسا کہ حواس کا عمل ہے۔کہ ہر حس کی کیفیت عقل و شعور سے سنی جاتی ہے۔اور عقل و شعور میں روح حیوانی بر سر عمل ہوتی ہے۔لہٰذا یہ سننا بھی روح حیوانی

سے تعلق رکھتا ہے۔

تیسری ترکیب اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلاً فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ ــــ یہ ایک مخصوص طریق وحی ہے ــــ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ انسان کو ازلی طور قوتِ مشاہدہ عطا ہے جسکے لئے انسان میں روح رحمانی ودیعت کی گئی۔ اسی سلسلہ میں حضرت آدمؑ (اور اولادِ آدم) کو علم الاسماء (مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ دیدارِ الٰہی۔ کلامِ الٰہی (بات کرنا) پیدائشی طور دیا گیا۔ اسی علم وخبر سے انسان۔ خلیفہ اور نبی کہلاتا ہے ــــ اور جب انسان کی پاکیزگی قائم نہیں رہتی (جیسا حضرت آدمؑ سے مظاہرہ ہوا) تو انسان پر وحی (کلام ارادہ) القا کیا جاتا ہے۔ یعنی جس فرد میں قوت مشاہدہ نہ ہو تو اسکے دل پر وحی ڈالی جاتی ہے ــــ جیسا کہ امتوں میں نبی مبعوث ہوئے۔ انہیں منتخب کیا گیا۔ یعنی انکی جسمانی روحانی قوتیں محفوظ رکھی گئیں۔ اسی قوتِ مشاہدہ پر انہیں ایک اضافی منصب عطا کیا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام (الٰہی کلام) عطا ہوا۔ یہ علم الاسماء سے علاوہ۔ ھُدًی (ہدایت کا علم) ہے۔ جو امتوں کی ہدایت وعمل کیلئے مخصوص کیا گیا۔ یہ خاص کلام فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کے زمرہ میں شمار ہے۔ اگرچہ نبی کو مشاہدۂ اسرار الٰہی اور معرفت و دیدار الٰہی ہے۔ پھر بھی اس قوتِ مشاہدہ سے علاوہ اللہ تعالیٰ ایک منتخب نبی کو (اس حال میں کہ اسے قوتِ مشاہدۂ باطنی حاصل ہو) ایک ملائکہ کے ذریعہ اپنی کلام پہنچاتا ہے ــــ ایسے نبی کو یُرْسِلَ رَسُوْلاً۔ ملائکہ کے ذریعہ ہدایت ملنے کی وجہ سے رسول کہا جاتا ہے۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے۔ کہ قوم (انسان) تک اپنی ہدایت پہنچائے۔ تو ایسی بھی صورت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایک نبی کو جبکہ اسے مشاہدۂ ذاتِ الٰہی میسّر ہے۔ اسی مشاہدہ میں اپنی کلام بتاتا ہے۔ یہ بھی ہدایت (ھُدًی) سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ایک خاص منصوبۂ ہدایت یہ بھی ہے۔ کہ بعض انبیاءؑ کو ایک ملائکہ کے ذریعہ اپنی کلامِ ہدایت وحی کرتا ہے۔ اسکی یہی دو صورتیں ہیں۔ ایک بالمشاہدۂ ذات یا ہم کلام کے ساتھ ــــ دوسرا صرف ملائکہ کے ذریعہ جس میں مشاہدۂ ذات شامل نہیں۔ اسکی بھی دو توجیہیں ہیں۔ ایک یہ کہ بعض قوموں کیلئے اللہ تعالیٰ بعض انبیاءؑ کو فضیلت دیکر بھیجتا ہے۔ جنہیں اپنی ہدایت رسول کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ یہ انبیاءؑ صاحب مشاہدہ صاحبِ معرفت ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں ہدایت ایک مخصوص کتاب کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ جیسے بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۝ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝۔ (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۵

آیت ۲۱۔۲۲) یہ قرآن ہے۔ جو حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے نازل ہونا مقرر ہوا۔ اسکے علاوہ قرآن نے چند اور کتابوں کا ذکر کیا۔ جن میں۔ زبور۔ حضرت داوٗدؑ کیلئے۔ توریت حضرت موسیٰؑ کیلئے۔ انجیل حضرت عیسیٰؑ کیلئے۔ اسکے علاوہ گزشتہ قوموں میں حضرت ابراہیمؑ اور بعض دیگر انبیاؑ کیلئے بھی کلام الٰہی کا نازل ہونا مقرر ہوا۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے۔ کہ سوائے قرآن کے کسی اور کتاب کے متعلق لَوۡحِ مَّحۡفُوۡظٍ میں ازل سے جمع ہونا بیان نہیں ہوا ــــ اسلئے ہر نبی کو اسی قرآن کی ھُدًی سے اجزاؑ کی صورت میں احکام دیئے گئے۔ جو ملائکہ کے ذریعہ نازل ہونا مقرر ہوا۔ بقیہ انبیاؑ کو معرفت الٰہی کی صفت نبوت کے تحت کلامِ الٰہی دیئے گئے۔ یہ تمام تراکیب وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں آیت سے یہ بھی واضح ہے۔ کہ وحی لِبَشَرٍ۔ بشر سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں مخصوص صاحبِ مشاہدہ مصطفےٰ لوگ نبی کہلاتے ہیں۔ اور بعض صاحبِ مشاہدہ خلفاءِ انبیاؑ۔ انہیں بھی مشاہدہ اسماؑ کا فطری طور حاصل ہونا لازم ہے۔ انہیں صرف قلب و شعور سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام (بات) بھی ملتی ہے۔ مگر انبیاؑ اور رسولوں جیسے احکام نہیں ملتے بلکہ انہیں انبیاؑ ہی کی کلام کا اجراؑ کرنا ہوتا ہے۔ البتہ انہیں بھی اسی طرح علم الاسماء کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے انبیاؑ ورسول کو۔ کیونکہ مشاہدہ حاصل ہونا۔ اور علم الاسماء کی کیفیت بالکل ایک جیسی ہے۔

یہی طریق مقرر ہوا۔ ایک انسان کیلئے۔ کہ کس طرح تسبیح وحمد۔ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی ــــ حاصل ہوتا ہے ــــ اور جب انسان پر کثافت کا غلبہ طاری ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ بند ہوتا ہے۔ تو اسکی اصلاح کسطرح نوری توجہ سے کی جاتی ہے ــــ یہی مظاہرہ حضرت آدمؑ کی تسبیح وحمد اور مشاہدہ سے پورا کیا گیا ــــ یہی طریق آئندہ اولاد آدم کیلئے بھی مقرر ہوتا ہے۔ اولاد آدم بھی ارض کی پیدائش ہے۔ اور اسکی پیدائش میں بھی وہی ترکیب شامل ہے۔ جو آدم کیلئے تھی کہ یہ بھی بحثیت انسان پیدا ہوتا ہے۔ اسکی ہیئت بھی بشری ہے۔ بشری ہیئت میں روحِ حیوانی زندگی اور مشاہدہ کا عمل پورا کرتی ہے ــــ اور اس بشری وجود میں روحِ رحمانی بھی ہے۔ اسلئے ضروری ہوا۔ کہ اسے بھی روح رحمانی کے ذریعہ مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل ہو ــــ سو یہ مشاہدۂ اَسماء کلھا کا انسان کو ماں کے پیٹ میں ہی اسوقت عطا ہوتا ہے۔ جب وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِيۡ کا عمل پورا ہو جاتا ہے اور انسان روح رحمانی سے مشاہدۂ اسماء حاصل کر لیتا

ہے ۔لیکن چونکہ یہ پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے۔ اسوقت۔ اسکے بشری وجوداور سوُ ی کی قوت مکمل نہیں ہوتی۔ اسلئے بشری۔ جسمانی لحاظ سے یہ اپنے مشاہدات سے بے خبر رہتا ہے۔ البتہ روحانی اعتبار سے یہ تمام اسرار الٰہی کا مشاہدہ حاصل کئے ہوتا ہے ــــ اسی وجہ سے اسے خلیفہ کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے ــــ اور جب انسان کا دنیا پر ظہور ہوتا ہے۔ تو یہ مکمل خلیفہ و نبی کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے ــــ اور اگر ماحول پاکیزہ ہو ــــ غذا پاکیزہ ہو ــــ تو انسانی جسم پاکیزہ اور صحت مند ہوتا ہے ــــ اس طرح اگر باپ جسمانی روحانی طور پاکیزہ صاحبِ مشاہدہ ہو۔ تو نطفہ بھی پاکیزہ اور صحت مند پیدا ہوتا ہے۔ پاکیزہ نطفہ کو روحِ حیوانی ــــ روح رحمانی کے ذریعہ ماں کے پیٹ میں ہی اسماء کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد بچہ بظاہر ہوش وحواس کی ناپختگی کے باعث کیفیات کے علم سے بے خبر محسوس ہوتا ہے لیکن روحانی (روح رحمانی۔ روح حیوانی) حیثیت میں۔ اسکی روح کیفیات سماوی (اسماء کلھا) سے باخبر اور صاحب مشاہدہ ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان میں ودیعت کردہ روح رحمانی فطری طور ہر حال میں قوت سمع۔ بصر۔ فہم کی قوی حامل ہوتی ہے۔ صرف حواس کی عدم صلاحیت کے باعث انسان ان مشاہدات کا بیان ومظاہرہ نہیں کرسکتا۔ ایسی حالت میں اگر پیدا ہونے کے ساتھ ماحول پاکیزہ ہو ــــ اور ماں باپ کی پرورش پاکیزہ ہو ــــ تو بچہ کی جسمانی روحانی قوت پاکیزہ رہتی ہے۔ اس طرح بچہ جوں جوں حواس وعقل وشعور میں پختہ ہوتا ہے۔ تو وہ ذہنی طور اپنے روحانی مشاہدات سے باخبر ہوتا جاتا ہے۔ اور اپنے حواس وذہن کی پختگی پر مکمل خلیفہ و نبی کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔ بلوغت کے بعد اگر ماحول پاکیزہ ہو تو انسان کو اپنے مشاہدات میں مشغول رہنے کا موقع فراہم ہوتا ہے ــــ اس طرح انسان اپنے زندگی کے انجام تک خلیفہ [1] و نبی رہتا ہے ــــ چونکہ انسان پر کسی برے ماحول اور کثیف غذا کا اثر طاری نہیں ہوتا۔ اسلئے اسے مزید نفس کشی۔ یا تزکیہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نہ ہی کسی ہدایت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسلئے اسکا عمل۔ اسکی عبادت مشاہدۂ اسرار الٰہی میں ہر لمحہ مشغول

---

[1] بشر کی اس پاکیزہ حالت میں روح رحمانی سے مشاہدہ اسرار الٰہی کا۔ پیدائش کے ساتھ قائم رہنا ــــ ایسے بشر کو عام تصور میں مادرزاد ولی کہا جاتا ہے ــــ

رہنا ہے ـــــ یہی عمل ابتداءً اولاد آدم کیلئے تھا۔ کہ انکا ماحول پاکیزہ تھا ـــــ انکی جسمانی روحانی ہیئت پاکیزہ تھی۔ اسلئے انہیں پیدائشی طور مشاہدۂ اسرار حاصل رہا ـــــ اور انہیں کسی ہدایت کی ضرورت نہ رہی۔ اسلئے انکی عبادت ـــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ تصور الٰہی ـــــ اور ذکر الٰہی ہی تھا ـــــ یہی عمل وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ۔ ملائکہ کی عبادت کے مقابلہ میں ارضی پیدائش اولاد آدم کا تھا ـــــ اسکے بعد ـــــ جب اولاد آدم میں کثرت پیدا ہوئی اور وہ وقت آیا۔ کہ اولاد آدم نے۔ اپنی نفسانی خواہشات میں صرف حصول دنیا کیلئے لذتوں کے حصول میں ذہن کو الجھا دیا ـــــ اور اپنی غذا میں اعتدال قائم نہ رکھا۔ ان میں ایک طرف مادی کثافت نے غلبہ پایا۔ دوسری طرف۔ انکے حصولِ لذت نے ذہن کو مصروف کر دیا۔ تو نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جسمانی ـــــ روحانی طور انکی قوت کمزور ہوگئی ـــــ حصولِ دنیا میں الجھنے کی وجہ سے ذہن میں انتشار پیدا ہوا۔ تو اُن میں مشاہدہ کی قوت کمزور ہوتی گئی ـــــ ساتھ ساتھ فطری حدوں سے تجاوز کرنے کی وجہ سے۔ ایک طرف نطفہ سے اولاد کمزور پیدا ہونے لگی۔ اور ماحول سازگار نہ رہا تو پیدائش کے بعد انکی نہ راہنمائی ہو سکی نہ انہیں مشاہدہ کی صحیح قوت حاصل ہو سکی ـــــ ناسازگار ماحول کی وجہ سے انسان اپنی قوتوں کو پاکیزہ نہ رکھ سکا ـــــ اور انسان کا مشاہدہ پیدائش کے بعد۔ جسم و روح پاکیزہ نہ ہونے کے باعث کم ہوتے ہوتے یکسر ختم ہو گیا ـــــ اور آئندہ پیدائش ـــــ اگرچہ روحانی طور۔ روح رحمانی کے ودیعت ہونے کے ساتھ انہیں اسماء کا علم و مشاہدہ دیا گیا لیکن جوں جوں انسان حواس و عقل میں پختہ ہوا۔ جسمانی روحانی کمزوری کے باعث یہ اپنے مشاہدۂ اسماء کا ذہنی طور علم نہ پا سکا ـــــ نہ اسے احساس رہا ـــــ نہ اسے معلوم رہا۔ کہ اسے بحیثیت خلیفہ و نبی ـــــ اسماء و اسرار کا مشاہدہ حاصل ہے۔ اور حاصل کرنا ہے۔ اور زمانہ ایسا آیا کہ انسان۔ اپنی خلافت۔ اپنی نبوت۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی سے قطعاً بے خبر ہو گیا اور انسان یہ نہ جان سکا کہ آیا وہ حصولِ دنیا میں صرف کھانے پینے کیلئے پیدا ہوا ہے یا اسکے ذمہ مشاہدۂ اسرار ـــــ تصور الٰہی ـــــ اور تسبیح و حمد کا فریضہ بھی ہے ـــــ اس وقت انسان نے حصولِ دنیا کیلئے فطری قانون کی خلاف ورزی شروع کی اور فساد و خونریزی پر آمادہ ہو گیا۔ ایسے وقت میں۔ نہ ماں باپ کی جسمانی۔ روحانی قوت پاکیزہ رہی۔ نہ نطفہ سے پاکیزہ جسم و روح پیدا ہوتے رہے ـــــ نہ انسان خود خلیفہ رہ سکا ـــــ نہ اسکی راہنمائی کیلئے ماں باپ یا کسی نبی کی راہنمائی حاصل ہوئی۔ نہ یہ

خود اپنی قوت کو پاکیزہ کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نسل در نسل انسان حیوانی صورت میں پیدا ہونے لگے۔ اور زمین پر باوجود خلیفہ کی حیثیت میں پیدا ہونے کے ــــ انسان حیوانی صورت میں پیدا ہونے لگے۔ اور زمین پر خلافت و نبوت کا نشان معدوم ہو گیا۔ ایسے ہی وقت میں انسان جسمانی حالت میں بیمار اور پراگندہ ہو گیا ــــ ذہنی کمزوری کی وجہ سے انسان وحشی درندہ محسوس ہونے لگا ــــ اس پر سردی۔ گرمی کے اثرات غالب آنے لگے۔ اسوقت انسان ذہنی طور مفلوج ہو چکا تھا۔ اسلئے اپنے علاج سے بھی عاجز ہو گیا ــــ اور انسان جسمانی طور بے موت مرنے لگا ــــ انسان کمزوری کی وجہ سے ہر معمولی سی قوت سے۔ مغلوب ہونے لگا۔ اس مغلوبیت نے اس پر حیوانوں جیسا خوف طاری کر دیا ــــ اور انسان ہر حادثہ سے خوفزدہ ہونے لگا۔ ذہنی کمزوری اور لاعلمی اس قدر طاری ہو چکی تھی ــــ کہ ہر خوف دلانے والی قوت کے آگے جھکنے لگا۔ انسان کی قوتِ دفاع جواب دے چکی ــــ قوتِ دفاع انسان کی روحِ حیوانی ہے ــــ روح حیوانی کمزور ہو گی۔ تو قوتِ دفاع کمزور ہو گئی۔ قوتِ دفاع کمزور ہو گئی تو قوتِ ارادی کمزور ہو گئی ــــ حیوان فطری طور اپنے میں قوت دفاع کا جوہر پاتا ہے۔ لیکن انسان كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے لگا۔ حیوان اپنی قوتِ دفاع کے تابع ہر طاقتور قوت کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مگر انسان اسقدر پستی و ذلت میں گھر گیا کہ اس میں دفاع کی قوت باقی نہ رہی۔ اور ہر وقت معمولی سے معمولی حادثہ پر لرزہ براندام ہو کر انہیں قوتوں کے آگے جھکنے لگا۔ چونکہ انسانی ذہن میں ایک اللہ کا تصور بھی چھپا ہوا تھا ــــ اسلئے انسان نے ان غیر معمولی قوتوں کو ہی معبود سمجھ کر انکے آگے عاجزی سے جھکنا شروع کیا۔ اس طرح انسانی تصورِ حقیقی میں۔ ہاتھیوں۔ سانپوں۔ دریاؤں۔ پہاڑوں۔ بجلی کی گرج۔ سورج وغیرہ کو اللہ کے تصور میں اپنا معبود بنا لیا ــــ انسان کی پرستش عبادت کے طور نہ تھی۔ بلکہ لاعلمی میں قوی قوتوں کی ہیبت سے مرعوب ہو کر انکے آگے عاجزی اور خوف کا اظہار کرتا تھا ــــ اس وقت انسان کے ذہن میں ایک موہوم اللہ کا تصور (انتقالی طور) پایا جاتا تھا ــــ لیکن اپنی کمزوری۔ پستی اور انسانی قوتوں کے پست ہونے کی وجہ سے۔ جبکہ ان میں خلافت و نبوت کی قوتیں یکسر کمزور ہو چکی تھیں۔ انسان نے حقیقی اللہ کے تصور کے بجائے۔ غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی ــــ

عادتِ الٰہی کے مطابق جب مخلوقِ ارضی میں خلافت و نبوت کا نشان باقی نہ رہا۔ تو اللہ تعالیٰ

نے ایک نبی کو منتخب کر کے انسانی اصلاح کیلئے بحیثیت رسول بھیجا ـــــ جس نے لوگوں تک اللہ کا کلام پہنچا کر انکی اصلاح کر کے پھر سے انہیں تزکیہ کر کے۔ ان میں قوتِ مشاہدہ پیدا کی ـــــ اور انسان کو اسماء کلھا کا علم بتایا ـــــ جس سے انسان نے دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام ـــــ خلافت و نبوت حاصل کیا ـــــ ہدایت آنے کے بعد اب انسان کیلئے ضروری ہوا۔ کہ وہ احکامِ الٰہی کا پابند رہ کر اپنی اصلاح کرتا رہے۔ کیونکہ انسانی قوت میں فرق ظاہر ہوا۔ کہ انسان اپنی پیدائش کے ساتھ اپنی خلافت اور علم کو پہچاننے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اور حواس و شعور پختہ ہونے کے ساتھ انسان کو مشاہدۂ اسرار کا علم نہ ہو سکا۔ مگر ـــــ چونکہ لوگ اس علم سے رسول کے ذریعہ آگاہی پا چکے تھے۔ اسلئے انسان نے احکام الٰہی سے واقف ہو کر ارادے کے ساتھ۔ مشاہدہ۔ تصور الٰہی ـــــ علم الاسماء ـــــ کے حصول میں سعی کی۔ تو کتاب اور رسول نے جو طریقہ تزکیہ ـــــ اور علم کیلئے مقرر کیا۔ وہ طریق بھی انسانی عبادت کا ایک حصہ بن کر عبادت میں شامل ہو گیا۔ یہ طریق تزکیہ نفس۔ مجاہدہ وغیرہ تھا ـــــ جس سے انسانی مشاہدہ کی روحانی قوتیں کمزور ہونے سے محفوظ ہو جاتی تھیں۔ اور اس چیز کی انسان کو ہر زمانہ میں ضرورت رہی۔ کہ وہ تزکیہ نفس۔ مجاہدہ۔ اور عبادت پر ہر وقت عامل رہ کر مشاہدہ و تصور الٰہی حاصل کرتا رہے ـــــ اس سے قبل انسانی ابتدائی پیدائش میں انسان کی عبادت۔ تسبیح و حمد ـــــ اللہ کا تصور اور مشاہدۂ اسرار الٰہی تھا ـــــ اسکے سوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور کوئی ہدایت نہیں آئی ـــــ لیکن انسان کی گمراہی اور تصور و مشاہدہ کی محرومی کے بعد ـــــ انسان کو رسول کے ذریعہ احکام دیئے گئے۔ اسے شریعت کہا گیا ـــــ اس شریعت میں۔ انسانی اصلاح میں ـــــ جسم و روح کی پاکیزگی کیلئے وہ احکام پیش کئے گئے جن میں ان افعال سے منع کیا گیا جن سے انسان کا تصور و مشاہدہ۔ اور جسمانی روحانی پاکیزگی ختم ہو گئی تھی ـــــ اسکے علاوہ چند احکام۔ تزکیہ۔ مجاہدہ اور تصور کیلئے پیش کئے گئے جن سے جسمانی پاکیزگی اور روحانی پاکیزگی ہو کر انسان میں قوتِ مشاہدہ اور تصور و اسرارِ الٰہی کا علم پانے کی صلاحیت پیدا ہوتی رہی ـــــ ان میں تزکیہ کا تعلق رسول سے ہوتا ہے۔ کہ رسول اسی طرح توجہ دیتا ہے۔ جس طرح فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ میں طریق توجہ مقرر ہوا ہے۔ کہ رسول اپنی نوری توجہ انسانی قلب پر القا کرتا ہے۔ جس سے روح میں پاکیزگی اور قوت پیدا ہوتی ہے ـــــ اور انسان قلبی طور ہدایت قبول کرنے پر آمادہ ہوتا ہے ـــــ

اور رسول کی تابعداری قبول کرتا ہے ــــ انسان جب رسول کی تابعداری میں اللہ کی کلام (احکام) سنتا ہے تو ان احکام پر عمل شروع کرتا ہے۔ احکام وعمل شریعت سے موسوم ہوتے ہیں۔ اس شریعت میں ابتدائی تسبیح وحمد سے علاوہ ہدایت۔ احکام الٰہی بھی شامل ہو کر انسانی عبادت تصور کی جاتی ہے ــــ یہ ایک مکمل ضابطہ ہے۔ جسے انسان زیر عمل لا کر تصور الٰہی اور مشاہدہ حاصل کرتا ہے۔ یہ شریعت ایک عمل ہے۔ جس سے صرف تصورِ الٰہی اور مشاہدہ حاصل کرنا اصل مقصود ہے ــــ جو حقیقی تسبیح وحمد اور عبادت ہے۔ اصل مقصد حاصل ہونے پر انسان کی عبادت تصور الٰہی اور مشاہدہ ہی اصل عبادت قرار دی جاتی ہے۔ لیکن شریعت کے احکام پر عمل کرنا بھی ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ وہ اس لئے۔ کہ اس طریق سے انسان کی جسمانی روحانی اصلاح ہوتی ہے۔ تسبیح وحمد کے ساتھ ہدایت پر عمل کرنے سے تسبیح وحمد ــــ تصور ومشاہدہ میں نقص یا کمی آنے سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور تصور ومشاہدہ میں دوام واستقلال پیدا ہو کر انسان اپنی زندگی اسی تسبیح وحمد میں پوری کرتا ہے ورنہ اگر ہدایت پر عمل جاری نہ رکھا۔ تو انسان کی سفلی۔ شہوانی قوتوں کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے۔ جس سے انسان پر مادیت اور شہوت کا غلبہ طاری ہونے سے۔ اسکی توجہ حقیقی مشاہدہ سے ہٹ کو حصولِ زائد اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کی طرف لگ جاتی ہے ــــ اور رفتہ رفتہ انسان تسبیح وحمد اور تصور حقیقی سے کوتاہی برتنے لگ جاتا ہے۔ اور انسان مشاہدہ اسرار و تصور ذاتِ الٰہی سے محروم ہو کر فساد وخونریزی کی طرف مائل ہو جاتا ہے ــــ اسلئے ضروری ہے۔ کہ مشاہدۂ اسرار وتصور ذاتِ الٰہی کو قائم رکھنے کیلئے ھدایت۔ کلام الٰہی پر عمل جاری رکھے ــــ یہی طریق منتخب نبی ورسول سے انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں ہر رسول کا ابتدائی اعلان اور دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ یعنی مجھے اسماءِ کلھا کا علم حاصل ہے۔ اور یہ علم محفوظ ہے اور میں انسان کو اسی علم سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ جس علم سے انسان بوجہ اپنی کوتاہی۔ غفلت اور ہدایت پر عمل جاری نہ رکھنے کے بے خبر ہو چکا ہے ــــ اسکے لئے میں رسول بنا کر بھیجا گیا۔ میرے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت۔ کلام الٰہی۔ یا اصلاحی ضابطۂ عمل آتا ہے۔ اس پر عمل کرو۔ تا کہ تمہیں اس علم سے آگاہی دوبارہ حاصل ہو۔ جو روحانی حیثیت میں تمہیں بحیثیت خلیفہ عطا کیا گیا ہے ــــ

ہر زمانہ میں جب لوگوں نے شریعت پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اپنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل

میں زمین پر فساد و خونریزی شروع کر دی۔ تو ایسے وقت میں اللہ نے وعدے کے مطابق ایک پیدائش ــــ ایک خلیفہ ــــ ایک نبی کو منتخب کر کے اسے رسول بنا کر اسکے ذریعہ ہدایت بھیجی ــــ اس رسالت کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ گرے ہوئے انسان کو اسکے مقامِ خلافت و نبوت پر لایا جائے ــــ اسی مقصد کے لئے زمانہ میں یکے بعد دیگرے رسول آئے۔ ان میں بعض رسولوں سے۔ آدمؑ کی طرح خلافت و نبوت کا مظاہرہ بھی کیا گیا۔ جن میں ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔ یعقوبؑ۔ یوسفؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ اور حضرت عیسیٰؑ آخری نبی شامل ہیں۔

آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے خلیفہ کی صفات کمالیہ کا مظاہرہ کیا گیا۔ جس میں پیدائشی حیثیت میں نبی کے ذاتی صفاتی کمالات کا مظاہرہ ہوا۔ کہ آپکے ذاتی کمال میں آپکے جسم کو نور سے پیدا کیا اور اس جسم کی صفت کو۔ کلام فی المھد (گود میں کلام کرنے کی نوری صفت)۔ بیمار اچھا کرنا۔ مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا ــــ مردے زندہ کرنا ــــ اور نوری آسمانوں میں بمعہ جسم قیام کرنے سے نوری ثابت کیا گیا ــــ یہ تمام صفات جسمانی صفات میں شامل ہیں ــــ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ایک اور نبی کا ظہور ہوا ــــ اس نبی کے ذاتی کمال کو احمدؐ کی صفت سے پکارا گیا ــــ اور اسکے صفاتی کمال کو محمد کی صفت سے پکارا ــــ محمد کی صفت میں مشاہدہ۔ تصورِ حقیقی ــــ کی خصوصیات ہیں۔ کہ آپکی ہی ذات کا مشاہدہ ہونے سے نبوت کی تکمیل ہوتی ہے۔ گویا آپؐ کیلئے روحانی اعتبار سے مشاہدہ و تصور لازم نہیں۔ بلکہ آپ مجسم مشاہدہ و تصورِ حقیقی ہیں۔ جس مشاہدہ سے خلافت و نبوت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور ذاتی کمال یہی ہے ــــ کہ آپکی روح رحمانی (روح محمدیؐ) مجسم اسرار الٰہی سے تعبیر ہے۔ اور اس وجود کی صفات وہی ہیں۔ جو تمام کائناتِ خلقت کے کمالات و خوبیاں ہیں ــــ یعنی۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند　　خوبیٔ ذاتِ تو ہست

بلغ العلیٰ بکمالہ　　کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ　　صلوا علیہ و آلہ

اسکے بعد صفتِ احمدیؐ۔ وجودِ احمدی کا ظہور۔ ایک منتخب خصوصی نور سے ہوا۔ جو مثل عیسیٰؑ ازل سے منتخب کیا گیا ــــ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ جس محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مجسم نبوت بنایا گیا۔ اسکے لئے

جسمانی اعتبار سے بھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نوری وجود سے افضل وجود مقرر ہونا ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کے اظہار کے لئے پیشگی نشانیاں ظاہر کردیں۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ذات کو افضلیت عطا کرنا چاہے۔ تو وہ اس پر قادر ہے۔ اور اس کے پاس ذرائع بھی موجود ہیں۔ جن مظاہرات کو دیکھ کر اس انکار کی گنجائش نہیں۔ کہ ایک منتخب ذات کے لئے اللہ تعالیٰ اسکے جسم کو نور سے بنا سکتا ہے ـــ تو ضروری ہوا کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کیلئے ایک نور ازل سے منتخب کیا گیا۔ جو نور نورِ عیسوی سے اعلیٰ وافضل ہے۔ یہ نور۔ نورِ احمدی صلے اللہ علیہ وسلم کہلایا ـــ اسکی صفت احمدؐ قرار دی۔ احمدؐ کا تصور باقی تصورات سے الگ ـــ اور افضل ہے۔ احمدؐ میں تصور ـــ انتہائی پہچان سے ہے۔ اس انتہائی پہچان کو جسم سے وابستہ کیا گیا۔ کہ کائنات کی مخلوق روح رحمانی سے حمد کرتی ہے ـــ اور احمدؐ خود روح جسمانی سے پہچان کرتے ہیں۔ احمدؐ کو ازل سے پہچان حاصل ہے ـــ احمدؐ کو اسرار الٰہی کی پہچان نہیں کرنی۔ بلکہ ذاتِ الٰہی کی اور وہ بھی جسم سے ـــ احمدؐ کا ظہور رسول سے ہوا ـــ رسول کی حیثیت میں ـــ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت نازل کی ـــ جسکے لئے ضروری ہوا کہ احمدؐ پر بھی ہدایت واحکام الٰہی کی تعمیل لازم کی گئی ـــ لیکن یہ احمدؐ ـــ محمدؐ ہیں۔ محمدؐ کی ذات وہ ہے جو مجسم ہدایت ہے ـــ محمدؐ کی ذات وہ ہے۔ کہ اس نور میں کسی مقام پر بھی تنزل نہیں آسکتا ـــ محمدؐ کی ذات وہ ہے۔ جو مجسم نور ہے ـــ نور پر سفلیت غالب نہیں آسکتی اسلئے ایسے وجود کو تزکیہ کی ضرورت نہیں ـــ تو پھر ہدایت کی تعمیل کی کیا ضرورت ـــ؟ وہ اس لئے کہ رسول کی پیروی میں لوگوں کو نمونہ عمل رسول سے ہی ملتا ہے جسے سنت کہا جاتا ہے۔ بغیر سنت کوئی عمل کامل نہیں ہوسکتا ـــ اسلئے رسول کا عمل اپنی ذات کیلئے نہیں۔ بلکہ لوگوں کے لئے بطور نمونہ عمل کی حیثیت سے ہے ـــ البتہ صفتِ احمدی کی ایک خصوصیت کا اظہار بھی اس تعمیل ہدایت میں شامل ہے۔ کہ صفتِ احمدی کو حضور محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر بھی منحصر کیا گیا ـــ کہ آپ کو یہ کمال کسبی حاصل ہو ـــ جبکہ باقی تمام انبیأ کو وہبی طور حاصل ہوا ـــ یعنی تمام انبیأ کو کمال اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے عطا کیا ـــ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ذاتی عمل سے کمال عطا ہوا ـــ وہ یہی کہ آپ احمد ہیں ـــ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی پہچان میں ـــ تمام انبیأ سے زیادہ۔ محنت ومجاہدہ (عبادت) کیا ـــ جسکے نتیجہ میں آپکو جسمانی طور انتہائی عروج حاصل ہوا۔

جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باوجود وہبی عطا کے بھی حاصل نہیں۔

حضرت آدمؑ میں روح (روح رحمانی) اس وقت پھونکی گئی۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ جب انہیں حواس وعقل کی قوتوں سے سنوارا گیا اور انسانی حیثیت میں آپ عقل وخرد۔ ہوش وحواس میں کامل تھے۔ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ ـــ یہ روح حصولِ علم کیلئے تھی ـــ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔ اسماء و اسرار کا علم انہیں ہوش وحواس کی پختگی میں حاصل ہوا ـــ حصولِ علم میں آپ پر کوئی ایسا زمانہ (وقت) نہیں آیا جب آپ اپنے روحانی علم سے بے خبر پائے گئے ہوں ـــ حضرت عیسیٰؑ مجسم روح پیدا کئے گئے۔ ان پر شیر خوارگی کا زمانہ گزرا ـــ مگر اسوقت بھی آپ اپنے علم وخبر سے باخبر رہے ـــ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ قف اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ ۔آپ نے اس وقت جب بشری حالت میں انسان ہوش و حواس میں نامکمل اور بے خبر ہوتا ہے ـــ گود میں کلام کیا۔ اور اپنی نبوت (علم وخبر) کا دعویٰ کیا۔ آپ پر بھی کوئی ایسا زمانہ نہیں آیا۔ جب آپ اپنے روحانی علمِ نبوت اسرار الٰہی کے مشاہدہ سے بے خبر پائے گئے۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عام پیدائش کی طرح ہوئی ـــ آپکی پیدائش کیلئے قرآن نے کوئی خصوصی بیان پیش نہیں کیا ـــ آپکی خصوصیت کیلئے مثل مریمؑ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۔حضرت آمنہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کیلئے کوئی بشارت نہیں دی گئی ـــ آپکی پاکیزہ نشوونما کیلئے۔ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا کی خصوصیت بیان نہیں کی گئی ـــ آپؑ کی معرفت وآگاہی کیلئے ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ کی آگاہی کی خصوصیت بیان نہیں کی گئی ـــ بلکہ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپکی پیدائش میں حضرت آمنہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کا مقام مکہ کی عام عورتوں [1] جیسا ہے ـــ جن سے ایک عام حیثیت میں بچہ کی پیدائش ہوتی ہے ـــ اور پھر حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ایک عام بشری پیدائش کی طرح ہوتی ہے۔ اس زمانہ شیر خوارگی میں مثل عیسیٰؑ کسی مافوق الفطرت قوت کا ظہور (کلام فی المہد) نہیں پایا گیا ـــ شیر خوارگی کا زمانہ ـــ بچپن کا زمانہ۔ عام پیدائشوں کی طرح گزرا

---

[1] حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ـــ میں خشک گوشت اور کھجور کھانے والی ماں سے پیدا ہوا ہوں۔

۔۔۔ اس زمانہ کی کیفیت یہ ہے۔ کہ انسان کے حواس وعقل پختہ نہیں ہوتے۔ اسلئے وہ کسی کیفیت سے باخبر نہیں ہوتا ۔۔۔ باوجود روحانی طور علم حاصل ہونے کے بچہ جسمانی حیثیت میں علم سے بے خبر رہتا ہے ۔۔۔ نہ ہی کیفیات کو علم کی حیثیت سے ذہن (حافظہ) میں جگہ ملتی ہے ۔۔۔ جس پر آئندہ علم کی آگاہی کا انحصار ہوتا ہے ۔۔۔ روحانیت کا تعلق قلب سے ہوتا ہے ۔۔۔ قلب پر (روح رحمانی کے ذریعہ) ہر وقت کیفیات طاری رہتی ہیں ۔۔۔ لیکن جب تک کیفیات قلب سے ذہن پر منتقل نہ ہوں ۔۔۔ انسان کسی علم سے باخبر نہیں سمجھا جاتا ۔۔۔ یہی کیفیت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رہی ۔۔۔ کہ آپؐ بشری حیثیت میں پیدا ہوئے ۔۔۔ اور جوں جوں عمر کے بڑھنے کے ساتھ ذہن کی تکمیل ہوتی گئی۔ آپ کو علم وخبر کا مشاہدہ ہونے لگا ۔۔۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی ساخت روحِ حیوانی سے نہیں۔ بلکہ روح رحمانی سے ہے ۔۔۔ روح رحمانی سالم الہیّت ہے۔ اس وجود کے قویٰ بھی مثل حضرت عیسیٰؑ قوی ہونے چاہیں۔ اور روحانی اعتبار سے۔ آپ کو بھی کلام وفہم پر قادر ہونا چاہیے تھا ۔۔۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ عام پیدائش کے مقابلہ میں آپکو جسمانی حیثیت میں مشاہدہ علم وخبر ہونا ضروری تھا ۔۔۔ مگر آپکی شیر خوارگی ۔۔۔ اور بچپن سے اس قسم کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوا ۔۔۔؟ بلکہ آپؐ پر عام پیدائشی بشری کیفیت طاری رہی ۔۔۔؟

اس سوال کا جواب اسم احمد میں مضمر ہے ۔۔۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ پیدائش کیلئے بطن مریم علیہا السلام کو پاک کیا گیا ۔۔۔ اسکے مقابل بطنِ آمنہ علیہا السلام عام عورتوں کی طرح ہے ۔۔۔ ظاہر ہے۔ اس بطن سے مادی قوتوں کی ملاوٹ نور میں شامل ہونی ضروری ہے۔ یہی ملاوٹ (خونِ رحم) جسم تشکیل دیتی ہے۔ لہذا وہ اثرات جو مادی قوت کی غذا سے عام جسم پر طاری ہوں۔ اس جسم پر طاری ہونے ضروری ہیں۔ البتہ بنیادی وجود (نطفہ) علےٰ حالہ اپنی نوری قوت میں سالم الہیت رہ کر بشری (مادی جسم) شکل وصورت میں انتقال کرتا ہے۔ کیونکہ نور نے بھی بشری ہیئت میں پیدا ہونا ہے ۔۔۔ یہ اسلئے ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ ازلی میں ایک پیدائش کی افضلیت کیلئے ادنیٰ مقام سے ہی ابتداءً کی۔ جیسے ملائکہ سے افضل وجود آدمِ خاکی کو ملائکہ پر فضیلت دینے کیلئے ادنیٰ تر مقامِ ارض پر پیدا کیا ۔۔۔

ورنہ افضلیت مقام کے اعتبار سے برتری نوری قوتوں کو ہی ہونی چاہیے تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک وجود کو افضلیت عطا کرنے کیلئے ادنیٰ مقام پر ادنیٰ حیثیت دی۔ اسلئے کسی وجود کو مقام اعلےٰ عطا کرنے کیلئے ادنیٰ حیثیت میں لانا عادتِ الٰہی میں شامل ہے۔ اسی لئے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو احمد کی حیثیت سے پیدا کیا گیا۔ کہ آپؐ کی افضلیت وہبی[1] نہیں۔ بلکہ کسبی ہے۔ اسلئے آپکے نوری وجود کو بشری آلائشوں سے ملوث کر کے اس حالت میں پیدا کیا۔ کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ عام پیدائشوں میں ایک پیدائش۔ کہہ دو سوائے اسکے نہیں کہ میں بھی تمہاری طرح شکل وصورت میں بشر ہوں ــــ البتہ ارادۂ الٰہی کے تابع ــــ میرا وجود روح رحمانی کا نور ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس نور میں مادیت شامل کر کے تم جیسی مادی پیدائش کی طرح پیدا کیا۔ یہ اس لئے کہ میری فضیلت وہبی (عطائی) نہیں ــــ بلکہ احمدیؐ ہے۔ احمدی صفت کو میرے ذاتی عمل پر منحصر کیا گیا۔ تاکہ میں اپنے عمل سے اپنی مادیت تحلیل کر کے اپنی اصل قائم کروں۔ یہی میرا عمل ہے ــــ کہ میں ادنیٰ مقام سے اعلےٰ مقام تک اپنی ذات ــــ اپنے ذاتی عمل سے عروج کروں ــــ جو کہ باقی منتخب انبیاؑ کو حاصل نہیں ــــ ورنہ اگر حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی ساخت کی بشری ہیئت میں روحانی یا نوری حیثیت پر شبہ ہے۔ تو تواریخ کا مطالعہ اس شبہ کو دور کر سکتا ہے ــــ

قرآن نے نوری وجود کی بشری ہیئت میں انتقال کی خاصیت بیان کی ہے ــــ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا○ پس بھیجا ہم نے طرف اسکے ایک اپنا (منتخب) روح ــــ ملائکہ (نور) پس اُس نے بشری شکل وصورت میں انتقال کیا ــــ یہ ارادۂ الٰہی کے مطابق تھا۔ کہ روح بشر کی ہیئت میں ظاہر ہو ــــ اسکا مقصد یہ نہ تھا کہ اس طرح کلام کرنے۔ یا اطلاع دینے میں سہولت ہو ــــ نہیں بلکہ اس کیفیت کا اظہار مقصود تھا۔ کہ نور بشری ہیئت میں انتقال کرتا ہے ــــ اور اللہ تعالیٰ نے نور کو بشری ہیئت میں پیدا کرنے کا مظاہرہ کرنا ہے ــــ اور ــــ اس واقعہ کی دوسری کیفیات کا اظہار بھی ہوا ــــ کہ نور غیر محسوس ہے۔ بشری ہیئت میں محسوس ہوتا ہے۔ محسوس کیفیت غیر

---

[1] اللہ کی طرف سے عطا کردہ۔

نوری ــــ یا مادی ہوتی ہے ــــ اسکے باوجود اس نور کی خاصیت ایک طرف ــــ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ۔ یہ نور بشر سمجھا جاتا ہے ــــ بشر ہے ــــ لہذا اسکی محسوس کیفیت میں بشری خاصیت ہونی ضروری ہے ــــ مگر اس وجود کی دو کیفیتیں ہیں۔ ایک بشری ہیئت میں۔ جسم۔ کلام۔ سمع۔ بشری حیثیت میں ظاہر ہو رہی ہیں ــــ دوسری طرف اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ۔ کہ میں ملائکہ ہوں۔ میری خاصیت ملکوتی ہے ــــ میری ملکوتی صفت میرے نوری وجود سے متعلق ہے۔ لہذا میری نوری خاصیت غیر محسوس ہے ــــ کہ مجھ میں مادیت اور شہوت نہیں (جو کہ بشریت کا خاصہ ہے)۔

دوسرے مقام پر اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ ج اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ ۔سوائے اسکے نہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا کلمہ (منتخب کردہ نور) ہیں ــــ جو مثلِ آدم اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا ۔ بشری ہیئت میں پیدا ہوئے ــــ اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی ــ کَمَثَلِ اٰدَمَ اِنکی پیدائشی ہیئت بھی بشری ہے ــــ بشری ہیئت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ کَیۡفَ نُکَلِّمُ مَنۡ کَانَ فِی الۡمَهۡدِ صَبِیًّا○ بشری ہیئت میں حواس تعقل قوی نہیں ــــ مگر نوری حیثیت اس وجود کی برقرار ہے۔ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ؕ قف اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا۔ کہ بشری حیثیت میں شیر خوارگی کے عالم میں انہیں مشاہدہ اسرارِ نبوت حاصل ہے ــــ

ان کیفیات میں ایک وجود کی نوری خاصیت بھی قائم ہے۔ لیکن غیر محسوس۔ اور بشری خاصیت بھی قائم ہے کہ حواس سے کلام و سمع ظاہر ہو رہا ہے ــــ لیکن ان کیفیتوں میں نوری خصوصیت نمایاں ظاہر ہو رہی ہے ــــ یہ اس لئے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کو نوری خصوصیت کا اظہار مقصود ہے ــــ اسکے مقابل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انہیں خصوصیات سے بدرجہ اولیٰ متصف ہیں۔ لیکن انکا ذکر خصوصیت کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ سوائے اس کے آپ ؐ کی ذاتِ مقدس کو مُحَمَّدٌ اور اَحۡمَدُ کی صفت سے پکارا گیا ــــ اور احمد کی صفت میں یہی کیفیت مضمر ہے۔ کہ باوجود نوری وجود ہونے کے آپکے وجود کو بشری خاصیت کے ساتھ پیدا کیا گیا ــــ یعنی آپ ؐ پر شیر خوارگی ــــ بچپن کے اثرات طاری کئے گئے ــــ مگر کیفیت حقیقی وہی ہے۔ کہ نوری اعتبار سے آپکی نوری خاصیت ــــ نوری کلام ــــ نوری سمع ۔نوری فہم قائم ہے۔ مگر بشری ہیئت میں چونکہ آپ کی پیدائش منظور ہے۔ اس لئے آپ کو انہیں ادوار سے گزرنا ہے۔ جن سے عام ادنیٰ پیدائش گزرتی ہے۔ اور یہ چیز صفت احمدی پر منحصر کی گئی کہ آپ کبھی

طور اپنی مادیت کو عبادت و تسبیح سے تحلیل کر کے روح رحمانی کو متجلی کر کے اپنے مقامِ اعلےٰ پر فائز ہوں ـــــ یہی وجہ ہے۔ کہ آپؐ کی روحانی خاصیت محسوس میں نہیں لائی جاتی ـــــ اسکی دوسری وجہ یہ بھی ہے ـــــ کہ حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود روحِ رحمانی سے ہے۔ جسطرح ملائکہ کو بشری ہیئت میں انتقال کیا گیا ـــــ اسی طرح۔ خلیفہ ـــــ نبی ـــــ اور رسول کی حیثیت میں آپ کو بشری ہیئت میں ظاہر ہونا ہے۔ کیونکہ رسول کی حیثیت سے آپکا بشری وجود میں محسوس ہونا ضروری ہے ـــــ لیکن روح رحمانی خالص نور ہے۔ جو محسوس نہیں ہوتی ـــــ ملائکہ کے انتقال ہیئت میں مادیت کی ملاوٹ نہیں ـــــ صرف قدرتِ کاملہ کی ترکیب شامل ہے۔ اسلئے کہ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا میں بشری ہیئت میں بچہ کی طرح پیدا ہونا نہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے نوری وجود کو بھی مادیت کی ملاوٹ نہیں۔ اس وجود میں مادیت کی ملاوٹ اس لئے نہیں کہ رحم مادر میں انہیں پاکیزہ نوری خون میسر آتا ہے۔ اس لئے انکے بشری وجود سے ملکوتی معجزات کا صدور ہوا ـــــ حضور محمد رّسول اللہ ﷺ کا نوری وجود اگر بغیر مادہ کے انتقال بشری کرے۔ تو نوری اعتبار سے روح رحمانی ـــــ بشری ہیئت میں بھی غیر محسوس رہتی ـــــ اس لئے روح رحمانی کے وجود کو بشری ہیئت میں محسوس کرنے کیلئے۔ مادیت سے متعلق کیا گیا ـــــ تا کہ یہ وجود کاملاً محسوس ہو ـــــ اور اصل غرض یہ کہ اس ترتیب پیدائش میں صفتِ احمدی کو دخل ہے۔ اسلئے حضور محمد رّسول اللہ ﷺ بَشَر'' مِثْلُكُمْ میں عام انسانی پیدائشی ترتیب کے مطابق پیدا کئے گئے ـــــ انکی روحانی۔ جسمانی خاصیت کیلئے تواریخی واقعہ کا بیان کرنا ضروری ہے۔ وہ واقعہ شَقُّ الصَّدْرَ ـــــ یعنی سینہ چاک ہونے کا واقعہ ـــــ اس واقعہ کی حقیقت مستند تاریخوں سے ثابت ہے ـــــ اور ہر مسلمان کا اس حقیقت پر کامل ایمان ہے۔ کہ یہ واقعہ مبنی بر حقیقت ہے۔ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے ـــــ کہ مکہ میں امراؔ و شرفاؔ کے نوزائید بچوں کو دودھ پلانے کیلئے۔ مضافات سے۔ عرب لوگ۔ مکہ میں آکر بچے لیتے تھے۔ یہ عرب میں خاص رواج تھا کہ۔ دیہاتی عورتیں مکہ کے امیر گھرانوں کے بچوں کو دودھ پلانے کیلئے اپنے ساتھ لے جاتیں۔ مکہ کے امراؔ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کیلئے ان عورتوں کے سپرد کر دیتے۔ حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے زمانہ میں اسی رواج کے مطابق دیہاتی عورتیں امراؔ کے بچوں کو حاصل کرنے کیلئے آئیں۔ ہر ایک عورت کسی امیر گھرانے سے بچہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

بالآخر ایک نادار عورت کے حصہ میں یہ دنیا کی مخصوص برگزیدہ پیدائش آئی ـــــ اسکا نام حلیمہ سعدیہ علیہا الصلوٰۃ والسلام تھا۔آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک مدت معینہ تک دودھ پلایا[1]۔محترمہ سعدیہ کے اپنا ایک لڑکا تھا۔جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماں کا دودھ پیتا تھا۔اسطرح دونوں فرزند ایک ساتھ دودھ پیتے رہے اور ایک ساتھ بڑھتے رہے۔اور دونوں فرزند ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہتے ـــــ یہاں تک کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم چلنے پھرنے لگے۔آپ کے بشری قویٰ پختہ ہو گئے ـــــ حلیمہ سعدیہ کے گھر میں آپؐ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے جاتے۔ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا ـــــ آپکے رضاعی بھائی کا یہ چشم دید واقعہ ہے۔کہ چند سفید لباس میں ملبوس ہستیوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جنگل میں لا کر لٹا دیا۔اور سینہ چاک کر کے۔قلب کو باہر نکال کر دھویا ـــــ اور پھر سینہ میں رکھ کر سینہ بند کر کے واپس چلے گئے۔یہ واقعہ دیکھ کر آپکے رضاعی بھائی عبداللہ بن حارث خوفزدہ ہو گئے۔اور گھر آ کر اپنی والدہ سے ذکر کیا ـــــ حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر سے ذکر کیا۔دونوں نے سمجھا کہ شاید آپ پر کسی سایہ (جن) کا اثر ہو گیا۔اسلئے فیصلہ کیا کہ اس فرزند کو انکی والدہ کے سپرد کیا جائے۔مبادا کسی وقت کوئی حادثہ پیش آئے اور انہیں مجرم گردانا جائے ـــــ! حضرت حلیمہ سعدیہ حضورؐ کو لیکر مکہ آئیں اور والدہ کے سپرد کر دیا اور واپس کرنے کی وجہ بھی بیان کر دی۔کہ آپؐ کے ساتھ جنگل میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا ـــــ

یہ ایک تواریخی واقعہ ہے۔جسے مستند[2] تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے۔اور اس واقعہ کے حق ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ـــــ یہ ایک مافوق الفطرت واقعہ ہے ـــــ جسکی تصدیق وتسلیم کیلئے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی شخصیت ہی دلیل ہو سکتی ہے ـــــ کہ آپکا وجود نور سے بنا ہے ـــــ یہ امر مبالغہ ہے۔کہ ایک بشری خاصیت کے حامل انسان کا قلب چیر کر اس میں زندگی قائم رہے

---

[1] ظاہر ہے۔اس دودھ میں بھی مادیت کا اثر تھا۔!

[2] درحقیقت یہ واقعہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی خصوصیت کا ایک اہم واقعہ ہے۔جس میں کسی قسم کا مبالغہ نہیں سوائے اسکے کہ دشمن خدا ورسول اس واقعہ کو عقل سے تسلیم کرنے میں گمراہی میں بھٹک جاتے ہیں۔کہ اس واقعہ کو مبالغہ تصور کرتے ہیں۔

ـــــ کیونکہ بشری جسم میں قلب دوران خون ـــــ اور قیامِ زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ قلب پر معمولی حادثہ وارد ہونے سے انسان کی موت یقینی ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ قلب کو جسم سے علیحدہ کیا جائے ـــــ اس واقعہ میں ایک مافوق العادت کیفیت پائی جاتی ہے۔ کہ ملائکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بشری جسم سے قلب کو باہر نکالدیتے ہیں۔ ایسی حالت میں جسم کا زندہ رہنا خلافِ فطرت ہے مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی فرق نہیں آتا ـــــ بلکہ آپ بذاتِ خود اس کیفیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اور کسی قسم کی نہ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ نہ حواس میں فرق آتا ہے۔ نہ غشی طاری ہوتی ہے۔ گویا اس حالت میں آپکی رفتار زندگی میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بشری ہیئت میں اگرچہ قلب قیامِ زندگی میں ضروری جزو ہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اسکا کوئی اثر نہیں۔ تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ کی بشری زندگی عام بشری زندگی سے مختلف نوری زندگی ہے۔ جس میں جسم پر کسی حادثہ کا اثر ہونے سے زندگی میں کوئی فرق نہیں آتا ـــــ اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بشری جسم نوری قوت کا حامل ہے ـــــ اس واقعہ سے بھی اس نظریہ کی تصدیق ہو جاتی ہے ـــــ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بشری جسم روح رحمانی کی اصل سے ہے ـــــ روحانی اعتبار سے آپکی خاصیت روحانی ہے۔ کہ جسم پر موت وارد نہیں ہوتی اور بشری اعتبار سے آپ دودھ بھی پیتے ہیں۔ کھانا بھی کھاتے ہیں اور آپکے جسمانی افعال ایسے ہی ہیں جیسے عام انسانی بشری جسم کے افعال ہیں ـــــ انہیں خاصیتوں کے تابع آپکو احمد پکارا گیا ـــــ کہ آپؐ صفتِ احمدی کے تابع عام بشریت کی طرح۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ تسبیح و تصور قائم کر کے بشری جسم سے مشاہدۂ اسرارِ الٰہی (حقیقت محمدیؐ) اور تصور ذاتِ الٰہی قائم رکھینگے (چنانچہ اس صفت احمدی کی خصوصیت قرآن نے خصوصیت کے ساتھ بیان کی) ـــــ

تواریخی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ آپؐ نے ابتدائی زندگی کے دور میں ہی۔ یعنی بچپن کے زمانہ میں بھی جنگل کی تنہائیوں اور خاموشیوں میں وقت گزارا ـــــ حلیمہ سعدیہ علیہا السلام کی سپردگی میں آپؐ نے جنگلوں میں بکریاں چرانے میں وقت گزارا ـــــ ایسے ماحول میں خاموشی۔ یکسوئی اور غور و فکر کی عادت نے جلا پائی ـــــ اسی دوران آپ پر

شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا۔ ظاہر ہے۔ شق صدر کے اثرات نے آپ میں غور و فکر۔ تحقیق و استغراق کی تحریک پیدا کی اور آپ پر ماورائے ادراک مافوق الفطرت واقعات و کیفیات کے دروازے کھلنے لگے ــــ اسکے بعد حضرت عبدالمطلب کی سرپرستی میں بھی آپکو جنگلوں کی خاموش۔ تنہا فضاؤں میں رہنے کا موقع ملا ــــ جہاں آپ کی روحانی خاصیتوں کو جلا پانے کا موقع میسر ہوا۔ اس دور میں آپؐ نے۔ یکسوئی ۔ استغراق و انہماک اختیار کیا ــــ چونکہ آپ کائنات میں ازلی طور منتخب نبی تھے ــــ اسلئے آپکی مشاہداتی قوتوں نے خود بخود کام کرنا شروع کیا ــــ اس فضا نے آپ میں تزکیہ ــ مجاہدہ ــ تصور و استغراق کی خاصیتوں کو قوت دی اور آپ نے علم الْاَسماء کا مشاہدہ شروع کیا ــــ اسی دور میں آپؐ نے غارِ حرا کی فضا کو پسند کر کے طویل چلہ کشی ــ فاقہ ــ اور مجاہدہ جاری رکھا۔ جسکے نتیجہ میں آپکو مشاہدۂ باطن حاصل ہوا ــــ یہاں تک کہ وہ وقت آپہنچا ــــ کہ آپکو رسالت پر مامور کیا گیا۔ اور غارِ حرا میں ہی ہدایت کا پیغام ملا ــــ یہ ہدایت آپ کیلئے نہ تھی۔ بلکہ عام انسانی مخلوق کیلئے تھی ــــ اور آپ کو حکم ہوا ــ قُمْ فَاَنْذِرْ ــ اٹھیں اور لوگوں کو انکے انجامِ بد سے ڈرائیں ــ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ لوگوں تک پہنچائیں جو ہدایت آپ پر نازل کی جاتی ہے۔ اس حکم کے تحت آپ پر رسالت کا بار پڑا۔ آپ نے ہر شخص کو ہدایت کی طرف پکارا ــــ یہ زمانہ ایسا تھا۔ کہ زمین پر ایک ایسا فرد پایا نہ جاتا تھا جس میں خلافت و نبوت کی کوئی خصوصیت باقی رہ گئی تھی۔ برعکس اسکے دنیا پر کفر و الحاد۔ بغاوت و فساد و خونریزی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ قومیں آپس میں قتل و غارت گری میں مصروف تھیں۔ انسانی عادت بگڑ چکی تھی ــ انسان کو انسانیت سے لگاؤ نہ تھا ــ بلکہ حیوانیت۔ سرکشی اور خودسری انسانی سرشت بن چکی تھی۔ ایسے وقت میں انسانی آبادی میں ہدایت کی تبلیغ مشکل اور ناممکن بن چکی تھی۔ ایسے وقت میں اگر سابقہ نبیوں اور رسولوں میں سے کوئی رسول ان میں ہدایت پیش کرتا۔ تو اُسے قتل کر دیا جاتا۔ اسکے مقابل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت عرب میں کیا تھی ــــ آپ کے والد ماجد کا آپکی پیدائش سے قبل انتقال ہو چکا تھا ــ آپکی والدہ ماجدہ بھی آپکے بچپن میں ہی وفات پا چکی تھیں۔ ظاہر ہے۔ اولاد اپنے ماں باپ سے ہی ابتدائی پرورش میں اصلاح پاتی ہے ــ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے پیدا کیا ــ اسلئے آپکی اصلاح کسی غیر فرد پر منحصر نہ رکھی گئی۔ بلکہ آپؐ کی ذات پر ہی منحصر رکھی گئی

۔۔۔ اور رسالت کی تکمیل کیلئے بھی آپ کیلئے کسی سہارے ۔۔۔ کسی امداد ۔۔۔ کسی قوت کو باقی نہ رکھا گیا ۔۔۔ یہ چیز بھی صفتِ احمدیؐ میں شامل کی گئی کہ آپ اپنی ذاتی قوت سے ہی مخلوقِ عالم کی اصلاح کریں ۔۔۔ حضرت ابو طالب آپکی رسالت کے چند دنوں بعد رفاقت چھوڑ گئے ۔۔۔ عرب میں قومیت کا رجحان قوی تھا ۔۔۔ تمام عرب قوموں میں بٹ گیا تھا ۔۔۔ اور لوگوں میں قومی فخر شدت سے پایا جاتا تھا ۔۔۔ حضرت عبدالمطلب ۔ حضرت عبداللہ علیہما السلام قوم بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے ۔ کیونکہ عرب میں بنی اسماعیل میں بنی ہاشم آخری پشت سے تعلق رکھتے تھے ۔ بنی ہاشم عرب کا معزز اور مشہور خاندان تھا ۔۔۔ اس سے قبل بنی فہر (قریش) عرب کے معزز و مقتدر قوم تھی ۔ لیکن بنی فہر (قریش) زمانہ کی طوالت کے ساتھ مختلف قبیلوں میں بٹ چکے تھے ۔۔۔ اور زمانہ کی طوالت کی وجہ سے یہ خاندان ایک دوسرے سے قربت و رشتہ میں دور دور ہو چکے تھے ۔ جیسے ایک جد کی اولاد زمانہ گزرنے کے بعد ایک دوسرے سے غیر ہو جاتی ہے ۔ ایک ہی خاندان میں کئی خاندان پیدا ہو کر ایک دوسرے سے بیگانہ اور ایک دوسرے سے رشتہ میں دور ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح قریش قوم مختلف قبیلوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے حریف بن چکے تھے ۔۔۔ ظاہر ہے ۔ حضرت عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ علیہما السلام کی موجودگی سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خاندانی اقتدار حاصل رہتا ۔ لیکن ان حضرات کی وفات سے آپکی خاندانی عظمت بھی ختم ہو گئی اور آپ ایک یتیمانہ زندگی بسر کرنے لگے جنکا کوئی معاون و مددگار ایسا باقی نہ رہا جن کا سہارا آپکی رسالت کیلئے سود مند ثابت ہوتا ۔۔۔ مکہ میں اولاد فہر چونکہ اول سے غالب تھی ۔۔۔ اسلئے بعد میں بھی عرب میں انکی قوت باقی رہی ۔ لیکن چونکہ بنی ہاشم وقت کے مقتدر اور ذی عزت قوم تھی اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان بنی ہاشم کے اقتدار کے اثرات ابھی باقی تھے ۔ اور یہ اقتدار و عزت حضرت عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ علیہما السلام کی رحلت سے ماند پڑ گیا ۔۔۔ یہ وہ زمانہ تھا ۔۔۔ جب بنی اسماعیل خاندان مختلف قبیلوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے رشتہ میں دور ہو گئے اور یہی خاندان آپس میں قتل و خونریزی میں برسرِ پیکار رہے ۔ چونکہ درمیانی دور میں اس قوم میں دینِ ابراہیمی کے ساتھ بت پرستی بھی شامل کی گئی تھی ۔ اسلئے یہ قوم اگرچہ دینِ ابراہیمی کے ہی پیرو تھے ۔ لیکن مدت دراز سے ان میں کوئی مصلح ۔ نہ ہونے کی وجہ سے انکے عقائد و نظریات بت پرستانہ اور خلافِ دینِ ابراہیمی ہو چکے تھے ۔۔۔ عرب سے

ماسویٰ۔ دنیا کی تمام آبادی میں۔ حیوانیت۔ فتنہ وفساد۔ انحراف و بغاوت اور گمراہی وسرکشی پیدا ہو چکی تھی ـــــ مصر وشام میں بھی۔ بنی اسرائیل قوم میں۔ یہود و نصاریٰ کی تفریق اور آپس کی شدید دشمنی اور بت پرستی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ یہودی۔ عیسائی قوم کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ نصاریٰ یہودیوں کو تخت وتاراج کر رہے تھے۔ بت پرستی کا یہ عالم تھا۔ کہ دین موسوی۔ اور دین عیسوی یکسر معدوم ہو چکے تھے ـــــ اور قوموں میں بے ہودہ نظریات اور باطل عقائد پیدا ہو چکے تھے۔ اور لوگ اسی باطل دین کو حقیقی دین سمجھتے تھے۔ ایسی حالت میں انکے باطل دین کی ردوتکذیب کرنا ـــــ مشکل تھا۔ کہ اگر کوئی رسول مبعوث ہو کر انکے باطل دین کی تکذیب کرتا تو اُسے قتل کر ڈالتے۔ دوسری طرف بادشاہتوں کا دور بھی شروع ہو چکا تھا۔ جن میں قیصر و کسریٰ۔ کی عظیم سلطنتیں وجود پا چکی تھیں ـــــ ان بادشاہتوں کی وسعت واقتدار بھی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ جس میں کمزور انسان بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کر دیئے جاتے اور غلام بنائے جاتے تھے۔ ایسے وقت میں تمام دنیا کیلئے ایک ہدایت کی ضرورت تھی۔ اور اس ہدایت کیلئے ایک ایسے رسول کی ضرورت تھی۔ جسے ان تمام قوتوں پر غلبہ حاصل ہونے کی قوت پانا ضروری تھا ـــــ مگر اس زمانہ میں جس رسول کا ظہور ہوا۔ اسکی حیثیت ایک یتیم بے یارو مددگار فرد کی تھی۔ جسکے ذمہ تمام دنیا کی اصلاح وہدایت کا بار سپرد کیا گیا ـــــ یہ ذات حضور محمد رسول اللہ ﷺ کی تھی جنہیں احمد کی حیثیت میں مبعوث کیا گیا ـــــ کہ آپ کو اپنی ہی قوت سے اقصائے عالم کی ہدایت واصلاح پیش کرنی تھی ـــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی شخصیتِ واحد کو بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ کا حکم دیا ـــــ آپؐ نے بسر وچشم اس بار گراں کو قبول کیا ـــــ۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشہ لب بام ابھی

آپؐ زمانہ کے حالات سے واقف تھے ـــــ انسانی خود سری۔ سرکشی اور فساد وخونریزی سے واقف تھے۔ آپ مکہ کی قوموں اور قبیلوں کی عادات وکردار سے واقف تھے ـــــ آپ ان قوموں کی ضد وجہل سے آگاہ تھے ـــــ اس کے باوجود آپ کو حکم ہوا ـــــ

یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ اپنی سرکش وباغی قوم سے تبلیغ کی ابتدا کریں۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۶ آیت ۲۱۴) اور ڈرا اپنے قریبی قبیلے

والوں کو ــــ اس قوم کی حالت کیا تھی ــــ ؟ گزشتہ دور میں جتنے بھی نبی ورسول ہدایت پر مامور ہوئے۔ انکی تبلیغ اسوقت تک کامیاب نہ ہوسکی۔ جب تک انہیں ایک غالب طاقت سے قوت نہ ملی ــــ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کی سرکشی ونافرمانی سے مجبور ہوکر کہا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا○ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۲۶) اے رب نہ چھوڑ زمین پر ان کافروں کو۔ تو اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کی امت کو غرق کردیا ــــ اور نوحؑ کو بچا کر اسے اقتدار عطا کیا۔ جس سے انہوں نے تبلیغِ دین کو کامیاب بنایا ــــ حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کی نافرمانی سے تنگ آکر وطن چھوڑا جسکی پاداش میں انہیں سمندر میں پھینکا گیا ــــ جہاں انہیں مچھلی نے نگل لیا ــــ اللہ کی مدد سے انہیں نجات ملی۔ قوم عذاب الٰہی کے آثار دیکھ کر ایمان لے آئی ــــ اور حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دیکر ایک عظیم حکومت واقتدار عطا کرکے انکی تبلیغ کو کامیاب بنایا ــــ حضرت زرتشت بھی اپنا وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ اور دوسرے ملک میں ایک بڑی حکومت نے انکی حمایت کی۔ اسی اقتدار کی مدد سے آپ نے اپنی تبلیغ کو کامیاب بنایا۔ حضرت داودؑ۔ حضرت سلیمانؑ کو بھی قوت واقتدار دیا گیا۔ جس قوت سے انکی تبلیغ کامیاب ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت پر مامور کیا ــــ اور فرعون کی اصلاح کے لئے حکم دیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوت کو کمزور سمجھ کر استدعا کی۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى○ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ○ وَيَسِّرْ لِىْٓ اَمْرِىْ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ○ وَاجْعَلْ لِّىْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِىْ○ هٰرُوْنَ اَخِى○ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِىْ○ ــــ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى○ ــــ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ○ ــــ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى○ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى○ ــــ (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۲۴ تا ۳۱، ۳۶، ۴۲، ۴۵، ۴۶ تا ۴۶) جاؤ طرف فرعون کے وہ سرکش ہے۔ کہا موسیٰؑ نے اے رب کھولدے میرا سینہ اور آسان کردے میرے لئے میرا کام۔ اور کھولدے گرہ میری زبان کی۔ تاکہ وہ سمجھے میری بات اور بنادے میرا مددگار میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو مضبوط کر اس سے میری کمر۔ کہا رب نے تیرا سوال پورا کیا گیا۔ تجھے دیا گیا جو تو نے مانگا ــــ جاؤ تو اور تیرا بھائی ساتھ میرے معجزات لیکر اور تم سستی نہ کرنا میری یاد میں ــــ کہا اے رب ہمارے ہم ڈرتے

ہیں۔ کہ وہ زیادتی کرے ہم پر اور سرکشی کرے ــــ کہا رب نے مت ڈرو تحقیق میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں ــــ

حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ تھے۔ آپ تنہا ایک ذات تھے۔ جن کی حمایت میں ایک فرد بھی نہ تھا ــــ آپ نے یہودی بت پرستی اور غلط من گھڑت دین کی تکذیب کی۔ اسوقت ہیرودیس یہودی بادشاہ کا اقتدار تھا۔ یہودی حکومت نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ باندھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ــــ یہودیوں کے شر سے محفوظ کیا ــــ آپ کی تبلیغ صرف دس حواریوں نے قبول کی باقی تمام بنی اسرائیل قوم آپ کی دشمن بنی اگر آپ کو اللہ کی مدد حاصل نہ ہوتی۔ تو یہودیوں نے آپ کو اپنی دانست میں قتل ہی کر دیا تھا ــــ آپکے اٹھائے جانے کے بعد جب عیسائیت کو بادشاہت کی مدد ملی تو اس دین کو وسعت ملی ــــ

اسی طرح ہندومت ۔ بدھ مت اشوک اور راجہ بکرماجیت جیسے حکمرانوں کی سرپرستی سے ہندوستان ایران تک وسعت کر گیا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ صرف آپکی واحد ذات سے وابستہ تھی ــــ مکہ کی سکونت میں رسالت سے قبل قوم میں باعزت اور پسندیدہ شخصیت تھے۔ ہر شخص کے دل میں آپکی قدر و منزلت تھی۔ آپ کی رائے کو تمام لوگوں پر سبقت حاصل تھی ــــ آپ کو امین و صادق کے لقب سے پکارا جاتا تھا ــــ آپ کو دیکھ کر ہر شخص خوش ہوتا تھا۔ لیکن جب آپنے قُمْ فَأَنذِرْ کے حکم کو سنا۔ تو جانتے تھے۔ یہ قوم نہایت سرکش اور خونریز ہے ــــ یہ قوم بات بات پر میان سے تلوار نکالتی ہے۔ فخر و غرور۔ کبر و نخوت انکی سرشت ہو چکی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے آگے جھکنا پسند نہیں کرتی۔ کسی معمولی بات کو بھی برداشت نہیں کرتے۔ اور مکہ میں قریش قبیلہ کا غلبہ بھی شدید ہے۔ جو اپنی گمراہی و سرکشی میں بھی شدید ہے اسکے ساتھ ہی قبیلہ قریش اور دیگر قبائل کے رسم و رواج بھی ایسے تھے کہ ان سے ہٹنا ان کیلئے ناممکن تھا ــــ دوسری طرف مکہ اور بیت اللہ عربوں کے تمام رواجات کا مرکز تھا۔ ان میں بہادر بھی تھے شہسوار بھی تھے۔ تیغ زن اور تیر انداز بھی تھے۔ پہلوان اور نیزہ باز بھی تھے۔ شاعر عظیم بھی تھے اور فلسفی بھی تھے۔ ان میں بڑے بڑے سرمایہ دار تاجر بھی تھے۔ سب سے اہم چیز یہ کہ عرب بجائے تعلیم یافتہ ہونے کے امّی ہونا زیادہ

پسند کرتے تھے ــــ امی ہونا اسلئے انہیں پسند تھا کہ یہ لوگ کسی استاد کے آگے جھکنا پسند نہ کرتے تھے۔ بلکہ اپنی قوتِ عقلی پر انہیں ناز تھا۔ اسی قوت عقلی پر ان میں شاعر۔ ادیب۔ فلسفی بغیر کسی اکتساب کے شاعری ادب اور فلسفہ پر بحثیں کرتے تھے۔ مکہ میں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ جس میں عرب کے قبائل اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ غرض یہ کہ عرب قوم ایک طرف۔ فن سپاہگری۔ شعر وفلسفہ تجارت وسرمایہ کاری میں عروج کو پہنچ چکی تھی۔ یہ قوم کسی طرح کسی فرد کی محکومیت قبول کرنے پر قطعاً آمادہ نہ تھی ــــ اور پھر انکے باطل عقائد ونظریات کی رد وتکذیب کرنا۔ گویا اپنی موت کو دعوت دینا تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کو جانتے ہوئے اپنے مقصد رسالت کی ابتدا تن تنہا بغیر کسی امداد کے انہیں سرکشوں میں کی ــــ اور ابتدا میں ہی جب آپؐ نے اپنی قوم کو پکارا اور کہا کہ قیامت قریب ہے! جاگو! اپنے مقصد زندگی کو یاد کرو ــــ اور ایک اللہ کا تصورِ حقیقی حاصل کرو ــــ اور اسکی ہدایت قبول کرکے حقیقت کی طرف آؤ ــــ! تو آناً فاناً تمام قوم آپؐ کی دشمن بن گئی ــــ یہاں تک کہ آپکے سرپرست ابو طالب نے بھی آپکو اس تبلیغی مشکلات میں کودنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ آپکے عزیز واقرباً۔ آپکا ساتھ چھوڑ گئے۔ مگر آپ نے فرمایا۔ کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند ــــ دوسرے ہاتھ میں سورج بھی دیں میں اپنی تبلیغ سے باز نہیں رہ سکتا۔ خواہ اس مقصد میں میری جان بھی چلی جائے ــــ! صلے اللہ علیہ وسلم ــــ تواریخ شاہد ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقصدِ رسالت پورا کرنے کیلئے کتنی شدید اذیتیں برداشت کیں۔ آپ کو شعب ابو طالب میں تین سال بھوکا پیاسا محصور رکھا گیا۔ آپکے گلے میں پھندا ڈال کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپکو گھر میں محصور کرکے قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر آپکے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی ــــ اور اپنے مقصدِ رسالت کو تن تنہا جاری رکھا۔

حضرت نوحؑ کی قوم نے بغاوت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں غرق کردیا ــــ عاد وثمود نے سرکشی کی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ کردیا ــــ حضرت موسیٰؑ کی رسالت پر فرعون اور اسکی قوم نے حضرت موسیٰؑ کو ہلاک کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کردیا۔ اور حضرت موسیٰؑ کو اقتدار وسلطنت عطا کی یہ تمام امداد ہر رسول کو وہبی ملیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملیں ــــ حضرت عیسیٰؑ کو بھی وَ اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اپنی ذات سے امداد دی۔ یہ امداد بھی وہبی تھی ــــ کوئی رسول اپنی ذاتی قوت سے نہ

اپنی حفاظت کر سکا نہ اقتدار حاصل کر سکا۔ نہ تبلیغ میں وسعت دے سکے ـــــ مگر حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کامل تیئس سال جدوجہد میں اپنی ذات سے۔ اللہ کے دین کو تمام دنیا پر جاری کر دیا ـــــ اس جدوجہد میں ہر محاذ پر آپ بہ نفسِ نفیس پیش پیش رہے ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ اس وقت۔ ہرقل روم۔ خسرو پرویز۔ اور عرب کی قوی و غالب قوموں کو للکارا ـــــ جب آپکی حیثیت ان عظیم الشان سلطنتوں اور قوموں کے مقابلہ میں۔ سورج کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی حیثیت تھی ـــــ یہی وہ صفتِ احمدی تھی جسکے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش گوئی کی تھی ـــــ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ اور میں بشارت دیتا ہوں۔ کہ میرے بعد ایک اور رسول آنے والا ہے ـــــ جسکی حیثیت میری طرح ادنیٰ تنِ واحد کی سی ہوگی۔ اور وہ رسول بن کر آئیگا ـــــ یہی وہ صفتِ احمدیؐ ہے جسکی حیثیت زمانہ میں ادنیٰ ہے ـــــ اور اسی رسول نے ادنیٰ حیثیت سے اٹھ کر کائنات کی تمام باطل قوتوں سے ٹکر لی ـــــ اور تیئس سال جسمانی جدوجہد کے ساتھ ہر قوی طاقت کا مقابلہ کیا ـــــ تکلیفیں اٹھائیں۔ اور آخر اپنے تبلیغی مقصد کو عروج پر پہنچا کر ایک لاکھ چوبیس ہزار پروانوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جنکا عرب پر قوی غلبہ و اقتدار تھا ـــــ جو اللہ کا نام لینے والوں کو قتل کرتے تھے۔ تپتی ریت پر لٹا کر اذیت دیتے تھے۔ اللہ کا نام لینے والوں کے سینوں پر تپتی ریت پر بھاری پتھر رکھ کر تڑپتا چھوڑ دیتے اور اس مشغلہ سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ ان تمام سرکشوں ـــــ شاعروں۔ ادیبوں۔ فلسفیوں۔ پہلوانوں۔ شہسواروں۔ تاجروں کو ایک تنِ واحد نے اللہ اور اسکے دین کا جانباز سپاہی بنا دیا ـــــ اور اپنی قوت کو نہیں ـــــ بلکہ اللہ کے دین کو عروج پر پہنچا کر انسان کیلیئے۔ حصولِ خلافت و نبوت کی راہیں کشادہ کر دیں ـــــ

اس صفتِ احمدی کا دوسرا پہلو۔ یہ کہ ادنیٰ حیثیت سے اعلےٰ حیثیت حاصل کرنی۔ بشری حیثیت سے نوری حیثیت قائم کرنی ـــــ وہ ہے اصل مقصدِ خلافت و نبوت ـــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ تسبیح و حمد۔ تصورِ ذاتِ الٰہی حاصل کرنا ـــــ آپ نے ہدایت الٰہی کو جس میں صرف۔ تزکیہ قلب و نفس کا ضابطہ تھا ـــــ اسی مخلوق کو جو اپنے مقصد سے کوسوں دور ہو چکی تھی ـــــ جنہیں تصورِ الٰہی سے چڑ تھی ـــــ جنکا سر کبر و نخوت سے نیچے جھکتا نہ تھا ـــــ جو اللہ کا نام لینے والوں کو قتل کرتے تھے ـــــ صرف ایک ذات۔ تنِ واحد نے ملائکہ سے بالاتر مقام پر پہنچا کر مقصد خلافت و نبوت کی کلی تکمیل کر دی

____ آپکی صفتِ احمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا خاصہ یہ تھا ____ کہ ہدایت آپکے لئے مقرر نہ تھی۔ کیونکہ آپ منتخب نبی ورسول تھے۔ آپکا قلب وجسم مزکی تھا ____ مگر آپکے لئے ادنیٰ حیثیت میں ظاہر ہونا مقرر کیا گیا تھا۔ اسلئے آپ نے ہدایت کی تعمیل اپنی ذات سے کی ____ اور یہی نمونہ عمل انسان کیلئے چھوڑا ____ قرآن نے آپکے جہد وعمل کو خود سراہا ____

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ط تحقیق آپکا رب جانتا ہے یہ کہ آپ کھڑے ہوتے ہیں (نماز میں) کچھ حصہ ثلث رات سے ____ اور اسکا نصف یا تیسرا حصہ اسکا اور ایک مخصوص جماعت بھی اس عبادت میں آپکے ساتھ اشتراک کرتی ہے (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۲۰) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر اس حکم پر جو ہدایت کے طور لوگوں کی اصلاح کے لئے نازل ہوا اپنی ذات سے بھی تعمیل کی۔ جن میں طریق عبادت شامل تھا ____ اسکے علاوہ احکام فرضی سے ماسوئی راتوں کو جاگ کر عبادت کرتے رہے ____ رسالت سے قبل آپ غار حرا میں مہینوں خلوت نشین ہو کر ذکر الٰہی۔ تصور ومراقبہ میں مصروف رہتے تھے ____ رسالت کے بعد آپ کو بوجہ تبلیغ دین۔ خلوت نشینی کیلئے غار حرا میں جانے کی فرصت نہ مل سکی۔ تو آپ نے راتوں کو عبادت جاری رکھی ____ آپ اس کثرت سے نمازوں میں مصروف رہے۔ کہ پائے مبارک میں ورم آتا رہا ____ اسی کیفیت کو قرآن نے پیش کیا۔ اس طریق عبادت میں۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ مراقبہ۔ تصور شامل تھا ____ آپکی عبادت آپکی صفتِ احمدی میں شامل تھی ____ اس عبادت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی بشری کیفیت یکسر تحلیل ہوگئی۔ اور آپ کے وجود پر جو پیدائشی مادہ شامل تھا تحلیل ہوگیا۔ اور آپ خالص نور ہوگئے ____ اب یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کہ بشر نور نہیں کہلاتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل نور کے بشر ہونے ____ اور بشر کے نور ہونے کیلئے ____ ملائکہ ____ اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے ذریعہ دلیلیں پیش کیں ____ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسلسل تزکیہ۔ مجاہدہ۔ تسبیح کے نتائج اپنے آخری مرحلہ پر پہنچ گئے ____ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپؐ کے نوری وجود کی تصدیق واعلان کر دیا ____ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اٹھایا اپنے بندے کو رات کے قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷

آیت ا) یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج سے تعلق رکھتی ہے ۔ کہ آپ جسمانی حالت میں۔ بیت اللہ سے بیت المقدس۔ رات کے قلیل وقفہ میں گئے اور آئے ___ اس کے ساتھ ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اعلان کے ساتھ خود بھی واقعہ معراج کی تفصیل بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بیت المقدس سے آسمانوں میں گئے۔ آسمانوں سے اوپر نوری مقامات سے گزرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نورِ لامحدود کو اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھا ___

پیشتر صفحہ ۱۰۴ پر بیان ہو چکا ہے۔ کہ قرآن میں بعض ایسی کیفیتیں بیان کی گئی ہیں۔ جنکا تعلق مُتَشَابِهَات'' سے ہے هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ'' مُّحْکَمٰتٌ'' هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ'' ط (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۷) وہ ہے جس نے نازل کی اوپر آپکے کتاب (قرآن) اس میں آیتیں احکام (ہدایت ✽) سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ اصل ہے کتاب کی یعنی یہ احکام اس ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جسکا میں نے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی میں وعدہ کیا تھا ___ یہ احکام انسانی اصلاح کیلئے ہیں ___ اور واضح ہیں۔ جنکے سمجھنے میں۔ کسی شبہ اور دقت کی گنجائش نہیں ___ جیسے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۔نماز قائم کرو۔ وغیرہ۔ یہ واضح حکم ہے۔ جس میں نماز پڑھنے کا حکم ہے ___ اسکے علاوہ قرآن میں ایسی کیفیتیں ہیں ___ جنکے ظاہری معنی ایک ہیں۔ مگر ان کیفیتوں کی اصل ہیئت روحانی ہے جو ادراک وحواس میں نہیں آسکتی ہیں۔ یا انکا اصل تصور ظاہری حواس وعقل میں نہیں آسکتا ___ مثلاً اَلْجَنَّةَ ___ اَلسَّمَآءَ ___ اَلْحَشْرُ ___ یا بعض آیتیں۔ وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ۔ کہ اسکا تخت پانی پر تھا ___ یا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۵)۔ اسکا ایک دن تمہارے ایک ہزار دن کے برابر ہے۔ وغیرہ ___ انہیں آیات میں واقعہ معراج بھی متشابہات سے ہے۔ کہ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ___ اٹھایا اپنے بندے کو رات کے قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ ظاہر ہے۔ مادی جسم آناً فاناً سینکڑوں میل کی مسافت طے نہیں کرسکتا ___ اور یہ آیت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بیان کی گئی ہے۔ جسکے متعلق قرآن نے ہی یہ بیان دیا اَنَا بَشَرٌ'' مِّثْلُکُمْ میں بھی تمہاری طرح کا بشری جسم رکھتا ہوں ___ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ بشری جسم اتنی طویل منزل ایک آن میں طے کرے۔ تو اس بارے میں یہی سمجھا جا

سکتا ہے۔ کہ یہ انتقال روحانی ہے۔ کیونکہ گزشتہ قوموں (نبیوں کی امتیں) میں ہدایت کے علم کے ساتھ۔ مشاہدہ وتصور ـــ اور روحانی علم شامل تھا ـــ کیونکہ علم الاَسماء کا مشاہدہ کرنا۔ ہر انسان کیلئے لازمی تھا۔ جس میں روحِ رحمانی کے ذریعہ۔ آسمانوں ـــ اور آسمانوں سے اوپر عالمِ بالا۔ تا ذاتِ الٰہی مشاہدہ کیا جاتا تھا۔ ہر نبی یہی ہدایت اور تعلیم لیکر آتا تھا ـــ اور از روئے قرآن یہ امر طے شدہ ہے۔ کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں ہر انسان کو مشاہدۂ اسرارِ الٰہی ـــ اور تصورِ الٰہی حاصل کرنا فرض تھا ـــ اسلئے ہر نبی اپنی امت کیلئے ایک ہدایت لایا۔ اس ہدایت میں احکام تھے۔ ایک طریق عبادت تھا ـــ جس سے انسان کا تزکیہ ہوتا ـــ انسان کی جسمانی ـــ روحانی اصلاح ہوتی ـــ اور اس اصلاح سے انسان صاحبِ مشاہدہ ہو جاتا ـــ مشاہدہ میں اسے عالمِ روحانی ـــ آسمان۔ آسمانوں سے اوپر کے نورانی مقامات ـــ اور اللہ کی ذات کا مشاہدہ ہو جاتا۔ ہر قوم میں نبی بحیثیت راہبر ہر انسان کا تزکیہ کرتا۔ اور اسے اپنی راہنمائی میں منازلِ روحانی کا مشاہدہ کراتا ہے۔

اسی ہدایت کے ساتھ ہر نبی اپنی امت کو صاحبِ مشاہدہ بنا کر مقامِ خلافت ونبوت پر لاتا رہا ـــ کیونکہ انسانی پیدائش کا مقصد ہی۔ مشاہدہ کرنا ـــ اور تسبیح وحمد سے تصور ذاتِ الٰہی حاصل کرنا تھا ـــ یہ تصورِ الٰہی۔ روح رحمانی کے مشاہدہ کے ساتھ حاصل ہوا۔ واضح ہو۔ کہ روح رحمانی سے مشاہدہ وتصور الٰہی حاصل کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے ـــ جیسا کہ مشاہدہ کے متعلق صفحہ ۶۳ سے ۸۵ تک تفصیلاً بیان کیا گیا ـــ کہ انسان میں دو روحیں ـــ روحِ حیوانی ـــ اور روح رحمانی پائی جاتی ہیں ـــ روح حیوانی زندگی کے قیام کیلئے ہے ـــ روح رحمانی صرف مشاہدۂ اسرار باطنی کیلئے ہے۔ روحِ حیوانی کا مرکز دماغ ہے ـــ انسانی دماغ ہی۔ ظاہری باطنی کیفیات کی آگاہی وعلم کی تکمیل کرتا ہے۔ اور دماغ میں روحِ حیوانی ہی اصل شے ہے جو بذات خود مشاہدہ کرتی ہے۔ جسے انسانی مشاہدہ کہا جاتا ہے ـــ اسی طرح روح رحمانی کا مرکز قلب ہے ـــ یہ بھی غیر محسوس نورانی کیفیات کا علم حاصل کرنے کی ایک قوت ہے۔ اسی روح کے ذریعہ۔ آسمانوں ـــ اور آسمانوں سے ماورئی نوری مقامات تا ذاتِ الٰہی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی مشاہدہ عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ سے تعبیر ہے۔ اس کا طریق یہ ہے۔ کہ رسول بحیثیت رسول۔ اللہ کی ہدایت پیش کرتا ہے۔ اس ہدایت میں وہ احکام ہیں۔ جن سے انسان کی روحِ

حیوانی ــــ روح رحمانی قوی و پاکیزہ ہو کر مشاہدہ کے قابل ہو جاتے ہیں ــــ ہدایت کے ساتھ ساتھ رسول بحیثیت نبی ــــ انسان کا تزکیہ کرتا ہے۔ ہدایت [1] کے ذریعہ تزکیہ یہ ہے۔ کہ جسم ولباس ــــ اور غذا۔ پاک صاف اور حلال رزق حاصل کرنا۔ بغض وحسد۔ کینہ۔ غصہ۔ بری عادتیں ترک کرنا ــــ اور روحانی تزکیہ یہ ہے کہ نبی کے قلب سے نوری شعاع ــــ طالب (طالبِ حق) اتباع کرنے والے کے قلب پر آتی ہے۔ اِسے ''توجہ'' کہتے ہیں۔ توجہ کا طریق وہی ہے۔ جو قرآن نے بیان کیا فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ۔ یہاں فتلقٰی کا طریق القا ہے۔ القا قلب پر ہوتا ہے ــــ اس کا طریق یہی ہے۔ کہ نوری شعاع قلب پر وارد ہوتی ہے ــــ قلب روح رحمانی کا مرکز ہے۔ اسلئے یہ نوری شعاع روح رحمانی میں جذب ہو جاتی ہے جس توجہ سے روح مزکی (قوی و پاکیزہ) ہو جاتی ہے اور جو کیفیت اس نوری شعاع میں پائی جائے اسی کیفیت کا اثر روح رحمانی میں پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور جب کسی تپ دق کے مریض کے علاج میں چونا کا جوہر (کیلشیم) اسکے خون میں داخل کیا جائے (انجکشن کے ذریعہ) تو یہ جوہر خون میں جذب ہو جاتا ہے۔ تو خون میں چونا کے جوہری ذرات کثرت سے ہو جاتے ہیں۔ چونا کے جوہری ذرات خون میں کم ہونے سے تپ دق کا مرض ہو جاتا ہے۔ اور خون کے دفاعی ذرات کمزور ہو جاتے ہیں ــــ چونا کے جوہری ذرات اس کمی کو پورا کر کے خون کے دفاعی ذرات کو قوی اور صحت مند کر دیتے ہیں۔ تو تپ دق کا مرض ختم ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کی فطری بناوٹ ہے۔ اور اسکا علاج بھی اسی طرح فطری ہوتا ہے ــــ اسی طرح انسان کی فطری بناوٹ میں ــــ روح رحمانی قلب میں واقع ہے۔ اور روح حیوانی دماغ میں ــــ جب انسان فطری اصولوں کے خلاف۔ اپنی جسمانی ــــ روحانی قوت کو کمزور کرتا ہے۔ تو اسکے لئے علاج بھی فطری مقرر ہے۔ روح حیوانی کی اصلاح ہدایت کے ذریعہ۔ پاک وصاف غذا۔ جسم کی صفائی پاکیزگی۔ اخلاق کی پاکیزگی سے ہو جاتی ہے۔ اور روح رحمانی کی اصلاح نوری توجہ سے ہوتی ہے ــــ اسکا طریق یہی ہے۔ کہ نبی کی روح رحمانی۔ قوی و پاکیزہ ہوتی ہے۔ روح رحمانی ایک نوری قوت ہے ــــ طالب (تابع) نبی کی روح رحمانی

---

[1] احکام قرآنی

سے قوت حاصل کرتا ہے ــــــ کہ طالب۔ نبی کے قلب کی طرف اپنے قلب کو متوجہ کرتا ہے ــــــ جیسے فَتَابَ ۱؎ عَلَیْهِ کا طریقہ ہے۔تو نبی بھی فَتَابَ تابع کے قلب پر اپنے قلب سے نوری شعاع ڈالتا ہے ــــــ قلب سے قلب پر توجہ سے مراد۔ تابع کے قلب کی روح رحمانی اور نبی کے قلب کی روح رحمانی کا رابطہ ہوتا ہے۔ نبی اپنی روح رحمانی کی شعاع تابع کی روح رحمانی میں جذب کرتا ہے ــــــ تو تابع کی روح میں اسی طرح تقویت آجاتی ہے۔جسطرح تپ دق کے مریض کو جوہری ذرات داخل کر کے خونی ذرات کو تقویت دی جاتی ہے۔اس عمل میں تابع کا نبی کے قلب کی طرف رجوع کرنے کیلئے تصور کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔یعنی جب تابع نبی کی روح سے اکتسابِ نور کرے۔تو یہ توجہ تصور کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے یعنی تابع آنکھیں بند کر کے نبی کی شکل کا تصور کرتا ہے ــــــ اسکا ایک تصور روح حیوانی کے ذریعہ ہوتا ہے۔اس تصور کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے انسان کسی گزری ہوئی کیفیت کو یاد کرتا ہے۔تو اسکے ذہن میں گزشتہ زمانہ کے واقعہ یا کیفیت کا موہوم (غیر جسمانی) تصور آجاتا ہے ــــــ یہ کیفیت حافظہ میں جمع ہوتی ہے۔یاد کرنے سے حافظہ میں جمع شدہ کیفیت شعور پر آتی ہے تو گزشتہ کیفیت یاد آتی ہے۔ چونکہ یہ حافظہ سے نکلتی ہے۔اسلئے اسے تصور خیالی کہا جاتا ہے۔اسی طرح نبی کا تصور دماغ یا روح حیوانی سے کرنے میں۔ نبی کی شکل ذہن پر آکر محسوس ہوتی ہے۔یہ شکل یا تو سامنے دیکھی ہوئی شکل ہوتی ہے۔یا حافظہ میں جمع ہوئی ہوئی نبی کی شکل ہوتی ہے۔اسے تصور خیالی کہا جاتا ہے۔چونکہ نبی کی روح رحمانی غیر محسوس (غیر جسمانی) ہے۔اسلئے قلب میں اسکا مقام بھی غیر محسوس ہے۔جیسے حافظہ کے آدھ انچ ٹکڑے میں ہاتھی کے وجود کا عکس غیر محسوس ہوتا ہے ــــــ اسی طرح روح رحمانی کا مقام بھی غیر جسمانی ــــــ البتہ ــــــ چونکہ نبی کی ایک جسمانی شکل ہے۔اسلئے اسکی روح رحمانی بھی اسی شکل و صورت میں پائی جاتی ہے ــــــ نبی کی روح رحمانی کا تصور۔قلب کو قلب کے ساتھ متوجہ کرنے سے کیا جاتا ہے ــــــ اسی تصور کے ذریعہ نبی کا قلب تابع کے قلب ۲؎ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے ــــــ متوجہ ہونے

۱؎ یعنی اللہ نے آدم کے قلب پر توجہ کی جس سے ایک نوری شعاع آدم کے قلب پر القا ہوئی ــــ

۲؎ یہاں قلب سے مراد روح رحمانی ــــ جو سمع۔وبصر۔فہم کی حامل ہے ــــ

سے روح رحمانی کی نوری شعاع تابع کی روح رحمانی میں جذب ہوکر اسے تقویت پہنچاتی ہے۔اسی تقویت سے روح رحمانی۔قوی و پاکیزہ ہوکر وسیع مشاہدہ کی حامل ہو جاتی ہے۔اسی کیفیت کو تزکیہ (تزکیہ باطنی) سے تعبیر دیا ہے ــــ اسی تزکیہ سے جب نبی کی روح (نور) کا طالب کے قلب میں روحِ رحمانی سے اتصال (رابطہ یا جذب) ہوتو اس نور کے اثر سے نبی کی شکل مشاہدہ میں آتی ہے۔اسے مشاہدہ حقیقی (یا زیارتِ رسول) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ایک رسول کے ذمہ جب کہ اُسے ہدایت پہنچانے پر معمور کیا جاتا ہے ــــ یہی عمل ہوتا ہے۔جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۶۴) اللہ نے ان لوگوں پر احسان کیا ــــ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى کا اپنی طرف سے ذریعہ فراہم کیا۔کہ جب بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" ــــ انسان ایک دوسرے کا دشمن بن جائیگا۔اسلئے کہ اس میں خصوصیاتِ خلافت و نبوت ــــ مشاہدہ اسرار الٰہی اور تصور حقیقی کھو جائیگا ــــ اور انسان مثل حیوان پستی میں گر جائیگا۔تو اسے ہدایت کے ذریعہ مومن بنایا جائیگا ــــ تو اسکے لئے ایک رسول تم میں سے ہی اٹھایا۔جو تمہیں میری ہدایت کے احکام (کلام الٰہی) سناتا ہے۔کہ اس ہدایت کے ذریعہ تم اپنا مقامِ خلافت پاؤ گے ــــ اسلئے ہدایت کے ذریعہ تمہاری اصلاح کرتا ہے۔اور تزکیہ کرتا ہے اور وَيُزَكِّيْهِمْ نبی تمہارا تزکیہ کرتا ہے ــــ اور کتاب میں دیئے گئے اصول سے آگاہ کرتا ہے ــــ احکام اور طریق عمل بتاتا ہے۔اور حکمت۔کتاب میں متشابہات کیفیتیں پڑھ کر سناتا اور انکا مشاہدہ بھی کراتا ہے ــــ

رسول و نبی کا یہی طریقِ ہدایت ہے۔کہ وہ روحانی تزکیہ کرتا ہے۔اسکے لئے ضروری ہوتا ہے۔کہ رسول کی پکار سنو ــــ اور اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جاؤ ــــ کیونکہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ــــ ہدایت صرف ان لوگوں کیلئے ہے۔جو اپنی پستی و ذلت کا احساس کریں ــــ جو یہ سمجھے کہ اس ذلت کا انجام میرے لئے عذاب ہے ــــ تو وہ قیامت کے عذاب سے ڈریگا۔اور اپنی اصلاح کیلئے نبی کی پیروی کریگا ــــ کتاب سنے گا ــــ اور نبی سے تزکیہ حاصل کریگا ــــ تو نبی اپنے تابع پر توجہ کرتا ہے۔تابع کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ نبی کا تصور کر کے نبی کی روح رحمانی سے اپنی روح رحمانی کو قوی کرے ــــ

اسی طریقہ سے ـــــ کتاب سننے۔رجوع کرنے ـــــ تصور کرنے سے انسان میں مشاہدہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے ـــــ اور مشاہدہ میں اَسۡمَآءَ کُلَّهَا کی کیفیات ہیں ـــــ تو انسان زمین سے روحانی پرواز کرتا ہوا۔آسمانوں میں داخل ہوتا ہے۔ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ۔اللہ کا راستہ وہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔اس پرواز کیلئے بھی ایک خاص طریق ہے ـــــ کہ نبی کی روح رحمانی زمین سے لیکر عالم بالا ـــــ تا ذاتِ الٰہی وسیع مشاہدہ کی حامل ہوتی ہے ـــــ اسلئے تابع جب آسمانوں کی طرف پرواز کرتا ہے۔تو مراقبہ کی حالت میں ہو جاتا ہے۔ مراقبہ سے مراد ـــــ تابع یکسوئی کے ساتھ ـــــ اپنے حواس سے آمدہ اطلاعات و کیفیات جو واہمہ۔حافظہ تک پہنچتی ہیں ـــــ تصور خیالی سے روک دیتا ہے ـــــ یعنی حافظہ کو متحرک کر کے اس میں سے نبی کا تصور خیالی شعور کی طرف منتقل کرتا ہے۔تو حواس سے آمدہ کیفیات شعور و عقل تک نہیں پہنچتی اس طرح یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے ـــــ خیال رہے۔اس تصور خیالی میں نبی کی وہی شکل سامنے آتی ہے۔جو اسکے سامنے۔اور حاضر شکل وصورت اور لباس کی حافظہ میں جمع ہوتی ہے ـــــ حقیقتاً یہ تصور اصل مقصد نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ یہ تصور صرف یکسوئی حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے۔لیکن ارادہ میں مقصد تصورِ الٰہی ہوتا ہے ـــــ اس طرح جب نبی کا تصورِ خیالی قائم ہوا۔تو طالب اپنے ارادے کو متحرک کر کے روح رحمانی (قلب) کو نبی کی روح رحمانی سے متصل کر دیتا ہے۔جونہی روح رحمانی سے ـــــ نبی کی روح رحمانی کا جذب ہوا ـــــ تو قلب سے نبی کی روح رحمانی کی شعاع حافظہ پر آتی ہے ـــــ حافظہ نبی کے تصورِ خیالی کو شعور سے ہٹا کر قلبی شعاع کو شعور پر منتقل کر دیتا ہے۔تو ساتھ ہی تصور خیالی تصور حقیقی میں بدل جاتا ہے۔اور اب شعور پر قلبی تصورِ حقیقی۔نبی کی روحانی (روح رحمانی) شکل مشاہدے میں آتی ہے۔چونکہ روحِ رحمانی کا کوئی خیالی (ظاہری) لباس نہیں۔اسلئے۔تصور خیالی۔اور تصور حقیقی کے لباس میں فرق محسوس ہوتا ہے ـــــ اور اب نبی کی روح رحمانی کی شکل وہی ہوتی ہے۔مگر لباس تمثیلی سبز رنگ۔یا سرخ رنگ۔یا زرد رنگ یا سیاہ رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔یہ رنگ اصل میں عالمِ باطن میں۔انوار کے رنگ اور لباس محسوس کیئے جاتے ہیں ـــــ اور جب اس روحانی شکل وصورت میں نبی کا مشاہدہ ہوا۔تو آگے عالم باطن کی طرف پرواز کی جاتی ہے۔اور تابع اور نبی دونوں روحانی وجود مراحل و منازل باطن طے کرتے جاتے ہیں۔

یہاں تک کہ ذات الٰہی کا مشاہدہ ہو جاتا ہے ــــــ اسی طریقہ پر مشاہدۂ اسرار الٰہی اور تصور ذات الٰہی حاصل کیا جاتا ہے۔ کہ ہر مشاہدہ میں نبی کی ہمراہی ضروری ہوتی ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے۔ کہ نبی خود تابع کو اپنی ہمراہی میں ان مراحل و منازل سے گزار کر مقصد حقیقی تک پہنچاتا ہے ــــــ یہ طریق مشاہدۂ اسرار الٰہی ہے۔ جو ایک انسان کیلئے مقام خلافت و نبوت پر قائم رہنے کیلئے لازمی ہیں۔

گزشتہ انبیاً اسی حیثیت سے مبعوث ہوئے اور انکے ذمہ یہی عمل رہا۔ ہر نبی نے اپنی امت کو یہی طریق بتایا ــــ اسلئے ہر امت اس کیفیت سے آگاہ تھی کہ کس طرح نبی کے تصور ــــ اور روح رحمانی سے ذات الٰہی تک پہنچا جاتا ہے۔ نبی کے بعد جب انسان آرام طلب ہوا ــــ ظاہری تزکیہ چھوڑ دیا۔ حلال ــــ پاک۔ صاف غذا چھوڑ دی ــــ بغض۔ حسد۔ کینہ۔ جھوٹ اور حصول دنیا کی طرف مائل ہوا۔ تو پہلی چیز نبی کا تصور محو ہوتا گیا ــــ ایسی صورت میں انسان مراقبہ میں جب نبی کا تصور قائم کرنے میں کمزور ہو گیا۔ تو اس نے تصور خیالی کی مشق کو قائم رکھنے کیلئے نبی کے گزر جانے کے بعد نبی کی تصویر یا بت کو سامنے رکھا تا کہ بار بار اسی تصور سے تصور خیالی کو قائم رکھ سکے۔ کچھ مدت تک۔ جب تک انسان نے مشاہدہ و تصور سے لگاؤ رکھا۔ وہ اسی بدعتی (نو ایجاد کردہ) تصور سے کام لیتا رہا۔ لیکن بعد زمانہ کے لوگوں نے اسی تصور کو اصلیت کا جامہ پہنا کر دین اور حقیقت میں شامل کر لیا۔ انہوں نے ــــ ہدایت۔ تزکیہ ــــ پابندیِ احکام ترک کر دی اور صرف ایک ہی مقصدِ تصور کو اپنا کر بت پرستی شروع کر دی ــــ اسی طریق سے بت پرستی کی ابتدا شروع ہو کر آئندہ زمانوں میں بت پرستی کو دین سمجھ کر ــــ بت پرستی شروع کی گئی ــــ یہ اسلئے کہ انہیں یہ معلوم تھا۔ کہ نبی کے تصور کے ذریعہ مشاہدہ اسرار و غیب حاصل ہوتا ہے ــــ اور یہ بھی علم تھا۔ کہ ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ و دیدار ــــ روح رحمانی سے حاصل ہوتا ہے۔ روح جسمانی سے نہیں۔

لیکن قرآن نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق اعلان کیا۔ کہ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا کہ حضور محمد رسول اللہ ﷺ نے جسمانی طور مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک قلیل وقفہ میں انتقال کیا۔ در حقیقت یہ اعلان بھی دانستہ طور کیا گیا ــــ کیونکہ معارج النبوت سے ثابت ہے۔ کہ حضورؐ نے کئی بار اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا

ـــــ ان میں سے بعض ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوئے جنکا ذکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کیا۔لیکن یہ دیدار مکہ میں حضرت امّ ہانیؓ کے گھر میں ہوا جیسا کہ احادیث اور تواریخ سے ثابت ہے۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معراج کا ذکر خصوصی طور عوام سے کیا۔اس معراج سے علاوہ جتنے بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کئے انکی نوعیت کیا تھی۔اور اس معراج میں خصوصیت کیا ہے ـــــ ؟

حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں ایک بشر محسوس ہوتے تھے۔لیکن آپ کی ذات اقدس بھی متشابہات سے تھی جنکا سمجھنا عام حیثیت سے نہیں بلکہ روحانی حیثیت سے تھا۔ویسے عوام الناس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدائش سے آخر تک ایک عام پیدائش کی حیثیت میں دیکھا ـــــ لیکن جو سرّ آپکی ذات سے وابستہ تھا۔اس سے عوام الناس باخبر نہ تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشری حالت میں دیکھ کر کہا۔ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا○۔چونکہ آپکی نورانیت متشابہ تھی اسلئے آپؐ کے جسم کی نوری خاصیت کو نہ پہچان سکے ـــــ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی متشابہ کیفیت کو عوام پر ظاہر کیا ـــــ وہ بھی اس حال میں کہ لوگ آپ کی ذات کو دیکھ کر باور نہ کر سکے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی حیثیت کیا ہے۔جب تک کہ حضورؐ نے اپنی صفت احمدی سے ثابت نہ کیا ـــــ

ظاہراً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش میں کوئی خصوصیت محسوس نہیں کی جاتی۔نہ قرآن نے آپؐ کی پیدائشی خصوصیت کا ذکر کیا۔لیکن قرآن نے اس سے قبل پیدائشِ یحیٰ علیہ السلام اور پیدائشِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ان پیدائشوں (جسم وروح اور نور کی ترتیبِ خَلَقُ اور انکی جسمانی روحانی خصوصیات) کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔جس سے یہ ثابت ہوا۔کہ انسان کی پیدائش مادی بھی ہوتی ہے۔اور نوری بھی۔مگر دنیا پر ظہور ہر پیدائش کا بشری شکل وصورت میں ہی ہوتا ہے ـــــ ان بشری ہیئتوں میں۔انسان اگر چہ بشری شکل وصورت میں ہی محسوس کیا جاتا ہے۔لیکن باطنی صورت میں ایک بشری صورت نورانی قوت کی حامل بھی ہوتی ہے۔چونکہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس بھی منتخب ومخصوص پیدائش ہے۔اور نام کے اعتبار سے آپ محمدؐ کہلاتے ہیں۔اسلئے اس نام کے اعتبار سے آپکا مقام یحیٰؑ وعیسیٰؑ سے بلند تر ہے ـــــ حضرت عیسیٰؑ پیدائشی لحاظ سے

نوری جسم کے حامل ہیں۔ اسلئے نوری اعتبار سے آپ تمام مخلوق میں جسمانی حیثیت میں افضل ہیں۔
حضور محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ حضرت عیسیٰؑ سے بھی افضل پیدائش ہیں۔ اسلئے وجودی حیثیت میں آپکی بھی جسمانی فضیلت حضرت عیسیٰؑ کے مقابلہ میں افضل ہونی ضروری ہے۔ اسی افضلیت کے اعتبار سے آپکا وجود بھی نوری ہونا ضروری ہے ــــ سو قرآنی آیات کی روشنی میں حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کیلئے بھی وہی ترکیب ہونی ضروری ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے مقرر کی گئی۔ یہ ترکیب پیدائش حضرت یحیٰؑ میں بھی موجود ہے ــــ

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ '' وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّاO کہا زکریا نے اے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا ــــ میری بیوی تو بانجھ ہے۔ اور مجھ میں بڑھاپے کی وجہ سے نطفہ کی قوت نہیں! تو اللہ نے پیدائش یحیٰؑ کو اس انداز سے پیش کیا۔

قَالَ کَذٰلِکَ ۔ کہا اللہ نے ایسی حالت میں بھی میں لڑکا پیدا کرونگا۔

ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ '' ــــ یہ میرے لئے آسان ہے ــــ

ظاہر ہے۔ کہ باپ اور ماں کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بغیر نطفہ کے لڑکا پیدا کیا۔ جسکا نام یحیٰ رکھا۔ تو ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں ایک پیدائش کیلئے نوری ترکیب بھی پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش میں خصوصی طور اسکی تفصیل بیان کی ــــ

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ '' وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ '' وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّاO ۔ کہا مریم نے اے رب میرے کیسے لڑکا ہوسکتا ہے۔ جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔

قَالَ کَذٰلِکِ ج قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ '' ج وَلِنَجْعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ج وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّاO کہا اسی طرح بغیر نطفہ کے۔ کہا تیرے رب نے یہ میرے لئے آسان ہے ــــ میں نور سے پیدا کرونگا ــــ یہ اسلئے کہ اس پیدائش کو میں لوگوں کیلئے بطور دلیل وثبوت۔ ایک نشان بناؤنگا۔ کہ بشر اپنی پیدائش میں نوری خاصیت بھی رکھتا ہے اور یہ چیز میں نے اپنے مقرر کردہ منصوبہ میں ازل سے رکھی ہے ــــ کہ میں نور سے ایک بشر پیدا کرونگا جو پیدائش میں بشر محسوس ہوگا لیکن اسکا مرکب ۔ اسکی خاصیت نوری ہوگی ــــ اسلئے اللہ تعالیٰ کے منصوبۂ ازلی میں تمام مخلوق کائنات سے افضل ہستی

مُحَمَّدُ کے وجود کیلئے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے افضل وجود سے افضل نور آپ کی پیدائش کیلئے ہونا ضروری ہے۔ ورنہ پیدائشی اعتبار سے اگر حضرت عیسیٰؑ کا وجود نوری ہو ــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود مادی ہو۔ تو محمد کی افضلیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لئے حضرت عیسیٰؑ کے وجود کے مقابلہ میں افضل نور مقرر نہ ہو ــــ سو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس کیلئے۔ افضل نور ــــ روحِ رحمانی کا نور مقرر ہوا ــــ جو حضرت عیسیٰؑ کے وجودی نور سے افضل اور تمام مخلوقِ انسانی کے وجود سے افضل نور ثابت ہے ــــ

اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اگر چہ ظاہر طور عام بشری پیدائش محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن آپکی پیدائش میں ــــ نوری ترتیب ہونا ضروری ہے۔ اسلئے یہ ترتیب متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔ جو عام حواس و عقل کے ادراک سے ماورئٰ ہے ــــ اسی نوری اعتبار سے آپکا مشاہدہ۔ آپکا معراج بھی متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ مشاہدہ میں۔ اسرار الٰہی اور دیدار الٰہی روح رحمانی سے ہوتا ہے۔ روح رحمانی آپؐ کا جسم ہے۔ آپ روح رحمانی کی حیثیت سے جسم۔ آنکھ اور کان سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ چونکہ عام بشر روح رحمانی سے ذاتِ الٰہی تک رسائی رکھتے ہیں۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم جسم سے ذاتِ الٰہی تک رسائی رکھتے ہیں ــــ اسی جسمانی رسائی کو معراج سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یعنی عام آدمی [1] روح رحمانی سے رسائی رکھتا ہے۔ اسی کیفیت کو روحی۔ یا بشری معراج سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسکی ترکیب یہ ہے۔ کہ انسان کا جسم بجائے خود اپنے مقام پر رہتا ہے۔ اور انسان مراقبہ کی صورت میں روح رحمانی سے پرواز کر کے ذاتِ الٰہی تک رسائی و معراج پاتا ہے ــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی بجائے خود اپنے مقام پر قائم ہوتے ہیں۔ مگر آپکی نظر ذاتِ الٰہی تک رسائی پاتی ہے۔ یہ وہ معراج ہے۔ جس میں آپ کو گھر میں دیکھا جاتا ہے۔ آپ گھر میں ہوتے ہوئے بھی ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں ــــ اور دوسری نوعیت یہ ہے۔ جو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری جسم کی دلیل کیلئے خصوصی طور پیش کی جانی مقصود ہے۔ وہ آپ کے جسم کی پرواز اسی طرح کی ہے۔ جسطرح ایک عام بشر ــــ خلیفہ ــــ

---

[1] انسان یا ولی

نبی ۔۔۔ کی روح رحمانی ذاتِ الٰہی تک پرواز کرتی ہے۔ یہ ایک خاص معراج ہے۔اس معراج کا طریق یہ ہے۔ کہ انسان کی روح جسم سے صراط اللہ کی راہ میں عالم بالا کی طرف پرواز کر کے ہر مقامِ اعلےٰ سے گزرتی اور منازل کی کیفیات کو دیکھتی ہوئی اللہ کی ذات تک پہنچ کر اللہ کے نور میں جذب ہو جاتی ہے۔ اس جذب میں اللہ کا دیدار و قرب حاصل ہوتا ہے۔اس قرب کو فنا فی اللہ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔لیکن یہ قرب وفنا روحِ رحمانی سے ہوتا ہے۔ جو نوری وجود ہوتا ہے ۔۔۔ یہی ترتیبِ معراج حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معراج میں بھی پائی جاتی ہے۔ کہ پیدائشی طور۔ آپکی پیدائش تشابہات سے ہے۔ یعنی بظاہر ماں باپ ہیں مگر آپ کا وجود مثل عیسیٰؑ نور سے ہے۔ یہ نور۔ اصلاً روح رحمانی کی مانند ہے جو بشری شکل میں (مثل ملائکہ) محسوس ہوتا ہے۔اسی کیفیت کی تصدیق کیلئے اللہ تعالیٰ نے دانستہ طور معراج کا ذکر قرآن میں کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مقدس کا حضرت عیسیٰؑ کے مقابلہ میں افضل ثابت کرنا مقصود تھا کہ یہ وجود بھی نوری ہے۔ جو حضرت عیسیٰؑ کے معراج کے مقابلہ میں (جسمانی ہیئت میں) اللہ کی ذات تک مقام رکھتا ہے۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کو تفصیل سے بیان کیا ۔۔۔ اور اعلان کیا کہ آج رات ہمیں معراج ہوا ۔۔۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ آج رات آپ کو جسمانی معراج ہوا۔اس قرآنی اعلان ۔۔۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان کی اصل غرض کیا تھی؟ وہ یہ کہ۔ یہودی کہتے تھے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۔حضرت موسیٰؑ اور انکا دین سب سے افضل ہے۔ کہ آپ نے طور پر اللہ تعالیٰ سے کلام کیا ۔۔۔ جسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انکے دعویٰ کی ردکی ۔۔۔ اور ایک بیان پیش کیا ۔۔۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًاط ۔۔۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْط بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُط (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۱۷۔۱۸) یہودیوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت کو تسلیم نہ کیا ۔۔۔ بلکہ اپنے ہی نبی (موسیٰؑ) اور تورات کو برتر سمجھا۔اسی طرح نصاریٰ (عیسائیوں) کا دعویٰ تھا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ روح القدس ۔۔۔ کلمۃ اللہ۔نوری جسم کے حامل اللہ کے بیٹے (روحانی بیٹے) ہیں۔ انکا مقام سب انبیاءؑ سے بلند

ہے۔ انکے مقابل کسی نبی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ وہ اللہ کا نور ہیں۔ اور آسمان میں مقیم ہیں ـــــ اسلئے قرآن نے بھی حضرت عیسیٰؑ کی افضلیت و خصوصیت کا مفصل [1] بیان پیش کیا۔ اور یہ ثابت کیا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام پیدائشی حیثیت میں نوری جسم کے حامل سب سے افضل نبی ہیں ـــــ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کر کے قرآن نے تمام تر فضائل کو انتہا تک پہنچا کر یہ ظاہر کر دیا کہ اسکے بعد کوئی ایسی فضیلت نہیں۔ جس سے کسی پیدائش کی فضیلت ظاہر ہو ـــــ

اب اگر کسی پیدائش کی فضیلت کا اظہار کیا جائے۔ تو اُسے کائناتِ ارض و سمٰوٰت سے افضل ترین پیدائش تصور کیا جائے۔ جسکے بعد سوائے ذاتِ الٰہی کے اور کوئی ذات افضل نہیں ہو سکتی ـــ اس ہستی کی صفت مُحَمَّدٌ پائی گئی۔ کہ کائنات میں تمام فضائل و کمال کی علت یہی ذات ٹھہرائی گئی ـــــ اور عملی حیثیت میں ہر افضل نبی کی خصوصیت عطائے الٰہی (وہبی) قرار دی گئی ـــ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کسبی (ذاتی) قرار دی گئی۔ یہ صفت احمد کے نام سے ظاہر کی گئی ـــ کہ آپؐ کی ذات کو عام بشری حالت میں پیدا کیا گیا ـــ اور آپ نے اپنے جہد و عمل۔ تزکیہ و مجاہدہ سے مقامِ فضیلت (جسمانی) پایا ـــ اور اس حد تک پایا ـــ کہ آپؐ نے بجسم ذات الٰہی تک رسائی پائی ـــــ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس عروج کے اعلان میں گزشتہ انبیاءؑ کے تمام تر فضائل کے مقابلہ میں آپؐ کی فضیلت ثابت کر دی ـــ کہ یہ جسم۔ مجسم نوری ہے۔ اس نوری جسم کی پیدائش کیلئے حضرت عیسیٰؑ کے نور سے افضل نور مقرر کیا گیا ـــ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی عظمت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ اسلئے آپ کے نوری وجود کو کمتر درجہ حیثیت پر پیدا کیا ـــ اور آپؐ کی ذات پر منحصر کر دیا۔ کہ آپؐ کسبی طور۔ اپنے جہد و عمل سے عروج پر پہنچ جائیں ـــ جسکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انتہائی عمل ـــ تزکیہ و

---

[1] اور یہ حقیقت ہے۔ کہ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات صلیب پر ہونا تسلیم کیا گیا۔ اسکے ساتھ ہی اگرچہ انجیل سے حضرت عیسیٰؑ کو روح القدس کہتے ہیں۔ لیکن انجیل میں بھی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائشی ترتیب کا واضح بیان نہیں۔ یہ قرآن ہی کی خبر سے حضرت عیسیٰؑ کی نوری پیدائش کی واضح ترکیب اور وَمَا صَلَبُوْهُ صلیب نہ ہونے کی خبر اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ آسمان سوئم پر اٹھائے جانے کی خبر واضح الفاظ میں بیان کی گئی۔ قرآنی بیان سے حضرت عیسیٰؑ کی فضیلت ظاہر کی گئی۔ جس خبر سے خود انجیل خالی ہے۔

مجاہدہ کر کے وہ مقام حاصل کیا ـــــ جس مقام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ..... میں کیا جس سے مراد جسمانی معراج یا جسم کا نوری ہونا ثابت کرنا تھا ــــ چونکہ یہ واقعہ متشابہات سے متعلق ہے۔اور جسم کا اللہ کی ذات تک رسائی پانا خلاف فطرت تصور ہوتا تھا اسلئے یہود و نصاریٰ اور کفار عرب نے آپکی عظمت کو تسلیم کرنے میں شبہ ظاہر کیا ـــــ یہ واقعہ ایسا ہی ہے۔ جیسا آدم کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ نے آدم (انسان) کو کمتر درجہ پر پیدا کر کے انسان کی خلافت کا اعلان کیا ــــ چونکہ انسان کے وجود بشری میں بظاہر خلافت کے آثار محسوس نہ ہوتے تھے۔اسلئے ملائکہ نے شبہ ظاہر کیا۔ کہ بشری جسم کیسے نوری جسم کا حامل ہوسکتا ہے ـــــ تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔ یہ کیفیت متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔ جسے میں جانتا ہوں اور تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے ـــــ یہ کیفیت روحِ رحمانی کی تھی۔ جس سے انسان کو کمتر حیثیت سے اٹھا کر نوری قوتوں پر فضیلت دی ـــــ اسی مقام پر ایک پیدائش کو روحانی فضیلت دی ـــــ اور یہ بھی اصل مقصود نہ تھا۔ بلکہ بطور ثبوت ایک کیفیت کا اظہار کرنا تھا ـــــ اصل مقصود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تھی۔ کہ آپ کو بھی کمتر درجہ حیثیت میں پیدا کیا گیا ــــ لیکن یہ کیفیت متشابہ تھی۔ وہ یہ کہ آپؐ کی پیدائش ارادۂ ازلی کے مطابق اسی طرز پر مقرر کی گئی۔ لیکن اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کا راز اس پیدائش میں ایسا تھا۔ جو عام ادراک میں نہ آنے والا تھا۔ سو اسی کیفیت کے اظہار کیلئے جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی فضیلت کا مظاہرہ مشاہدۂ اسرار الٰہی اور دیدار ذاتِ الٰہی میں کیا ـــــ کہ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِہِمْ۔ اے آدم تو اپنی روحانی!! فضیلت کا مظاہرہ کر ـــــ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ پس جب آدم نے اپنی روحانیت کے کمال کو مشاہدۂ اسرار الٰہی اور دیدار ذات الٰہی سے ثابت کر دیا ـــــ تو یہ ایک مظاہرہ تھا۔ اور ایک واقعہ کا بطور دلیل پیش کرنا تھا۔ جو کہ آئندہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃًط میں مضمر ـــــ خلیفۂ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیدا کرنے کیلئے ارادۂ ازلی میں مقرر ہو چکا تھا ـــــ لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَ فْلَاکَ اس تمام کائنات ارض و سمٰوٰت وَمَنْ فِیْھِنَّ اور جو کیفیتیں (آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ یحیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ ملکوت السمٰوٰت۔ جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل۔ عزرائیل وغیرہم) مخلوق کی گئیں ـــــ نہ پیدا کی جاتیں۔ اگر اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا ـــــ

الغرض واقعہ معراج کے بیان میں اسی راز اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔ کہ آپ کائنات کی تمام پیدائشوں سے افضل نبی محمد و احمد قرار دیئے جاتے ہیں ــــ اور اس افضلیت کو جہاں باقی افضل انبیاءؑ کی فضیلت عطائی (وہبی) تھی وہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو عَبْدُہٗ کے خطاب سے پکارا گیا ــــ جو تصور احمد میں پایا جاتا ہے۔ کہ آپ نے کائنات میں سب نبیوں سے اعلےٰ حمد و پہچان ــــ تزکیہ و مجاہدہ۔ تسبیح و حمد کی ــــ اسلئے احمد کے معنی وہ ذات جس نے سب سے زیادہ ــــ سب سے اعلےٰ ــــ عبادت کی اس عبادت تسبیح و حمد کے نتیجے میں آپکو جسمانی معراج ۱ حاصل ہوا ــــ

---

۱ اگرچہ بعض انبیاءؑ کے واقعات سے معراج کا تصور ملتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے گزشتہ کسی نبی کے متعلق معراج کا واقعہ وضاحتاً بیان نہیں کیا۔ یعنی کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی معراج نہیں دیا۔ یہ خصوصیت سوائے حضور محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نہ کسی نبی ورسول کو حاصل ہوئی۔ نہ کسی نبی ورسول کے حق میں معراج ہونا خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن نے ذکر کیا۔ وَھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰیۘ ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِقَبَسٍ اَوْاَجِدُ عَلَی النَّارِ ھُدًی ۝ فَلَمَّآ اَتٰھَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیؕ ۝ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ج اِنَّکَ بِالْوَادِالْمُقَدَّسِ طُوًیؕ ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ۝ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ لا وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۹ تا ۱۴) کیا آپکو پہنچی ہے خبر موسیٰ کی جب دیکھی آگ اس نے تو کہا اپنے گھر والوں کو۔ ٹھہرو بیشک میں نے معلوم کی ہے آگ۔ شاید میں لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے ایک چنگاری۔ یا پاؤں میں آگ تک راستہ۔ پس جب وہ آیا تو ندا ہوئی۔ اے موسیٰ بیشک میں تیرا رب ہوں۔ پس اتار دے اپنی جوتیاں۔ کیونکہ تو مقدس وادی طوےٰ میں ہے۔ اور میں نے تجھے منتخب کرلیا۔ سن جو کچھ وحی کی جاتی ہے ــــ تحقیق میں ہی اللہ ہوں۔ نہیں کوئی معبود سوائے میرے ــــ پس میری عبادت کر۔ قائم کر نماز میرے ذکر کیلئے ــــ

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق واقعہ میں معراج جسمانی کا اشارہ ملتا ہے۔ وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ ط ــــ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ ط نہیں قتل کیا گیا وہ۔ اور نہ صلیب دیا گیا کہ انکا وجود دنیا سے معدوم ہو ــــ بلکہ وہ شبہ میں ہیں ــــ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عدم ہونے میں ارادۂ الٰہی کارفرما ہے ــــ کہ اللہ نے انہیں اپنی طرف (آسمان سوئم پر) اٹھالیا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اب دیکھنا ہے۔ آپکا تزکیہ۔ آپکی عبادت۔ آپکی تسبیح کس نوع کی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق میں ایک خصوصی وجدانی کیفیت ودیعت کی۔ جسکا تعلق قلب و ذہن سے ہے۔ مثلاً جہاں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی منصوبۂ الٰہی کے تحت تھا۔ کہ آپکے متعلق ایک واقعہ کا ظہور کیا جائے۔ وہ واقعہ بھی معراج کی سی نوعیت کا ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا۔ یہ واقعہ طور پر ہوا۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ لا قَالَ رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ط قَالَ لَنْ تَرٰىنِىْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِىْ ج فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ج (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۴۳) اور جب آیا موسیٰ ہمارے وعدے کے لئے۔ اور کلام کیا اس سے اسکے رب نے تو اس نے کہا اے رب دکھا مجھے کہ ایک نظر دیکھ لوں۔ کہا رب نے تو ہرگز نہ دیکھ سکیگا مجھ کو۔ لیکن نظر کر طرف پہاڑ کے۔ پس یہ کہ اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تو بھی مجھے دیکھیگا ـــــ پس جب تجلی ڈالی اسکے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسکو ریزہ ریزہ اور گر پڑا موسیٰ غش کھا کر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو دیکھنے کی استدعا کی رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ۔ تو اللہ نے کہا لَنْ تَرٰىنِىْ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ جسمانی آنکھوں سے۔ البتہ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ ـــ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۔ طور کی تجلی پر نظر کر۔ اور جب اس تجلی کو حضرت موسیٰؑ نے دیکھا تو تجلی کی شدت کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصطفےٰ و مقرب نبی بھی اللہ تعالیٰ کی صفاتی تجلی کو جسم سے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اسکے مقابل

موسیٰ زِ ہوش رفت بیک جلوۂ صفات ـــــ تو عین ذات مے نگری در تبسمی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کو معراج کی نوعیت حاصل ہے ـــــ دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجودِ نوری کی دلائل قرآن نے پیش کیں ـــ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ سوائے اسکے نہیں کہ عیسیٰ مسیح ابن مریم اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں ـــ اور وہ اللہ کا مخصوص کردہ نور ہیں جو مریم میں القا (نفخ) کیا گیا ـــ یہی نور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بنیادی وجود (نطفہ) ہے۔ اسی نور سے حضرت عیسیٰؑ کا وجود نوری ہے ـــ اسی نوری حیثیت سے ـــ اس نوری جسم کی قوت کے مطابق ـــ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان نوری میں رکھا ـــ یہی حضرت عیسیٰؑ کا معراج جسمانی ہے۔ اسکے سوا کسی نبی و رسول کے متعلق کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس میں معراج کی خصوصیت ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق علی الاعلان کھلی دلیلوں کے ساتھ ـــ خصوصیت کے ساتھ نمایاں طور معراج کا ذکر خصوصیت کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انسانی جسم پر بیماری۔ صحت کا اثر طاری رہتا ہے ـــ وہاں اس پر غم ـــ خوشی ـــ خوف۔ ندامت۔ گریہ ـــ ہنسی ـــ غصہ ـــ نفرت ومحبت کے تاثرات بھی طاری رہتے ہیں ـــ اِن کیفیتوں کے الگ الگ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ساتھ بیان کیا ـــ جس واقعہ میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ آپؐ نے جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔ اس مقام پر جسمانی معراج میں اللہ تعالیٰ نے مثل حضرت عیسیٰؑ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری جسم کی کوئی تفصیل پیش نہیں کی۔ لیکن گزشتہ واقعات (جن میں حضرت یحییٰ۔ حضرت عیسیٰ علیہا السلام کی جسمانی حیثیت اور ترتیب بیان کی گئی) میں یہ بات ظاہر ہے۔ کہ یہ سب واقعات حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی ترتیب پیدائش کیلئے قبل از وقت دلیلیں پیش کی گئیں۔ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاءؑ ہیں۔ اس افضلیت کے اعتبار سے۔ بمقابلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپکو حضرت عیسیٰؑ سے افضل جسمانی حیثیت حاصل ہونا ضروری ہے۔ اسلئے گزشتہ واقعات کی تمام تر پیدائشی ترکیبیں حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی بدرجہ اولیٰ ہونا لازمی ہیں ـــ کہ آپؐ کی جسمانی ترتیب میں۔ ترکیب یحییٰؑ (ماں باپ کا ہونا اور روح سے پیدا ہونا) اور ترکیب عیسیٰ علیہ السلام (ماں کا ہونا ـــ اور جسم کی پیدائش کیلئے حضرت عیسیٰؑ کے بنیادی وجود ـــ نور) سے افضل نور منتخب کر کے بطن آمنہ علیہا السلام میں نفخ ہونا ضروری تھا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج پر بحث سے قبل یہ ضروری ہے۔ کہ واقعات معراج میں پہلے جسم کی ہیئت وکیفیت کو سمجھا جائے۔ ورنہ واقعہ معراج میں جسمانی ہیئت نہ سمجھنے کی وجہ سے شبہات واعتراضات کا پیدا ہونا لازمی ہے ـــ قبل ازیں قرآن نے دانستہ طور واقعہ حضرت موسیٰؑ میں جسمانی طور ملاقات کو ناممکن قرار دیا لَنْ تَرٰنِیْ یعنی معراج جسمانی طور ہرگز ہو نہیں سکتا ـــ دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰؑ کی وجودی ترتیب میں نور کو بنیادی سبب بنا کر۔ نوری وجود کی دلیل دی۔ اور اس وجود کے معراج کو بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے آپؑ کا معراجِ جسمانی ثابت کیا ـــ کہ آپکے نوری وجود کی قوت وحیثیت آسمان سوئم تک ہے۔ اسکے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اگرچہ نوری جسم کی ترتیب کا کوئی بیان نہیں۔ لیکن آپ کو دو خصوصیات سے پکارا گیا ـــ مُحَمَّدٌ۔ یہ روح رحمانی ہے اور اَحْمَدُ یہ روح جسمانی ہے ـــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم مقدس محمد کی تفصیل گزشتہ بیان کی گئی ہے۔ کہ کل کائنات کا وجود محمد (نور محمدیؐ) ہے یہ آپؐ کی روح رحمانی ہے۔ عام انسان کی روح حیوانی ـــ جسم ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح جسمانی اَحْمَدُ ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح جسمانی سے افضل نور آپکی روح جسمانی ہے۔ یہ روح جسمانی ـــ عام انسان کی روح رحمانی کے برابر ہے ـــ لہٰذا اس جسم کی حیثیت بمقابلہ حضرت عیسیٰؑ افضل ہے۔ اور اسی جسمانی حیثیت کے مطابق آپکا معراج ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ ـــ کہ آپکو لَنْ تَرٰنِیْ کا جواب نہیں ملا ـــ کیونکہ اس جسم کی ہیئت نوری ہے۔ اور اتنی عظیم کہ آپؐ نے اپنی جسم کی آنکھوں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تاثرات پائے جاتے ہیں ــــــ اِن کیفیتوں کا تعلق عمل سے نہیں۔ کہ عمل سے کسی کیفیت کو حاصل کیا جائے۔ بلکہ انکا تعلق قلب و ذہن اور روح سے ہے ــــــ غم کسی عمل کا نتیجہ نہیں ــــ اس کیفیت سے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اور اپنے جسم کی زبان سے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا ــــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی معراج کو قرآن نے پیش کیا۔ لیکن احادیث صحیحہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک سے زائد معراج ثابت ہیں جن میں وہ معراج شامل ہیں۔ جنکے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی۔ کہ حضورؐ نے اکثر معراج کا ذکر فرمایا۔ لیکن اسوقت ہم نے انہیں گھر میں موجود پایا ــــ ایسا نہیں ہوا۔ کہ آپ گھر سے غائب تھے۔ اور یہ معراج قرآنی حضرتِ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں واقع ہوا۔ جسکے متعلق روایت ہے۔ کہ معراج کی صبح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امِ ہانی رضی اللہ عنہا سے ذکر فرمایا ــــ آپ نے عرض کی کہ اس واقعہ کا اعلان فرمادیں۔ تو آپ نے اس واقعہ معراج کا مسجد نبویؐ میں اعلان کیا ــــ اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت امِ ہانیؓ کے گھر میں معراج خصوصی قرآنی معراج ہے۔ جسکے متعلق حضرت ام ہانیؓ ہی راوی ہوسکتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں۔ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس رات حجرۂ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں مقیم نہ تھے کہ آپؓ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم غائب ہونے کا علم ہوتا۔ اسکے علاوہ جن معارج کا ذکر حضرت عائشہؓ کی روایت میں ملتا ہے۔ انہیں بھی معراج کہا گیا۔ تو اس معراج کی نوعیت کیا ہے۔ جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو گھر میں موجود پایا گیا۔ اور آپؐ نے معراج کا ذکر بھی کیا ــــ اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ معراج کی تعریف کی جائے ــــ جس میں جسم کا مشاہدہ۔ اور روح کا مشاہدہ کام کرتا ہے۔ وَهَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰیO اِذْ رَاٰنَارًا ــــ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیO اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ج اِنَّکَ بِالْوَادِالْمُقَدَّسِ طُوًی ــــ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ــــ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ج پہلا جسمانی مشاہدہ ہے۔ کہ آپ نے دور سے تجلی الٰہی (صفاتی) کو اپنی آنکھ سے دیکھا ــــ یہ جسمانی آنکھ تھی ــــ اسکے بعد آپ پہاڑ (طور) پر پہنچے تو قریب سے اس تجلی کو دیکھا ــــ لیکن یہ صفاتی نور تھا ــــ ذاتی نور نہیں ــــ جسمانی آنکھ سے نہ صفاتی تجلی دیکھی جاسکتی ہے۔ نہ ذاتی ــــ یہ قانونِ قدرت ہے۔ جسمانی آنکھ صرف ٹھوس مادی کیفیت کا احاطہ کرسکتی ہے۔ اسکے سوا۔ نیم روحانی (لطیف) ذرات۔ آبی ــ ہوائی ــ کا احاطہ بھی نہیں کرسکتی۔ یعنی پانی بھی۔ ذراتِ لطیف کا مجموعہ ہے ــــ ہوا بھی ذراتِ لطیف کا مجموعہ ہے ــــ خون بھی ذراتِ لطیف کا مجموعہ ہے۔ یہ نیم روحانی وجود ہے۔ جو خوردبین کی مدد سے دیکھا جاسکتا ہے۔ براہ راست آنکھ بغیر مدد ان لطیف ذرات کو دیکھ نہیں سکتی ــــ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیتِ جسمانی میں شامل ہے کہ آپ نے نوری تجلی کو آنکھ سے دیکھ لیا۔ لیکن ذاتی تجلی کے مشاہدہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے کہا لَنْ تَرٰنِیْ کہ آنکھ کے ذریعہ ذاتی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جسمانی ہیئت میں کوئی فرق یا نقص واقع نہیں ہوتا ـــــ بلکہ یہ ایک تاثر ہے۔ جس سے قلب و ذہن اور روح متاثر ہوتے ہیں۔ اس تاثر کی کوئی ظاہری شکل نہیں۔ بلکہ ایک روحانی اثر ہے۔ جس سے انسان

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تجلی الٰہی کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا ـــــ اس واقعہ میں دو قسم کے مشاہدات ثابت ہیں۔ ایک دور سے مشاہدہ کرنا ـــــ جبکہ تجلی کے قریب جسم نہیں۔ ایک قریب سے مشاہدہ کرنا۔ جبکہ جسم تجلی کے قریب ہے۔ اول کیفیت صرف مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری کیفیت مرتبہ سے تعلق رکھتی ہے ـــــ تیسرے یہ کہ یہ کیفیت حضرت موسیٰؑ کی خصوصیت جسمانی میں شامل ہے۔ کہ آپؑ نے جسمانی آنکھ سے دور و نزدیک (دو طرح سے) صرف صفاتی تجلی کا مشاہدہ کیا ـــــ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کے صفاتی نور کا مشاہدہ کیا ـــــ آپ کا دور سے مشاہدہ کرنا بمقابلہ حضرت موسیٰؑ بہ اعتبار نوری جسم یقینی ہے۔ لیکن اس مقام پر آپکے نوری جسم کی افضلیت کو صرف مرتبۂ اولیٰ سے ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ یعنی آپ کا جسم نوری مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ نوری مقام میں مرتبہ پانے کے ساتھ اس مقام کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے ـــــ یہ قریبی مشاہدہ مرتبہ کے لحاظ سے ہے ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم افضل الانبیأ نبی ہیں۔ نبی کی صفت جیسا گزشتہ بیان ہو چکا کہ خبر پانا ـــــ خبر سے مراد ـــــ اسرار الٰہی اور ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ ہے ـــــ عام بشر کو یہ مشاہدہ روح رحمانی کے ذریعہ۔ دور سے بھی ـــــ نزدیک سے بھی۔ حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے یہ مشاہدہ بحیثیت بشر ہر انسان کو حاصل ہے۔ جس میں عام انسان اور مخصوص انبیأ یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ مخصوص انبیأ کا اصطفا (انتخاب) انہیں مرتبہ اور مقبولیت کی وجہ سے باقی مخلوقِ انسانی سے ممتاز و افضل قرار دیتا ہے ـــــ اور افضل الانبیأ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت۔ ان تمامی مخلوقِ بشری ـــــ و انبیأ سے بدرجہ اتم افضل ہے ـــــ وہ یہ کہ آپ کو بھی بحیثیت خلیفہ بشر و نبی مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ ذاتِ الٰہی (اسماء) حاصل ہے۔ لیکن عام مخلوق کو روح رحمانی سے ـــــ اور آپ کو روح جسمانی سے ـــــ اس مشاہدہ (خواہ بشری ہو۔ یا انبیأ کا) کو بھی معراج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ معراج کی کیفیت میں۔ دور و نزدیک ـــــ مشاہدہ کرنا ـــــ اور مرتبہ پانا ہے ـــــ یہ کیفیت ایک بشر (عام) کو روح رحمانی کے مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ کہ ایک طرف بشر جسمانی حالت میں اپنے مقامِ ارضی پر موجود ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اسکی روحِ رحمانی منازلِ نورانی سے گزر کر ذات الٰہی کے قریب (فنا فی اللہ) ہو کر مشاہدہ کرتی ہے ـــــ اس مقامِ فنا فی اللہ میں بھی قرب الٰہی کے تصور میں ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی کی ترکیب پائی جاتی ہے ـــــ اسلئے بشری مقامِ فنا و مشاہدۂ ذات الٰہی میں بھی معراج کی سی ترکیب و نوعیت پائی جاتی ہے ـــــ اور مخصوص انبیأ بھی بحیثیت بشر پیدا ہوتے ہیں اور خلیفہ و نبی کی حیثیت میں انہیں بھی روح رحمانی کے ذریعہ مشاہدۂ (اسماء) ذاتِ الٰہی حاصل ہوتا ہے ـــــ اسلئے یہ مشاہدۂ روح رحمانی بھی معراج کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ فرق صرف (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

متاثر ہوتا ہے ــــ اسی طرح خوشی۔خوف۔ندامت۔گریہ۔ہنسی۔غصہ۔نفرت اور محبت کے تاثرات روحانی ہیں ــــ ان کیفیات و تاثرات کا تعلق عمل سے نہیں۔بلکہ عمل کا دارومدار ان کیفیات پر منحصر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اتنا ہے۔کہ انبیاءؑ کو اللہ تعالیٰ نے مصطفےٰ۔رسول ــــ اور مقبولیت کا مقام باقی مخلوقِ بشری سے زیادہ عطا کر کے افضل بنایا ــــ اور انبیاءؑ میں حضرت موسیٰ۔حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو باقی انبیاءؑ پر یہی فضیلت ہے۔کہ ایک کو جسمانی حیثیت میں مشاہدۂ تجلیات صفاتی کا دیا۔ایک کو جسمانی حیثیت نوری بنا کر اسے مشاہدۂ تجلیاتِ صفاتی کا عطا کر کے باقی انبیاء علیہم السلام سے افضل قرار دیا ــــ یہ ہے معراج کی نوعیت۔اب یہ سمجھنا ضروری ہے۔کہ معراج میں مشاہدہ و مراتب کا پانا کس نوعیت سے ہے۔

گزشتہ بھی بیان ہو چکا ہے۔کہ مشاہدہ کی ترکیب یہ ہے۔کہ ہر انسان۔بحیثیت بشر پیدا ہوتا ہے۔بشر سے مراد شکل و صورت کی بناوٹ ہے۔جس میں جسم کی تمام بناوٹ۔دھڑ۔سر۔بازو۔ٹانگیں آنکھ۔کان۔ناک۔زبان ــــ دل و دماغ شامل ہیں ــــ جیسے قرآنی آیت سے ثابت ہے۔فَاَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔پس بھیجا ہم نے حضرت مریمؑ کی طرف ایک روح ــــ نوری ملائکہ ــــ مجسم نور ــــ جو حضرت مریمؑ کے سامنے بشری شکل و صورت میں ظاہر ہوا۔یہاں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔کی ترکیب میں ایک انسانی شکل و صورت اور بناوٹ ہے۔اس سے ثابت ہوا۔بشر سے مراد انسانی بناوٹ یعنی شکل و صورت ہے۔بس ــــ اسکی صفات و خاصیات اسکے بنیادی وجود اور مرکب کے مطابق ہونگی۔جیسے ملائکہ بشری ہیئت میں۔جبکہ اسکا بنیادی وجود نور ہے۔نوری خاصیات و صفات کا حامل ہوگا۔ ــــ جیسے قرآن نے بتایا۔اِنَّمَآ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۔سوائے اسکے نہیں کہ میں بشری شکل و صورت میں انہیں صفات کا حامل ہوں۔جن صفات سے عام انسان مادی نطفہ یا مٹی کے اجزاء کی خاصیات رکھنے والا وجود ہوں ــــ نہیں۔بلکہ میں شکل و صورت میں بشری ہیئت رکھتا ہوں۔مگر صفات و خاصیات میں نوری ہوں ــــ اس کیفیت قرآنی پر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ــــ اب بشر کے مرکب پر غور کرنا ہے ــــ کہ بشر کا بنیادی وجود کیا ہے ــــ جس پر اسکی صفات و خاصیات کا تصور کیا جائے ــــ بشر دو کیفیتوں کا مرکب ہے۔اسکا جسمانی وجود روحِ حیوانی سے ہے۔یعنی بشری وجود سے قبل جبکہ اسکا وجود ظاہر نہ تھا ــــ یہ ایک غیر محسوس وجود روح تھا ــــ یہی اسکی علت یہی اسکا سبب یہی اسکا بنیادی وجود ہے ــــ یہ وجود۔صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ میں موجود تھا ــــ یہی وجود حماءِ مسنون میں قرار کرتا ہے۔حماءِ مسنون سے یہ روح جسم کا لباس پہنتی ہے ــــ اور اس جسم میں شکل و صورت ــــ سر۔آنکھ۔کان۔ناک۔زبان۔دماغ ــــ دھڑ میں سینہ۔سینہ میں دل۔پیٹ میں اعضائے رئیسہ وغیرہ ــــ اسوقت یہ بشر ہے۔اور اس میں دو کیفیتیں پائی گئیں۔ایک روح ــــ ایک مادہ سے حاصل کیا ہوا ٹھوس جسم ــــ روح و جسم۔اسی روح و جسم سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے ـــــ غم ہو تو کسی شے سے جی نہیں لگتا ـــــ کسی کام پر جی نہیں لگتا۔ کسی شے سے دلچسپی نہیں رہتی ـــــ خوشی ہو تو انسان فرحت محسوس کرتا ہے۔ اور ہر شے سے دلچسپی رکھتا ہے ـــــ یہی حال باقی وجدانی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حرکت و عمل ـــــ مشاہدہ متعلق ہیں ـــــ مشاہدہ کیسے ہوتا ہے ـــــ؟ مشاہدہ کیلئے۔ حواس خمسہ ہیں ـــــ اور دماغ کے حصے۔ حصہ بصارت۔ حصہ حرکت۔ واہمہ۔ حافظہ۔ حسِ مشترک (عقل۔ اور شعور) ہیں۔ عقل ہی حواسِ خمسہ سے حاصل کردہ کیفیات کا بذاتِ خود ادراک کرتی ہے ـــــ عقل کی قوت سے ہی کسی شے کے وجود کا علم و احساس مکمل ہو جاتا ہے ـــــ شعور غیر مادی۔ لطیف اشیاً کا ادراک کرتا ہے۔ عقل و شعور دماغ کا لطیف و نرم گوشت کا حصہ ہے۔ جس میں خون برقی لہروں کی شکل میں تبدیل ہوتا ہے۔ یہی برقی قوت ہے۔ جو اصل ادراک کرنے والی قوت ہے۔ یہی برقی قوت روحِ حیوانی سے موسوم ہے۔ جو وجود کے ہر ذرہ میں زندگی کا سبب بنی ہے۔ قوتِ لامسہ میں یہی برقی قوت اصل احساس کی طاقت ہے۔ جس سے ہر مس کی ہوئی کیفیت عقل۔ دماغ تک آناً فاناً پہنچ کر کیفیت کا احساس دلاتی ہے ـــــ اور عقل میں یہی برقی قوت روح احساس و ادراک کرتی ہے۔ اور جب انسان سے یہ برقی قوت (روح) الگ ہو جاتی ہے۔ تو باوجود انسانی جسم موجود ہونے کے۔ انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اور انسان باوجود۔ آنکھ۔ کان۔ زبان۔ مس۔ عقل۔ شعور کی جسمانی ساخت کے حرکت و عمل اور مشاہدہ و ادراک سے عاری ہو جاتا ہے۔ تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان کا حرکت و عمل اور مشاہدہ صرف روحِ حیوانی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ روحِ حیوانی۔ زندگی کو قائم رکھنے۔ اور بجائے خود مشاہدہ کرنے کیلئے ہے ـــــ جسمانی حیثیت میں حواس خمسہ۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان ـــــ مس کیفیات حاصل کرتے ہیں کسی کیفیت کے وجود کا علم آنکھ سے کیا جاتا ہے۔ یہ آنکھ کے ذریعہ مشاہدہ کہلاتا ہے۔ لیکن مشاہدہ کرنے والی قوت بجائے خود روح ہے ـــــ روح ایک مکمل وجود ہے۔ جس میں۔ سمع و بصر۔ عقل و فہم کی قوی قوت پائی جاتی ہے۔ جیسے ملائکہ بغیر مادی آنکھ۔ کان۔ عقل و شعور کے سن سکتے ہیں۔ دیکھ سکتے ہیں۔ سمجھ سکتے ہیں۔ یہی کیفیت روح حیوانی کی ہے۔ آنکھ کی حد سے باہر دور اشیاً ـــــ اور لطیف اشیاً کا ادراک نہیں ہو سکتا ہے ـــــ لیکن روحانی حیثیت میں روح حیوانی اپنی صفاتِ ادراکی کے اعتبار سے بغیر آنکھ و حواس۔ مشاہدہ کی قوت رکھتی ہے۔ لیکن یہ امر اس بات پر منحصر ہے۔ کہ انسانی جسمانی قوتِ جوہری (جس سے اسکا مرکب بنا ہے سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ) پاکیزہ و قوی ہو۔ تو انسان بغیر آنکھ کے دور و نزدیک اپنی روحِ حیوانی سے مشاہدہ کر سکتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا دیکھنے میں نہیں آیا ـــــ کہ کسی وقت آنکھ کے بغیر روحِ حیوانی کسی کیفیت کا مشاہدہ کرے۔ اسکی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ انسانی جسمانی پاکیزگی اور قوت۔ کمزور ہو جاتی ہے۔ جس سے اسکی روح حیوانی بھی کمزور ہو کر مشاہدہ کے قابل نہیں رہتی۔ اسکے برعکس جب انسان تزکیہ نفس سے اپنی جسمانی قوت کو پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ تو وہ بغیر آنکھ کے ہر دور و نزدیک کیفیت کا مشاہدہ کرتا ہے ـــــ تو اصلاً یہ مشاہدہ انسان کی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیفیتوں کا ہے۔ نفرت ہو تو کسی شے سے تعلق نہیں رہتا ـــــ محبت ہو تو ہر شے سے دلچسپی رہتی ہے۔ ان تمام وجدانی کیفیتوں میں۔ نفرت اور محبت اہم خصوصیت کی حامل ہیں۔ جن پر انسانی عمل کا دار و مدار

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) روحِ حیوانی کرتی ہے۔ اور حواس صرف حصولِ علم کا ذریعہ ہیں ـــــ البتہ روحِ حیوانی کی وسعت اور مشاہدہ ایک حد تک متعین ہے ـــــ یہ عالمِ مادی کی ہر مجسم اور غیر مجسم کیفیت کا ادراک کر سکتی ہے۔ یہ روحِ حیوانی صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ناری وجود کی جز ہے۔ اسلئے جہاں تک ناری وجود کی وسعت ہے یہ ان کیفیاتِ ناری کا بھی مشاہدہ کر سکتی ہے جو کائنات میں ناری حیثیت۔ سورج۔ چاند۔ ستاروں کی شکل میں پائے جاتے ہیں ـــــ ناری فضا کے آگے ـــــ نوری فضا پائی جاتی ہے۔ نوری فضا تک اسکی وسعت نہیں۔ تاوقتیکہ خوردبین کی طرح اِسے کسی قوت کی مدد و ذریعہ حاصل نہ ہو ـــــ انسان میں چونکہ روحِ رحمانی بھی ہے۔ اسکی وسعت تمام نوری فضاؤں ـــــ آسمانوں۔ آسمانوں سے آگے نوری ماحول تا ذاتِ الٰہی ـــــ پائی جاتی ہے ـــــ یہی روح رحمانی ہے۔ جو ذات الٰہی تک رسائی حاصل کر کے تمام عالم نورانی کا ادراک کرنے کا ذریعہ ہے۔ روحِ رحمانی اور روح حیوانی کا مشاہدہ کیلئے ایک رابطہ ہے کہ جو کیفیت روح رحمانی حاصل کرتی ہے۔ اسکا عکس روح حیوانی پر آتا ہے۔ تو اسی ترتیب سے انسان عالم نورانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہی ترکیب عالم نورانی ـــــ اسرار الٰہی ـــــ ذاتِ الٰہی ـــــ اور معراج میں مشاہدہ کرنے کی ہے۔ یہ مشاہدہ۔ یہ معراج بغیر روحِ رحمانی کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی ترکیب مشاہدہ پر۔ قرآنی واقعاتِ معراج کا انحصار ہے۔ کہ ناری روح حیوانی آنکھ کے ذریعہ۔ یا بغیر آنکھ کی مدد کے بجائے خود۔ تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ نہیں کر سکتی لَنْ تَرَانِیْ۔ اسی حیثیت میں ہے۔ کہ روحِ حیوانی سے اللہ کی ذات کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ آنکھ اور روحِ حیوانی کے ذریعہ اللہ کی ذات کا ادراک نہیں کیا جا سکتا ـــــ لَنْ تَرَانِیْ اسی حیثیت میں ہے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی خصوصیت میں یہ کیفیت شامل ہے کہ آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی نوری تجلیاتِ صفاتی کو روح حیوانی سے دیکھا ـــــ یہ قوت عام بشری قوتوں سے روح حیوانی کی قوی ترتھی جو عام بشر کو حاصل نہیں ـــــ

یہی ترتیب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ و معراج میں پائی جاتی ہے۔ کہ آپکی روح جسمانی (روح حیوانی) بشری اعتبار سے عام بشری روح حیوانی سے افضل ہے ـــــ اسکی ہیئت عام بشری روح رحمانی کی سی ہے۔ اسلئے بجائے خود یہ روح دور سے ذاتِ الٰہی تک مشاہدہ کر سکتی ہے۔ اس مشاہدہ سے وہ معراج متعلق ہیں جن میں آپکا وجودِ مقدس گھر سے غائب نہ تھا ـــــ اور خصوصی واقعہ معراجِ قرآنی کی نوعیت ان مشاہدات و معارج سے الگ ہے۔ کہ آپؐ کی روح جسمانی اسی طرح پرواز کرتی ہے جسطرح عام بشری روح رحمانی ذات الٰہی تک مراتب حاصل کر کے مشاہدۂ ذاتِ الٰہی کرتی ہے۔ آپؐ کی روح جسمانی ذات الٰہی تک پرواز کرتی ہے۔ البتہ اس پرواز میں دو خصوصیات خاصتاً پائی جاتی ہیں ـــــ ایک یہ کہ جسم ایک الگ وجود ہے ـــــ اور روح الگ وجود۔ جسم بذاتِ خود مشاہدہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے ــــ نفرت کا تاثر یہ ہے۔ کہ ہر شے سے دوری اختیار کی جاتی ہے ــــ اور محبت کا تاثر یہ ہے۔ کہ ہر شے کے قریب ہوا جاتا ہے۔ ان دو کیفیتوں میں محبت اصل کیفیت ہے۔ جو باقی جملہ وجدانی تاثرات

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) نہیں کرتا۔ نہ پرواز کرتا ہے۔ اصل شے روح حیوانی ہے۔ جو جسم کے بغیر ایک الگ وجود کی حیثیت رکھتی ہے۔ کہ موت پر روح جسم سے الگ ہو کر دو وجودوں کی صورت میں ہو جاتے ہیں ــ اسلئے مشاہدہ و معراج میں جسم سے الگ ہو کر روح جسمانی پرواز کرے تو اس حالت میں بھی جسم گھر میں موجود رہ سکتا ہے۔ لیکن اس قرآنی واقعہ معراج میں ایک یہ خصوصیت ہے۔ کہ روح جسمانی کے ساتھ جسم بھی پرواز کرتا ہے۔ یہ کیفیت صفتِ اَحْمَد سے تعلق رکھتی ہے ــ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم احمد ہیں۔ آپؐ نے جس قدر اپنے معبود کی عبادت۔ تسبیح وحمد۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ رجوع الی اللہ قائم رکھا۔ کہ تزکیہ مجاہدہ سے آپکا جسم بھی روحی (روح رحمانی) حیثیت حاصل کر گیا کہ آپؐ نے اپنی تمام ہیئت کو نوری ہیئت میں لایا ــــ اولاً آپؐ کے جسم کا بنیادی وجود بھی۔ مثل حضرت عیسیٰؑ نوری ہے ــــ لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ و منصوبہ کے تحت آپکو عام بشری ترتیب میں پیدا کیا گیا۔ جس میں مادی کثیف آلائشوں سے وجود کی ساخت ہوتی ہے ــــ اسلئے آپؐ کو عام بشری حیثیت میں پیدا کیا گیا اور دوبارہ اپنی نوری قوت کو مادی کثیف آلائشوں سے پاک کرنا۔ آپؐ کے محنت وریاضت۔ تزکیہ و مجاہدہ پر منحصر کیا گیا۔ یہی عظیم۔ وانتہائی ــــ شدید عمل اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً کے حکم میں شامل ہے۔ کہ شدید محنت وریاضت سے اپنی جسمانی ساخت کو پھر سے روحانی ہیئت میں لانا ــــ اسی کمال و خصوصیت کو ــــ احمد کی صفت سے پورا کیا گیا ــــ اسی احمد کے تصور میں یہ معراج قرآنی ہے۔ کہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کہ آپؐ نے اپنے جسم کو بھی بمنزلہ روح رحمانی بنایا ــــ اور اس جسم کی خاصیت یہ ہے۔ کہ یہ جسم ذات الٰہی تک مراتب حاصل کر کے واصل الی اللہ ہو گیا۔ جو خصوصیت کسی نبی کو حاصل نہیں۔ یہ خصوصیت عظیم ہے۔ اسی خصوصیت سے آپؐ نے بیت المقدس میں تمام انبیاءؑ کی روح رحمانی کی اپنی جسمانی ہیئت میں امامت کر کے افضل الانبیاءؑ کی حیثیت حاصل کر لی۔ بیت المقدس میں آپ کا امامت کے مقام پر کھڑا ہونا اسی کیفیتِ معراج و مشاہدہ کی دلیل ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مطہر تمام انبیاءؑ کی روح رحمانی سے افضل ہے۔ اسی تصور میں آپؐ کے بشری جسم کو نوری تصور کیا جاتا ہے۔ اسی صفت سے آپؐ تمام کائنات کی عظیم فضیلتوں سے افضل مقام حاصل کئے ہوئے ہیں۔ یہی کیفیت احمد سے تعبیر ہے۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ۔

چونکہ واقعہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی افضلیت کا اظہار کرنا تھا ــــ اسلئے اَسْرٰی ــــ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک آپ کا جانا ایک اضافی کیفیت تھی ــــ ایسا کرنا ارادۂ الٰہی کے تحت تھا۔ کہ پہلے جسم کے انتقال کیلئے ظاہری ثبوت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی محرک و معاون ہوتی ہے ـــــ محبت پر ہی انسانی عمل کا اصل دار و مدار ہے ـــــ انسانی عبادت۔ تسبیح و حمد ـــــ تصور۔ مشاہدہ میں بھی اسی محبت کا تاثر شامل رہتا ہے ـــــ محبت کو عربی میں حب کہا جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پیش کیا جائے۔ تا کہ ہر شخص عقلی طور اس کیفیت کو سمجھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی افضلیت تسلیم کرے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کے جو واقعات کفار کو بتائے وہ بالکل صحیح ثابت ہوئے اسطرح ہر شخص یہ ماننے پر مجبور ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم امین و صادق ہیں اسلئے آپ کا فرمانا بالکل سچ ہے ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ـــــ کہ تمام انبیاءً سے بیت المقدس میں ملاقات کرائی گئی۔ یہ تمام انبیاءً کی روح رحمانی کی ہیئت تھی ـــــ قبروں میں دفن وجود (روح حیوانی)± نہ تھی۔ کیونکہ روحِ حیوانی۔ ایک شہوانی قوت ہے۔ روحِ رحمانی اسکے مقابل نوری اور افضل قوت ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ کا مقصود بھی یہی تھا کہ اس حالت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاءً اور حضرت عیسیٰؑ کی روحانی افضلیت سے بھی اونچا مقام جسمانی طور حاصل ہو ـــــ اسلئے ایک اور اضافی کیفیت کا صدور بھی ہوا ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر نبی سے ملاقات کی ـــــ اس ملاقات کی نوعیت یہ تھی۔ کہ ایک طرف تمام انبیاءً کی روح رحمانی مخاطب ہے۔ دوسری طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم بہ جسم مخاطب ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مرتبہ و حیثیت کے اعتبار سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اور انبیاءً کی روحِ رحمانی (روحانی جسم) ایک ہی کیفیت ہیں ـــــ اسکے ساتھ ہی ـــــ جبرائیل امین نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد کے منبر پر لا کر عرض کی کہ آپؐ ان تمام انبیاءً کو نماز پڑھائیں ـــــ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم امامت کے مقام پر آئے ـــــ اور تمام نبی اقتدا کے مقام پر صف بستہ کھڑے ہو گئے ۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ قرآن نے اس واقعہ کو بھی دانستہ طور پیش کیا۔ تا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و افضلیت تمام انبیاءً پر ثابت ہو ـــــ ورنہ بغیر بیت المقدس جانے۔ اور انبیاءً سے ملاقات کرنے کے بھی معراج ہو سکتا تھا ـــــ اس نماز میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم جسمانی طور امام بنے اور تمام انبیاءً (جن میں حضرت آدم۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت اسماعیل۔ حضرت یعقوب۔ حضرت یوسف۔ حضرت سلیمان۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت یحییٰ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ در حاشیہ ± واقعہ معراج میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے ـــــ جو حضرت موسیٰؑ کی روح حیوانی (قبر) سے متعلق ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَتَیْتُ مُوْسٰی لَیْلَۃَ اَسْرٰی بِہٖ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَھُوَ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم شب معراج (اسریٰ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے۔ آپ اپنی قبر میں لال ٹیلے کے قریب نماز ادا کر رہے تھے۔

اسکا تعلق قلب وذہن اور روح سے ہے۔ بہ الفاظ دیگر محبت ایک ایسی کیفیت ہے جو انسانی روح میں سما کر قلب وذہن میں لطافت پیدا کرتی ہے۔ ایک مستی و بے خودی کا اثر ہے جو قلب وذہن پر طاری ہو جاتا ہے ـــــ اس بے خودی و مستی میں انسان جو عمل کرتا ہے ـــــ وہ حقیقی عمل کہلاتا ہے ـــــ

انسانی عمل میں ـــــ عبادت ـــــ تسبیح وحمد ـــــ مشاہدہ وتصور خصوصی عمل ہے ـــــ اس عمل میں۔ قلب وذہن کا سکون ـــــ یکسوئی ـــــ استغراق لازمی چیزیں ہیں ـــــ بغیر ان کیفیتوں کے عمل خالص نہیں ہوسکتا ـــــ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ۔ ذکر کر اپنے رب کا اور علیحدہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)۔ حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں) نے روح رحمانی کے وجود میں مقتدی کی حیثیت میں آپکے پیچھے نماز ادا کی ـــــ اس واقعہ اضافی سے یہ ثابت کرنا تھا ـــــ کہ تمام انبیاءؑ کا وجود روح رحمانی ـــــ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم روح رحمانی ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ نبوت (محمد) کے اعتبار سے تمام انبیاءؑ کی جملہ خصوصیاتِ نبوت۔ رسالت مُحَمَّدُ کی جز ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کل کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم جسمانی حیثیت میں بھی تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں ـــــ اسطرح آپؐ نے یہود ونصاریٰ کے تمام نظریات کی رد فرمائی۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کے مشاہدات بیان فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود اسکی تصدیق فرمائی مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ ـــــ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۙ ۔ تمہارا دوست اللہ کے راستہ پر بجسم گامزن ہوکر میری ذات سے ملا ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۸۔۹) پس آپؐ میرے اتنے نزدیک ہوئے۔ کہ میری تجلی میں سما گئے ـــــ پس تھا فرق درمیان میں فرق اتنا ـــــ جتنا تیر چلاتے وقت کمان کھینچنے میں کمان کے دوسروں کے درمیان ہوتا ہے ـــــ بلکہ اس سے بھی تھوڑا کہ مل جاتے ہیں۔ یعنی بالکل قریب ـــــ

بلا شبہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہ جسم میری ذات سے واصل ہوئے ـــــ اس صورت میں۔ کہ جو کچھ آپؐ نے دیکھا ہوش وحواس کی قائمی میں۔ آپ پر مثل موسیٰ۔ نہ غش آیا ـــــ نہ دماغ بہکا ـــــ آپ عقلِ کل ہیں۔ اسلئے یہ دماغ مختل ہونے والا نہیں۔ نہ بہکنے والا ہے۔ جو کچھ آپؐ نے مشاہدہ کیا حق ہے ـــــ یہ تمام عروج صرف رات کے ایک قلیل وقفہ میں ہوا۔ اتنے وقفہ میں کہ حضورؐ کے واپس گھر میں داخل ہوتے وقت دروازہ کی کنڈی ـــــ ابھی ہل رہی تھی ـــــ اللہ تعالیٰ کا واقعہ معراج بیان کرنے کا اصل مقصد صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی (احمد) فضیلت کا اظہار کرنا تھا۔ جسکے بعد کسی نبی کی فضیلت کی گنجائش باقی نہیں رہتی ـــــ یہ تمام فضیلت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صفتِ احمدی ـــــ ذاتی جہد وعمل ـــــ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ تسبیح وحمد اور تصور ذاتِ الٰہی سے حاصل ہوئی ـــــ

ہر ماسویٰ سے علیحدہ ہونا ـــــ ایسا کہ ہر ماسویٰ اللہ کا تصور وخیال قلب وذہن سے محو ہو کر ایک اللہ کا تصور واستغراق باقی رہ جائے۔ اس ترکِ ماسویٰ کیلئے۔ جذبۂ حُب کے اثر سے ہی ـــــ سکون ـــــ یکسوئی ـــــ محویت واستغراق پیدا کیا جا سکتا ہے ـــــ یہ حب کا جذبہ صرف احساسِ عبدیت سے پیدا ہوتا ہے۔ عبدیت ـــــ عبد کے تصور میں پائی جاتی ہے۔ عبد عجمی میں اس غلام کو کہا جاتا ہے ـــــ جو اپنی ذات پر کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ بلکہ اپنے آپ کو اپنے آقا کی ملکیت سمجھ کر اپنے تمام ارادوں کی نفی کرتا ہے ـــــ اور اپنے آقا کے ہر حکم کی تعمیل بغیر کسی معاوضہ کے پرخلوص طریقہ پر کرنے کیلئے ہر لمحہ مستعد رہتا ہے ـــــ اسی عبدیت کے احساس کو حب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ۔ انسانیت۔ خلافت کا عظیم مظاہر اور عظیم مقام خلافت ہے۔ جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خلیفہ پیدا کرنے کا ارادہ کیا ـــــ یہ مقامِ عبدیت حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صفتِ احمدی کے تابع حاصل ہے ـــــ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ محمد کیا ہیں نبی ـــــ نبی کے تصور میں خلیفہ ـــــ مقامِ خلافت ـــــ مقامِ خلافت ہی عَبْدُہٗ سے تعبیر ہے۔ اس لئے ہر انسان ـــــ خلیفہ ـــــ نبی کو عبد کہا گیا۔ کہ انہیں مقامِ خلافت پر فائز کیا گیا۔ کہ انسان اپنے آپ کو اپنے خالق کی ملک سمجھ کر اس کی تسبیح۔ بلا معاوضہ ـــــ پرخلوص ـــــ اور محویت واستغراق کے ساتھ اسکا تصور ومشاہدہ کرے ـــــ یہ تسبیح وحمد ـــــ کائنات کے افضل نبی ـــــ خلیفہ ـــــ احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے کی اسلئے اللہ تعالیٰ نے احمدی صفت کے اعتبار سے ہی۔ اپنے حمد کرنے والے کی تعریف میں عبد کا خطاب پسند کیا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ـــــ اس خطاب کے مقابلہ میں نہ نبی کا خطاب آیا ـــــ نہ رسول کا خطاب آیا۔ حالانکہ عام تصور سے ہر انسان کو عبد کہا جاتا ہے ـــــ اور اسکے مقابلہ میں۔ نبی ورسول کے خطاب کو افضل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقی معنوں میں ان تمام خطابات ـــــ مقامات سے افضل مقام عبد کا ہے۔ اور عبد میں خلیفۂ ارض کے تمام عبدوں میں مُحَمَّدًا وَاَحْمَدًا عَبْدُہٗ کا مقام افضل ترین قرار دیا جاتا ہے۔ یہی حُب ہے جو صفتِ احمدیؐ ہے ـــــ یہی حُب ہے جو آپؐ کا عمل ہے ـــــ آپکا عمل حُب ہے۔ رسالت سے قبل آپ کا یہی عمل رہا ـــــ جنگلوں کی تنہائیوں میں ایک خالق کی تلاش وتصور میں یہی عمل ہے ـــــ تلاش میں جستجو ـــــ جستجو میں انہاک ـــــ انہاک میں استغراق ـــــ استغراق میں جذبۂ حب ـــــ یہ ایک روحانی تاثر ہے۔ جسکی تعریف کسی شکل میں نہیں

کی جاسکتی ـــــ البتہ اسے ایک درد کہا جاسکتا ہے۔ جو قلب پر طاری رہتا ہے ـــــ اور قلب تلاشِ حق میں تڑپتا رہتا ہے ـــــ اس تڑپنے میں ـــــ سوز ہے ـــــ اس سوز میں ایک لذت ہے۔ جو کائنات کی خوبصورتی ـــــ ذاتِ الٰہی کی خوبصورتی سے مثلِ شعاع اُٹھکر قلب کی گہرائیوں میں سما کر ـــــ روح پر ایک لذت کا تاثر پیدا کر کے۔ بے خود کر دیتی ہے ـــــ جسطرح سماع میں۔ ترنم کی آواز کی لہر کانوں کے ذریعہ خون میں سما کر روح کی حرارت کو تیز کر کے قلب کی حرارت پر اثر انداز ہو کر دماغ پر دباؤ ڈال کر اسے بے خود کر کے ایک خوبصورت تصور میں ذہن و قلب کو محو و بے خود کر دیتی ہے ـــــ اسی طرح ـــــ کائنات کی خوبصورتی (حسن) ذاتِ الٰہی کے حسن ـــــ سے لہر اُٹھکر قلب و ذہن (روح) پر اثر انداز ہو کر محویت و بے خودی طاری کر دیتی ہے ـــــ اور روح محوِ دیدار ہو جاتی ہے ـــــ اسی محویت کا نام عملِ صالح ہے ـــــ اسلئے عمل بغیر حب کامل نہیں ـــــ یہی عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبل از رسالت رہا ـــــ رسالت سے بعد قرآن نے آپ کے عمل کا خود ذکر کیا ـــــ اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَه' وَثُلُثَه' وَطَآئِفَة'' مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ط اللہ جانتا ہے۔ آپ عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ رات کو تین حصہ رات یا کبھی نصف حصہ رات ـــــ کبھی تیسرا حصہ رات ـــــ اور ایک مخصوص جماعت بھی آپؐ کے ساتھ اس عمل میں شریک ہو جاتی ہے ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا رات کو جاگنا اور عبادت کرنا۔ صرف جذبۂ حب کے تحت تھا۔ آپؐ اکثر راتوں میں نماز ادا کرتے ـــــ نماز میں اسقدر کثرت فرماتے۔ کہ کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا ـــــ یہ کثرتِ عبادت صرف جذبۂ حب اور تصورِ ذاتِ الٰہی کے تحت ہی تھی ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے ـــــ

عَنْ عَلِيّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنَّتِهٖ فَقَالَ اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ الْمَالِیْ۔ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ۔ وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ۔ وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ وَذِکْرُاللّٰهِ اَنِیْسِیْ۔ وَالثِّقَةُ کَنْزِیْ۔ وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ۔ وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ۔ وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ۔ وَالرِّضَا غَنِیْمَتِیْ۔ وَالْعِجزُ فَخْرِیْ۔ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِیْ۔ وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ۔ وَالصِّدْقُ شَفِیْقِیْ۔ وَالطَّاعَةُ حَسْبِیْ۔ وَالْجِهَادُ خُلُقِیْ۔ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ (کتاب الشفاء)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ۔ کہ آپ ؐ کا طریقہ (طریق نبوت ورسالت) کیا ہے ۔۔۔؟ پس فرمایا آپ ؐ نے معرفت (عرفانِ الٰہی) میرا راس المال (پونجی ۔ مقصود) ہے ۔ عقل میرے دین کی اصل ہے ۔۔۔ محبت میری بنیاد ہے (میں حب سے پیدا ہوا ہوں) ۔ شوق میری سواری ہے ۔۔۔ ذکر الٰہی میرا انیس ہے ۔۔۔ اعتماد میرا خزانہ ہے ۔۔۔ حزن (غم) میرا رفیق ہے ۔۔۔ علم میرا ہتھیار ہے ۔۔۔ صبر میرا لباس ہے ۔۔۔ رضا میری غنیمت ہے ۔۔۔ عجز میرا فخر ہے ۔۔۔ زہد میرا حرفہ (عمل یا کسب) ہے ۔۔۔ یقین میری قوت ہے ۔۔۔ صدق میرا ساتھی ہے ۔۔۔ طاعت کرنا میری عزت ہے ۔۔۔ جہاد میرا اخلق ہے ۔۔۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۔۔۔ (سب سے زیادہ پسندیدہ عمل میری نماز ہے) ۔

اس حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ طریق کی تمام کیفیتیں بیان ہوئی ہیں ۔ جو کہ ایک نبی ورسول کیلئے ہونی چاہئیں ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے شوق ۔ عرفان ۔ علم ۔ زہد ۔ طاعت اور نماز ۔ جیسے اعمال حسنہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ آپ ؐ کے پسندیدہ مشاغل کیا تھے ۔۔۔ ذکر اللہ ۔۔۔ شوق ۔۔۔ زھد ۔۔۔ عرفان ۔۔۔ علم ۔۔۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قبل از رسالت بھی شغل تھا ۔۔۔ اور رسالت کے بعد آپ ؐ کے پسندیدہ مشاغل جاری رہے ۔ لیکن تبلیغ رسالت کی مصروفیت میں آپ کو پورا وقت میسر نہ ہو سکا کہ اپنے پسندیدہ مشاغل کو پورا کرتے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً آپ کے پسندیدہ اشغال کو جاری رکھنے کیلئے ایک خاص طریق عبادت مقرر کیا ۔۔۔

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ط وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ط عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْکُمْ فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی لا وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ لا وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ لا وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۲۰) تحقیق اللہ جانتا ہے ۔ کہ آپ باوجود تبلیغی مصروفیات کے رات کو عبادت میں کھڑے رہتے ہیں ۔۔۔ رات کا نصف حصہ ۔ کبھی تیسرا حصہ آخری کم یا زیادہ ۔۔۔ اور آپ کے ساتھ آپ ؐ کے تابعین میں سے ایک

مخصوص جماعت بھی۔ آپؐ کی پیروی میں رات کی عبادت میں مشغول رہتی ہے ـــــ میں جانتا ہوں۔ آپؐ کے لئے یہ شدید مشقت ہے۔ اللہ رات اور دن کی کیفیت جانتا ہے۔ کہ دن کو آپ تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں ـــــ اور آپکی جماعت اس شدید مشقت کی مستقلاً متحمل نہ ہوگی ـــــ اور ان پر زیادہ مشقت آ پڑیگی ـــــ پس میں توجہ کرتا ہوں رعایت کی تم پر فَتَابَ عَلَيْكُمْ پس پڑھو (عبادت و ذکر کرو) اتنا جتنا تمہارے لئے آسان ہو۔ میں جانتا ہوں۔ کہ تم میں سے بعض بیمار ہونگے ـــــ تو دن اور رات کی شدید مشقت (عبادت) تمہارے لئے تکلیف دہ ہوگی ـــــ اور تم میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو دن بھر محنت و مزدوری۔ تجارت کی مصروفیت کے باعث تھک جائینگے۔ ان کے لئے رات کا جاگنا تکلیف دہ ہوگا ـــــ اور ایسا بھی وقت ہوگا کہ تم لوگ جہاد میں شامل ہوگے۔ رات دن کے قتال و جہد میں رات کی عبادت تمہیں تکلیف پہنچانے والی ہوگی ـــــ کیونکہ تم نے ہر حال میں اس شوق کو پورا کرنا ہے ـــــ پس میں تمہارے لئے رعایت چاہتا ہوں ـــــ کہ تم جتنا آسانی سے ہوسکے۔ تسبیح و عبادت میں مشغول رہو (باقی حصہ سو کر آرام کرو) ـــــ اور دن کی مقرر کردہ نماز پوری کرو ـــــ اور (اپنی جانوں کی تکلیف یا مشقت کے عوض) زکوٰۃ دو ـــــ اور یہ بھی بہتر عمل ہے کہ کسی محتاج کو اسکی حاجت پوری کرنے کیلئے کچھ دو۔ اس صورت پر کہ اس سے واپس لینے کا خیال نہ رکھو جب تک کہ وہ خود تمہیں ادا نہ کرے ـــــ یہ قرض گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں تمہاری عبادت اگرچہ مقدار میں کم ہوگی۔ مگر اللہ کے نزدیک اس کا اجر اللہ کے پاس عظیم جمع ہوگا ـــــ تم اپنی عبادت میں خلوص پیدا کرو تم بغیر کسی اجر و معاوضہ کی امید کے عبادت کرو۔ تو جو کچھ تم ایسی بے غرض عبادت سے میری طرف بھیجو گے تو اسکے بدلے میں قیامت کے دن اجر عظیم پاؤ گے ـــــ جبکہ تمہارا عمل دنیا کیلئے نہیں بلکہ آخرت کیلئے ہوگا۔ کیونکہ ـــــ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ'' وَّلَهْوٌ'' ـــــ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ'' ـــــ عِنْدَ اللّٰهِ سوائے اسکے نہیں۔ کہ یہ دنیا دار الجزاء نہیں۔ صرف دار العمل ہے۔ اور دنیا کی تمام آسائشیں۔ اور خواہشات وقتی۔ فانی اور غیر مستقل ہیں۔ البتہ قیامت کا گھر دائمی ہے ـــــ جہاں تمہارا قیام دائمی ہے ـــــ اس جہاں میں تمہیں آسائش کی ضرورت رہیگی ـــــ اور اس گھر کی آسائش تمہاری دنیا کے عمل پر ہی منحصر ہے۔ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ۔ تمہارے لئے وہی سرمایہ آخرت میں ہوگا۔ جو تم نے دنیا میں اپنے عمل سے حاصل کیا ہوگا ـــــ اور

میرے نزدیک آخرت کے گھر کی آسائش ہی مقدم ہے ــــ اسلئے وَمَاتُقَدِّمُوْالِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًاط جو کچھ تم اپنے پُرخلوص عمل سے بھیجو گے اللہ سے آخرت میں پاؤ گے ــــ یہ بہتر عمل ہے۔ اور عظیم اجر کا حامل عمل ــــ! اور ــــ نماز ــــ زکوٰۃ کے ساتھ وَاسْتَغْفِرُو اللّٰهَ۔ گزشتہ کی بداعمالیوں سے محفوظ رہنے کیلئے۔ اپنے ارادے۔ اور عادتیں پختہ کرو ــــ تاکہ دوبارہ تم خطا کے مرتکب نہ بنو ــــ اس عمل کیلئے اللہ سے مدد مانگو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ع تم مجھ سے گزشتہ کمزوریوں کی اصلاح طلب کرو ــــ تو میں تمہاری مدد کرونگا۔ تمہارے دل میں نیکی القا کرونگا ــــ تحقیق اللہ درگزر کرنے والا اور بے شمار نعمتیں عطا کرنے والا ہے ــــ

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عبودیت اور آپ کے پیروں کی عبادت پر جو صرف انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پرخلوص محبت کے جذبہ کے تحت اپنائی ــــ ان سے خوش ہوا۔ اور اپنی طرف سے رعایت دی۔ کہ بے غرض۔ پرخلوص ــــ اور محبت کے جذبہ سے پُر ــــ تھوڑی عبادت عظیم اجر کی حامل ہے ــــ پس تھوڑی عبادت کرو ــــ اور جسم پر زیادہ مشقت نہ ڈالو ــــ تجارت بھی کرو۔ مزدوری بھی کرو ــــ اگر رزقِ حلال کی تلاش میں وقت زیادہ صرف ہو ــــ اور عبادت کیلئے وقت کم میسر ہو۔ تو کثرتِ عبادت کا تصور چھوڑ دو اور اسی طرح کثرتِ عبادت سے جسم کو تکلیف نہ پہنچاؤ ــــ جبکہ تمہارا اپنی جانوں کو تکلیف پہنچانے میں بھی۔ خلوص اور محبت ہی کا جذبہ کارفرما ہے ــــ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ اپنی عبادتوں میں جتنا آسانی سے ہو سکے کرو۔ باقی اللہ غفور الرّحیم ہے ــــ یہ تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور انکے مخصوص تابعین کیلئے عبادت کا تعین ــــ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ عمل اور حفاظتِ نبوت و رسالت کیلئے مزید احکام صادر فرمائے ــــ اس عمل سے مقصود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس کو ایک شدید محنت کے ذریعہ مقام اعلےٰ عطا کرنا بھی تھا۔

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ لا قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ لا نِّصْفَهٗٓ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ اَوْزِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ ط اے صاحبِ ردا (کملی) اٹھ رات کو ــــ مگر تھوڑا ــــ رات کا آدھا ــــ یا اس سے تھوڑا کم ــــ یا نصف سے کچھ زیادہ (تجھے اختیار ہے) اور آہستہ آہستہ پڑھ قرآن (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳

آیت ا تا ۴) ۔ اے کملی اوڑھے نبی ـــــ! اٹھ رات کو ـــــ پہلی آیت میں قرآن نے بتایا۔ اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ ۔ کہ آپ رات کو جاگ کر کثرت سے عبادت کرتے ہیں۔ پس اس عبادت کو مختصر کرو ـــــ اس آیت میں حکم ہے رات کو اٹھکر قرآن پڑھنے کا ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریف میں یہ بات شامل تھی ۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں راتوں کو مصروف رہتے تھے۔ پھر آپ کیلئے ایسے حکم یَآ یُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمْ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی اور پھر قُمِ الَّیْلَ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ کہ آپ رات کو جاگا کریں ـــــ ایسی صورت میں اس آیت میں ایسا ہی تصور لیا جائیگا ـــــ کہ آپ سوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جاگنے کا حکم دیتا ہے۔ مگر قرآن یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ آپ رات کو کثرت سے جاگتے ہیں۔ تو ان دو تصورات میں تضاد محسوس ہوتا ہے۔ کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود راتوں کو جاگتے ہیں تو پھر آپ کو کیوں حکم دیا گیا کہ آپ رات کو جاگیں۔

عقلِ سلیم سے اِن آیات پر غور کیا جائے تو یہ تضاد خود بخود ختم ہو جاتا ہے ـــــ کہ یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ میں "کملی اوڑھنے" میں سونے کے تصور سے ماسوئی۔ ایک خاص تصور ہے ـــــ جیسے بعض قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یٰسین۔ مدثر۔ یَآاَیُّھَاالنَّبِیُّ۔ طٰہٰ ـــــ خصوصی معزز خطابات سے پکارا ہے۔ انہیں خطابات میں مُزَّمِّلُ بھی ایک خوبصورت ادا کی کیفیت ہے ـــــ اس خوبصورت ادا کو صرف وہ لوگ سمجھتے ہیں۔ جنہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے انتہائی عشق ہے۔ اور انہیں آپ کی ہر ادا محبوب تھی ـــــ جیسے امہات المومنین رضی اللہ عنہن حضورؐ کے جسمِ اطہر سے پسینہ کے قطروں کو شیشی میں جمع کرتی تھیں ـــــ جیسے حضورؐ کے روئے منور پر پسینہ کے قطروں کو موتی سے تشبیہ دی جاتی تھی ـــــ جسطرح آپکی رفتار پر صحابہ جان فدا کرتے تھے۔ جیسے آپکی گفتار پر اصحاب جان نچھاور کرتے تھے ـــــ اسی طرح آپ کی ہر ادا خوبصورت تھی ـــــ اسی طرح آپکے دوشِ مقدس پر سیاہ ردا (کملی) ایسے لگتی تھی جیسے سیاہ بادلوں میں چمکتا سورج اور اہل عرب لطیف۔ حساس دل رکھنے والے تھے۔ عشق و محبت کی نزاکتوں سے انکے قلوب میں بے خودی و وجدان کے تاثرات موجزن تھے۔ وہ ادیب بھی تھے۔ شاعر بھی تھے۔ خوش الحان قاری بھی تھے۔ انکے جذبات لطیف تھے۔ وہ ہر خوبصورت ادا سے متاثر ہوتے تھے۔ اسی لئے وہ اُمّی حالت میں شاعر تھے۔ اصحاب کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ادا۔ کہ آپ کے دوش

مبارک پر سیاہ کملی ـــــ اور سیاہ کملی اوڑھے۔ چہرہ منور کو دیکھنا۔ فریفتگی کا عجیب عالم تھا ـــــ اسی حسن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پیارے نام سے پکارا ـــــ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۔ جیسے ایک شفیق باپ اپنے لختِ جگر کو نیند سے بیدار کرنے کیلئے۔ اس بات کا خیال رکھتا ہے۔ کہ میرے بیٹے کی میٹھی نیند سے بیدار ہونے سے طبیعت مکدر نہ ہو تو باپ بیٹے کو پیارے نام سے پکارتا ہے ''چاند اٹھو'' ـــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کی محبوب ترین ہستی کو مُزَّمِّلُ [1] کے خوبصورت نام سے پکارا ـــــ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیلاً ۔ اٹھ رات کو مگر تھوڑا ـــــ اس حکم میں بھی ایک لطیف شفقت پیار کا تصور ہے۔ کہ اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ ۔ اللہ جانتا ہے۔ کہ آپ رات کو عبادت کیلئے اٹھتے ہیں اور اتنا طویل قیام فرماتے ہیں کہ پائے مبارک میں ورم آ جاتا ہے۔ اسلئے کہا اے مزمل اٹھ مگر زیادہ نہیں تھوڑا ـــــ قُمِ الَّیْلَ رات ہو یا دن ـــــ مگر اس خطاب میں نیند سے جگانے کا تصور نہیں ـــــ بلکہ پیار ہے ـــــ اور پیار بھرے الفاظ میں ـــــ ایک نسخۂ کیمیا بھی ہے ـــــ ! وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیلاً ـــــ ٹھہر ٹھہر کر ذکر کرنا ـــــ قرآن۔ کے معنی قرأت سے ہے ـــــ یعنی الفاظ کا زبان یا قلب سے ادا کرنا ـــــ جیسے وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۵) اور یاد کرو اپنے رب کو جہر اور اخفا کے ساتھ۔ اس پڑھنے میں۔ زبان سے الفاظ ادا کرنا بھی ہے۔ اور خفیہ ادا کرنے میں زبان سے تکرار نہ کرنا ـــــ زبان کو غیر متحرک کرنا ـــــ اور پھر الفاظ زبان کی غیر متحرک حالت میں ادا کرنا ـــــ یہ ادا ارادہ سے تعلق رکھتی ہے ـــــ ارادہ دل سے ہوتا ہے ـــــ اور دماغ سے ارادہ کی تکمیل ہوتی ہے ـــــ لہذا خفیہ طریق پر ادا کرنا۔ قلب سے ذکر کرنا مراد ہے ـــــ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ ۔ کہ ٹھہر ٹھہر کر الفاظِ ذکر (ذکرِ الٰہی) کا زبان یا قلب سے ادا کرنا ـــــ اے کملی والے جب رات کو اٹھو۔ تو تھوڑا وقت۔ نصف رات سے۔ یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ (تمام رات نہیں)۔ ہاں یہ رات کے اٹھنے کا میری طرف سے ''حکم ہے'' ـــــ اسلئے کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیلاً ـــــ تحقیق میں عنقریب ہی آپ پر ایک ثقیل بات القا کرنے والا ہوں۔ قولِ ثقیل ـــــ بھاری بوجھ ـــــ ''وزن''۔ قول ـــــ اللہ کا قول ـــــ اللہ نور ہے۔

---

[1] میرے محبوب (صاحبِ ردا) کملی والے (خواہ وہ رات اندھیرے میں ہی اوڑھے ہوں)۔

اسکا قول نور ہے ــــ قول کلام بھی ہے ــــ قَالَ اللّٰهُ ۔ کلام الٰہی جبرئیل کے ہاتھ نازل ہوتی ہے ــــ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلاً فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ ــ یا بھیجا جاتا ہے ملائکہ کو کلام دیکر جو اس کلام کو قلب پر وحی کرتا ہے ــــ یہ کیفیت باطنی ــ روحانی ہے ــــ اللہ کی کلام نوری ہیئت میں ملائکہ (نور کی ہیئت میں) لاتا ہے ــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے۔ تمام اصحاب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے ہیں ــــ اصحاب نہ جبرئیل کو دیکھتے ہیں نہ کلام سنتے ہیں۔ سوائے اسکے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کی فضا سے توجہ ہٹا کر جبرائیل کی کلام سننے پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس بے خودی کی کیفیت کو اصحاب سمجھتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ جبرائیل آئے اللہ کی کلام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سناتے ہیں ــــ آپ سن رہے ہیں۔ یہ نَزُوْلَ۔ خفیہ ہے۔ جسے سِرّ کہا جاتا ہے ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سرّی طور۔ سِرّ سے آگاہ ہوتے ہیں۔ یہ عالمِ غیب ہے ــــ اور علم غیب ہے ــــ جس سے رسول اللہ آگاہ ہوتے ہیں ــــ مگر اصحاب اس سِرّ سے آگاہ نہیں ــــ یہ نوری کلام ہے۔ کلام قال ہے ــــ قال قول ہے ــــ قول نور ہے ــــ نور القا ہوتا ہے۔ سَنُلْقِیْ سے مراد القا کرنا ــــ القا سے نور ثابت ہوا ــــ اور نور سے القا ثابت ہوا ــــ لیکن ملائکہ کے ذریعہ کلام کا نزول قلب پر ہونا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً میں شامل نہیں۔ بلکہ یہ نزول وحی سے تعبیر ہے۔ اسکے مقابل سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً۔ کسی خاص امر کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّاسَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً ــــ ثقیلاً کا عجمی تصور ــــ وہ کیفیت جسکے جذب ہونے میں مجذوب پر محنت یا بوجھ یا وزن پڑتا ہے ــ جیسے کسی ثقیل غذا کے کھانے سے ــــ غذا کو جذبِ بدن کرنے میں وجود (معدہ) پر محنت ــــ بوجھ ــــ وزن پڑتا ہے ــــ تحقیق میں آپؐ پر ایک نورِ عظیم القا کرنے والا ہوں جو آپؐ کے جسم اطہر پر وزن ڈالیگا ــــ یہ قول ــــ نور کیا کیفیت ہے ــــ یہ ایک سرّی نور ہے ــــ جو اللہ جانتا ہے۔ جس نے ڈالا ــــ اور احمد صلے اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں جن پر ڈالا گیا ــــ اس سرّ کے اثرات ایک مقام پر ظاہر ہوتے ہیں ــــ وہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۱؎ ۝ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ

۱؎ پھر وہ بندہ میرے قریب (قرب وفنا) ہوا پس میں نے اسے اپنی تجلی میں لپیٹ لیا ــــ یہ تجلی اللہ تعالیٰ کے نور کی ایک عظیم تجلی ہے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر ڈالی گئی ــــ درحقیقت یہی کیفیت ہے جسکا اشارہ سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً میں دیا گیا۔

اَدْنٰیٓ میں محسوس ہوتا ہے۔ اس القا کیلئے قُمِ الَّیْلَ کے نسخۂ کیمیا سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تیار کیا جاتا ہے ـــــ وہ ہے قُمِ الَّیْلَ رات کا جاگنا ـــــ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ۝ ۔ رات کا جاگنا انتہائی شدید محنت کا عمل ہے ـــ اور یہ نفس کی مادی آلائشوں کو کچل کے رکھ دیتا ہے ـــ نفسِ انسانی سے مادہ ختم ہوا۔ تو باقی نور رہ جاتا ہے۔

انسانی حرکت و عمل اسکی روح پر منحصر ہے ـــ روح بمنزلہ حرارت ہے ـــ حرارت ارادہ سے متعلق ہے۔ روح قوی ہو تو حرارت قوی رہتی ہے۔ حرارت قوی ہو تو ارادہ قوی ہوتا ہے ـــــ ارادہ قوی ہو تو حرارت قوی ہوتی ہے ـــ حرارت قوی ہو تو روح قوی ہوتی ہے ـــ رات کے جاگنے میں نیند ترک کرنا پڑتی ہے۔ نیند ـــ جب انسان اپنی حرارت کو محنت میں کثرت سے خرچ کرتا ہے۔ تو ارادہ کمزور ہو جاتا ہے۔ ارادہ کمزور ہونے سے جسمانی اعضاء پر گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے ـــ مثال کے طور ایک شخص وزنی پتھر ہاتھوں سے سر کے اُوپر اٹھاتا ہے۔ پتھر کا وزن بازوؤں پر پڑتا ہے۔ بازو اپنی حرارت سے پتھر کو سنبھالتے ہیں۔ زیادہ دیر وزنی بوجھ سنبھالے رکھنے سے حرارت خرچ ہوتی ہے ـــ جتنا وقت زیادہ گزرے اتنی حرارت کم ہوتی جاتی ہے۔ حرارت کم ہونے سے ارادہ متزلزل (کم) ہو جاتا ہے۔ ارادہ کم ہوا تو جسم کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ گرفت ڈھیلی ہونا۔ اعصاب کا سکڑنا یا ڈھیلا ہو جانا مراد ہے۔ اعصاب ڈھیلے ہو گئے تو بازو ڈھیلے ہو جاتے ہیں ـــ پتھر نیچے گر جاتا ہے ـــ اسکے برعکس ارادہ قوی کیا جائے کہ بازو پتھر سنبھالے رہیں۔ تو حرارت سے مدد لی جاتی ہے۔ حرارت کم ہے تو روح سے مدد لی جاتی ہے۔ روح قوی ہو تو زیادہ حرارت فراہم کرتی ہے۔ لیکن روح میں حرارت کی مقررہ مقدار پائی جاتی ہے۔ زائد مقدار کیلئے روح بیرونی فضا سے قوت (حرارت) حاصل کر کے ارادے کو فراہم کرتی ہے۔ اس طرح اعصاب کو تقویت دینے کیلئے۔ روح بیرون سے رابطہ قائم کر کے مزید قوت حاصل کرتی ہے۔ روح بیرونی روح سے رابطہ پیدا کر کے روحانی قوت حاصل کر کے حرارت ـــ ارادہ ـــ اعصاب کو لطیف قوت فراہم کرتی ہے۔ تو بغیر مادہ سے حرارت حاصل کرنے کے بیرونی روحانی فضا سے قوت فراہم کر کے بغیر مادی امداد کے جسم جب خالص روح سے روحانی قوت حاصل کرے۔ تو جسم کو لطیف روحانی غذا میسر ہوتی ہے۔ لطیف غذا سے جسم میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس میں مادی قوت کم ہو کر

روحانی قوت بڑھ جاتی ہے ــــ نیند میں جب محنت و مشقت سے حرارت ختم ہو جائے تو ارادہ کمزور پڑ جاتا ہے ـ ارادہ کمزور پڑ جانے سے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ـ اعصاب پر دماغی حصہ حرکت (Motor Area) کی گرفت ہوتی ہے ـ حصہ حرکت پر ـ حسِ مشترک کی گرفت ہوتی ہے ــــ حس مشترک ـ عقل ــــ شعور دو قوی (اجزا) پر مشتمل ہے ــــ عقل ہی حصہ حرکت پر اپنی گرفت رکھتا ہے ـ بہ الفاظِ دیگر عقل مرکز ہے روح کا ـ عقل کا تعلق حصہ حرکت سے ہے ـ حصہ حرکت سے جسم کے تمام اعصاب نکلتے ہیں ــــ لہذا عقل سے ہی اعصاب کو حرارت ملتی ہے ــــ عقل میں حرارت کم ہوئی تو اسکے اعصاب (شریانیں) کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں ــــ اور سکڑ جاتے ہیں ــــ یہی سکڑنا نیند کی کیفیت ہے ـ عقل کی شریانوں کے سکڑنے سے اعصاب سکڑتے اور ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ـ تو اس کیفیت کو نیند سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ قُمِ الَّيْلَ ــــ رات کو نیند ترک کر کے جاگنا ــــ یعنی عقل میں روح ــــ حرارت کو متحرک کرنا ــــ حرارت کم ہو ـ تو روح کو حرارت فراہم کرنے کیلئے بیرون سے حرارت حاصل کرنی پڑتی ہے ـ تو روح بیرونی فضا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے ــــ بیرونی فضا میں حرارت حاصل کرنے کیلئے ایک قوی روح سے رابطہ رکھنے کا طریقہ ــــ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ ــــ قرآنی الفاظ کا تصور کرنا ــــ رَتِّلْ یکسوئی کے ساتھ ـ عقل کی روح کو قرآنی الفاظ کے نورانی وجود سے متوجہ کر کے قرآنی الفاظ کے نور سے نوری حرارت حاصل کرنا ــــ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ بار بار دہرانا اللہ کے نام کو مَا فِيْهَا کے تصورات سے ذہن کو یکسر علیحدہ کر کے ــــ کیونکہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین اور آسمان کی کیفیتوں میں نور محمدیؐ کا نور ہے ــــ نور محمدیؐ کا بنیادی وجود نورِ اللہ سے ہے ـ تو روح بیرونی فضا کی غیر محسوس انرجی (حرارتِ برقی) سے رابطہ کریگی ــــ بیرونی فضا کی حرارت ــــ روح میں نورِ محمدیؐ پایا جاتا ہے ــــ اسلئے روح حیوانی کا نورِ محمدیؐ سے رابطہ ہو جاتا ہے ــــ روح نور محمدیؐ سے حرارت حاصل کر کے ارادے کو قوت دیتی ہے ـ ارادہ اس قوت سے اعصاب کو تقویت دیتا ہے ــــ نور محمدیؐ روح رحمانی سے تعبیر ہے ـ اس طرح روح حیوانی نور محمدیؐ ــــ روح رحمانی کی قوت کی طرف ارتقا کر کے قوی ہو کر مثل روح رحمانی بن جاتی ہے جب روح حیوانی کو مادی غذا ــــ غذا سے خون صالح ــــ خون

صالح سے مادۂ منویہ ـــــ مادۂ منویہ سے روح۔ میسر ہوتو اس طرح روح کو مادہ سے قوت ملتی ہے اور جب مادہ سے قوت فراہم ہونا بند کی جائے۔ تو روح خود بخود بیرونی فضا سے قوت حاصل کرتی ہے۔ بیرونی فضا میں اسکی جز (ایثری روحانی قوت) موجود ہے۔ تو روح اسی ایثری قوت سے قوت حاصل کرتی ہے۔ یہ عام انسانی پیدائشی طریقہ ہے۔ جس سے ہر انسان بلاتمیز مذہب وملت روحانی قوت حاصل کر کے اپنی جسمانی قوت لطیف کر سکتا ہے۔ اور جو خاصیت روح میں مشاہدہ اور روحانی قوت کی پائی جاتی ہے۔ انسان سے بلاتمیز مذہب وملت عام انسان سے روحانی قوتوں کا صدور ہوتا ہے۔ لیکن یہ قوت بشری وجود سے تعلق رکھتی ہے۔ اسلئے یہ قوت فساد وخونریزی میں بھی استعمال کی جاتی ہے ـــ اسکے برعکس دین سے تعلق رکھنا انسانی پیدائش کیلئے ضروری ہے۔ تو دین میں ـــ ذکر الٰہی ـــ الفاظ قرآنی سے مادی قوتوں سے ماسوئی قوت حاصل کی جاتی ہے۔ یہ قوت بیرونی ایثری قوت سے عظیم قوی قوت ہے۔ اس قوت سے روح حیوانی پاکیزہ قوی ہو کر روح رحمانی کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے تو جسم کو روح رحمانی کی حرارت وقوت ملنے سے۔ جسم بھی روح رحمانی کی حیثیت حاصل کرتا ہے۔ یہ نظامِ کائنات میں ایک اٹل اور فطری نظام وقانون ہے ـــ نیند ـــ نیند میں جب جاگنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ تو روح ـــ روح رحمانی سے قوت فراہم کرتی ہے ـــ تو اسکا اثر جسم پر پڑتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلاً ۔ جسم کی مادی آلائشیں پگھل جاتی ہیں ـــ اور نور سے قوت حاصل کر کے۔ انسانی روح وجسم میں قوی نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسکا نتیجہ۔ انسان کی روح حیوانی ـــ روح رحمانی اپنی پیدائشی۔ قوی قوت حاصل کر کے قابلِ مشاہدہ ہو جاتی ہے ـــ اور اس میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ اس پر کوئی قوی وعظیم نور القا کیا جائے تو اسکو جذب کرنے کی متحمل ہو جاتی ہے ـــ وَاَقْوَمُ قِيْلاً ـــ جب رات کے جاگنے سے جسم نوری قوت کا حامل ہوا ـــ تو اس جسم کی ہر کیفیت جزوی طور نوری قوت کی حامل ہوگی ـــ اَقْوَم۔ قَوَام سے ہے ـــ اسکا عجمی تصور گاڑھا ہونا ہے ـــ جیسے ایک کثیر مقدار شے کو آگ کی حرارت سے تحلیل کر کے قوی قلیل مقدار میں لایا جاتا ہے ـــ مثلاً چینی کا قوام ـــ چینی کے ایک مقررہ مقدار کو پانی میں حل کر کے حرارت دی جائے تو تپش کی حرارت اس میں شامل ہو جاتی ہے ـــ اور چینی قلیل مقدار میں جوہری ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ اسی کیفیت کو قَوَام کہا جاتا ہے ـــ یہی کیفیت

اَقْوَمُ کی ہے ــــ کہ جب انسانی روحِ حیوانی ــــ روح رحمانی کی حیثیت میں قوی ہو جاتی ہے ــــ تو ــــ چونکہ انسانی کلام (قیل) میں روحانی کرانی لطیف قوت پائی جاتی ہے۔ یہ قوت بھی روح حیوانی کی جز کی حیثیت میں قوی ہو جاتی ہے۔قوت کے اعتبار سے اس کی کلام سے ماسوئی ذاتی خاصیت بھی روحانی اثرات کی حامل ہو جاتی ہے۔ وہ اثرات نفخ کہلاتا ہے ــــ کلام میں حلق سے ایک گیس (روح) خارج ہوتی ہے۔ جو تالو کی جھلی سے ٹکرا کر الفاظ کی صورت میں نکلتی ہے۔ اس آواز میں قوی قوت (عام آوازوں کے مقابلہ میں) پائی جاتی ہے۔ یہ آواز لہروں کی صورت میں۔ آواز کے الفاظ کان سے ٹکرا کر دماغ میں داخل ہوتے ہیں۔ دماغ ان الفاظ کی قوی قوت سے متاثر ہوتا ہے۔ دماغ سے ارادہ کی تکمیل ہوتی ہے ــــ ارادہ ان الفاظ کی قوت سے متاثر ہوتا ہے ــــ ارادہ سے الفاظ کی لہریں حرارت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ حرارت سے روح میں یہ لہریں جذب ہو جاتی ہیں تو روح الفاظ سے متاثر ہو کر الفاظ کی کیفیت کو قبول کر لیتی ہے۔ مثلاً ایک شخص تبلیغی سلسلہ میں تلقین کرتا ہے۔ کہ سچ بولو ــــ نماز پڑھو ــــ اگر اس شخص میں رات جاگنے کی عادت نہیں ــــ تو اسکے وجود میں قوی روحانی قوت نہیں ــــ قوی روحانی قوت نہیں تو قوی حرارت نہیں۔ قوی حرارت نہیں تو کلام میں قوی قوت نہیں۔ تو اسکی آواز کی لہریں کان کے ذریعہ ذہن تک پہنچ کر اپنی قوت بھی ضائع کر جاتی ہیں ــــ لہذا لوگوں کی روحیں اس آواز سے نہ حرارت قبول کرتی ہیں۔ نہ سچ بولنے۔ نہ نماز پڑھنے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ اسکے برعکس کلام میں قوام ہو ــــ روحانی قوت قوی ہو۔ تو یہ قوت لوگوں کی روح کو متاثر کرتی ہے۔ تو لوگ آواز کا اثر قبول کر کے سچ بولنے اور نماز پڑھنے پر مائل ہو جاتے ہیں۔ یہی کیفیت اَقْوَمُ قِیْلاً کی ہے ــــ قیل بھی قال سے ہے۔ قال جب قوی روح سے خارج ہوتا ہے۔ تو اسکی بھی حیثیت نورانی ہو جاتی ہے۔ تو اس سے بھی نورانی افعال کا صدور ہوتا ہے۔ یعنی جب یہی قال کسی انسانی جسم پر القا (توجہ) کیا جائے ــــ یعنی اسکو الفاظ کی شکل (''تندرست ہو جا'') دی جائے۔ تو یہ آواز کان کے ذریعہ ذہن میں داخل ہو کر۔ ذہن (عقل) کی حرارت میں شامل ہو جاتی ہے۔ عقل کی حرارت سے اعصاب متعلق ہیں تو یہ قوت اعصاب میں داخل ہو کر خونی ذرات میں جذب ہو کر بیماری کے ذرات کو ختم کر کے تندرست بنا دیتی ہے ــــ اسی طرح کسی شخص کو اپنے ارادہ کے ماتحت کر کے اُسے اپنی مرضی پر چلانا ــــ کسی انسان پر اپنی روحانی قوت کی توجہ

ڈال کر (''رک جاؤ میرے ماتحت چلو'' کا اثر ڈال کر) اپنے تابع کر کے اسے نیکی کی طرف مائل کرنا سب اس قوت میں شامل ہے۔ اسی قوت میں۔ بیماروں کو صحت مند کرنا۔ مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا۔ برص کے مریضوں کو تندرست کرنا۔ مردے زندہ کرنا۔ نفخ کے ذریعہ شامل ہے ــــ سب سے اہم اثر یہ کہ رات کے جاگنے سے انسان میں جب روحانی قوت قوی ہو جاتی ہے ــ تو وہ ایک مصلح۔ ایک راہبر۔ خلیفہ۔ نبی کی حیثیت حاصل کرتا ہے۔ تو اسکے ذمہ انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ تو ایسا نبی۔ خلیفہ اسی قوت سے۔ تبلیغ وتزکیہ ــــ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ قرآنی آیات لوگوں کے دلوں میں اتار کر قلوب متاثر کرتا ہے۔ اور روحانی حرارت سے توجہ دیکر انسانی روحوں کو قوی کر کے صاحب مشاہدہ کر کے مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ تصور وتسبیح وحمد کا حامل بناتا ہے ــــ یہی کیفیت قُمِ الَّیْلَ اور رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً سے عظیم نور الٰہی سے رابطہ کر کے جسمانی کیفیت کو مادیت سے پاک کرنا ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے مقرر ہوئی۔ کہ آپ کو خاص حکم ہوا۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ ۝ اور اس امر کا مقصدِ خاص یہ تھا کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔ کہ قیام لیل میں اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً رات جاگنے سے آپ کی وہ تمام مادی آلائشیں یکسر تحلیل ہوگئیں جو پیدائشی حیثیت میں آپ پر طاری کی گئیں۔ یعنی۔ والدہ کے وجود سے نشوونما کیلئے خون کا حاصل ہونا ــــ دوسرے پیدائش کے بعد۔ دودھ اور مادی غذا سے مادیت کا اثر جسم پر طاری ہونا ــــ اس کے تحلیل کرنے کیلئے ہی حکم ہوا قُمِ الَّیْلَ۔ اسکا اثر ظاہر ہے۔ وَطْاً تمام نفسانی مادی آلائشیں کچلی گئیں۔ اب قَوْلًا ثَقِیْلًا کی اہمیت کس نوع کی ہے؟ جبکہ ہر نبی۔ ہر خلیفہ۔ ہر انسان کو رات جاگنے سے اسکی مادی ہیئت نورانی ہو کر روح رحمانی سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں قول ثقیل کی اہمیت اسلئے بڑھتی ہے۔ کہ قول ثقیل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی روح پر القا کیا جانا ہے ــــ اسی خاص امر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے واضح طور قرآن میں پیش کیا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ــــ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ ۝ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ؕ ۝ یہ کلامِ واضح وفصیح قَوْلًا ثَقِیْلًا کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ درحقیقت اسی بیان میں قَوْلًا ثَقِیْلًا کا واحد تصور ہے۔ کہ باقی انسانوں کی روحوں کو قرب ووصال ملتا

ہے۔لیکن یہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو قیام لیل سے یکسر نورانی ہیئت میں لا کر اسے فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۔تجلیاتِ الٰہی ــــ تجلیات خاص کی تدلّی سے نوازنا ہے۔یہ اس لئے ظاہر کرنا ہے۔کہ حضرت یحییٰ۔حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے وجودنوری سے افضل جسمِ محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مقرر ہوا ہے۔درحقیقت اسی حقیقت کے مظاہرہ کیلئے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کا بیان واضح کیا گیا ــــ کہ کائنات کی تخلیق سے اصل مقصد محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی روحانی فضیلت ہی کا اظہار کرنا ہے۔جو کہ ایک حقیقت ہے اگر محمد رّسول اللہ ﷺ کو پیدا کرنے کا حقیقی مقصد زیرِ نظر نہ ہوتا تو کائنات کے بنانے کی ضرورت نہ تھی۔اگر نور ابتدائی ــــ نورمحمدی صلے اللہ علیہ وسلم مخلوق نہ کیا جاتا تو کائنات کا مخلوقی حیثیت میں بننا ناممکن تھا۔

آپؐ کے لئے اس نسخہ کیمیا کے اثرات۔رات کا جاگنا ــــ وَطْاً۔نفس کا کچلا جانا ہے۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ مقرر کیا۔کہ اگرچہ یہ وجودنوری (بنیادی نطفہ) سے ہی ہے ــــ لیکن آپ کو بجائے وہبی خصوصیت کے کسبی خصوصیت حاصل ہو ــــ تو آپکے نوری وجود میں مادی کیفیات کو شامل کیا گیا۔تاکہ آپکی صفت بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۔مثل عام بشر بنائی جائے۔اسلئے آپ کیلئے یہ مقرر ہوا۔

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ط (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۵ آیت ۷) کہ مادی غذا کھائیں۔اور عام آدمی کی حیثیت اختیار کریں ــــ اور پھر اپنی نوری قوت کو برقرار رکھنے کیلئے۔اپنے آپ پر محنت ڈالیں ــــ اور اس محنت سے مادی قوت کو اپنی نوری قوت پر غالب نہ ہونے دیں۔یہ عظیم مقام۔عظیم ذمہ داری۔اور عظیم مقامِ خلافت ہے۔جو کائنات میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں ــــ اور اسی مشقت پر آپکی جسمانی (روح رحمانی) خصوصیت کو منحصر کیا گیا۔آپنے اپنی عائد کردہ ذمہ داریوں کو اکمل طریقہ پر پورا کر کے اپنا حقیقی مقام حاصل کیا۔اب یہی نمونہ عمل تمام کائنات کیلئے مقرر کیا گیا۔یہ انتہائی عرفان ومشاہدہ اور حصولِ خلافت ونبوت کا ــــ انتہائی مقام وعمل ــــ یہی صفت تمام انبیاؑ کی جملہ کمالاتِ نبوت پر مہر کرنے والی ہے ــــ کہ اب کائنات میں نہ کوئی ایسا نبی پیدا ہوسکتا ہے۔نہ بحیثیت۔مصلح۔راہبر۔رسول کسی نبی کو منتخب کرنے کی ضرورت باقی رہی ــــ اب آئندہ ایک اور نسخہ

کیمیا پر عمل کر کے هدایت کی تکمیل ہو جائیگی۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا○ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ قلے عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۸۔۷۹) قائم کریں نماز مغرب سے عشا تک اور صبح کا پڑھنا ــــ تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے۔ اور رات کو نماز پڑھ یہ عبادت آپکے لئے (زائد عبادت) مقرر کی جاتی ہے۔ تا کہ عنقریب اٹھائے آپکا رب آپکو مقامِ محمود پر ــــ مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت دینوی مشاغل سے فراغت کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت دن کے مصروف لوگ بطور تفریح ایک دوسرے سے اکٹھے مل کر ذہنی تکان دور کرتے ہیں۔ اس وقت کو ذکرِ الٰہی میں صرف کرو ــــ تا کہ ذہن ذکرِ الٰہی سے سکون حاصل کرنے کا عادی ہو جائے ــــ اسکے ساتھ ہی چونکہ آپؐ دن بھر تبلیغِ ہدایت اور اصلاحِ انسانی میں مصروف رہتے تھے ــــ اسلئے آپ جیسا کہ رات کو جاگتے ہیں۔ اس میں آپؐ مزید عبادت کا اضافہ کریں ــــ وہ عبادت نماز ادا کرنا ــــ نماز سے مشقت۔ محنت۔ تصورِ الٰہی اور یکسوئی پائی جاتی ہے ــــ اس طرح ــــ رات کے جاگنے ــــ نماز ادا کرنے سے ــــ تحلیلِ نفسی ــــ مادی آلائشوں کا کچلا جانا ــــ تزکیہ مجاہدہ۔ یکسوئی اور تصور میں استقلال حاصل ہوتا ہے ــــ اسکے بعد نماز میں قرآنی آیات کی تلاوت کرنے میں قرآنی نور سے روح (روح جسمانی) کو تقویت حاصل ہوتی ہے ــــ اور پھر رات جاگنے کے ساتھ صبح کے وقت قرآنی آیات کی تلاوت میں۔ اِن آیات کے انوار مشاہدے میں آتے ہیں اسطرح قوتِ مشاہدہ قوی ہو جاتی ہے۔ چونکہ قرآن میں بھی اسرارِ الٰہی کی کیفیاتِ تشابہات پائی جاتی ہیں ــــ اِنکا مشاہدہ ہو کر۔ خصوصیتِ خلافت حاصل ہو جاتی ہے ــــ ان آیات میں اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اور قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ــــ کے عمل میں عام لوگ بھی شامل ہیں جو۔ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ایک مخصوص جماعت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس عمل میں اشتراک کرتی ہے ــــ اور وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ اور رات کو نماز پڑھنا یا عبادت۔ تسبیح وحمد اور تصور کرنا صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص کیا گیا ــــ یہ عمل نَافِلَۃً لَّکَ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے بطور زائد عبادت ہے۔ یہ اسلئے کہ فرض نمازوں سے ماسوئی آپ۔ رات جاگنا۔ نماز پڑھنا۔ قرآن (ذکرِ الٰہی وتلاوت)

پڑھنا۔ تسبیح وحمد اور تصور و استغراق میں مشغول رہنا پسند فرماتے تھے ـــــ چونکہ قرآن ھدایت ہے۔ اس میں اصلاحی احکام ہیں۔ جن میں۔ نماز ـــــ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ وغیرہ احکام خصوصی فرائض میں شامل ہیں۔ ان احکام پر ایک عام آدمی عامل ہو کر اصلاح پا سکتا ہے ـــــ اسلئے یہ احکام عام لوگوں کیلئے پیش کئے گئے ـــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ان احکام پر عمل کرنا ـــــ کہ احکامِ الٰہی کی تعمیل کیلئے امت کو ایک نمونۂ عمل کی لازمی ضرورت ہے۔ اسلئے بغیر رسول کے یہ نمونۂ عمل حاصل نہیں ہو سکتا ـــــ اس نمونۂ عمل کو سُنَّتِہٖ (سنت) کہتے ہیں ـــــ کیونکہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج اور دیگر امر و نہی کے احکام ھدایت میں شامل ہیں۔ ھدایت میں هُدًى کا تصور ہے ـــــ اور هُدًى میں فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى کا اولین تصور ہے۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ ابتدائی بیان اسوقت ہوا ـــــ جب بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ـــــ انسان نے مشاہدہ ـــــ تسبیح وحمد اور تصور ذات الٰہی ترک کر کے۔ حصولِ دنیا ـــــ حرص و ہوا ـــــ کینہ۔ بغض۔ حسد اور فساد و خونریزی اختیار کی ـــــ اور یہ کیفیت ابتدأً نہ آدم میں تھی نہ ابتدائی اولاد آدم میں تھی۔ یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوئی۔ جب اولاد آدم زمین پر کثرت سے پھیلی اور بعد مدت اس میں تسبیح وحمد اور مشاہدۂ اسماء سے تغافل پیدا ہوا ـــــ اُس وقت اولاد آدم میں نوحؑ (نبی) کو منتخب کر کے رسول بنا کر بھیجا گیا ـــــ اور اسی رسول کے ذریعہ پہلی بار هُدًى (ہدایت) بھیجی گئی ـــــ یہ ظاہر ہے۔ کہ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى میں (پس جب آئے میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت) مستقبل کا تصور ہے۔ اور خطاب حال میں حضرت آدمؑ سے ہے ـــــ جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے اسکی خطا پر کہا ـــــ فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ـــــ اِهْبِطُوا [1] فِي الْأَرْضِ اترو زمین کی وسعتوں میں ـــــ وَلَكُمْ فِي

---

[1] یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے۔ کہ اِهْبِطُوا میں جَنَّتَ کا جو تصور ہے۔ وہ وعدے کی جنت نہیں۔ بلکہ وہی جنتِ ارضی ہے۔ جہاں حضرت آدم وحوا علیہما السلام زمین پر پیدا ہوئے۔ اسی زمین میں انسان کی پیدائش کے ساتھ (یا پہلے) نباتات وجود پا چکے تھے۔ انہیں نباتات میں زمین میں باغات بھی پائے جاتے تھے۔ جن میں میوہ دار درخت اور پھول۔ نہریں پائے جاتے تھے ـــــ انہیں کیفیتوں (میوہ دار درخت۔ پودے ـــــ قسم قسم کے پھول۔ پانی کی نہریں) کو عربی میں جنت کہا جاتا ہے ـــــ اور اسی تصور پر قیامت کے بعد اعمال کی جزا میں جس اَلْجَنَّةُ کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں میوے دار خوشنما۔ لذیذ ـــــ درخت۔ پودے۔ خوشنما گلشن کا تصور دیا گیا ہے۔ لیکن یہ اشیأ اعمال کی جزا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ'' وَّمَتَاعٌ'' اِلٰی حِیْنٍ۔ بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'' ۔اِھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًاج فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی پس جب پہنچے تمہارے پاس میری ہدایت ـــ تو اسکے لئے ضروری ہوا کہ اس

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہونگے۔ اعمال کی جزا ئیں ـــ عمل ذکر الٰہی۔ تسبیح وحمد ہے۔ انکی جزا ثواب۔ کہلاتا ہے۔ ذکر الٰہی میں ثواب۔ محسوس میں نہیں آتا ـــ اسلئے غیر محسوس نوری کیفیت میں پایا جاتا ہے ـــ ذکر الٰہی کا ثواب عالم باطن میں ـــ ایک نوری شکل میں بنتا ہے ـــ یہی عمل کرنے والے کی جزا ہے۔ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ تمہارے لئے وہی جزا ہے جو تم دنیا میں عمل کرو ـــ فَجَزَآءُ ھُمْ جَھَنَّمُ پس نافرمانی کرنے والوں کیلئے ناری جہنم ہے ـــ اسی طرح فَجَزَآءُ ھُمُ الْجَنَّۃُ بھی ہے۔ اور ذکر الٰہی۔ تسبیح وحمد نیک عمل ہے۔ اسکی جزا جنت ہے۔ ذکر الٰہی کا ثواب ـــ جزا ـــ نور ہے۔ اسلئے اَلْجَنَّۃُ ـــ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ اس جنت (باغ) میں نہریں بہتی ہیں ـــ

اس جنت (باغ) میں میوے ہیں خوش ذائقہ ـــ یہ میوے متشابہات شکل میں پائے جاتے ہیں۔ اور غیر متشابہ شکل میں بھی پائے جاتے ہیں ـــ

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُط کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَامِنْ ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا لا قَالُوْاھٰذَاالَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ لا وَاُتُوْابِہٖ مُتَشَابِھًاط وَلَھُمْ فِیْھَآ اَزْوَاجٌ'' مُّطَھَّرَۃٌ'' ق وَّھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۲۵) اور خوشخبری دیں ان لوگوں کو کہ ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔ یہ کہ واسطے انکے بہشت (جنت) ہیں۔ بہتی ہیں نیچے انکے نہریں۔ جب دیئے جائینگے اس میں سے میووں سے رزق ـــ کہینگے یہ وہ ہے جو دیا گیا تھا ہمیں اس سے پہلے اور لائے جائینگے (میوے) متشابہ ـــ اور واسطے انکے ہیں بیویاں پاک اور وہ بیچ اس (جنت) کے رہینگے ہمیشہ ـــ یہ تمام کیفیتیں اس مقام پر ہونگی جہاں مادہ کا وجود نہ ہوگا۔ اسلئے یہ کیفیتیں نورانی ہونگی ان کیفیتوں کے مجموعہ کو بھی اَلْجَنَّۃُ کہا گیا۔ کیونکہ جسمانی طور انسانی ذہن میں اَلْجَنَّۃُ کا تصور اسکے قریبی (دنیاوی) کیفیات کے مطابق دیا گیا ـــ اور انسانی ذہن تاوقتیکہ باطنی طور نورانی جنت کا تصور ومشاہدہ نہ کرسکے ـــ اسے تشبیہی انداز میں نوری جنت کی کیفیات کا تصور دیا گیا۔ اور اسی مادی جنت (باغ) کی کیفیتوں کے مطابق نوری جنت کی کیفیتیں متشابہ پائی جاتی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر نوری جنت کی کیفیتوں کی تمثیل پر ہی مادی جنت (باغ) کی کیفیتیں وجود میں آتی ہیں۔ یعنی مادی جنت نوری جنت کی مادی جز یا ہیئت ہے۔

اسلئے نوری جنت اور مادی جنت نام میں ایک ہیں مگر انکی ہیئت وکیفیت نوری ـــ مادی الگ الگ ہیں ـــ اِھْبِطُوْا فِی الْاَرْضِ میں ''اترنا'' دراصل نوری جنت سے نہیں بلکہ مادی جنت سے ہے۔ کیونکہ قرآن نے اِھْبِطُوْا کی جنت میں مادی ہیئت کا تصور دیا ہے ـــ اور یہ اصطلاح قریش میں اونچی جگہ سے نشیبی جگہ پر انتقال (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہدایت کے ساتھ ایک نبی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ تا کہ رسول خود احکام الٰہی کی تعمیل کا نمونہ پیش کرے دوسرے لوگوں کو کلام الٰہی پڑھکر سنائے اور اللہ تعالیٰ کی کلام میں جو اسرار و آثار ہیں انکا علم لوگوں کو دے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پر بھی اِهْبِطُوْا کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے اِهْبِطُوْا مِصْرًا ۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ط (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۲) پس جب چکھا ان دونوں نے درخت کے پھل کو ظاہر ہوئیں ان پر اُنکی شرمگاہیں۔ اور لگے باغ کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے ـــــ یہ کیفیتیں مادی ہیں ـــــ پھل چکھنے سے جسم کا متاثر ہونا۔ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ جسم مادی ہے۔ مادی جسم نوری جنت میں ہو نہیں سکتا ـــــ اسکے بعد شرمگاہوں (شہوت) کا ظاہر ہونا مادی علامت ہے۔ ایسی علامت بھی نوری جنت میں واقع نہیں ہو سکتی ـــــ

بعض مفسرین نے جنتِ ارضی کو جنت اخروی سے تعبیر دیا ہے۔ یہ حقیقت نہیں۔ کیونکہ یہ امر واضح ہے۔ کہ حضرت آدم کی پیدائش زمین پر ہوئی۔ آدم و ملائکہ کا مقابلہ۔ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ ـــــ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ میں ملائکہ کا مقام آسمانوں میں تھا۔ اور آدم کا زمین پر اس بارے میں قبل از وقت آدم کے انتقالِ جنت اخروی کا کوئی ذکر نہیں۔ جبکہ آدم کو زمین پر پیدا کرنا تھا۔ اور جنت میں داخل کرنا ـــــ یا جنت میں قیام تخلیق آدم کے منصوبہ میں مقرر نہیں تھا ـــــ پھر آدم و ملائکہ کے مقابلہ میں اسماء کے سوال میں۔ اسماءِ ارضی کو نہ جنت میں لے جایا گیا۔ نہ آدم و ملائکہ کو جنت میں اکٹھا کیا گیا۔ جبکہ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ سے واضح ہے۔ کہ اسماء علم کے احاطہ میں ہیں۔ یعنی اسماء کو آدم بھی دیکھ رہے ہیں۔ اور ملائکہ سے بھی انہیں اسماء کی علیت کا سوال کیا جا رہا ہے ـــــ اس سے ثابت ہے۔ کہ حضرت آدمؑ کا قیام زمین پر تھا ـــــ جس وقت حضرت آدمؑ کو علم الْاَسماء دیا گیا اور ان سے يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ کا حکم ہوا ـــــ اور ملائکہ کا آسمانوں میں قیام تھا۔ اسکے بعد حضرت آدمؑ کو حکم ہوا۔ يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ ـــــ یہ جنت درحقیقت جنت ارضی ہے۔ کیونکہ اس میں شجر شہوانی موجود ہے ـــــ اور آدم کی جسمانی غذا وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ میوے سب جنت ارضی کی اشیائ ثابت ہیں ـــــ

بعض لوگوں کا نظریہ ہے۔ کہ درحقیقت جنت اخروی کا کوئی وجود نہیں بلکہ قرآنی آیت وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ کی رو سے انسان اپنے عمل نیک سے جنت بناتا ہے۔ اور عمل بد سے جہنم بناتا ہے۔ کیونکہ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنے عمل سے ہی جنت دوزخ بناتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ قطعاً لغو اور غلط ہے۔ اسلئے کہ اگر لاتعداد انسانوں کے کم و بیش عمل پر ہر انسان کو اسکے عمل کے مطابق جنت میسر ہوگی۔ تو اسکی لاتعداد شکلیں اور ہیئتیں ہونگی۔ کہ ہر انسان اپنی اپنی جنت میں رہیگا۔ قرآن مومنین کے لئے جنت کا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۔۔۔ اسلیئے ضروری تھا کہ کلام الٰہی کے ساتھ ایک رسول بحیثیت راہبر و مرشد (کلام الٰہی سنانے والا) مقرر ہو ۔۔۔ جہاں تک اللہ کی کلام کا تعلق ہے۔ رسول قول و فعل سے اسکی شرح و تفسیر کرتا ہے۔ اور جہاں تک

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) وعدہ کرتا ہے۔ اس جنت کا ایک ہی مجموعی تصور ہے۔ جسکے مراتب ہونگے اور ہر انسان جیسا کہ دنیا میں اس نے عمل سے مراتب حاصل کیئے وہ دراصل اسی جنت کے مراتب ہونگے جس میں مومن داخل ہونگے جیسا کہ قرآن بھی جنت کے طول و عرض کا ذکر کرتا ہے۔ کہ جنت کی وسعت كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہوگا۔ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے بھی واضح ہے۔ کہ اُخروی جنت ایک مقرر شدہ مقام ہے جسکا وجود آسمانوں میں موجود ہے۔ اس جنت کی وسعت لاانتہا ہے۔ کہ ازل سے ابد تک کے مومنوں کو اسکے مراتب میں جگہ دی جائیگی۔ اور مومن ایک دوسرے سے ملتے رہینگے۔ چنانچہ علم الاسماء کے مشاہدہ میں جنت اخروی کا مشاہدہ مومن (ولی) کو دیا جاتا ہے۔ اسکی سیر بھی کرائی جاتی ہے ۔۔۔ البتہ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۔۔۔ اور وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ کی کیفیت یہ ہے۔ کہ قرآن نے جو اعمال صالح انسان کیلئے مقرر کیئے ہیں۔ انکے اثرات یا نتائج یا ثواب کی ہیئت و شکلیں جنت کے مراتب کی شکل میں موجود ہیں۔ جیسا انسان عمل کریگا اسی عمل کے مطابق جنت میں مقام موجود ہیں وہی مقام مومن کو دیا جائیگا۔ ایسا نہیں کہ اسکے عمل سے جو ثواب بنتا ہے۔ وہی اس کو ملیگا ۔۔۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے۔ کہ انسان جس وقت عمل کرتا ہے۔ اسی وقت اسکا ثواب بنتا ہے۔ لہذا اس ثواب کیلئے کوئی مقام ہونا چاہیے جہاں ثواب کی ہیئتیں جمع ہوں ۔۔۔ اور جنت کا مقام قیامت واقع ہونے کے بعد حاصل ہوگا۔ انسانی زندگی سے لیکر۔ برزخ تک ۔۔۔ اور برزخ سے لیکر قیام قیامت تک انسانوں کے عملوں کے ثواب کے مقامات کیلئے کسی مخصوص جگہ یا مقام کا بھی قرآن نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ کیونکہ قیامت سے قبل کسی شخص کو اسکے عمل کا اجر نہیں ملیگا۔ اور برزخ میں داخل ہونے پر بھی یہ ثواب کا مقام ملنا مقرر نہیں۔ جبکہ اجر کا ملنا قیامت پر ہی موقوف رکھا گیا ہے۔ لہذا ایسی ترتیب میں کوئی ربط و ترتیب تصور میں نہیں آسکتی سوائے اسکے کہ آسمانوں میں ازل سے لے کر ابد تک کے انسانوں کیلئے ایک جنت کا وجود موجود ہونا حقیقت ہے۔ جسکا مقام آسمانوں میں موجود ہے۔ اسی طرح جہنم کا وجود اگر موجود نہیں تو قیامت کے دن بنایا جائیگا۔ جو کسی کی بدعملی سے نہیں بنیگا۔ بلکہ اسکا وجود مجموعی طور اللہ کے ارادہ سے بنیگا۔ اس جہنم کے بھی مراتب ہونگے۔ اور انہیں مراتب کے مطابق گنہگاروں کو ان مراتب میں رکھا جائیگا ۔۔۔ درحقیقت جنت بذات خود کوئی مادی باغ نہیں بلکہ ایک نوری مقام ہے۔ جس میں مثالی شکلوں میں۔ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ میوے۔ اور نہریں ہونگی۔ یہ تمام کیفیتیں متشابہات سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں جَنّٰتٍ کے لفظ میں جمع کا صیغہ دراصل جنت کے اعلےٰ مراتب کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح جہنم کا بھی ایک مقررہ مقام ہے۔ جسکا اکثر جگہوں پر قرآن میں ذکر آتا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسول کی اصلاح کا تعلق ہے رسول ماحول اور لوگوں کی طبیعتوں کے مطابق ہر انسان کی اسکی عادت و خاصیت اور طبیعت کے مطابق اصلاح کرتا ہے۔اس اصلاح میں رسول کا طریق اصلاح (قول و فعل) اجتہادِ نبوت کہلاتا ہے۔کہ نبی بغیر وحی کے ماحول اور طبیعتوں کے مطابق حسب ضرورت۔جیسی ضرورت ہو اسی طریق پر اصلاح کرتا ہے۔اس اصلاح میں رسول کی ذاتی عقل کو دخل ہوتا ہے۔کہ وہ جیسا ماحول ــــ جیسی لوگوں کی طبیعتیں عادات و خصائل ہوں۔انہیں کے مطابق انکی اصلاح کرے ــــ اس طریق کو سنت کہا جاتا ہے۔یہ طریق ہے۔لوگوں کو کلام الٰہی ــــ احکامِ الٰہی ــــ امر و نہی پر عامل بنا کر انسانی اصلاح کرنا ــــ اسکے ساتھ ہی قوتِ مشاہدہ ــــ مشاہدہ سے اسرار الٰہی کی آگاہی ــــ اور تصور و مشاہدہ ذاتِ الٰہی حاصل کرنے کیلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص طریق دیا گیا ــــ جس میں وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ ــــ اور قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ــــ رات کا جاگنا ــــ نماز پڑھنا ــــ اور صبح کے وقت اسماء الٰہی کے ذکر و تصور میں مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل کرنا ہے ــــ یہ طریق خاصتاً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے مقرر ہوا ــــ تاکہ آپ اپنی محنت و مجاہدہ سے اپنی نورانی ہیئت جسمانی کو قائم کریں ــــ اسکے ساتھ ہی آپ کی امت میں ایک خاص جماعت کیلئے یہی طریقِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم مقرر ہوا ــــ اس طریق میں ایک خاص جماعت کو عام انسانوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔کہ انہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی و

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہے۔فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِيَهۡ ۝ نَارٌ "حَامِيَةٌ" ۝ ۔اسی طرح جہنم کے مختلف مقامات کا ذکر قرآن نے کیا جن میں ان مقامات کی ہیئت بھی بتائی گئی ہے۔سو ظاہر ہے اگر عملِ بد کے صلہ میں ویسی ہی جزا ملیگی۔تو ہر انسان کے لئے الگ الگ جہنم ہونا ضروری ہے مگر قرآن میں ایک ہی جہنم کا ذکر ہے۔جسکے مختلف مراتب ہیں۔ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَ جہنم کے بدترین مقامات میں آخری مقام انتہائی اسفل اور دردناک عذاب والا مقام و کیفیات ہونگی پھر قرآن میں اس کا ذکر ہے۔کہ جنت۔اعراف۔اور جہنم تین مقامات میں لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق مقام پائیں گے۔جنت میں لوگ داخل ہونگے تو ان کے الگ الگ جنتیں نہیں ہونگی۔بلکہ مراتب اور خوبصورتی و لطافت میں اعلےٰ مقام ہونگے۔جن میں حُوۡرٌ "مَّقۡصُوۡرٰتٌ" فِى الۡخِيَامِ ۔اور حوروں کی شکل و شباہت کی جو تعریف اللہ نے کی۔اس سے ظاہر ہے۔کہ یہ وجود اعمال سے نہیں بنتے بلکہ اللہ نے جنت اور اسکی تمام کیفیتیں ازل سے پیدا کی ہیں۔انہیں مراتب کے مطابق ہر انسان کے عمل کے صلہ میں اسے جنت کا مقام ملیگا۔

تقلید واتباع میں رات جاگنے ـــــ نماز تہجد پڑھنے اور صبح کا قرآن پڑھنے سے ۔ تزکیہ نفس ـــــ پاکیزگی روح وجسم اور مشاہدۂ اسرار الٰہی اور مشاہدۂ ذات الٰہی (علم نبوت) حاصل ہوا ۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی جماعت آپؐ کے قائم مقام ایک خلیفہ ۔ مصلح ۔ راہبر کی حیثیت سے ـــــ مقصدِ رسالت و نبوت کی تکمیل وتجدید کرینگے ۔ یہی وہ جماعت ہے ۔ جنکے ذمہ آپؐ کے بعد ـــــ وحی الٰہی ـــــ کلام الٰہی ـــــ امر ونہی کا اجرا کرنا ہے ـــــ یہ جماعت بھی يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ رسول کے قائم مقام (خلیفۂ رسول ۔ خلیفۂ نبی) قرآن کی اسی طرح تلاوت کرینگے جسطرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کی ـــــ اسی طرح تزکیہ کرینگے جسطرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کی ۔ اسی طرح کتاب وحکمت کا علم آئندہ آنے والے لوگوں کو دینگے ـــــ یہ جماعت تابعینِ حضرت محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علمائے امتِ محمد رّسول اللہ کہلاتے ہیں ـــــ ان کے پاس قرآن کا وہ علم ہے ۔ جو محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بہ تمامہٖ انہیں بتایا ـــــ انہوں نے اس پر کلی عمل کیا ـــــ انکے پاس وہ طریق تزکیہ ہے ۔ جو انہیں حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ـــــ انکے پاس وہ علم ہے ـــــ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں تزکیہ ومجاہدہ کے ساتھ اسرار الٰہی ـــــ تصور ذات الٰہی ۔ علم الْاَسمآء ـــــ علمِ نبوت ـــــ مشاہدہ کرایا ـــــ اسی طرح یہ جماعت علمائے امت کی حیثیت سے آئندہ آنے والی نسلوں کو قرآن کے تمام احکام سنائیگی ـــــ انکا تزکیہ کریگی ۔ انہیں معرفت واسرار سے آگاہ کریگی ـــــ بحثیت خلیفہ رسول ـــــ قائم مقام رسول ۔ انکا قول وفعل ایسا ہی ہوگا جیسا انہیں محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا ـــــ فرق صرف اتنا ہوگا ـــــ کہ اول جو مقامِ رسالت ونبوت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے ۔ وہ مقام انہیں حاصل نہیں کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس مصطفٰے ہے ۔ آپ کی روحانی جسمانی ہیئت تخلیق انسانی سے بالاتر ہے ۔ دوسرے آپ جیسا تزکیہ مجاہدہ عام یا خاص انسان کی طاقت سے باہر ہے ۔ دوسرا تخلیقی اعتبار سے جو مقام مصطفٰے مخصوص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بحثیت ۔ بشر ۔ نبی ۔ رسول حاصل ہے وہ کسی مخلوق کا ہو نہیں سکتا ـــــ اور یہ کہ قرآن کا وحی ہونا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے ۔ اسکے بعد کسی ایسی کلام الٰہی کی ضرورت باقی نہیں رہتی جو قرآن سے علاوہ اور کوئی طریق وعلم پیش کرے ۔ اس قرآن کی وحی حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے

مخصوص ہے۔ اسکے بعد نہ کوئی ایسا رسول ہو سکتا ہے۔ جسے قرآن سے بہتر کلام ملے ـــ نہ کوئی ایسی کلام ہو سکتی ہے جسکے لئے کسی رسول کی ضرورت ہو ـــ یہ مقام خاص سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی حاصل نہیں کر سکتا ـــ آپکے بعد قرآن تا قیامت باقی رہنے والی کتاب ہے ـــ اور ابد تک اسکا علم وسیع ہے۔ کہ ہر زمانہ کیلئے۔ ہر انسان کیلئے اس قرآن میں اصلاحی طریق موجود ہیں۔ جسکے بعد کسی زمانہ میں کوئی انسان ہدایت پانے سے محروم نہیں رہ سکتا ـــ چونکہ کلام الٰہی کے ساتھ ایک رسول کا ہونا لازمی ہے۔ اسلئے تابعینِ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بحیثیت قائم مقام خلیفہ کے اسی قرآن کی ہدایت کو جاری رکھنے کا کام کرینگے ـــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی امت میں یہ عمل جاری رہیگا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعین کو قرآنی علم اور عمل سے بطریقِ اکمل مزین فرمایا ـــ اور آپکے تابعین میں یہ کمال بدرجہ اتم ہے۔ کہ وہ بحیثیت قائم مقام خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآنی تعلیم کا اجرأ کریں ـــ اور زائد عبادت میں۔ رات کا جاگنا۔ نماز تہجد ـــ صبح کا قرآن پڑھنا ـــ تزکیہ۔ مجاہدہ ـــ مشاہدہٗ اسرار الٰہی ـــ تصور ذاتِ الٰہی ـــ اور علم الاسماء کا مشاہدہ خود حاصل کریں اور امتِ محمدی کو حاصل کرائیں۔ تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح قرآنی ہدایت کا اجرأ اور تبلیغ کرینگے جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ مگر یہ لوگ اس عمل کے اعتبار سے رسول کہلانے کے مجاز نہیں ـــ کیونکہ رسول ایک وقت میں ایک ہی منتخب ہوتا ہے۔ دوسرے اِسے سرِ نو کلام الٰہی وحی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ انہی دو کیفیتوں کی خصوصیت سے نبی رسول بنتا ہے ـــ جو کہ عام انسان یا تابعین کو حاصل نہیں ـــ البتہ ـــ رسالت چونکہ ہدایت پیش کرنے اور اصلاح انسانی کیلئے ہوتی ہے۔ اصلاح انسانی کے بعد جب انسان اپنا مقامِ خلافت حاصل کرے۔ اور آئندہ عمومی حیثیت میں انسانی اصلاح قائم رہے۔ اور انسان کو اصلاح کی ضرورت باقی نہ رہے تو رسالت و ہدایت کا مقصد پورا ہونے کے بعد رسالت کی ضرورت باقی نہیں رہتی ـــ رسالت ـــ ہدایت کا مقصد۔ اصلاح انسانی ـــ یعنی انسان کی جسمانی روحانی اصلاح ـــ پاکیزگی جسم ـــ پاکیزگی روح ہے ـــ پاکیزگی روح و جسم کا مقصد قوتِ مشاہدہ حاصل کرنا ـــ قوتِ مشاہدہ سے۔ علم الاسماء ـــ علم نبوت۔ معرفتِ اسرار الٰہی۔ تصور ذات الٰہی ہے ـــ اسکے لئے قائم مقام ـــ نائب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ـــ ہر زمانہ میں۔

بحثیت عالمِ امت علم نبوت کا اجرأ کرتے رہینگے اور اس عمل کی ضرورت ہر زمانہ میں رہیگی ـــــ کیونکہ ـــــ ہدایت پانے کے بعد انسانی زندگی کا مقصدِ حقیقی۔ معرفت اسرار الٰہی۔ تصور ذاتِ الٰہی ہے ـــــ یہ عمل باقی رہتا ہے ـــــ کہ انسان اپنی زندگی میں ہر لحہ مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ تصور ذات الٰہی (علم نبوت) سے آگاہ رہے ـــــ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں۔ ہر زمانہ میں علمائے امت کا وجود باقی رہیگا جو ایک طرف ـــــ رسالت (قرآنی احکام) کا اجرأ کرینگے۔ اور دوسری طرف علم نبوت حاصل کر کے آئندہ آنے والی نسلوں کو مقامِ خلافت پر پہنچا ئینگے۔ جیسا کہ قرآنی آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں ایک صاحبِ مشاہدہ بشر جو اَسْمَآءَ کُلَّھَا کی آگاہی رکھتا ہو۔ اَسْمَآءَ کُلَّھَا سے مراد خَبَرْ جو عربی لفظ نبا سے ہے ـــــ یعنی علم الْاَسماء کی خبر (آگاہی) پانے والا ـــــ اور انسان کی اصلاح کر کے اسے آگاہ کرنا ـــــ اور تمام اسماء سے دوسروں کو آگاہ کرانا ـــــ ایسی ہستی کو نبی کہا جاتا ہے ـــــ حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تابعین بھی۔ ایک طرف قائم مقام رسول رسالت ـــــ ہدایت کا اجرأ کرینگے ـــــ دوسری طرف خود علم نبوت (علم الاسماء) سے آگاہ ہوں گے۔ اور آئندہ آنے والی مخلوق کو بحثیت راہنما ـــــ بحثیت نبی[۱] آگاہ کرینگے۔

۱ـ بحثیت نبی ـــــ نبی کا ابتدائی تصور قرآن نے فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ میں پیش کیا۔ اور نباء کی تعریف وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا کے تصور میں واضح کی گئی۔ کہ نبی سے مراد خبر پانے والا ـــــ اور خبر دینے والا ـــــ سو یہ خبر علم الاَسْمَآء ہے ـــــ علم الْاَسْمَآء میں۔ تصور اسرار الٰہی۔ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی کا ہے یہی کیفیتِ علم وخبر اور اسماء نبوت سے تعبیر ہے۔ مفسرین نے اگرچہ اسماء کو صرف زمینی اشیأ کی خاصیت کی آگاہی تک ہی محدود کر دیا۔ اور ثُمَّ عَرَضَھُمْ میں اشارہ حاضر اشیأ کی طرف بتایا گیا۔ لیکن جہاں تک ملائکہ سے اَنْۢبِئُوْنِیْ سوال کرنے کا تعلق ہے۔ اس میں بِاَسْمَآءِ کے سوال میں اَسْمَآء۔ احوال وکیفیاتِ ملائکہ مراد ہیں۔ کیونکہ ملائکہ کمتر درجہ کی مادی کیفیات کے علم میں فطری طور عاجز نہیں۔ جب تک کہ اَسماء میں ملائکہ سے بالاتر کیفیات کو اَسماء کے تصور میں نہ لایا جائے۔ قرآن نے بھی زمینی اشیأ کو کمتر اور ناقص قرار دیا۔ جن اشیأ کی خبر میں علمی برتری ثابت نہیں۔ جیسا قرآنی بیان سے اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ'' یہ اشارہ بنی اسرائیل کا من وسلویٰ کے بدلے زمینی اشیأ کی فرمائش کرنے کی طرف ہے۔ یٰمُوْسٰی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس بیان میں عام انسان کا نبی کے خطاب سے پکارا جانا ــــ یا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد عالمِ امت کا نبی پکارا جانا۔ سطحی طور ذہن یہ تصور قبول کرنے پر آمادہ نہیں ـــــ لیکن قرآنی آیات کی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ط قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِیۡ هُوَ اَدۡنٰی بِالَّذِیۡ هُوَ خَیۡرٌ'' ط ــــ اسلئے ملائکہ کے بالاتر احوال و کیفیاتِ نوری ہی اسماء کے تصور میں شامل ہو سکتے ہیں۔ یہی اسماء اسرار الٰہی ہیں یعنی۔ عالمِ بالا کی کیفیات نوری اور خود ملکوتی کیفیات جن تک ملائکہ کے علم کی رسائی نہیں ــــ اسرار الٰہی سے تعبیر ہیں یہی اسرار الٰہی تا ذاتِ الٰہی اسماء کلها میں شامل ہیں ــــ ادھر دانستہ طور تخلیق انسانی میں وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کا ذکر کیا گیا ــــ روحی ایک زائد کیفیت ہے۔ جس کا تعلق زندگی کی روح سے نہیں۔ بلکہ علم سے ہے۔ اسی روح کے ذریعہ انسان (آدم) کو اسماء کلها کا مشاہدہ و علم دیا گیا ــــ یہی کیفیت خَبَرٌ پانے کی ہے ــــ جس سے انسان (آدم) کی افضلیت ثابت ہے۔ فَلَمَّآ اَنۡبَاَهُمۡ اسی افضلیت کا مظاہرہ ہے۔ جس سے خَبَرٌ دینا ظاہر ہے ــــ یہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق ہے مگر قرآنی بیان میں یہ بھی دانستہ طور ذکر کیا گیا۔ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط ــــ اس سوال میں تمام مخلوق انسانی (ارضی) شامل ہے۔ یہ سوال درست ہے ــــ کہ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً میں تمام مخلوقِ ارضی (انسانی) شامل ہے۔ کیونکہ خَلۡق کے اعتبار سے آدم کے وجود اور عام انسان کے وجود میں جسمانی روحانی (بشری جسم۔ اور نفخ روح) یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور اس میں کوئی فرق پایا نہیں جاتا۔ اسلئے فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً کا خطاب تمام مخلوقِ انسانی پر وارد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ــــ اسی تصور کے ساتھ۔ ارضی پیدائش کی خاصیت پر ملائکہ کا سوال درست ہے۔ کہ زمین کی سفلی پیدائش تسبیح وحمد کی حامل نہیں۔ جسکے مقابلہ میں قرآن نے انسان میں دو زائد کیفیتوں کا دانستہ ذکر کیا ــــ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ ــــ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ ــــ یہ دو کیفیتیں ارضی مرکب میں شامل نہیں ــــ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زائد عنایت ہیں۔ جو اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ. میں شامل ہیں ــــ اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان خلیفہ کی صفت میں پیدا ہوگا ــــ اور خلیفہ کی صفت اسماء ــــ اسرار الٰہی کا مشاہدہ و علم ہے ــــ اس صفت کے اعتبار سے ہر انسان خبر پانے والا کہلاتا ہے۔ البتہ جو خبر پا کر خبر دینے والا ہو۔ وہ نبی کہلائیگا۔ جس میں خبر دینے کی صلاحیت باقی نہ رہے۔ وہ اس وقت تک نبی کہلانے کا مستحق نہیں۔ جب تک کہ وہ خبر دینے کی صلاحیت نہ پائے ــــ آئندہ دور میں یہ صلاحیت مخصوص و منتخب ہستیوں میں پائی گئی۔ جن میں بعض ایسی ہستیاں ہوئیں۔ جو رسول منتخب ہوئے۔ اور بعض وہ جنہیں کتاب نہیں ملی۔ مگر انہیں بحیثیت مصلح و راہبر قوموں کی ہدایت کیلئے منتخب کیا گیا ــــ لیکن یہ امر ضروری ہے۔ کہ جن لوگوں نے ایسے نبیوں ــــ رسولوں سے (باقی حاشیہ گزشتہ صفحہ)

روشنی میں ایک خلیفہ کی صفت یہی ہو سکتی ہے ـــ البتہ عام انسان یا عالم امت کا نبی کے خطاب سے پکارا نہ جانا۔ چند مصلحتوں کے تابع ہے ـــ اول یہ کہ تفسیروں میں۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اکتساب فیض کر کے علم الْاَسماء کا مشاہدہ حاصل کیا۔ انکا مقام بھی۔ ایک مصلح۔ ایک راہبر کا ہوا ـــ اسلئے ایسی ہستیاں بھی مقام نبوت وخلافت حاصل کر کے نبی کہلانے کی مستحق ہیں ـــ اس سے ثابت ہوتا ہے ۔کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں ایک نبی کا ہی اصل تصور ہے۔ جس میں ہر انسان شامل ہے۔ لیکن چونکہ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا ـــ اور بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'' میں انسان کی پستی اور حیوانیت کا تصور پایا جاتا ہے ـــ اسلئے یہ ظاہر ہے۔ کہ انسان خلیفہ پیدا ہوتا ہے مگر تصور ومشاہدہ سے غفلت اور حصولِ ناجائز کی خواہش کے زیر اثر انسان خلیفہ کے مقام سے گر کر حیوان اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ کی صفت میں آ کر مقامِ خلافت ونبوت کھو بیٹھتا ہے ـــ اور ایسے لوگوں کی اصلاح کیلئے۔ کہ انہیں دوبارہ مقامِ خلافت پر لایا جائے۔ ایک خلیفہ کو منتخب کر کے اسکی صفتِ خلافت و نبوت کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اسے اصلاح انسانی پر مامور کیا جاتا ہے ـــ ایسے منتخب خلفاً۔ کو نبی ـــ اور رسول کہا جاتا ہے۔ ایسے موقع پر جب انسانی آبادی میں۔ نبوت کی صفات باقی نہ رہیں۔ تو ایک منتخب رسول کو ہی نبی کی صفت سے پکارا گیا۔ تو ایسے محسوس ہوا۔ کہ ایسے نبی کی نبوت عام انسانوں (خلیفہ ارض) کے مقابلہ میں فضیلت وخصوصیت رکھتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ رسول نبی کی وہی نبوت ہے جو عام انسانوں کو بحیثیت خلیفہ علم الاَسماء کی نبوت حاصل ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ ایسے موقع پر عوام الناس میں کسی فرد میں صفتِ نبوت قائم نہیں ہوتی۔ صرف منتخب رسول ہی کی نبوت کو دیکھا جاتا ہے۔ اسکے بعد جب نبی اصلاحِ انسانی کا عمل شروع کرتا ہے تو نبی ورسول سے اصلاح یافتہ بھی مقامِ خلافت ہی پاتا ہے۔ اسلئے وہ اپنے مقام خلافت کو پا کر نبی کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نبی ورسول کے بعد ایسی ہستیاں قائم مقام۔ نبی ورسول اصلاحِ انسانی کا کام کرتی ہیں ـــ انہیں علماً امت کہا جاتا ہے۔

گزشتہ قوموں میں جتنے نبی اور رسول مبعوث ہوئے۔ انکے بعد قوموں میں علماءِ امت کا وجود زیادہ دیر باقی نہ رہا اس لئے ان رسولوں اور انبیاً کی نہ تعلیم باقی رہی ـــ نہ عام انسان کو ہدایت کا ذریعہ حاصل ہو سکا۔ جسکے لئے دوبارہ انسان کو ایک نبی ـــ ایک رسول کی ضرورت رہی ـــ اور ایک نبی ـــ یا رسول کے بعد دوسرا نبی ورسول مبعوث ہوا ـــ لیکن حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس۔ کائناتِ ارض وسمٰوت میں افضل ہستی ہیں۔ آپ کی ذات تمام انسانی مخلوق ـــ اور تمام انبیاً ورسل کے مقابلہ میں جسمانی ـــ روحانی ـــ علمی حیثیت میں سب سے اعلےٰ وافضل ہے۔ آپؐ نبوت کے اعتبار سے جسمانی لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نوری وجود سے افضل وجود ہیں ـــ اور رسالت کے اعتبار سے آپؐ حامل قرآنِ عظیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تمام کائنات کیلئے ایک واحد (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی تفسیر میں قرآنی دلائل اور شواہد پر نظر نہیں ڈالی گئی ـــــ اور ہر زمانہ میں یہ مسئلہ بوجہ عمیق غور نہ کرنے کے نزاع کا شکار رہا ـــــ اور اسی ایک مسئلہ نے اسلامی عقائد میں تضاد اور الجھنیں پیدا کر ڈالیں۔ جن

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کتاب کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا ـــــ دوسری سب سے اہم خصوصیت کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ہر زمانہ میں علمأ امت کا وجود باقی رہیگا ـــــ یہ علمأ اپنا مقامِ خلافت ونبوت حاصل کئے ہونگے۔ خبر پانے والے ہونگے۔ خبر دینے والے ہونگے ـــــ اور اصلاحِ امت میں۔ عمومیت کے ساتھ امتِ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں بلاتمیز مذہب وملت ہر انسان کو مقام خلافت عطا کرینگے ـــــ اور آئندہ زمانہ میں کوئی ایسا وقت نہ آئیگا۔ کہ زمین خلیفہ و نبی سے خالی رہیگی ـــــ اسلئے آئندہ کسی کتاب۔ کسی نبی ـــــ کسی رسول کی ضرورت باقی نہ رہیگی۔ جسے اصلاح انسانی کیلئے مامور کرنے کی ضرورت ہو ـــــ چونکہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ میں ایک صاحب مشاہدہ عالمِ اسرار الٰہی ـــــ مشاہدہ ذاتِ الٰہی کا تصور ہے۔ ایسی ہستی ہی کیلئے نبی کا تصور پایا جاتا ہے۔ اور جب تک انسانی تخلیق ہوتی رہیگی ـــــ یہ قرآنی تصور خلافت ونبوت باقی رہیگا ـــــ اس بیان کی روشنی میں اس حدیث کو سمجھنا اور غور کرنا ضروری ہے۔ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کا فرمان ہے۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ـــــ یعنی ہر زمانہ میں نبی ورسول کے گزر جانے کے بعد تابعین میں علمائے امت کا بحیثیت مصلح۔ راہبر۔ خلیفہ۔ نبی ـــــ وجود باقی رہا۔ نہ نبیوں اور رسولوں کی تعلیم الٰہی محفوظ رہی۔ اور زمانہ کو ہر دور میں ایک نبی ورسول کی ضرورت پڑی ـــــ لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ـــــ کتاب۔ تعلیم الٰہی ـــــ بھی باقی رہی ـــــ اور علمائے امت بہ صفاتِ اولٰی امت میں باقی رہینگے۔ جن سے علم الاسرار ـــــ مشاہدہ اسرار الٰہی۔ مشاہدۂ ذات الٰہی حاصل ہوگا ـــــ کیونکہ خلافت کا مقصدِ حقیقی یہی ہے ـــــ اور تعلیم الٰہی جو کہ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی۔ صرف اصلاح انسانی کیلئے پیش کی جاتی ہے۔ قرآن کی شکل میں باقی رہیگی۔ اسلئے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ حضورؐ کے بعد ایسا زمانہ نہ آئیگا۔ کہ انسان ـــــ اصلاحی تعلیم ـــــ اور مصلح و راہبر سے محروم ہو ـــــ اور چونکہ حضورؐ کے بعد اب کسی نبی کا وجود ضروری نہ ہوا۔ تو آپ آخری نبی ـــــ نَبِیِّ اٰخِرُ الزَّمان صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ٹھہرے۔ دو وجہ سے ـــــ اول یہ کہ زمانہ اب قریب قیامت کے ہے ـــــ زمانہ آخر ہے۔ اسلئے آپؐ نبی آخر الزمان ہیں ـــــ دوسرے اصلاح انسانی ـــــ تعلیم الٰہی ـــــ انتخاب (اصطفائے نبی) کی ضرورت نہ رہی اور اس اصلاحی سلسلہ کا دفتر بند ہوگیا۔ کتاب نبوت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ مکمل وتمتہ ہوگئی۔ اسلئے آپ کی ذات سے کتاب نبوت پر مہر ثبت ہوگئی ـــــ دوسری وجہ ـــــ کیفیت خلیفہ میں۔ علم الْاَسماء۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی ہے۔ مشاہدۂ ذات الٰہی کی ترکیب کیا ہے ـــــ جس سے نبی بنتا ہے ـــــ؟ ـــــ وہ ہے۔ صراط مستقیم۔ اِنَّکَ لَتَھْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نزاعات میں زیرِ بحث ـــــ زیرِ مناظرہ۔ مسائل میں۔ انسان کو علم غیب نہ ہونا ـــــ قرآنی استعارات و تشبیہات پر بحث نہ کرنا ـــــ اور ان کیفیتوں سے لاعلم ہونے میں ہی نجات سمجھنا۔ حالانکہ قرآن اَلْحَمْدُ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) مُسْتَقِیْم ۔ یہ تصور ازلی ہے ــــ یہ صفت ازلی ہے ــــ کہ آپؐ ہی انسان کو صراط مستقیم تک پہنچانے والے ہیں۔ اسکی ابتداً ــــ ابتدائی انسان۔ حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے۔ حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت هُوَ الْاَوَّلُ۔ هُوَ الْاٰخِرُ۔ هُوَ الظَّاهِرُ۔ هُوَ الْبَاطِنُ ہے۔ اس کیفیت کی گواہ وہ حدیث ہے۔ جس میں ایک اعرابی کی شکل میں ایک شخص نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مسجد نبوی میں سوال کیا ''یا رسول اللہ آپؐ اول ہیں۔ آپؐ آخر ہیں۔ آپؐ ظاہر ہیں۔ آپؐ باطن ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بلے (اثبات میں) فرمایا ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے جنہوں نے ہم سے سوال کیا''۔ اس کیفیت کا اشارہ اس حدیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھا ــــ

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اُس وقت بھی موجود تھی جب انسانی تخلیق کی ابتدا ابھی نہ تھی ــــ آپؐ کی حیثیت نبی کی بھی تھی۔ کہ آپ ازل سے اسرار الٰہی کا مشاہدہ رکھتے تھے۔ اور علم و خبر سے آگاہ تھے۔ اور عالمِ باطن میں آپؐ کا وجود۔ آپ کا علم۔ موجود تھا ــــ دوسرے آپ کا نور (نوری) روح رحمانی بنیاد ہے۔ اسماء کلھا کا۔ اس اعتبار سے آپؐ معرفتِ ذات کے اعتبار سے بھی نبی تھے جبکہ نبی اسمآءِ کلھا کے علم سے ہی بنا جاتا ہے ــــ

جیسا کہ بیان ہو چکا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مقدس مُحَمَّدْ'' ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف ــــ ذاتِ الٰہی سے ماسوئی کل مخلوق۔ از ازل ــــ تا ابد ــــ نور ابتدائی سے بنی ہے ــــ کل مخلوق کی جملہ صفات کی خصوصیات کا مجموعہ مُحَمَّدْ'' سے تعبیر ہے۔ جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــــ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ سب سے پہلے ہمارا نور مخلوق ہوا ــــ اسی نور سے از ازل تا ابد مخلوق بنی ــــ یہ نور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ رحمانی (علمی روح) ہے۔ اس لحاظ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ازل سے ہیں ــــ حضرتِ آدمؑ کو علم الْاَسماء میں۔ زمین کی اشیاءِ مخلوقی سے لیکر آسمان۔ عرش۔ عرش سے بالا جملہ مقاماتِ نوری کا مشاہدہ کرایا گیا ــــ ان تمام اشیائے مخلوقی میں۔ کَیْفَ بَدَاَالْخَلْقَ (تخلیق کی ابتداً اور اسکا بنیادی وجود) کا مشاہدہ کرنا ہے ــــ اس مشاہدہ میں بنیادی وجود نور محمدیؐ محسوس ہوتا ہے ــــ تو نور محمدی حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اسی شبیہ میں نظر آتا ہے۔ جو شبیہ آپکی احمد کی (دنیا پر) مدینہ منورہ میں تھی ــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ علم الْاَسماء ــــ علمِ نبوت میں اول مشاہدۂ شبیہ محمدیؐ ہوتا ہے ــــ هُوَ الْاَوَّلُ میں ایک تصور نورِ ابتدائی کا ہے۔ دوسرا تصور حضرت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے لیکر وَالنَّاسِ تک حرف۔حرف انسان کی ہدایت کیلئے ہی پیش کیا گیا ـــــ نیز بشر و نور کا جھگڑا ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب نہ ہونا ـــــ آپ کا حیات النبی نہ ہونا۔ ولی کی رد و تکذیب۔ علمائے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) آدم علیہ السلام کے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے مشاہدہ میں شبیہ محمدیؐ کے مشاہدہ کا ہے ـــــ اسکے بعد اولادِ آدم میں عام انسان اور ہر انبیاءؑ کو بھی علم الاسماء۔ مشاہدہ اسرار الٰہی حاصل کرنا تھا۔ اسلئے ہر نبی کو مشاہدۂ اسرار الٰہی میں مشاہدہ نور محمدیؐ ـــــ شبیہ محمدیؐ حاصل ہوتا تھا ـــــ هُوَ الظَّاهِرُ ـــــ یہی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے شبیہ احمد میں دنیا پر ظہور فرمایا ـــــ هُوَ الْبَاطِنُ جہاں تک نورِ ابتدائی مُحَمَّدٌ کی حیثیت ہے۔ آپکا وجود عالم باطن (اسرار الٰہی ـــ اسماء کلھا) میں روحانی حیثیت میں ہے ـــــ جہاں تک کائنات کی تخلیق میں محسوسات کا وجود ہے۔ بجائے خود یہ کچھ نہیں صرف مخلوقی شکل ہے۔ ورنہ بنیادی حیثیت میں محمد ہے ـــ لہذا ازل سے ابد تک حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ کا وجود ـــ نبوت ـــ راہنمائی قائم ہے ـــ ہر نبی کو معرفتِ اسرار الٰہی میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا مشاہدہ کرنا ہے ـــ ہر نبی کی نبوت پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم مہر ثبت فرماتے ہیں ـــ جب وہ مراتب میں ـــ مشاہدہ اسرار الٰہی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوتے ہیں۔ (اسی مشاہدہ پر جملہ انبیاءؑ نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئی کی) ـــــ

عِلْمُ الْاَسْمَآءَ ± میں مشاہدہ کی ترکیب کیا ہے ـــ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ـــ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

صراط مستقیم کیا ہے ـــ؟ ـــ صراط اللہ ـــ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ـــ اللہ کا راستہ کدھر سے ہے۔ اسی سے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا ـــــ یہی راستہ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی کا ہے ـــــ زمین سے شروع ہو کر ذاتِ الٰہی تک پہنچتا ہے ـــــ

زمین۔ عالمِ ناس (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ) کہلاتی ہے ـــ اسکا ایک عالم ٹھوس مادی اشیاءؑ کا ہے۔ جو بصر (آنکھ) سے دیکھا جاتا ہے۔ دوسرا عالم غیر محسوس ہے۔ وہ ان لطیف کیفیات کا وجود ہے۔ جنکا حقیقتاً وجود ہے۔ لیکن آنکھ سے دیکھا نہیں جاسکتا ـــ جیسے۔ پانی ـــ ایک سیال شے ہے ـــ لیکن اسکا مرکب لطیف مادی ذرات کا مجموعہ ہے۔ یہ ذرات دیکھنے میں نہیں آتے ـــ ہوا ـــ غیر محسوس ہے۔ لیکن بذاتِ خود لطیف ذرات کا مجموعہ ہے ـــ اسکے علاوہ کئی ایک برقی قوتیں ـــ خصوصاً وہ قوت جو انسانی حواس مین کیفیات حاصل کرنے میں معاون ہے ـــ جسے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ در حاشیہ ± اسکی تفصیل آگے صفحہ ۴۴۴ پر آئیگی۔

امت (اولیأ) کے کمالاتِ ولایت کو لغو اور ظن قرار دینا۔ علمِ طریقت کی رد کرنا جو کہ انسانی پیدائش کا خاصہ ہے ـــــ دوسری وجہ یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی حیثیت کو سطحی نظر سے دیکھنا۔ عالمِ امت کا عرصہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ایثر کہا جاتا ہے۔ یہی قوت ہمارے وجود میں بھی کیفیات کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے ـــــ اسے روح (روح حیوانی) سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ یہ قوتِ روحی ایک وسیع فضا کی صورت میں پائی جاتی ہے ـــ اس قوت کا مقام زمین (عالم ناس) ہی ہے ـــ اسی لطیف روحانی فضا کو عالمِ ناس یا عالم ناسوت سے موسوم کیا جاتا ہے ـــ یہی عالم ہے جو مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ـــ ارض کی کیفیت ہے۔ اسی عالمِ ناس کو اسرار الٰہی کے مشاہدے کے ابتدأ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اس عالم کی وسعت آسمان تک ہے ـــــ جوں جوں آسمان کی طرف پرواز کی جائے۔ یہ مقام بلندی کی طرف لطیف سے لطیف تر ہوتا جاتا ہے ـــــ آسمان یکسر۔ خالص نوری فضا ہے ـــــ زمین (عالم ناسوت) سے پرواز کرتے ایک شاہد (صاحب مشاہدہ) نوری آسمانوں میں داخل ہوکر صراط اللہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی راستہ سے صاحب مشاہدہ آسمانوں۔ عرش ـــ عرش سے بالا مقامات تا ذاتِ الٰہی کیفیات نوری کا مشاہدہ کرتا ہے ـــــ اس مشاہدہ میں۔ چونکہ تمام کیفیات کا بنیادی وجود نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے ـــ اسلئے عالم ناس (ناسوت) اور عالم سماوات (عالم ملکوت) کے درمیان ایک صاحبِ مشاہدہ کو (عالم ملکوت کے باب پر) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک کا مشاہدہ ہو جاتا ہے ـــــ عالمِ باطن میں عالم ناس کی ایک حدِ موہوم ہے۔ عالم ناس کے خاتمہ پر عالمِ سماوات کی حد شروع ہوتی ہے ـــ عالم ملکوت عالم سمٰوٰت کا تمثیلی دروازہ (باب) ہے ـــ اسی مقام پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مقدس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس مشاہدہ کو زیارتِ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــ عالم ملکوت سے صراط اللہ کا حقیقی راستہ ہے ـــــ جہاں سے آسمان اور دیگر اسرار کا مشاہدہ ہونا شروع ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ حاصل کرنا ہر انسان کیلئے لازم ہے۔ کیونکہ ہر انسان خلیفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مشاہدہ سے ایک انسان نبی کی صفت میں آ جاتا ہے ـــ اسلئے نبی کی صفت اسی مشاہدۂ اسرار الٰہی سے مکمل ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد اگر کوئی نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔ تو اسکے لئے چند باتیں ضروری ہیں ـــــ (۱) اصطفےٰ ـــــ انتخاب۔ یہ انتخاب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے ـــــ (۲) دوسرے وقت و زمانہ کی ضرورت ـــ یعنی جب زمانہ میں۔ انسان کو ہدایت۔ تعلیم الٰہی میسر نہ آئے۔ اور پیشتر ایک رسول کا وجود موجود نہ ہو۔ (۳) رسول کے بعد عالمِ امت اور رسول کی تعلیم موجود نہ ہو۔ (۴) زمین پر۔ ذکر الٰہی۔ تصور الٰہی۔ مشاہدہ اسرار الٰہی کا وجود باقی نہ رہا ہو ـــ (۵) زمین پر سوائے قتل و غارت فساد و خونریزی اور انحراف کے اور کچھ نہ باقی ہو۔ اسکے ساتھ ہی ایک مدعی نبوت کو نبوت کی دلیل کیلئے صفاتِ نبوت ـــ احسن کردار۔ حقیقی تعلیم ـــ مشاہدۂ اسرار الٰہی کا ہونا ـــ اور لوگوں کو جوق در جوق صاحب مشاہدہ بنانا ضروری ہے۔ ان کیفیات کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دراز سے تزکیہ ومجاہدہ سے عاری ہونا ـــــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت وشریعت کا دوحصوں میں تقسیم ہونا۔ تیسرے طریق تزکیہ ومجاہدہ کو اصل دین سے الگ کرنا ـــــ اور بعد میں خلافت۔ شریعت۔ طریقت کا آپس میں بوجہ کم علمی متصادم ہونا ـــــ اور قوتِ مشاہدہ کی کمی واقع ہونا ـــــ اور خصوصاً عربی اصطلاحات۔ رواجات وادب کو عجمی تصور میں سمونا۔ قریشی زبان عربی کا علم القرآن و الحدیث میں ملحوظ نہ رکھنا۔ بلکہ ان تشبیہات۔ استعارات وغیرہ کے علم سے دور رہنا جس سے قرآن کی اصل حقیقت واضح ہوتی ہے ـــــ اول حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ تصور محسوس نہیں ہوتا کہ ۔تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کسی مشاہدۂ اسرار الٰہی کا مظاہرہ ہوا۔ یا مافوق الفطرت کرامات کا ظہور ہوا۔ جبکہ گزشتہ انبیاءؑ کے مافوق الفطرت معجزات کا ذکر قرآن میں موجود ہے ـــــ اور خصوصی بات یہ کہ قرآن نے واضح الفاظ میں سوائے عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے اور کسی مشاہدۂ اسرار کا ذکر نہیں کیا ـــــ اور اسماء کا مشاہدۂ اسرار الٰہی سے تعبیر کرنا بھی ایک ذاتی تاویل قرار دی جاسکتی ہے ـــــ ایسے حالات میں نبی۔ نبوت۔ کو رسالت سے علیحدہ صفت قرار دینا بلا دلیل اور لغو سمجھا جاتا ہے ـــــ تفسیر اور مفسرین کے تصور میں نبی۔ اور رسول ایک ہی صفتِ رسالت کو سمجھا جاتا ہے ـــــ لیکن الفاظ کے اعتبار سے نبی کا تصور ایک ہے۔ اور رسول کا تصور الگ ـــــ اس کی اصل وجہ ابتدائی زمانہ رسالت کے بعد

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہوتے ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ برعکس اسکے اگر ان صفات میں کوئی صفت موجود نہ ہو تو اُسے کذاب۔ یعنی جھوٹا نبی کہا جاتا ہے۔ ایسے شخص سے بجائے خلافت ـــــ گمراہی وفساد پیدا ہوتا ہے۔ ایسا شخص کوتاہ عقلی۔ کوتاہ علمی کے باعث خود کو صاحبِ مشاہدہ ومعرفت سمجھتا ہے۔ البتہ ایسے شخص کا دعویٰ صرف عالمِ ناسوت کے انوار دیکھنے پر ہوتا ہے۔ یہ محض کوتاہ فہمی کے باعث خود کو صاحب معرفت سمجھنے کی غلطی کرتا ہے۔ عالمِ ناسوت میں کرامات کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ اس سبب ایسے شخص کو صاحبِ کمال ولی یا نبی سمجھا جاتا ہے۔ جو دل کی باتیں بتانے والا ہو۔ مستقبل کی پیشگوئی کرنے والا ہو۔ یا ظاہری علم پر عبور رکھتا ہو۔ یہ صفات نبی ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ ایسی صفات کو استدراجی (یا شیطانی۔ شہوانی) قوت تعبیر دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص بغیر معرفت اسرار الٰہی اور معرفتِ ذات الٰہی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا۔ بغیر صفات نبوت کا دعویٰ کرنا کذب کے مترادف ہوتا ہے۔ ایسے شخص سے نہ دین کو فروغ ملتا ہے۔ نہ کسی کو معرفت الٰہی میسر آتی ہے۔ بلکہ امت میں تفرقہ وفساد پیدا ہوتا ہے۔

ایک نئی خلافت کی ابتداٗ ہوئی۔ جس میں اسلامی حکومت کا تصور پایا گیا اس تصور نے حقیقی خلافت خَلِیْفَۃ کا حقیقی تصورانسانی ذہن سے کھوڈالا۔ اور یہ بھی کہ خلیفہ کے معنی زمین پر بادشاہی کرنے والا۔ دنیا کا نظام چلانے والا ــــ اللہ کا دین پھیلانے والا۔ خلیفۃ اللّٰہ۔ لیا گیا ــــ حالانکہ قرآنی الفاظ میں جہاں وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ کا ذکر ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ خلیفہ سے مراد ملائکہ کے بعد ایک وجود تسبیح وحمد کرنے والا ــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بعد قرآن اور اسکا عمل جاری رہنا تقاضائے فطرت کے ماتحت لازمی ہے۔ کیونکہ یہ قرآن قیام قیامت تک کے لوگوں کیلئے ذریعہ ہدایت ہے۔ اسلئے ہرزمانہ میں۔ قرآنی تعلیم اور اس تعلیم کے ساتھ ایک معلم شخصیت کا پایا جانا لازمی ہے۔ یہ شخصیت علمائے امت۔ نائب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ــ خلیفہ رسول اللّٰہ ہوگا ــــ اسکے لئے قرآن کا سمجھنا ــــ قرآنی علم کے جملہ علوم وآثار سے آگاہ وشاہد ہونا ضروری ہے ــــ اور خصوصاً اسرار الٰہی سے آگاہ ہونا ــــ ایسی شخصیت کو جہاں تک قرآن وحدیث کی درس وتدریس کا تعلق ہے عالمِ امت کہا جاتا ہے۔ لیکن ایسی شخصیت کیلئے۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ ریاضت۔ اور نفس کشی لازمی شرط ہے۔ تاکہ ایسی شخصیت کو حقیقی قوتِ فقہ والقا اور صحیح قوتِ اجتہاد حاصل ہو اور قرآن وحدیث پر عمل کے بعد نتیجۂ عمل میں معرفتِ تام بھی حاصل ہو۔ تاکہ قرآن کے تمام آثار واسرار کا اسے بالمشاہدہ (مشاہدۂ قلبی) علم حاصل ہو ــــ ایسی شخصیت ہی عالمِ امت کہلانے کی مستحق ہے۔ قرآنی ہدایت کا طریق تو یہ تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپ کا جانشین (خلیفہ) وہ ہوسکتا ہے جو علم میں سب سے افضل ہو۔ جو عمل میں سب سے افضل ہو ــــ جو حکمت وتدبر میں سب سے افضل ہو ــــ علم وعمل کے اعتبار سے خلیفہ کی صفت میں یہ کیفیت شامل ہے یَتْلُوْاعَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ۔ یعنی قرآنِ مجید کے علم سے بدرجہ اولیٰ بہرہ ور ہو۔ قرآن کے جملہ علوم سے آگاہ ہو ــــ اور اس علم میں تمام امت میں اعلےٰ مقام حاصل کئے ہو ــــ اور ہر شخص کو قرآنی علم میں راہنمائی کرسکتا ہو ــــ اسکے بعد عمل میں افضلیت میں تقویٰ (پرہیز گاری) کا عمل کہ قرآن وسنت کی اتباع میں بہ تمام وکمال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والا ہو۔ اور عالم امت وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ میں شمار ہو۔ جو ایک طرف

رزق حلال محنت و مشقت سے روزی کمانے والا۔ رات جاگنے والا۔ تہجد پڑھنے والا۔ روزے رکھنے والا۔ رات کو تلاوت کرنے والا ہو۔ اور اسے تزکیہ روحانی حاصل ہو۔ یعنی اسے قرآن کے جملہ آثار واسرار۔ متشابہات۔ اور اسرار الٰہی سے آگاہی ہو۔ تاکہ باطنی طور اس میں راہنمائی کی کلی صلاحیت پائی جاتی ہو یہی تصور خلیفہ کیلئے حقیقی تصور ہے۔ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی قرآنی تعلیم کا اجراُ اور مشاہدہ اسرار الٰہی سے امت کو آراستہ کرنا ہے۔ اور فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کی تکمیل اسی علم وعمل سے ہوتی ہے ــــ اسی عمل کیلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک خلیفہ کی قیامت تک قرآن و رسول اللہ کی تعلیم کا اجراُ کرنے کی لازمی ضرورت رہتی ہے۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک خلیفۂ رسول کیلئے۔ حاملِ قرآن۔ صاحب مشاہدہ۔ صاحب معرفت راہبر ہونا لازمی ہے ــــ یہی عمل ایک خلیفہ کے ذمہ ہے ــــ اسی صفت کے اعتبار سے ایسے خلیفہ کو نائب رسول اللہؐ۔ رسالت کا اجراُ کرنے والا۔ خلیفہ رسول اللہؐ۔ امت کو مقام خلافت پر پہنچانے والا صاحبِ خبر (خبر پانے والا ــــ خبر دینے والا) نبی تصور کیا جاتا ہے ــــ اس مقام پر چونکہ ایسے خلیفہ کے ذمہ انسانی خلافت کی حفاظت کی ضرورت بھی رہی۔ جسکے لئے جماعتِ مومنین نے ایک حکومت کی حیثیت حاصل کی ــــ جس میں چند ایک کیفیتیں ایسی شامل ہوئیں جو بظاہر امور دنیوی سے تعلق رکھتی تھیں۔ جنکے لئے ایک خلیفہ کا صاحب تدبر۔ صاحبِ عقل۔ صاحب فہم ہونا بھی ضروری ہوا ــــ جماعتِ مومنین کا حکومت کی شکل اختیار کرنا بھی۔ دینی اعتبار سے تھا ــــ وہ یہ کہ تبلیغ دین۔ اجرائے قرآن میں مخالفین اسلام۔ کفار نے اس طریق تبلیغ کو مٹانے اور عوام کو دین میں داخل ہونے۔ یا قرآنی تعلیم پر عامل ہونے کی شدت سے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ کفار حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ہلاک کرنے کے درپے ہوئے۔ اور جماعتِ مومنین۔ مبلغین دین کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے۔ تو ضروری تھا۔ کہ ان مخالفینِ دین کو تبلیغ کے راستہ میں حائل ہونے سے باز رکھا جائے ــــ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار سے جنگ کرنا اسی مقصد کے تابع تھا ــــ کہ مخالفینِ اسلام کو تبلیغِ دین میں روکاوٹ پیدا کرنے سے باز رکھا جائے۔ جس وقت تبلیغ دین میں۔ جماعت اسلامی کو وسعت حاصل ہوئی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم بمعہ جماعتِ مومنین کے بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اسوقت کفار کی مخالفت کا زور ٹوٹ گیا ــــ اور آئندہ جماعتِ اسلامی کو تبلیغ دین میں کسی

قسم کی رکاوٹ باقی نہ رہی ـــ اور علی الاعلان قرآنی احکام کا اجرأ ہونے لگا ـــ اور قرآنی تعلیم مکہ اور مدینہ سے باہر مصر وشام۔ عراق اور ایران تک پہنچنے لگی۔ اور جوق در جوق قومیں مشرف بہ اسلام ہو کر احکامِ الٰہی کی پابندی کرنے لگیں ـــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ تبلیغ دین میں۔ دین اسلام کی ہیئت سوائے اسکے کچھ نہ تھی۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ وحی نازل ہوتی تھی۔ جماعتِ مومنین اس پر عمل کرتی تھی۔ اس عمل سے۔ اصلاحِ انسانی مقصود تھی۔ کہ ہر انسان ایک اللہ کو اپنا معبود و رب مان کر اسکی تسبیح وحمد کرے اور تزکیہ مجاہدہ ـــ ریاضت ـــ رات جاگنے ـــ روزہ اور فاقہ سے اپنی روحانی قوت بحال کر کے صاحب مشاہدہ ـــ صاحبِ معرفت ہو جائے۔ اسکے علاوہ اسلام کی کوئی اور شکل نہ تھی۔ سوائے چند خصوصی احکام کے جو احکام صرف اصلاح نفس کیلئے ہی مقرر تھے ـــ یعنی جھوٹ نہ بولنا ـــ کم نہ تولنا۔ جوا نہ کھیلنا۔ شراب نہ پینا ـــ زنا سے دور رہنا۔ چوری نہ کرنا۔ سود نہ لینا ـــ اسکے علاوہ زکوٰۃ ادا کرنا۔ یہ زکوٰۃ بیت المال میں جمع کی جاتی تھی ـــ ان احکام میں بعض کیلئے اللہ تعالیٰ نے تعزیر (سزا) مقرر کی۔ یعنی زنا۔ چوری اور شراب نوشی کیلئے درّے ـــ رجم ـــ ہاتھ کاٹنا ـــ اسکے علاوہ۔ جھوٹ۔ بہتان۔ کم تولنا ـــ اور دیگر برائیوں کیلئے کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ـــ ان احکام میں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعزیر (سزا) مقرر کی ـــ جس وقت اسلام کا مکمل غلبہ ہوا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے جرائم کی خود سزا دی۔ بس اسی حد تک اسلام نے حکومت کی شکل اختیار کی ـــ یہ سزائیں بھی اسلئے مقرر ہوئیں۔ کہ ایسے جرائم اسلامی معاشرے یا اسلامی جماعت میں انکے عمل میں رخنہ پیدا کرنے کا سبب بن سکتے تھے۔ اسکے علاوہ۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا ـــ لازمی قرار دیا گیا۔ جسکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حکمِ خاص کا نفاذ ہوا ـــ یہ تمام احکام اور ان احکام کی تعمیل محض دین کی حیثیت سے کی گئی ـــ

اسلام کے غلبہ کے بعد ضرورت اس امر کی تھی۔ کہ ہر انسان تک قرآنی تعلیم پہنچائی جائے۔ اور ہر انسان کو بلا جبر و کراہ اس تعلیم کا پابند بنایا جائے۔ جسکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مبلغین اسلام کو دور دراز علاقوں میں بھیجا گیا ـــ جنہوں نے صرف قال وحال سے قرآنی تعلیم کا اجرأ کیا ـــ لوگوں نے قرآنی تعلیمات سنکر اسے بخوشی قبول کیا ـــ اور جہاں جہاں قرآنی تعلیم پہنچی۔ وہاں

جماعتِ مومنین نے ۔کسی حکومت یا جماعت کو تشکیل نہیں دیا۔ بلکہ فرداً فرداً ہر انسان نے ایک انسانی فریضہ سمجھ کر اس پر عمل کیا ـــ البتہ ۔ جہاں جہاں جماعتِ مومنین کی کثرت ہوئی ـــ وہاں ہر قوم یا قبیلہ کیلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک مبلّغ بحثیت عامل یا امیر مقرر کیا گیا۔ تا کہ لوگوں کو قرآنی تعلیم سے آگاہ کیا جائے ـــ اور احکامِ الٰہی کے تحت لوگوں کی اصلاح کی جائے ـــ چونکہ تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ کفار نے دینِ اسلام کی مخالفت میں ـــ اسلام کو مٹانے کیلئے ۔فوج کشی بھی کی۔ اسلئے کفار کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے ۔اسلام میں مجاہدین کا وجود پیدا ہوا۔ جو ایسے وقت پر کفار کے مقابلہ میں جہاد کر کے کفار کے حملوں کو پس پا کرتے رہے۔ضرورت اس امر کی تھی ۔کہ تبلیغِ دین کیلئے۔ ایک طرف کفار کے حملوں کو پس پا کیا جائے۔ دوسری طرف حاملانِ دین اسلام کی حفاظت کی جائے ـــ دوسرے یہ کہ اسلامی غلبہ حاصل کر کے ـــ باطل قوتوں کو زیر کیا جائے ـــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفینِ اسلام میں سب سے بڑے مخالف یہودی تھے ـــ جو مکہ کے علاوہ ۔مصر و شام ۔ اور دیگر اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسلام کے مخالف سب سے بڑی شر پسند قوم یہودیوں کی تھی۔ جو ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ اور اہلِ ایمان لوگوں میں مل جل کر رہتے تھے۔ اور ہر وقت اسلام کی مخالفت میں سازشیں کرتے تھے۔ ضروری تھا۔ کہ ایسی قوم کو مغلوب کر کے زیر نگیں کر کے انہیں اسلام کی مخالفت کا موقع نہ دیا جائے۔ ایسی صورت میں ـــ ضرورت ہوئی کہ ایسے مخالفین کو اسلامی جماعت کے زیر تسلط رکھا جائے ـــ زیر تسلط رکھنے کی صورت میں ـــ جبکہ انکی تمام حرکات افعال پر پابندی لگائی گئی۔ اسلام نے انکی جملہ ضروریات زندگی کی ذمہ داری اپنے سر لے کر۔ انہیں رعایا کی حیثیت میں رکھا ـــ اس حیثیت میں بھی انہیں دنیوی معاملات میں لین دین۔ کاروبار اور ہر معاملہ میں آزادی دی گئی۔ دینی معاملات میں بھی۔ انکے دینی طریق عبادات اور اصولوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی گئی ۔ یہ آزادی اس حد تک تھی کہ یہودی اس آزادی میں بھی اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ تا وقتیکہ انکے خلاف سازش یا تخریب کا قوی ثبوت فراہم نہ ہوا۔ اسلام نے انکے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہ کی۔ کیونکہ یہودی منافقانہ انداز میں بظاہر اپنے آپ کو اسلام کا خیر خواہ ظاہر کرتے تھے۔ اور بہ باطن دشمنوں سے ساز باز کرتے رہتے تھے ـــ زیر تسلطِ اسلامی رکھنے میں صرف ایک مقصد تھا کہ یہودیوں کو دین

اسلام میں فتنہ پیدا کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

ان حالات میں جب کہ تبلیغ دین کیلئے کفار کی شر سے حفاظت کا سامان کرنا ضروری تھا۔ اسلام نے حکومت کی شکل میں لوگوں کو اپنی تحویل میں لے کر انکی اصلاح کی ـــــ جماعتِ مومنین کیلئے۔ دینی اصلاح سے ماسوئی انکی دنیوی ضروریات کیلئے بھی آسانیاں فراہم کیں ـــــ جیسے زکوٰۃ جمع کر کے بیت المال میں جمع کرنا ـــــ اور غربأ و مساکین کی ضروریات پوری کرنا ـــــ ان طریقوں میں۔ جماعتِ مومنین کے نزدیک حکمرانی کرنا ـــــ یا حکومت بنانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ سوائے تبلیغ دین میں ـــــ قرآنی تعلیم کے اجرأ میں راہ کشادہ کرنا۔ اور ہر طریقہ سے انسان کو باطل سے نکال کر حق کی طرف لانا ـــــ اور مائل کرنا ـــــ اس طریق میں۔ جو بھی اصول پیش کئے گئے۔ وہ وہی اصول وضوابط تھے۔ جو قرآن نے صرف اصلاحِ انسانی کیلئے پیش کئے ـــــ جسے قانونِ الٰہی ـــــ یا قرآنی تعلیم واحکام سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ یہ حقیقت ہے۔ کہ اسلام میں۔ کسی جماعت بندی۔ کسی حکمرانی۔ کسی دنیوی نظام کی شیرازہ بندی کا قطعاً کوئی تصور نہیں پایا جاتا ـــــ البتہ حالاتِ زمانہ کے تحت۔ مخالفین اسلام کی دین اسلام کی مخالفت کے زیرِ نظر۔ ایسی ضرورتیں پیش آئیں۔ جن میں جماعتِ مومنین کو ایک اقتدار اعلیٰ۔ یعنی غالب اور قوی حیثیت حاصل کرنی پڑی۔ جس میں تبلیغ میں باطل قوتوں پر لازماً تسلط قائم رکھنا پڑا ـــــ اور یہ ضروری ہوا ـــــ کہ کسی قوم کے اختیار پر غلبہ پانے پر اسکی تمام ضروریات زندگی اپنے ذمہ لیکر۔ ایک طرف انکی دنیوی زندگی کی آسائشیں انہیں فراہم کی جائیں ـــــ دوسری طرف صرف اخلاقِ حسنہ سے ـــــ انکے قلوب متاثر کر کے انہیں قرآنی تعلیم سے شناسا کر کے انکی اصلاحِ نفسی کی جائے ـــــ

کیونکہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہے۔ اور اس نے انسان کو صرف تسبیح وحمد کیلئے پیدا کیا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے اُسے ایک عظیم مرتبہ عطا کیا ـــــ اور زمین پر اسے اشرف بنا کر کائنات کی تمام قوتیں اسکے لئے مسخر کر دیں ـــــ لہذا اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں۔ تسبیح وحمد انسان کے لئے نفعِ عظیم ہے۔ اسی نفعِ عظیم کو حاصل کرنیکے لئے جماعتِ مومنین نے ایک انسان کو ہر چند مجبور کر کے اسے عظیم نقصان سے محفوظ کرنے اور عظیم نعمتوں سے مالا مال کرنے کی طرف لایا ـــــ ایسی صورت میں۔ جبکہ اس طریقہ میں صرف انسان کی فلاح مقصود ہو۔ اور فی الحقیقت اس میں انسان کی فلاح ہو۔ اگر جبر بھی کیا جائے۔ تو

احسن اقدام ہے۔ لیکن اسلام نے کسی مقام پر انسان پر جبر نہیں کیا۔ بلکہ خود ایک انسان کی دینی زندگی سے علاوہ اسکی ظاہری دنیوی زندگی کا بار بھی اپنے سر لیکر اسکی دنیوی زندگی کو پرامن اور نفع بخش بنایا ــــ غرض اس تمام طریق میں اسلام (جماعت مومنین) نے اجرائے دین اور قرآنی تعلیم کا اجراءٔ مقصود رکھا۔ جس میں صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کیئے گئے احکام کا اجراءٔ انسانی اصلاحِ نفسی۔ اور مرتبۂ خلافت عطا کرنا تھا ــــ اسی مرتبۂ خلافت کے حصول کے تصور کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد انکے جانشین کو خلیفہ کہا گیا ــــ اس خلیفہ میں بھی وہی تصور ہے جو اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں تصور ہے۔ ظاہر ہے۔ جب خلیفہ کو صرف اسلامی حکومت کے نفاذ کے تصور میں ہی دیکھا گیا۔ تو ضروری ہے کہ خلیفہ کو بادشاہی کرنے والا ــــ یا دنیوی نظام چلانے والا تصور کیا جائیگا ــــ اور اگر حقیقی تصور میں خلیفہ کو صاحب مشاہدہ ــــ صاحبِ معرفت۔ اسرار الٰہی سے آگاہی پانے والا ــــ اور رسول کے بعد اصلاح انسانی کے تحت ایک گمراہ اور ذلیل انسان کو دوبارہ مرتبۂ خلافت پر لانے والا ــــ سمجھا جائے ــــ تو پھر خود بخود۔ ایک رسول کے بعد اسکا جانشین وہی ہوگا ــــ جو احکام الٰہی کا اجراءٔ کرنے والا ــــ اپنی اصلاح کر کے۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ ریاضت۔ رات جاگنا۔ فاقہ ــــ اور تسبیح وحمد سے مرتبۂ خلافت۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل کر کے خبر پانے والا ــــ اور ایک راہبر۔ راہنما۔ عالمِ امت کی حیثیت سے۔ انسان کی اصلاح کرنے والا ــــ خبر دینے والا۔ انسان کو مرتبۂ خلافت پر پہنچانے والا ــــ خلیفہ و نبی ہی تصور کیا جاسکتا ہے ــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپؐ کے جانشین حضرت صدیقِ اکبر۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ ہوئے ــــ یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک اسلامی حکومت کے خلیفہ ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ــــ کیونکہ خلیفہ کیلئے ایک شرط یہ ہے۔ کہ وہ قرآنی علم میں سب سے افضل ہو ــــ دوسرے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع۔ تعمیل قرآن و تعمیل ارشادِ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ تعمیل کرنے والا ہو ــــ یہ اس لئے کہ ایسے خلیفہ نے حضور محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مشن (تبلیغ۔ اجرائے قرآن) پورا کرنا ہے۔ جسکے لئے ایک رسول منتخب کیا جاتا ہے ــــ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام میں ''خلافتِ اسلامیہ'' میں کسی حکومت کا تصور نہ تھا ــــ

بلکہ اجرائے قرآن — فلاحِ انسانی کیلئے انسان سے احکام کی تعمیل کرانا — اور اسے مرتبۂ خلافت (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً) پر پہنچانا تھا — عام طور پر یہ محسوس کیا جاتا ہے۔ کہ خلافت اسلامیہ میں۔ اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنا ہے۔ یعنی ہر انسان کسی حکومت کا پابند نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا پابند ہو — لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی قانون نہیں بھیجا جس کے لئے رسول کو حکم دیا ہو کہ انسان کو میرے قانون کا پابند کرو — اور میرا قانون رائج کر کے میری حکومت بناؤ — اللہ تعالیٰ نے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف یہی حکم دیا۔ قُمْ فَاَنْذِرْ — اٹھیں اور لوگوں کو قیامت کے عذاب سے ڈرائیں اور وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ اور پہلے اپنی قوم کے قریبی تعلقداروں سے ابتدأ کریں۔ کہ

قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا۔ باطل معبودوں سے دنیوی حاجتیں پوری کرنے کیلئے انکی پرستش نہ کرو بلکہ اللہ کی عبادت برائے عبادت پر عامل ہو جاؤ تاکہ تم آخرت میں فلاح پاؤ۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۶۴) اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہمارے تمہارے درمیان کی ایک سیدھی بات پر آؤ کہ نہ بندگی کریں۔ مگر اللہ کی اور نہ شریک ٹھہرائیں ہم میں سے کوئی۔ کسی دوسرے کو پروردگار۔ سوائے اللہ کے —

یہ ایک حکم ہے۔ جسکا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ابتدأ دیا کہ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی — یہی وعدہ قرآن کی صورت میں پورا ہوا — جسکا مقصد سوائے اسکے کچھ نہیں۔ کہ انسان قرآنی احکام کی تعمیل کر کے خلافت کا مقام حاصل کرے اور یہ امر طے شدہ ہے۔ کہ انسان نے صرف خواہشات نفسانی میں بے اعتدالی۔ اور حد سے تجاوز کر کے اپنی خصوصیت کھو ڈالی اسلئے قرآن نے اپنے احکام میں وہ ہدایات بھی بھیجیں جس سے انسان کے اس ماحول کی اصلاح ہو جس نے انسانی معاشرے کو پراگندہ کر کے انسان کو خواہشاتِ نفسانی کا تابع بنا کر — تسبیح وحمد — تزکیہ نفس (پاکیزگی نفس) مشاہدۂ اسرار الٰہی سے محروم کر دیا — ان احکام میں وہ ضابطے شامل ہیں۔ جو دنیوی معاشرت اور تمدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان احکام میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قبول کرنے کا تصور نہیں۔ بلکہ اصلاحِ نفس کا تصور ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی

حاکمیت تو ہر حال میں قائم ہے ـــــ جسکے لئے کسی حکم کے نفاذ کی ضرورت نہیں۔ جس حاکمیت میں کسی کے انحراف سے خلل واقع نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی احکام انسانی معاشرے میں دنیوی نظام کے متعلق بھیجے ان سے صرف اصلاحِ نفس مقصود ہے۔ نہ کہ اپنی حاکمیت کو تسلیم کرانا ـــــ کیونکہ انسان کسی حال میں ہو۔ وہ اللہ کی حاکمیت میں فطری طور محصور ہے ـــــ انسان کا انحراف اگر ہے تو وہ تسبیح وحمد سے فرار اور عدم توجہی کیلئے ہے ـــــ جس سے انسان اپنا مرتبہ خلافت کھوڈالتا ہے ـــــ کائنات کا ہر ذرہ حکم الٰہی کے تابع چار و ناچار ہے ـــــ اور انسان بھی اللہ تعالیٰ کے دائرے قدرت میں مقید ہے ـــــ صرف انسان کو ایک اختیار اسلئے دیا ـــــ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاط کہ انسان اس اختیار کو تسبیح وحمد میں استعمال کرے ـــــ یا فساد و خونریزی میں ـــــ اسی تصور کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام اور رسول کو بھیجا ـــــ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ پس جس نے میری ہدایت قبول کی اور اس پر چلا اُسے یومِ آخرت کا نہ خوف ہے نہ غم ـــــ کیونکہ یہ ہدایت اسکے لئے ہے۔ جو ہدایت پانے سے محروم ہے ـــــ اور احساس رکھتا ہے۔ کہ نیک عمل حاصل نہ ہونے کی صورت میں یا تسبیح وحمد ـــــ تزکیہ نفس ـــــ مشاہدۂ اسماء الٰہی نہ ہونے کے نتیجہ میں اِسے یومِ حشر میں عذاب ہوگا ـــــ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ ع اور جس نے جان بوجھ کر میری ہدایت پر عمل نہ کیا اور میری آیات کو جھٹلایا وہ یوم حشر عذاب پائیگا ـــــ یہ اقرار و انکار انسانی اختیار پر منحصر ہے۔ چاہے ہدایت قبول کرے یا انکار کرے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے ـــــ کہ انسان نے ہدایت۔ کلام الٰہی ـــــ یا قرآن کو صرف دنیوی نظام میں۔ اِسکے احکام کو قوانین کی حیثیت میں نافذ نہیں کرنا ہے۔ کہ ان احکام کو قانون کی شکل دیکر ایک اسلامی حکومت تشکیل دے ـــــ بلکہ فرداً فرداً ہر انسان ان احکام کو اپنا کر اپنی اصلاح نفس کرے۔ سب سے اول ٹھوس احکام جو عبادت سے تعلق رکھتے ہیں ـــــ مثلاً نماز ـــــ روزہ ـــــ زکوٰۃ ـــــ حج ـــــ ایسے احکام کی فرداً فرداً تعمیل کرے۔ ان احکامات کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ مجموعی حیثیت میں۔ دینِ اسلام کا ایک پاکیزہ معاشرہ خود بخود وجود میں آئیگا ـــــ یعنی جس نے۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کو بہ حسن نیت سے ادا کیا ـــــ اسکی خود بخود اصلاحِ نفس ہو جائیگی ـــــ اسکے دل میں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال

کا اثر طاری ہوگا ___ اور وہ ہر بدی سے پرہیز کریگا ___ اسکے ساتھ ہی ___ فَتَهَجَّدْ۔ رات کا جاگنا اور نماز پڑھنا ___ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ صبح کی تلاوت سے۔ انسان کا تزکیہ ہو کر اسے مشاہدۂ حقیقی ___ اور روحانی پاکیزگی حاصل ہوگی ___ ان اوصاف کے تحت۔ انسان کا بحیثیت مجموعی معاشرہ پاکیزہ ہو جائیگا ___ اور انسان فطری اصول کے ماتحت ہر بدی سے اجتناب کریگا ___ ایسی صورت میں۔ جب انسان اپنی عبادت سے پاکیزگی روح و جسم حاصل کرے ___ اس سے نہ چوری سرزد ہوگی ___ نہ زنا سرزد ہوگا ___ نہ شراب پیئیگا۔ نہ جوا کھیلے گا ___ نہ سود لیگا ___ نہ اور کوئی ایسی برائی اس سے سرزد ہوگی ___ جسکے لئے اسے کسی تعزیری قانون کی ضرورت پڑتی ہے ___ جہاں تک ہدایت کی اتباع کا تعلق ہے۔ قرآن نے ایسے لوگوں کو یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے پکارا ___ یہ وہ لوگ ہیں جو فلاح یافتہ قرار دیئے گئے انہیں نجات کی بشارت دی گئی ___ ان سے خطا ممکن نہیں ___ لہذا انکے لئے کسی تعزیری قانون کی ضرورت نہیں اور جن لوگوں نے ہدایت سے انکار کیا ___ انہیں۔ یَاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ کے خطاب سے پکارا گیا ___ انکے لئے قرآن نے عذاب جہنم کی وعید دی ___ کہ انہیں انکی نافرمانی کی سزا یوم حشر ملیگی ___ چاہے دنیا میں یہ لوگ جتنا چاہیں ہدایت سے انکار کریں ___ اسی ہدایت کے انکار کے سبب انسان ۔ چوری۔ زنا۔ سود۔ دھوکہ ___ کم تولنا ___ فساد پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہی برائی ہے۔ جس سے انسان عبادت۔ تسبیح وحمد پر مائل نہیں ہوتا ___ جسکے لئے قرآن میں اصلاحی احکام نازل کئے گئے۔ اور انسان کو بلا جبر ان سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ___ اور یہ امر اسکے ارادے پر منحصر کیا گیا۔ چاہے بدی سے باز رہے یا اس پر کاربند رہے ___ البتہ چونکہ مجموعی حیثیت میں بدی سے معاشرہ متاثر ہوتا ہے ___ اسلئے بدی سے معاشرہ کو پاک رکھنے کیلئے بحیثیت مجموعی ہر انسان (خواہ یہودی ہو۔ یا نصرانی ہو یا مجوسی ہو یا کافر ہو) کو پابند رکھنے کیلئے ایسے جرائم کی تعزیر مقرر کی گئی لیکن اسکے لئے یہ ضروری شرط اولین ہے ___ کہ ایسی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے جماعتِ مومنین کا وجود قائم ہو۔ اسکے بعد جماعتِ مومنین سے ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل دیا جائے ___ اور مبلغین اسلام خود پاکیزہ روح و جسم اور کامل تسبیح وحمد کے حامل ہوں ___ یہی لوگ اصلاحِ انسانی کا کام کریں ___ جسکے لئے تبلیغ۔ تلاوت قرآن ___ اور تقریر و خطاب ___ اور حسن اخلاق سے لوگوں کو متاثر کرنا ___ اور اپنے اصول و اصلاحات کو اس قدر فروغ دینا کہ کسی شخص کو

برائی کرنے کا موقع میسر نہ ہو سکے ـــــ ایک پاکیزہ جماعت کا یہ کردار انسان کی برائی اور گمراہی ختم کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے ـــــ درحقیقت ایک جماعت کا خود عبادت و تسبیح و حمد کا حامل ہونا ـــــ اور احکامِ الٰہی کی فرداً فرداً تعمیل کرنا ـــــ یہی قانون الٰہی اور حکومت الٰہی سے تعبیر ہے ـــــ یہی طریق ہے قرآنی احکام کے نفاذ کا کہ انسان خود احکامِ الٰہی کا پابند ہو۔ اور ایسے ہی افراد سے ایک جماعت تشکیل پائے اور یہی جماعت ایک قوی پاکیزہ معاشرہ تشکیل دے۔ جس معاشرے میں ہر انسان محصور ہو کر سما جائے اور خود بخود احکام کی تعمیل کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اسکے بعد کسی اور قانون کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ البتہ ایسے ماحول کے بعد جبکہ اسلامی اخلاق ـــــ اسلامی تعلیم و تبلیغ کاملاً جاری ہو ـــــ اور زمین پر وسعت پا جائے اور جماعتِ اسلامی کو قوت و غلبہ حاصل ہو ـــــ تو اسکے بعد احتیاطی تدابیر کے تحت تاکہ آئندہ برائی اور بدی کی قوتوں کو ابھرنے کا موقع میسر نہ ہو ـــــ تعزیری احکام پیش کئے گئے ـــــ ایسی صورت میں جبکہ ہر انسان کو ہدایت و اصلاح کا سامان و ذرائع فراہم ہوں ـــــ دیدہ دانستہ بدی کا ارتکاب قابل تعزیر ہوگا۔ یہ تعزیر صرف خوف پیدا کرنے کیلئے ہے۔ تاکہ انسان دنیا میں ہی خوف سے متاثر ہو کر بدی سے اجتناب کرے ورنہ یہ تعزیر بدی کی جزا تصور نہیں کی جاسکتی ـــــ جیسے جماعتِ مومنین کی اکثریت سے ایک پاکیزہ ماحول وجود پذیر ہو چکا ہو۔ اس میں عبادت و تسبیح کا کثرت سے عمل جاری ہو ـــــ نماز ادا ہوتی ہو۔ روزہ رکھا جاتا ہو۔ زکوٰۃ دی جاتی ہو۔ ہر شخص اپنی محنت سے روزی کماتا ہو ـــــ کسی شخص کا مال لوٹا نہ جاتا ہو ـــــ کسی کو تکلیف نہ دی جاتی ہو ـــــ مومن اپنی کمائی و محنت پر صابر و شاکر نہ زائد حصول کا غلط طریقہ سے خواہش مند ہو تو ہر شخص کی دنیوی زندگی آسودہ ہوگی۔ زکوٰۃ کے مال سے۔ غریبوں۔ اپاہجوں۔ بیواؤں۔ یتیموں کی ضروریات پوری کی جاتی ہو۔ اور کوئی شخص ایسا نہ ہو جسے غیر ضروری طریق حصول کی ضرورت ہو۔ تو ایسے وقت میں کسی کا چوری کرنا ـــــ اسکی خصلت و جبلت کے تابع دیدہ دانستہ بدی کا ارتکاب ہوگا۔ ایسے شخص کا ہاتھ کاٹنا چند وجوہ سے ہوگا۔ کہ ایسا شخص اس جبلت اور خصلت کا آدمی ہے۔ کہ اصلاح قبول نہیں کرتا اور دیدہ دانستہ انحراف پر آمادہ ہوتا ہے ـــــ جو کہ خود اسکی ذات کیلئے نقصان دہ ہے۔ کہ اصلاحِ نفس قبول نہیں کرتا ـــــ اور اسکی حرکت سے معاشرہ میں بدی کو پھیلنے کی راہ ملتی ہے۔ جس سے اور لوگوں کو ایک تو نقصان پہنچتا ہے ـــــ اور دوسروں کو تحریک ملتی ہے ـــــ اسکے علاوہ ایسے شخص کو راہ

راست پر لانے کیلئے ـــ اور ایسی بدی سے باز رکھنے کیلئے ـــ نیز اس میں خوف پیدا کرنے کیلئے ہاتھ کاٹنا۔ خود اسکے لئے ۔ اور معاشرے کیلئے سود مند ہوگا ـــ خوف اسلئے پیدا کرنا ـــ کہ خوف ہی ایک ایسا اثر ہے۔ جس سے انسان کی عادت بدل سکتی ہے ـــ اور انسان کی بدی کی قوتیں دب سکتی ہیں ـــ اسکے ساتھ ہی ـــ خوف پیدا کرنے کے ساتھ ایسے شخص کو اپنے ماحول میں سمو کر اسے نیکی کی ترغیب دینی اور اصلاح کرنی بھی ـــ ہاتھ کاٹنے کی تعزیر کے ساتھ ضروری ہے۔ ورنہ ہاتھ کاٹ کر اپنے حال پر چھوڑ دینا ـــ اور اسکی تمام ضرورتوں کو پورا نہ کرنا ـــ ایسی صورت میں کسی شخص یا جماعت کو چور کا ہاتھ کاٹنے کا فطری طور حق حاصل نہ ہوگا ـــ جب تک اس تعزیر میں ایک انسان کی اصلاح کرنا اور ان وجوہات کا سد باب کرنا جن وجوہات سے انسان چوری کا مرتکب ہوتا ہے ـــ ایسی تعزیر بغیر اس تصور کے ناقابل عمل ہوتی ہے ـــ ایسی تعزیر کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ سوائے اسکی انسانی فلاح واصلاح کا یہ ایک طریق تصور کیا جاتا ہے ـــ لہذا اسلام میں کسی ایسے قانون یا نظام کا تصور نہیں۔ جیسا کہ خود ساختہ قوانین کو "قانون" کی حیثیت دی جاتی ہے۔ اگر عمیق نظر سے دیکھا جائے۔ تو خود ساختہ قوانین میں بھی انسانی اصلاح کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن اس خود ساختہ قانون کا اجراً ـــ عبادت و تسبیح سے خالی اور انسانی خصوصیتِ خلافت ـــ یومِ آخرت کی سزا و جزا کے تصور سے سوئی استعمال کیا جاتا ہے۔ صرف اس غرض سے کہ معاشرے میں ایسے جرائم سے انسان کو دنیوی نقصانات سے محفوظ کیا جائے۔ اس حالت میں کہ اس میں دین ـــ عبادت ـــ اور تسبیح وحمد کے تصور کو شامل نہ رکھا جائے ـــ کیونکہ بغیر دین ـــ بغیر عبادت۔ ایک معاشرہ اپنی اصلاحی تکمیل میں ناقص و نامکمل ہوتا ہے۔ کہ اسکا تعلق دین و عبادت سے نہیں ہوتا ہے ـــ اور بحیثیت مجموعی ایسے معاشرے میں کئی ایک خامیاں ایسی پائی جاتی ہیں۔ جو خود برائی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں ـــ ایسا معاشرہ کلی طور اصلاحِ انسانی کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ نہ ہی بغیر دین کے اس میں ایسی صلاحیتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اسلئے دنیوی نظام کو خالص کرنے کیلئے۔ کسی قانون کا اجراً کرنے کیلئے۔ صرف انسانی اصلاحِ روحانی۔ جسمانی اور پاکیزگی ـــ اور رجوع الی اللہ ـــ اور عبادت و تسبیح ـــ مقامِ خلافت۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی (جو حقیقی مقصدِ زندگی ایک انسان کا ہے) قانون کی بنیاد ہونا چاہیے۔ اسی مقصد کیلئے اگر کسی قانون کا اجراً کیا جائے۔ اس میں صرف اصلاحِ انسانی کا تصور

ہو۔نہ کہ اس قانون کو اعمال کی پاداش میں سزا ۱؎ تصور کیا جائے۔

الغرض اسی تصور کے ساتھ خلافتِ اسلامی کا الٰہی قانون ــــ اصلاحی احکام کا نفاذ ہو سکتا ہے۔جس میں کسی اسلامی حکومت کا تصور نہیں پایا جاتا ــــ دنیوی نظام سے متعلق۔اسکے کسی شعبہ میں

۱؎ اسلام میں تعزیر کا حقیقی عقیدہ صرف انسانی خصائل کو بدلنا ہے۔اسکے لئے خوف ہی ایک ایسی کیفیت ہے۔جو انسان کو ہر برائی سے باز رکھنے میں کارآمد اور نتیجہ خیز ہوسکتا ہے۔ظاہری تعزیر کا اسلامی فلسفہ یہ ہے۔کہ باغی انسان کے دل میں خوف کا اثر پیدا کرنا ہے۔اس خوف کے اثر سے ہی انسان قیامت کے عذاب کے خوف کا اثر قبول کر لیتا ہے۔خوف قیامت انسان کی عادت ثانیہ بدل دیتا ہے۔عادت ثانیہ سے مراد جب مسلسل برائی کرتے کرتے برائی انسان کی سرشت میں داخل ہو کہ وہ خود برائی ترک کرنے سے مجبور ہو۔اسکے لئے اسلام نے دو ہی طریقے مقرر کئے ہیں۔اول مبلّغ اسلام (علمائے امت) کی موثر تبلیغ و وعظ۔کہ ایک شخص کسی عالم کے حسنِ کردار۔حسن عمل سے متاثر ہو کر اسکی طرف مائل ہو۔دوسرے مقام پر عالم کی کلام میں قوام پایا جائے۔جیسا کہ قرآن نے قوام کا ایک بہترین اور مخصوص طریق بتایا اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْأً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا۔تحقیق رات کا جاگنا نفسانی سفلی آلائشوں کو جلا دیتا ہے۔اور زبان وکلام میں قوام پیدا کرتا ہے۔یہی قوام تبلیغ و وعظ کے لئے اشد ضروری اور موثر ہوتا ہے۔کہ کسی انسان کے قلب کو متاثر کر کے اسے دین وعمل کی طرف دلی طور مائل کیا جائے۔ایسے موقع پر تعزیر کی ضرورت نہیں رہتی۔البتہ جب ہر طرف دین وہدایت جاری ہو چکا ہو۔اور ہر انسان کو اسکی تمام ضروریات فراہم ہوں۔ایسی حالت میں برائی یا چوری کرنا۔انسان کی سخت دلی اور دیدہ دانستہ بلاضرورت برائی تصور کی جاتی ہے۔ایسے موقع پر چوری کے جرم میں انسان کی قلبی ذہنی حالت بدلنے اور اسکی عادت ثانیہ بدلنے کیلئے بہتر طریق ہاتھ کاٹنا ہے تاکہ انسان تکلیف کے ساتھ خوف سے متاثر ہو۔دراصل اسلامی نقطہ نگاہ میں یہ جرم کی سزا نہیں بلکہ معاشرے میں ایسے افراد کا برائی کا عادی ہونے پر اسے اس عادت سے باز رکھنے کیلئے ایک بہتر علاج ہے۔اسکے ساتھ ہی۔ایسے شخص کی تمام خواہشات وضروریات فراہم کر کے اسکی اصلاح نفس کیلئے موثر وعظ وتبلیغ کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ایسے موقع پر حالات کے مطابق۔ایک شخص کو ایک مقرر مدت تک پابند رکھا جائے۔تاکہ اسکے ہر فعل پر پابندی عائد ہو۔اتنی مدت اسکی اصلاح کی جائے۔کہ دوبارہ انسان خود بخود ہر برائی یا چوری سے متنفر ہو۔یہی مقصد اسلام نے چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے پر روا رکھا ہے۔اس مقصد میں اصل روح۔انسان کو عبادت وتسبیح پر عامل کر کے اسے مقام خلافت پر پہنچایا جائے۔اصل مقصد انسانی مقصدِ زندگی حصول خلافت۔حصول جنت۔اور عذاب جہنم سے نجات۔اسی لئے انسان کو خوف قیامت میں عذاب جہنم کا خوف دلایا جاتا ہے۔یہ انسانی زندگی میں اعمال کی ایک جزا ہے۔جو قیامت میں انسان کو ملنی ہے۔

خواہ اقتصادی ہو یا معاشرتی ہو ـــــ یا کسی اور قسم کا نظام ۔ یہ سب اصلاحات جو قرآن نے پیش کیں۔ صرف اصلاحِ انسانی میں اسکی عبادت ۔ تسبیح وحمد ـــــ تزکیہ نفس ۔ مجاہدہ ـــــ مشاہدہ کی خصوصیات حاصل کر کے انسان کو مقامِ خلافت پر پہنچانے کی غرض سے ہیں ۔ ان اصلاحات میں محض دنیوی عروج کا تصور قابلِ تسلیم نہیں ـــــ

خلافتِ اسلامی میں قرآنی احکام کو محض دنیوی عروج حاصل کرنے کیلئے استعمال کرنا ۔ قرآنی نزول کے خلاف ہے ـــــ جب تک کہ اس نظام میں عبادت و تسبیح کا تصور شامل نہ ہو ۔ اسکے لئے سب سے اہم بات ایک کامل واکمل صاحبِ علم و عرفان افراد کے مجموعے کا وجود ہونا لازمی ہے ۔ جس کا کام صرف دنیوی نظام چلانا نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات کا اجرا کرنا ہے ۔ جسکے لئے علمائے امت کا وجود ضروری ہے ۔ اور علمائے امت کیلئے ـــــ تسبیح وحمد ـــــ تزکیہ ـــــ مجاہدہ ـــــ پاک نفسی ـــــ حصول زائد ـــــ دنیا کی ہوس سے پاک ہونا ۔ صاحبِ علم القرآن و حدیث ۔ مجتہد ۔ متقی اور صاحب معرفت ہونا شرط ہے ۔ بغیر ان خصوصیات کے نہ کوئی شخص نظامِ اسلامی کے نفاذ کا دعویٰ کر سکتا ہے نہ حق رکھتا ہے اور یہ کام سوائے علمائے امت کے کسی فرد کے ذمہ نہیں ۔ کسی حکومت کے ذمہ نہیں کہ وہ نظام اسلامی کا نفاذ صرف دنیوی حکومت کیلئے کرے جب کہ شریعت محمدیؐ میں ایسے نظام کا کوئی تصور ہی نہیں پایا جاتا سوائے ان فقہا کی تعزیرات کے جو انہوں نے اسلامی شریعت میں معاشرے کی اصلاح کیلئے اجتہادی ضوابط وضع کر کے ایک آئین یا قانون وضع کئے ۔ یہ قوانین فقہا کے ساختہ قوانین ہیں ۔ قرآن نے ایسے قوانین کا نہ ذکر کیا نہ اجرا کیا ـــــ سوائے ہر عمل کی جزا کو یوم حشر کی جزا اور سزا پر موقوف کیا ۔

اسی تصور کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نائب رسول ۔ ایک خلیفۂ رسول ۔ نبی ۔ خلیفہ کی حیثیت سے نبوت و رسالت کا اجرا کرتا ہے ۔ ایسے ہی لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے ـــــ جنہیں خلیفہ اسلام کے نام سے پکارا گیا ـــــ یہ لوگ صاحب علم ۔ صاحب معرفت ۔ صاحب عقل ۔ صاحب تدبر تھے ـــــ اسی تصور کے زیر اثر ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے ـــــ یا خلافت کا دعویٰ کرتا ہے ۔ لیکن از روئے قرآن دعویٰ نبوت کے لئے اہم شرائط ہیں ـــــ

دعویٰ نبوت میں خلیفۂ ارض ۔ خلیفۂ رسول ۔ نائب رسول ۔ تینوں کیفیتوں میں ایک ہی تصور

پایا جاتا ہے یعنی۔فطری طور انسان کی پیدائش کا مقصد ایک خلیفۂ ارض ہونا ہے۔خلیفۂ ارض کے تصور میں۔صاحبِ علم۔صاحبِ مشاہدہ۔صاحب خبر۔اسرار الٰہی کے آثار و اسرار سے آگاہ ہونا از روئے قرآن نبی سے موسوم ہے۔اسکے بعد جیسا کہ گزشتہ انبیاءؑ کو نبی کہا گیا۔انکی صفتِ نبوت میں بھی اصل تصور علم الْاَسماء (اسرار الٰہی اور معرفتِ ذاتِ الٰہی) ہی کا علم پانا تھا۔جو علم آدمؑ کو دیا گیا۔اور اسی پیدائشی صفتِ خلافت کی صفت کے تحت انہیں الٰہی کلام بالمشاہدہ کلام سے نبی کہا گیا۔اور اسی صفتِ مشاہدہ پر رسول (ملائکہ) کے ذریعہ کلام حاصل ہونے سے انہیں رسول کہا گیا۔لہذا یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔کہ تابعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ کی اتباع میں۔نماز۔روزہ۔تہجد۔قیام الیل۔قرآنِ الفجر سے قوتِ مشاہدہ حاصل ہوکر اسماء کلھا کا علم حاصل ہوا۔اس حیثیت میں اس صفت کے تابع ان صحابہ کو بھی نبی کا مقام حاصل ہونا حقیقی امر ہے ــــ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ ۔ میری امت کے علماٗ بنی اسرائیل انبیاءؑ کے مانند ہیں ــــ اس اعتبار سے کہ جیسا ان انبیاءؑ کو علم وخبر حاصل تھا ویسے ہی علمائے امت کو علم وخبر حاصل ہے۔دوسرے یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد علماءِ امت کو خلیفۂ رسول کا مقام عطا ہوگا۔یہاں خلیفۂ رسول کی صفت کا تصور کرنا ضروری ہے۔کہ انبیاءؑ بنی اسرائیل کو ایک محدود قوم کی اصلاح کیلئے۔مختصر ہدایت (کتاب) دی گئی۔مگر علماٗ امت کو وہی علم حاصل ہے جو بحیثیت خلیفہ ارض انبیاءؑ کو حاصل ہے۔دوسرے علماٗ امت کو رسالت کا وہی کام انجام دینا ہے۔جو قرآن وحدیث کی شکل میں ایک عالمگیر کائناتی علم و ہدایت حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ورثہ میں ملا جو تمام عالم انسانیت کیلئے ہے۔اس حال میں کہ تمام مخلوق عالم تک اس علم رسالت (وحی قرآن وحدیث) کو پہنچانے کی عظیم ذمہ داری علمائے امت کے سپرد ہے۔جو گزشتہ انبیاءؑ کو نہیں مل سکتی لہذا علمائے امت کو بحیثیت خلیفۂ ارض (نبی) بحیثیت خلیفہ رسول اپنے علم ومشاہدہ میں اکمل و یکتا ہوکر منحرف اور گمراہ انسان کی راہنمائی کرنا ہے ــــ اول اسکے لئے منتخب ہستی رسول ہوتا ہے ــــ جسکا کام اللہ کی ہدایت ــــ کتاب الٰہی کے احکام پر خود عمل کرنا ــــ اور دوسروں کو اس پر چلانا ــــ ان احکام میں ــــ بنیادی ٹھوس احکام میں۔عبادت۔تسبیح وحمد اور نتیجہ مشاہدہ اسرارِ الٰہی ہے ــــ یہی کام ایک رسول کے ذمہ ہوتا ہے۔یہی عمل کتاب الٰہی یا ہدایت سے تعبیر ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد علمائے امت نے بحیثیت خلیفۂ رسول یہ کام انجام دینا ہے ــــ یہاں حضورؐ کے بعد عالم امت کی خلافت میں دو تصور موجود ہیں ــــ ایک پیدائشی خصوصیت خلیفہ فی الارض جسے علم الاسماء کی صفت پر نبی کہا گیا ــــ اس حیثیت میں عالم امت پیدائشی نبی ہیں ــــ اس صفتِ نبوت اور گزشتہ انبیأ کی صفت نبوت میں کوئی فرق نہیں۔ جبکہ گزشتہ انبیأ کو بھی علم الاسماء کی صفت پر ہی نبی کہا گیا۔ البتہ گزشتہ انبیأ کو اصلاح انسانی ــــ کلامِ الٰہی کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس حیثیت میں انکی حیثیت تمام مخلوق میں افضل ہے۔ کہ انہیں براہ راست اللہ سے مشاہدہ۔ مکالمہ کے ذریعہ ہدایت ملتی رہی۔ یہ صفت امت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں کہ انہیں نہ منتخب من جانب اللہ کیا گیا۔ نہ انہیں من جانب اللہ ہدایت وحی ہوئی ــــ لہذا عالم امت کو رسالت یا کلام و مشاہدہ من جانب اللہ نہ ہونے کے سبب اس تصور میں نبی تصور نہیں کیا جاسکتا جس تصور میں گزشتہ انبیأ کو مقام عطا ہوا۔ اسلئے امت محمدیؐ کے عالم کو پیدائشی حیثیت میں خلیفہ فی الارض کے تصور میں نبی کہا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ گزشتہ انبیأ کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے وحی ملنے کی وجہ سے خصوصیت حاصل ہے۔ اور رسول ہونے کی حیثیت سے بھی خصوصیت حاصل ہے۔ لیکن عالمِ امت کو رسول ہونے کی حیثیت حاصل نہیں۔ البتہ عالم امت کو یہ خصوصیت حاصل ہے۔ کہ بحیثیت خلیفۂ رسول اللہ اس نے قرآنِ مجید کے علم کا اجرأ کرنا ہے۔ حدیث رسول اللہ کا اجرأ کرنا ہے۔ جو گزشتہ انبیأ کے مقابلہ میں ایک عظیم ذمہ داری ہے۔ کہ تمام کائنات انسانی تک ایک وسیع وعظیم علم پہنچا کر تمام عالم ِانسانیت تک ہدایت۔ (وہی ہدایت جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہنچائی) پہنچانی ہے۔ اس حیثیت میں خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام بھی ارفع و اعلےٰ ہے۔ یہی تصور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے اسلام حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی۔ حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت کا ہے۔ کہ یہ اصحاب خلیفہ فی الارض کی صفت میں ''نبی'' تصور کیے جاتے ہیں اور خلیفہ رسول اللہ صرف خلیفہ۔ اس میں نبوت کا تصور نہیں۔ سوائے اسکے کہ قرآن وحدیث کی بدرجہ اتم فہیم۔ ترجمہ۔ تفسیر۔ کلام و فلسفہ کی صورت میں قرآنی علم تمام انسانوں تک یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کی صورت میں پہنچائیں۔ اور اپنی صفتِ نبوت اور اخلاقِ حسنہ سے اور انتہائی عبادت سے اپنی شخصیت کی

دلیل بہم کریں ـــ چونکہ اس عمل میں مشاہدہ اسرارو اسماء کا دخل نہیں اسلئے خلافت (خلیفۂ رسول) میں نبوت کا تصور نہیں ـــ البتہ اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کی صفت میں یہ اصحاب شامل ہیں ـــ ان علمائے امت کو خلفأ یا نائب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہا جائیگا۔ جیسا حدیث سے واضح ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گزشتہ انبیأ بنی اسرائیل کے مانند ہمارے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ جبکہ ہم سے نبوت کی تکمیل ہو چکی۔ البتہ ہمارے بعد ہمارے علمأ امت خلفأ کی حیثیت میں ہونگے ـــ چونکہ انسان تسبیح وحمد اور مشاہدہ اسرارِ الٰہی سے کوتاہی کر کے حصولِ دنیا میں فطری حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اسلئے انسان کو تسبیح و حمد اور مشاہدہ پر لانے کیلئے۔ حصولِ دنیا کے تمام ذرائع کو فطری حدود میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کوشش کیلئے ہی قرآن نے ایسی اصلاحات پیش کیں۔ جس سے انسان کے معاشرے کو درست خالص کیا جاتا ہے۔ وہ احکام یہی ہیں ـــ کہ چوری نہ کرنا ـــ زنا نہ کرنا ـــ سود نہ لینا ـــ شراب نہ پینا ـــ کم نہ تولنا ـــ کسی کا حق ناجائز طور نہ لینا ـــ فساد وخونریزی نہ کرنا وغیرہ ـــ یہ ایسی کیفیتیں ہیں۔ جو براہ راست انسانی کردار کو متاثر کر کے۔ اسے تسبیح وحمد سے باز رکھتی ہیں۔ ایسے احکام کو قانونی شکل دینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسے احکام کے اجرأ کیلئے یہ طریقہ ضروری ہے۔ کہ رسول ـــ قوم کے افراد یا انسانی آبادی میں فرداً فرداً ہر انسان کو تبلیغ کے ذریعہ تحریک دیکر اللہ کے احکامات پر عامل ہونے پر آمادہ کرتا ہے ـــ اس طرح ایک سے دو ـــ دو سے چار۔ چار سے کثرت میں افراد ـــ رسول کے تابعدار بن کر ان اصلاحی احکامات پر عمل کر کے۔ کثرت میں ایک پاکیزہ معاشرے یا جماعت کو تشکیل دیا جاتا ہے ـــ یہی جماعت جب احکام کی بدرجہ اولیٰ تکمیل کرتی ہے۔ جس سے ان میں تسبیح و حمد۔ عبادت۔ رات جاگنا۔ تزکیہ کرنا ـــ اور مشاہدہ حاصل ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی جماعت ایک معاشرہ سے تعبیر ہے ـــ اسی معاشرہ میں۔ گمراہ انسانوں کو تبلیغ و وعظ سے جماعت میں داخل کر کے۔ صاحبِ علم۔ صاحبِ عمل۔ صاحبِ مشاہدہ بنایا جاتا ہے ـــ یہی جماعت۔ جماعتِ اسلامی ـــ جماعتِ مومنین اور اسلام سے تعبیر ہے ـــ انکے لئے ضابطۂ حیات وہی قرآنی احکام ہیں ـــ جن میں برے افعال (چوری۔ زنا۔ شراب وغیرہ) سے پرہیز کرنا ہے ـــ یہ پرہیز احکامِ الٰہی ـــ اور اصلاحی احکام ـــ پر بغیر کسی دباؤ۔ بغیر کسی گرفت۔ بغیر کسی قانونی تصور کے عمل کر کے۔ عبادت و تسبیح وحمد

اور مشاہدۂ اسرار الٰہی پر عامل رہ کر اپنا مقامِ خلافت (خلیفۂ ارض) حاصل کرنا ہے۔ رسول کی معیت (ہمراہی) میں ہر فرد کا یہی عمل ہے ــــ اور رسول کے بعد یہی عمل برابر جاری رہتا ہے ــــ اور ہر شخص اسی طرح اپنا عمل جاری رکھتا ہے۔ یعنی۔ خود قرآنی احکام پر عامل رہنا۔ تسبیح وحمد ــــ مشاہدۂ اسرار سے آگاہ رہنا اور ایک وسیع خالص معاشرے کی تشکیل دینا ــــ اور اس معاشرے اور جماعت کو وسعت دیکر پاکیزہ معاشرے میں کثیر انسانی جماعت کو شامل کر کے احکام کا پابند کرانا ــــ تسبیح وحمد کا حامل بنانا ــــ اور مشاہدہ اسرار حاصل کرا کر مقامِ خلافت پر پہنچانا ــــ رسول کے وقت یہی عمل شروع ہوتا ہے۔ جس سے رسول کے مشن کی تکمیل ہوتی ہے ــــ رسول کے بعد یہ مشن کامل ہو کر آگے بڑھتا ہے۔ اب اس مشن (مقصد رسالت) میں رسول کے موجود ہونے یا نہ ہونے سے فرق پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اب ایک جماعتِ مومنین سے ایک پاکیزہ معاشرہ مکمل ہو چکا ہے ــــ اور قرآنی ہدایت پر بطریق احسن عمل ہو رہا ہے۔ یہ جماعتِ مومنین مضبوط پائیدار بنیادوں پر قائم ہو چکی ہے ــــ اور یہ جماعتِ مسلمین اس مقصدِ رسالت کی تکمیل کر رہی ہے ــــ یہی طریق مسلسل جاری رہنا۔ اسلام کا جاری رہنا ہے ــــ ہدایت کا جاری رہنا ہے۔ رسول اپنے زمانہ میں جماعت کے ہر فرد کو راہنمایانہ حیثیت دیتا ہے۔ اور اس جماعتِ مومنین کا ہر فرد ــــ احکام الٰہی کا پابند ــــ عبادت وتسبیح وحمد کا کلی طور حامل اور صاحبِ مشاہدہ ــــ صاحبِ معرفت۔ خلیفۂ ارض۔ مقامِ خلافت ونبوت حاصل کر لیتا ہے۔ رسول کے بعد جماعت کا ہر فرد بحیثیت خلیفہ۔ بحیثیت راہنما ــــ قرآنی ہدایت۔ اور مقصدِ رسالت کا اجرا کرتا ہے۔ اور آئندہ دین اسلام اسی حالت میں برقرار۔ رہ کر ہر زمانہ میں۔ اپنی مستقل حیثیت کو برقرار رکھیگا۔ اور یہی حالت جو زمانہ میں ہمیشہ قائم رہی ــــ اسکے بعد رسالت کی ضرورت باقی نہیں رہتی ــــ

رسول کے بعد اب جونئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ خلیفۂ رسول کی ہے ــــ حالانکہ جماعتِ مومنین میں۔ ہر فرد۔ رسول کے بعد مقصدِ رسالت ونبوت پورا کرنے والا ہوتا ہے۔ تو خصوصی طور ایک مخصوص خلیفۂ رسول۔ نائب رسول کی کیوں ضرورت محسوس کی جاتی ہے ــــ؟

یہ اس لئے کہ احکامِ الٰہی کے نزول اور اجرا کیلئے لازمی طور ایک منتخب نبی کو مخصوص کیا جاتا ہے ــــ یہ اس لئے کہ انسان اولاً طریقِ تابعداری حاصل کرے۔ بغیر اتباع (تابعداری) احکامِ الٰہی پر عمل

نہیں کیا جاسکتا۔ ایک یہ کہ رسول قرآنی احکام پر صحیح طور عمل ـــ اور طریقِ ادائیگی عمل سکھاتا ہے۔ دوسرے انسان کو تابعداری کا جذبہ ہی عمل کرنے کی تحریک دیتا ہے ـــ جس میں رسول کا حسن عمل ـــ اور حسنِ کردار شامل ہوتا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے۔ کہ غذا کھانے کیلئے گندم کی روٹی کافی ہے۔ لیکن گندم کی روٹی کے ساتھ لذیذ ترکاری۔ یا لذیذ گوشت کا اضافہ اسلئے ہوتا ہے۔ کہ ان چیزوں کی لذت گندم کی روٹی کھانے میں مدد دیتی ہے ـــ تاکہ انسان جی بھر کر روٹی کھائے۔ تاکہ اسکی صحت برقرار رہے ـــ تو گندم کی روٹی کے ساتھ لذیذ فوائکہ (ترکاری یا سالن) صرف گندم کی روٹی جی بھر کر کھانے میں محرک کا کام دیتے ہیں۔ اسی طرح احکام الٰہی کے اجرا میں ایک رسول کا حسنِ عمل۔ حسنِ کردار۔ احکامِ الٰہی پر عمل ہونے کا محرک بن جاتا ہے ـــ اسی لئے احکام کی تعمیل کیلئے رسول کا اتباع لازم قرار دیا گیا ـــ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ الٰہی کلام پر عمل کرنے کیلئے رسول کی اطاعت کرو۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ ان سے کہدیں۔ کہ اگر تم اللہ کے احکام کی تعمیل سے اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو رسول کی اتباع (تابعداری) کرو ـــ رسول کے حسنِ عمل۔ حسنِ کردار پر نظر رکھو ـــ رسول کے حسنِ عمل۔ حسنِ کردار کا نمونہ حاصل کرو ـــ یعنی جس طرح رسول احکام پر عمل کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی عمل کرو۔ تو تم حقیقی معنوں میں اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے ثابت ہو گے۔ لہذا ـــ احکام کی تعمیل کیلئے اتباع ایک مخصوص ہستی کا لازمی ہو جاتا ہے ـــ دوسرے۔ بغیر رسول ـــ بغیر مخصوص ہستی کی تقلید کے اگر عمل کیا جائے۔ تو انسانی ذہن میں یکسوئی نہیں رہتی۔ یعنی ہر ذہن اپنی قوت کے مطابق احکام پر عمل شروع کرتا ہے۔ اسطرح عمل کی یکساں حیثیت باقی نہیں رہتی ـــ اور اعمال وافعال کے طریق میں مختلف طریق اور زاویے پیدا ہو کر عمل منتشر ہو جاتا ہے۔ اور ہر عمل کی علیحدہ حیثیت ذہن کو منتشر کر کے جماعت کی واحدانیت کو منتشر کر دیتی ہے۔ اس طرح احکامِ الٰہی میں۔ احکام کی حقیقت عمل میں مختلف ہیئتیں پیدا ہو کر۔ نہ یکسوئی رہتی ہے۔ نہ افراد کی مجموعی حیثیت قائم رہتی ہے۔ نہ معاشرہ کی وجودی حیثیت باقی رہتی ہے ـــ اور جب جماعت ـــ اور معاشرہ کی ہیئتِ مجموعی قائم نہ رہی۔ تو معاشرہ کا وجود ختم ہو کر ـــ اصلاحی طریق اور راہنمایانہ صلاحیت مفقود ہو کر۔ تبلیغ دین کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں ـــ

اگر چہ جماعتِ مسلمین (اسلامی جماعت) میں ہر فرد راہنمایانہ حیثیت حاصل کئے ہوتا ہے
ــــ لیکن ــــ چونکہ یہ افراد ایک جماعت کی صورت میں ہوتے ہیں ــ اگر ہر راہنما اپنی ذہنی قوت کے
مطابق راہنمائی کرے تو ہر راہنما کا ایک علیٰحدہ فرقہ وجود میں آ کر ایک جماعت مختلف فرقوں میں بٹ
جاتی ہے۔ اسلئے اس تفریق کو ختم کرنے کیلئے جماعتِ مومنین ایک فرد کے تابع رہ کر ایک ہی راہنما کو
مخصوص حیثیت دیکر ــــ رسول کی جگہ۔ اسکے تابع ہو جاتے ہیں۔ اور بجائے ہر شخص کے فرداً فرداً حکم
جاری کرنے کے ایک ہی فردِ مخصوص کے حکم کے تابع جماعت کی حیثیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس طرح نہ
جماعت میں تفریق کا اثر باقی رہتا ہے۔ نہ ذہنوں میں انتشار کا خدشہ باقی رہتا ہے۔ نہ اعمال وافعال
میں۔ اختلاف پانے کا احتمال رہتا ہے۔ بلکہ جملہ راہنمایان اسلام۔ ایک ہی ذہن کے اختراع کردہ
طریق عمل پر قائم رہ کر اپنی وحدت کو قائم رکھتے ہیں۔ اس مخصوص ہستی کے احکام وہی ہوتے ہیں جو رسول
نے احکامِ الٰہی کی تکمیل میں پیش کئے ہوتے ہیں۔ اسلئے رسول کے بعد ایک قائم مقام رسول کو بحیثیت
نائب یا خلیفۂ رسول مقرر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس قائم مقام کیلئے۔ یہ ضروری ہے۔ کہ وہ بحیثیت قائم مقام
انہیں صفات سے متصف ہو۔ جن صفات کا حامل رسول ہوتا ہے ــــ یعنی ایسا شخص رسول کے حسنِ
عمل۔ حسنِ کردار کی بعینہٖ تمثیل ہو ــــ رسول کا حسنِ عمل۔ حسنِ کردار کیا ہے ــــ؟

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ وہ اللہ ہے جس نے اٹھایا (مخصوص کیا) امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول۔
جو میرے احکام (کتاب) پڑھکر سناتا ہے ــــ اور انکا تزکیہ کرتا ہے ــــ اور انہیں کتاب کے جملہ علوم
ومعارف سے آگاہ کرتا ہے اور قرآن کی متشابہ کیفیات سے بھی آگاہ کرتا ہے ــــ

رسول کا حسنِ عمل یہ ہے۔ کہ رسول بدرجہ اولیٰ صاحب فہم ہوتا ہے۔ جو قرآنی آیات کو اچھی
طرح سمجھتا ہے۔ اور ان احکام پر بدرجہ اولیٰ ایسا ہی عمل کرتا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے ــــ
پھر عمل کے صحیح طریق بتاتا ہے۔ اور قرآنی آیات کے صحیح مفہوم سمجھ کر صحیح عمل کا مظاہرہ کرتا ہے ــ اور
امت کیلئے ایک صحیح نمونہ عمل (نتیجہ خیز) مقرر کرتا ہے ــــ

اور حسنِ کردار یہ ہے۔ کہ ذاتی طور۔ رسول نیک خصلت۔ نیک جبلت ہوتا ہے۔ وہ احکامِ

الٰہی میں نماز پر۔ روزہ پر۔ زکوٰۃ پر۔ حج پر خلوص نیت سے عامل ہوتا ہے۔ اسکا ذاتی کردار۔ اخلاقِ حسنہ ۔ اچھے اخلاق ــــ انسانیت کا احساس۔ انسانیت پر رحم ــــ حسنِ سلوک۔ اچھا برتاؤ۔ تعمیر کو پسند کرنا۔ تخریب سے نفرت ــــ مظلوموں کی حمایت۔ بیواؤں یتیموں پر شفقت ــــ عام انسانوں کی امداد و اعانت۔ اپنی زندگی سادہ اور صاف ــــ تکبر و نخوت سے خالی۔ محبت و آشتی سے پُر۔ اللہ کے ذکر سے لگاؤ۔ غفلت و انحراف سے نفرت ــــ بے حیائی اور بری عادتوں سے نفرت ــــ گفتار میں نرمی و لطافت۔ کرخت لہجہ اور غصہ و غضب سے خالی اور تبلیغ دین میں وسعت قلبی۔ عفو و درگزر کا حامل اور صلح جو صاحب فہم۔ انسانیت سے ہمدردی۔ اور حصولِ زائد سے اعراض۔ لذتوں سے ترک ــــ صرف تسبیح و حمد سے لذت حاصل کرنا ــــ وغیرہ۔

انہیں صفات کا ایک نائبِ رسول میں پایا جانا شرط اولین ہے۔ اسکے ساتھ حسنِ عمل میں۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ کی صفت میں قرآن کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہونا ــــ اور جیسا کہ رسول نے ــــ رات جاگنے۔ تہجد (رات کی نماز) ادا کرنے۔ صبح کا قرآن پڑھنے ــــ فاقہ۔ صدقات و خیرات کی کثرت اور عبادات میں کثرت کا عمل جاری رکھا۔ اسی طرح نائب رسول کو ــــ رسول کے قدم بقدم عمل کرنا لازمی ہے ــــ اور اہم صفت یہ کہ صاحبِ مشاہدہ ہونا۔ صاحبِ تزکیہ و مجاہدہ۔ صاحبِ معرفت ہونا سب سے اہم صفت و خصوصیت کا ہونا لازمی ہے ــــ

انہیں صفات کے ساتھ ایک ہستی نائب رسول ــــ خلیفہ رسول۔ کے مقام پر فائز ہوسکتی ہے ــــ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسی مقصدِ رسالت کو پورا کرنے کیلئے۔ ایک قائم مقام۔ نائب رسول کی ضرورت ہوئی۔ تو یہ مقام حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حاصل ہوا ــــ آپکا انتخاب۔ کسی حکومت کے چلانے کیلئے نہیں ہوا۔ بلکہ اس ضابطۂ حیات کو چلانے کیلئے تھا۔ جو اللہ نے ہدایت کی صورت میں پیش کیا ــــ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے امت کیلئے ترتیب دیا ــــ اس میں مقصود صرف۔ تسبیح و حمد۔ عبادت۔ مجاہدہ۔ تزکیہ اور مشاہدۂ اسرار الٰہی صفتِ خلافت کے سوا اور کچھ نہ تھا ــــ البتہ دور رسالت و تبلیغ میں مزید جن کیفیتوں کا ظہور ہوا انکا انتظام ــــ یعنی ــــ اُمتِ مسلمہ کو ایک قوی مومن جماعت میں باقی رکھنے کیلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی تدابیر۔ مہاجرین کو انصار سے اخوتُ

۔۔۔ ایک دوسرے سے محبت ۔۔۔ زکوٰۃ ادا کرنا ۔۔۔ قرآنی تعلیمات پر عمل جاری رکھنا۔ آپس میں عناد و فساد کو پیدا نہ ہونے دینا۔ آپس کے تمام معاملات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور سنت کے مطابق طے کرنا ۔۔۔ اور کفار سے جہاد کرنا ۔۔۔ انہیں معاملات کو طے کرنے کے لئے جہاں مختلف قبیلوں کا وجود مدتوں سے چلا آتا تھا۔ اگرچہ اسلام لانے کے بعد یہ تمام قبیلے ایک ہو گئے۔ لیکن دنیوی اعتبار سے ہر قبیلہ میں اپنے رواجات کے مطابق بھی چند خاندانی نظریات پائے جاتے تھے۔ جن پر عمل کرنا ۔۔۔ دین کے احکام کے ساتھ شامل تھا ۔۔۔ اسلئے ان خاندانی نظریات میں تضاد کو مٹانے کیلئے اسلامی تعلیمات پر عمل کرانا لازمی تھا۔ اسطرح ہر قبیلہ اور خاندان کے ذاتی نظریات۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی عمل میں آ کر قبیلوں میں فسادات کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ اس سے قبل ایسے ہی نظریات و رواجات آپس کے قبیلوں میں خونریز فسادات کی شکل اختیار کر کے ایک خاندان کے افراد۔ قبیلوں کی شکل میں بٹ کر سال ہا سال خونریزی و قتل و غارت پر آمادہ رہ کر انسانیت کا خون کر رہے تھے ۔۔۔ یہ ایسے حالات تھے جنکا ہر زمانہ میں سدِ باب کرنا ضروری تھا ۔۔۔ ان واقعات میں خلیفہ کیلئے دو باتیں اہم پیدا ہو چکی تھیں۔ ایک حکم الٰہی کے تحت زکوٰۃ حاصل کرنا ۔۔۔ دوسرے جہاد کرنا ۔۔۔ اور تیسری بات جماعتِ اسلامی کی قوت و غلبہ کو قائم رکھنا۔ تاکہ کفار کسی وقت بھی جماعتِ اسلامی کو ختم کر کے انسانیت کیلئے تبلیغ و ہدایت کا راستہ بند کرنے میں کامیاب نہ ہوں۔ اور چوتھی بات یہ بھی تھی۔ کہ جماعتِ اسلامی کو اس قدر غلبہ حاصل ہو۔ کہ وہ اپنی تبلیغ کیلئے ہر انسان تک ہدایت پہنچانے کا ذریعہ آسان حاصل کرے۔ اسکے لئے جماعتِ اسلامی کا غلبہ و اقتدار حاصل کرنا ضروری تھا۔ اس غلبہ کیلئے۔ اپنے اقتدار کو وسیع کرنے کیلئے۔ ایک طرف کفار کے زور کو توڑ کر انکی تخریبی قوت کو ختم کرنا ۔۔۔ دوسرے مکہ و مدینہ سے باہر ممالک میں جہاں قومیں۔ شہنشاہوں کے زیرنگیں غلامی و ذلت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ اور بعض جگہ قبیلوں کی شکل میں بعض خاندانوں کا غلبہ تھا۔ جہاں اسلامی تعلیم کا اجرا کرنے میں قبیلوں کی قوت حائل تھی۔ انکا اقتدار و غلبہ مٹا کر قرآنی تعلیم کے اجرا کیلئے راہ ہموار کر کے ہر انسان کو باطل قوت کے غلبہ سے نجات دلا کر آزاد کرنا ۔۔۔ اور پھر انہیں ہدایت و خلافت پر پہنچانا ۔۔۔ جسکے لئے ضرورت تھی کہ جماعتِ مومنین کو ایسی جابر قوتوں کیلئے۔ ایسی ہی قوت حاصل ہو ۔۔۔ تاکہ جہاد کے ذریعہ ان قوتوں کو زیر کر کے تمام جہاں

میں ہدایت واصلاح کا نظام جاری کر دیا جائے۔ اسکے لئے جماعتِ اسلامی نے۔صرف زکوٰۃ اور صدقات کو استعمال کیا۔یعنی بیت المال کھول کر تمام زکوٰۃ اور صدقات کو خزانہ میں جمع کیا گیا۔تا کہ ایک طرف یہ رقم بمطابق حکم الٰہی ــــ مساکین۔یتامیٰ۔بیواؤں اور معذوروں۔محتاجوں پر خرچ کی جائے۔ اسکے بعد اپنی قوت کو فروغ دینے کیلئے۔جہاد کی ضروریات اسلحہ وغیرہ فراہم کیا جا سکے ــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امر کی زیادہ ضرورت محسوس ہوئی ــــ کیونکہ جب اسلام نے مکہ کے دور دراز اطراف میں وسعت حاصل کی اور لوگ قرآنی احکام پر عمل کرنے لگے۔تو جابر شہنشاہوں نے اس قوت کی مخالفت شروع کی ــــ ایک تو یہ ــــ دوسرے ضرورت اس امر کی بھی تھی۔کہ ان جابر شہنشاہوں کی غلامی سے۔انسان کو نجات دلا کر اسے دین اسلام کی ہدایت واصلاح میں لا کر اسکی زندگی کو محفوظ و مامون کیا جائے۔تا کہ انسان آسانی سے اپنے مقصد خلافت کو حاصل کر سکے ــــ نہ یہ کہ انسان کو غلامی سے نجات دلا کر صرف اسکی دنیوی زندگی کو خوشحال بنایا جائے ــــ نہیں بلکہ انسان کو جابر انسانی تسلط سے آزاد کرا کر اِسے ایک اللہ کا غلام بنایا جائے۔اور اسکے لئے ہدایت واصلاح کا سامان بہم پہنچایا جائے۔وہ تھا۔عبادت۔تسبیح وحمد ــــ مجاہدہ۔تزکیہ نفس۔مشاہدہ اسرار الٰہی ــــ اور ایک پاکیزہ معاشرہ کی وسیع تشکیل ــــ اسی ضرورت کے پیش نظر ایک خلیفہ (اور جماعت مسلمین) کے ذمہ یہ فرض لازم ہوا۔کہ وہ اپنی ان ضروریات کے تحت اپنی قوت واقتدار غالب وقوی حاصل کرنے کے ذرائع بھی استعمال کرے۔ضروری تھا۔کہ جب ایک ملک کی حکومت کو مغلوب کر کے اسکے نظام کو ختم کیا گیا۔تو انسانی فطرت اور قدیم عادت کے تحت عوام کی حیثیت ایک رعایا کی سی ہونی لازمی تھی۔جنہیں اپنے اقتدار کے تحت لا کر انکی اصلاح کی جائے۔ساتھ ہی انکی ضروریات زندگی کیلئے جماعت اسلامی یا خلافتِ اسلامی ذمہ دار ہو جائے ــــ ایسی صورت میں جبکہ عوام کی ضروریات کی فراہمی خلافت کے ذمہ عائد ہوئی ــــ تو خلافت کیلئے وہ ذرائع اختیار کرنے لازمی ہو گئے۔جو دنیوی ضروریات کی فراہمی میں استعمال ہونے ضروری ہیں ــــ یعنی لوگوں کیلئے خوراک۔کپڑا ــــ اور جملہ سہولیات اور ضروریات زندگی کا فراہم کرنا ــــ خلافت کے ذمہ ہوا ــــ اسکے لئے خلافت نے ایسا ہی انتظام کیا جیسا ایک حکومت پر رعایا کیلئے۔عوام کی ضروریات زندگی فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے۔یہی وہ خلافت ہے۔جسکا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۔ کے زمانہ میں شہنشاہوں کی شکست اور حکومتوں کو ختم کرنے کے بعد مفتوحہ ممالک کے نظم ونسق کو سنبھال کر عوام کے جملہ حقوق کو پورا کرنے کیلئے انکی جملہ ضروریات کے پورا کرنے کیلئے انتظام کیا گیا۔ جس میں ۔غلہ۔ کپڑے وغیرہ کی فراہمی ۔ زرعی اصلاحات شامل ہیں ــــ یہ کیفیت دراصل خلافت الٰہی کا حقیقی مقصد نہیں ۔ بلکہ فروعی کیفیات ہیں جنکا وجود۔ حالاتِ زمانہ کے مطابق خود بخود پیدا ہونا لازمی تھا۔ قطع نظر اسکے اگر ایسی ضرورت ۔ حالات سامنے نہ آتے ۔تو اسلام کی توسیع میں بھی ۔ اسلام کی تبلیغ یکسر خالص ــــ صرف حسن عمل ۔حسن کردار ۔صرف تبلیغ ہی رہتا ــــ اور ہر شخص فرداً فرداً اپنی ضروریات زندگی کا خود کفیل ہوتا ۔ اسکے ذمہ صرف عبادت ۔ تسبیح وحمد ۔ مشاہدہ اسرار الٰہی ــــ مقامِ خلافت ونبوت ہوتا ــــ جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سوائے جہاد کے اور کسی قسم کے دنیوی نظام کی ضرورت تھی نہ اسے محسوس کیا جاتا تھا۔ اور اس کے لئے سوائے زکوٰۃ حاصل کرنے کے اور کوئی ایسا انتظام نہ تھا جس میں دنیوی ضروریات کو شامل کیا جاتا ــــ

الغرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک خلیفہ کا تصور اسی بنیاد پر ہے ۔ کہ خلیفہ کا کام قرآنی احکامات کا اجراً ــــ لوگوں کا تزکیہ کرنا ــــ انہیں علم سکھانا ــــ انہیں مقام خلافت پر پہنچا کر مشاہدہ اسرار الٰہی سے مزین کرنا ہے ــــ اسلامی خلافت میں سوائے حصولِ خلافت اور کسی دنیوی نظام کے تصور کو دخل نہیں ۔ بلکہ یہ نظام دنیوی ۔ ایک ذریعہ ہے ۔ اجرائے احکام الٰہی ۔ تبلیغ دین ــــ اور انسانیت کو دائرے اسلام میں لانے کا ــــ یہی حقیقی تصور خلافتِ اسلامی کا ہے ــــ اسکے ماسوئی ۔ اگر کسی حکومت میں ۔ چند قرآنی اصلاحات (جو اصلاحِ معاشرہ کیلئے مقرر کی گئی ہیں) کو ایک آئین کی حیثیت دیکر ۔ اسی آئین کے تحت ۔ مال ۔ پولیس ۔ ڈاکخانہ ۔ زرعی اصلاحات ۔ عدالت ۔ تجارت ۔ محکمے بنا کر صدارت ووزارت کی شکل میں حکومت بنائی جائے ۔ وہ حقیقی خلافتِ اسلامی تصور نہیں ہوسکتی ــــ نہ ایسی حکومت سے خلافتِ اسلامی کا حقیقی مقصد پورا ہوسکتا ہے ــــ جب تک کہ خلافتِ اسلامیہ کیلئے ۔ ایک خلیفہ کا تقرر نہ ہو ــــ اور خلیفہ کی حیثیت عالم امت (جن صفات میں بیان کیا گیا) کی سی نہ ہو ــــ اسکے لئے قصر خلافت مقرر نہ ہو ۔ بلکہ مسجدِ جامع (دارالخلافہ کی) سے قرآنی احکامات کا صدور ہو ــــ اور اس میں دنیوی اصلاحات سے متعلق اسی طرح اصلاحات کا نظام جاری ہو ۔ جسطرح خلافتِ راشدہ کے

زمانہ میں ہوا۔ جن میں کسی خاص محکمہ کی تخصیص نہیں۔ بلکہ مختلف ممالک کیلئے۔ ایک صاحبِ علم۔ صاحبِ عمل۔ صاحبِ شریعت۔ صاحبِ مشاہدہ اور مدبر ہستی بحیثیت۔ عامل۔ امیر یا گورنر متعین ہوئی۔ اسکے سوا کلرک اور تحصیلدار قسم کے عہدے مقرر نہ ہوں۔ اور ان عمال۔ و امرا کو صرف اصلاح انسانی اور تبلیغِ اسلام۔ اور نفاذِ احکام الٰہی کے مقصد کیلئے متعین کیا جائے ــــ

حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں۔ ان حضرات کے نزدیک اسی حقیقی خلافت کا تصور ۱ تھا ــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ نے اجتہادی طور۔ خلافتِ اسلامی میں۔ ایک فروعی نظریہ ۲ اختراع کیا

---

۱ اول تو خلافتِ اسلامی کی بنیاد صرف عبادت۔ تقویٰ۔ تزکیہ۔ مجاہدہ اور معرفت تھی ــــ ایک خلیفہ کی صفت انہیں کیفیتوں پر منحصر تھی۔ اور مقصود صرف۔ تصور ذاتِ الٰہی۔ معرفت۔ مشاہدۂ اسرار تھا۔ اس مقصود کیلئے۔ افضل قرآنی علم۔ کامل اتباعِ رسول ــــ اور تزکیہ مجاہدہ و عبادت ہی لازم تھی ــــ یعنی ایک انسان کیلئے قرآنی روحانی علم کے ذریعہ ہی دنیا پر عروج حاصل کرنا تھا ــــ ظاہر ہے۔ ایسے عمل سے انسان کو روحانی عروج حاصل ہوتا تھا۔ اور دنیاوی عروج اس کا مطمحِ نظر نہ تھا ــــ تو روحانی عروج کا جو طریق قرآن نے پیش کیا ــــ اس میں انسان کا دنیا پر خود بخود غلبہ ہوتا تھا۔ یہ غلبہ ایسا تھا۔ جس قوت کے آگے۔ دنیا کے عظیم شہنشاہ جھک گئے۔ اور اسی غلبہ سے جماعتِ مومنین نے۔ تمام دنیا کو اپنا زیر نگین کر لیا ــــ وہ طریق۔ خالصتاً قرآنی احکام کی تعمیل سے۔ اپنی روحانی قوت کو بڑھانا ــــ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ اور دیگر احکام کی تعمیل سے ایک پاکیزہ معاشرہ (جماعت) قائم کرنا ــــ اور احکام میں خصوصی عمل ''جہاد'' کا عمل تھا۔ جس جہاد سے دنیا کی تمام قوتوں کو زیر کر کے۔ الٰہی احکام کی تکمیل کیلئے راہ ہموار کر کے ایک پاکیزہ معاشرہ ــــ جماعتِ مومنین کا وجود قائم کیا گیا۔ اسی جماعت کو خلافتِ اسلامیہ ــــ اور اسلام سے تعبیر دیا گیا ــــ تواریخ کا مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ بانئِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ــــ انہیں قرآنی بنیادوں پر اسلام کی داغ بیل ڈالی۔

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس شریعت میں ذرہ سے لیکر عالمِ سمٰوٰت کے ہر وجود کی تحقیق و تصور کے تمام نشانات پائے جاتے ہیں ــــ اور انسان کی اصلاح و عروج و ارتقاء کیلئے اس قدر آسان اور دلچسپ طریقے موجود ہیں۔ کہ اگر ان آیات پر عمل کیا جائے۔ تو انسانی مقصود کا کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہیں رہ سکتا۔ اسکے ساتھ ہی نبوت کے اسرار و آثار کی تمام کیفیتیں بیان کی گئی ہیں ــــ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ قرآن کو ماننے والے قرآنی علم پر عمیق غور و تحقیق کریں ــــ اور روحانی حیثیت میں اس پر ایسے ہی عمل کریں جیسے قرآن نے بتایا ہے ــــ تو اس (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ زمانہ کے حالات کے مطابق خلافت اسلامی کی وسعت عرب وعجم میں پھیل چکی ہے ــــ اب ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ مخالفین اسلام اور دیگر شہنشاہوں کے مقابلہ میں۔ اسلام میں ظاہری امارت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ قرآنی احکام کی تعمیل کرنے والے انسان کو دنیا پر عروج وارتقاءً حاصل کرنے کیلئے کسی فروعی اور مادی ذریعہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی ــــ اس میں شک نہیں کہ قرآن اور حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو تمام عالم کی۔ اصلاحِ نفسی۔ عروج روحانیت۔ حصول خلافتِ عظمیٰ ــــ اور کائنات کی تسخیر کا واحد ذریعہ قرار دیا گیا ــــ

قرآن اور حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور اس وقت ہوا۔ جب زمین پر ایک بشر بھی ایسا نہ پایا جاتا تھا ــــ جس میں علم وخبر (خصوصیتِ خلافت) پانے کی صلاحیت پائی جاتی تھی۔ تمام عالم ظلمت وکفر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوا تھا ــــ انسانیت دم توڑ رہی تھی ــــ زمین پر کوئی ایسا الٰہی علم موجود نہ تھا ــــ جسکی روشنی میں کوئی انسان۔ اپنی حقیقی راہ ــــ اپنا حقیقی مقصود حاصل کر سکتا ــــ انسان کے پاس جو بھی علم وعمل تھا ــــ اس سے گمراہی کی ظلمت بڑھتی ہی جا رہی تھی ــــ انسان اسی مقام پر پہنچ چکا تھا ــــ جس کا قرآن میں ذکر ہوا ــــ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ انسان بشری شکل میں۔ انسان محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن۔ اسکے خصوصی اوصافِ خلافت مٹ چکے تھے اور انسان مثل حیوانوں کے زندگی بسر کر رہا تھا۔ ہر انسان منتشر و پریشان نظر آ رہا تھا ــــ زمین پر ــــ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ۔ انسان فساد وخونریزی میں غرق ہو چکا تھا ــــ ایک طرف انسان اپنی گمراہی کے سبب ذلیل ومحکوم مثل حیوانوں کے زندگی گزار رہا تھا۔ دوسری طرف انسان۔ اللہ کے تصور سے خالی ــــ فطری حدود سے باہر نکل کر حصولِ ناجائز سے کثیر قوت حاصل کر کے۔ نشۂ اقتدار میں مست۔ انسانوں کو حیوانوں کی جگہ استعمال کر رہا تھا ــــ انسانی جانوں کو۔ قتل کر کے درندوں سے چیر پھاڑ کر کے اپنے لئے تفریح کا ایک کھیل بنا رہا تھا ــــ اسی انسان کو ــــ جو اِنِّیْ جَاعِلٌ "فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" کی صفت سے پیدا ہوتا تھا ــــ اُسی انسان کو جسکے لئے کائنات مسخر کی گئی تھی ــــ اسی انسان کو جو مسجود ملائکہ قرار دیا گیا تھا۔ لیکن ایسا کیوں ــــ؟ یہ اس لئے کہ گزشتہ انبیاً اپنی شریعتیں اپنی قوموں کیلئے وقف کر گئے ــــ اور انبیاً کی وفات کے بعد انکی تعلیم (کتاب ہدایت) محفوظ نہ رہ سکی ــــ! اسکی وجہ ــــ نبی ورسول کے بعد۔ عالمِ امت زیادہ دیر تک اپنا وجود باقی نہ رکھ سکا۔ نہ الٰہی ہدایت کی حفاظت کر سکا۔ ایسا زمانہ آیا ــــ کہ زمین پر نہ تعلیم پائی گئی ــــ نہ عالم پایا گیا ــــ انسانی جبلتِ خاکی نے پھر سے انسان کو مادیت کی طرف پھیرا ــــ انسان نے حصول دنیا میں۔ تصور ذات اور مشاہدۂ حقیقی کو ذہن سے کھو ڈالا۔ نتیجہ لازمی تھا۔ کہ خاکی جبلت درندگی ــــ فساد وخونریزی ــــ انحراف وبغاوت ــــ اور اللہ سے دوری ــــ کے آثار تمام انسانی دنیا پر ظاہر ہو گئے ــــ یہ حالت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا مظاہرہ کیا جائے۔ تاکہ ظاہری امارت سے مخالفین اسلام۔ اسلام کے غلبہ سے متاثر ہوں ـــــ اور عوام پر بھی ظاہری دبدبہ کا رعب طاری ہو۔ جس سے مجبور ہو کر لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوں۔ اسلامی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تمام ارض پر طاری تھی۔ ضرورت تھی کہ اب تمام کائنات کیلئے ایک نبی کو رسالت کیلئے منتخب کیا جائے۔ ایسے وقت پر تمام عالم کی ہدایت کیلئے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتخاب ہوا۔ آپکی ذات مقدس کا ظہور۔ مکہ میں ہونا مقرر ہوا ـــــ اور اس زمانہ میں مکہ کی حالت کیا تھی ـــــ؟

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ایک ایسی بستی میں ہوا ـــــ جسکی خاکی جبلت نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھی ـــــ عرب قوم۔ دنیا کی تمام قوموں میں ـــــ اپنے انحراف و بطلان اور حیوانیت میں تمام قوموں سے سبقت لے چکی تھی ـــــ ایسی قوم میں مخلوق کو حقیقی راہ پر لانا۔ آسان کام نہ تھا ـــــ جہاں قومیں ایک معمولی سی بات پر سالہا سال قتال وخونریزی جاری رکھنا فخر سمجھتی تھیں۔ وہاں ایسے لوگوں کے سامنے اِنکے باطل معبودوں کی تکذیب ـــــ انکے باطل نظریات کی نفی کرنا ـــــ اپنے لئے ہلاکت کا سامان کرنے کے مترادف تھا ـــــ

واقعاتِ عالم کے مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل قوم قدیم زمانہ سے دنیا پر موجود چلی آئی۔ اکثر زمانوں میں۔ اس قوم میں نبی آئے۔ لیکن کوئی نبی بغیر نصرتِ الٰہی کے ایسی قوم کو ہدایت پر لانے میں کامیاب نہ ہوسکا ـــــ کسی نبی کو نصرتِ الٰہی ملی۔ تو اللہ تعالیٰ نے قوم پر عذاب ڈالا۔ اور نبی کی ہدایت پر آنے کیلئے مجبور کردیا ـــــ عذاب جبر کیلئے نہ تھا۔ بلکہ انسان کو اپنی فلاح کی طرف لانے کا ایک ذریعہ تھا ـــــ کسی نبی کو نصرتِ الٰہی میں معجزہ عطا ہوا ـــــ حضرت صالحؑ کو اونٹنی کا معجزہ ـــــ داؤدؑ کو معجزۂ حدید ـــــ سلیمانؑ کو قوت۔ ہوا اور جنات پر غلبہ کا معجزہ ـــــ موسیٰؑ کو عصا ـــــ ید بیضا ـــــ عیسیٰؑ کو مردہ زندہ کرنے کا معجزہ ـــــ اسکے علاوہ باقی انبیأ ایسے بھی مبعوث ہوئے ـــــ جنہیں قوموں نے قتل کرڈالا ـــــ اور بعض نبی ایسے ہوئے جو اپنی قوت سے قوم کی اصلاح نہ کرسکے ـــــ اور نصرت الٰہی کے تحت انہیں ایک غالب حکمران۔ شہنشاہ کی حمایت حاصل ہوگئی۔ جس قوت کے ذریعہ اس نبی کا دین پھیلا۔ جیسے زرتشت نبی کو شہنشاہ گستاسپ کے ذریعہ تبلیغ میں کامیابی وعروج ملا ـــــ یا جیسے بدھ مت کی اشاعت اشوک کے ذریعہ ہوئی ـــــ یا ہندو۔ ویدوں کو راجاؤں کی حمایت حاصل ہوئی ـــــ اور یہ مذہب حکمران قوت کے ذریعہ دنیا میں پھیلے ـــــ مگر حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح اور تاریخ سامنے ہے ـــــ کہ آپؐ کے زمانہ میں۔ ایک طرف۔ روم وایران کے شہنشاہوں کا اقتدار جبروت بام عروج پر پہنچا تھا ـــــ انکی ہیبت سے دنیا لرز رہی تھی ـــــ دوسری طرف بنی اسرائیل قومِ یہود کی خودسری۔ بت پرستی۔ امارت وقومی غلبہ ـــــ تیسری طرف خود مکہ میں بنی اسماعیل خاندان کی ذریت میں ہزاروں قبیلے۔ بنی تمیم۔ بنو غطفان۔ بنو فرازہ۔ بنو ثقیف۔ بنو ہوازن۔ بنو سعد۔ بنو بکر۔ بنو حرث۔ بنو عامر۔ بنو عوف۔ بنو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کردار ـــ حسنِ عمل کے بجائے ظاہری شان وشوکت کو استعمال کیا جائے ـــ نیز مدتوں سے یہود و نصاریٰ۔ منافقانہ رنگ میں اسلام کوزک پہنچانے کی کوشش کرتے رہے۔اسلئے ضرورت اس امر کی تھی ـــ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) مالک۔ بنو مصیص۔ بنو سہم۔ بنو جمح۔ بنو عدی۔ بنو مخزوم۔ بنو ہاشم وغیرہ۔اور بھی لاتعداد قبیلے ـــ یہ سب قومیں بھی بعض قوتوں میں عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ خاص کرفن سپاہگری میں۔تلوار کے دھنی۔انکی تلواروں میں دشمن کو ہلاک کرنے کے قوی جوہر موجود تھے ـــ یہ لوگ ہر بات تلوار کی نوک سے طے کرتے تھے ـــ انکی قوت کے آگے کوئی قوت غالب نہ آسکتی تھی۔ یہ لوگ تجارت میں ماہر فراواں دولتوں کے مالک تھے۔ان میں علمی اعتبار سے۔قدیم یونانی فلسفہ وادب کا چرچا تھا ـــ اور کسی عالم سے زیر ہونا قبول نہ کرتے تھے۔شعر وادب۔حکمت ـــ نجوم۔ جملہ اقسام علوم پر ان کو حد درجہ کا عبور تھا ـــ غرضیکہ تمدن ومعاشرت کی کوئی ایسی مد نہیں تھی جس پر انہیں بحدِ کمال درک نہ ہو ـــ کمی اگر تھی ـــ تو یہی کہ انکے تصورات باطل نظریات وعقائد سے ملوث تھے سب سے شدید قوت ان میں جہل وہٹ دھرمی کی خو ـــ کہ انکا زیر کرنا تو درکنار۔انکے نظریات وعقائد ـــ اور تصورات کی تکذیب میں آواز اٹھانا ـــ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا تھا ـــ ایسے زمانہ میں ایک رسول کی بعثت کی خصوصیت کا اندازہ آسانی سے ہوسکتا ہے ـــ کہ ایسے رسولؐ کے لئے نصرتِ الٰہی کی کتنی ضرورت ہونی چاہیے تھی۔مگر سوانح حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے۔کہ آپکی بعثت کس حیثیت میں ہوئی ـــ اور ان عظیم الشان سلطنتوں کے مالک پُر ہیبت شہنشاہوں کے مقابلے میں ـــ بنی اسرائیل قوم یہود جن کا شیوہ انبیاؑ کو قتل کرنا تھا۔جنکی تجارت امارت اور قومیت نے عرب کے کثیر علاقہ پر غلبہ حاصل کرلیا تھا ـــ بنی اسماعیل قوم کی تلوار۔تجارت۔علم وادب اور غلبہ کے مقابلہ۔میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کیا نصرتِ الٰہی حاصل تھی ـــ آپ ایک شریف خاندان۔جو اپنی حیثیت مختصر۔غریب اور کم مایہ رکھتا تھا۔ میں پیدا ہوئے۔آپکے خاندان میں صرف ایک معزز ہستی حضرت عبدالمطلب کی ذات تھی۔باقی ابوطالب۔ایک غریب شخصیت تھی ـــ ابولہب تو آپ کے شدید دشمنوں میں سے تھا ـــ بس ـــ آپکی پیدائش سے قبل آپؐ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پاگئے ـــ آپکی والدہ ماجدہ نے شیر خوارگی کے عالم سے آپ کو اپنی مادری شفقتوں سے محروم کردیا ـــ حالت یہ تھی۔کہ حضرت حلیمہؓ (دایہ) نے اسوقت آپکی کفالت قبول کی جب مکہ میں کسی امیر وغریب گھرانے کا کوئی بچہ کفالت کیلئے باقی نہ رہا ـــ گویا حضرت حلیمہ سعدیہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ادنیٰ حیثیت میں خسارہ پر ہی قبول کرلیا ـــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بلوغت کا زمانہ جب آیا ـــ تو آپؐ کی مکہ کے امیر گھرانوں کے لڑکوں کے مقابلہ میں ـــ ایک یتیم۔بیکس بے یار ومددگار ـــ غریب ونادار فرزند مگر معزز فرد کی حیثیت تھی۔مکہ کے امیر گھرانوں کے مقابلہ میں خاندانی شان وشکوہ کے مقابلہ میں۔آپؐ کی ذات گرامی کو فاقہ ـــ پھٹے کپڑے۔نہ سونے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ اسلامی شان وشوکت کو بڑھا کر اپنے طریق حکومت میں سیاست کو داخل کیا جائے جس کے لئے ایک مدبر۔ صاحب عقل سیاستدان کو مقامِ خلافت میں اولیت کا درجہ دیا جائے۔ اس خلافت کی شرائط میں۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) چاندی کے برتن ــــ نہ ریشمی لباس ــــ نہ تلوار اور آپ ''اُمّی'' فداہُ امی و ابی صلے اللہ علیہ والہ وسلم ــــ ایسی حیثیت میں کائنات کی عظیم قوتوں کو چیلنج (دعویٰ) کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے ــــ! مگر اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی کائنات کیلئے اسی حیثیت میں! رسول مبعوث فرمایا ــــ! اور حکم دیا قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اٹھیں اور کائنات کو ڈرائیں ــــ! سبحان اللہ ــــ! ڈرانا تمام کائنات کو ــــ! مگر کس قوت کے بھروسہ پر ــــ؟

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ــــ عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اٹھے ــــ! اور قوم کو بلایا ــــ کہ انہیں ڈرائیں ــــ! آپ نے قوم سے خطاب فرمایا۔ کہ تم مجھے کس حیثیت میں پہچانتے ہو؟ ــــ قوم نے کہا۔ آپ نہایت حلیم الطبع۔ شریف۔ باحیا ــــ فہیم ــــ اور امین وصادق ہیں ــــ! حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں میرے قول کی سچائی پر شبہ ہے؟۔ قوم نے کہا کہ جو کچھ آپ کہینگے وہ سچ ہوگا ــــ یقین کے ساتھ ــــ! تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــــ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ــــ اس بات سے۔ کہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ تمہارے لئے عذاب کا سبب ہوگا ــــ! بس اس ایک بات سے قوم نے آپؐ کی امانت صداقت کے باوجود شدید غم وغصہ کا اظہار کیا ــــ بھلا اس بات میں کیا شدت تھی ــــ کہ قوم اس قدر برافروختہ ہوگئی۔؟! ــــ ہاں یہ قوم فلسفی تھی۔ حکمت دان تھی۔ ادیب تھی ــــ اور قریشی عربی زبان کی ماہر تھی ــــ! وہ سمجھ گئی۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایک ایسے حادثہ کی اطلاع ــــ ایک ایسی قوت کی اطلاع ــــ ایک ایسے حملہ کی اطلاع دیکر تمام روئے زمین کو چیلنج کر رہے ہیں۔ جس میں ہماری جانیں ــــ خس وخاشاک کی طرح اڑ کر فنا ہو جائینگی جس حادثہ کی لپیٹ میں تمام روئے زمین آکر فنا ہو جائیگی۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ ایک ایسی قوت کی نشاندہی فرما رہے ہیں ــــ جس میں ہماری تمام امارت وسطوت عیش وآرام مٹ کر رہ جائیگا ــــ! ایک ایسی قوت کی نشاندہی فرما رہے ہیں ــــ جس قوت کے آگے دنیا وآسمان کی تمام قوتیں ماند پڑ جائینگی۔ بظاہر یہ سادہ الفاظ ہیں ــــ لیکن ان الفاظ میں غضب کی قوت فنا ہے ــــ! قوم غمزدہ ــــ پریشان حال منہ پھیر کر چلی گئی ــــ ان میں ایک اضطرابی لہر دوڑ گئی ــــ اور لگے آپس میں مشورے کرنے۔ کہ اس قہر کو وقت آنے سے پہلے روکنے کی کوشش کرو ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خاموش اپنے حجرے میں تشریف لائے۔ بے خوف۔ بے فکر۔ البتہ ایک فکر ضرور لیکر آئے۔ کہ انسانیت پر ایک عظیم بوجھ پڑنے والا ہے۔ جسکی وہ متحمل نہ ہو سکے گی ــــ آپ طبیعت کے رحیم وکریم تھے ــــ اسی سوچ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ ــــ پہلے اپنے قریبی تعلقداروں کو ڈرائیں ــــ تو آپ نے گھروں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علم القرآن و حدیث ۔اور عمل ___ اور تقویٰ ___ کی قید نہ رکھی جائے ۔ کیونکہ ایک وسیع و عظیم خلافت اسلامی کا سنبھالنا ___ اور اسکی حفاظت ۔اور جملہ امور دنیوی کے نظام کو قائم رکھنے کیلئے ۔ایک مدبر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بازاروں میں نکل کرلوگوں کوڈرانا شروع کردیا ___ لوگو یوم حشر کے عذاب سے ڈرو ___! یہی حکم تھا ___ اور تو کچھ نہیں کہا ___! یہ تو صرف راہ ہموار کرنے کا طریقہ ہے ___ کیونکہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔ایک کتاب پیش کی جاتی ہے ۔جسکے لئے پہلے قلوب میں ''ڈر'' پیدا کرنا ہے ___ لوگوں نے آنکھیں میچ لیں نہ ہم ڈر پیدا کرینگے ۔نہ آئندہ کسی کلام سننے پر تیار ہونگے ___ یہی تو وہ کلام ہے ۔جس سے تمام قوم خائف ہو رہی ہے ۔ایسی طاقتور قوموں کو ایک معمولی سی آواز سے کیوں لرزہ پیدا ہوتا ہے ___؟ یہاں طاقت کی دھمکی نہیں ۔قبیلہ کی دھمکی نہیں ۔تلوار کی دھمکی نہیں ___ دولت کی دھمکی نہیں ۔تو پھر کیا چیز ہے جس سے یہ لرزہ براندام ہیں ___؟ ہاں وہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ ہے ___ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۝ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ یہ قرآن ہے ۔جو ازل سے لکھا گیا ___ اور ازل سے ایک تختی پر محفوظ کیا گیا ___ یہ ازل سے تحریر ہوا ___ اسی کے چند اوراق گزشتہ رسولوں کو توراۃ ۔زبور ۔انجیل کی شکل میں دیئے گئے ___ تو ان قوموں کا کیا حال ہوا ___ جس نے قوموں کی قوتوں کو زیروزبر کر کے تہ وبالا کردیا ___ اب یہ تمامہ یہ زمین پر اتر آیا ___! اور ساری کائنات کے واسطے تو اسکے نزول سے دنیا کی تمام شہنشاہیاں فنا ہو کر رہ جائینگی ___! یہ کوئی معمولی چیز نہیں ۔کہ سن کرٹال دی جائے ___ یہ تو وہ قوت ہے ۔جو ازل کے نور سے بنی ہے ___ تمام زمین وآسمان کی قوت اس قوت کے آگے ذرہ کی حیثیت رکھتی ہے ___ زمین پر انتہائی ترقی یافتہ قوم نے صرف زمین کی جوہری قوت سے زمین کو تہ وبالا کردیا ___ یہ تو فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ کی نوری قوت کا جوہر ہے ___! اسکے آگے کون سی چیز ٹھہر سکتی ہے! اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۷۲) جب اس نوری ایٹم کی توجہ (RAY) آسمانوں اور زمین پر ڈالی گئی ۔تو یہ قوتِ تجلی سے لرز اٹھے ۔اور چلائے اے اللہ! ہم میں اس نور کو برداشت کرنے کی قوت نہیں ___! ہاں ___! یہ نور انسان کیلئے مقرر کیا گیا ہے ۔یہ ایٹم انسان کیلئے بنایا گیا ___ اسکے چند ذرے گزشتہ نافرمان قوموں پر توریت ۔زبور ۔انجیل کی شکل میں ڈالے گئے تو وہ قومیں بھی ظالم جاہل تھیں ___ فنا ہوگئیں ___ اب کائنات کی سب سے بڑی ظالم جاہل قوم کا ظلم وطغیان ۔انحراف وسرکشی انتہا کو پہنچ چکی ہے ___ اسی نوری ایٹم کو حضور محمد رسول اللہ ﷺ قرآن کی شکل میں لا رہے ہیں ___ یہ کہنا کہ ڈرو ___ کوئی معمولی بات ہے ___! یارو اب تو ہماری تباہی قریب آن پہنچی ___ ہاں! پیشتر ان ایٹمی ذروں کے حامل نبی ۔تو موسیٰؑ تھے جو پہلے ہی فرعون کے خوف سے ڈر گئے ۔مگر اللہ نے اپنی امداد ساتھ کردی ___ کہ ہمارا لشکر بھی اس ایٹمی ذرہ کے ساتھ تمہاری مدد کریگا ___ عیسیٰؑ نے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیاستدان یا صاحب تدبر و عقل کا خلیفہ ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا ــــ کیونکہ ایک صاحب علم۔ حاملِ قرآن۔ متقی ــــ اور صاحب معرفت ہستی کیلئے اتنے وسیع ملک کا سنبھالنا اور اسکا انتظام کرنا مشکل تھا ــــ اسلئے کہ ایک خلیفہ (صاحب علم) کا ذہنی طور اس قدر قوی سیاستدان ہونا ممکن نہیں جسکا آئندہ ایک خلیفہ کیلئے ہونا ضروری ہے ــــ یہ بات درست ہے۔ کہ جب خلافت میں ملک گیری۔ اور عوام پر حکومت کرنے کا جذبہ نہیں۔ تو ایسی صورت میں۔ ملک فتح کرنا ــــ ملک سنبھالنا ــــ اور جمہوری انداز

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بھی ہمت نہ کی تو اللہ نے کہا وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔اب تو ایک ایسی ہستی سامنے ہے۔ جو یتیم ہے۔ مفلس ہے۔ بے یارو مددگار ہے ــــ مگر ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشا لبِ بام ابھی

یہ تو تمام کائنات کو چیلنج کرنے والے۔ احمدؐ ہیں۔ انکے متعلق پیشتر ہی حضرت عیسیٰؑ نے تنبیہ اشارہ دیا تھا ــــ وَاِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًالِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط اے قوم بنی اسرائیل میں بھی ایک قوت ایسی ہی لایا ہوں جیسی موسیٰؑ لایا تھا۔ تم نے دیکھا اس قوت نے فرعون کا کیا حال کیا ــــ! ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا ــــ ابھی تو ایک قوت کے ذرے تمہارے پاس پہنچے۔ لیکن میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ میرے بعد ایک آنے والا آرہا ہے ان کا نام احمد ہوگا۔ ان کے ہاتھ میں اسٹم نوری کا وہ کُل ہوگا۔ جسکے جز ہمیں دیئے گئے۔ خبردار ہو جاؤ اس سے انکار نہ کرنا۔ ورنہ تمہارا نام دنیا سے مٹ جائیگا ــــ قوم کے کانوں میں یہ آواز گونج رہی تھی ــــ! وہ اپنی موت اپنے سروں پر دیکھ رہی تھی ــــ اسلئے ساری قوم نے اجلاس بلا کر احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ آرائی کی قرارداد منظور کر لی۔ آخر ظَلُوْمًا جَهُوْلًا جو ٹھہری ــــ تاریخ گواہ ہے۔ اعلانِ احمدیت پر کیا اپنے کیا غیر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنِ جان بن گئے۔ اور کیا کچھ ظلم و جور نہ کیا ــــ اسکی تفصیل کی ضرورت نہیں ــــ صرف یہ دیکھنا ہے۔ تمام کائنات کی عظیم قوتوں کے مقابل ایک تنِ واحد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس۔ اصلاحِ انسانی ــــ فلاحِ انسانی اور عطائے خلافتِ عظمیٰ کیلئے سرگرم ہوگئی۔ اتنی جنگ آرائی کا ماحصل کیا ہے ــــ؟ ــــ انسان کو گمراہی و ضلالت سے نکال کر خلافت کے عظیم مقام پر پہنچانا ــــ وہ ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ــــ جسکے لئے عبادت تسبیح و حمد ــــ تزکیہ و مجاہدہ۔ تصور ذات اور مشاہدۂ اسرار الٰہی ــــ بس اسکے سوائے کچھ نہیں ــــ

۲ فروعی نظریہ کو ہم نظریہ ثانی سے موسوم کرتے ہیں۔

میں اسکا انتظام کرنا ـــ ایک خلیفہ کیلئے مشکل ہے ـــ یہی بنیادی سبب ہے۔ جس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ میں ایک نظریہ کے اختلاف کی بنأ پر تصادم کی ابتدا ہوئی ـــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ اس نظریہ کے خلاف تھے۔ کہ ہم نے زمین پر حکومت نہیں کرنی ـــ بلکہ خلافت اسلامیہ کے نظریہ کے تحت احکام الٰہی کا نفاذ ـــ عبادت و تسبیح وحمد اور معرفت کا تصور قائم رکھنا ہے۔ اور اسی دین و علم کی حفاظت کرنی ہے۔ اسلئے خلافت کیلئے وہی شرائط قائم ہونی چاہیں جو ایک نائب رسول اللہ خلیفہ کیلئے مقرر ہیں ـــ اسکے لئے ـــ ایک خلیفہ کیلئے اپنے کردار میں حقیقی خلیفۂ ارض (صاحب علم۔ صاحبِ نبوت۔ صاحب مشاہدہ) ہونا کافی ہے اور اسکے ساتھ جماعت مومنین کا بھی صاحب علم خلیفہ ہونا کافی ہے۔ تاکہ اہلِ ایمان روحانی قوت کے بھروسہ پر ہر قوت کا مقابلہ کرے۔ اسی نظریہ اور خلافت کی حفاظت کیلئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت امیر معاویہؓ کی مخالفت کی ـــ اور بعد میں حالات نے رخ پلٹ کر اور مخالفین اسلام۔ منافقین نے اس آگ پر تیل ڈال کر اس کو ایک خونریز جنگ میں تبدیل کر دیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اسی نظریہ کے تحت یزید بن معاویہ کی مخالفت کی اور شہادت پائی ـــ یہ تصادم ایک وسیع مملکت اسلامیہ کی بھاگ ڈور اور حکمرانی حاصل کرنے کیلئے نہیں تھا ـــ بلکہ خلافتِ حقیقی کے حقیقی تصور کی حفاظت کیلئے تھا ـــ جیسا کہ تواریخ سے ثابت ہے ـــ اس تصادم کا نتیجہ خواہ کچھ ہو۔ لیکن یہ امر مبنی بر حقیقت ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد۔ حضرت علیؓ۔ حضرت امام حسنؓ۔ حضرت امام حسینؓ ہی خلافتِ اسلامی کے حقدار و علمبردار تھے۔ جنہوں نے حقیقی خلافت کی شرائط کے مطابق۔ صاحب علم۔ صاحب تقویٰ۔ صاحب معرفت حیثیت پائی۔ اور اپنے علم وعمل میں۔ تمام امت میں افضل تھے۔ انہیں کا حق تھا کہ خلافت پر فائز ہوں۔ اسلئے نہیں کہ حکمرانی کریں۔ نہیں ـــ بلکہ احکام الٰہی کا نفاذ۔ مقصدِ رسالت کا دوام و قیام ـــ اور انسانیت کیلئے مقامِ خلافت کا حصول ـــ انکے ذہن میں تھا۔ ورنہ جو ذات مہینوں فاقہ کشی کریں ـــ جنہیں امارت پسند نہ ہو۔ وہ حکمرانی کے تصور میں خلافت کو کیسے پسند کرتے ـــ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد جبکہ اسکے حقیقی تصور کو قائم نہ رکھا گیا ـــ تو یزید بھی خلیفہ بنا ـــ مروان بن حکم بھی خلیفہ بنا ـــ ابو العباس سفاح خلیفہ بنا۔ لیکن تواریخ بتاتی ہے۔ ان خلافتوں میں وہ روح اور وہ شرائط

موجود نہ تھیں جو حقیقی خلیفۂ رسول۔خلیفۂ ارض عالمِ امت کی ہونی چاہئیں۔اس دور میں اسلامی حکومت چین سے لیکر الجزائر تک پھیلی۔قرآنی علم کا اجراٗ بھی ہوتا رہا۔نماز بھی پڑھی جاتی رہی۔روزے بھی رکھے جاتے رہے۔قرآن وحدیث کی اشاعت بھی ہوتی رہی۔لیکن اس زمانہ میں خلافت میں سوائے عظیم الشان عمارات۔دولت وثروت اور شاہانہ جلال (جو نظریہ حضرت امیر معاویہؓ کا تھا) کے روح حیدری۔روح بلالی نظر نہ آتی تھی ــــ کئی عظیم الشان مملکتیں اسلامی 1 غلبہ سے فنا ہو چکی تھیں ــــ مگر اسلام میں زر و جواہرات کی فراوانی ہو چکی تھی ــــ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بوسیدہ پیوند شدہ کپڑے۔اور

---

1 یہ طرزِ خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے نظریہ کے مطابق پیدا ہوئی۔کہ خلافتِ اسلامی میں۔سیاست۔شاہانہ رعب و دبدبہ۔عظیم عسکری قوت اور بے شمار دولتوں کے خزانے خلافت اسلامی کیلئے لازم رکھے گئے۔یہی کیفیت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد خلافت بنوامیہ۔خلافت عباسیہ۔خلافت عثمانیہ میں منتقل ہوتی رہی۔ان خلفاٗ نے نظریہ معاویہؓ کے مطابق خلافتِ اسلامی میں۔شہنشاہیت کا تصور قائم رکھا۔جس میں خلفائے اسلام کیلئے۔عبادت وتزکیہ لازم نہ رکھا گیا۔نہ عوام انکا (مثل حضرت عمرؓ ابن الخطاب خلیفہ ثانی) محاسبہ کرنے کے مجاز رہے ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانۂ خلافت میں۔زکوٰۃ وصدقات اور مال غنیمت بیت المال میں جمع ہو کر۔ازروئے قرآن غرباٗ و مساکین میں استعمال ہوتا رہا۔لیکن بعد کی خلافتوں میں جب خلافتِ اسلامی میں اقتدار اعلےٰ نے ایک حکومت کی شکل اختیار کی۔تو بیت المال کو استحکامِ حکومت (خلافت) کیلئے۔خلفاٗ نے اپنی عمارات ومحلات اور اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کیا۔علمائے امت نے مخالفت کی لیکن یہ زمانہ اقتدار اعلےٰ کی قوت کا تھا۔خلیفہ کو ہر طرح کا اختیار حاصل تھا۔اسلئے جیسا کہ خلفائے اربعہ میں خلیفہ پر اعتراضات کئے جاتے تھے۔اور خلیفہ کو پابند کیا جاتا تھا۔خلیفہ کو کسی زجر وتوبیخ (اعتراضات) سے پابند نہ کیا جا سکا۔جس وجہ سے اسلام کی حقیقی روح (یعنی عوام میں روحانی ترقی) کم ہوتی گئی۔آئندہ ایسا زمانہ آیا جب شرعی احکام پر امت نے بھی کوتاہی وتغافل برتا۔نتیجہ یہی ہوا۔کہ خلافتِ اسلامی میں۔اسلام کی حقیقی روح معدوم ہوتی گئی۔اب خلافت صرف شہنشاہیت کی شکل اختیار کر گئی لیکن یہ بات ضرور ہے۔چونکہ خلیفہ خود کو خلیفۂ اسلام تصور کرتا تھا۔اسلئے خلافت اسلامی کی شکل میں شہنشاہیت نے خلافت اسلامی کو مشرق سے مغرب شمال سے جنوب تک وسعت دیکر اسلام کا نفاذ کیا۔جس میں عوام کو اسلام میں داخل کرنا۔مسجدوں کی تعمیر۔نماز۔روزہ۔زکوٰۃ و عبادات کے اشغال بھی عروج پر رہے۔لیکن چونکہ یہ طریق اجتہادی تھا۔جس میں شریعت کی روح۔تزکیہ۔مجاہدہ۔قیام لیل۔روزہ وغیرہ کو اولیت نہیں دی گئی۔اسلئے نتیجتاً امت میں اسلام کی حقیقی روح۔حقیقی تصور خلافت ونبوت باقی نہ رہا ــــ اور خلافتِ اسلامی میں حصول ملک۔دولت۔حکمرانی کی ہوس نے اہل اسلام میں ایک دوسرے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فاقہ زدہ چہرہ کہیں نظر نہ آتا تھا ــــ عظیم الشان مسجدوں میں اللہ اکبر کی بلند اذانوں کی صدائیں آسمانوں تک گونج رہی تھیں مگر ان اذانوں میں سوزِ بلالی موجود نہ تھا ــــ اسی دور میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور آیا ــــ جس نے بمشکل اس نظریہ سیاست وتدبر کا تھوڑا سا تصور کم کر دیا۔لیکن خلافت عظمیٰ ــــ خلافتِ ارضی ــــ اور نبوت کا تصور پیش کرنے کا موقع میسر نہ ہو سکا۔اسکے بعد خلافت نے پھر اپنا رخ موڑا ــــ اور خلیفہ ہارون الرشید۔خلیفہ مامون الرشید۔المعتصم وغیرہ خلفائے اسلام نمودار ہوئے ــــ اس طرح خلافت عباسیہ کا دور شروع ہوا۔اس دور میں قرآن وحدیث کی ترویج و نفاذ کا عروج چرخ چہارم پر پہنچا ــــ علم محفوظ ہوا۔مگر عالمِ امت ــــ !عالمِ امت نے شہنشاہوں کی مدح شروع کر دی۔مخلوقِ قرآن کے فلسفہ سے خلافت وقرآن کو مجروح کر دیا ــــ البتہ اس دور میں حقیقی حاملِ قرآن عالمِ امت کو مقام خلافت پر جگہ نہ ملی۔اس نے اپنا قصرِ خلافت (مسجد) نہ چھوڑا۔نظریہ ثانی کے تحت قصرِ خلافت کو عظیم الشان محل میں تبدیل کیا گیا۔ادھر خلافت چلنے لگی۔ادھر مسجد میں عالمِ امت نے اپنی خلافت چلا کر قرآن وحدیث ــــ احکام الٰہی کا نفاذ ــــ تزکیہ ومجاہدہ۔مشاہدۂ اسرار الٰہی کا الگ مرکز قائم کر دیا۔اس طرح خلافت دوحصوں میں بٹ گئی ــــ یہ علم ہی تو ہے۔جس میں قرآن وحدیث کی تفسیر۔فقہ۔اجتہاد کی صورت میں ترویج ہوتی ہے۔لیکن تزکیہ۔مجاہدہ۔مشاہدہ اس علم سے حاصل نہیں ہو سکتا۔البتہ اسلامی۔شرعی نظریہ کی ترویج ہو کر قرآن کی عظمت کا اظہار قلمی۔زبانی ہوتا ہے ــــ اسی قلمی علم کو آج تمام دنیا لئے پھرتی ہے۔اور ہر قوم اسلام کی عظمت کی قائل ہو رہی ہے۔لیکن۔انسانی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پر غلبہ پانے میں جنگ وجدل تک نوبت پہنچائی۔چنانچہ اسی ہوس کے نتیجہ میں۔بنوامیہ سے بنو عباس نے خلافت چھین لی۔بنو عباس سے بنو عثمان نے خلافت حاصل کی۔جس میں۔ملک ودولت۔حکمرانی کا حصول مقدم تھا۔اور اشاعت اسلام کو ثانوی حیثیت ملی۔آخر نتیجہ ان خلافتوں کے تنزل پر ختم ہوا جبکہ خلافت از روئے سنت نبویؐ۔ علمائے امت کیلئے مختص تھی۔یعنی خلیفہ کیلئے۔صاحب علم القرآن۔صاحب عمل۔مفسر۔متقی۔قیام لیل۔تہجد گزار۔ صاحب مشاہدہ ہونا شرط تھا۔یہ صفات علمائے امت کو حاصل تھیں۔یا علمائے امت ہی خلیفہ تصور کئے جاتے تھے۔یا خلیفہ علمائے امت تصور کئے جاتے تھے۔لیکن جب خلافت میں ان صفات کو ملحوظ خاطر نہ رکھا گیا۔تو علمائے امت نے خلافت سے علیحدگی اختیار کی۔ایسے موقع پر بعض علماٗ نے خلیفہ وقت کا ساتھ دیا۔انہیں علماٗ سو کا خطاب دیا گیا۔

اصلاح۔ معرفت۔ تقویٰ ــــ حفاظت وسکون انسان کو حاصل نہیں۔ دنیا میں اور بھی عظیم سلطنتوں نے سر ابھارا ــــ جن کی اساس باطل پر تھی۔ ان میں پھر وہی۔ قیصر وکسریٰ کا سا شاہانہ جلال پیدا ہوا ــــ مگر اسکے مقابل خلافتِ اسلامی کی ہیئت بھی اپنے میں شاہانہ جلال لئے تھی۔ ہاں یہ شاہانہ جلال نظریہ ثانی (نظریہ حضرت معاویہؓ) کے مطابق تھا جس میں شاہانِ اسلام نے ان عظیم سلطنتوں کو پامال کر دیا مگر۔ باوجود اس اقتدار کے ایک مومن۔ جماعت مومنین کی حیثیت کیا تھی ــــ کہ عبادت تھی۔ احکامِ الٰہی کا نفاذ تھا ــــ قرآن وحدیث کی ترویج تھی۔ لیکن اصل روح۔ تزکیہ مجاہدہ ــــ تصور ذات۔ مشاہدۂ اسرار و معرفت موجود نہ تھا ــــ اسکا نتیجہ نکل کر رہا ــــ کہ خلافتِ اسلامی باوجود قوی اقتدار کے روبہ زوال ہوتی گئی۔ اور طاغوتی قوتوں کا غلبہ زمین پر پھیلنے لگا ــــ اس دور میں۔ اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسا مردِ مومن ــــ طارق بن زیاد جیسا مجاہد آیا ــــ لیکن انکی جہد بھی اس روحِ حقیقی کو قائم رکھنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ جو خالص خلافتِ اسلامی (خلافت صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی اور حیدری) کی اصل تھی ــــ سوائے چند مدت کے لئے نظریہ ثانی (خلافتِ جلالی) نے خلافتِ اسلامی کی ساکھ کو قائم رکھا۔ اسکے بعد دنیا پر اسلام کا نام موجود رہا۔ مگر اسلام کا حقیقی مقصود انسان نہ پا سکا ــــ البتہ علمائے اسلام جنہوں نے مسجدوں کو قصر خلافت کی شکل دی ــــ اول تو خلفائے اسلام نے انکے مشن میں مزاحمت کی اور علمائے سوء نے بھی ان علمائے امت کی اسقدر مخالفت کی کہ خلفائے حکومت کے ذریعہ انہیں شدید اذیتیں پہنچائی گئیں۔ لیکن اس فرقۂ حیدریہ (نظریہ حضرت علیؓ) کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اور انہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کو جاری رکھا اسی جہد وعمل کا نتیجہ ہے۔ کہ آج قرآنی علم اور اسکا عمل کسی حد تک محفوظ رہا ــــ لیکن وائے۔ جبلتِ خاکی۔ جبکہ معاشرۂ اسلامی خلفائے حکومت کی بے عملی کی وجہ سے سازگار ومستحکم نہ رہ سکا ــــ انسانی سرشت میں ــــ طمع دنیا اور حرص نے اکثر سر اٹھایا ــــ اور علماً سوء کی طرح علمائے امت کے جانشین نے بھی تزکیہ مجاہدہ اور مشاہدہ میں کوتاہی کی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ علمائے امت میں بھی۔ ایسے افراد پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تزکیہ مجاہدہ۔ تہجد۔ رات جاگنا۔ قرآنِ فجر سے کوتاہی کر کے اپنی پاکیزہ نفسی کو قائم نہ رکھ سکے ــــ اور اب انکی تعلیم بھی۔ صرف احکام کی پیروی۔ قرآن پڑھنا ــــ تعلیم حاصل کرنا ــــ بے روح بن گیا۔ ایسے علماً کی۔ حقیقی علمائے امت سے ٹھن گئی ــــ تو اس

طرح علمائے امت میں بھی دو الگ فرقے بن گئے۔ایک عالمِ شریعت کہلایا ـــــ دوسرا عالمِ طریقت کہلایا۔عالمِ طریقت سے مراد وہ ہستیاں جنہوں نے اجرائے دین میں ـــــ قرآنی احکام کے اجراءٔ کے ساتھ تزکیہ مجاہدہ ـــــ تہجد۔قرآنِ فجر ـــــ مشاہدہ وتصورِ ذات واسرارالٰہی کو شامل رکھا۔انہیں اسی زائد عمل کے اعتبار سے صاحبِ طریقت ولی سے موسوم کیا گیا۔مسجد تو عالم شریعت نے سنبھالی ـــــ خلافت شہنشاہ نے سنبھالی۔تو صاحبِ طریقت عالم امت نے گوشہ نشینی اختیار کر کے گھر کے حجرہ کو قصرِ خلافت بنالیا ـــــ اس طرح ایک خلافت عظمٰی کی تین شکلیں بنیں۔انہیں علمائے امت میں حسن بصریؒ۔محی الدین ابنِ عربیؒ۔امام رازیؒ۔امام غزالیؒ۔امام ابوحنیفہؒ۔امام شافعیؒ۔ودیگر اس قسم کے علماءٔ۔بایزید بسطامیؒ۔بہاؤ الدین نقشبندؒ۔محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔معین الدین چشتیؒ اور دورِ حاضر کے فقراءٔ میں حضرت بختیار کاکیؒ۔عبدالقدوس گنگوہیؒ۔علاؤ الدین علی احمد صابر کلیریؒ۔داتا گنج بخشؒ اور دیگر بغداد۔عراق و ہند قدیم کے علمائے امت شامل ہیں ـــــ

بعد کے دور میں۔ان تینوں قسم کے خلفاءٔ کا وجود رہا۔جس میں خلافتِ اسلامی نے۔حکومتِ اسلامی کی ہیئت اختیار کی ـــــ اور اسلامی حکومت نے خلافت کی جگہ شہنشاہیت کا تصور دلایا۔جیسے خلیفہ ہارون الرشید خلفائے بنوعباس کے زمانہ میں ـــــ شہنشاہیت کی شکل میں ان بادشاہوں نے اپنے آپ کو خلیفہ ہی تصور کیا۔یہاں تک کہ یہ خلافت تنزل پذیر ہو کر سلطنت عثمانیہ ترکی پر ختم ہوگئی۔اور مسلمان حکومتیں کچھ تو غالب باطل حکمرانوں کے قبضہ میں چلی گئیں۔اور کچھ عربوں میں آپس کی تقسیم میں بٹ گئیں۔باوجود حکومت اسلامی کے ان ریاستوں میں اب کوئی خلافت کا تصور نہیں پایا جاتا ہے۔ان ریاستوں میں نہ اب قرآنی تعلیم کا اجراءٔ ہو رہا ہے ـــــ نہ ان میں کوئی اسلامی قانون وحکومت کا تصور پایا جاتا ہے ـــــ اسکے ساتھ ہی علمائے شریعت نے قرآنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔اس قرآنی تعلیم میں بے شمار تاویلات سے تحریفات پیدا ہو چکی ہیں۔جسوجہ سے قرآنی تعلیم بھی بہتر فرقوں میں بٹ چکی ہے۔علمائے شریعت نے گروہ بندی اختیار کر رکھی ہے۔ہر گروہ قرآنی تعلیم کا اجراءٔ کر رہا ہے ـــــ لیکن انہی قرآنی آیات کو مختلف اور متضاد عقائد ونظریات میں پیش کر کے ہر فرقہ ایک دوسرے کے عقائد کی تکذیب کر کے قرآنی آیات کو جھٹلا رہا ہے ـــــ قطع نظر اسکے علمائے شریعت میں۔نہ تزکیہ رہا ـــــ نہ تقویٰ

۔۔۔ نہ قوتِ فقہ۔ نہ اجتہادی قوت باقی رہی ۔۔۔ مزید برآں قرآنی تعلیم کو سمجھنے کیلئے علمائے اسلام کو عربی زبان ۔۔۔ تشبیہات و استعارات پر بھی عبور حاصل نہیں۔ اسلئے قرآنی تعلیم کی اصل حقیقت عوام سے پوشیدہ ہوگئی۔ اور انسان اس حال میں مجبور ہے۔ کہ کس فرقہ کی تعلیم کو اپنایا جائے ۔۔۔ اس وقت علمائے شریعت کی حالت گزشتہ توریت و انجیل کے پیروان مذاہب۔ راہبوں۔ پادریوں کی سی ہو چکی ہے۔ کہ قرآنی درس کا سلسلہ مسجدوں میں جاری ہے۔ لیکن اس درس و تدریس میں گروہ بندی کا جذبہ کارفرما ہے۔ ہر گروہ اپنے عقائد کے مطابق قرآنی تعلیم کا اجرا کرتا ہے ۔۔۔ اور اس درس و تدریس کو اپنے عقائد و نظریات کے پھیلانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ فی زمانہ درس و تدریس کو ملازمت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہ ہر مسجد میں ایک تنخواہ دار امام مقرر کیا جاتا ہے۔ جسکی معقول تنخواہ مقرر کی جاتی ہے۔ جس سے وہ اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ ایسی حالت میں ایک امام کا نظریہ دین کی اشاعت یا سنتِ نبوی کی تعمیل (مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا) نہیں۔ بلکہ تنخواہ حاصل کرنا ہے۔ فی زمانہ بعض ایسے عالم بھی پائے جاتے ہیں جنہوں نے قرآن شریف کا ترجمہ سیکھ لیا ۔۔۔ یا قرآن حفظ کیا ۔۔۔ اور چند عقائد اپنا لئے مسجدوں میں ملازمت کی کوشش میں شہروں ۔۔۔ گاؤں میں پھرتے رہتے ہیں۔ تاکہ کسی مسجد کی امامت حاصل ہو ۔۔۔ اور اپنی گزر بسر ہو سکے ۔۔۔ باقی علماء جس قدر قرآنی تعلیم کی اشاعت کرتے ہیں۔ ان کا تمام زور۔ اپنے عقائد و نظریات کی اشاعت اور مخالف گروہ کی تکذیب و مخالفت پر صرف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مسجدوں پر قبضہ کرنے کیلئے ایک دوسرے سے تصادم کرتے ہیں۔ مار پیٹ اور قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حکومتِ وقت مداخلت کر کے علماء اور مقتدیوں کو مسجد سے گرفتار کر کے نقصِ امن کا مقدمہ چلاتی ہے ۔۔۔ اس تصادم میں۔ مسجد اور قرآن کی توہین کی جاتی ہے ۔۔۔

علمائے شریعت۔ مسجدوں میں وعظ اور خطاب بھی کرتے ہیں۔ لیکن دنیا پر کثرت سے بے دینی کا رجحان پھیلا ہوا ہے ۔۔۔ اس حالت میں مسلمان اپنے آپ کو مومن یا مسلمان تصور کرتا ہے۔ لیکن احکامِ شریعت (احکام الٰہی) کی ایک ادنیٰ شق پر بھی عمل نہیں کرتا ۔۔۔ بلکہ قرآنی تعلیم پر خود مسلمان نکتہ چینی کر کے اس قرآنی تعلیم کو جھٹلاتا ہے۔ باوجود دنیا پر کثرت سے مسلمان پائے جانے کے ایک اسلامی معاشرے کا وجود مستحکم محسوس نہیں ہوتا۔ اور باطل دنیا کے کونے کونے پر دندناتا پھرتا ہے۔ بلکہ مسلمان کو

محکوم بنا کر۔ احکامِ الٰہی کی حقیقی تبلیغ کے تمام راستے مسدود کر چکا ہے۔ چہ جائیکہ اسلامی معاشرے کا خاصہ یہ تھا کہ باطل قوتوں کو مسدود کر کے باطل کی راہیں بند کر دے۔ لطف یہ کہ مسلمان عالمِ شریعت خود اسلامی معاشرہ کو پارہ پارہ کر رہا ہے۔ اور عوام المسلمین بھی اس اسلام کی حدود کی پابندی سے کوسوں دور بھاگ رہے ہیں ـــــ بجائے خود دنیا پر مسلمان نظر آتے ہیں لیکن ان میں جذبۂ ایمانی مفقود ہے ـــــ مسلمان اکثریت کے ساتھ بے عمل۔ بے دین ہو رہا ہے۔ ان میں نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کا جذبۂ عمل بھی پایا نہیں جاتا ـــــ قرآن کے اصلاحی احکام نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج وغیرہ کو اپنے فرائض میں شامل سمجھا نہیں جاتا ـــــ اور جو نماز۔ روزہ ادا کرتا ہے ـــــ وہ شراب بھی پیتا ہے۔ سود بھی لیتا ہے۔ زنا بھی کرتا ہے۔ حرام غذا بھی کھاتا ہے ـــــ اور بزعمِ خود اذان کے وقت بازاروں میں دوڑتا ہوا مسجد کی طرف بھاگتا ہے کہ مسجد میں پہلی صف میں شامل ہو کر۔ تکبیر اولیٰ بھی حاصل کرلوں ـــــ غرض کہ علمائے شریعت نے قرآنی علم کو بے روح ـــ بے جان کر دیا ہے ـــــ کیا عالم۔ کیا عام افرادِ امت ہر شخص نے ذاتی اغراض کیلئے دین کو پس پشت ڈال دیا ـــــ احکام دین کی پابندی نہ کرنے کے باعث مسلمان کا اخلاق و کردار بھی پست ہو گیا۔ اسکی وجہ صرف یہ کہ اس تعلیم کو تزکیہ۔ مجاہدہ۔ قرآنِ فجر۔ قیامِ لیل۔ تسبیح و حمد مشاہدہ اسرار الٰہی سے الگ کر دیا گیا۔

علمائے شریعت کی کوتاہی عمل کو دیکھ کر عالمِ طریقت نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی ـــــ اور مکان کے حجرے اور جنگل کی تنہائی میں درس و تدریس قرآنی اور تزکیہ مجاہدہ ـــ عبادت۔ تصور ذات مشاہدۂ اسرار کو جاری رکھا۔ لیکن یہ طریق بھی اپنی اصلی حالت میں نہ رہ سکا ـــــ اس طریق میں بھی ایسا عنصر شامل ہوا۔ جس نے تزکیہ مجاہدہ ـــ ریاضت و تصور میں کوتاہی برتی ـــــ یہ فرقہ بھی شریعت سے علیحدہ تصور کیا جانے لگا۔ اسلئے کہ علمائے شریعت نے قرآنی تعلیم کو صرف سمجھنے سمجھانے پر ہی اکتفا کیا۔ اور تعلیم کے اصل نتیجہ مشاہدہ و تصور ذات کو یکسر قرآنی علم سے علیحدہ کر دیا۔ کیونکہ اس فرقہ میں اب تزکیہ کرانے۔ مشاہدہ کرانے کی نہ خود صلاحیت باقی رہی ـــــ نہ کسی کو اس راہ تک پہنچانے کی خصوصیت باقی رہی ـــــ اسطرح ایک طالب کو شریعت کا علم حاصل کرنے میں۔ تزکیہ مجاہدہ۔ مشاہدہ و تصور ذات کا تصور ملا ہی نہیں۔ اس نے قرآنی علم سمجھنے کے ساتھ اسکے حقیقی مقصد کو نہ اہمیت دی نہ اس کا احساس کیا

۔۔۔ مدتوں جب قرآنی تعلیم اسی نوع پر جاری رہی ۔۔۔ تو صورت یہ ہوئی ۔۔۔ کہ عالم شریعت نے صرف قرآنی تعلیم کو۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے سطحی عمل پر منحصر کر دیا ۔۔۔ اور اسکی مشاہداتی خصوصیات وصفات خود اس سے پوشیدہ ہوگئیں اور اسکے ذہن سے یہ کیفیت محو ہوگئی۔ کہ آیا قرآنی تعلیم کے ساتھ۔ تزکیہ۔ رات جاگنا۔ فاقہ۔ مجاہدہ۔ مشاہدہ اور مشاہدۂ اسرارالٰہی ۔۔۔ اور تصور ذات الٰہی بھی کوئی عمل ہے ۔۔۔ اسطرح عالمِ شریعت نے اس علم باطنی کی نفی کرنی شروع کر دی ۔۔۔ اُدھر علمائے طریقت نے ایسی کیفیات کی اشاعت کی جو علمائے شریعت کے تصور سے باہر ہو چکی تھی۔ تو علمائے شریعت نے علے الاعلان اسکی نفی اور مخالفت شروع کر دی۔ اسکا ایک اور سبب یہ ہوا۔ کہ جب علم طریقت میں کمزور عنصر شامل ہوا۔ تو ایسے لوگوں نے سلسلہ طریقت کو قائم رکھنے کیلئے تصنع اور بناوٹ کا لبادہ اوڑھ لیا ۔۔۔ یعنی ایک طرف قرآنی تعلیم کا ہی پرچار کیا اور اسکے ساتھ علمِ طریقت کا بھی پرچار کیا۔ لیکن یہ لوگ۔ نہ خود مشاہدہ۔ تزکیہ رکھتے تھے۔ نہ کسی کی راہنمائی کر سکتے تھے۔ اسلئے اپنے دعوے کی دلیل پیش کرنے کے قابل نہ رہے۔ جس وجہ سے اس علم کو بے بنیاد اور لغو قرار دیا گیا ۔۔۔ اس پر مزید جب رفتہ رفتہ علمِ طریقت میں ایسے لوگوں کا عنصر اکثریت کے ساتھ شامل ہوا۔ انہوں نے اپنی ساکھ قائم رکھنے کیلئے۔ علمِ طریقت کو غلط رنگ میں پیش کرنا شروع کیا ۔۔۔ علمِ طریقت کے اجزأ میں ایک اور کیفیت یہ پیدا ہوئی ۔۔۔ کہ جب علمائے طریقت نے گوشہ نشینی اختیار کی اکثر نے۔ اس بے عمل دنیا سے کنارہ کشی کر کے۔ تنہائیوں۔ جنگلوں میں اپنا مستقر (گھر) بنا لیا ۔۔۔ جہاں آبادی سے دور رہ کر انہیں۔ خاموشی۔ تنہائی۔ یکسوئی کا موقع فراہم ہوتا ۔۔۔ ایسے ہی مقام پر طالبان حق علم حاصل کرنے کیلئے پہنچ جاتے ۔۔۔ چونکہ ایسے مقام پر ضروریات زندگی کی فراہمی کا کوئی ذریعہ میسر نہ تھا۔ اور ایک عالمِ طریقت (ولی یا خلیفہ) فاقہ وقناعت اپنے لئے لازم رکھتا تھا ۔۔۔ تو اکثر طالب نے اپنی یا عالم کیلئے خوراک کی فراہمی کا سلسلہ شروع کر کے۔ خوراک کا سامان لانا شروع کیا ۔۔۔ اور اس طرح خوراک لانے کا یہ طریقہ مستقل صورت اختیار کر گیا۔ اسی میں معتقدین یا طالبان نے خوراک کی فراہمی میں نزاکت شروع کر دی۔ اور خوراک میں لذیذ اشیأ کا اضافہ شروع کر دیا ۔۔۔ ادھر اس طریق میں ناقص عنصر بھی شروع ہو گیا۔ اُدھر لذیذ اشیأ نے تحفہ (نذر و نیاز) کی شکل اختیار کر لی۔ جسے نذر و نیاز کی صورت میں لایا جانے لگا۔ ناقص

عنصر رفتہ رفتہ بڑھنے لگا ـــــ ان میں بھی طمع ۔ ہوس ۔ لالچ بڑھنا شروع ہوا ۔ اور ہر عالمِ طریقت کے بعد اسکا جانشین اسکی گدی پر بیٹھ کو علمِ طریقت کا اجرا کرنے لگا ـــــ چونکہ اس میں کوتاہیٔ عمل کے باعث ۔ نہ تزکیہ رہا ۔ نہ مشاہدہ رہا ۔ تو ایک جانشین نے فتوحات ۔ نذر و نیاز کی طمع میں ـــــ اس جگہ کو چھوڑا نہیں ۔ اور مصنوعی طرز اختیار کر کے ۔ اپنے آپ کو ولی کی شکل میں پیش کیا ـــــ چونکہ اسکے پاس علم طریقت کا نہ جوہر تھا ـــــ نہ اس سے حقیقی معنوں میں علمِ طریقت کا علم رہا اسلیئے مصنوعی ساکھ قائم رکھنے کیلیئے علمِ طریقت میں من گھڑت افسانے شامل کر کے ۔ علم طریقت کی ہیئت بدل ڈالی ۔ اسی شکل کو دیکھ کر عالمِ شریعت نے جو خود بھی حقیقی علم سے نابلد تھا ـــــ اس علم کی تکذیب و مخالفت کی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک خلافتِ اسلامی ـــــ تین متضاد اور ناقص شکلوں میں تقسیم ہو گئی ۔ ایک طرف خلیفۂ اسلام نے حکومت اسلامی کا نفاذ کیا ۔ جس میں احکامِ الٰہی کی تعمیل کو لازم نہ رکھا گیا ـــــ زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوئی لیکن اس رقم کو شاہانہ امارت میں استعمال کر کے ۔ خلیفۂ اسلام نے اپنے مصرف میں لا کر محلات تعمیر کیئے ـــــ اور رفتہ رفتہ جب علم شریعت کا اس میں کاملاً عمل جاری نہ رہا ۔ تو شہنشاہوں نے اپنی من مانی کر کے شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے ۔ بیت المال کی رقم کو اپنے تصرف میں لا کر فضول خرچی اور عیاشی میں دولت خرچ کی اور اسی طرح عبادات میں بھی تغافل برتا ـــــ لیکن ان حکومتوں میں اگرچہ خلیفہ اور اسکے عمال قرآنی احکام پر صحیح طور عمل نہیں کرتے تھے ۔ پھر بھی قرآن و حدیث کی تعلیم کو فروغ دینے میں انکی کوششیں قابل تحسین رہیں ۔ کہ بعد کے زمانہ میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہنے میں انکی کوششیں اور دلچسپی اصل بنیاد بنی ۔ دوسری طرف قرآنی تعلیم کی اشاعت بھی جاری رہی ـــــ قرآن و حدیث کی ترویج و تدوین بھی جاری رہی ـــــ قرآنی احکام میں بعض جرائم کی تعزیر بھی جاری رہی جسکے لئے قاضی مقرر کیئے گئے ۔ قاضی بھی علمائے شریعت میں سے تھے ۔ انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کے زیر اثر غلط فتوے بھی دیئے ۔ اور خلیفہ اسلام نے اپنے لشکر بھی بڑھائے ۔ اور ملک فتح بھی کیئے ۔ اس لشکر کشی کو جہاد کا نام بھی دیا گیا ۔ لیکن فتوحاتِ ملکی کو صرف مملکت کی وسعت اور حصول زر کیلیئے استعمال کیا گیا ۔ جب خود خلافتِ اسلامیہ میں ۔ حقیقی عمل مفقود تھا ـــــ اور شریعت کی حدود سے تجاوز کیا جاتا ـــــ تو فوج کشی میں کیسے جہادِ حقیقی کا تصور پایا جاتا ـــــ ایسے وقت میں علمائے سوء نے خلافتِ اسلامیہ کی حمایت کی ـــــ اور علمائے شریعت (حقیقی) نے

اس خلافت کی بھی مخالفت کی ــــ دوسرا پہلو وہ ابھرا ــ جب علمائے شریعت نے روح سے خالی عمل کا اجراً کیا تو حقیقی خلافتِ اسلامیہ کا تصور مٹ گیا ــ اور کچھ باقی رہا تو علمائے طریقت میں حقیقی خلافتِ اسلامی کا تصور پایا گیا لیکن اس جماعت کے پاس گوشہ نشینی میں عبادت کے سوا۔ نہ اجرائے دین میں وسیع تبلیغ رہی۔ نہ اقتدار اعلٰے کے ذریعہ دین کو وسعت دینے کی قوت رہی ــ اس جماعت کا عمل اگرچہ حقیقی علمائے امت کا تھا۔ لیکن اقتدار اعلٰے سے علیحدگی کے باعث یہ طریق بھی حقیقی خلافتِ اسلامی کی شکل تصور نہیں کیا جاتا۔ اس جماعت نے حالاتِ زمانہ کے مطابق راہبانہ زندگی اختیار کی جس سے حقیقی خلافتِ اسلامی کی نمائش نہ ہو سکی نہ صحیح معنوں میں اجرائے دین ہوتا رہا۔ اور جب اس طریق میں۔ نفس پرست۔ ہوس پرست۔ عمل سے کوتاہ لوگوں کا عنصر شامل ہوا تو یہ آخری ہیئتِ خلافتِ اسلامیہ بھی مٹ کر رہ گئی۔ اب خلافتِ اسلامیہ میں۔ ہر شعبہ میں تصنع۔ بناوٹ اور بے حقیقت خلافتِ اسلامیہ کا تصور باقی رہا ــــ یہی سلسلہ مدتوں جاری ہے۔ جس میں نہ خلافت کا پتہ چلتا ہے۔ نہ شریعت کا ــ نہ طریقت کا۔ خلافتِ اسلامیہ کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔ اب کوئی ایسی حکومت باقی نہیں رہی۔ جو خود کو خلافت اسلامیہ کہنے کی دعویدار ہے ــــ نہ وہ شہنشاہانہ جلال ہی کسی حکومت میں باقی ہے۔ مزید برآں۔ زمین پر باطل پرستوں کا غلبہ ہے۔ اور مسلمان ان باطل پرستوں کے رحم و کرم پر پڑا زندگی کے دن گزار رہا ہے ــــ باطل پرستوں کا غلبہ اسقدر غالب ہے۔ کہ ہر انسان ان باطل پرستوں کی تقلید اپنا نصب العین بنا چکا ہے۔ کتنا دور ہے زمانہ حقیقت سے۔ کتنی پست و ذلیل ہے۔ انسانی آبادی ــــ کہ انسان اپنی حقیقت سے قطعی ناآشنا۔ اسکے ذہن میں اپنے مقصدِ حقیقی کا کوئی تصور باقی نہ رہا جسکی طرف اسکی جستجو لازمی تھی۔ بلکہ اس مقصدِ حقیقی کو لغو اور ظنِ باطل قرار دے رہا ہے ــــ

درحقیقت بنیادی طور۔ خلیفہ اور خلافت کے حقیقی تصور کو نہ پانے کے سبب ــــ اور مدتہا مدت سے خلافت کے حقیقی مظاہر کو محسوس نہ کرنے کے باعث۔ کسی مقام پر انسان کو خلیفہِ ارض کی حیثیت میں ــــ صاحبِ مشاہدہ ــــ صاحب معرفت ــــ شاہدِ اسرار الٰہی ــــ مشاہدہ ذاتِ الٰہی ــــ نبی تسلیم کرنے کی جرأت نہیں کی جاتی ــــ اور خلافتِ اسلامیہ میں۔ خلیفہ۔ نائبِ رسول ــــ خلیفہِ ارض۔ نبی ــــ کو ایک ہی تصور میں تسلیم نہیں کیا جاتا ــــ حقیقتاً ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپ کا قائم

مقام اگر خلیفۂ ارض۔نبی ـــ حاملِ قرآن ـــ صاحب مشاہدہ۔صاحبِ معرفت کی حیثیت نہیں رکھتا ـــ تو وہ قائم مقام نبی ورسول ہونے کا مجاز نہیں ـــ کوئی خلیفہ اسلام ہو۔کوئی عالم شریعت (عالم امت) ہو اگر عالمِ طریقت (یعنی حامل قرآن صاحب معرفت صاحب مشاہدہ) نہیں تو نہ خلیفۂ اسلام کہلانے کا مستحق ہے۔نہ عالمِ امت کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے ـــ

اب اِنِّیْ جَاعِلٌ ''فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی آیت میں عمیق غور۔اور وسیع قلبی سے تجزیہ کرنا ضروری ہے۔تاکہ ؎ خشتِ اول گر نہند معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

ابتدأ یہ بیان ہو چکا ہے کہ نبی کا حقیقی تصور حاصل کرنے کیلئے قرآن کا مطالعہ کیا جائے۔کہ ابتدأ نبی کا تصور کہاں سے پیدا ہوتا ہے ـــ اور قرآن میں نبی کی تعریف سے متعلق ابتدائی بیان کیا ہے ـــ اِسکے لئے اسی آیتِ بالا پر عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے ـــ جب کہا ملائکہ سے آپ کے رب نے میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے ولا ہوں۔تو اس پیدائش کی ترکیب۔ترتیب۔حیثیت۔ہیئت اور نوعیت کیا ہے؟ تو قرآن کے ان تمام بیانات پر پوری توجہ کے ساتھ غور کیا جائے ـــ اس بیان کے حقیقی معانی پر نظر رکھی جائے ـــ قَالُوْآ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ط کہا ملائکہ نے کیا تو بنائیگا بیچ زمین کے اسکو جو فساد کریگا اس میں۔اور بہائیگا خون ـــ اور ہم تسبیح کرتے ہیں ساتھ تیری حمد (پہچان) کے اور تیری تقدیس (پاک نور) بیان کرتے ہیں ـــ سوال یہ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب کیوں کیا۔قرآن نے ارضی پیدائش کے واقعہ کو بیان کرنے کیلئے وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اس طرح کا انداز کیوں اختیار کیا ـــ ؟ ظاہر ہے یہ دانستہ طور اس انداز میں بیان دیا گیا ـــ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے صرف اتنا ہی کہا۔کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ظاہر ہے خلیفہ بنانے کی ترکیب میں ایک انسان (آدم) کو بنایا گیا ـــ لیکن ملائکہ نے کس تصور کے ساتھ کہا کہ زمین پر پیدا ہونے والا شخص فساد وخونریزی کرنے والا ہے ـــ ؟ یہ تسلیم ہے۔کہ زمین پر پیدا ہونے والا شخص فساد وخونریزئی کرنے والا ہی ہوگا۔لیکن ملائکہ نے اپنی ذات کو خلیفہ کی پیدائش میں کیوں شریک کر کے اس امر کا اظہار کیا۔کہ ہم تیری تسبیح وحمد ساتھ تیری پہچان کے کرتے ہیں ـــ ؟ جب کہ ارضی پیدائش میں انکا کوئی دخل ہی نہیں ـــ صرف

اللہ کی بات سننی ہے۔ جواب دینے کی ضرورت نہیں ــــ!

اسکے بعد قرآن اپنے بیان کو تخلیق ارضی کے متعلق جاری رکھتا ہے ــــ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ میں اس سلسلہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ارضی پیدائش میں جن کیفیات و ترتیب کا اندازہ ملائکہ کر رہے ہیں۔ اس سے ماسوئ اس تخلیقی ترتیب میں ایسی کیفیتیں موجود ہیں جن کا ادراک ملائکہ کو نہیں ــ انکا ظہور تخلیقِ خلیفہ پر ہی ظاہر ہوگا ــــ پھر یہ سلسلہ جاری ہے۔ اِذۡقَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ○ ــ مِنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ○ جب کہا آپؐ کے رب نے ملائکہ سے۔ میں ایک بشر خلق (بناوٹ) کرنے والا ہوں۔ مٹی سے ــــ مٹی کے لیس دار کیچڑ سے ــــ اس بیان میں پہلے بیان کے مقابلہ میں نئی کیفیت ظاہر (بیان) ہو رہی ہے۔ یعنی خَلِیۡفَۃً اور فِی الۡاَرۡضِ کی جگہ۔ بشر اور طین ــــ اور حماءِ مسنون ــــ ظاہر ہے۔ بشر۔ طین۔ حماءِ مسنون کی کیفیتیں خلیفہ کی تخلیق کا مرکب ہے ــــ یہی طین اور حماءِ مسنون سے بنی ہوئی کیفیت بشر کے نام سے موسوم ہو کر خلیفہ بنیگی ــــ اب دیکھنا ہے۔ کہ بشر بنانے کا اصل مقصد کیا ہے۔ اگر تخلیقی حیثیت میں اسکا نام بشر ہے۔ تو لازمی طور یہ پیدائش بشر ہی بنی ــ مگر خلیفہ کے خطاب پر ملائکہ کا سوال کس نوعیت کا ہے۔ یعنی یہ بشر زمین پر فساد و خونریزی کریگا ــ اگر بشر نے فساد و خونریزی کرنا ہے۔ تو اسکی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جس پر ملائکہ نے اس پیدائش کو ایک ناقص حیثیت ناقص پیدائش قرار دیا ــ اس پیدائش میں تو اور کوئی کیفیت موجود نہیں ــــ! مگر ــــ قرآنی سلسلہ کلام جاری ہے ــــ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ○ جب میں اسے سنواروں ــــ اور اس میں روح پھونک دوں تو تم جھک جاؤ واسطے اسکے سجدہ کرتے ہوئے ــــ اس بیان میں نیا ایک انداز ہے ــــ ایک زائد کیفیت سوّٰی ــــ دوسری وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ ــــ تیسرے۔ ارضی خلیفہ کی تخلیق میں ملائکہ کا تعلق سمجھ آیا۔ کہ اسی بناء پر انہوں نے کہا تھا۔ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وَاِذۡقَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ کے خطاب میں یہ امر پوشیدہ ہے۔ کہ زمین کی پیدائش اس حیثیت میں ہوگی ــ کہ ملائکہ کی صفتِ نوری (ملکوتی) سے افضل پیدائش ہوگی ــــ ''یا قرار دی جائیگی'' اور یہ جو ملائکہ نے خود بخود کہا

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ خلیفہ کو جسمانی اعتبار سے فضیلت دینا نہیں ــــ کیونکہ بشر کی تخلیق زمین ــــ خاک سے ہوگی ــــ اسلئے بشر ــــ زمین ــــ اور خاک ــــ آسمان ــــ ملائکہ ــــ نور سے افضل حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس خاکی سرشت میں حقیقتاً فساد و خونریزی کا مادہ فطری تخلیق کے تابع پایا جاتا ہے ــــ اسلئے وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ کا سوال کرنا ملائکہ سے اسی تصور کے ساتھ ہے۔ کہ خلیفہ سے مراد۔ خلف ــــ یعنی ملائکہ کے بعد آنے والی ایک پیدائش جو تسبیح و حمد کی حامل ہوگی ــــ! جہاں تک بشر کا تعلق ہے۔ ملائکہ کا سوال فطری طور درست ہے۔ البتہ ــــ بشر کا تسبیح و حمد کا حامل ہونا غور طلب بات ہے ــــ یعنی جو پیدائش فطری طور فساد و خونریزی کی حامل ہو اس سے تسبیح و حمد ناممکن ہے۔ یہ سوال بھی ملائکہ کا درست ہے۔ مگر اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (میں جانتا ہوں اس کیفیت کو جو تم نہیں جانتے) اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ بشر میں دو کیفیتوں کا اضافہ کر دیا ــــ اِنِّیْ خَالِقٌ ”بَشَرًا“ میں ایک ارضی وجود مکمل ہو جاتا ہے ــــ خواہ وہ مٹی کے پتلے کی صورت میں بنا ــــ یا جوہری ذرہ (ایمیا) سے بنا۔ لیکن یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے۔ کہ بشر کی کیفیت ایک زندہ جاوید متحرک وجود ہے۔ جو اپنی ارضی تخلیق میں مکمل ہے ــــ اب اس کی سوّی زائد کیفیت ہوگی ــــ سوّی میں کیا تصور پایا جاتا ہے ــــ یہ انسان کی وجودی کیفیت پر تحقیق سے ظاہر ہوگی ــــ قبل اسکے کہ سوّی کی کیفیت پر تجزیہ کیا جائے ــــ پہلے انسانی تخلیقی ترکیب پر قرآنی آیات کا تجزیہ کیا جائے۔ قرآن نے ارضی تخلیق سے متعلق کئی اور کیفیتوں کا حوالہ دیا ہے۔ جن میں ارضی تخلیق کی ترکیب و ترتیب اور وجودی مرکب کا ذکر ہوا ہے ــــ

(۱) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی ہوئی مٹی سے ــــ اور (اسی زمین سے) بنایا جنوں کو آگ کی لوؤں سے۔

(۲) خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝۔ بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند مٹی سے ــــ لیسدار کیچڑ سے اور اس انسان سے قبل بنایا جنوں کو آگ کے شعلوں سے ــــ اس آیت میں صلصال اور حماءِ مسنون دو متضاد کیفیتوں کو ایک ساتھ بیان کرنے میں۔ مرکبِ خاکی کا ایک ہی تصور پایا جاتا ہے ــــ اور جنوں کے مرکب میں نار کو جبکہ یہ بھی زمین کی پیدائش قرار دی گئی ہے ــــ صلصال اور حماءِ مسنون سے قبل زمین کی

کیفیت کا تصور یوں آتا ہے۔ کہ جنوں کی پیدائش کے تصور میں زمین انسانی پیدائش سے قبل (مِنْ قَبْلُ) ناری وجود تھا ـــــ اسی ناری وجود سے جنوں کے بعد انسان کی تخلیق ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کے مرکب میں ـــــ صلصال میں نور و خاک کی درمیانی حیثیت پائی جاتی ہے۔ جیسے کمہار کے آوے سے نکلے ہوئے برتن (ٹھیکری) کے تصور میں پایا جاتا ہے ـــــ اور جب اِنِّیْ خَالِقٌ" بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ کا تصور کیا جاتا ہے تو صلصال اور حماءٍ مسنون کے تصور میں تضاد پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ٹھیکری اور مہین دلدلی کیچڑ میں نمایاں فرق ہے ـــــ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق اگر یہ تصور کیا جائے۔ کہ پہلے لیس دار کیچڑ سے انسان بنا ـــــ بعد میں اس کا وجود یا پتلا ہوا سے کھنکھنانے لگا ـــــ تو یہ تصور فطری تخلیقی ترتیب سے مطابقت نہیں رکھتا ـــــ کیونکہ آگ میں پکی ہوئی مٹی کو ٹھیکری کہا جاتا ہے۔ اور لیس دار کیچڑ ہوا کے لگنے سے آوے (آگ) سے نکلی ہوئی ٹھیکری کے مانند نہیں ہوسکتی ـــــ کیونکہ ہوا کے لگنے سے مٹی ٹھیکری نہیں بن سکتی۔ تو ظاہر ہے۔ کہ انسان کے مرکب کی مٹی پہلے ناری زمین صلصال کی شکل میں پائی جاتی تھی۔ یہی مٹی پانی سے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (بنایا ہر چیز کو پانی سے محسوس و متحرک۔ جاندار تصور میں) حماءٍ مسنون کی ہیئت میں آئی ـــــ اسطرح کیفیتوں کا تضاد ختم ہوا۔

(۳) تیسری جگہ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ بنایا انسان کو مٹی کے جوہر سے ـــــ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ حماءٍ مسنون زمین کی جملہ جوہری قوتوں کا مجموعہ و مرکب ہے۔

(۴) اب ایک ایسی کیفیت ہے جس سے حقیقی ترکیب پیدائش کا پتہ چلتا ہے۔ کہ انسان کو مٹی کے جوہر سے کس ترتیب کے ساتھ بنایا گیا۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَیُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ○ وہ اللہ ہے۔ جس نے اُگایا تم کو زمین سے نباتات کی طرح پھر اعادہ کریگا تمہاری ترتیب کو زمین میں اور پھر نکالیگا زمین سے جسطرح نکالا جاتا ہے۔

اس ترکیب میں انسانی تخلیق کی خلق (بناوٹ) یا ترکیب پیدائش کو نَبَاتًا کے تصور میں پیش کیا گیا ہے۔ نَبَاتًا کی ترکیب وہی ترکیب ہے۔ جسطرح نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی نباتات کی ابتدا ـــــ اُس وقت ہوئی ہے جب ابتداءً نباتات کا وجود زمین پر ظاہر ہوا ـــــ یہ تھی کہ اول درخت کی ابتدا بیج

سے ہوتی ہے۔لیکن ابتداءً بیج اس ہیئت میں نہ تھا۔جس ہیئت میں ایک درخت کا بیج اسکے میوے کے پیٹ میں ہوتا ہے ــــ بلکہ زمین کی ابتدائی ہیئت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط کی ترکیب میں۔زمین کے ناری ذرات نے پانی سے جاندار ذروں کی ہیئت اختیار کی ــــ یعنی زمین کے ناری ذرات بجائے خود ایک زندہ وجود تھے۔پانی میں مل کر ان ذرات نے خاکی وجود کی ہیئت اختیار کی اور یہی ناری ذرات (مثل جراثیم) جسم کی شکل میں منتقل ہو گئے۔انہیں ذرات میں۔جو ذرات زمین میں تھے ــــ انہوں نے زمین کی ہی مٹی سے اپنی خوراک حاصل کر کے ایک پودے کی شکل میں زمین کی سطح پر ابھرنا شروع کر دیا ــــ اسی پودے نے آگے چل کر درخت کی شکل اختیار کی ــــ یہ اسکی ابتدائی پیدائشی ترکیب تھی ــــ اور آئندہ درخت کی پیدائش کا سلسلہ جاری رکھنے کیلئے ــــ درخت میں میوہ بنا۔اور اسی میوہ میں درخت کا بیج بنا ــــ اور آئندہ اسی بیج سے درخت مثل "نسل" کے پیدا ہونے لگے ــــ درخت کی ابتدائی ترکیب میں ــــ یہ ترتیب پائی جاتی ہے۔کہ ایک ذرہ نبات کی ہیئت اختیار کرنے کیلئے۔زمین سے اپنی غذا حاصل کر کے نر و مادہ دو ہیئتیں بناتا ہے۔انہیں نر و مادہ کے آپس میں ملنے سے ــــ ایک ایسا درخت پیدا ہوتا ہے۔جو اپنے میں بیج پیدا کر کے درخت کی نسل کا سلسلہ جاری کرتا ہے ــــ اسکی ترکیب بھی ایسی ہے جیسے قرآن نے انسان کی بناوٹ (خلق) کے متعلق بیان پیش کیا ہے ــــ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ــــ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا۔وہ اللہ جس نے بنایا تم کو ایک جانِ واحد سے اور اس جان سے ہی اسکا جوڑا (مادہ) نکالا اور انہیں نر و مادہ سے بطریق سلسلہ تناسل نسل کو جاری کیاؔ ــــ نباتات کی ابتدائی ترکیب بھی اسی طرح تصور میں آتی ہے کہ ابتداءً ــــ نبات کا ابتدائی وجود نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ــــ ایک ناری ذرہ ہوتا ہے۔جو زمین میں رہ کر شکل اختیار کرتا ہے۔اس دور میں ایک ذرہ سے دو وجود نر و مادہ کی شکل میں وجود پذیر ہو جاتے ہیں۔انہیں دو نر و مادہ سے۔آئندہ بیج کی شکل میں نباتات کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

یہی تصور "اَنْبَتَكُمْ "انسانی پیدائشی ترکیب میں پایا جاتا ہے ــــ کیونکہ قرآن میں اَنْبَتَكُمْ کی یہی ترتیب پائی جاتی ہے ــــ اسلئے جہاں انسانی پیدائش کو اَنْبَتَكُمْ کے تصور میں دیکھا جائے۔تو انسان کی ابتدائی پیدائش بھی نفس واحد سے شروع ہوتی ہے۔تو لازمی طور ــــ اَنْبَتَكُمْ کی ترکیب میں

انسان بھی اسی طرح ایک ناری ذرہ سے اپنی ابتدأ کرتا ہے ___ اسی طرح اس کائناتِ ارضی میں۔ ہر شے۔نباتات۔ جمادات۔حیوانات کی ابتدائی پیدائش ہوتی ہے۔جبکہ زمین میں ہر پیدائش کے لئے۔ مانند بیج۔قبل از وجود۔کوئی اور ذریعہ نہیں۔تو ہر شے کی ابتدأ ناری ذرات سے ہوتی ہے۔یعنی ہر وجود ناری ذرہ سے ہی اپنی جسمانی ہیئت پانی کے ذریعہ پاتا ہے ___ بالالفاظِ دگر ___ زمین کے ناری ذرات ہی ___ اپنی قوت کے مطابق ___ جمادات ___ نباتات ___ حیوانات کی شکل اختیار کرتے ہیں ___ یہ پیدائش قانونِ فطرت کے مطابق ہوتی ہے اور قدرت نے ہر شے کی پیدائش کیلئے۔یہی۔ترتیب و ترکیب مقرر کی ہے ___

یہ امر مسلمہ ہے۔کہ نظامِ فطرت کے تابع جبکہ قدرت نے ہر شے کی تخلیق کے لئے ایک منظم طریق مقرر کیا ___ تو ہر شے کا وجود اسی ترتیب سے پیدا ہونا۔ضروری۔اور نظامِ فطرت کے تابع ہے۔

انسانی پیدائش کیلئے۔ براہ راست قرآن نے کوئی خاص ___ علیٰحدہ ترتیب بیان نہیں کی ہے۔ نہ احادیث میں ایسی کسی ترتیب کا ذکر ہے۔سوائے چند ارشادات کے (جو حدیث میں تشبیہی ترکیبیں تصور کی جاسکتی ہیں) ___ اس سے ماسویٰ مفسرین یا علمائے اسلام نے۔انسان کو ایک علیٰحدہ ترتیب کے تصور میں پیش کیا ___ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی کا پتلا بنا کر ___ ایک انسان کی شکل میں بنایا ___ اور اس میں روح پھونک کر زندہ کیا ___ لیکن اس ترتیب کے لئے کوئی ٹھوس ایسی دلیل قرآن میں نہیں۔ سوائے ان کیفیتوں کے جو ابھی بیان کی گئی ہیں (صفحہ ۳۵۵ پر)۔ان کیفیتوں میں صرف زمین کی ذاتی کیفیتوں کا ذکر ہے۔مثلاً۔صلصال۔(اور اسکے ساتھ ناری زمین اور وجود کا تصور الجان) حماءِ مسنون ___ سللة من طين ___ طين الازب ___ المآء ___ ان کیفیتوں کے بیان میں ___ ان کیفیتوں کے الگ تجزیہ پر ___ جبکہ یہ کیفیتیں انسان کی تخلیق سے تعلق رکھتی ہیں۔یہ معلوم ہوتا ہے۔کہ انسانی وجود کی ابتدأ انہیں قوتوں سے ہوئی ___ اور اگر ان قوتوں کے تجزیہ میں۔تحقیق کی جائے تو خود بخود انسانی تخلیقی ترکیب کی ایک کڑی بن کر آخر اَنۡبَتَکُمۡ کے تصور میں۔یہ کیفیت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ انسان کی تخلیقی ترکیب میں بھی وہی ترتیب شامل ہے۔جو باقی کائناتِ ارضی کی تخلیقی ترکیب میں۔ترتیبِ فطری پائی جاتی ہے ___

قرآن نے دانستہ طور خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ میں ــــ صلصال کالفخار ــــ الجان ــــ مِنْ نار کا ذکر کیا ہے ــــ یہ کیفیتیں الارض (زمین) کی ابتدائی ہیئت سے تعلق رکھتی ہیں ــــ جبکہ زمین اپنی ابتدا میں ناری قوت کی حامل تھی ــــ اسی وجہ سے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ کے ساتھ خَلَقَ الْجَآنَّ میں مِنْ نَّارٍ کی ترکیب بیان ہوئی ہے ــــ کہ الجآن (جن) زمین کی پیداوار ہیں۔ لیکن ناری وجود کے حامل ــــ! اس سے ثابت ہوا۔ کہ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ــــ انسان سے قبل جنات کی تخلیق زمین سے ہوئی ــــ اور زمین انسانی وجود کے مرکب خاکی سے قبل ناری ہیئت میں تھی ــــ اور اسی ناری ہیئت کا تصور مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ میں پایا جاتا ہے۔ اگر انسان کی تخلیق میں صلصال کی ناری ترتیب شامل ہے۔ تو ظاہر ہوتا ہے۔ انسانی وجودی ترکیب میں ناری قوت بھی شامل ہے۔ تو ثابت ہوا کہ انسان کی ابتدا اسی ناری قوت سے ہوتی ہے ــــ یہ زمین کی ناری قوت ہے۔ ناری قوت ناری ذرات کا مجموعہ ہے ــــ یہی ناری ذرات ہر شے کا بنیادی وجود ہے ــــ یہ ناری ذرات بہ اعتبار نار ــــ ایک زندہ وجود ہے ــــ آگے چل کر ــــ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ کی ترکیب کے ذریعہ زمین خاکی ہیئت اختیار کر کے۔ اسکے ناری ذرات جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کی شکل میں زمین پر موجود محسوس۔ جسمانی ہیئت اختیار کرتے ہیں ــــ اور حیوانات بھی اسی ترکیب کے ساتھ ناری ذرات سے محسوس وجود پاتے ہیں ــــ حیوان ــــ جمادات۔ نباتات کے مقابلہ میں ایک مخصوص وجود میں۔ ظاہر ہوتے ہیں ــــ جنکی ایک خاص ــــ علیحدہ۔ شکل وصورت پائی جاتی ہے انکی حرکت وعمل محسوس ہوتی ہے ــــ اسلئے اسی حرکت وعمل کے محسوس ہونے کے تصور میں انہیں حیوان یعنی حرکت وعمل اور وجود میں محسوس ہونے والی کیفیت ــــ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور انسان بھی اسی حیوانی قسم میں شامل ہے ــــ کہ اپنے جسم کی ایک خاص شکل وصورت رکھتا ہے۔ اور اپنی حرکت وعمل سے محسوس کیا جاتا ہے۔ اسی لئے انسان کو حیوانِ ناطق بھی کہا جاتا ہے ــــ یعنی جسمانی ترکیب میں۔ ایک حیوان اور انسان میں اعضے وجوارح یکساں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سر۔ دھڑ۔ لاتیں۔ پیر۔ کان۔ ناک۔ آنکھ۔ دماغ۔ زبان۔ اعضائے رئیسہ میں ــــ دل۔ گردہ۔ جگر۔ پھیپھڑے۔ معدہ وغیرہ۔ اور ــــ سامانِ زندگی حاصل

کرنے میں بھی حیوان اور انسان یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ دیکھنے ــــ سننے۔ چکھنے ــــ سوچنے میں بھی حیوان اور انسان یکساں ہیئت وحیثیت پاتا ہے۔ تو یہ امر قابلِ تسلیم ہے۔ کہ جو ترکیب حیوان کیلئے مقرر ہے۔ وہی ترکیب انسان کیلئے لازمی ہے ــــ

انسانی بناوٹ (تخلیق) میں۔ اسکی پیدائشی ترتیب میں صلصال بھی شامل ہے۔ جو کہ ناری قوت ہے۔ مفسرین نے صلصال کے تصور میں جو تاویل بیان کی ہے۔ اس ترتیب کو اسی نظریہ میں شامل کیا جاتا ہے ــــ جو مفسرین نے انسانی بناوٹ میں پیش کی ہے۔ یعنی ''انسان'' کو مٹی کے پتلے سے بنایا گیا ــــ اور اس نے ہوا لگنے سے صلصالی ہیئت اختیار کی ــــ یعنی یہ مٹی کا پتلا ہوا لگنے سے کھنکھنانے لگا۔ اس ''کھنکھنانے'' میں وہی تصور پیش کیا جاتا ہے۔ جو آوے سے نکلے ہوئے۔ برتن کی ہوتی ہے۔ ٹھیکری کی تعریف یہ ہے۔ کہ آوے سے نکلا ہوا برتن۔ بجانے سے ٹن ــــ ٹن ــــ کی آواز دیتا ہے۔ مگر ہوا مٹی میں ایسی تاثیر پیدا نہیں کرسکتی ــــ اور صلصال میں ٹھیکری کی آواز ٹن۔ ٹن کی طرح ہوتی ہے۔ اسلئے فطری طور یہ تصور یا نظریہ۔ فطری ترتیب سے مطابقت نہیں رکھتا کہ انسانی پتلا ہوا لگنے سے کھنکھنانے لگا ــــ اور اس امر کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جبکہ انسانی پتلے کو ہوا سے سخت کرنے کی ضرورت نہیں ــــ اور صلصال میں اگرچہ ٹھیکری کے مانند مٹی کا تصور پایا جاتا ہے۔ تو یہ تصور انسانی بناوٹ میں شامل نہیں۔ بلکہ انسان کے ابتدائی وجود کی نشاندہی کیلئے تصور دیا گیا ہے۔ کہ ابتداءً انسانی وجود ناری وجود (ناری ذرہ) تھا۔ جس نے حماءٍ مسنون سے نشوونما (غذا) حاصل کر کے ایک حیوانی ہیئت اختیار کی ــــ

اس تصور میں انسانی وجود کی ایک مکمل ترتیب سمجھ میں آتی ہے۔ کہ ناری ذرہ بجائے خود ایک مجسم زندہ وجود ہے ــــ یہ ذرہ اپنی خلقت میں ایک ناری لطیف زندگی کا حامل ہے ــــ اس ذرہ میں ــــ نشوونما ــــ ارتقا ــــ اور اپنے وجود کو مسلسل مراحل میں گزرنے کی فطری اور ذاتی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ یہ ذرہ ایک زندہ وجود ہے۔ جو حماءٍ مسنون (لیس دار کیچڑ) میں۔ خود بنتا نہیں ــــ بلکہ۔ لیس دار کیچڑ سے مادہ (غذا) حاصل کر کے ایک حیوانی شکل اختیار کرتا ہے ــــ یہ ذرہ فطری تخلیقی ترکیب کے مطابق۔ ذرہ سے لیکر ایک انسانی شکل تک مختلف مراحل اور ہیئتوں سے گزر کر انسانی شکل و

صورت تک پہنچتا ہے ـــــ اس مقام پر یہ نظریہ ڈارون کے نظریۂ ارتقا سے مطابقت رکھتا ہے ـــــ لیکن قرآنی نظریۂ حیات اور ڈارونی نظریۂ حیات میں فرق ہے ـــــ وہ یہ کہ ڈارون بھی اسی فطری ترکیب تخلیق کا قائل ہے جو وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا کی فطری ترتیب ہے ـــــ یعنی انسان بھی مثل حیوان کے ابتدأ کرتا ہے ـــــ ایک ذرہ سے لیکر انسان تک یہ بھی مختلف جسمانی حیوانی مراحل سے گزرتا ہے ـــــ مثال کے طور ـــــ ایک انسان ـــــ اور ایک بندر (یا بن مانس) ـــــ دونوں وجود ایک ناری ذرہ سے اپنے وجود کی ابتدأ کرتے ہیں ـــــ ایک بندر ـــــ ذرہ سے ارتقا کر کے۔ چھوٹی مچھلی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ مچھلی سے مینڈک کی شکل ـــــ مینڈک سے ـــــ مرغی کے چوزے جتنی جسامت ـــــ چوزے سے مرغی کی جتنی جسامت ـــــ مرغی سے ـــــ خرگوش جتنی جسامت ـــــ خرگوش سے بندر جتنی جسامت ـــــ اور بندر سے بن مانس جتنی جسامت ـــــ ان مراحل میں بندر یا بن مانس کی ہیئت۔ بندر کے مشابہ ہوگی ـــــ اور ذاتی وجود بندر یا بن مانس کا ہی ہوگا۔ یہ امر ضروری ہے۔ کہ اپنی آخری جسامت تک پہنچنے کیلئے ـــــ اس وجود کو درمیانی جسامتوں سے گزرنا پڑتا ہے ـــــ اور یہ ناری ذرہ اپنے آخری مقام پر ایک زندہ بن مانس بن جاتا ہے ـــــ یہ اس کی نشاۃِ آخر ـــــ آخری ارتقائی بناوٹ اور شکل وصورت ہے ـــــ

اسی طرح ایک انسان ـــــ کی ابتدائی تخلیق ایک ناری ذرہ سے ہوئی ـــــ اسکا مقام حماءِ مسنون میں تھا۔ یہی حماءِ مسنون۔ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ـــــ مٹی کے جوہری (ناری ذرات کا مجموعہ) ذرات کا مرکب تھا۔ اسی مقام پر ایک انسانی ذرہ حماءِ مسنون سے مادہ (غذا) حاصل کر کے جسمانی ہیئت میں ارتقا کرنے لگا۔ یعنی۔ جسمانی شکل اختیار کرنے لگا ـــــ یہاں تک کہ ذرہ مچھلی جتنی جسامت پر آیا ـــــ مچھلی کی جسامت سے مینڈک [1] کی جسامت پر آیا ـــــ مینڈک سے۔ مرغی کے چوزے کی

---

[1] ان مثالی ہیئتوں کی شکل وصورت مراد نہیں۔ بلکہ مرحلہ وار جسامت۔ یہاں انسانی جسامت کا تعین نہیں ہو سکتا کہ ان مراحل میں انسان کی شکل وصورت کیا تھی۔ سوائے اسکے کہ انسانی مرکب جسمانی کو بن مانس کے مرکب جسمانی یا بندر اور خرگوش کے مرکب جسمانی سے مشابہت دی گئی۔ لیکن ان مراحل میں انسانی جسم یکسر انسانی حیثیت میں تھا۔

جسامت ـــــ چوزے سے مرغی کی جتنی جسامت ـــــ مرغی سے خرگوش جتنی جسامت ـــــ خرگوش سے بندر جتنی جسامت پر آیا ـــــ چونکہ انسان کی شکل بندر سے ملتی جلتی ہے ـــــ اسلئے انسان بھی بندر کی ہو بہو شکل کی جسامت پر آیا ـــــ بندر سے بن مانس کی جسامت پر آیا ـــــ اس مقام پر بن مانس اور انسان کی شکل وشباہت ملتی جلتی محسوس ہوئی ـــــ کیونکہ انسان اور بن مانس کی جسمانی ہیئت ملتی جلتی ہے ـــــ اس مقام پر ڈارون نے انسان اور بن مانس کو ایک ہی شکل وشباہت میں محسوس کر کے یہ فیصلہ دیا۔ کہ انسان بن مانس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ بجائے خود انسان کی اپنی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ـــــ فطری تخلیقی ترکیب کے لحاظ سے یہ نظریہ غلط ہے ـــــ جہاں تک ذرہ سے نشاۃِ آخر ـــــ یعنی آخری بناوٹ کا تعلق ہے۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے۔ کہ ہر شے ایک ذرہ سے لیکر آخری بناوٹ تک مراحل سے گزر کر اپنی آخری شکل پر آتی ہے ـــــ جس میں۔ جمادات ـــــ نباتات بھی ذرہ سے شروع ہو کر ایک الگ ہیئت اختیار کرتے ہیں ـــــ لیکن اس تخلیقی ترتیب میں اس کیفیت پر نظر رکھنا ضروری ہے ـــــ کہ ہر ہیئت ـــــ ہر شکل۔ ایک ذرہ کی اپنی ذاتی قوت پر ہی منحصر ہے۔ جیسے ذرہ کی قوت ہوگی ویسا ہی اسکا جسم بنیگا۔ مثلاً ایک ذرۂ ناری سے مینڈک بنتا ہے ـــــ مینڈک بننے کیلئے ایک ناری ذرہ مخصوص ہے۔ یا ایک ناری ذرہ کی وجودی خاصیت میں مینڈک کا وجود ہے۔ اسلئے یہ ذرہ زمین سے مواد حاصل کر کے مینڈک کی شکل کی طرف ارتقا کریگا ـــــ تو لازماً اپنی ابتدائی ہیئت میں یہ مچھلی جتنی جسامت وشکل میں محسوس ہوگا ـــــ لیکن اسکی خاصیت وصفت مچھلی کی نہیں بلکہ مینڈک کی ہوگی۔ یعنی اسکے مرکبِ جسمانی میں مینڈک کی صفت ووسعت ہوگی اور مچھلی کی شکل وصورت میں مینڈک کہلائیگا: تحقیق سے یہ پتا چلا ہے۔ کہ ابتدائی مرحلہ پر مچھلی اور مینڈک کی شکل ایک جیسی ہوتی ہے اور مینڈک بھی مچھلی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور مچھلی اور مینڈک پانی میں ایک ہی جگہ پرورش پاتے ہیں۔ مینڈک بھی مچھلیوں کے ساتھ مل کر تیرتا ہے۔ اور مچھلی اور مینڈک کی شکل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بات ضرور ہے۔ کہ مچھلی۔ مچھلی کی ہیئت پر قرار پکڑتی ہے۔ اور دوسری مچھلی مینڈک کی شکل اختیار کرتی ہے۔ کیونکہ یہ مچھلی ابتدائی وجود میں مینڈک کا جسم رکھتی ہے ـــــ اسکے مقابل اگرچہ مچھلی اس مقام پر مچھلی نظر آتی ہے۔ تو مچھلی مچھلی ہی کہلائیگی۔ اور اس میں مچھلی جتنی وسعت ہوگی۔ یہ اسکی نشاۃِ آخر ہوگی۔ اس نے آگے اس ناری ذرہ میں ارتقا کرنے کی

قوت موجود نہیں ـــــ اسکے مقابل مینڈک اگرچہ مچھلی نظر آتا ہے۔ یہ مچھلی نہیں کہلائیگا ـــ بلکہ اس کا اپنا الگ وجود مینڈک تصور ہوگا ـــ مینڈک کا وجود اپنی نشاۃِ آخر پر ارتقا ختم کر کے مینڈک سے بڑھکر کوئی اور وجود نہ بن سکیگا ـــــ

اسی طرح۔ بندر ـــ ایک ناری ذرہ سے بندر بنا ـــ یہ ناری ذرہ ہی بندر ہے۔ جس میں بندر کی جسامت پائی جاتی ہے ــــ بندر اپنی آخری ہیئت پر ـــ بندر بن کر اپنی بناوٹ ختم کرے گا ـــ اس ذرہ میں بن مانس کی جسامت پائی نہیں جاتی اسلئے بندر کی جسامت و ہیئت وصفت اور شکل و صورت بندر کی شکل پر آ کر ختم ہو جائیگی ــــ یہی کیفیت و ترکیب کائناتِ ارضی کی ہر اس ہیئت و وجود کی ہے ـــ جو زمین پر پیدا ہو کر اپنی آخری شکل پر آ کر ختم ہو کر ـــ جسمانی حالت میں آئندہ نسل بن کر بچے پیدا کر کے اپنی نسل بڑھاتا ہے ـــ گویا۔ کائناتِ ارضی کے تمام وجود کا اپنا ایک ایک ذرۂ ناری مخصوص ہے۔ جس سے الگ الگ ایک ایک وجود (جسم) بن کر اپنی ارتقا ختم کر کے نسلی طریق پر اپنی پیدائش جاری رکھتا ہے۔ یہی ترکیب انسان کی ہے۔ کہ قدرت نے خصوصی طور انسان کیلئے۔ زمین کے ناری ذرات میں سے سب سے قوی وعظیم قوت کا حامل ذرہ مخصوص کیا۔ جو ابتداءً صلصال میں موجود تھا ـــ اور وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کی ترکیب سے زمین کی ناری جوہری قوتوں کو پانی میں جذب کر کے اس قوت کو (پانی اور مٹی کی شکل میں) حماءِ مسنون کی شکل میں لا کر اسی حماءِ مسنون کو اس صلصالی ذرہ کی خوراک بنایا ـــ اس مقام پر اس ناری ذرہ نے حماءِ مسنون کھا کر اپنی جسمانی ہیئت بنائی ــــ یہ ایک مخصوص واحد ذرہ (نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ) تھا جو انسان کا ذرہ تھا۔ اس ذرہ میں۔ انسان کا وجود ـــ انسانی شکل وصورت۔ صفت و ہیئت موجود تھی ـــ اب یہ ذرہ مینڈک کی جسامت پر مینڈک کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ لیکن وجودی اعتبار سے یہ مینڈک نہیں۔ بلکہ انسان کے تصور میں محسوس ہوتا ہے ـــ خرگوش کے مقام پر خرگوش نہیں ـــ انسان ہے ــــ بندر کے مقام پر بندر نہیں ـــ بلکہ شکل میں بندر مگر صفات میں انسان ـــ جس میں بندر سے آگے ارتقا کرنے کی قوت ہے ـــ بن مانس کے مقام پر ـــ انسانی شکل ہو بہو بن مانس جیسی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ جسم بن مانس نہیں بلکہ انسان ہے ـــ کیونکہ بن مانس کے وجود کیلئے بھی ایک ذرہ مخصوص ہے۔ جسکی نشاۃ آخر

(آخری بناوٹ) بن مانس پر ختم ہوتی ہے ـــــ مگر انسان بن مانس کی شکل میں انسان ہے اور اس کی نشاۃِ آخر ـــــ انسانی مجسمہ پر مکمل ہوگی ـــــ اسی مقام پر ڈارون کی عقل نے دھوکہ کھایا ـــــ کہ اس نے بن مانس کے ذرہ پر نظر نہیں ڈالی کہ اسکے وجود میں۔ بن مانس کی صفت پائی جاتی ہے۔ اور بن مانس اسکی آخری فطری ہیئت وجسم ہے۔ جس سے آگے یہ جسم ارتقا کر نہیں سکتا۔ تخلیقی اعتبار سے بن مانس کے ذرہ میں ذہنی عقلی ارتقا کی قوت اپنی آخری نشاۃ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسلئے یہ جسم انسانی جسم تک ارتقا نہیں کر سکتا۔ برعکس اسکے انسانی جسم بن مانس کی شکل پر ابھی ذہنی ارتقا کی قوت رکھتا ہے جس قوت پر اسکا ارتقا انسانی شکل پر ہوتا ہے ـــــ یہ کائنات کی ایک فطری تخلیقی ترکیب ہے ـــــ جس سے انکار ممکن نہیں۔ ڈارون نے جس تحقیق واصول کے تحت انسان کو بن مانس کی ترقی یافتہ ہیئت قرار دیا۔ اسی تحقیق واصول کی یہ فطری تخلیقی ترکیب ہے۔ کہ ہر جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کے ایک جسم کیلئے ایک ذرہ وقف ہوتا ہے جس ذرہ سے ایک وجود الگ الگ بنتا ہے۔ اور کوئی وجود ایسا نہیں۔ جو ایک جنس سے دوسری جنس میں تبدیل ہو۔ اس تخلیقی ترکیب میں ہر وجود اپنی ابتداً سے ہی (ایک ناری ذرہ کی شکل میں) زندگی لیکر آتا ہے ـــــ ناری ذرہ بجائے خود ایک زندہ وجود ہے۔ جو مادہ (خاک) میں مل کر اپنے اوپر خاکی لباس چڑھا کر جسم کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ اس جسم میں۔ اصل وجود ناری ذرہ ہی ہے۔ جو خاکی لباس میں محسوس ہو رہا ہے۔ اس تخلیقی ترکیب سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر وجود اپنی جسمانی تکمیل پر ایک زندہ وجود ہوتا ہے۔ یہ کائنات کی فطری ـــــ حقیقی ـــــ تخلیقی ترکیب ہے ـــــ اسلئے ضروری ہے۔ کہ انسانی تخلیق میں بھی اسی ترکیب کو شامل رکھا جائے ـــــ اسلئے یہ امر ثابت شدہ ہے۔ کہ انسان بھی اپنی ابتدائی تخلیق میں ایک زندہ ناری ذرہ سے آخری انسانی شکل وصورت پر ایک زندہ وجود ہوتا ہے۔ اور اِسے کسی روح کے پھونکنے سے زندہ نہیں کیا جاتا ـــــ کیونکہ مٹی کے پتلے سے بنا کر اسے روح پھونک کر زندہ کرنا ـــــ کائناتِ ارضی میں کسی بھی وجود میں ایسی ترکیب پائی نہیں جاتی ـــــ نہ قرآن نے انسانی پیدائش کے لئے کسی انوکھی ترکیب کا ذکر کیا ـــــ جبکہ انسانی تخلیق کے متعلق کیفیات میں ایک سے زائد بیان ایسے پائے جاتے ہیں ـــــ جن سے اس فطری تخلیقی ترتیب کو درست سمجھنے میں مدد ملتی ہے ـــــ چنانچہ قرآن نے واضح الفاظ میں انسان کی ابتدائی پیدائش میں۔ اسکے بنیادی وجود اور تخلیقی

ترکیب کاذکرکیا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ـ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج وہ اللہ ہے جس نے بنایا تم کو (تمام انسانوں کو) ایک جانِ واحد سے۔اور بنایا اُسی جان سے اسکا جوڑا ــــ اور پھر پیدا ہوئے انہیں نر و مادہ سے کثیر مرد اور عورتیں۔اس آیت میں واضح طور نفس واحد آیا ہے۔جس سے مراد ایک ذرۂ ناری ہے۔مفسرین نے نفس واحد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کا وجود لیا ہے۔اور خلق منھا زوجھا کی ترکیب پیدائش میں ایک عقلی تاویل پیش کی ہے۔جسکا قرآن وحدیث سے بین ثبوت نہیں ملتا۔کہ حضرت حواؑ کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے بنایا گیا ــــ اس حال میں کہ حضرت آدمؑ کا وجود مکمل ہو چکا ہے۔یہ ترتیب فطری تخلیق سے مطابقت نہیں رکھتی۔جبکہ ایک ذرہ سے تخلیق کی ابتدا ہونا۔فطری تخلیقی ترکیب کے عین مطابق ہے۔قرآن بھی اس فطری تخلیقی ترتیب کے مطابق بیان پیش کرتا ہے۔کہ نفس واحد سے مراد ایک ناری ذرہ ہے اسکے مقابل حضرت آدمؑ کے وجود میں تین انفاس کا پایا جانا قرآن سے ظاہر ہے۔ایک نفسِ امارہ (جسم کے ذرات) نفسِ لوامہ (روحِ حیوانی) نفسِ مطمئنہ (روح رحمانی) اس اعتبار سے حضرت آدمؑ کے وجود پر نفس واحد کا تصور صادق نہیں آتا۔بجائے اسکے حضرت آدمؑ کا ابتدائی وجود اسی ذرہ سے ارتقا کرتا ہوا شکل آدم پر مکمل ہو جاتا ہے۔یہ ذرہ بجائے خود کوئی غیر وجود نہیں بلکہ اس ذرہ کو بھی آدم ہی کے نام سے تصور میں لایا جاتا ہے۔اور اس کی تائید خود قرآنی لفظ سے بھی ہوتی ہے۔کہ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں مِنْهَا صیغہ مونث ضمیر ذرہ کیلئے ہے۔جب کہ حضرت آدمؑ کے لئے مونث کا صیغہ استعمال نہیں ہو سکتا۔اس انداز بیان سے واضح ہے۔کہ نفس واحد سے مراد ایک ابتدائی ذرۂ ناری جو زمین کی ناری قوت کے ذرات میں سے ایک قوی ذرہ ہے جسکا اشارہ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ میں ملتا ہے۔اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں بھی ایک فطری تخلیقی ترکیب عیاں ہے۔کہ فطری تخلیق کے تحت ایک ذرہ اپنے ارتقائی دور میں جب ٹھوس ہیئت کی طرف انتقال کرنے لگ جاتا ہے تو یہ ذرہ ابتدائی دور سے ہی دو جسموں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہی دوسرا جسم اسکا جوڑا بنتا ہے۔یہاں سے ایک ذرہ دو وجودوں میں تقسیم ہو کر دو جسموں کی صورت میں۔ دونوں جسم بشری شکل وصورت کی طرف ارتقا کرتے آدم وحوا کی شکل میں مکمل ہو جاتے ہیں۔اسی فطری

تخلیق کے مدِ نظر قرآن نے جہاں بشری ہیئت کی تخلیق میں صرف حضرت آدمؑ کا ذکر کیا۔ اور حضرت حواؑ کی تخلیقی ترکیب کا ذکر نہیں ہوا۔ اسلئے کہ فطری تخلیق میں ترتیب پیدائش میں ایک وجود کے ساتھ دوسرا وجود خود بخود مکمل ہوا اس وجود کی پیدائشی ترکیب کا ذکر کرنا ضروری نہ ہوا۔

الغرض انسان اپنی پیدائش میں ایک زندہ مجسمہ ہے۔ جسے آدم کے نام سے خطاب کیا گیا ــــ جسکا تصور اِنِّیْ خَالِقٌ ''م بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں صاف ظاہر ہوتا ہے ــــ اسکے بعد انسان کی سوٗی ــــ انسانی صفت میں شامل ہے جس صفت سے اسے انسان کہا جاتا ہے۔ تخلیقی ترکیب میں اسکی ترکیب بھی ایسی ہی ہے۔ جیسے عام حیوانوں کی ــــ مگر عام حیوانوں میں سوٗی کی خصوصیت پائی نہیں جاتی ــــ یہ صفت انسان کے ناری ذرہ میں (یا انسان کے وجود میں) ہی پائی جاتی ہے ــــ انسانی سوٗی کا تعلق ــــ اسکے جسمانی تناسب ــــ خوبصورت انداز ــــ خوبصورت اندام ــــ خوبصورت قد و قامت ــــ اور دماغی قابلیت سے ہے ــــ باقی حیوانی اجسام کے مقابلہ میں۔ انسانی جسم متناسب اور موزوں بنا ہے ــــ باقی حیوان چاروں پاؤں سے چلتے ہیں ــــ انسان دو پاؤں سے چلتا ہے۔ باقی حیوانوں کے مقابلہ میں۔ انسان چلنے پھرنے میں ــــ اٹھنے بیٹھنے۔ سونے میں ــــ کھانے پینے میں ــــ اپنا ایک علیحدہ انداز رکھتا ہے ــــ باقی حیوانوں کے مقابلہ میں۔ انسانی اعضاً ایک احسن تقویم میں بنے ہوئے ہیں اور دماغی حیثیت میں انسان ــــ حیوانوں کے مقابلہ میں ایک بہتر صلاحیت رکھتا ہے ــــ اسکی دماغی صلاحیت ہی اسے باقی حیوانوں کے مقابلہ میں مشرف و ممتاز بنا دیتی ہے ــــ یہی اسکی اصل سوٗی ہے۔ کہ انسان اپنی دماغی قوت سے ــــ حیوانی جبلت سے انسانی جبلت میں آتا ہے ــــ انسان اپنی نشو و ارتقا میں ــــ حصول سامانِ زندگی ــــ اور عروج و ارتقا میں ــــ حیوانوں کے مقابلہ میں اپنی دماغی قوت استعمال کر کے بہت اونچا مقام حاصل کر لیتا ہے ــــ اسی دماغی قوت کا خاصہ ہے کہ انسان خیر و شر کی تمیز رکھتا ہے ــــ اور اس میں یہ صفت ہے۔ کہ اپنے ارادے سے اپنے آپ کو شر سے محفوظ کر کے خیر کی طرف آتا ہے۔ اسی صفت سے اس میں اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ کی فطری خاصیت ــــ مٹ کر۔ انسان فساد و خونریزی سے پاک و محفوظ ہو جاتا ہے۔ تخلیقِ حیوانی کے اعتبار سے یہ فساد و خونریزی کا حامل ہوتا ہے ــــ لیکن اسکی سوٗی

اسے حیوانوں کے زمرہ سے نکال کر انسانی صفت میں لاتی ہے ـــــ اسی صفت سے انسان اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی صفت میں شامل ہو جاتا ہے ـــــ اسکے بعد انسان میں ایک ایسی صفت ودیعت کی جاتی ہے ـــــ جو اسکے مرکبِ خاکی وناری کی جز نہیں ـــــ اور اس صفت کا تعلق انسان کی تخلیق سے نہیں ـــــ کیونکہ انسانی مرکب میں جو بھی جوہر ہیں وہ اسکی سوّی پر ختم ہو جاتے ہیں ـــــ سوّی پر اسکی نشاۃِ اول (آخری بناوٹ) کی کلی طور تکمیل ہو جاتی ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ نفخ روح کی طرف اشارہ ہے۔ اس صفت کا تصور وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کی کیفیت میں پایا جاتا ہے ـــــ اس روح کا تعلق نہ انسان کی بناوٹ سے ہے۔ نہ اسکی زندگی سے ہے ـــــ انسانی سوّی پر ایک انسان ـــــ زندہ انسان ـــــ چلتا پھرتا متحرک انسان تصور ہوتا ہے ـــــ اور وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ میں ـــــ انسان میں روح کا پھونکنا اسکی زندگی کیلئے نہیں اسکی بناوٹ کیلئے نہیں بلکہ اسکا تعلق صفتِ خلیفہ سے ہے ـــــ جسکے بیان پر ملائکہ نے وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کا ذکر کیا ـــــ یہ سوال ملائکہ نے قرآن کے اس بیان پر کیا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سوال پر کہا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ملائکہ نے انسانی ارضی تخلیق میں اسکے مرکبِ خاکی کو جانتے ہوئے سوال کیا ـــــ اور چونکہ نفخِ روح انسانی خاکی مرکب میں شامل نہیں۔ اسلئے اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کے بیان کے تحت ملائکہ اس زائد صفت سے بے خبر تھے کیونکہ یہ صفت نہ ارضی خاصیت میں ملتی ہے۔ نہ بشری وجود میں۔ اسی مرکب میں خلیفہ کی صفت مضمر تھی ـــــ یہی صفت ہے جس پر انسان کی تسبیح وحمد کا انحصار ہے۔ اب دیکھنا ہے۔ کہ انسان نفخِ روح سے کس طرح تسبیح وحمد کا مظاہرہ کرتا ہے ـــــ

قرآن نے اس سلسلہ میں انسانی نفخِ روح کی صفت وخصوصیت اور تسبیح وحمد کے مظاہرہ کیلئے ایک اور بیان پیش کیا ـــــ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ○ ـــــ عَلَّمَ ـــــ کے معنی ـــــ اسکا اصل تصور ـــــ کسی شے کی اصل ماہیت کو ذہن میں لانا ـــــ ایک کیفیت کو اس کے حقیقی روپ میں پہچاننا ـــــ یعنی ایک کیفیت کی پہچان یا معرفت حاصل کرنا ـــــ اَلْاَسْمَآءَ ـــــ کے معنی ـــــ اسکا اصل تصور ـــــ اسم کی

جمع ــــ یعنی اشیأ کے نام ــــ مخلوق ــــ مخلوق۔ کیفیات سب اشیأ میں شامل ہیں ــــ ان اشیأ کی وسعت کہاں سے کہاں تک ہے؟ ارض کی ادنیٰ شے سے لیکر ذاتِ الٰہی خالق تک تمام کیفیات۔ مخلوق ہیں۔ اور اشیأ میں شامل ــــ اب اَلْاَسْمَآءَ میں، کن اشیأ کا تصور پایا جاتا ہے ــــ؟ ــــ کُلَّھَا ــــ تمام ــــ یعنی کائنات ارض و سمٰوٰت تا ذات الٰہی کی تمام اشیأ ــــ کُلَّھَا کی ضمیر اگر آدم کی طرف راجع کی جائے۔ تو معنی ہوئے آدم کی تخلیق کی جملہ خصوصیات کی پہچان و معرفت کی آگاہی اور اگر اَلْاَسْمَآءَ کی طرف ضمیر راجع کی جائے۔ تو مراد تمام کائناتِ ارض و سمٰوٰت کی اشیأ کا علم دینا ــــ آدم کی تخلیق میں جسمانی اعتبار سے کائناتِ ارضی کی جملہ کیفیات کا مادہ (جوہر) پایا جاتا ہے ــــ جس سے مراد زمینی اشیأ کی خصوصیات کا علم دینا ــــ آدم میں وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کا مرکب بھی شامل ہے ــــ روح ــــ روحی سے موسوم ہے ــــ اپنی روح ۱ (اللہ کا نور) ــــ تخلیقی اعتبار سے مخلوق براہِ راست اللہ کے خالقِ نور سے نہیں ــــ بلکہ مخلوق نور سے بنی ہے ــــ یہ نور ــــ نورِ ابتدائی ہے ــــ یعنی روحی ۲ سے مراد نورِ ابتدائی کا نور (یا اسکی جز) اسلئے آدم کی روح ــــ اور اس کی بَدَأ نورِ ابتدائی بھی آدم کی اَسماء میں شامل ہے ــــ اگر اسماء کلھا کو آدم کے اسماء سے تعبیر دیا جائے۔ تو اس میں بھی کائناتِ ارضی سے لیکر ذاتِ الٰہی تک جملہ مخلوق کی کیفیات تصور کی جائینگی ــــ

اگر کُلَّھَا ــــ کو اَلْاَسْمَآءَ کی ضمیر سمجھا جائے۔ تو بھی۔ اَسماء میں کائناتِ ارضی سے لیکر ذاتِ الٰہی تک کی تمام کیفیات شامل ہیں ۳ ــــ

---

۱ روح کا اصل تصور نور ہوتا ہے۔

۲ جیسے فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا (ہم نے بھیجا طرف مریم کے اپنا روح) سے مراد ــــ ملائکہ یا نوری وجود۔ یہ روح بھی مخلوق ــــ اور نورِ ابتدائی کی جز ہے ــــ اور اشیائے سمٰوٰت میں شامل (اسماء) ہے ــــ

۳ اسکے علاوہ اسماء سے نوری لطیف کیفیات بھی مراد ہیں۔ جو عالمِ بالا سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسکے برعکس جیسا مفسرین اسماء سے زمینی اشیأ کے نام مراد لیتے ہیں ــــ ظاہر ہے۔ قرآن کے اس دانستہ بیان وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ سے غرض آدم کی برتری کا اظہار کرنا ہے۔ سو یہاں عَرَضَھُمْ ضمیر ہے اَسماء کی۔ لہٰذا اسماء میں کسی برتری کی خصوصیت ہونا ضروری ہے اور اگر بقولِ مفسرین اسماء کو صرف زمینی اشیأ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ۔ پھر پیش کیا ''اسکو'' اوپر ملائکہ کے ــــ هُمْ ــــ کی ضمیر اگر آدم کی طرف منسوب کی جائے ــــ تو اس کا مطلب ہوا۔ کہ آدم و ملائکہ کو آمنے سامنے کیا ــــ اس تصور میں پہلے ہر دو فریق کے مقامات کا تعین کرنا ضروری ہے ــــ!

قرآن نے واضح الفاظ میں آدم کی تخلیق کو اِنِّیْ جَاعِلٌ ''فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں زمین کی تخلیق بتایا۔ لہذا جہاں اسکی تخلیق ہوئی وہی اسکا مقام ہے ــــ اسکے سوائے ــــ تخلیق کے ساتھ آدم کی انتقالِ مکانی کا قرآن نے کوئی بیان پیش نہیں کیا ــــ جیسا کہ مفسرین یا علمائے شریعت نے آدم کو الجنت ــــ حشر ــــ قیامت ــــ کی جنت میں مقام کرنا بتایا ہے ــــ قرآن نے سکونِ جنت کیلئے ایک بیان پیش کیا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ۔ اے آدم تو اور تیرا جوڑا سکونت کرو۔ ''باغ'' میں ــــ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور اس باغ میں کھانے پینے کا سامان بھی مہیا کیا گیا ہے۔ جس میں خاکی اور مادی تصور پایا جاتا ہے ــــ کیونکہ قرآن نے اسی باغ کے متعلق یہ بیان بھی شامل کیا ہے۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ..... یہ کیفیت بھی مادی تصور پیش کرتی ہے۔ لیکن یہ بیان اس زمانے کا ہے۔ جب آدم کے ساتھ اَلشَّيْطٰنُ کے وجود کا تصور قائم ہو چکا ہے۔ اسلئے ثُمَّ عَرَضَهُمْ تخلیق کا ابتدائی زمانہ ہے ــــ جبکہ آدم کو یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ کا حکم نہیں ہوا ــــ اسی جنت کے بیان پر مفسرین حضرت آدمؑ کو جنت کا مکین تصور کرتے ہیں۔ اور اِهْبِطُوْا سے جنت سے زمین پر اترنا مراد لی جاتی ہے ــــ اور قرآنی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کے معنی میں لیا جائے۔ تو ازروئے قرآن یہ معنی صحیح نہیں ہو سکتے۔ جبکہ قرآن نے زمینی اشیأ کو کمتر درجہ کی کیفیت بتایا۔ جو کہ وجہ فضیلت نہیں ہو سکتی ــــ قرآنی بیان ہے۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ط قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ ''ط کہا اللہ نے کیا تم تبدیل کرتے ہو اس چیز کو جو ادنیٰ درجہ کی چیزیں ہیں بدلے بہتر چیز کے۔ یہاں زمینی اشیأ کی حیثیت کمتر بتائی گئی۔ لہذا ایسی اشیأ کے علم میں۔ یا خبر دینے میں کوئی برتری ثابت نہیں پھر یہاں اَنْۢبِئُوْنِیْ کا لفظ استعمال ہوا۔ جو لفظ مادی اشیأ کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا بلکہ غیب (متشابہات) کیفیات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ لہذ الفظ اَنْۢبِئُوْنِیْ دلالت کرتا ہے۔ کہ اسماء سے مراد متشابہات یا نوری کیفیتیں ہونا یقینی ہے۔

بیان کے مطابق ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ سکونِ جنت سے قبل کا واقعہ ثابت ہوتا ہے۔اس لئے ثُمَّ عَرَضَھُمْ کے زمانہ میں۔آدم کا قیام زمین پر ہی ہے اور ملائکہ کا قیام آسمانوں میں ـــــ اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا کا علم آدم کو زمین پر ہی دیا گیا ـــــ

ملائکہ آسمانوں کی مخلوق ہے ـــــ اسلئے ملائکہ کا مقام آسمان ہی ہیں ـــــ اب ثُمَّ عَرَضَھُمْ میں کیا تصور ہے ـــــ؟ وہ یہ کہ آدم زمین پر ہے ـــــ اور ملائکہ آسمانوں میں ـــــ اسی ترتیب میں ملائکہ سے سوال کیا گیا ـــــ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ پس کہا اللہ تعالیٰ نے خبر دو مجھ کو ساتھ اسماء کے ـــــ یہاں اَنْۢبِـُٔوْنِیْ میں بھی ایک خاص طرزِ بیان اور تصور ہے ـــــ

اَنْۢبِـُٔوْنِیْ ـــــ نَبَا سے مشتق ہے ـــــ نبا سے مراد ـــــ ایک شے ـــــ ایک کیفیت کے وجود کا علم پا کر اسکی ماہیت کو پانا ـــــ اور اسکی اصل کیفیت بیان کرنا ـــــ جیسے اسماء کی تعریف کی گئی ـــــ کہ کائناتِ ارض و سمٰوٰت کی اشیأ و کیفیات ـــــ اسماء سے تعبیر ہیں ـــــ اس سے مراد اے ملائکہ ـــــ کائناتِ ارض و سمٰوٰت کی کیفیات کے علم کی خبر دو۔اس بیان کی ترکیب یہ ہے۔کہ چونکہ آدم کیلئے اسماء کی خبر دینا روح سے ہے۔کیونکہ اسماء کیفیات ملکوتی ہیں۔لہذا یہاں جو ھٰٓؤُلَآءِ کے لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسماء قریب ہیں۔تو اسکے معنی یہ ہونگے۔کہ ملکوتی کیفیات کی خبر دو۔اس حال میں کہ تمہارا وجود سفلی ہے۔تمہارا مقام زمین پر ہے۔لہذا آدم میں روح رحمانی نفخ ہونا۔اسی روح سے عالم ملکوت کا علم پانا وجہ فضیلت ہے۔اس سے یہ امر واضح ہے۔کہ اسماء درحقیقت روحانی عالم (اسرارِ الٰہی) کی کیفیت ہے۔اور آدم کو جنت میں نہیں رکھا گیا۔بلکہ زمین پر ہی انکا مقام تھا جہاں سے روح کے ذریعہ مشاہدہ کر کے اَنْۢبَاَھُمْ ان کی خبر دی اسماء کلھا۔نام زمین کی اشیأ کے جو آدم کے سامنے لا کر رکھی گئیں۔اور آدم آنکھ سے دیکھ کر ہر شے کا نام بتا رہے ہیں تو ثابت ہوا۔کہ اسماء کی اشیأ کو زمین پر آدم کے سامنے رکھا گیا۔اور کُلَّھَا سے مراد تمام اشیأ ـــــ اسکے مقابل انہیں اسماء کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا گیا۔تو یہ مبالغہ محسوس ہوتا ہے۔کہ نہ ملائکہ کو زمین پر جمع ہونے کا کوئی بیان ہے نہ یہ اشیأ انکے قریب پائی جاتی ہیں۔تو پھر فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔یہ اشیأ ملائکہ کے سامنے ہیں تو اس کا بھی ذکر نہیں کہ ان اشیاءِ زمینی کو آسمانوں میں کسی جگہ جمع کرنا کوئی

معقول تصور ہے۔اس حال میں کہ اگر اسماء کو کیفیات ملکوتی تصور کیا جائے۔تو یہ نظریہ آسان ہو جاتا ہے کہ اَنۡبِئُوۡنِیۡ۔میں روحانی طور مشاہدہ کے ساتھ اسماء کا علم پا کر خبر دینا ہے۔تو اسی طرف اَنۡبِئُوۡنِیۡ میں ملائکہ کی طرف حکم ہے کہ ملکوتی کیفیات کی خبر دو۔اور آدم کیلئے بھی ایسا ہی حکم ہے۔کہ انہیں ان کے اسماء کی خبر دو۔ظاہر ہے۔اگر آدم کو صرف اشیأ ارضی کا علم دیا۔تو ایسا کونسا مقام ہے۔جہاں آدم و ملائکہ کو ایک جگہ لا کر تمام اشیائے ارضی کو زمین سے اٹھا کر ملائکہ کے سامنے لایا جس سے ثُمَّ عَرَضَهُمۡ اشیائے ارضی کی طرف اشارہ ہے۔یہ تصور قطعی مبالغہ ہے جبکہ ایسی کوئی ترکیب ہو ہی نہیں سکتی! ظاہر ہے ــــ ملائکہ نوری پیکر ہیں ــــ نوری اعتبار سے ــــ انسانی سفلی وجود کے مقابلہ میں ملائکہ کو علم وسیع حاصل ہونا چاہیے ــــ! ملائکہ مجسم نور ــــ مجسم روح ہیں ــــ روحانی اعتبار سے ملائکہ کو مادی جسم کے مقابلہ میں ــــ کائناتِ ارض و سمٰوٰت کی کیفیات کا زیادہ علم ہونا چاہیے ــــ اس مقام پر اَنۡبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ کے خطاب سے ملائکہ کی صفتِ نوری کا اظہار ہونا مقصود ہے ــــ کہ نوری اعتبار سے اگرچہ تم زمینی تخلیقِ سفلی و مادی سے برتر ہو تو اپنی برتری میں ــــ اپنے مقام کے اعتبار سے ــــ اعلٰے مقامات (اسمأ نوری) کی آگاہی کی خبر دو ــــ تا کہ آدم کے مقابلہ میں تمہاری برتری ثابت ہو لیکن ملائکہ نے اس سوال پر اپنا عجز پیش کیا ــــ کہ سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ○ پاک ہے۔تو غلط کہنے سے ــــ غلط کرنے سے ــــ ہم اپنی برتری ثابت نہیں کر سکتے ــــ ہمیں کائناتِ ارض و سمٰوٰت کی اشیأ کا اتنا ہی علم ہے ــــ جتنا ہم اپنی تخلیق کے اعتبار سے محدود حیثیت میں پا سکتے ہیں اس سے سوئی ہم کل کائناتِ ارض و سمٰوٰت تک نہ رسائی رکھتے ہیں ــــ نہ مقام ــــ نہ علم ــــ! یہ اسلئے کہ ملائکہ آسمانوں کی مخلوق ہے ــــ آسمانوں سے اوپر تا ذاتِ الٰہی تک نہ انکی رسائی ہے ــــ نہ انکا مقام نہ ان میں ایسی کوئی قوتِ نوری (یا روح) ودیعت ہے۔جس سے یہ بالا کیفیات تک رسائی حاصل کر سکیں ــــ یا ان مقامات کا علم حاصل کر سکیں ــــ

چونکہ اس واقعہ میں آدم و ملائکہ کا مقابلہ ــــ اور مقابلہ میں خصوصیات کا اظہار اور علم کا امتحان ــــ اور فریق کے مابین ایک دوسرے پر برتری ثابت کر کے ایک فریق کی برتری تسلیم کرانا ہے ــــ یہ اسلئے۔کہ ملائکہ نے کہا تھا ــــ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحۡنُ

نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ــــ اس امتحان میں ملائکہ اپنی برتری ثابت نہ کر سکے قَالَ یٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ کہا اللہ تعالیٰ نے اے آدم تو خبر دے انکو (ملائکہ کو) انکے اسماء کی ــــ یہاں بِاَسْمَآئِهِمْ[1] سے مراد ملائکہ کے نوری اسماء ــــ جہاں تک آدم خاکی کی رسائی فطری طور سفلی جسمانی اعتبار سے ممکن نہیں ــــ چونکہ ملائکہ نوری اسماء (اَسْمَآءَ کُلَّهَا) میں شامل ہیں ــــ اسلئے ملائکہ کے اسماء کی خبر دینا بھی اسماء کُلَّهَا کی خبر دینے میں شامل ہے ــــ ان اسماء کی خبر دینا بھی جسمانی حیثیت میں انسانِ خاکی کیلئے ممکن نہیں ــــ ملائکہ کے اسماء ــــ یا اسماء کلّھا کی خبر دینا ــــ اس روح نے ہے۔ جو وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کے ذریعہ آدم کے مرکبِ خاکی میں ودیعت کر کے ــــ آدم کی صفتِ خلیفہ مکمل کی گئی ــــ اسی روح ــــ اور روح کے ذریعہ اسماء کا علم پانا ــــ اور اس علم سے خبر دینے سے اِنِّیْ جَاعِلٌ ''فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط کی تکمیل کی گئی۔ اس مظاہرے سے ثابت ہوا ــــ کہ انسان کو خاکی ــــ سفلی ــــ ادنیٰ حیثیت میں پیدا کر کے انسان کی سفلی خاصیات کو سوّی سے مزین کر کے۔ بَشَرْ'' بنایا گیا ــــ اور خصوصی طور اس میں ایک عظیم روح ودیعت کر کے ــــ اسی روح سے اسکو اسماء کلھا کا علم دیا گیا ــــ اسی خوبی کے اظہار پر ــــ یعنی روح کا پانا ــــ روح کے ذریعہ اسماء کا علم حاصل کرنا ــــ علم پانا ــــ اور اسماء کی خبر دینا ــــ خلیفہ سے تعبیر ہے جسکا مقصد ایک وجود کو سفلی خاصیت میں بنا کر نوری روح اسکے وجودی مرکب میں شامل کر کے نوری قوتوں پر فضیلت عطا کرنا ہے۔ ملائکہ نوری پیکر ہیں۔ مجسم نور ہیں ــــ نوری اعتبار سے ان میں وسیع علم حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے ــــ مگر بمقابلہ انسان ملائکہ کو روحی (روح رحمانی) حاصل نہیں ــــ اسلئے ملائکہ اَسْمَآءَ کُلَّهَا کا نہ علم پا سکتے ہیں ــــ نہ خبر دے سکتے ہیں ــــ چونکہ روحی (روح رحمانی) انسان کے مرکب میں شامل کی گئی ــــ اور یہ چیز ارادۂ الٰہی کے تحت ہوئی ــــ اسلئے اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں یہی راز مضمر تھا ــــ کہ خاکی اعتبار سے انسان کا جسم سفلی حیثیت کا حامل ہے ــــ اور

---

[1] یہاں اَسْمَآئِهِمْ میں ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہے۔ اسلئے کہ ملکوتی عالم۔ آسمان۔ عالمِ بالا سب کیفیاتِ نوری۔ اور نوری ملائکہ نوری حیثیت میں اسماء میں شمار ہیں۔ اس سے مراد خبر دو تمام اسرار الٰہی کی۔

خاکی زمین سے اسی قسم کا وجود پیدا ہونا لازمی ہے۔ مگر اس منصوبہ میں اللہ تعالیٰ نے تخلیقی ترکیب سے ماسوئی۔ اپنی طرف سے انسان میں ایک زائد کیفیت (روح) ڈالدی ــــ جسکا علم ملائکہ کو نہ تھا ــــ یہی وہ راز تھا جس سے انسان کو برتری عطا کی گئی اور انسان ــــ اور ملائکہ کے مقابلہ میں روح ــــ علم الاسماء کی خبر پانا ــــ خبر دینا کے مظاہرہ سے انسان کی ملائکہ پر برتری ثابت کی گئی ــــ اسی لئے قرآن نے اس برتری کے متعلق بیان پیش کیا۔ جس میں انسان کی جملہ صفات کا ذکر کیا گیا۔

اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ــــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُه‘ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْالَه‘ سٰجِدِیْنَ ○ جب کہا آپؐ کے رب نے ملائکہ سے۔ میں بنانے والا ہوں (زمین کی مخلوقِ سفلی سے) ایک بشر ــــ مٹی سے ــــ اور مٹی کے جوہر دار مادے سے ــــ پس جب میں اسے ایک احسن تقویم۔ موزوں متناسب اعضاء اور قوی دل و دماغ کی قوت کے ساتھ تیار کروں ــــ اور اسکے بعد ــــ اس میں اپنی روح نفخ کروں ــــ تو تم ان صفات کے تابع اِسے اپنے سے برتر تسلیم کرو ــــ اس برتری کو تسلیم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور انسان کا مقابلہ کرایا ــــ جس میں برتری کی صفت کو علم کے اظہار سے ثابت کیا گیا ــــ سو آدم (انسانِ اول) نے اپنی برتری کو فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ سے ثابت کیا ــــ آدم نے اَسْمَآءَ کُلَّهَا کے آثار و اسرار کی علم و آگاہی کا دعویٰ کیا ــــ اسماء کی خبر پائی ــــ خبر دی ــــ تو یہی وہ پہلا تصور ہے ــــ جس میں زمین کی پیدائش کو نبی ــــ خلیفہ قرار دیا گیا ــــ یہ ہے تفصیل زمین پر ایک خلیفہ ــــ ایک نبی پیدا ہونے کی ــــ

قرآنی آیات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں زمین کی تمام پیدائش ــــ یعنی آدم سے لیکر قیامت کی آخری پیدائش تک خلیفہ اور نبی کے تصور میں شامل ہے۔ اس کی تائید ایک سوّیٰ ــــ دوسرے نفخِ روح ــــ تیسرے ملائکہ کا سوال اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ کا بیان ــ کرتا ہے ــ

زمین پر نسلِ آدم سے جو بھی انسانی وجود پیدا ہوتا ہے۔ اُسے پیدائشی طور (نسلی حیثیت میں بھی) سوّیٰ اور نفخِ روح کی صفت حاصل ہے ــــ سوّیٰ اور نفخِ روح صرف۔ علم الاسماء کی آگاہی کیلئے انسان میں ودیعت کی جاتی ہے ــــ تیسرے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے

خطاب کو سمجھ کر ملائکہ نے اسی تصور کے ساتھ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ کا جواب دیا۔ کہ خلیفہ کے تصور میں زمین کی تمام مخلوقِ انسانی شامل ہے ــــ اور دنیا پر یہ کیفیت اسی طرح ظاہر ہوئی۔ کہ مخلوقِ انسانی سے ہی زمین پر فساد و خونریزی کا مظاہرہ ہوا ــــ یہ اشارہ محض حضرت آدمؑ کی طرف نہیں۔ بلکہ نسل آدمؑ کی طرف ہے۔

اس مقام پر انسان کی صفتِ خلیفہ میں ــــ تسبیح و حمد ــــ اور "اَسۡمَآءَ کُلَّهَا" کو اسرارِ ملکوتی کی آگاہی اور علم و خبر کا تسلیم نہ کرنا ــــ جیسا کہ بعض مفسرین اور علمائے شریعت اپنے نظریات پیش کرتے ہیں ــــ کہاں تک درست ہوسکتا ہے!

اول یہ کہ آدم کی پیدائش کو مٹی کا پتلا بنا کر۔ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کے نفخِ روح کو اس تصور میں پیش کیا گیا ــــ کہ مٹی کا پتلا غیر ذی روح (مردہ) تصور کر کے نفخِ روح سے اِسے زندہ کیا گیا ــــ گویا وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ "روحی" کی روح انسان میں زندہ کرنے کیلئے ڈالی گئی بظاہر یہ نظریہ پیش نہیں کیا جاتا ــــ کہ نفخِ روح کے وقت انسان ایک زندہ مجسمہ تھا ــــ چونکہ اس روح سے سوا انسانی وجود میں کسی اور روح کے نفخ کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اسلئے ایسے تصور میں انسان میں ایک ہی روح کا پایا جانا سمجھا جاتا ہے۔ جس روح سے انسان کی زندگی قائم ہے ــــ یہ روح روحِ حیوانی سے موسوم ہے۔ لیکن روحِ حیوانی ناری روح ہے۔ اس روح سے ملکوتی علم و خبر کی آگاہی پانا ناممکن ہے۔ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ میں روح (اپنی روح) نوری کیفیت ہے۔ اسلئے یہ روح زندگی کے لئے نہیں۔ جبکہ زندگی کی روح ناری ہیئت رکھتی ہے۔ اس روح کا ناری ہونا۔ اصولِ حکمت کی رو سے ثابت ہے اور یہ روح۔ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کے تصور میں نہیں آتی۔ لہذا یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ روحی انسان کی زندگی کیلئے ودیعت نہیں کی گئی۔ بلکہ نوری اعتبار سے اسکا عمل سوائے اسکے نہیں کہ یہ روح مشاہدۂ اسرارِ الٰہی کے لئے ودیعت کی گئی۔ اور جہاں مفسرین نے اس روح کو زندگی کی روح قرار دیا۔ وہاں اسماء کی ہیئت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں علم و خبر پانے میں۔ اسماء کی نوعیت میں نوری اسماء ــــ یا اسرارِ الٰہی کی آگاہی و مشاہدہ کا تصور حاصل نہیں ہوسکتا ــــ اسلئے اسماء کے تصور مین تاویل کی گئی۔ کہ اسماء سے مراد صرف زمینی اشیاءَ کا علم ــــ لیکن جہاں تک ملائکہ اور انسان کے مقابلہ کا تعلق ہے ــــ اگر ملائکہ

سے زمینی اشیأ کی کیفیات کا علم پوچھا گیا۔ تو ملائکہ نوری حیثیت میں زمینی اشیأ کا ادراک وعلم حاصل کرنے میں فطری طور عاجز نہیں ـــــ لہذا انکا اَنۢبِئُوۡنِیۡ پر عجز ظاہر کرنا ـــــ درست تصور نہیں ہوسکتا جب تک کہ اَنۢبِئُوۡنِیۡ میں اسماء کی کیفیت انکی قوتِ ادراک سے باہر و بالا نہ ہوں ـــــ اس مقام پر نبی وخلیفہ کا تصور ایک انسان کے لئے ناقابلِ تسلیم تصور ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بغیر اولادآدم یا نسلِ آدم کیلئے۔ خلیفہ یا نبی ہونا درست نہیں لیکن یہ نظریہ قرآنی آیات وواقعات کی روشنی میں درست ثابت نہیں۔

اس نظریہ کی رد اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ کی آیت سے واضح ہو جاتی ہے۔

گزشتہ۔ تمام واقعات صرف سیرت النبی سے متعلق بیان کئے گئے ـــــ جس میں نبی کا ابتدائی تصور قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ کہ نبی کا ابتدائی تصور انسانِ اول حضرت آدمؑ سے ہی ہوتا ہے ـــــ اسکے ساتھ ہی۔ نبی کی تعریف ـــــ بشر ـــــ سوّی ـــــ نفخِ روح ـــــ خبر پانا ـــــ خبر دینا ـــــ خبر اسماء کی ـــــ اور اسماء کے تصور میں ـــــ تسبیح وحمد ـــــ مشاہدہ اسماء ـــــ یعنی مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ اور تصورِ ذاتِ الٰہی ہے ـــــ

بشر۔ ایک وجود ہے ـــــ جسکا بنیادی وجود ـــــ ناری ذرہ ہے ـــــ ناری ذرہ سے مراد ایک ناری جوہر ـــــ جو بمنزلہ روح ہے ـــــ اسے روح حیوانی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حیوانی اس لئے کہ یہی روح ہے۔ جس سے جسم متحرک وزندہ ہوتا ہے ـــــ اس سے ظاہر ہوا ـــــ کہ بشر۔ ایک روح اور حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ کا جوہری مادہ ہے جس نے جسم کی شکل اختیار کی ـــــ اور اس روح نے ماسوئی نفخِ روح کی روح۔ ایک اضافی روح (نوری) انسانی مرکب میں شامل کی گئی ـــــ اسے روحِ رحمانی سے موسوم کیا جاتا ہے ـــــ گویا ـــــ انسان یا خلیفہ۔ تین کیفیتوں کا مرکب ہے۔ ایک جسم ـــــ دوسرا روحِ حیوانی ـــــ تیسرا روح رحمانی ـــــ جسم ایک ڈھانچہ ہے۔ جسکی ہیئت گوشت کی ہے ـــــ ابتدائی انسان آدم کے جسمانی ڈھانچہ کے متعلق قرآنی بیان اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ـــــ مِنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ اسی ڈھانچہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس ڈھانچہ کی ترتیب کیا ہے ـــــ؟ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ ـــــ یعنی اس ڈھانچہ کا مرکب وہ مٹی ہے۔ جو ابتدأ میں ناری (محض نار) تھی ـــــ پانی سے اس پر تنزلی آثار پیدا ہوئے تو ٹھیکری کے مانند بن گئی ـــــ اسکے بعد ہزاروں سال بارش نے اسے حَمَاٍ

مَّسۡنُوۡنٍ بنایا۔۔۔ مگر انسان خود ۔۔۔ اسکا بنیادی وجود ناری ذرہ ہے ۔۔۔ جو حماءِ مسنون میں قرار کرتا ہے اور اپنا ایک انسانی وجود (لطیف) پاتا ہے ۔۔۔ یہی انسان ۔۔۔ یہی ناری ذرہ (یہی روح) حماءِ مسنون لیس دار کیچڑ کھانا شروع کر دیتا ہے ۔۔۔ ایسے ۔۔۔ جیسے جوہڑ (یا گندے تالاب) کے پانی میں کیڑا گندی مٹی کھا کر بڑا ہوتا ہے ۔۔۔ تو یہ کیچڑ کھا کر بڑھنا شروع کرتا ہے ۔۔۔ یہی لیس دار کیچڑ جسم کی شکل بنتا ہے ۔۔۔ کیچڑ کھانے کی ترکیب کیا ہے ۔۔۔؟ کیچڑ دراصل مٹی کے جوہری ذرات کا مجموعہ ہے۔ جو کیچڑ کی شکل میں محسوس ہوتا ہے ۔۔۔ یہ ناری ذرہ انہیں جوہری ذرات کو کھا کر اپنا ایک جسم بناتا ہے ۔۔۔ اور جب جسم مکمل ہوتا ہے۔ تو یہ گوشت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے ۔۔۔ یہ جسم ایک وجود ہے ۔۔۔ جسکے ذرے ذرے میں شریانیں (رگیں) پائی جاتی ہیں۔ ان شریانوں میں خون ہے ۔۔۔ یہ خون بھی لیس دار کیچڑ کی جوہری ہیئت ہے ۔۔۔ یہ خون اپنی ہیئت سفید پانی (مادہ منویہ) میں بدلتا ہے ۔۔۔ یہ سفید پانی شریانوں کے آخری حصہ میں بنتا ہے۔ شریانوں کا آخری حصہ گوشت میں پیوست ہوتا ہے ۔۔۔ جہاں مادۂ منویہ گوشت کی شکل اختیار کر کے جسم کی بقا کو قائم رکھتا (بڑھاتا) ہے۔ اسی طریقہ سے جسم بنتا ہے ۔۔۔ اور روح ۔۔۔؟ مادہ منویہ بجائے خود سفید پانی کی شکل میں ۔۔۔ لطیف ذرات کا مجموعہ ہے ۔۔۔ خوردبین سے دیکھا جائے تو ایک سفید پانی کا قطرہ ذرات کی شکل میں نظر آتا ہے ۔۔۔ یہ ذرات زندہ ہیں۔ اور علیحدہ ایک ایک وجود رکھتے ہیں۔ انہیں ذرات سے جسم بنتا ہے۔ گویا جسم بجائے خود اربوں ۔۔۔ کھربوں۔ بلکہ لاتعداد ذرات کا مجموعہ ہے ۔۔۔ بالفاظ دیگر۔ ایک انسان جسمانی حیثیت میں بھی لاتعداد جاندار لطیف وجودوں کا مجموعہ ہے ۔۔۔ ایک انسان ۔۔۔ ایک ہی جان نہیں ۔۔۔ بلکہ اپنے اندر اربوں جانیں سمائے ہوئے ہے۔ انہیں اربوں جانوں کے مجموعہ کو جسم یا انسان کہا جاتا ہے ۔۔۔ یہ لاتعداد جانیں ۔۔۔ ہر جان ۔۔۔ ہر ذرہ ایک زندہ وجود رکھتا ہے ۔۔۔ یعنی یہ ذرہ[1] ایک لطیف جسم

---

[1] ہر ذرہ۔ متحرک زندگی رکھتا ہے۔ یعنی ہر ذرہ میں ایک جان ہے۔ جو اس ذرہ کی زندگی ہے۔ انہیں ذرات کے مجموعہ سے شکل انسانی خلق ہوتی ہے۔ یہ ذرات جسم میں متشکل ہوتے ہیں اور انہیں ذرات کی روح کے مجموعہ سے ایک مجسم روح ہم شکل جسم متشکل ہوتی ہے۔ یہی ذرات کی روحوں کا مجموعہ انسانی روح سے تعبیر ہے۔

اور ایک روح کا مرقع ہے ـــــ اس جسم کی زندگی ایک روح پر منحصر ہے ـــــ یہی روح جو ہر ذرہ کی زندگی کا سبب ہے ـــــ انسان کی روح حیوانی کہلاتی ہے ـــــ اور ان ذرات کا مجموعہ انسان کا جسم کہلاتا ہے ـــــ یہی روح مجموعی حیثیت میں انسان کے ذرہ ذرہ میں پائی جاتی ہے ـــــ چونکہ یہ روح لطیف ہے ۔اسلئے جب اس روح کو دیکھا جائے ـــــ تو باطن کی نظر سے اس روح کے مجموعے کو ایک انسان کی شکل میں دیکھا جاتا ہے ـــــ حقیقتاً یہی روح (روح حیوانی) ہے جسے انسان کہا جاتا ہے ـــــ اور جب انسانی اعضاء ـــــ معدہ۔ آنتیں۔ جگر۔ گردے۔ پتے (Gall Blader) خون بنانے کی صلاحیت نہیں پاتے ۔تو مادۂ منویہ نہیں بنتا ـــــ مادۂ منویہ نہ بننے کی وجہ سے جسم کی تعمیر رک جاتی ہے۔ تو انسان کمزور ہو کر مرجاتا ہے یا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت پر انسان کی زندگی کی معیاد ختم ہو جاتی ہے۔ جسم کے ذرات سے ـــــ انکی روح یکسر الگ ہو جاتی ہے۔ تو انسان بے جان ہو جاتا ہے۔ تو یہ ذرات کے مجموعہ کا ڈھانچہ اپنا حرکت وعمل کھو بیٹھتا ہے ـــــ اس وقت دو چیزیں۔ موجود ہوتی ہیں ـــــ ایک جسمانی ذرات کی روح ـــــ اور دوسرا جسمانی ذرات کا مجموعہ جسم ـــــ جسم کا مادہ ـــــ زمین سے حاصل کیا جاتا ہے اور روح ناری قوت ہے ـــــ اس ناری قوت کی اصل وہ ناری جوہر ہے۔ جسے ایثر (ایتھر) کے تمثیلی نام سے موسوم کیا جاتا ہے ـــــ اس طرح جسم زمین میں سما جاتا ہے۔ اور روح ایثری فضا میں باقی رہتی ہے ـــــ یہ ہے انسان کے روح و جسم کی تعریف ـــــ

انسانی وجود میں روحِ حیوانی ایک مستقل لطیف ناری وجود ہے۔ ناری اعتبار سے۔ اس روح میں اسی طرح قوتِ بصر ـــ قوتِ سمع ـــ قوتِ گویائی ـــ قوت فہم ـــ قوت حرکت وعمل قائم ہوتی ہے۔ جس طرح نوری مخلوق (ملائکہ) میں بغیر جسم ـــ قوت بصرِ (آنکھ) قوتِ سمع (کان) قوتِ گویائی (زبان) قوتِ فہم (عقل وشعور) اور حرکت وعمل قائم ہے ـــــ یعنی انسان اپنی موت کے بعد بھی روحانی حیثیت میں اپنی۔ قوتوں کے ساتھ باقی رہتا ہے ـــــ دوسری بات زندگی میں بھی بغیر جسم (یا جسم سے علیحدہ) بھی روحِ حیوانی ـــــ روحانی حیثیت میں قوت بصر۔ قوت سمع۔ قوت کلام۔ قوتِ فہم ـــ اور حرکت وعمل کی حامل ہوتی ہے ـــــ چونکہ یہ ایک لطیف قوت ہے ـــــ اسلئے اپنی قوت کے اعتبار سے جسطرح ملائکہ اپنے ادراک میں وسعت رکھتے ہیں (یعنی آسمانوں سے زمین کی ہر کیفیت کو دیکھ سکتے

ہیں) اسی طرح روح حیوانی بھی زمین اور سیاروں (ایثری یا ناری فضا) تک ادراک کر سکتی ہے ــــ اسی ادراک کی قوت کو انسانی قوتِ مشاہدہ سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ جسمانی حالت میں۔ جسمانی حیثیت میں آنکھ۔ کان کے ذریعہ محدود مشاہدہ ہوتا ہے ــــ یہی انسان اپنی روحِ حیوانی سے اس کائناتِ ارضی کی ہر ناری کیفیت خود زمین کی ہر دور و نزدیک کیفیت کا (روحانی طور) مشاہدہ کر سکتا ہے ــــ جسمانی طور ادراک کو جسمانی مشاہدہ کہا جاتا ہے ــــ روح کے ذریعہ براہِ راست ادراک کو روحانی مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اس روحانی (روح حیوانی) مشاہدہ کی حد ہے ــــ جہاں تک ناری فضا واقع ہے وہاں تک اسکا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ناری فضا سے آگے کیفیات (فضا) نوری ہیئت اختیار کرتی ہیں۔ تو اس نوری فضا تک اس روح کی نہ رسائی ہے۔ نہ اسکا ادراک و مشاہدہ کر سکتی ہے ــــ البتہ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ اس روحانی مشاہدہ کی نسبت بھی انسانی مشاہدہ سے کی جاتی ہے ــــ کیونکہ یہ روحِ حیوانی بھی انسان کہلاتی ہے۔ اسلئے اسکا مشاہدہ بھی انسانی مشاہدہ کہلاتا ہے۔ یعنی جب روحِ حیوانی (حواس خمسہ سے دور) ایثری فضا کی کیفیات ــــ یا زمین کی وسعتوں کی کیفیات کا مشاہدہ کرتی ہے ــــ تو انسان سمجھتا ہے۔ میں خود مشاہدہ کر رہا ہوں ــــ یہ ہے انسان کے مشاھدہ کرنے کی جسمانی ــــ روحانی ترکیب ــــ اس روحانی ــــ جسمانی مشاہدہ میں انسان کی سوِّی ــــ کو بھی دخل ہے ــــ سوِّی سے ــــ انسان کو ایک جوہری جسم ــــ ایک قوی و پاکیزہ جسم۔ قوی حواس۔ قوی عقل و شعور حاصل ہے۔ اسلئے ــــ جسمانی ــــ روحانی مشاہدہ قائم رکھنے کیلئے۔ اپنی سوِّی کو محفوظ و قائم رکھنا ضروری ہے ــــ جیسے کھانے پینے کی بے اعتدالی سے۔ قوتِ بینائی۔ قوت سمع۔ قوت فہم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے ــــ اسی طرح قوانین فطرت ــــ نظامِ کائنات کے خلاف تجاوز کرنے سے انسانی۔ جسمانی ــــ روحانی وجود بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ تو اس میں قوتِ مشاہدہ کی قوت بھی زوال پذیر ہو جاتی ہے اسلئے اپنی سوِّی قائم رکھنے کے بغیر جسمانی ــــ روحانی مشاہدہ وادراک بھی ناممکن ہو جاتا ہے ــــ

اسکے بعد نفخِ روح کی قوت ــــ روح رحمانی ــــ

روحِ رحمانی کو قرآن نے روحی سے موسوم کیا ہے۔ یعنی اپنی روح ــــ روحی سے مراد اللہ کی روح نہیں بلکہ ایک مخلوقی روح ــــ جسکی ہیئت نوری ہوتی ہے ــــ قرآن نے روح کے متعلق

ایک بیان پیش کیا ہے ـــــ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۸۵) سوال کرتے ہیں آپؐ سے کہ روح کیا شے ہے۔ کہہ دیں یہ ایک ''امر'' ہے اللہ کا ـــــ ''امر'' سے کیا مراد ہے؟ ـــــ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ ۔فَیَکُوْنُ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو مخلوق کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسکے لئے کہتا ہے ''کن'' ـــــ پس وہ ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں ''کن'' میں ''امر'' کا تصور پایا جاتا ہے ـــــ اور اَمر میں توجہ کا تصور پایا جاتا ہے ـــــ یعنی جب اللہ نے روح پیدا کرنے کا ارادہ کیا ـــــ تو نورِ ابتدائی کے نور پر ارادہ کی توجہ [1] کی تو اس توجہ سے نوری پیکر وجود پذیر ہوئے ـــــ یہی کیفیت رُوْحِیْ کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی وجود کیلئے ایک روح کا ہونا مقرر کیا ـــــ تو اسکے لئے نورِ ابتدائی پر توجہ کی تو اس نور میں سے ہر انسان کیلئے۔ جو آدم سے لیکر قیامت کے آخری انسان تک پیدا ہوگا ـــــ نوری اجزا (وجود) بنائے جن روحوں کو نورِ ابتدائی کے وجود میں خزانہ کر دیا ـــــ سو دنیا پر جب انسان پیدا ہوتا ہے تو رحم مادر میں عالم بالا میں خزانہ کی گئی روح (ملائکہ کے ذریعہ) نفخ کی جاتی ہے۔ اس نفخ کی قرآنی ترتیب مقرر ہے جیسا قرآن نے بتایا فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ ہم نے مریمؑ میں روح نفخ کی۔ اس نفخ کی ترتیب کَلِمَتُہٗ ج اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ یعنی نور۔ روح۔ کلمہ ایک ہی تصور رکھتے ہیں۔ ایک وجود میں نفخ کرنے میں القا کیا جاتا ہے۔ یہی ترتیب حضرت آدمؑ یا ہر انسان میں روحِ رحمانی نفخ کرنے کی ترتیب ہے۔ کہ رحم مادر میں بچہ کے وجود میں مانند القا نفخ کی جاتی ہے۔ یعنی اول انسان حضرتِ آدم پیدا ہوئے۔ تو انکی بشری تکمیل پر اُن میں روح نفخ کی گئی ـــــ اسی طرح نسلِ آدم میں جب ماں کے رحم میں ایک انسان کی ابتدا ہوتی ہے ـــــ تو اس کی ابتدا باپ کے نطفہ سے ہوتی ہے ـــــ

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰہُ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۷۔۸) وہ اللہ ہے جس نے اچھی ترتیب سے بنایا ہر چیز کو ـــــ اور ابتدا کی پیدائشِ انسان کی (پہلے) مٹی سے ـــــ پھر بنایا اسکو (انسان کو) نسل سے ـــــ جوہر سے ـــــ حقیر پانی سے ـــــ پھر سنوارا اسکو (متناسب اعضاء سے)

---

[1] امر: سے مراد توجہ کرنا ـــــ ''کُنْ'' کے تصور میں بھی۔ ''توجہ کرنا ہے''۔ تفصیل صفحہ ۴۱۸ پر آئیگی۔

اور پھونکی اس میں اپنی روح۔

انسانی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی ـــ انہیں مٹی سے بنایا ـــ پھر آدم وحوا سے سلسلہ تناسل شروع کیا ـــ اور انسان کو نطفہ ۱ سے بنایا ـــ باپ کے نطفہ سے مراد ـــ مادۂ منویہ ـــ اور مادۂ منویہ کا ایک ذرہ ـــ مادۂ منویہ کے لاتعداد زندہ ذرات میں سے ـــ انہیں ذرات کا ایک زندہ ذرہ (اس ذرہ کی حیثیت بھی ویسی ہی ہے جیسی انسانِ اول کے ذرۂ ناری کی جس سے اسکے وجود کی ابتدا ہوتی ہے) رحم میں خونِ حیض سے غذا حاصل کر کے بڑھنا شروع کرتا ہے۔ یہ کیفیت بھی ایسی ہی ہے۔ جیسے حماءِ مسنون میں ناری ذرۂ انسانی کی پرورش ہوتی ہے ـــ یہاں تک کہ یہ ذرۂ منویہ۔ مکمل انسانی شکل پاتا ہے ـــ رحم ۲ میں ایک بچہ چار ماہ کی مدت میں مکمل انسانی شکل وصورت اختیار کرتا ہے اس وقت یہ ایک زندہ وجود ہوتا ہے۔ اسی مدت میں اسکی سوُ ی بھی پوری ہوتی ہے ـــ اور نَفِخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ ـــ سوُی کے بعد یعنی چار ماہ بعد اس میں روحِ رحمانی نفخ کی جاتی ہے یہ ایک اضافی روح ہوتی ہے ـــ اس وقت بچہ ماں کے رحم مین۔ اگرچہ اسکی سوُی بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ مگر بتدریج انسانی مراحل سے گزرنے کی وجہ سے ـــ اسکے ظاہری حواس اور ذہن مکمل نہیں ہوتا ـــ اسی وقت نفخِ روح کے ودیعت ہونے پر ـــ چونکہ اسکی روح حیوانی مکمل وجود ہے ـــ اور روح رحمانی بھی ایک مکمل وجود ہے ـــ انسان کی روح رحمانی کو مشاہدۂ اَسْمَآءَ کُلَّھَا دیا جاتا ہے۔ لیکن حواس وذہن کی عدم تکمیل کی وجہ سے انسان ظاہر حالت میں بے خبر رہتا ہے۔ اس مقام پر یہ امر بھی ثابت ہے۔ کہ انسان میں پیدائشی طور دو روحیں پائی جاتی ہیں۔ ایک نسلی روح روح حیوانی ـــ دوسری خلیفہ کی روح ـــ روح رحمانی ـــ روح رحمانی کا تصور بھی ایسا ہی ہے۔ جیسا ملائکہ کے وجود کا ـــ کہ روح بھی نوری ہیئت میں پائی جاتی ہے ـــ اور اس روح میں بھی مثل ملائکہ قوت بصر ـــ قوت سمع ـــ قوت عمل ـــ قوت فہم پائی جاتی ہے ـــ یہ روح اَسْمَآءَ کا علم حاصل کرنے میں کسی ذریعہ کی محتاج نہیں ـــ اس روح کا علم حاصل کرنا

---

۱ اس کی تفصیل صفحہ ۴۷ پر بیان کی گئی۔

۲ رحم میں یہ ذرہ (نطفہ) مختلف مدارج سے گزر کر انسانی ہیئت کی طرف انتقال کرتا ہے۔ اسکی تفصیل صفحہ ۵۱ پر دی گئی ہے۔

بھی ـــ روحانی مشاہدہ کہلاتا ہے۔اس مشاہدہ کو بھی انسانی مشاہدہ سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــ یعنی نوری اسماء کا روحِ رحمانی کے ذریعہ مشاہدہ۔ انسان سے نسبت رکھتا ہے۔اسکی ترکیب یہ ہے ـــ کہ روح حیوانی بذاتِ خود ـــ انسانی وجود میں ـــ خواہ حواس سے ہو ـــ خواہ خود روحِ حیوانی کا اپنی ذات سے مشاہدۂ روحانی ہو ـــ دونوں حالتوں (ظاہری۔ باطنی) میں ـــ روح حیوانی ہی ہر کیفیت کا علم حاصل کرتی ہے ـــ مثال

ظاہری مشاہدہ ـــ یعنی حواس خمسہ سے علم حاصل کرنا ـــ آنکھ ایک شے کی ماہیت کا عکس حاصل کرتی ہے۔ایک شے کی ماہیت حاصل کرنے کا ذریعہ ـــ فضا میں موجود ناری قوت یا آسمانی[1] قوت (جسے ایتھر کے تمثیلی نام سے تصور کیا جاتا ہے) ہے۔ یہ قوت زمین کی سطح پر تمام زمین پر پھیلی ہوئی ـــ زمین پر احاطہ کئے ہے ـــ جیسے ایک دھند یا غبار تمام زمین پر پھیلا ہو ـــ اسی طرح ایتھر زمین پر احاطہ کئے ہے ـــ زمین چونکہ گول ہے ـــ اسلئے زمین کی حیثیت ایتھری فضا میں ایسی ہے۔ جیسے سمندر کے پانی کے بیچ میں انڈا معلق تیر رہا ہو ـــ یہی ایتھری قوت ذریعہ ہے۔ایک شے کو آنکھ کی پتلی تک پہنچانے کا ـــ یعنی ایک شے کا عکس ایتھری فضا میں جذب ہو کر لہروں کی شکل میں آنکھ کی پتلی تک آجاتا ہے ـــ یہ جاننا ضروری ہے۔ بجائے خود اس ایتھری فضا میں حرکت (لہریں) ہے ـــ دوسرے ایک شے کے ایتھری فضا سے ٹکرانے سے بھی لہریں پیدا ہوتی ہیں ـــ جیسے پانی کے تالاب میں ـــ پانی کی قوت میں اپنی لہریں پائی جائیں ـــ جب پانی تالاب کے کنارے سے ٹکرائے ـــ یا پانی میں پتھر گرے ـــ تو بھی لہریں پیدا ہوتی ہیں ـــ اسی طرح ایک شے کا عکس لہروں کے ذریعہ آنکھ کی پتلی تک آجاتا ہے ـــ یہ بات بھی قابلِ غور ہے۔ کہ اگر فضا میں ایتھر موجود نہ ہو ـــ تو ایک شے کا عکس آنکھ تک نہیں پہنچ سکتا ـــ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایک شے کے وجود کا عکس آنکھ کی پتلی تک پہنچنے کا اصل ذریعہ ایتھر ہے ـــ بغیر ایتھر آنکھ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی ـــ اسی طرح زبان سے نکلی ہوئی آواز کی کیفیت یہ ہے کہ ـــ فضا سے آکسیجن (ایک قسم کی ناری قوت) پھیپھڑوں میں داخل ہوتی ہے جسے سانس کہا جاتا ہے ـــ

---

[1] زمین کی فضا خود آسمان میں شامل ہے۔اس کی تفصیل آگے آئیگی۔ صفحہ ۳۸۵ تا صفحہ ۴۰۰

یہی گیس جب حلق میں سے گزرتی ہے۔تو حلق کی جھلی سکڑ کر اس سانس کو آواز (یا الفاظ) کی شکل دیتی ہے ـــــ یہی سانس یا گیس ایتھری فضا سے ٹکرا کر لہریں پیدا کرتی ہیں۔جو انسان کے وجود سے ٹکراتی ہیں ـــــ یہ لہر جب کان میں داخل ہوتی ہے۔تو کان کے اندر کے پردے سے ٹکراتی ہے۔اس ٹکراؤ سے آواز کان کے پردے میں جذب ہو جاتی ہے ـــــ تو انسان ایک آواز ـــــ ایک بات سن لیتا ہے ـــــ اسی طرح ایک پھول کی خوشبو ناک کی اندر کی جھلی سے (ایتھری لہروں کے ذریعہ) ٹکرا کر ناک کے ذریعہ خوشبو کا احساس دلاتی ہے۔اس عمل سے ثابت ہوتا ہے۔کہ کسی شے کے وجود کا احساس ـــــ اور علم دینے والی قوت ـــــ ایتھر ہی ہے ـــــ اور حواس خمسہ صرف اشیأ کے وجود کا عکس حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں ـــــ علمِ طب ـــــ اور سائنس ـــــ اس کیفیت کو پایۂ تحقیق تک پہنچا چکی ہے ـــــ کہ انسانی وجود میں حواسِ خمسہ۔آنکھ۔کان۔ناک۔زبان اور مس (چھونے کی قوت) جنہیں۔قوتِ باصرہ (آنکھ) قوتِ سمع (کان) قوتِ شامہ (ناک) قوتِ ذائقہ (زبان) قوتِ لامسہ (مس) کہا جاتا ہے۔صرف کیفیات کا عکس ایتھری قوت کی مدد سے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں ـــــ بجائے خود ان قوتوں سے کسی وجود کا احساس و علم نہیں ہوتا ـــــ بلکہ ایک شے کا عکس آنکھ۔کان۔ناک۔زبان۔مس سے گزر کر دماغ تک پہنچتا ہے ـــــ آنکھ سے دماغ تک براہِ راست باریک شریانیں پائی جاتی ہیں۔ان میں خون (خونی جوہر) پایا جاتا ہے۔اسلئے ایک شے کے وجود کا عکس آنکھ سے گزر کر ـــــ یا آنکھ کی پتلی کی شریانوں میں جذب ہو کر ـــــ خون میں جذب ہو جاتا ہے ـــــ اور دورانِ خون کے ساتھ دماغ میں پہنچتا ہے ـــــ دماغ میں بھی قدرتی حصے پائے جاتے ہیں۔جنہیں محققین اور حکمأ نے انکے افعال کے مطابق نام دیئے ہیں دماغ کے حصص کے نام محققین مغرب نے ـــــ حصہ حرکت (Motor Area) حصۂ بصارت (Area of sight) اور وہمی حصہ (Psychic Area) تین حصے دریافت کئے ہیں ـــــ اہل یونان نے بھی ان تینوں حصوں کو واہمہ۔حافظہ۔متصرفہ کا نام دیا ہے ـــــ محققین اسلام نے بھی دماغی حصص میں واہمہ ـــــ حافظہ ـــــ متصرفہ بتائے ہیں۔اہل یونان ـــــ اور محققین اسلام نے انسانی ذہن سے متعلق افعال کا تجزیہ کر کے یہ حصص مقرر کئے ہیں ـــــ لیکن محققین مغرب نے سائنسی تحقیق کے ساتھ جو تحقیق کی ہے۔اسے عینی مشاہدہ تک پہنچایا ہے ـــــ اسلئے جملہ محققین کی تحقیق کے تجزیہ میں جو نتیجہ نکلا

اس سے دماغ کے حصص کا تعین ہوتا ہے۔ جس میں دماغ کے پانچ حصے مکمل ہو جاتے ہیں۔ (۱) حصہ حرکت (۲) حصہ بصارت (۳) واہمہ (۴) حافظہ (۵) حس مشترک ـــــ حواسِ خمسہ سے حاصل کردہ کیفیات دماغ کے انہیں حصص سے گزرتی ہیں۔ یعنی آنکھ سے کیفیت کا عکس حصہ بصارت ۱ میں داخل ہوتا ہے ـــ حصہ بصارت سے متصرفہ میں منتقل ہوتے ہوئے واہمہ میں عکس داخل ہوتا ہے (واہمہ کیفیت کی ہیئت و ماہیت کی شناخت اور تصدیق کرنے والی قوت ہے۔ یہی قوت ایک کیفیت کے وجود کا احساس دلاتی ہے) ـــــ واہمہ سے حافظہ میں داخل ہوتا ہے۔ حافظہ کیفیت کی اصل و نقل۔ حقیقی یا غیر حقیقی ہونے کی تصدیق کرتا ہے ـــ اور ہر کیفیت کا وجود (عکس) انتہائی لطیف ہیئت میں حافظہ میں جمع ہو جاتا ہے۔ پیدائش سے لیکر ـــــ موت تک کے تمام واقعات حافظہ میں جمع ہو جاتے ہیں ـــــ حافظہ سے کیفیت حس مشترک میں داخل ہوتی ہے ـــــ حس مشترک دماغ کا آخری حصہ ہے۔ حس مشترک دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک عقل ـــــ دوسرا شعور۔ عقل ہی وہ حصۂ دماغ ہے جس پر کیفیت کا عکس پہنچ کر ـــــ اس کیفیت کے وجود کا احساس و علم ہوتا ہے ـــــ حس مشترک کا براہ راست حصۂ حرکت سے رابطہ ہے ـــــ یعنی بعض رگیں عقل سے نکل کر حصہ حرکت سے ملتی ہیں ـــــ حصۂ حرکت سے یہ رگیں ـــــ ریڑھ کی ہڈی کے گودے میں سے گزر کر تمام جسم کے ذرے ذرے میں پھیلتی ہیں۔ انہیں رگوں پر انسانی حرکت و عمل کا انحصار ہے ـــــ یعنی عقل ان رگوں کو سکیڑتا اور پھیلاتا ہے۔ اسی عمل کے مطابق جب عقل حرکت کا ارادہ کرے تو اس کا اثر حصۂ حرکت پر پڑتا ہے ـــــ حصہ حرکت میں بھی تناؤ کھچاؤ پیدا ہو کر انسان حرکت کرتا ہے۔ جب عقل رگوں کو سکیڑنا بند کرے تو انسان حرکت سے محروم ہو جاتا ہے ـــــ غرض عقل تک کیفیت پہنچنے پر ہی ایک کیفیت کے وجود کا احساس ہوتا ہے ـــــ یہ بات قابلِ غور ہے ـــــ کہ حواس (آنکھ وغیرہ) سے لیکر عقل تک براہِ راست شریانوں کا سلسلہ چلا جاتا ہے ـــــ ان شریانوں میں خون میں جو جوہری مادہ ہے۔ یہی قوت ہے جو آنکھ سے دماغ تک کیفیت پہنچانے کا ذریعہ ہے ـــــ

---

۱ حصہ بصارت دماغ کا ایک خصوصی عضو (حصہ) ہے جسکا تعلق صرف آنکھ سے ہے۔ کیونکہ آنکھ حواس میں ایک اہم عضو ہے۔ جسکے بغیر کیفیات کا اصلی ماہیت میں علم مکمل نہیں ہو سکتا ـــــ

اور یہ امر طے شدہ ہے۔ کہ کسی کیفیت کو انسانی حواس تک پہنچانے کا واحد ذریعہ ایثر ہے ــــ اسلئے آنکھ سے دماغ تک پہنچنے کا ذریعہ جو طاقت ہے۔ وہ ایثری قوت ہی ہو سکتی ہے ــــ یہی ایثری قوت انسانی روح حیوانی سے تعبیر ہے ــــ انسانی روحِ حیوانی انسانی وجود میں سمائی ہے۔ دماغ میں یہ روح اپنی پوری قوت میں واقع ہے۔ اسلئے دماغ (عقل) کا دیکھنا۔ سننا۔ چکھنا۔ سونگھنا۔ مس کرنا ــــ دراصل (ایثری قوت) روحِ حیوانی ہی کا علم پانا ــــ یا احساس کرنا ہے ــــ بجائے خود گوشت۔ پوست اور دماغی گودے کا کوئی ذاتی عمل نہیں ــــ عمل ہے تو روح کا ــــ اسلئے ظاہری طور حواس کے ذریعہ مشاہدہ کرنا روحِ حیوانی ہی کا مشاہدہ تصور کیا جاتا ہے ــــ انسان بجائے خود ــــ روح حیوانی ہے۔ جس سے احساس و عمل متعلق ہے ــــ اور روحانی مشاہدہ میں بذاتِ خود ــــ روح ہی مشاہدہ کرتی ہے۔ جو انسانی مشاہدہ سے منسوب کیا جاتا ہے ــــ

یہ بات قابلِ غور ہے۔ کہ جسطرح زمین (اَلْاَرض) پر ایثر کا احاطہ ہے ــــ اسی طرح یہی ایثری قوت تمام فضائے آسمانی میں پھیلی ہوئی ہے ــــ اور اسکی وسعت آسمانوں کی طرف کسی جگہ اپنی حد نہیں پاتی بلکہ آسمانوں میں بھی یہی قوت پائی جاتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ آسمانوں کی ہیئت و کیفیت کا تجزیہ (قرآنی آیات کی روشنی میں) کیا جائے ــــ

آسمانوں کے متعلق قرآن نے تفصیلاً ذکر کیا ہے ــــ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ قرآن کو ــــ قرآنی زبان و اصطلاح میں سمجھا جائے ــــ نیز یہ کہ جس کیفیت پر بحث کی جائے ــــ پہلے اس کیفیت کے وجود ــــ اسکے مرکب اسکی تخلیقی ترکیب کو سمجھا جائے ــــ کیونکہ قرآن ان لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ جو کیفیات کی اصل سے کماحقہٗ واقف ہوتے ہیں ــــ اگر کسی کیفیت سے واقف نہیں تو قرآن خود اس کیفیت کی تفصیل بیان کرتا ہے ــــ اس تفصیل کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے ــــ کہ انسان قرآن سے ماسوئ۔ اختراع کردہ نظریات کے خول سے باہر نکل کر خالی الذہن ہو کر قرآنی آیات کا مطالعہ کرے۔

آسمان کے متعلق علمائے ہیئت ــــ اور علمائے شرح (مجتہدین و مفسرین) کے عقائد و نظریات میں عرصہ سے باہم تضاد و اختلاف چلا آیا ہے ــــ علمائے شرح اپنے سروں کے اوپر فضا کو

آسمان کہتے ہیں۔ اور ہیئت دان ''اس آسمان کی'' نفی کرتے ہیں ــــ علمائے شرح قرآنی آیات کی روشنی میں فَوْقَكُمْ سَبْعَ السَّمٰوٰتِ (یعنی تمہارے سروں کے اوپر سات آسمان ہیں) کے نظریہ پر۔ اپنے سروں کے اوپر نیلی فضا کو السمٰوٰت سے تعبیر کرتے ہیں ــــ اور ستاروں کے متعلق بھی مختلف قسم کی تاویلات کی جاتی ہیں۔ کہ بعض ستارے چوتھے آسمان پر ہیں۔ جن میں چاند بھی شامل ہے ــــ اور سورج ساتویں آسمان پر ہے ــــ وغیرہ ــــ اور ہیئت دان اس نیلی فضا کو حد نظر کہتے ہیں۔ آسمان کی نفی کرتے ہیں ــــ اور ستاروں کے متعلق بھی ان کا نظریہ علمائے شرح کے نظریات کے برعکس ہے ــــ اس لئے آسمان کی اصلیت کو سمجھنے کے لئے قرآنی آیات پر عمیق نظر سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے ــــ

آسمانوں کی اصل کیفیت سمجھنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ پہلے یہ جانا جائے کہ آسمانوں کا وجود کیسے ظہور پذیر ہوا ــــ آسمانوں کا مرکب کیا ہے۔ انکی پیدائشی ترکیب و ترتیب کیا ہے ــــ؟ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ سیر کرو زمین میں اور دیکھو اللہ تعالیٰ نے ایک بناوٹ (مخلوق) کی ابتدأ کیسے کی ــــ یا ایک مخلوق کی ابتدأ کیسے ہوتی ہے ــــ ایک کیفیت کی ابتدأ میں۔ اسکا مرکبِ وجودی (یعنی کس چیز سے بنی ہے) اسکی تخلیقی ترکیب (کہ کیفیت کس طرح بنی ہے) ــــ ایک کیفیت کا بنیادی سبب کہ کیفیت کا مرکب کہاں سے آیا ــــ تحقیق کرنا ہے۔ سو آسمانوں کے تصور میں پہلے انکی ابتدائی ہیئت کا تصور حاصل کرنا ضروری ہے ــــ اسکے متعلق قرآن کا ابتدائی بیان یہ ہے ــــ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اسکی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو پیٹ میں سمایا ہے ــــ اسکی کرسی نے ــــ آسمانوں اور زمین پر ہر طرف سے احاطہ کیا ہے ــــ اس تصور میں کرسی نے گول دائرے کی شکل میں آسمانوں پر احاطہ کر رکھا ہے ــــ اور ''كُرْسِيُّهُ'' اسکی کرسی کیا شے ہے ــــ یعنی اللہ کی کرسی ــــ عجمی اصطلاح میں کرسی کے تصور کو مکان کی بنیاد پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے وَاِذْ يَرْفَعُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ۔ جب اٹھائی بنیاد مکان کی ــــ اس تصور میں کرسی وہ مقام ہے۔ جہاں سے خالص نوری مقامات کا وجود شروع ہوتا ہے ــــ کرسی کے اوپر ایک مقامِ عرش ہے ــــ عرش عربی میں تخت کو کہتے ہیں ــــ تخت سے بھی مراد جہاں خالص نوری مقام ہے ــــ ان دو الفاظ ــــ

عرش ـــــ اور کرسی میں ایک نوری وجود کا تصور آتا ہے۔ اسی تصور سے ابتداً کی جائے۔ تو ''کرسی کے وجود میں آسمانوں کا سمانا'' ـــــ اس بیان میں آسمانوں کی ـــــ ابتداً ـــــ اور آسمانوں کی پیدائش ـــــ اور پیدائشی ترکیب ـــــ اور ترتیب ظاہر ہوتی ہے ـــــ کہ آسمان کرسی کے وجود سے پیدا ہوئے ـــــ کرسی نوری وجود ہے۔ اسلئے آسمانوں کا وجود بھی نوری ہے ـــــ اور انکی پیدائشی ترکیب کیا ہے ـــــ؟ اسکے لئے تمثیلی طور خاکہ کی شکل میں کیفیتوں کو سمجھنا پڑیگا ـــــ اس تمثیلی خاکہ کی ابتداً وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ سے کی جاتی ہے ـــــ

خاکہ تمثیلی کرسی

نمبر1

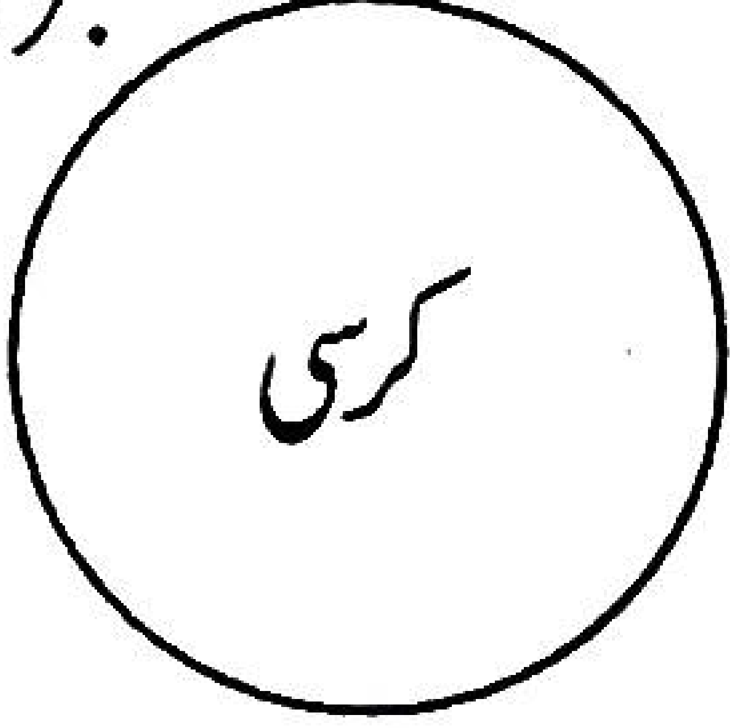

نمبر1 کرسی کا ابتدائی تصور یہ ہے۔ کہ یہ ایک نوری فضا ہے ـــــ جو اپنی جسامت میں گول دائرے کی شکل میں واقع ہے۔ گول دائرے کا تصور اسی قرآنی آیت وَسِعَ سے ظاہر ہے ـــــ کہ آسمانوں کو پیٹ میں سمانے کیلئے کرسی کا گول دائرے کی شکل میں ہونا ضروری ہے ـــــ یہ کرسی ہی گول دائرے میں نہیں ـــــ بلکہ کرسی کے اوپر عرش بھی گول دائرے میں واقع ہے۔ جس نے کرسی کو پیٹ میں سمایا ہے ـــــ یہ تصور بھی قرآنی آیت سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ تخلیق کائنات کی قرآنی تحقیق میں یہ ثابت ہے۔ کہ یہ تمام کائنات بلا کسی سبب کے نہیں ـــــ بلکہ اللہ کے نور سے بنی ہے۔ اس کائنات کا بنیادی وجود (مرکب) اللہ کا نور ہے اور اس کائنات کی تخلیقی ترکیب بھی اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ'' کے تصور میں ایسی ہی ہے ـــــ کہ یہ تمام کائنات اللہ کے وجودِ نوری میں ـــــ مثل نقطہ ـــــ یا۔ مرکز کے واقع ہے ـــــ اور جہاں ایک وجود کی حیثیت نقطہ ـــــ یا مرکز کی ہوتی ہے۔ تو اس مرکز پر احاطہ کرنے والی کیفیت کی ہیئت دائرہ کی شکل اختیار کر جاتی ہے ـــــ اللہ کے نور میں پیدا ہونے والی کیفیت ـــــ خود اللہ کے نور کی جز ہے۔ جسے نورِ ابتدائی سے موسوم کیا گیا ـــــ اور اس کائنات کی آخری تخلیق اَلْاَرض

(زمین) ہے۔ زمین کی حیثیت بھی آسمان میں مرکز کی سی ہے ___ اسلئے ___ اللہ کے نور سے ___ اور نور ابتدائی سے لیکر مرکز تک جو بھی کیفیت وجود پذیر ہوگی ___ اسکی حیثیت ایک نقطہ اور ایک مرکز کی سی ہوگی ___ نورِ ابتدائی سے لیکر عرش تک کئی مقامات واقع ہیں۔ جنکی حیثیت ___ دائرہ ___ اور مرکز کی سی ہے ___ کیونکہ ''واسع'' کا لفظ خود ایسا تصور پیش کرتا ہے ___ اسلئے اسی تصور کے تابع کرسی کا وجود ___ ایک وسیع نوری فضا ہے۔ جسکی ہیئت گول شکل میں محسوس ___ ومتصور ہوتی ہے تمثیلی خاکہ میں اسی تصور کے ساتھ کرسی کو گول دائرے کی شکل میں پیش کیا گیا ___

یہ اُس زمانہ کا تصور ہے ___ جب تخلیق (پیدائش کائناتِ خلق) کا سلسلہ جاری ہے ___ اور عرش کے مرکز میں کرسی کا وجود نقطہ کی حیثیت میں پیدا ہوا ___ اس زمانہ میں ابھی آسمانوں کے وجود کا ظہور نہیں ہوا ___ تو یہ ایک مجسم نوری فضا تصور کی جاتی ہے ___ اب دوسرا زمانہ آیا ___ تو کرسی میں آسمانوں کا وجود ظہور پذیر ہوا ___ لازمی طور وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ کی ترتیب کے تحت آسمان (سمٰوٰت) کا وجود کرسی کے پیٹ (مرکز) میں ظہور کرنا ہے تو اس ترتیب کا تمثیلی تصور اس طرح ہوگا۔

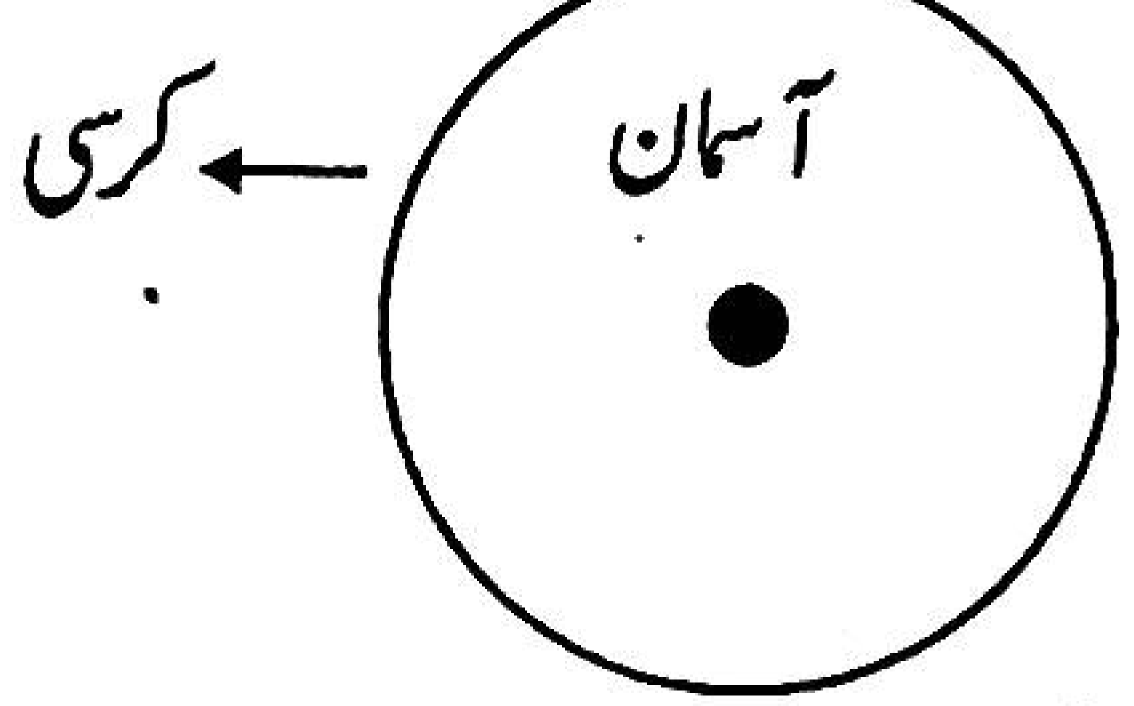

دائرہ سے مراد کرسی ___ اور نقطہ سے مراد۔ مرکز یا آسمان۔ گویا وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ میں یہی تصور پایا جاتا ہے ___ اب آسمان کرسی میں ایک نقطہ کی حیثیت سے ہیں۔ تو آسمان کی وسعت بھی لاتعداد حد تک وسیع ہے ___ یعنی کرسی کے مرکز میں آسمان کا وجود ___ ایک نقطہ ہے۔ لیکن یہ نقطہ سبع سمٰوٰت کا مجموعہ ہے ___ البتہ یہ نقطہ جسے آسمان کہا گیا ___ اپنی ہیئت میں ایک ہی نوری وجود ہے۔ اس نقطہ میں ابھی سات آسمانوں کی الگ الگ تقسیم نہیں ___ اس نقطہ کی تمثیلی ہیئت ایسے ہے۔

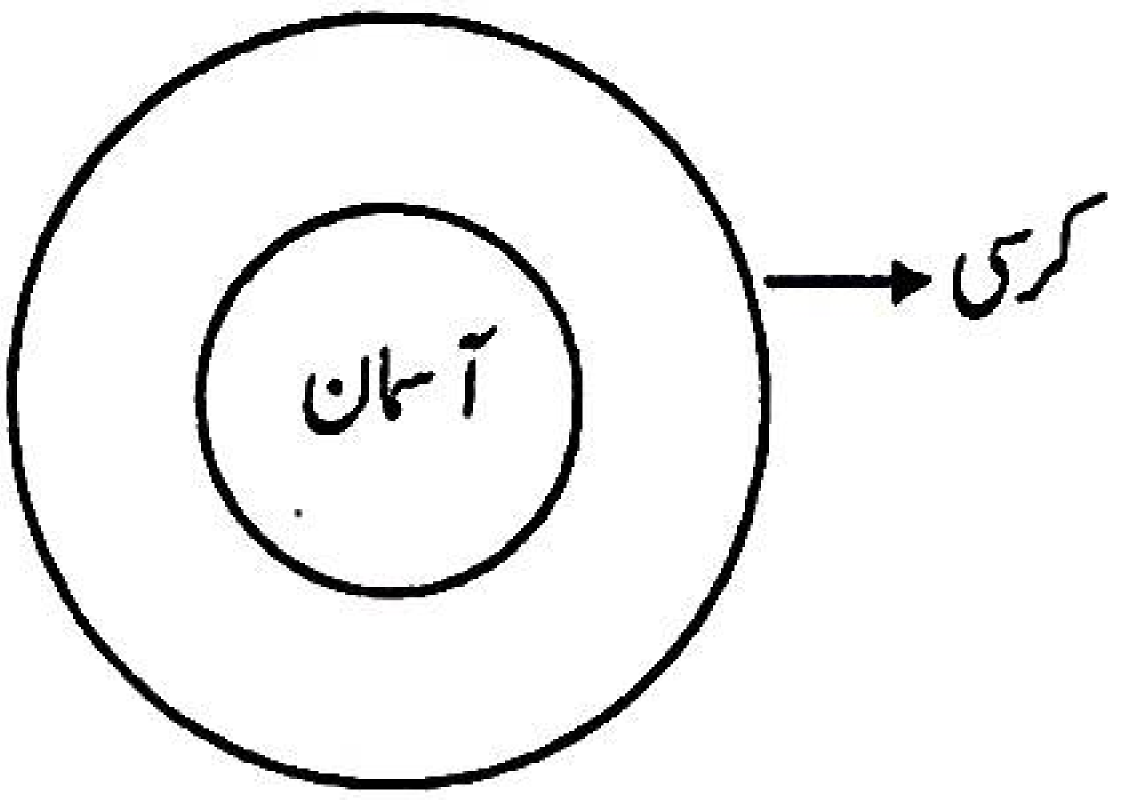

اول دائرہ کرسی اور درمیان میں آسمان ۔ یہ آسمان سات آسمانوں کا مجموعہ ہے۔

اسکی ہیئت بھی مثل کرسی کے وسیع ہے ـــ یہ آسمان اس مقام پر ایک وسیع نوری کرہ (فضا) ہے۔ جو اپنی ہیئت گول شکل میں رکھتا ہے ـــ یہ ایک آسمان ہے۔ جو سات آسمانوں کا مجموعہ ہے ـــ اور اب پھر ایک زمانہ آیا کہ اس آسمان کے مرکز میں ۔ ایک اور آسمان کا وجود ظہور پذیر ہوا ـــ کرسی کے ساتھ اسکا تمثیلی تصور اس طرح ہے۔

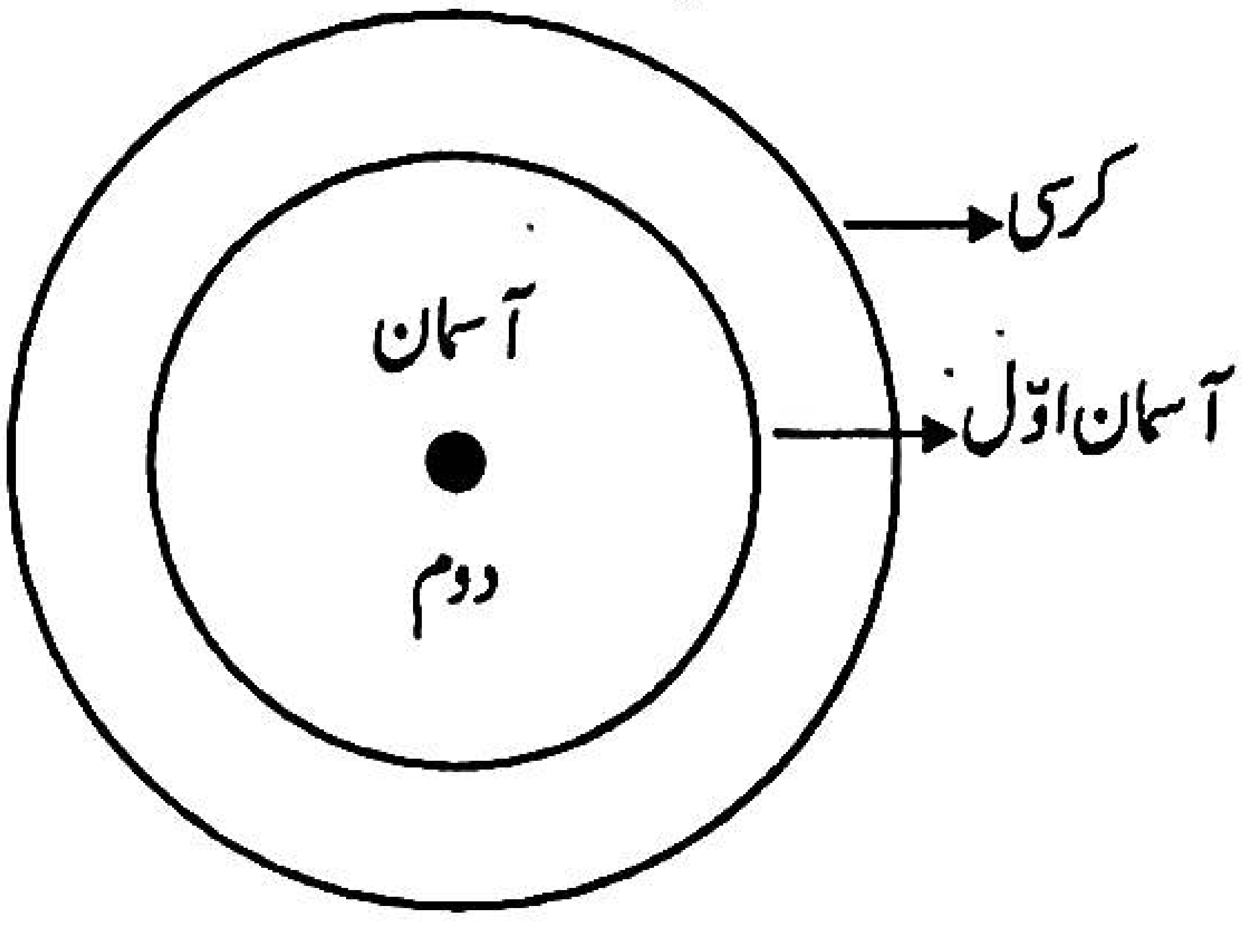

ایک دائرہ کرسی کا اسکے مرکز میں پہلا آسمان جو کرسی کے وجود میں ظہور پذیر ہوا ـــ اور پہلے آسمان کے مرکز میں نقطہ دوسرے آسمان کا وجود پیدا ہوا۔ دوسرا آسمان بجائے خود ایک آسمان نہیں بلکہ اس آسمان میں پانچ آسمانوں کا مجموعہ جمع ہے ـــ

اسکے بعد دوسرے آسمان میں تیسرے آسمان کا وجود بھی دوسرے آسمان کے مرکز میں پیدا ہوگا۔ اسکا تمثیلی تصور ۔

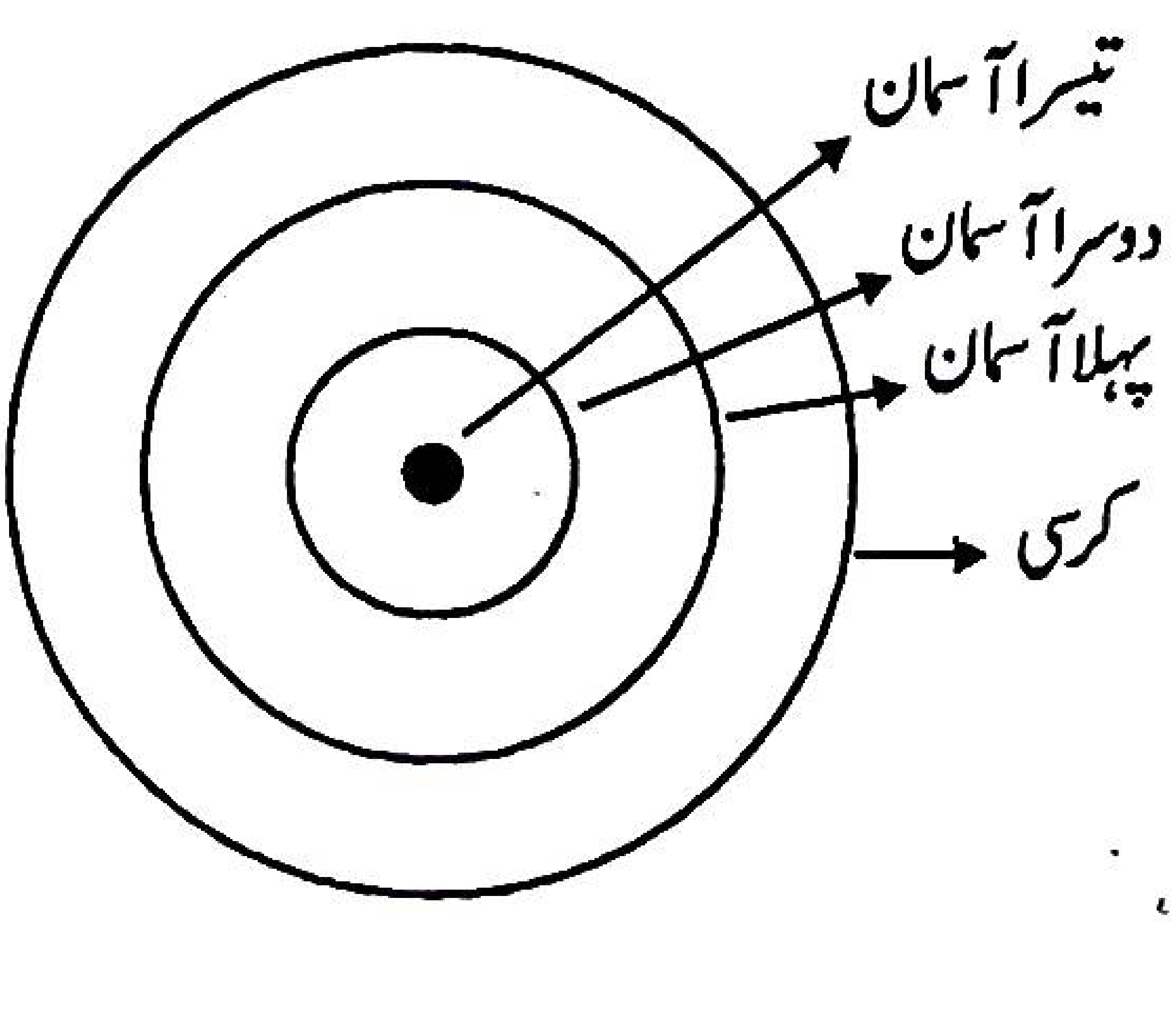

(۱) کرسی ـــ (۲) پہلا آسمان (۳) دوسرا آسمان (۴) تیسرا آسمان ـــ نقطہ اور مرکز کی ہیئت میں ـــ اور مرکز میں نقطہ کی ہیئت بھی ایک وسیع آسمان کی ہے۔ جس میں چار آسمانوں کا وجود سمایا ہے ـــ

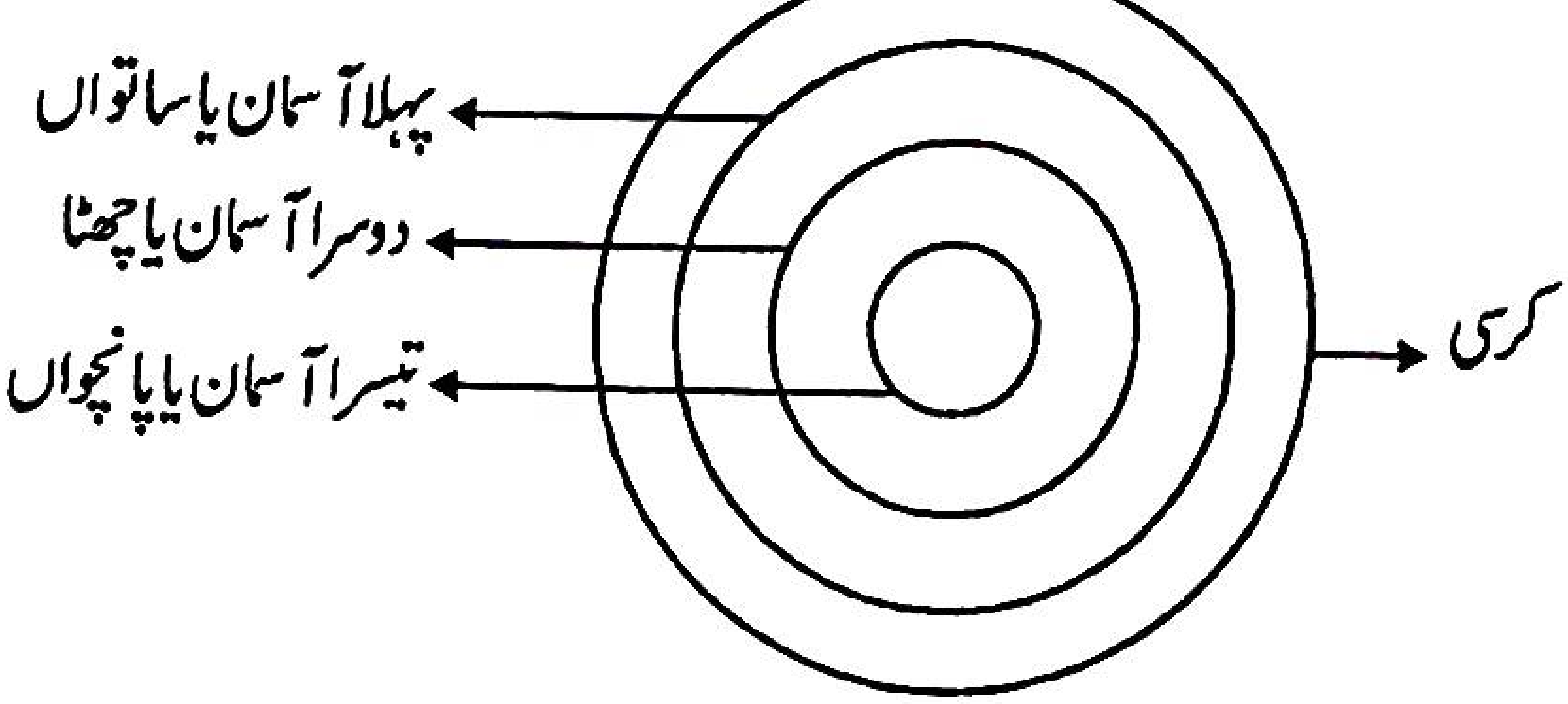

اسی ترکیب و ترتیب سے چوتھا ___ پانچواں ___ چھٹا ___ ساتواں آسمان مرکز کی حیثیت سے ہر آسمان کے پیٹ میں وجود پذیر ہوگا۔ اور اِنکی آخری ہیئتِ ترکیبی ___ اس تمثیلی تصور میں ہوگی۔

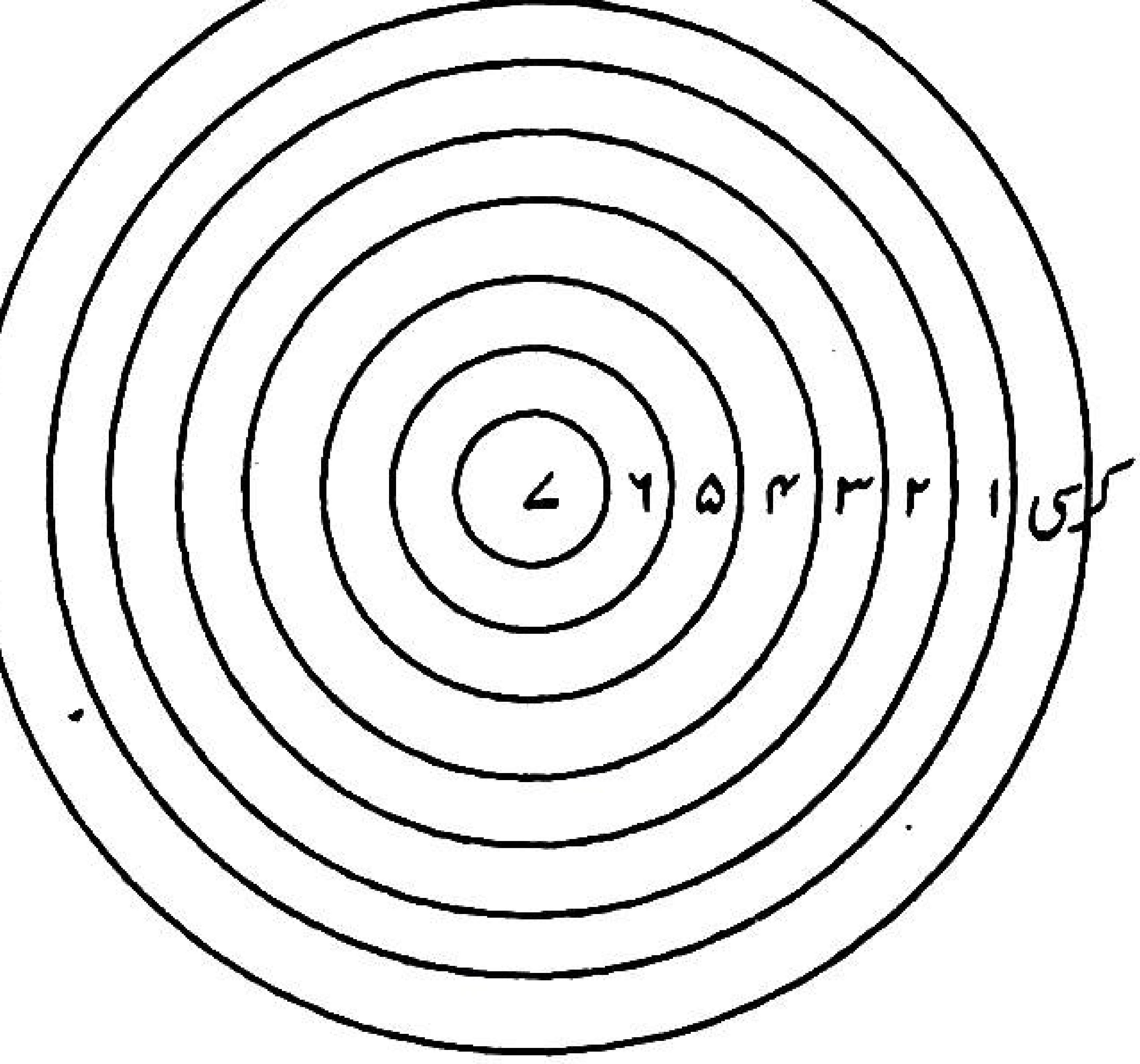

اس خاکہ میں وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا حقیقی تصور ہے۔ جس میں سات آسمان طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ واقع ہیں۔

اس طرح کرسی میں سات آسمانوں کی پیدائش کی فطری ترتیب ظہور پذیر ہوگی ___ ان آسمانوں کی قرآنی ترتیب ___ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کے تصور میں ایک آسمان پر دوسرا آسمان طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ سات آسمانوں میں تقسیم ہے ___ چونکہ قرآن نے آسمانوں کی تعداد صرف سَبْعَ بتائی ہے۔ اسلئے کرسی کے وجود میں۔ صرف سات آسمان طبقًا عن طبق واقع ہیں ___ یہ آسمان اپنے وجودی مرکب میں خالص نوری ہیں ___ اور آخری آسمان ساتواں آسمان کرسی اور آسمانوں کے مرکز میں واقع ہے ___ جو ایک خالص نوری ___ گول فضائے نوری۔ کی حیثیت میں مجسم نوری وجود ہے ___

ان آسمانوں کی ترتیب کے بعد قرآن نے ایک آسمان کی کیفیت کا ذکر کیا۔

وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ۔ اور البتہ زینت دی آسمان دنیا کو چراغوں سے ۔۔۔ یہ آسمان دنیا کہلاتا ہے ۔۔۔ قرآنی بیان کے مطابق وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ میں۔ آسمانوں کے ساتھ ایک اور کیفیت ۔۔۔ وجود کا ذکر کیا ۔۔۔ اسکے علاوہ کسی اور وجود کا ذکر نہیں ۔۔۔ اس الارض کا وجود کہاں پر ہوگا ۔۔۔؟ فطری تخلیق کے تابع الارض کا وجود کرسی کے پیٹ میں ہی ہونا ضروری ہے ۔۔۔ لیکن تخلیقی ترتیب میں ہر آسمان میں ایک آسمان ہی وجود پذیر ہوسکتا ہے ۔۔۔ تو ضروری ہے۔ کہ ارض کا وجود ساتویں آسمان کے بعد ۔۔۔ ساتویں آسمان کے مرکز میں وجود پذیر ہوگا ۔۔۔ اسکے علاوہ ۔۔۔ کوئی ایسا مقام نہیں۔ جہاں ارض کا وجود ممکن ہے ۔۔۔ کیونکہ ساتویں آسمان پر سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی تکمیل ہوچکی ۔۔۔ ساتویں آسمان کے بعد کسی اور وجود کا وجود پذیر ہونا ممکن نہیں ۔۔۔ اور یہ جو قرآن نے آسمانِ دنیا کا ذکر کیا ۔۔۔ تو آسمانِ دنیا کون سا آسمان ہے ۔۔۔؟ اَلدُّنْیَا سے مراد ۔۔۔ قریبی آسمان ۔۔۔ یا سامنے والا آسمان۔ قریب کس کے ۔۔۔؟ سامنے کس کے ۔۔۔؟

قرآن کا خطاب انسان کی طرف ہے ۔۔۔ اور انسان ارض کی پیدائش ہے ۔۔۔ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ ''فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔۔۔ اس بیان میں انسان کی پیدائش زمین میں ہے۔ اور زمین ساتویں [1] آسمان کے مرکز میں واقع ہے ۔۔۔ اسلئے ۔۔۔ انسان ۔۔۔ اور ارض سے قریب آسمان ساتواں آسمان ہی ہوسکتا ہے ۔۔۔ چونکہ ساتویں آسمان پر سبع سموات کی تکمیل ہوچکی اسلئے اب ساتویں (اول آسمان) آسمان میں۔ کوئی اور آسمان نہیں بن سکتا۔ بلکہ مصابیح [2] بنینگے ۔۔۔ مصابیح کو کواکب بھی کہا گیا ۔۔۔ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْکَوَاکِبِ۔ تحقیق ہم نے زینت دی آسمان دنیا کو کواکب سے ۔۔۔ کواکب سے مراد سیارے اور ستارے ۔۔۔ اس سے مراد آسمان ہفتم۔ آسمان اول یا آسمان دنیا بھی کہلاتا ہے ۔۔۔ اب اس آسمان میں اور نوری آسمان پیدا کرنے کی

---

[1] ساتویں آسمان سے مراد آسمان دنیا ۔۔۔ آسمان دنیا سے ابتدا ہو تو۔ ساتواں آسمان آسمانِ اول تصور کیا جاتا ہے اسی طرح کرسی کے بعد پہلا آسمان ۔۔۔ ساتواں آسمان کہلاتا ہے۔ [2] چراغ

وسعت نہیں ـــ اس آسمان میں سیارے اور ستارے بنینگے ـــ سیارے وجودی حیثیت میں ناری وجود کے حامل ہیں ـــ اسلئے نوری وجود کی تقسیم ناری (تنزلی) وجود پر ختم ہو جاتی ہے ـــ اور آئندہ اس آسمان میں ناری وجودوں کا ہی ظہور ہوگا ـــ تو آسمان دنیا میں یہ تمام سیارے آسمانِ دنیا کے پیٹ میں واقع ہیں۔ اب ضروری ہے۔ کہ آسمان دنیا اور سیاروں کی ہیئت و حیثیت کا تصور حاصل کیا جائے ـــ ساتواں آسمان (پہلا آسمان) آسمانِ دنیا کہلاتا ہے ـــ ارض اور انسان کے قریب یہ پہلا آسمان ہے۔ اسی ترتیب سے آسمانوں کی تعداد سبع سموات ترتیب دی جائیگی ـــ پیدائشی طور کرسی میں آسمانوں کی پیدائشی ترتیب میں کرسی سے ابتدا کی جائے ـــ تو سات آسمانوں میں پہلا آسمان کرسی کے قریب ہے۔ اور ساتواں آسمان ـــ آسمانِ دنیا ہے ـــ لیکن انسانی تحقیق و مشاہدہ کے لحاظ سے عددی ترتیب اس طرح ہوگی ـــ (ساتویں) آسمان دنیا کو ـــ آسمان اول کہا جاتا ہے ـــ آسمان ششم کو ـــ آسمان دوئم کہا جاتا ہے۔ آسمان پنجم کو ـــ آسمان سوئم کہا جاتا ہے ـــ آسمان چہارکو آسمان چہارم ـــ آسمان سوئم کو آسمان پنجم ـــ آسمان دوئم کو آسمان ششم ـــ اور کرسی کے قریب آسمان (پہلا آسمان) کو آسمان ہفتم کہا جاتا ہے ـــ اس ترتیب میں۔ تخلیقی آسمان ہفتم ـــ آسمان دنیا ـــ آسمان اول کے تصور میں دیکھا جاتا ہے ـــ اسی آسمان اول میں سیارے پائے جاتے ہیں ـــ اب ـــ سیاروں کے وجود سے قبل آسمان دنیا کا تمثیلی تصور اس طرح ہوگا۔

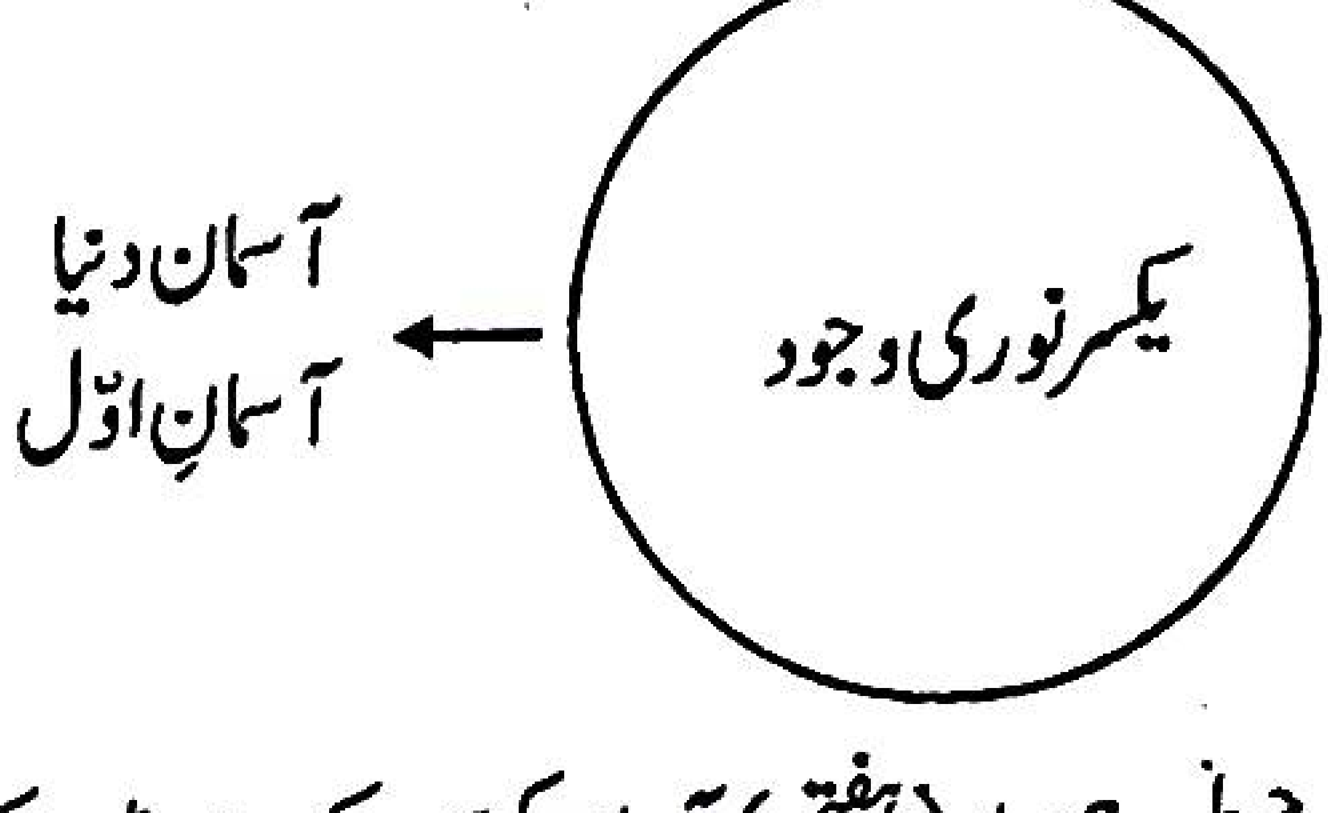

اپنی ابتدائی تخلیقی ہیئت میں جسطرح پہلا (ہفتم) آسمان کرسی کے وجود میں ایک نقطہ کی حیثیت میں ـــ ایک ہی وجود تھا۔ جس میں چھ آسمانوں کا وجود سمایا تھا ـــ پہلا آسمان مجموعی حیثیت میں ایک ہی وجود محیط تھا ـــ اسی طرح ـــ آسمانِ دنیا بھی (ستاروں سے قبل) ایک نوری فضا ـــ مجسم وجود تھا ـــ ہر جہت ـــ ایک ہی نوری فضا ـــ اس آسمان میں کسی اور وجود کا تصور نہ ہو تو یہ آسمان تمام کا تمام آسمانِ

دنیا کہلاتا ہے ــــ مثال کے طور اگر اس آسمان میں سیاروں کا وجود موجود تصور نہ کیا جائے ــــ تو اس آسمان کو ایک نور کا کرہ تصور کیا جائیگا ــــ آسمان کے اندر تمام کا تمام نور ــــ ہر مقام اسکا آسمانِ دنیا میں شمار ہے ــــ اب۔ جبکہ اس آسمان میں سیاروں کا وجود ظہور پذیر ہوگا۔ تو ان سیاروں کی الگ کوئی حیثیت نہ ہوگی ــ بلکہ انکا مسکن آسمان ہی ہوگا اور سیارے آسمان میں معلق ہونگے ــــ یہی حیثیت اَلْاَرض کی ہے۔ کہ زمین بھی باقی سیاروں کی طرح ایک عام سیارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو آسمان کے مرکز میں واقع ہے ــــ سوال یہ ہے۔ کہ جب آسمانوں کی پیدائش میں ــــ آسمان اول میں سیاروں کا وجود بھی پیدا ہوا ــــ اور زمین کی حیثیت بھی ان سیاروں میں ایک ادنیٰ سیارے کی سی ہے ــــ تو قرآن نے وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے بیان میں۔ ارضی سیارے کے ساتھ باقی سیاروں کا ذکر کیوں نہ کیا نیز جبکہ زمین بھی باقی سیاروں کے ساتھ ایک سیارہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ تو السمٰوٰت و الارض میں زمین کو کیوں ایک علیٰحدہ حیثیت دی گئی؟ ــــ اسکا جواب قرآن کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً تحقیق میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ ــــ زمین بنانے کیلئے ــــ اللہ تعالیٰ کی تخلیقی ترکیب میں ــــ جبکہ اللہ تعالیٰ انسان کو سب سے ادنیٰ و سفلی مادہ سے بنانا چاہتا تھا ــــ یہ چیز ازل سے اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں مقرر ہو چکی تھی ــــ کہ زمین اَلْاَرض بنائی جائے تو باقی کائناتِ نوری ــــ عرش۔ کرسی۔ آسمان سے پہلے زمین کا وجود پیدا ہونا ممکن نہ تھا ــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق بنانے کیلئے ــــ ایک فطری تنظیم مقرر کی ــــ کہ اپنے نور سے ــــ نورِ ابتدائی [۱] بنایا۔ کیونکہ اس مقام پر نور سے نور ہی بن سکتا تھا ــــ نورِ ابتدائی میں وجودی اعتبار سے مادی کیفیت بن نہیں سکتی تھی۔ اس لئے آسمان تک ــــ اور آسمانِ اول تک نور میں نوری وسعت کے اعتبار سے نوری وجود ہی پیدا ہو سکتے تھے ــــ اور جب آسمان دنیا میں پیدائش کا سلسلہ جاری ہوا ــــ تو اس میں نوری وسعت باقی نہ رہی اسلئے اس میں سے ناری کیفیت نے ظہور کیا ــــ چونکہ ارادۂ ازلی

---

[۱] اسکا ذکر پیشتر بیان کیا گیا۔

میں اَلْاَرض ہی پیدا کرنا تھا اور ارض کی پیدائش میں خصوصیت خلیفہ کی ہی تھی اسلئے آسمان کے بعد چونکہ باقی سیاروں کے ساتھ ارادۂ ازلی کا تعلق نہ تھا ـــ اسلئے السمٰوٰت کے ساتھ صرف ارض کا ذکر ہوا ـــ سطحی نظر میں ـــ آسمانوں کے تصور میں ـــ ایسا محسوس ہوتا ہے ـــ کہ زمین ایک علیحدہ حیثیت رکھتی ہے۔ جسکا تعلق براہ راست آسمان سے ہے۔ تو یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ زمین ایک الگ وجود ہے اور اسی زمین پر آسمان واقع ہے۔ تو آسمان کے متعلق تصور میں غلط رنگ پیدا ہو جاتا ہے ـــ اس تصور میں سیاروں کو بھی ایک الگ نوع (قسم) تصور کیا جاتا ہے ـــ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ زمین میں رہ کر ہمیں زمین ایک وسیع دنیا محسوس ہوتی ہے۔ اسکے مقابلے میں ستاروں کے وجود ایک ٹمٹماتے چراغ کے تصور میں محسوس ہوتے ہیں ـــ اور ہم زمین کی طرح ستاروں کی جسامت و وسعت کا احساس نہیں کرتے۔ اسلئے وہمی تصور میں زمین کو ایک وسیع وجود سمجھ کر ایک علیحدہ وجود اور ستاروں کو آسمانی مخلوق ـــ زمین سے کوسوں دور تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تصور وہمی اور غلط تصور ہے۔ برعکس اسکے کہ زمین کو سیاروں جیسا ایک سیارہ تصور کیا جائے ـــ اور سیاروں کو بھی زمین کی طرح وسیع دنیاؤں کے تصور میں محسوس کریں ـــ اسی تصور کی وجہ سے ـــ علمائے شرع ـــ ہیئت دان آسمان کے تصور میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں ـــ اس مبالغہ آمیز تصور کو یکسر ختم کرنے کیلئے آسمان کے ابتدائی وجود کا حقیقی تصور حاصل کرنا ضروری ہے۔

جیسا کہ تمثیلی ترکیب میں آسمان اول کو ایک مجسم نوری وجود تصور کیا جاتا ہے کہ آسمان تمام کا تمام آسمان تصور کیا جاتا ہے ـــ ایک نوری وجود ـــ ایک نوری فضا ـــ

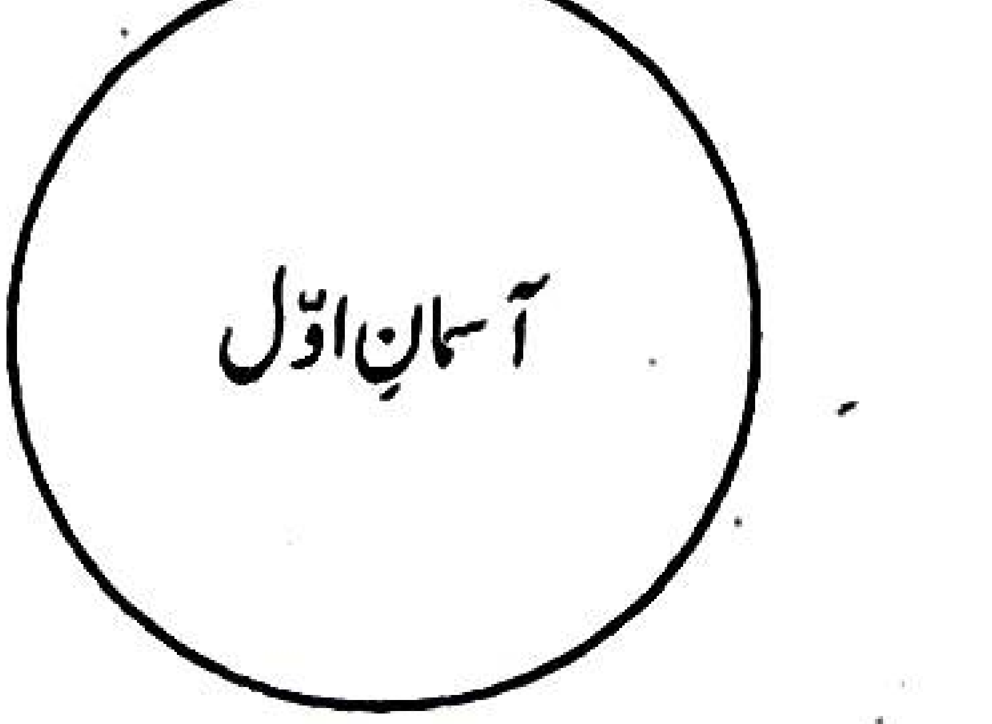

یہ ابتدائی تصور ہے ـــ اسکے بعد جب ستاروں کا وجود آسمانِ دنیا میں ظہور پذیر ہوا ـــ تو اسکی تمثیلی ترکیب اس طرح محسوس ہوتی ہے ـــ

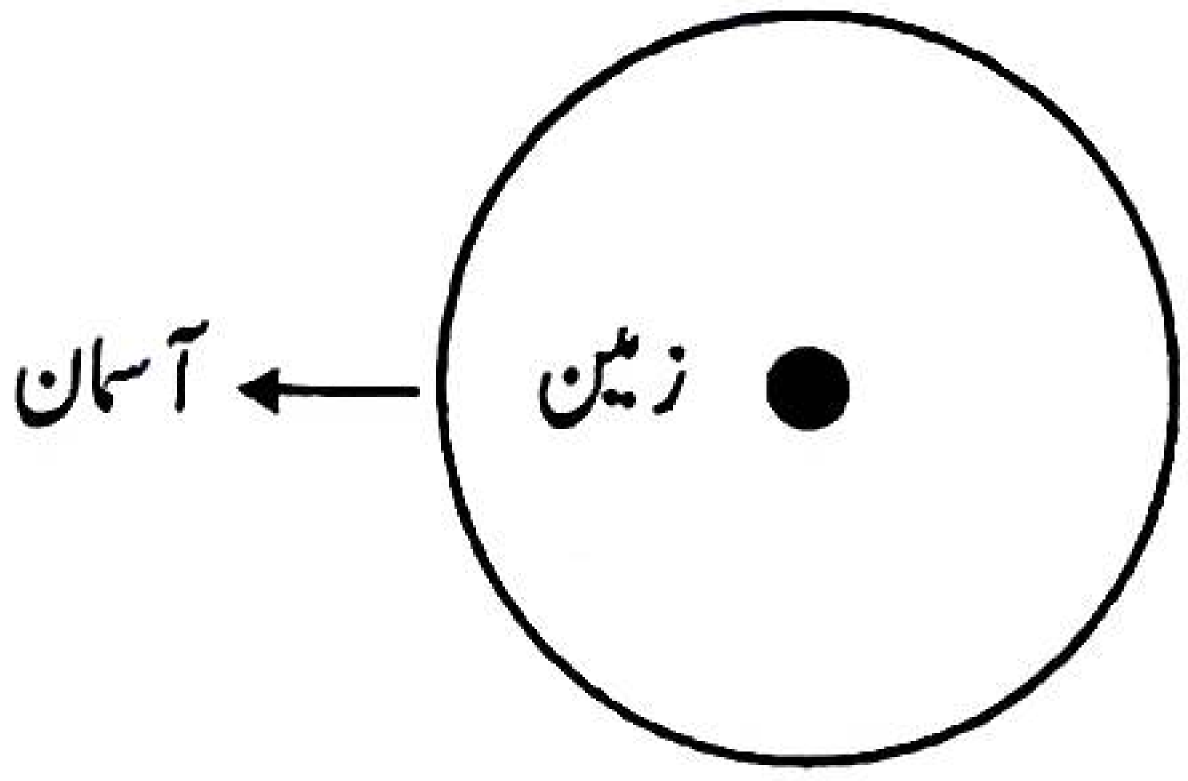

یہ تمثیلی خاکہ تمام کا تمام نوری فضا ہے۔ اس آسمان کے مرکز میں زمین کا وجود ظاہر کیا گیا ــــ تو یہ زمین نہ آسمان کے اوپر ہے نہ نیچے ہے۔ نہ اسکی کوئی الگ حیثیت ہے۔ بلکہ آسمان کے پیٹ میں ایک سیارہ ہے ــــ سیارے کے وجود سے ماسوا ــــ تمام ماحول آسمان ہی کہلاتا ہے ــــ اس طرح اس تصور میں ــــ آسمان کو نہ زمین سے دور ــــ نہ زمین کے اوپر تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح باقی سیاروں کا وجود بھی آسمان میں مثل زمین کے معلق ہوگا ــــ آسمان میں جتنا حصہ سیاروں نے گھیر لیا۔ وہ سیاروں کا وجود ہے ــــ باقی خالی حصہ تمام کا تمام آسمان۔ آسمانی فضا کہلاتی ہے۔ اسطرح نہ سیاروں کی حیثیت الگ تصور ہو گی ــــ نہ آسمان کی کوئی علیٰحدہ حیثیت اور دوری کا تصور پیدا ہوگا ــــ یہی کیفیت زمین کی ہے۔ کہ زمین سے ماسوئ باقی تمام کیفیت آسمان کہلاتی ہے۔ تمثیلی خاکہ

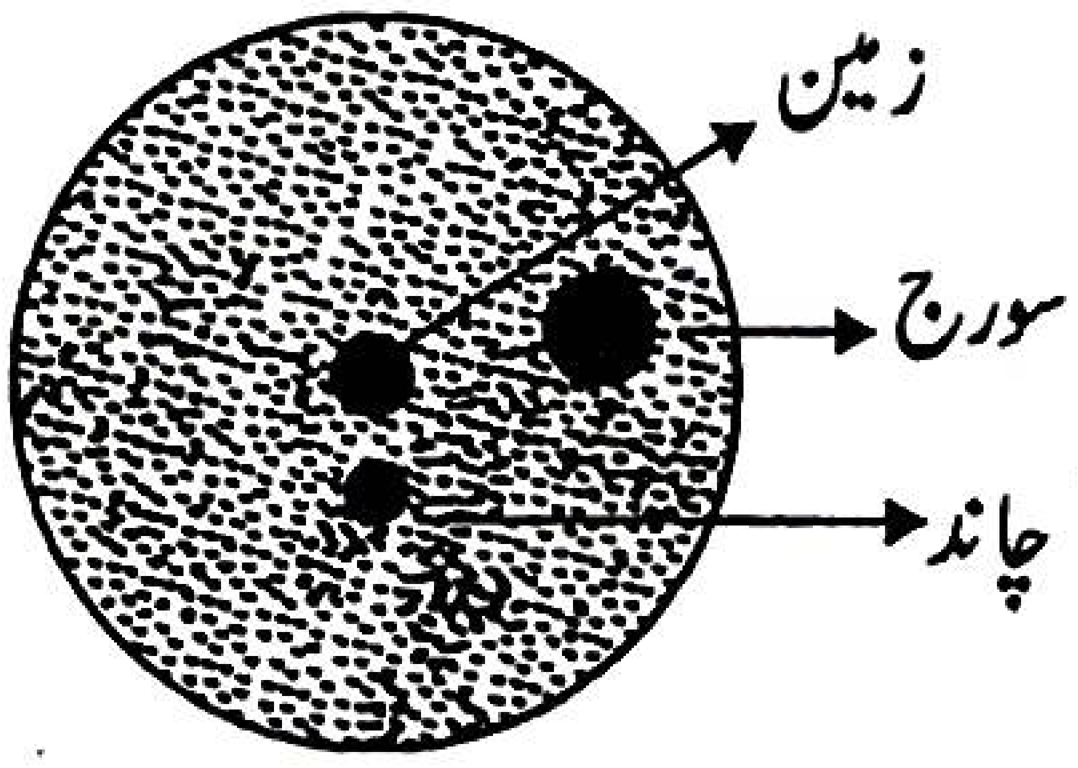

دائرہ حقیقی نوری آسمان ہے ! ــ دائرے کے اندر بھی آسمان ہے۔ جس میں سیارے واقع ہیں ــــ سورج۔ چاند ــ ستارے۔ زمین سب سیارے ہیں ــــ مثال کے طور اگر زمین کا تصور ذہن میں نہ ہو تو آسمان کو سیاروں سے پُر تصور کیا جائیگا ــــ بس ــــ ! یا آسمان ہے یا سیارے۔ آسمان کے لئے کوئی علیٰحدہ تصور نہیں ــــ البتہ ایک کیفیت اور پائی جاتی ہے ــــ وہ یہ کہ آسمانِ دنیا میں ــــ نوری آسمان کی ہیئت نوری پائی نہیں جاتی اسلئے اس آسمان میں سیاروں کا وجود ہوگا ــــ سیارے ناری ہیں ــــ آسمان دائرے کی شکل میں ہے ــــ اسکا ایک مرکز ہے۔ مرکز میں زمین واقع ہے ــــ اسلئے آسمانی نوری

ہیئت ۔سیاروں کے وجود سے نوعیت بدل جاتی ہے ـــــ یعنی حقیقی آسمانِ اول اپنے مقام پر خالص نوری ہیئت میں ہے ـــــ اور جوں جوں مرکز کی طرف آسمانی فضا کا سلسلہ چلتا ہے ـــــ تو درمیان میں ناری سیاروں کے وجود سے ـــــ آسمانی فضا بھی ناری ہیئت اختیار کرتی ہے ـــــ اسلئے ناری سیاروں کے مقام پر فضائے آسمانی ناری ہوگی ـــــ اس کیفیت سے مراد یہ ہے کہ جب آسمان دنیا میں نوری قوت ختم ہوگئی ـــــ تو اسکی اندرونی قوت ۔ جیسے باقی آسمانوں کے اندر مرکز میں ایک دوسرے آسمان کا وجود ظاہر ہوتا ہے ـــــ اسی طرح آسمان دنیا میں بجائے آسمان کے ستارے پیدا ہونگے ـــــ یہ آسمانِ دنیا کی نوری تنزلی کیفیت ہے ـــــ کہ آسمانِ دنیا میں سیاروں کا وجود ظاہر ہوا ـــــ اس سے ظاہر ہوا ـــــ کہ تنزلی اثر کے تابع آسمان دنیا کے وجود کے اندر سیاروں کی تقسیم کے باعث نوری کیفیتِ آسمانی ـــــ ناری ہیئت میں تبدیل ہوگئی ـــــ اسطرح سیاروں کے مقام پر آسمانِ دنیا کی ہیئت بدل کر ـــــ نوری آسمان ـــــ ناری آسمان میں بدل گیا ـــــ ناری سیاروں کی وسعت عظیم ہے ـــــ آسمان دنیا حقیقی آسمانِ نوری سے علاوہ اندرون تمام سیاروں سے بھرا ہے ـــــ جیسے انار کے چھلکے میں ـــــ انار کے دانے ـــــ ایک کیفیت اندازہ کرنے کے قابل ہے ـــــ کہ آسمان اول کی ذاتی وسعت اتنی عظیم ہے ـــــ کہ اسکا تعین نہیں کیا جا سکتا ـــــ یعنی خود آسمان نوری کی اپنی وسعت وسیع ہے ـــــ اس سے ماسویٰ اندرون ناری فضائے آسمانی کی وسعت بھی عظیم ہے ۔ جس میں لاتعداد ان گنت سیارے واقع ہیں اور سیاروں کے درمیان فاصلہ بھی لاکھوں کروڑوں میل کے حساب سے ہے یعنی زمین کو اگر مرکز تصور کیا جائے ـــــ تو مرکز میں زمین اور باقی سیاروں ـــــ چاند ـــــ اور سورج کے درمیان کروڑوں میل کا فاصلہ ہے ـــــ اس طویل ترین فاصلہ کے لحاظ سے ناری فضائے آسمانی کی وسعت بھی لاانتہا ہے ـــــ اور یہ تو مرکز کے مقام پر چند سیاروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے ۔ اسکے مقابل آسمانِ نوری کی طرف ان سیاروں سے بھی تعداد میں بے شمار سیارے پائے جاتے ہیں ۔ جو مرکز (زمین) سے اسقدر دور ہیں ۔ کہ ان سیاروں کی پیدائش سے لیکر آج تک انکی ایثری لہریں (روشنی) زمین کی طرف ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہیں ـــــ اور ابھی تک یہ شعاعیں زمین تک نہیں پہنچیں ـــــ اسلئے اسکا اندازہ کرنا قطعی مشکل ہے ۔ کہ اس ناری فضائے آسمانی کی کتنی وسعت ہے ـــــ جب آسمانِ حقیقی نوری کی ناری فضا کی اتنی وسعت ہے تو

لازمی طور حقیقی آسمان اول کی اپنی جسامت لاانتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ حالانکہ آسمانِ اول کی حد آسمان دوئم کی نوری فضا پر ختم ہو جاتی ہے ـــــ اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آسمان اول۔ حقیقی نوری آسمان زمین سے کس قدر دور واقع ہے ـــــ البتہ یہ بات بھی قابلِ تسلیم ہے۔ کہ جو فضا زمین سے قریب محسوس ہوتی ہے ـــ یہ بھی آسمان میں شامل ہے ـــ اس فضا کو بھی آسمان ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن سیاروں کے پیدا ہونے پر اس آسمان کی نوعیت بدل کر نوری سے ناری ہو جاتی ہے۔ اسلئے زمین سے قریب آسمان دنیا ـــ یا آسمانِ اول کو ناری آسمان میں تصور کیا جاتا ہے ـــ چونکہ تمام سیارے ناری وجود کے حامل ہیں ـــ انکی حیثیت ـــ ایک وسیع جسامت (مثل زمین کے) ـــ نہایت تیز روشن (مثل آفتاب) ان میں شدید تپش پائی جاتی ہے ـــ اسلئے اس ناری فضائے آسمانی میں سیاروں کی روشنی آپس میں ٹکرا کر ایک نیلی فضا کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ نیلی فضا اپنی انتہائی تیز روشنی میں سیاہ رنگت میں محسوس ہوتی ہے۔ یعنی فضا کی سیاہ رنگت انتہائی شدید تپش اور انتہائی تیز روشنی کی علامت ہے ـــ جو سیارے مرکز سے انتہائی دور ہیں جوں جوں آسمان اول کی طرف ارتقا (پرواز) کی جائے انکی ہیئت نار سے نوری ماحول میں آتی ہے ـــ اسی طرح آسمان اول سے جوں جوں مرکز کی طرف نزول کیا جائے سیاروں کی ـــ روشنی ـ تپش کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مرکز کے قریب سیاروں کی روشنی اور تپش بہ نسبت آسمانِ نوری کے قریب سیاروں کے کم ہوتی ہے ـــ جوں جوں روشنی کی تپش کم ہوگی ـــ اتنا ہی سیاہ رنگت نیلی فضا میں تبدیل ہوتی جائیگی ـــ اور یہی فضا مرکز کے مقام پر آبی (سبز) رنگت میں تبدیل ہو جائیگی۔ اسلئے زمین کے قریب فضائے آسمانی سبز رنگ میں محسوس ہوگی ـــ اسکے علاوہ آسمان کی ہیئت و رنگت کا تصور۔ انسانی ادراک پر منحصر ہے۔ زمین کے قریب فضا ـــ اور زمین پر جس فضا میں انسان سانس لے رہا ہے ـــ یہ بھی آسمان میں شامل ہے اسلئے بجائے اوپر کی طرف آسمان کا تصور کرنے کے زمین کی فضا کو ہی آسمان تصور کیا جاتا ہے ـــ اسکے بعد جہاں تک انسان کی حدِ نظر ہے ـــ یہ فاصلہ چند میلوں تک ہے۔ اسکے بعد انسان کی نظر کسی کیفیت کو دیکھ نہیں سکتی ـــ تو انسان کی حد نظر سیاروں تک محدود ہے۔ وہ بھی اس حالت میں کہ انسانی نظر میں سیاروں کی اصلی جسامت نہیں آتی ـــ یعنی دوری کی وجہ سے زمین کے مانند وسیع سیارے ٹمٹماتے چراغ کی طرح نظر آتے ہیں ـــ تاہم ان سیاروں کی فضا کا انسانی

نظر احاطہ کر لیتی ہے۔ یہ انسان کی حدِ نظر ہے۔ اس حدِ نظر میں سیاروں کی ناری فضا ـــــ یعنی ناری فضائے آسمانی کو محسوس کیا جاتا ہے ـــــ ایسی صورت میں آسمان سے متعلق تصور واضح ہو جاتا ہے۔ کہ تخلیقی اعتبار سے ـــــ فطری تخلیق کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ جہاں تک آسمانوں کا تعلق ہے ـــــ ایک آسمان کے مرکز میں اسی آسمان کے وجود سے دوسرا آسمان وجود پذیر ہوتا ہے ـــــ ایک آسمان علت کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ دوسرا معلول ـــــ ایک آسمان سے معلول پیدا ہونے کے بعد خود علت کا وجود بھی باقی رہتا ہے۔ جیسے کرسی سے سات آسمانوں کا وجود معلول (پیدا) ہونے کے بعد خود کرسی کا وجود بھی باقی و قائم ہے ـــــ اسی طرح آسمان ہفتم کی حیثیت علت کی ہے۔ آسمان ششم کی حیثیت معلول کی ہے۔ آسمان ششم کے پیدا ہونے کے بعد آسمان ہفتم کا وجود بھی باقی و قائم ہے۔ اسکی قریبی مثال زمین سے ملتی ہے۔ زمین کی حیثیت ایک سیارے کی ہے ـــــ زمین مرکز میں ہونے کی وجہ سے ـــــ اپنے وجود میں تنزلی آثار رکھتی ہے ـــــ ناری ہیئت میں تنزلی آثار ـــــ ہوا ـــــ اور پانی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں ـــــ اسلئے زمین جب تنزل کی طرف رجوع ہوئی۔ تو اسکی ناری ہیئت میں ہوا نمودار ہوئی ـــــ ہوا کی رفتار نے (جو کہ زمین کی مقناطیسی کشش کے باعث ہوا میں رفتار پیدا ہوئی) پانی کا وجود پیدا کیا ـــــ اور ہزاروں سال اسی عمل سے زمین پر پانی برسا جس پانی نے زمین کی ناری حدت کو ختم کر کے اس میں روئیدگی کے آثار پیدا کئے ـــــ اسی عمل کو قرآن نے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ کے تصور میں پیش کیا ـــــ زمین جمادات۔ نباتات۔ حیوانات میں تقسیم ہوئی ـــــ یعنی زمین سے یہ اشیأ پیدا ہوئیں۔ اسلئے زمین خود علت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس میں پیدا شدہ اشیأ زمین کی معلول تصور کی جاتی ہیں ـــــ زمین پر اشیأ ارضی پیدا ہونے کے بعد بھی زمین کا وجود باقی و قائم ہے ـــــ یہی فطری تخلیقی ترکیب تمام کائناتِ خلقت کی ہے ـــــ کہ خاکی ہیئت سے ناری ہیئت کی طرف ارتقا کیا جائے۔ تو ہر مقام پر ایک معلول کی ایک علت پائی جاتی ہے ـــــ اور ہر علت کا وجود قائم و باقی ہے ـــــ یہاں تک کہ نوری آسمانوں سے باہر (اوپر) ارتقا (پرواز) کی جائے۔ تو اسی طرح ہر علت میں معلول کے مقابلہ میں ـــــ انتہائی تپش ـــــ انتہائی روشنی ـــــ اور انتہائی جسامت وسیع سے وسیع تر ہوتی جائیگی ـــــ کرسی سے اوپر عرش ـــــ عرش سے اوپر عرش کی علت۔ پھر اُس علت کی علت ـــــ پھر اس علت کی علت ـــــ یہ علت و

معلول کا سلسلہ مختلف اور متعدد مدارج کی شکلوں میں وسیع ہوتا جائیگا ــــ یہاں تک کہ مخلوقی ہیئتوں کا سلسلہ نورا بتدائی پر آکر رک جائیگا ــــ کیونکہ یہی وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی جز بنا کر اس نور سے تخلیق کائناتِ خلقت کا آغاز کیا ــــ گویا یہی نورا بتدائی کل کائنات کی علت اول ہے ــــ اس علت کا تصور قطعی ناممکن ہے ــــ جبکہ انسانی تصور قریبی آسمان اول کی وسعت کا احاطہ نہیں کرسکتا ــــ تو یہ علتِ اول لامحدود کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن اس علت کا تصور قطعی لامحدود نہیں ــــ لیکن وسعت کے اعتبار سے لامحدود حیثیت رکھتی ہے ــــ لامحدود اسلئے نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس نورِ ابتدائی کو بھی مخلوق کیا ــــ یہ نورا بتدائی بہ اعتبارِ وجود جبکہ یہی نور کائناتِ خلقت کے تمام وجودوں کی علت وسبب ہے۔ ہر وجود میں یہی نور بنیادی سبب ہے۔ تو یہ نور "مُحَمَّد" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسکے باہر (اوپر) ایک نور وہ ہے۔ جو نورِ محمدیؐ کی علت ہے۔ یہ نور اپنی تپش ــــ روشنی ــــ وسعت میں اتنا وسیع ہے ــــ کہ لاتعداد نوری سالوں کی مسافت میں اس نور میں پرواز کی جائے ــــ تو اس نور کی وسعت۔ تپش ــــ روشنی کی کسی زمانہ میں حد پائی نہیں جاتی ــــ تو اس تصور میں انسان پر حیرت و درماندگی کا اثر طاری ہوتا ہے۔ تو انسانی وجدان میں ایک تعجب خیز صدا پیدا ہوتی ہے۔ اس صدا میں آواز ہوتی ہے ــــ اَللّٰہُ اَکْبر ــــ! یہی علتِ لامحدود اللہ کی ذات سے موسوم ہے۔ جو تمام معلول پیدا ہونے کے بعد قائم وقیوم وباقی ہے۔ یہی ایک تخلیقی ترکیب کائناتِ خلقت کی ہے ــــ جسکی آخری تخلیق اَلْاَرض ہے۔ اَلْاَرض کے بعد اب کسی اور آسمان یا ارض یا سیارے کے وجود کی گنجائش نہیں جبکہ اَلْاَرض (زمین) کائناتِ خلقت کی آخری تخلیق ہے۔ اور کائناتِ خلقت کی فطری تنظیم اسی طرح ہے۔ کہ زمین اور تمام سیارے آسمانِ اول میں ــــ آسمانِ اول کے پیٹ میں واقع ہیں۔ اور ان سیاروں پر نوری آسمانِ اول احاطہ کئے ہے اسی طرح ہر آسمان ایک دوسرے پر احاطہ کئے ہے۔ ان آسمانوں میں ہر آسمان کی وسعت اپنے وجود میں سمائے ہوئے آسمان سے کئی گنا زیادہ ہے ــــ جیسے آسمان اول کی وسعت زمین سے لیکر۔ ناری فضائے آسمانی (سیاروں کی فضا) اور حقیقی نوری آسمان تک بے حساب میلوں ــــ نوری سالوں کی تعداد ہے۔ کیونکہ ہمارے قریبی سیاروں کے درمیان لاکھوں میل کا فاصلہ ہے ــــ ان سیاروں سے آگے بھی بے شمار سیارے پائے جاتے ہیں۔ جنکے درمیان ان سیاروں سے بھی زیادہ فاصلہ ہونا لازمی ہے۔ ان تمام

سیاروں ـــــ انکے فاصلوں کا مجموعہ آسمان نوری اول ہے ـــــ اور آسمان اول آسمان دوئم کے مرکز میں واقع ہے۔ اسلئے آسمان دوئم کی وسعت آسمان اول سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ اسی طرح ہر آسمان اپنے اندر سمائے ہوئے آسمانوں کے مقابلہ میں وسیع تر ہوگا ـــــ

اس بیان میں قرآنی آیات کی روشنی میں کائناتِ خلقت کی تمام تخلیق کا ایک حقیقی تصور پیش کیا گیا ـــــ جس میں خصوصی طور۔ عرش ـــــ کرسی اور سات آسمانوں کی تخلیق اور ترکیب وترتیب واضح کی گئی ـــــ اس سے ثابت ہوا ـــــ کہ زمین کے مقابلہ میں آسمان کے متعلق کوئی علیٰحدہ تصور نہیں۔ بلکہ زمین۔ اور تمام سیاروں ـــــ اور ان میں کی فضا کو مجموعی طور آسمان کہا جاتا ہے۔ اسکے بعد یہ تصور باقی نہیں رہا۔ کہ آسمان زمین کے اوپر ہے ـــــ یا یہ کہ زمین کے اوپر کی فضا حقیقی آسمان نوری ہے ـــــ یا یہ کہ یہ فضائے آسمانی۔ صرف حدنظر ہے ـــــ اور اس میں آسمان کا تصور نہیں ـــــ مختصراً یہ کہ جس فضا کو حدنظر تصور کر کے آسمان کی نفی کی جاتی ہے۔ یہ نظریہ غلط ہے ـــــ بلکہ یہ حدنظر فضا بھی آسمان تصور ہوتی ہے۔ لیکن اس تصور کی نوعیت علیٰحدہ ہے۔ کہ اس حدِ نظر میں سیارے واقع ہیں اسلئے یہ حدِ نظر فضا ناری فضائے آسمانی کہلاتی ہے ـــــ اور یہ جو نیلی فضا کو حقیقی آسمان تصور کیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ حقیقی آسمانِ نوری زمین سے لاتعداد نوری سالوں کی مسافت میں انتہائی دور واقع ہے۔ اسلئے اس نیلی فضائے آسمانی کو حقیقی آسمان نہیں تصور کیا جاسکتا ـــــ اور اب اس تفصیل کے بعد نفسِ مضمون کی طرف رجوع کیا جائے ـــــ کہ زمین سے قریب فضائے آسمانی۔ تنزلی حیثیت میں ـــــ ناری ہیئت کے مقابلہ میں آبی فضا یا خاکی فضا تصور کی جاتی ہے ـــــ اس فضا کا مرکب کیا ہے ـــــ؟ محققین مغرب نے اس آبی فضا کو جو زمین پر ہر جہت سے محیط ہے ایتھر کا نام دیا ہے ـــــ گویا ایتھر فضائے نوری (نوری قوت) کی مبدل ہیئت ناری قوت ہے ـــــ جو زمینِ ناری کی اصل قوت ہے ـــــ یعنی بشمول دیگر سیاروں کے زمین ناری سیارہ ہے۔ جسکی قوت ناری فضا یا ایتھر سے موسوم ہے ـــــ یہی ایتھر جوں جوں آسمان اول کی طرف ارتقا کیا جائے شدید ناری قوت اور شدید نوری قوت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسکا دوسرا تصور یہ ہے ـــــ کہ آسمانی نوری قوت (نور) ناری سیاروں کے مقام پر ناری قوت میں تبدیل ہوتی ہے۔ یہی قوت زمین پر ایتھری قوت کہلاتی ہے ـــــ زمین ناری کی یہی قوت روح ـــــ یا روح حیوانی

سے تعبیر ہے۔ گویا انسانی وجود بھی زمین کے ساتھ اس کائناتِ خلقت کی ایک جز ہے۔ جو زمین کا معلول ہے۔ اور زمین اسکی علت ہے۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ انسان روح و جسم کا مرقع ہے۔ ایک روح۔ دوسرا جسم ـــــ روح زمین ناری کی جوہری جز ہے۔ اور جسم زمین خاکی کا جوہری جز ـــــ لیکن انسان میں وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کی جز بھی شامل ہے۔ یہ روح مثل ملائکہ یکسر نوری جز ہے ـــــ اسکا وجود ابتدائی ہے ـــــ یہ روح ازلی ہے۔ اسکی علت نور ابتدائی ہے ـــــ اسی روح سے انسان ملائکہ سے بالاتر حیثیت و مقام پاتا ہے۔ اس روح کو نوری ایتھر سے بھی تعبیر دیا جاسکتا ہے۔ یہ تمثیلی نام ہے۔ روحِ رحمانی کا ـــــ یہ روح بھی مثل ملائکہ۔ قوتِ بصر۔ قوتِ سمع۔ قوت فہم اور حرکت و عمل کی حامل ہے ـــــ اس قوت کا تصور انسانی تخلیق سے تعلق رکھتا ہے کہ انسان کی جملہ خصوصیات اِسکے بنیادی وجود سے ہیں ـــــ جو صفت بنیادی وجود میں پائی جائے وہی اس کیفیت کی صفت ہوتی ہے۔ مثلاً دانہ میوے کا بنیادی وجود ہے ـــــ میوہ اور درخت کی صفت کا انحصار بیج پر ہے جو کیفیت بیج میں موجود ہو اسی صفت پر درخت پیدا ہوتا ہے۔ درخت میں تنا۔ شاخیں۔ پتے۔ پھول اور پھل پائے جاتے ہیں یہ سب کیفیتیں بیج میں پائی جاتی ہیں ـــــ مثلاً اگر بیج میں پتوں کا مادہ نہ ہو ـــــ تو درخت میں پتے پیدا نہ ہونگے ـــــ غرض بیج کے وجود کی پہچان درخت اور اسکی جملہ کیفیات سے کی جاتی ہے ـــــ اسی طرح روحِ حیوانی مثل بیج کے ہے۔ لطیف ہیئت میں اگرچہ اسکی شکل و صورت محسوس نہیں کی جاتی جیسے۔ دانہ کی شکل میں درخت محسوس نہیں کیا جاتا ـــــ لیکن درخت کا وجود خود دانہ کی شکل و صورت کی دلیل ہے ـــــ کہ دانہ ہی زمین سے خوراک حاصل کر کے درخت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ بجائے خود درخت کا اپنا کوئی وجود نہیں ـــــ اسی طرح روح اگرچہ لطیف حالت میں انسانی شکل میں محسوس نہیں ہوتی ـــــ لیکن انسانی شکل و صورت۔ روح کی شکل و صورت کی خود دلیل ہے۔ کہ بذاتِ خود انسانی وجود اپنی کوئی علیحدہ ہیئت نہیں رکھتا ـــــ جس میں روح کو الگ وجود سمجھا جائے۔ بلکہ یہ روح (ناری ذرہ یا مادۂ منویہ کا ذرہ) خود انسانی شکل و صورت کا ایک وجود ہے ـــــ جو زمین (یا غذا) سے اپنا وجود انسانی شکل و صورت میں بناتی ہے ـــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسانی ـــــ ادراک ـــــ سمع و بصر ـــــ اور فہم درحقیقت روح سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ کہ بجائے خود ـــــ انسانی شکل و صورت میں ـــــ روح ہی ـــــ بولتی ـــــ سنتی ـــــ دیکھتی ـــــ سمجھتی اور عمل کرتی ہے ـــــ یعنی انسانی وجود کا عمل روح کا عمل تصور ہوتا

ہے ـــــ اسی طرح روحِ رحمانی بہ اعتبار نور ایک مجسم وجود ہے ـــ جو انسانی شکل وصورت میں عالمِ مثال (باطن ـ عالمِ غیر جسمانی) میں مشاہدے میں آتی ہے ـــ اس روح کا عمل صرف ـ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ ـــ کی خصوصیت کے تابع ـ انسان کو اسماء کلھا کی آگاہی دینا ـــ

روح حیوانی جس طرح جسم کے ذرہ ذرہ میں سمائی ہے ـ اسی طرح روحِ رحمانی بھی ـــ روح حیوانی کے ساتھ جسم میں سمائی رہتی ہے ـــ البتہ ان دونوں روحوں کے ـــ انسانی جسم میں خصوصی مقام ہیں ـــ روحِ حیوانی کا جوہری مرکز دماغ ہے ـــ جہاں دماغ کی قوت سے اسکا ـ حواس سے آمدہ اطلاعات کو پانا ہوتا ہے ـــ کیونکہ تمام اطلاعات دماغ تک ہی پہنچتی ہیں ـــ اور روحِ رحمانی کا مرکز انسانی قلب ہے ـــ روح رحمانی آفاق ـــ آسمانوں ـــ اور آسمانوں سے ماوریٰ ـ کیفیات کا عکس حاصل کر کے ـــ مثل حواس کے دماغ تک پہنچا کر ـــ ان کیفیات کے علم سے آگاہ کرتی ہے ـــ اسکی ترکیب یہ ہے ـ کہ روحِ رحمانی میں اللہ تعالیٰ کی ذات تک تمام کیفیات نوری کا ادراک (مشاہدہ) کرنے کی قوت ہے ـ کیونکہ اس روح کی اصل رُوْحِیْ (نور ابتدائی) سے ہے ـــ یہ روح اپنی حیثیت وقوت کے اعتبار سے نور ابتدائی تک پہنچ سکتی ہے ـ اس ادراک کے دو طریقے ہیں ـــ ایک انسانی وجود میں رہ کر صرف اپنی قوتِ ادراک سے ہر مقام کا مشاہدہ (ادراک) کرنا جیسے ملائکہ آسمانوں میں رہ کر زمین کا مشاہدہ کر سکتے ہیں ـــ دوسرے بتدریج ـ عروج کر کے ہر مقام سے گزر کر کیفیت کا مشاہدہ کرنا ـــ یہ ایک خصوصی کیفیت ہے ـ جسکا مشاہدہ سے تعلق ہے ـــ

روح رحمانی کا مرکز ـــ انسانی وجود میں ـــ انسان کا قلب ہے ـــ اسی مقامِ قلب سے روح رحمانی ایتھری فضائے خاکی سے رابطہ پیدا کر کے کیفیات کا عکس حاصل کرتی ہے ـ بعینہٖ ـ جس طرح ریڈیو ـــ کا ٹرانسمیٹر (آلۂ صوت) فضائے ایتھری میں جذب ہوئی آواز ایک آن میں مشرق کی آواز مغرب میں سن لیتا ہے ـــ اور ٹیلی ویژن میں بھی یہی ایتھری قوت برسرِ عمل ہے ـــ جو ایک تصویر کا عکس حاصل کر کے ٹیلی ویژن کے پردہ پر لاتی ہے ـــ یہی نوعیت انسانی حواس کی ہے ـ کہ ایتھری قوت کے ذریعہ ہی زبان سے نکلی ہوئی آواز کان ـــ اور دماغ تک پہنچ جاتی ہے اور ایک تصویر کا عکس بغیر کسی ذریعہ کے ایتھری قوت کے ذریعہ ٹیلی ویژن پر آتا ہے ـــ یہی کیفیت مشاہدہ میں روحِ حیوانی کیلئے بھی ذریعہ

ہے ــــ اور روحِ رحمانی کیلئے بھی ذریعہ ہے ـــــ اور ہر اس طریق کا ذریعہ جس میں۔ ایک وجود کی ہیئت اور آواز مشرق سے لیکر مغرب تک منتقل ہوتی ہے۔ اس طریق میں۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن کیمرہ ـــــ میں یہی ایک قوت (ایثر) انتقالِ ہیئت اور آواز میں کام کرتی ہے۔ صرف ریڈیو۔ ٹیلی ویژن۔ کیمرہ کے آلات کا درست ہونا ضروری ہے ـــــ

اسی ایثری قوت سے روح رحمانی کا رابطہ ہو جاتا ہے۔ تو روحِ رحمانی کائنات کی ہر شے کا عکس حاصل کر لیتی ہے ـــــ یہ عکس قلب پر ہو بہو وارد ہوتا ہے ـــــ اور دل و دماغ کا رابطہ ہو کر۔ مثلِ آنکھ یہ عکس دماغ کے حصہ حرکت پر آ جاتا ہے ـــــ حصۂ حرکت سے واہمہ سے گزر کر حافظہ میں داخل ہوتا ہے یہ عکس حافظہ میں جمع ہو جاتا ہے۔ اسی جمع شدہ کیفیت پر انسانی علم کا انحصار ہے۔ جتنا اشیأ کی ہیئتیں ـــــ کیفیات۔ واقعات اور کتابوں سے حاصل کیا ہوا علم حافظہ میں جمع ہو۔ اتنا ہی ایک شخص عالم کہلاتا ہے۔ اگر سمع و بصر کے ذریعہ دنیوی نظام سے متعلق علم حاصل کیا ہو ـــــ تو یہ شخص۔ محقق ـــــ ڈاکٹر ـــــ مقرر۔ موجد۔ سائنسدان کہلاتا ہے ـــــ اگر باطنی علم کے متعلق۔ روحانی مشاہدہ کی قوت حاصل ہو۔ تو روح کے ذریعہ کیفیات اور مشاہدات اسی حافظہ میں جمع ہو جاتے ہیں ـــــ ایسا شخص عالم۔ صاحب مشاہدہ محقق تصور کیا جاتا ہے ـــــ اسکے بعد دنیوی نظام سے متعلق کیفیات جو ٹھوس مادی ہیئت میں اشیأ کا علم ہو تو۔ حافظہ سے یہ کیفیتیں عقل (حسِ مشترک) میں داخل ہوتی ہیں ـــــ تو ایک کیفیت یا علم سے آگاہی ہوتی ہے ـــــ اگر بغیر حواس۔ براہِ راست روح حیوانی سے کیفیات حاصل ہوں۔ تو یہ کیفیت حسِ مشترک کے دوسرے حصہ شعور میں داخل ہو کر کیفیات کی غیر جسمانی شکلیں۔ مجسم ہیئتوں میں محسوس ہوتی ہیں ـــــ اور اسی طرح روح رحمانی سے حاصل کردہ کیفیتِ نوری بھی قلب سے دماغ تک چلی جاتی ہے ـــــ دماغ میں حصہ حرکت سے گزر کر واہمہ تک پہنچتی ہے۔ واہمہ سے حافظہ میں داخل ہو کر حس مشترک کے حصہ شعور میں داخل ہوتی ہے ـــــ اس طرح کیفیات دو طرح مشاہدہ میں آتی ہیں۔ ایک ٹھوس مادی اشیأ کا ادراک حواس اور عقل سے ہوتا ہے۔ اور غیر مادی لطیف یا نوری کیفیات کا مشاہدہ یا تو براہ راست روح حیوانی سے ہوتا ہے۔ جس میں حواس اور ذہن کے باقی قوٰی (حصہ حرکت۔ واہمہ۔ حافظہ) سے کیفیت داخل نہیں ہوتی یا اس طرح بھی ہوتا ہے ـــــ کہ دماغی قوتوں۔ حصہ بصارت۔ حصہ

حرکت۔ واہمہ۔ حافظہ سے کیفیت گزر کر روح حیوانی شعور کے ذریعہ کیفیت کا مشاہدہ کرتی ہے ___ یہی طریق روحِ رحمانی کا بھی ہے۔ کہ روحِ رحمانی کے ذریعہ کیفیت قلب پر آ کر حصہ حرکت میں داخل ہوتی ہے ___ حصہ حرکت سے واہمہ میں ___ اور واہمہ سے حافظہ میں ___ اور حافظہ سے شعور میں داخل ہو کر نوری لطیف کیفیات کا احساس دلاتی ہے ___ جیسا کہ بیان کیا گیا ___ جسمانی طور کیفیات کے مشاہدہ (آنکھ۔ کان۔ مس وغیرہ سے) کا واحد ذریعہ فضا کی ایثری قوت ہی ہے۔ اور حواس سے دماغ تک کیفیات کے نقوش پہنچنے کا ذریعہ بھی ایثری قوت ہے۔ انسانی قوتِ لامسہ میں بھی یہی ایثری ذریعہ پاؤں کے انگوٹھے سے دماغ تک مس کا اثر ایک آن میں پہنچنے کا ذریعہ بھی ایثری قوت ہے ___ یہ ایک برقی قوت ہے ___ جو انگوٹھے پر مس (چھونے) کی کیفیت کو بغیر کسی وقت اور وقفہ کے عقل تک پہنچاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ اِس برقی انتقال میں ___ انگوٹھے سے دماغ تک کیفیت پہنچنے کا ذریعہ ایثری قوت ہے۔ یہ قوت خون کی شریانوں میں پائی جاتی ہے ___ تو ثابت ہوا۔ کہ انسانی خون اور مادۂ منویہ میں اصل جوہر یہی ایثری قوت ہے۔ اصل جوہر ہی روح کہلاتا ہے ___ یہی روح انسان کے ذرہ ذرہ میں سمائی ہے ___ اور یہی روح ___ یا ایثری قوت زمین پر احاطہ کئے ہے ___ یہی روح یا ایثری قوت ناری فضائے آسمانی میں پائی جاتی ہے ___ یہی روح ایثری قوت آسمانِ نوری میں۔ نوری ہیئت اختیار کرتی ہے ___ یہی نوری ایثری قوت۔ نوری فضائے آسمانی کہلاتی ہے۔ اس کا دوسرا رخ یہ ہے۔ کہ نوری فضائے آسمانی ___ یا آسمان ایک نوری فضا ہے ___ جسکی ہیئت ظاہری حواس سے دیکھی نہیں جا سکتی ___ یہی نوری فضا ___ ناری سیاروں کے مقام پر ناری فضا بن جاتی ہے ___ یہی ناری فضا ایثری شکل میں زمین پر موجود ہے ___ اور انسانی ایثری قوت اور ناری ایثری قوت۔ ایک ہی وجودی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلئے جہاں تک ناری فضا واقع ہے۔ انسان اس ناری فضا کو اپنی ناری ایثری قوت سے آسانی سے مشاہدہ کر سکتا ہے ___ چونکہ آسمانوں میں فضا نوری ہے۔ اسلئے ناری وجود ___ ایثری قوت نہ نور میں سما سکتی ہے۔ نہ اسکا احاطہ کر سکتی ہے ___ اسلئے ضرورت ہے۔ کہ انسانی وجود میں نوری ایثری قوت پائی جائے۔ جس سے نوری فضائے آسمانی کا ادراک ہو سکے۔ اسکے لئے انسان میں روح رحمانی ہے ___ جو بمنزلہ نوری ایثری قوت کے ہے۔ لیکن یہ ایثری قوت نوری فضائے آسمانی کی نوری قوت

جیسی نہیں ۔ بلکہ اس قوت سے عظیم تر قوت ہے ۔ کیونکہ اس قوت سے اللہ کی ذات تک تمام مقامات علیا (اعلٰی) کا ادراک کرنا ہے ـــ سو ـــ روح رحمانی کے ذریعہ مقامات اعلٰی کا مشاہدہ بھی اسی طرح ہے جسطرح روح حیوانی فضائے خاکی یا ناری کی ایثری قوت سے رابطہ قائم کر کے ناری کیفیتوں کا مشاہدہ کرتی ہے ۔ اسی طرح نوری قوت ایثری (انسانی) یعنی روحِ رحمانی ـــ نوری مقاماتِ علیا کی نوری فضا کے ذریعہ ـــ رابطہ کر کے ان کیفیاتِ نوری کا مشاہدہ کرتی ہے ۔ اس مشاہدہ کا طریقہ یہ ۔ کہ روح رحمانی ایک طرف نوری مقامات علیا (بالا) سے رابطہ پیدا کرتی ہے ۔ یعنی ان کیفیات کا عکس حاصل کرتی ہے ۔ دوسری طرف ۔ انسانی قلب اس روح کا مرکز ہے ـــ یہاں سے (یعنی قلب سے) دماغ میں روحِ حیوانی سے اسکا رابطہ ہوتا ہے ۔ اسطرح جو عکس روح رحمانی پر وارد ہوتا ہے ۔ اسی وقت یہ عکس دماغ میں روحِ حیوانی پر پڑتا ہے ۔ روح رحمانی ۔ شعور سے اس کیفیت کا مشاہدہ کرتی ہے ۔ جسے انسان کا عالم بالا ـــ یا تا ذاتِ الٰہی جملہ مقاماتِ نوری کا مشاہدہ کرنا تصور کیا جاتا ہے ـــ اس مشاہدہ کو ۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــ اور تصور ذاتِ الٰہی سے تعبیر دیا جاتا ہے ۔ یعنی آسمانِ نوری ۔ اول یا آسمانِ دنیا سے جس طرح آسمان ہفتم (ساتواں آسمان) تک نوری فضائیں ۔ طبقاً عن طبق ۔ ایک دوسرے کے اوپر دائرے کی شکل میں احاطہ کئے ہیں ۔ اسی طرح کرسی ۔ عرش بھی آسمانوں سے اوپر ـــ سات آسمانوں پر طبقاً عن طبق احاطہ کئے ہیں ۔ عرش سے اوپر بھی کئی نوری مقام تا نورِ ابتدائی واقع ہیں ۔ انہیں مقامات کو اسرارِ الٰہی سے تعبیر دیا جاتا ہے ۔ یہی اسرار الٰہی ۔ اسماء کلھا میں شامل ہیں ـــ انہیں اسماء کی آگاہی و علم ـــ علم نبوت سے تعبیر ہے ۔ اسی علم کے عالم کو نبی سے موسوم کیا جاتا ہے ـــ اب یہ جاننا ضروری ہے ۔ کہ انسان ان مقامات کا مشاہدہ کس طرح کرتا ہے ـــ

پیشتر بیان ہو چکا کہ انسان میں ۔ جسمانی ـــ اور غیر جسمانی کیفیتوں کا مشاہدہ کرنے کیلئے اللہ تعالٰی نے ہر قسم کی قوت بخشی ہے ۔ ان میں اول حواسِ خمسہ ـــ دوسرا ذہن (دماغ) یا روح حیوانی ۔ تیسرا قلب یا روح رحمانی ـــ اب یہ جاننا ضروری ہے ۔ کہ ان قوتوں سے کیسے مشاہدہ کیا جاتا ہے ۔

پیشتر بیان ہو چکا ہے ـــ اشیاء کی کیفیت و ہیئت کا عکس ـــ اشیاء کے وجود سے لیکر حواس (آنکھ ۔ کان ۔ ناک ۔ زبان ۔ مس) تک ـــ اور حواس سے ذہن (عقل) تک ۔ پہنچنے میں ـــ

اصل قوت ــــ ایثری قوت کام کرتی ہے ــ یہ قوت فضا میں بھی پائی جاتی ہے ــــ حواس بھی اسی ایثری قوت سے۔ اشیأ کی ہیئت کا عکس جذب (حاصل) کرتے ہیں ــــ اور حواس سے عقل تک یہی ایثری قوت پائی جاتی ہے ــــ جو عقل تک کیفیات کے وجود کا عکس پہنچاتی ہے ــــ یہی قوت انسانی جسم کے ذرے ذرے میں پائی جاتی ہے ــــ یہی ایثری قوت ــــ قوت لامسہ (مس) میں ــ ایک چھونے والے اثر کو دماغ تک پہنچاتی ہے ــــ اور یہ ایثری قوت دماغ کے حصہ میں ــ قوی ــ لطیف ہیئت میں پائی جاتی ہے ــــ اور دماغ میں ــ عقل یا شعور ــــ واہمہ۔ حافظہ (وغیرہ) میں یہی ایثری قوت بجائے خود کیفیت کی پہچان کرتی ہے ــــ اس ایثری قوت کو روحِ حیوانی سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ یہی ایثری قوت ہے۔ جس سے انسانی زندگی قائم ہے ــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایثری قوت۔ ایک روح ہے ــــ جس سے انسانی زندگی قائم ہے ــــ اور یہی روح ہے۔ جس سے کسی شے کے علم کی آگاہی ہوتی ہے ــــ یہی عمل ہے جس سے۔ حواس و عقل سے علم اور آگاہی کی تکمیل ہوتی ہے ــــ اسی علم کی آگاہی کو مشاہدہ ظاہری سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ

یہ امر ثابت ہے۔ کہ انسانی وجود میں۔ اسکے حرکت و عمل اور علم کا انحصار ــــ روح (روحِ حیوانی) پر ہی ہے ــــ اس عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے ــــ کہ جس طرح حواس ــــ آنکھ ــــ کان ــــ وغیرہ میں ان قویٰ کی حیثیت ایک آلہ کی سی ہے ــــ اسی طرح روح و جسم میں ــــ جسم ایک ڈھانچہ ہے۔ جو ایک آلہ کی حیثیت رکھتا ہے ــــ اصل حرکت و عمل ــــ اور علم بجائے خود روح (روحِ حیوانی) ہی سے پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں اور روح ہی خود مشاہدہ کرتی ہے ــــ روح کی اپنی ایک علیٰحدہ حیثیت ہے ــــ اور ایک لطیف روحانی وجود رکھتی ہے ــــ یہ وجود بذاتِ خود محسوس نہیں ہوتا ــــ کیونکہ یہ لطیف (غیر جسمانی) وجود ہے ــــ اسلئے اسکا کوئی علیٰحدہ وجود محسوس نہیں کیا جا سکتا ــــ لیکن جہاں تک انسانی حرکت و عمل ــــ اور علم کی آگاہی کا تعلق ہے ــــ اس روح کو ایک وجود تصور کیا جاتا ہے ــــ روحانی اعتبار سے۔ یہ روح بغیر کسی روکاوٹ کے ہر کیفیت کا مشاہدہ کر سکتی ہے ــــ اس کیفیت کو اس وجہ سے محسوس نہیں کیا جاتا۔ کہ انسانی مشاہدہ میں ــ آنکھ۔ کان وغیرہ سے دیکھنے ــــ سننے کا عمل ہوتا ہے ــــ تو یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ آنکھ ہی دیکھتی ہے۔ کان ہی سنتے ہیں ــــ اور دماغ (دماغ کا گودا) ہی آگاہ ہوتا

ہے۔لیکن ایسا نہیں ۔ بلکہ ان قوتوں میں علم و مشاہدہ کی تکمیل روح (ایثر) سے ہوتی ہے ــــ چونکہ روح لطیف وجود ہے۔اسلئے روح اپنی ہیئت کے اعتبار سے ــــ دور ــــ نزدیک ــــ محسوس (ٹھوس) غیر محسوس (لطیف) کیفیتوں کا احساس وعلم اور مشاہدہ کرسکتی ہے ــــ یہی غیر محسوس حالت میں روح کا مشاہدہ کرنا ــــ روحِ حیوانی کا روحانی مشاہدہ تصور کیا جاتا ہے ــــ یعنی روحِ حیوانی ــــ بغیر آنکھ۔کان کی مدد کے ــــ دوروںزدیک۔ظاہر ــــ اور چھپی کیفیتوں کا احاطہ کرلیتی ہے ــــ مثال کے طور ــــ انسان آنکھ بند کر کے اپنی جگہ سے ہزاروں میل دور کیفیت کا روح کے ذریعہ احاطہ کرسکتا ہے ــــ وہ اس طرح کہ روحِ حیوانی ــــ جبکہ اس کا مرکز دماغ (عقل وشعور) ہے ــــ یہی دماغی روح ــــ زمین کی ایثری فضا سے رابطہ رکھتی ہے ــــ اور جو کیفیت اس ایثری فضا میں جذب ہوجائے ــــ فوراً اس کا عکس براہ راست دماغ کی روح پر آکر اسی طرح محسوس ہوتا ہے۔جس طرح آنکھ سے دیکھی ہوئی کیفیت ــــ حصہ بصارت ــــ واہمہ ــــ حافظہ سے گزر کر عقل یا شعور میں داخل ہوکر ــــ روح محسوس کرتی ہے ــــ چونکہ دور مقام کی کیفیت کا وجود۔حواس کے احاطہ میں نہیں آتا ــــ اس مقام پر فضائے زمینی کی ایثری قوت اسی طرح کام کرتی ہے ــــ جسطرح ایک کیفیت کے وجود سے لیکر آنکھ تک ــــ اور آنکھ سے لیکر دماغ تک کیفیت کے انتقال میں کام کرتی ہے۔فرق دونوں کیفیتوں میں کچھ نہیں ــــ آنکھ کے ذریعہ کیفیت کے حاصل ہونے میں بھی ایثری قوت کا سلسلہ ایک کیفیت کے وجود سے دماغ تک برابر جاری رہتا ہے ــــ اسی طرح ہزاروں میل دور ایک وجود کی ہیئت کا عکس ایثری لہروں میں انتقال کرتا براہ راست دماغ میں داخل ہوتا ہے۔وہ اس لئے کہ روح بغیر کسی رکاوٹ ــــ اور درمیانی کسی کیفیت کے حائل ہونے سے مشاہدہ میں مجبور نہیں ہوتی ــــ اسلئے روح ہر کیفیت کا بغیر حواس بھی مشاہدہ کرلیتی ہے۔البتہ اس مشاہدہ میں فرق صرف اتنا ہے۔کہ ٹھوس مادی کیفیات کا مشاہدہ عقل سے ہوتا ہے ــــ اور لطیف۔غیر جسمانی کیفیات کا مشاہدہ شعور سے ہوتا ہے ــــ (اسکی تفصیل آگے آئیگی) ــــ یہ روحانی مشاہدہ کہلاتا ہے ــــ اسی طرح اگر ایک کیفیت زمین کے اندر ہزاروں میل نیچے ہو ــــ تو چونکہ زمین کی مٹی بھی ــــ زندہ ذرات کا مجموعہ ہے۔ان ذرات میں بھی ایثری قوت پائی جاتی ہے ــــ اسلئے ــــ ہزاروں میل زمین کے نیچے تک ایثری قوت موجود ہے ــــ اسی قوت کے رابطہ سے۔روحِ حیوانی

زمین کے اندر کی اشیأ کا احاطہ کرلیتی ہے ـــ اس سے ماسویٰ ـــ جہاں انسان کی آنکھ کام نہیں کرتی ـــ وہ انسانی حدِ نظر ہے ـــ حدِ نظر سے آگے بھی ایثری قوت کا وجود موجود ہے ـــ یہ ایثری قوت فضائے آسمانی میں۔ جہاں تک ناری سیاروں کا وجود ہے ـــ ناری ایثری قوت کہلاتی ہے ـــ چونکہ روح حیوانی بھی ناری ایثری قوت ہے۔ اسلئے یہ روح ـــ جہاں تک ناری سیاروں ـــ یا ناری فضائے آسمانی کا وجود پایا جاتا ہے۔ وہاں تک ایثری قوت سے رابطہ کرکے ان تمام ناری سیاروں کا احاطہ کرکے انکا مشاہدہ کرسکتی ہے۔ یہ مشاہدہ بھی ـــ روحانی مشاہدہ سے تعبیر ہے۔ کیونکہ ان مقامات تک حواس کے ذریعہ کیفیتوں کا احاطہ نہیں کیا جاتا ـــ ناری فضائے آسمانی سے آگے ـــ ناری فضائے آسمانی نوری ہیئت اختیار کرکے نوری فضائے آسمانی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ چونکہ روحِ حیوانی ـــ ناری ہیئت ہے ـــ اسلئے بذاتِ خود نوری کیفیات کا احاطہ نہیں کرسکتی ـــ جب تک کہ نوری فضائے آسمانی کی کیفیات کا احاطہ کرنے کیلئے۔ ایک نوری روح کی مدد حاصل نہ ہو ـــ اس ادراک و مشاہدہ کیلئے انسان میں روحِ رحمانی ودیعت کی گئی ہے۔ جس کی وسعت کائناتِ خلقت کی تمام نوریٰ فضاؤں ـــ نوری کیفیتوں تک۔ تا ذاتِ الٰہی ـــ پائی جاتی ہے ـــ

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ میں روحی (اپنی روح) میں ایک وسیع وعظیم تصور ہے ـــ کہ یہ روح خالص نوری روح ہے ـــ اور اسکی اصل ـــ بنیاد ـــ ابتدائی روح (نور) سے ہے۔ اسلئے اس روح کی رسائی اپنی اصل تک ہوتی ہے ـــ اسی روح کی مدد سے روح حیوانی ـــ آسمان نوری۔ کرسی۔ عرش ـــ عرش سے اوپر نورانی کیفیات۔ نورانی عالم ـــ اللہ تعالیٰ کے نور تک کا مشاہدہ حاصل کرتی ہے ـــ

کائناتِ ارض وسماوات میں ـــ جہاں تک تحقیق و مشاہدہ کا تعلق ہے ـــ انسان قریبی کیفیات تک ہی تحقیق میں عبور حاصل کرسکتا ہے ـــ انسان سے قریبی کیفیات ـــ زمین ـــ اور حدِ نظر میں آنے والے سیارے ہیں ـــ انہیں قریبی کیفیات کو اَلدُّنْیَا کہا جاتا ہے ـــ دنیا کے معنی قریبی کیفیات ہے۔ ان کیفیات سے ـــ ماسویٰ ـــ ماوریٰ۔ کیفیات۔ آسمان تک کی تحقیق انسانی عقل سے باہر ہے ـــ لہذا۔ انسان یہ سمجھنے سے قاصر ہے ـــ کہ دنیا سے ماسویٰ کیفیات کی پیدائش کیسے ہوئی

۔ ان کیفیات کا مرکب کیا ہے ۔۔۔ انکی تخلیقی ترکیب کیا ہے ۔۔۔ جہاں تک دنیا ۔۔۔ یعنی زمین اور سیاروں کی تحقیق کا تعلق ہے ۔۔۔ یہ سیارے بھی انسانی درک و عقل کے احاطہ سے دور ہیں ۔۔۔ ابھی تک انسانی عقل ان سیارون کی ابتدائی تخلیق (پیدائش) اور انکے مرکب کی تحقیق میں عبور حاصل نہ کرسکی ۔۔۔ لہٰذا ماسوئی دنیا ۔۔۔ آسمان اور عالمِ بالا کی نورانی کیفیتوں کی تحقیق انسانی حواس و عقل سے قطعی ناممکن ہے ۔۔۔ اور جب ان کیفیات کی تحقیق میں انسانی عقل بے بس ہے ۔۔۔ تو پھر ان کیفیات کے وجود کے متعلق انسان جو بھی تصور پیش کرے ۔۔۔ وہ حقیقی اور یقینی نہیں ہوسکتا ۔۔۔! اور یہ چیز انسانی علم سے باہر ہے کہ سات آسمانوں۔ کرسی۔ عرش سے ماورئ کیا کیفیتیں پائی جاتی ہیں ۔۔۔ البتہ اس سلسلہ میں ایک ابتداً ۔۔۔ اور ایک انتہا کا موہوم تعین ہوسکتا ہے ۔۔۔ وہ یہ کہ اس کائنات کی خلقت کی ابتداً کیسے ہوئی ۔۔۔ اور اس کی انتہا کہاں پر ہوتی ہے ۔۔۔

انسانی عقل چونکہ اپنے قریبی ماحول پر تحقیق کرسکتی ہے۔ اسلئے اس کائنات کی ابتداً و انتہا کے تعین پر قریبی کیفیت سے ہی۔ تحقیق کی ابتداً ہوتی ہے ۔۔۔ یہ ابتداً اَلْاَرْضْ سے ہوتی ہے ۔۔۔ زمین پر قدیم الایام سے مختلف قوموں میں ۔۔۔ اکثر محققین نے عقلی تحقیق کی ہے ۔۔۔ جس مین مختلف محققین نے زمین سے متعلق مختلف ۔۔۔ اور اکثر متضاد نظریات پیش کیے ہیں ۔۔۔ وہ یہ کہ ابتداً میں زمین ایک کرۂ ناری تھی ۔۔۔ دوسرا ۔۔۔ قدیم محققین نے زمین کو ساکن اور زمین کی مسطح چپٹی ہیئت کا نظریہ پیش کیا مگر متاخرین محققین نے اس نظریہ کو رد کردیا ۔۔۔ اور یہ نظریہ پیش کیا ۔۔۔ کہ زمین متحرک ہے ۔۔۔ اور بیضوی شکل میں گول ہے ۔۔۔ بعض محققین نے اسکی ابتدائی پیدائش کے نظریہ میں ۔۔۔ یہ نظریہ پیش کیا۔ کہ زمین سورج سے نکلی ہے ۔۔۔ بعض نے یہ نظریہ پیش کیا۔ کہ زمین کسی اور وجود سے پیدا ہوئی ۔۔۔ اسکے علاوہ۔ خود زمین کی خاکی ہیئت پر بھی محققین نے مختلف نظریات پیش کیے ۔۔۔ جن میں محققین مغرب کے نظریات۔ اور تجربات ۔۔۔ عینی مشاہدہ کے ساتھ یقینی حد تک درست ثابت ہوتے ہیں ۔۔۔ جنہین رد کرنے کی گنجائش نہیں ۔[1]

---

[1] البتہ تخلیق انسانی ۔۔۔ اور اسکی ابتداً میں محققین مغرب میں ماہرینِ ارضیات نے چند ایسے نظریات (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تاہم یہ مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ زمین کائناتِ خلقت کی آخری پیدائش ہے ___ یعنی زمین کی ذاتی ہیئتِ خاکی اس امر کی شاہد ہے ___ کہ اس کائنات کے مادّے میں ___ خاکی مادّہ آخری تنزلی ہیئت ہے۔ خاکی مادّہ کے بعد کسی اور مادے یا ہیئت کا وجود ثابت نہیں ___ یہی زمین کائناتِ خلقت کی انتہا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پیش کیے ہیں ___ جو عینی مشاہدہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ ایسے تجربات فطری تخلیق کے اعتبار سے ___ غلط اور مبالغہ آمیز ہیں ___ جیسے انسان کی ابتدا میں ایک سے زائد آدم بتائے گئے۔ جن سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا ___ جیسے آدم پلٹ ڈاون [1]۔ آدم جاوا [2]۔ آدم نے انڈرتھال [3]۔ آدم کرومیگنن [4]۔ وغیرہ۔

مغربی ماہرینِ ارضیات نے زمین کی کھدائی میں چند ڈھانچے ہڈیوں کے دریافت کیے ہیں۔ جو وسطی ایشیا۔ افریقہ۔ مصر۔ جرمنی۔ فرانس۔ انگلینڈ اور دیگر ممالک میں زمین کی کھدائی میں ملے ہیں ___ ماہرین کا خیال ہے۔ کہ یہ ڈھانچے آج سے پانچ لاکھ سال۔ سات لاکھ سال پرانے ہیں۔ ان ہڈیوں پر کیمیائی ترکیب سے مصنوعی گوشت لگا کر ایک انسانی شکل بنائی گئی۔ ماہرین کا خیال ہے۔ کہ یہ زمانہ قدیم کے حیوانی ڈھانچے ہیں۔ جو انسانی جسم سے مشابہت رکھتے ہیں۔ انہیں حیوانوں کی نسل سے انسان بنے ہیں ___ ان میں بعض نسلیں معدوم ہو چکی ہیں۔ آدم پلٹ ڈاون کی کھوپڑی انگلستان کے ایک مقام پلٹ ڈاون سے کھدائی میں ملی ہے۔ اس پر کیمیاوی مصالحہ چڑھا کر انسانی شکل بنائی گئی۔ اور اس شکل کو آدم سے تشبیہ دیکر آدم پلٹ ڈاون کہا گیا۔ یہ کھوپڑی چار لاکھ سال قبل کی بتائی جاتی ہے۔ آدم جاوا ___ یہ کھوپڑی جزیرہ جاوا کی کھدائی سے ملی ہے۔ یہ کھوپڑی پانچ لاکھ سال قبل کی بتائی جاتی ہے۔ اسے آدم جاوا کہا گیا۔ آدم نے انڈرتھال ___ یہ کھوپڑی جرمنی کے ایک مقام نے انڈرتھال میں ملی ہے ___ اسلئے اسے آدمِ نے انڈرتھال کہا جاتا رہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے۔ کہ اس قسم کے انسان آج سے سات لاکھ سال قبل پائے جاتے تھے یہ نسل معدوم ہو چکی ہے ___ آدمِ کرومیگنن ___ یہ کھوپڑی فرانس کے ایک گاؤں کرومیگنن سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ کھوپڑی آج سے پانچ لاکھ سال قبل کی بتائی جاتی ہے ___ ماہرینِ ارضیات کا خیال ہے ___ کہ موجودہ نسلِ انسانی اسی آدم کی اولاد ہے ___

دراصل یہ ڈھانچے انسانی جسم کے ہیں ___ چونکہ ماہرین ارض ابھی تک زمین کی ابتدائی پیدائش اور انسان کی ابتدائی پیدائش کا نہ صحیح اندازہ کر سکے۔ نہ مدت کا تعین کر سکے ہیں ___ اسلئے انکی تحقیق سطحی قیاس پر مبنی ہے۔ جو درست نہیں ہو سکتی دراصل محققین مغرب کا آدم سے متعلق نئے نظریات پیدا کرنا اسی غرض سے ہے۔ کہ وہ قرآنی نظریہ حیات کی رد و تکذیب کر سکیں مگر دنیا کی کوئی طاقت اس ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ برعکس اسکے دنیا کو ایسی تحقیقات میں قرآن سے ناسوئی۔ کسی علم سے کائنات کی تحقیق کیلئے حقیقی مواد حاصل نہیں ہو سکتا ___ اور پیدائش کے متعلق قرآن نے جو نظریات پیش کیے ہیں۔ کوئی بھی ایسے نظریات کو جھٹلا نہیں سکتا ___

کہلاتی ہے ـــــ اب اسی انتہا پر تحقیق کی ابتدأ کی جائے ـــــ اور تحقیق کو ابتدأ کی طرف لایا جائے ـــــ تو یہ امر ثابت شدہ ہے۔ کہ زمین ایک سیارہ ہے اور یہ زمین سورج سے نکلی ہے ـــــ اس امر کا بین ثبوت یہ ہے۔ کہ ہر سیارہ اس ناری فضائے آسمانی میں معلق ہے ـــــ اور ہر سیارہ ایثری فضا کے احاطہ میں معلق ہے ـــــ ایثری قوت میں ـــــ برقی ـــــ مقناطیسی قوت پائی جاتی ہے ـــــ بجائے خود زمین میں بھی ایثری قوت پائی جاتی ہے ـــــ یعنی زمین کی مٹی بجائے خود ذرات کا مجموعہ ہے۔ ہر ذرہ میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں ـــــ کیونکہ زمین کے وجود سے نباتات۔ جمادات۔ حیوانات کا مسلسل ظہور جاری ہے۔ ان اشیأ میں بھی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں ـــــ اور ہر زندگی ایثری قوت کی حامل ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ زمین میں بھی ایثری قوت پائی جاتی ہے ـــــ بہ الفاظ دگر ـــــ زمین میں برقی۔ مقناطیسی قوت پائی جاتی ہے ـــــ زمین ایک سیارہ کی حیثیت رکھتی ہے ـــــ تو لازمی ہے۔ کہ ہر سیارے میں۔ جبکہ ہر سیارے کی ہیئت ناری (ایثری) ہے۔ اس میں برقی قوت اور مقناطیسی قوت کا پایا جانا ضروری ہے ـــــ مقناطیسی قوت میں کشش کی قوت ہوتی ہے لہذا ہر سیارہ اپنی مقناطیسی قوت کے اعتبار سے کسی دوسرے وجود سے منسلک ہے ـــــ زمین کی کشش سے زمین میں حرکت و گردش پائی جاتی ہے ـــــ یہ گردش فطری اصول ـــــ اور اصولِ تخلیق (پیدائش) کے تحت ہے ـــــ زمین پر فضا ـــــ دن اور رات میں تبدیل ہوتی ہے ـــــ دن اور رات کی تبدیلی سورج سے تعلق رکھتی ہے ـــــ سورج زمین کے مقابلہ میں ـــــ جسمانی وسعت (طول و عرض) ـــــ تپش ـــــ روشنی زیادہ رکھتا ہے ـــــ اسلئے فطری تخلیق کے تابع زمین اپنی مقناطیسی کشش کے لحاظ سے۔ سورج کی کشش سے رابطہ رکھتی ہے ـــــ اور اس کشش کا فطری تقاضا ہے۔ کہ زمین ـــــ سورج کی کشش میں مقید گردش کرے ـــــ اس گردش کی ترکیب یہ ہے۔ کہ جب زمین ـــــ سورج کی ایک جز کی حیثیت میں ـــــ سورج سے علیٰحدہ ہوئی ـــــ تو اس مقام پر جہاں فضا میں زمین واقع ہے ـــــ سورج کی کشش کی گرفت میں گردش کرنے لگی ـــــ یہ امر طے شدہ ہے کہ زمین سورج کے پہلو میں متوازی رخ پر واقع ہے ـــــ یا سورج زمین کے پہلو میں متوازی رخ پر واقع ہے۔ لہذا زمین کی گردش ـــــ سورج کے گرد دائرے کی شکل میں نہیں ـــــ نہ ہی سورج زمین کے گرد دائرے کی شکل میں گردش کرتا ہے ـــــ بلکہ زمین اپنی جگہ ایک معین دائرے میں

گردش کرتی ہے۔قرآن نے گردش سیارگان کا ایک خاص تصور پیش کیا۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِO لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَO (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۶ آیت ۳۹ تا ۴۰) فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ـــ اشارہ ہے تمام سیاروں کی طرف۔جس میں سورج۔چاند۔زمین شامل ہیں۔مفسرین نے فَلَكٍ کے معنی چکی کے کئے ہیں۔یعنی ایک گول دائرہ کی فضا جس میں چکی کے مانند درمیان میں ایک لکڑی کی کھونٹی ہوتی ہے۔جسکے ذریعہ چکی گول دائرہ کی شکل میں گردش کرتی ہے ـــ اسکا مطلب یہ ہوا۔کہ ہر سیارہ گول دائرہ کی شکل میں اپنے مرکز کے گرد چکر لگاتا ہے۔اسکا تمثیلی خاکہ

ایک گردش (محوری گردش)

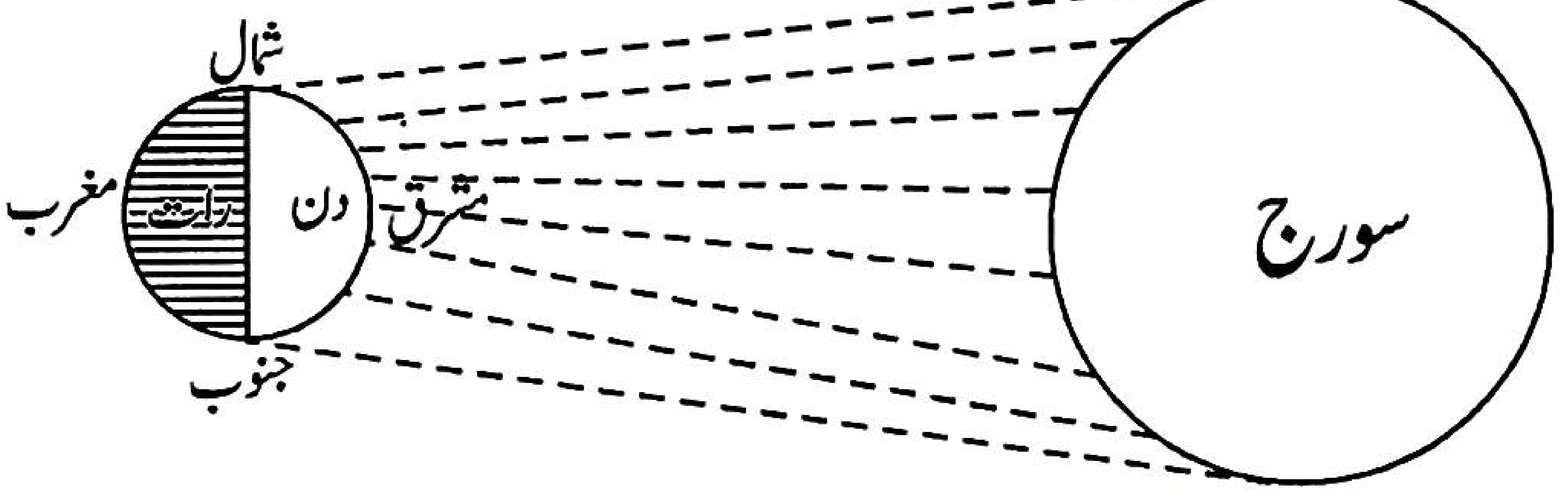

اس گردش میں زمین ایک لٹو کی طرح گردش کرتی ہے۔جس میں سورج کی شعاع زمین کے سامنے کے حصہ پر پڑ کر دن اور رات بناتی ہے۔زمین کا اپنے آپکو دائرے کی شکل میں گردش کرنا فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ سے تعبیر ہے۔

دوسری گردش (دوری گردش)

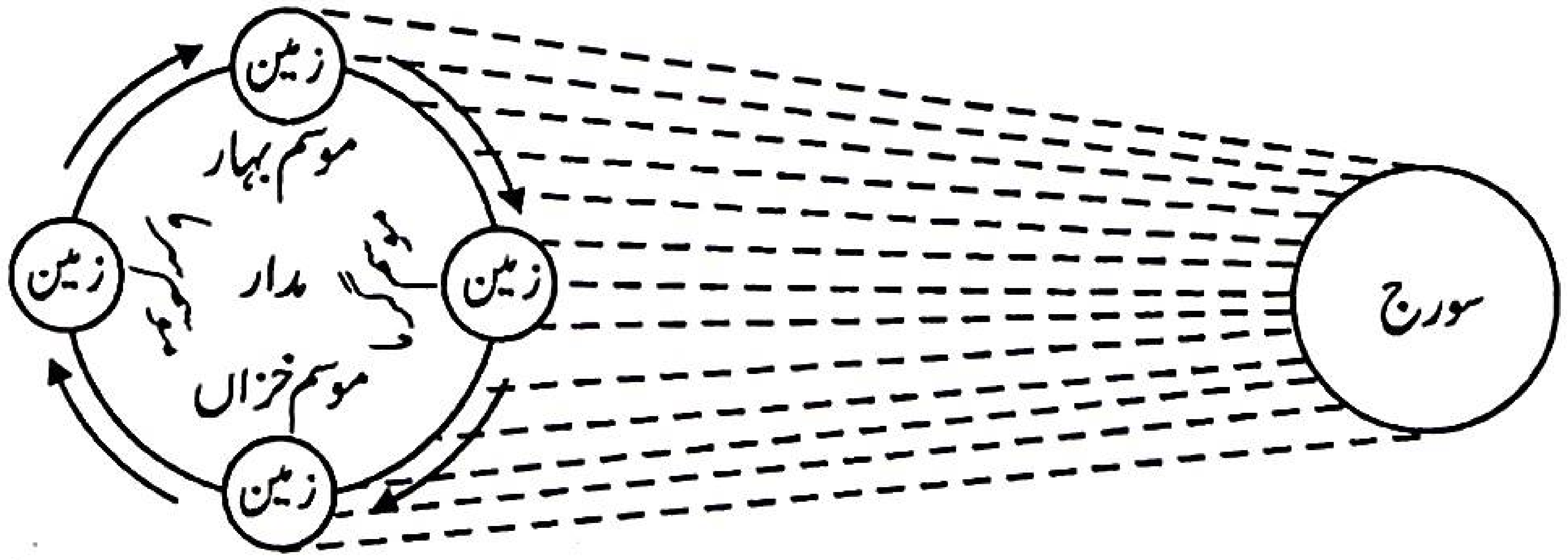

اس گردش میں زمین کی گردش کا دائرہ وسیع ہے۔ جس میں زمین کبھی سورج کے نزدیک اور کبھی دور ہو کر چار موسم بناتی ہے۔

اس تمام مقناطیسی ـــ اور گردش کی ترکیب سے یہ ثابت ہوتا ہے ـــ کہ زمین کی ابتدأ سورج سے ہوتی ہے۔ چونکہ زمین میں مقناطیسی قوت اور کشش پائی جاتی ہے ـــ اور زمین بھی ایک سیارہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر سیارہ میں مقناطیسی قوت اور کشش پائی جاتی ہے ـــ اس قوت کا تقاضا ہے۔ کہ ہر سیارہ ـــ ایک دوسرے سیارے کی کشش سے منسلک فضا میں معلق گردش کر رہا ہے ـــ اور ہر سیارہ اسی سیارہ سے نکلا ہے۔ جس کے گرد وہ گردش کرتا ہے ـــ سورج بذات خود ـــ مستقل وجود نہیں ـــ بلکہ سیارہ ہے۔ اسلئے ضروری ہے۔ کہ یہ بھی کسی سیارے کی مقناطیسی کشش میں مقید گردش کرتا ہے ـــ اور خود کسی سیارے سے نکلا ہے ـــ غرض جہاں تک ان سیاروں کا تعلق ہے۔ جو ناری فضائے آسمانی میں معلق گردش کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک سیارے سے کئی سیارے نکلے ہوئے گردش کر رہے ہیں ـــ ان تمام ناری سیاروں کی گردش اور پیدائش کا سلسلہ اسی طریقہ پر جاری ہے ـــ اور یہ سلسلہ اس حد تک قائم ہے۔ جہاں تک ناری فضائے آسمانی اور ناری سیارے ـــ نوری فضائے آسمانی تک پہنچتے ہیں ـــ اور نوری فضائے آسمانی کے سیارے نوری فضا کی پیدائش ہیں ـــ کیونکہ یہ تمام سیارے آسمان دنیا کے سیارے ہیں ـــ اسلئے انکا وجود بھی آسمان دنیا یا آسمان اول سے بنا ہے ـــ اس کیفیت کو قرآن نے واضح الفاظ میں بیان کیا ـــ

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۔ البتہ سجایا ہم نے آسمانِ دنیا (قریبی آسمان) کو چراغوں (سیاروں) سے ـــ اور دوسری جگہ آسمانِ اول سے سیاروں کی پیدائش کے متعلق قرآن نے ایک واضح بیان پیش کیا۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔ کیا نہیں دیکھا ان کافروں نے ـــ یہ کہ آسمان اور زمین اپنی ابتدأ میں ملے ہوئے (یکجان یا ایک جز) تھے۔ پھر ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا ـــ اور بنایا (زمین کی) تمام چیزوں کو پانی سے۔ متحرک و محسوس ـــ آسمان و زمین کے بیان میں۔ اگرچہ باقی سیاروں کا تصور موجود نہیں ـــ

لیکن تخلیقی ترکیب میں یہ سیارے زمین (سیارے) میں شامل ہیں ـــــ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ میں ـــــ سات آسمانوں اور تمام سیاروں کا ایک وجود کَانَتَا رَتْقًا کی ترتیب میں تصور پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحہ ۳۸۶ تا ۳۸۹ پر تمثیلی شکل میں بیان کیا گیا ـــــ کہ ابتدا میں کرسی کے بعد سات آسمانوں کا وجود آسمانِ ہفتم کے وجود میں سمایا ہوا تھا۔ اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک آسمان دوسرے آسمان کے مرکز میں۔ جز کی حیثیت میں پیدا ہوا۔ اسی قرآنی بیان سے ـــــ سات آسمانوں کی ابتدائی پیدائش اور ترکیبِ پیدائش کا حقیقی تصور حاصل ہوتا ہے ـــــ اس طرح کائناتِ ارض وسماوات کی تحقیق میں ـــــ اسکی تخلیقی ترکیب اور ابتدائی پیدائش اور انکے مرکبِ نوری کا علم حقیقی صورت میں حاصل ہوتا ہے ـــــ یہ حقیقی تصور بغیر قرآن کے اور کسی علم سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ قرآن نے سات آسمانوں کے اوپر کرسی کا تصور دیا ـــــ تو اس تصور میں سات آسمانوں سے ماورئ کرسی اور عرش کی نوری کیفیتوں کا تصور بھی حاصل ہو جاتا ہے ـــــ بس عرش تک نوری وجود کی تخلیق کا پتہ چلتا ہے ـــــ اسکے بعد ایک اور مقام کا ذکر بھی ہوا ـــــ اس مقام کو سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰىۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰىؕ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰىۙ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۱۳ تا ۱۶) اور البتہ اس نے دیکھا اُسے (جبرئیل کو) دوبارہ ـــــ نزدیک سدرۃ المنتھٰی کے جس کے پاس جنت الماویٰ ہے جبکہ چھا رہا تھا سدرہ پر جو چھا رہا تھا (نور سے) ـــــ یہ مقام عرش سے اوپر انتہائی دور ماورئ میں ہے ـــــ یہ بھی ایک نوری فضا ہے ـــــ جسکی وسعت لاانتہا ہے۔ کیونکہ آسمانِ دنیا ـــــ اور سات آسمانوں کی وسعت کا تعین ـــــ فاصلہ کا تعین انسانی عقل سے بعید ہے۔ اسلئے اس وسعت کو لاانتہا کا درجہ دیا جاتا ہے ـــــ بجائے خود یہ نوری مقام بھی ایک حد رکھتا ہے ـــــ کیونکہ تخلیقی ترکیب میں ہر وجود کیلئے ایک علت وسبب لازمی ہے۔ اسلئے سدرۃ المنتھٰی کی ہیئت مستقل نہیں۔ بلکہ اس نوری فضا پر بھی ایک اور نوری فضا کا احاطہ (وَسِعَ) ہونا ضروری ہے ـــــ اس مقام کے بعد قرآن نے کسی اور مقام کا ذکر نہیں کیا ـــــ جبکہ سدرۃ المنتھٰی کے اوپر ابھی ایک نوری فضا کا احاطہ یقینی ہے ـــــ جسکا ذکر قرآن نے نہیں کیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ سدرۃ المنتھٰی کے بعد لاتعداد مقامات نوری فضاؤں کی شکل میں موجود ہونا یقینی ہے۔ لیکن انکا حقیقی تصور انسان کو حاصل نہیں ـــــ

سدرۃ المنتہیٰ کے بعد واقعہ معراج میں قرآن نے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک بیان پیش کیا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ۔ پس میرا بندہ میرے قریب ہوا ــــ پس میں نے اسے اپنی تدلّی (تجلیٔ نور) میں ڈھانپ لیا ــــ پس تھا ــــ میرے اور میرے بندے کے درمیان فاصلہ جتنا کمان ۱ کے دو سروں میں فاصلہ ہوتا ہے ــــ یا اس سے بھی قریب۔

اس آیت میں اشارہ ذاتِ الٰہی ــــ نورِ الٰہی سے قرب و وصال ہے ــــ اس مقام پر ذاتِ الٰہی کا وجود آتا ہے ــــ اور یہی مقامِ ذات تحقیق کی انتہا ــــ اور تخلیق کی ابتدأ ہے ــــ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تحقیق و مشاہدہ کیلئے ــــ ابتدأ الارض (زمین) سے ہوتی ہے اور فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر ــــ ذاتِ الٰہی کے نور پر انتہا ہو جاتی ہے ــــ اور زمین کی آخری تخلیق انسان ہے ــــ اسلئے تحقیق و مشاہدہ کی ابتدأ انسان سے کی جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ــــ اٰیٰت ''لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۔ تحقیق آسمانوں اور زمین کی تخلیق ــــ پیدائش ــــ بناوٹ ــــ میں یقین رکھنے والوں کیلئے پہچان و معرفت کے نشان پائے جاتے ہیں ــــ اور تمہارے وجودوں میں بھی ــــ کیا پس تم نہیں دیکھتے ــــ! تحقیق و مشاہدہ میں کیفیات کے وجود ــــ مرکب ــــ ہیئت و کیفیت ــــ ترکیب پیدائش ــــ مقام ــــ اور زمانۂ پیدائش کی پہچان کرنی ہے ــــ کہ

کیفیت کا وجود کیسا ہے ــــ اس میں مرکب کیا ہے ــــ اس کی شکل و صورت کیسی ہے ــــ کیسے بنی بناوٹ کی ترکیب و ترتیب کیا ہے ــــ اور یہ وجود کس جگہ پر واقع ہے ــــ اور یہ وجود کب اور کس زمانہ میں بنا ہے ــــ انہیں کیفیتوں کو جاننے اور پہچاننے سے ــــ ایک شے کی تحقیق اور مشاہدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے ــــ

---

۱ کمان کے دو سروں کے فاصلے کا اندازہ عرب کا فنِ سپاہ گری سے ماہر مجاہد کر سکتا ہے۔ جو تیر چلانے کا ماہر ہو۔ ایک تیر انداز۔ تیر کو تیز سے تیز تر پھینکنے کیلئے جب نیم دائرے والی کمان کو کھینچتا ہے ــــ تو کمان کے دونوں سرآپس میں بہت قریب ہو جاتے ہیں ــــ تیر کو تیز تر پھینکنے کیلئے کمان کے دو سروں کو زیادہ سے زیادہ قریب لانے کو کوشش کی جاتی ہے ــــ اسی مشابہت پر۔ اس قُرب کا تصور دیا گیا ہے۔ کہ بالکل قریب اَوْ اَدْنٰی میں یہ درمیانی فرق بھی ختم کیا گیا ــــ یعنی ایک دوسرے میں وصال یا جذب ہونا ــــ

اب مشاہدہ کی ابتدا انسانی وجود سے شروع ہوتی ہے ــــ کہ انسان کی پہچان کی جائے۔ کہ خود انسان کیا شے ہے ــــ اسکا مرکب کیا ہے ــــ اسکی شکل وصورت کیا ہے ــــ اسکی ترکیب پیدائش کیا ہے۔ اسکا مقام کہاں پر ہے ــــ اسکا زمانۂ پیدائش کیا ہے ــــ

گزشتہ بیان میں انسانی تحقیق میں تفصیلاً بیان ہو چکا ــــ کہ انسان دو روحوں ــــ اور ایک جسم کا مرقع ہے ــــ اسکے مرکب میں تین کیفیتیں پائی جاتی ہیں ــــ ایک جسم مادی خاکی ــــ دوسری روحِ حیوانی ناری ــــ تیسری روحِ رحمانی نوری ــــ جسم خاکی۔ کی پہچان عقلی طور بھی ہو جاتی ہے ــــ کہ جسم کے گوشت پوست۔ اور اندرونی اعضاءِ رئیسہ ــــ یہ سب لطیف ذرات کا مجموعہ ہیں ــــ جو ٹھوس مادی شکل میں محسوس ہوتے ہیں۔ اور ایک جسم کی شکل میں نظر آتے ہیں ــــ ان ذرات کی زندگی ایک روح سے ہے۔ روح بھی بجائے خود ناری ذرات کا مجموعہ ہے۔ اسی مجموعہ کو روحِ حیوانی کہا جاتا ہے ــــ قدیم زمانہ میں ــــ جدید زمانہ جیسے خوردبینی آلات ایجاد نہ ہوئے تھے ــــ اسلئے اس روح کا مشاہدہ ــــ خود اسی روح سے ہوتا تھا کیونکہ اُس زمانہ میں انسانی قوتیں ــــ کثیف آلائشوں سے پاک ــــ اور قوی ہوتی تھیں۔ تو انسان بغیر حواس (آنکھ) ــــ آنکھ بند کر کے ــــ خود روح سے اپنے آپ کو ایک انسانِ مجسم کی شکل میں محسوس کرتا تھا جیسے ایک انسان ــــ جبکہ نیند میں وہ حواس سے کام نہیں لیتا ــــ اپنے آپ کو کسی باغ میں یا شہر میں گھومتا دیکھتا ہے ــــ حالانکہ اسکا جسم بستر پر ہوتا ہے ــــ ایسا وجود ــــ جو جسم کے بغیر ــــ غیر جسمانی عالم (مقام۔ باغ۔ شہر) میں محسوس کیا جائے ــــ جو انسانی شکل پر متشکل ہے ــــ انسانی وجود میں برسرِ عمل ہو کر ــــ ''خواہ جسم میں'' ''خواہ کسی شہر میں یا باغ میں'' گھومتا ہوا ــــ شہر یا باغ کو دیکھے اور اس میں گھومتا پھرے۔ ایک انسان کی روحِ حیوانی ــــ روحانی وجود کہلاتا ہے اور جاگتی حالت میں بھی انسان اسی طرح اپنے آپ کو کسی مقام پر دیکھتا ہے ــــ تو انسان ایسا محسوس کرتا ہے۔ جیسے وہ جسمانی حالت میں اس جگہ کو دیکھ رہا ہے ــــ اس حالت میں بھی انسان کی روح خود برسرِ عمل ہوتی ہے ــــ وہی دیکھتی ہے۔ وہی سنتی ہے۔ وہی محسوس کرتی ہے ــــ اور ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ انسان دیکھ رہا ہے ــــ قدیم (ابتدائی) زمانہ میں اسی طرح ایک انسان اپنے آپ کو روحانی جسم میں محسوس کرتا رہا ــــ اس جسم کو محسوس کرنے کے ساتھ ــــ جیسا مادی انسان۔ ہوش وحواس کو اپنی

مادی ہیئت میں پہچانتا ہے۔اسی طرح روحانی وجود ــــ روحانی (غیر جسمانی) عالم میں اپنی روحانی حیثیت کو پہچانتا ہے ــــ اور اپنے جسم سے وہی کام لے سکتا ہے۔ جو اس ناری (ایثری) وجود کی صفت و خاصیت ہے ــــ البتہ جب انسان نیند کی حالت میں بے اختیاری کے عالم میں اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اپنے آپ کو جسمانی حالت میں سمجھ کر وہی تاثر لیتا ہے۔ جو جسمانی حالت میں تاثر ہوتا ہے۔ جیسے ایک آدمی نیند میں اپنے آپ کو شیر کے سامنے دیکھتا ہے ــــ تو اس پر وہی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ جو جاگتی ــــ یا جسمانی حالت میں ہوتا ہے ــــ اسکی بیّن وجہ یہی ہے ــــ کہ جسمانی حالت میں ــــ جاگتی حالت میں ــــ جسم میں روح ہی دیکھتی ہے ــــ تو تاثر اسی پر پڑتا ہے۔ اور نیند کی حالت میں بھی روح ہی دیکھتی ہے ــــ تو تاثر اسی پر پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان اپنے روحانی وجود کو محسوس نہیں کرتا ــــ یہ کیفیت غیر اختیاری ہوتی ہے۔ کیونکہ نیند میں عقل سو جاتی ہے ــــ جس سے انسانی حرکت وارادہ رُک جاتا ہے ــــ اسکے بغیر نیند میں دیکھنا اختیاری بھی ہوتا ہے۔ جیسے ایک شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ میں اپنے روحانی وجود ــــ یا روحانی حیثیت میں ایک شہر کو دیکھوں تو وہ اس حالت پر قادر ہوتا ہے کہ ــــ اپنے آپ پر نیند طاری کرے ــــ تاکہ حواس کی مدد کے بغیر روح بذاتِ خود ــــ اس شہر کو دیکھے ــــ یا اس شہر میں پہنچے ــــ یہ اختیاری نیند کہلاتی ہے۔ اگرچہ عقل کی خفتگی پر انسان بے اختیار ہی ہو جاتا ہے ــــ لیکن نیند میں انسان کا ارادہ اختیاری حیثیت میں کام کرتا ہے مثلاً۔ ایک شخص نیند میں بے اختیاری حالت میں دیکھتا ہے ــــ یا روح بے اختیاری حالت میں دیکھتی ہے۔ تو وہ اس حالت میں ایک ترتیب شدہ واقعہ نہیں دیکھے گی۔ بلکہ کیفیتیں مختلف صورتوں میں خود بخود پیش آتی رہینگی ــــ مثلاً شہر دیکھا ــــ لوگ دیکھے ــــ باغ میں گھومے ــــ دریا میں اترے وغیرہ مگر اختیاری صورت میں ــــ انسان چاہتا ہے۔ کہ میں فلاں شہر میں جا کر اپنے بھائی کے مکان میں داخل ہو کر بھائی کو دیکھوں ــــ اس سے کسی مسئلہ پر بات کروں۔ بس ــــ تو اس حالت میں انسان ــــ بستر پر لیٹ جاتا ہے ــــ اور اپنے آپ پر نیند طاری کرتا ہے ــــ اور نیند میں روح "اپنے وجود میں رہ کر" ایثری فضا سے رابطہ قائم کر کے (مثل ٹیلی ویژن) اس شہر کا عکس حاصل کرتی ہے ــــ اور اپنے بھائی کے مکان کو دیکھتی ہے ــــ اندر کا ماحول دیکھتی ہے ــــ بھائی کو گھر میں (جب بھائی گھر میں موجود ہو) دیکھتی ہے۔ اس سے گفتگو کرتی ہے ــــ

مسئلہ پر بات کرتی ہے۔بس ـــــ یہاں انسان ارادۃً جاگ جاتا ہے ـــــ اور اگر روح خود انتقال کرے۔تو اسکی نوعیت یہ ہے۔کہ روح ایثری فضا میں جذب ہو جاتی ہے ـــــ جذب کی صورت میں اسکا وجود فضائے ایثری کی حیثیت حاصل کرتا ہے۔اور جسطرح جسم میں رہ کر فضائے ایثری سے عکس حاصل کیا جاتا ہے ـــــ اسی طرح روح خود وسیع ایثری ہیئت میں (سما کر) کیفیت کا عکس حاصل کرتی ہے ـــــ یہی عکس حاصل کرنا ـــــ روح کا اُس مقام میں انتقال کرنے کے برابر ہوتا ہے ـــــ یہی صورت روحِ حیوانی کو پہچاننے کی ہے جس میں کسی مادی ذریعہ کی ضرورت نہیں ـــــ یہ قدیم زمانہ کا تصور ہے ـــــ اور جدید زمانہ میں خوردبینی آلات کی ایجاد سے اس وجودِ روحانی کو دیکھنے کا ذریعہ سائنسدانوں نے حاصل کیا ہے۔جس سے وہ روح کو ـ ایثری ـــــ یا برقی قوت و ہیئت میں محسوس کرتے ہیں۔اس کے علاوہ انسان جاگتی حالت میں بھی اسی طرح روح حیوانی سے دیکھتا ہے۔کہ وہ آنکھیں بند کر کے ایک شہر یا کسی کیفیت کا تصور کرتا ہے۔تو بیداری میں وہ اس شہر یا کیفیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔یہ مشاہدہ بھی روح حیوانی کرتی ہے ـــــ اس مشاہدہ کی کیفیت بھی ایسی ہے۔جیسے نیند میں روح (انسان) دیکھتی ہے ـــــ یہ ہے انسانی جسم کی جسمانی اور روحانی (ناری) پہچان ـــــ اس طرح روحِ حیوانی کی ابتدأ۔انسانی وجود کی ابتدائی تحقیق میں پہچان کیلئے سوائے قرآن کے اور کسی علم یا کتاب سے حاصل نہیں ہو سکتی قرآن نے اس روح کا تصور۔و پہچان۔اس آیت میں دی۔خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ بنایا انسان کو نار و خاک کی درمیانی کیفیت سے ـــــ اور اس سے پہلے یہ کیفیت خالص ناری تھی جس سے ایک ناری مخلوق (جن) بنے۔ اس بیان میں انسانی وجود میں ناری کیفیت کے مرکب کا ہونا بتایا گیا ہے ـــــ محققین مادہ نے بھی زمین کی اس کیفیت کی تحقیق کی ـــــ لیکن یہ علم کی حد تک محدود ہے۔کہ انسانی پیدائش سے قبل کی کیفیت کو پہچان سکیں ـــــ لیکن قرآنی آیت میں ابتدائی کیفیت کو اپنے حقیقی تصور کے ساتھ بیان کیا گیا ـــــ اور جب انسانی روح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔تو اس ناری زمین کا حقیقی تصور حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ ناری روح زمینِ ناری کی پیداوار ہے ـــــ اور اس کا مرکب ناری روح ہے۔اسکی ترکیب و ترتیب بھی انسانی بناوٹ میں نظر آتی ہے ـــــ البتہ جہاں تک مشاہدہ کا تعلق ہے ـــــ انسان بغیر حواس ـــــ بغیر مادی ذرائع

کے ماضی بعید کی تمام کیفیتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے ـــــ یہاں تک انسانی جسم ـــــ اور روح کی پہچان کے متعلق بیان ہو چکا ـــــ اسکے بعد روحِ رحمانی کی پہچان ـــــ

روحِ رحمانی کی پہچان کے متعلق قرآن نے ایک واضح بیان پیش کیا ـــــ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ اور سما ڈالی انسانی جسم میں ـــــ اپنی ایک مخصوص و منتخب روح ـــــ یہ روح کیا شے ہے۔ اسکا مرکب۔ ''روحی'' کے حقیقی تصور میں پایا جاتا ہے ـــــ اب ـــــ پہلے روح کا حقیقی تصور حاصل کرنا ہے۔ کہ روح کیا شے ہے ـــــ اسکے بعد ''روحی'' کا تصور حاصل کرنا ہے۔ کہ روح کو روحی کیوں کہا گیا ـــــ قرآن نے روح کے متعلق بیان پیش کیا ـــــ

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ آپ سے سوال کرتے ہیں روح کیا شے ہے۔ کہدیں کہ روح امر ربی ہے ـــــ ''امرِ ربّی'' میں کیا تصور ہے ـــــ؟ ـــــ اَمر سے مراد کسی شے کے بنانے میں ارادہ کو استعمال کرنا ـــــ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ ـــــ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے۔ اس شے کیلئے ''کُنْ'' ـــــ ہو جا ـــــ فَیَکُوْنُ ـــــ پس وہ شے بن جاتی ہے ـــــ پس روح کیلئے کہا ''کُنْ'' تو روح وجود پذیر ہوئی ـــــ اس آیت میں یَقُوْلُ کا لفظ ہے۔ یعنی کہتا ہے ـــــ یہ کہنا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ نوری کے اعتبار سے ہے ـــــ انسانی تصور میں ''کہنا'' ـــــ زبان سے لفظ ادا کرنے سے ہوتا ہے ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ کی ـــــ انسان جیسی مادی زبان نہیں ـــــ وہ تو یکسر نوری وجود ہے۔ تو اس کا کہنا۔ نوری زبان سے ہوگا ـــــ تو کہنے ـــــ اور کُنْ کا نوری تصور کیا ہے۔ اس ترکیب کو قرآن نے پیش کیا۔

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ ''کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۴ آیت ۴۹۔۵۰) تحقیق ہم نے ہر شے کو بنایا اسکو ساتھ اندازے کے ـــــ اور نہیں حکم (امر) ہمارا۔ مگر ایک بار جیسے نظر کرنا ساتھ آنکھ کے ـــــ قرآن نے اس آیت میں۔ امر کی ترکیب بیان کی۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی شے کے بنانے میں کس طرح حکم کرتا ہے ـــــ یَقُوْلُ کی نوری ترکیب کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی تجلی ایک شے پر ڈال کر اس شے سے ایک نیا وجود پیدا کرتا ہے ـــــ اسکی ترکیب خود قرآن نے بیان کی کہ ـــــ تحقیق ہم نے ہر شے کے بنانے میں ایک منظم ترتیب قائم کر دی ـــــ کہ مختلف ادوار

(زمانوں) میں کیفیات کا جوظہور مختلف شکلوں میں ہوتا ہے۔ اسکے لئے ہم ایک بنیادی وجود پیدا کرتے ہیں ـــ اسی بنیادی وجود میں تمام اشیأ کا وجود سمایا ہوتا ہے ـــ مثال ایک پھل کے پیدا کرنے کیلئے ایک بیج کو پیدا کیا جاتا ہے ـــ پھل پیدا کرنے کیلئے اَمْرِ رَبِّی ـــ حُکْمٌ ـــ کُنْ ـــ یَقُوْلُ صرف بیج پر ہوتا ہے ـــ پھر بِقَدَرٍ۔ اندازے کے ساتھ پودا بنتا ہے ـــ تنا بنتا ہے ـــ درخت بنتا ہے ـــ شاخیں بنتی ہیں ـــ پتے بنتے ہیں ـــ پھول بنتے ہیں ـــ اور آخر میں پھل پیدا ہوتا ہے۔ بظاہر ہر مقام پر۔ پودے۔ تنے۔ شاخوں۔ پتوں۔ پھولوں کی الگ الگ حیثیت ہے۔ جن کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہر کیفیت کیلئے حکم (امر) جاری ہو ـــ ایسا نہیں ـــ بلکہ بِقَدَرٍ ایک تنظیم کے تحت ایک بیج کو پیدا کیا جاتا ہے۔ جس میں یہ تمام کیفیتیں سمائی ہوتی ہیں ـــ اور پھر اس بیج سے ایک تنظیم کے ساتھ بیج سے پھل تک کیفیتیں ''خود بخود'' ظہور پذیر ہوتی جاتی ہیں ـــ اسی طریق و ترتیب سے اللہ تعالیٰ اپنے حکم (امر) کو کائنات کی ہر شے کے لئے استعمال کرتا ہے ـــ وَاحِدَةٌ صرف ایک بار حکم کرتا ہے۔ جس سے ایک بنیادی وجود پیدا ہوتا ہے ـــ اسی بنیادی وجود میں ـــ اس سے متعلق کیفیات ''خود بخود'' بِقَدَرٍ ظہور پذیر ہوتی ہیں ـــ لہٰذا ''خود بخود'' کے تصور میں ـــ اشیائے کائنات ایک خالق کی صناعی ـــ اور تخلیق سے باہر نہیں ـــ اَمْرُ ـــ کُنْ ـــ کی ترکیب کیا ہے ـــ؟ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ نہیں اللہ کا حکم (امر) ہر شے کیلئے بار بار ـــ مگر ـــ ایک بار ـــ اور یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ کہا جاتا ہے اس شے کیلئے کُنْ۔ ''ہو جا'' ـــ یَقُوْلُ ـــ کُنْ ـــ اور اَمر میں ایک ہی مادہ ہے۔ ''کُنْ کا'' ـــ اور اللہ تعالیٰ کی نوری حیثیت میں کُنْ ـــ یَقُوْلُ کی ترکیب ـــ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۔ جیسے ایک شخص آنکھ پھیر کر کسی کی طرف اشارہ ـــ یا توجہ کرتا ہے ـــ اس اشارہ کو یا نظر کو ـــ توجہ کہا جاتا ہے ـــ اللہ تعالیٰ مجسم نور ہے ـــ اسکی مثلِ انسان آنکھ نہیں ـــ اسلئے اسکی نظر یا اشارہ ـــ اسکی نوری توجہ ہے ـــ نوری توجہ ـــ نورِ الٰہی ـــ ذاتِ الٰہی کی ایک نوری شعاع [1] ہے ـــ جسے اَمْر ـــ حُکْمٌ۔ یَقُوْلُ ـــ کُنْ سے تعبیر

---

[1] نوری شعاع: کی ترکیب ایسی ہے ـــ جیسے برقی آلہ سے لوہے پر۔ برقی شعاع ڈالنے سے چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ دوسرے۔ برقی شعاع ڈالنے سے۔ ایک کیفیت میں خود بخود ـــ اور کیفیتیں بننے لگ جاتی ہیں۔

دیا جاتا ہے۔ یہی نوری شعاع ایک وجود پر پڑتی ہے ــــ تو وہ وجود ارادہ الٰہی میں سمائے ہوئے وجود کو پیدا کرنے کا بنیادی سبب بنتا ہے ــــ مثال

اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ ’’فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً‘‘ کے منصوبہ کو زیرِ تکمیل لانے کا ازلی ارادہ کیا تو اپنی ذات ــــ اپنے نور میں ــــ ارادہ کے ساتھ ــــ ایک جز (نقطہ کی شکل میں) بنایا ــــ یہ نقطہ ذاتِ الٰہی کا نور تھا ــــ اللہ کے ارادہ سے یہ نور مخلوق بنا ــــ یہاں ارادہ اور توجہ اپنی ذات پر استعمال کر کے۔ اللہ تعالیٰ نے ازل سے ابد تک تمام کائناتِ خلقت کا تصور رکھا ــــ اسکے لئے اس کائناتِ خلقت کا بنیادی وجود۔ ایک مخلوق نور بنایا ــــ سو کائناتِ خلقت کی تمام کیفیتیں ــــ ازل سے ابد تک جو بھی کیفیت ظہور کرنے والی ہے ــــ وہ اس نور ابتدائی میں سمائی (پوشیدہ) ہے ــــ اور اسی نورِ ابتدائی سے بِقَدَرِ اندازہ ــــ زمانہ ــــ ہیئت ــــ کے مطابق وقت وقت پر ظہور پذیر ہوگی ــــ وَاحِدَۃِ اللہ تعالیٰ نے ازل سے لیکر ابد تک مخلوق کیلئے ایک بار ارادہ (کُنْ) کیا تو تمام مخلوق کا وجود نور ابتدائی میں موجود ہوا ــــ لیکن ــــ نور ابتدائی کے وجود کے ظہور ہونے پر یہ تصور قائم ہوتا ہے ــــ کہ اِس وقت صرف ایک ہی وجود ــــ نورِ ابتدائی ہے ــــ زمانہ گزرنے کے ساتھ جب نور ابتدائی سے ــــ پہلی اور (نور کے مقابلہ میں) دوسری کیفیت کے ظہور کا وقت آیا ــــ تو اللہ نے ارادہ کیا ــــ تو نورِ ابتدائی پر کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ــــ توجہ ــــ نوری شعاع ڈالی ــــ تو۔ نورِ ابتدائی کے مرکز میں ایک اور نوری وجود کے آثار شروع ہوگئے ــــ اور اب ’’خود بخود‘‘ نور ابتدائی سے ایک دوسرا نور اپنی نئی ہیئت وشکل میں وجود پذیر ہوا ــــ اسی طرح ــــ ہر نئے وجود میں ایک نیا نوری وجود بننے لگا ــــ یہی طریق اُن کیفیات کیلئے بھی مقرر ہوا ــــ جو اِن نوری وجودوں کے اجزاۓ[1] اُن میں سمائے ہیں ــــ تو اللہ تعالیٰ نے ــــ نور ابتدائی پر ــــ توجہ ــــ نوری تجلی (شعاع) ڈالی ــــ تو اس میں نوری شعلے نکلنے لگے ــــ یہ نوری شعلے نور کے ٹکڑوں[2] کی

---

[1] ہر نوری مقام میں۔ اسکے اجزا ۓ سے مراد ــــ اُن نوری مقامات کی پیداوار ــــ جیسے آسمانوں کی اجزا ۓ یا پیداوار ملائکہ کے نوری جسم۔ اسکے علاوہ ــــ تمثیلی شکلوں میں محسوس (مشاہدہ) ہونے والی کیفیتیں باغات۔ دریا۔ نہریں۔ مکانات ــــ

[2] نور کے ٹکڑوں کی ہیئت ــــ ایسی سمجھی جاتی ہے۔ جیسے ملائکہ کو ایک انسانی شکل وصورت کے مثال تصور میں لایا جاتا ہے۔ لیکن انکی نوری ہیئت وشکل ــــ ایک لکۂ نور کی سی ہے ــــ جیسے بادل کا ٹکڑا فضائے آسمانی میں دکھائی دیتا ہے۔

شکل میں جمع ہونے لگے ـــــ یہ نوری ٹکڑے۔ یا لکۂ نور ـــــ قرآنی زبان میں روح سے موسوم ہیں ـــــ اسی طرح اس نوری وجود (نورابتدائی) میں ـــــ سمندروں ـــــ دریاؤں کی شکل میں نوری سمندر پیدا ہونے لگے ـــــ کہیں پر نوری باغات۔ نوری محلات بنے ـــــ اسی طرح ہر وجودِ نوری میں۔ مختلف قسم کی کیفیتیں بنیں ـــــ یہاں تک کہ انہیں نوری وجودوں میں عرش بنا ـــــ عرش میں بھی نوری پیکر ملائکہ کی شکل میں۔ محلات۔ باغات وغیرہ بنے ـــــ عرش کے بعد۔ کرسی ـــــ کرسی کے بعد آسمان سات یکجا ـــــ پھر اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر توجہ ـــــ تجلیِ نوری ڈالی تو اس میں چھٹا آسمان ـــــ اسی طرح ہر آسمان بنا ـــــ اور ہر آسمان میں ـــــ نوری توجہ ـــــ ڈال کر ملائکہ کا وجود ـــــ ہر آسمان سے پیدا ہوا ـــــ یہاں تک کہ آسمانِ اول کا وجود بنا ـــــ آسمانِ اول بھی بیج کی حیثیت میں۔ تمام سیاروں کا وجود اپنے میں سمائے تھا ـــــ تو اللہ تعالیٰ نے آسمانِ اول پر توجہ ڈال کر اسکی پنہاں کیفیتوں کو پیدا کیا۔ جس میں ملائکہ ـــــ باغات۔ محلات وغیرہ اور ـــــ سیارے بنے ـــــ اس طرح ہر ایک وجود میں ـــــ اسکے ذاتی وجود۔ اور اس وجود میں مضمر کیفیات کے ظہور کیلئے اللہ تعالیٰ نے اَمرِ رَبّیْ استعمال کیا[1] ـــــ اس امر ربی ۔ میں ہر وجود ایک بیج کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں اسکے اجزاُ خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے سیاروں میں زمین ـــــ آسمان اول بیج کی مثال ہے ـــــ اسکی کیفیتیں اسکے اجزاُ ـــــ خود بخود وجود پذیر ہوتے ہیں ـــــ اور سیارے بھی آسمان اول میں اسکی جز ہیں ـــــ اور جب زمین بنی ـــــ تو اس زمین کی ہیئت ناری تھی ـــــ ناری ہیئت ایک مستقل وجود ہے۔ جو ہیئت نہیں بدلتا ـــــ اسی طرح نوری وجود بھی مستقل وجود ہے جو ہیئت نہیں بدلتا ـــــ نوری ـــــ ناری۔ وجود ہمیشہ ایک ہی حالت میں قائم رہتے ہیں ـــــ اسلئے ان وجودوں میں کسی نئی ہیئت کے پیدا ہونے کیلئے کُنْ ـــــ اَمْرُ ـــــ استعمال کیا جاتا ہے ـــــ یعنی ہر نوری وجود کی پیدائش پر اسکی کیفیتوں کے ظہور کیلئے ـــــ اس نوری وجود پر کُنْ کی توجہ (تجلی) ڈالی جاتی ہے۔ جس سے ایک نور میں نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے ـــــ زمین ناری کیلئے بھی ـــــ چونکہ مستقل ہیئت تھی ـــــ اللہ تعالیٰ نے اس پر کُنْ کی تجلی ڈالی تو اس نے مادہ کی طرف رجوع کیا ـــــ اور اس میں

---

[1] اسی ترکیب میں فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ شامل ہے۔

ہوا ___ پانی پیدا ہوئے ___ اور جب انسان کی پیدائش کا وقت آیا ___ تو زمین کا ایک قوی ناری ذرہ (جو ناری روح کی ہیئت میں تھا) حماءِ مسنون میں ٹھہرا ___ اس کی حیثیت ناری تھی ___ انسانی شکل و صورت کی طرف انتقال کیلئے اگر اس ناری ذرہ کو۔ کُنْ نہ کہا جاتا ___ تو قیامت تک یہ ذرہ اپنی اسی حالت میں قائم رہتا ___ لیکن اس ذرۂ ناری کا انسانی شکل وصورت میں آنا مقصود تھا ___ تو اللہ تعالیٰ نے اس ناری ذرہ پر کُنْ کی تجلی ڈالی تو اس نے حماءِ مسنون اپنے وجودِ ناری میں جذب کرنا شروع کیا ___

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ ○

تحقیق مثال عیسیٰ کی پیدائش کی ___ مانند مثال آدم کے ہے ___ بنائی اسکی بناوٹ مٹی (حماءِ مسنون) سے پھر کہا آدم کے نوری ذرہ کو کُنْ پس اس نے شکلِ انسانی کی طرف رجوع (انتقال) شروع کیا ___ یہی مثال عیسیٰؑ کی ہے۔ کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کے وجود کیلئے ایک نوری ذرہ (نوری روح ۱) ازل سے مقرر کر کے ___ نورِ ابتدائی کے وجود سے اس نورِ عیسوی کو بنا کر خزانہ میں جمع کر رکھا تھا ___ اسی نور کو ہم نے ___ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ___ اس نوری ذرہ کو بطنِ مریم میں نفخ کر کے رحم میں قرار کیا ___ اسی طرح ___ جسطرح حضرت آدمؑ کے ناری ذرہ نے حماءِ مسنون میں قرار کیا ___ ثُمَّ قَالَ لَهٗ "كُنْ" پس ہم نے حضرت عیسیٰؑ کے نوری ذرہ پر کن کی توجہ ڈالی ___ تو اس نوری ذرہ نے بطنِ (رحم) مریمؑ میں پاک خون جذب کرنا شروع کیا ___ تاکہ یہ نوری ذرہ انسانی شکل میں انتقال ۲ کرے ___ اسی طرح انسان کی روحِ رحمانی بھی ازل میں کن کے حکم کے مطابق ___ نورِ ابتدائی میں پیدا ہوئی ___ اس روح کی پیدائش بھی قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ کے تحت ہوئی اسلئے اس روح کو رُوْحِیْ کہا گیا ___ چونکہ یہ روح ___ نورِ ابتدائی کے وجود سے پیدا ہوئی ___ اسلئے اسکا وجود ازلی ___ اور نوری ہے ___ نوری اعتبار سے جو حیثیت نوری ملائکہ کی ہے۔ نوری ملائکہ اور ازلی پیدائشِ روح کو بھی قرآن نے رُوْحَنَا سے موسوم کیا۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا ___ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ اسی حیثیت میں ___ یہ

---

۱ یہ روح بھی قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ میں شامل ہے ___ کہ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ یہ ہمارے ارادے میں ازل میں مقرر ہو چکا تھا ___ اسلئے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ کے وقت حضرت عیسیٰؑ کی روح بھی ازل میں بنائی گئی تھی ___

۲ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کُنْ کا امر نہ کرتا ___ تو نوری ذرہ خونِ رحم کی طرف رجوع نہ کرتا ___

روح ـــ قوتِ سمع (سننے) قوتِ بصر (دیکھنے) اور حرکت وعمل کی صفت پاتی ہے ـــ چونکہ اس کا وجود نورِ ابتدائی سے ہے۔اسی قوت وحیثیت کے اعتبار سے یہ روح ذاتِ الٰہی تک نوری کیفیات کا مشاہدہ ـــ ورسائی کی قوت رکھتی ہے ـــ اسی روح سے انسان ذاتِ الٰہی تک مشاہدہ ورسائی حاصل کرتا ہے۔اسکی دو نوعیتیں ہیں ـــ ایک نفخ کے اعتبار سے کہ اسکا مرکز انسانی قلب ہے ـــ اسکا مشاہدہ قلب کے مرکز سے ہوتا ہے ـــ تو اس روحِ رحمانی کا ـــ نوری فضائے عالم بالا سے ـــ نورِ ابتدائی کی فضا (نوری وجود) تک رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔اور جس جس کیفیت سے گزر کر اس روح کی نوری نظر جاتی ہے۔اس مقام کا عکس قلب پر آ کر ـــ روحِ حیوانی ـــ اسی قلب سے مشاہدہ کرتی ہے۔تو انسان کو روحی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے ـــ اور جب نورِ ابتدائی کے نور سے رابطہ ہوتا ہے۔تو اس مقام پر روح پر نورِ ابتدائی کا عکس روح میں سما کر قلب پر وارد ہوتا ہے۔قلب سے روحِ حیوانی مشاہدہ کرتی ہے ـــ تو نور ابتدائی کا مشاہدہ ہو جاتا ہے ـــ یہی روح جب نورِ ابتدائی سے ذاتِ الٰہی کی تجلی پاتی ہے ـــ تو اسکا عکس قلب پر وارد ہو جاتا ہے۔تو روحِ حیوانی ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتی ہے۔اس طرح انسان ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ (روحِ حیوانی سے) کرتا ہے ـــ اسکی دوسری نوعیت یہ ہے۔کہ روحِ رحمانی ـــ اپنی حقیقی ہیئت کے مطابق آسمانوں میں سے پرواز کرتی نورِ ابتدائی تک پہنچتی ہے ـــ تو اس مقام پر نور ابتدائی میں جذب ہو جاتی ہے ـــ جذب کی کیفیت (کیفیت جذبی) بھی قلب پر وارد ہو جاتی ہے یہی کیفیت روحِ حیوانی مشاہدہ کرتی ہے ـــ چونکہ روح رحمانی جسم میں ـــ روح حیوانی کے ساتھ بھی سمائی ہے اس لئے روحِ رحمانی کا تاثر تمام جسم پر طاری ہو جاتا ہے ـــ اس جذبی تاثر کا اثر یہ ہے۔کہ انسان۔اپنے آپکو نورابتدائی میں جذب ـــ بمثل نورِ ابتدائی تصور کرتا ہے ـــ اسی طرح روح رحمانی نورابتدائی کے جذب کے ساتھ (نورابتدائی کی حیثیت اختیار کر کے) ذاتِ الٰہی کے نور میں جذب ہو جاتی ہے ـــ اس جذب کی خصوصیت یہ ہے۔کہ اس جذب میں روحِ رحمانی کی ـــ اپنی مخلوقی (ذاتی) ہیئت محو ہو جاتی ہے۔یہ تاثر جب قلب پر آ جاتا ہے ـــ تو انسان پر بھی محویت طاری ہو جاتی ہے ـــ کیونکہ انسانی جسم میں بھی روح رحمانی موجود ہوتی ہے ـــ تو انسانی جسم پر بھی جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ـــ اور روح یا انسان اپنی جذبی کیفیت کو محسوس کر کے خود کو اللہ کی ذات تصور کرتا ہے ـــ

اور جب روح رحمانی ــــ اپنی پرواز کو واپس قلب انسانی کی طرف لاتی ہے ــــ تو انسان پر سے جذبی کیفیت ہٹ کر اپنی حیثیت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ نوعیت روح رحمانی کی پرواز کی ہے ــــ اس طرح بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔ لیکن اس مشاہدہ میں ــــ انسان ہر کیفیت میں روح رحمانی کے جذب کے ساتھ اپنی جسمانی یا انسانی ہیئت محو کر کے۔ ہر اس کیفیت میں اپنے آپکو محسوس بھی کرتا ہے۔ جس کیفیت میں روح رحمانی عالم بالا کی کیفیات سے گزر کر نور ابتدائی ــــ اور نورِ الٰہی تک پرواز کرتی ہے ــــ یہی پہچان روح رحمانی کی ہے ــــ اس طرح انسان وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اپنے وجود کی کیفیاتِ جسمانی ــــ روحی (حیوانی)۔ روحی (نوری) کی پہچان کر کے معرفت حاصل کرتا ہے ــــ دوسری بات ــــ انسان کا جسم زمین ــــ اور زمین کے جوہر سے بنا ہے ــــ اسکے مقابلہ میں زمین کی تمام کیفیات اس جوہر کی جز ہیں ــــ جب انسان اپنی جسمانی کیفیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ تو اس مشاہدہ میں ــــ زمین کی تمام مخلوقی قوتوں کا خود بخود مشاہدہ ہو جاتا ہے ــــ روحِ حیوانی ناری قوت ہے ــــ اور یہ ناری قوت ناری فضائے آسمانی کے تمام سیاروں کی ناری قوت کا جوہر تصور ہوتی ہے ــــ اسلئے اپنی ناری روح کے مشاہدہ میں آسمانِ دنیا کی تمام ناری قوتوں کا بھی مشاہدہ ہو جاتا ہے ــــ روحِ رحمانی نور ابتدائی سے ہے ــــ اسلئے روح رحمانی کی پہچان میں کائناتِ نوری کے تمام مقامات ــــ نور ابتدائی کا بھی مشاہدہ ہو جاتا ہے ــــ البتہ ــــ چونکہ روح رحمانی نورِ الٰہی سے نہیں بنی ــــ اسلئے اسکا نور الٰہی کا مشاہدہ کرنا ممکن نہیں ــــ لیکن انسانی تخلیق کو اسماء کلھا کی صفت میں نورِ الٰہی کا مشاہدہ و معرفت حاصل کرنا ــــ اسکا اصل مقصود و نصب العین ہے۔ اسکے لئے ــــ ذاتِ الٰہی کے مشاہدہ کیلئے ــــ نور ابتدائی کا وجود حاصل کرنا ضروری ہے ــــ کیونکہ نور ابتدائی ہی ــــ نور الٰہی کی جز ہے ــــ اسکا مطلب یہ ہوا ــــ کہ ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ ــــ روحِ رحمانی کی دوسری نوعیت کا مشاہدہ ــــ یعنی جذبی مشاہدہ کے بغیر قلبی مشاہدہ سے نہیں ہوسکتا ــــ اسکے لئے ــــ نور ابتدائی کا جذب حاصل کرنا ضروری ہے ــــ یہ کیفیت وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اپنے نفس کی پہچان میں ــــ جسم ــــ روحِ حیوانی ــــ روحِ رحمانی پہچاننے کی ہے چونکہ انسانی وجود کی یہ تین کیفیتیں ــــ جسم ــــ روحِ حیوانی ــــ روح رحمانی ــــ کائناتِ خلقت کی مخلوق خاکی ــــ ناری ــــ نوری ــــ کے بنیادی وجود کے ہی اجزا ہیں۔ اسلئے اپنے نفس کی پہچان سے کائناتِ

خلقت کی پہچان بھی خود بخود ہو جاتی ہے ــــ اسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے ــــ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَه‘ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه‘۔ جس نے وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ ــــ اپنے نفس کو پہچانا ــــ اس نے اپنے رب (اللہ تعالیٰ) کی صفات ــــ صفاتِ خالقیت ــــ اور ذاتِ معبود کو پہچانا ــــ اسی پہچان کو مشاہدہ سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ انسان کے بعد ارض کی پہچان آتی ہے۔ جب انسان اپنی جسمانی ہیئت کی پہچان کرتا ہے ــــ تو چونکہ اس کا وجود زمین کے جوہر سے بنا ہے ــــ جوہر کی پہچان سے زمین کی پہچان بھی ہو جاتی ہے ــــ اسکے علاوہ زمین کا اصل مرکب کیا ہے ــــ زمین کا وجود کہاں سے آیا ــــ اسکی تفصیل گزشتہ بیان کی گئی ــــ

جہاں تک کائناتِ خلقت میں اشیأ کی کیفیات جاننے۔ پہچاننے کا تعلق ہے ــــ انسان اپنی قوتوں کے مطابق ہر کیفیت کے مشاہدہ کیلئے ــــ تین ذریعوں سے مشاہدہ کرتا ہے ــــ اول جسمانی ــــ یعنی حواس خمسہ اور عقل سے ــــ دوسرا ناری روحانی ــــ یعنی براہ راست روحِ حیوانی سے بغیر حواس کے ذریعہ کے ــــ تیسرا نوری روحانی ــــ یعنی روحِ رحمانی کے ذریعہ ــــ جسمانی ہیئت کے مشاہدہ میں ــــ حواس کے ذریعہ ٹھوس مادی اشیأ و کیفیات کا مشاہدہ ہوتا ہے ــــ ناری روحانی مشاہدہ حواس کے احاطہ ادراک سے ماوریٰ ــــ نظر کی حدوں سے دور کی ٹھوس مادی اشیأ ــــ جیسے ایک شخص مشرق میں بیٹھ کر مغرب کی اشیأ کا مشاہدہ کرتا ہے ــــ تیسرے ٹھوس مادی اشیأ سے ماسویٰ غیر جسمانی کیفیات۔ جنکا وجود ٹھوس نہیں ــــ لیکن کیفیتیں محسوس کی جاتی ہیں۔ مثلاً نیند کی حالت میں (خواب میں) مادی اشیأ کے مشابہ کیفیات ــــ شہر۔ مکانات۔ باغات۔ درخت۔ دریا۔ پہاڑ۔ حیوان۔ انسان وغیرہ ــــ یہ کیفیتیں اگرچہ ٹھوس مادی اشیأ کا ہی تصور رکھتی ہیں۔ لیکن روحِ حیوانی۔ نیند کی حالت میں بھی ایسی ہی کیفیتوں ــــ شہر۔ مکان۔ باغ۔ درخت۔ پہاڑ۔ حیوان۔ انسان وغیرہ کو دیکھتی ہے۔ مگر انکا ٹھوس وجود نہیں ہوتا ــــ اور بیداری میں بھی ــــ بغیر حواس کے ذریعہ کے روح حیوانی غیر جسمانی کیفیات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ ایسے وجود کہاں پر واقع ہوتے ہیں ــــ؟ اور کیسے ہوتے ہیں ــــ؟ ان کیفیتوں کی ہیئت و حیثیت کیا ہے ــــ؟

جیسا کہ گزشتہ مشاہدہ کے متعلق بیان کیا گیا ــــ کہ انسانی مشاہدہ میں ــــ ایثری قوت

کیفیات کا عکس حاصل کرنے کا اصل ذریعہ ہے ــــ یعنی ہر کیفیت ایثری فضا میں جذب ہو کر ہی ــــ حواس یا روح تک اپنی ہیئت انتقال کر کے پہنچتی ہے ــــ گویا ــ ایثری فضا میں کیفیات کو اپنے وجود میں جذب کرنے کی صفت پائی جاتی ہے ــــ زمین کی پیدائش کے ساتھ ہی ایثری وجود بھی قائم ہے ــــ لہذا ایثری وجود ــــ اپنی صفت و خاصیت کے اعتبار سے۔ ہر شے کی ہیئت (شکل وصورت) اور آواز اپنے وجود میں ہر لمحہ جذب کرتا رہتا ہے ــــ اور یہ کیفیتیں۔ یعنی اشیأ کی شکلیں۔ آواز اسی ایثری فضا میں۔ باقی وقائم رہتی ہیں ــــ البتہ چند کیفیتیں جنکا وجود خود کمزور ہو ــــ اس فضائے ایثری میں تحلیل ہو کر محو ہو جاتی ہیں ــــ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس فضائے ایثری میں۔ ابتدائے پیدائش سے لیکر حال تک ہر کیفیت۔ ہر واقعہ مثلاً آگ لگنا ــــ سیلاب آنا ــــ زلزلے آنا ــــ طوفان آنا ــــ شہروں کا غرق ہونا اور تعمیر ہونا ــــ غرض کہ زمین کی ہر کیفیت کے عکس۔ موجود ہیں ــــ یہ کیفیتیں اپنے مقام و وقت پر ٹھوس مادی ہیئت میں تھیں۔ مگر ایثری فضا میں انکی ہیئتیں غیر جسمانی ہیں۔ مثال کے طور ابتدائے زمانہ میں۔ زمین ناری کرہ تھی ــــ پھر اس پر ہوا چلی ــــ پھر پانی برسا ــــ پھر طوفان آئے۔ پھر زمین پر کہیں آتش فشاں پہاڑ پھٹے ــــ پھر اس پر آبادی کے آثار پیدا ہوئے ــــ پھر انسانوں کی آپس میں جنگ وجدل ــــ وغیرہ (جو بھی زمین پر واقعات ہوتے رہے) ان سب کیفیتوں اور واقعات کے نقوش غیر جسمانی ہیئت میں۔ فضائے ایثری میں جذب ہوئے ــــ زمانہ حال تک یہ نقوش باقی ہیں ــــ لہذا اس فضائے ایثری کے ان تمام غیر جسمانی نقوش و آثار کو ایک روحانی دنیا تصور کیا جاتا ہے ــــ چونکہ ــــ ایثر کی صفت۔ ایک کیفیت کو جذب کر کے ــــ حواس یا روح تک پہنچانا ہے ــــ تو اس ترکیب میں یہ ترتیب بھی شامل ہے۔ کہ کسی کیفیت کو دیکھنے کیلئے ــ آنکھ ــــ آنکھ کی پتلی ــــ اس کیفیت کی طرف رخ کرتی ہے۔ تب ہی وہ کیفیت آنکھ کی پتلی پر آجاتی ہے ــــ اسی طرح ــــ زمانہ قدیم کے نقوش و آثار کو دیکھنے کیلئے ــــ چونکہ آنکھ غیر جسمانی کیفیت دیکھ نہیں سکتی ــــ تو روحِ حیوانی ایسے نقوش کو حاصل کرنے کیلئے۔ فضائے ایثری سے رابطہ کرتی ہے۔ تو فضا میں جہاں مطلوبہ نقش یا ہیئت موجود ہو ــــ روحِ حیوانی میں وہ نقوش جذب ہو کر روحانی مشاہدہ میں آتے ہیں۔ اس وقت ــــ انسان ــــ زمانہ قدیم کے اس واقعہ کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ جو ہزاروں لاکھوں سال قبل ایک وجود میں قائم تھا ــــ

اور مٹ گیا ــــ مگر اسکے نقوش فضائے ایثری میں باقی رہے۔اس کیفیت میں انسان۔حقیقتاً اس زمانہ یا مقام یا واقعہ یا ہیئت و کیفیت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ اصل نقوش جو فضائے ایثری میں جذب ہیں انہیں دیکھتا ہے۔جیسے آج سے پچاس سال قبل کسی شہر کی فلم لی گئی ہو۔اس میں چند واقعات بھی جذب کیئے گئے ہوں ــــ تو پچاس سال بعد انہیں کیفیات کو پردہ پر دیکھا جاتا ہے گویا فلم میں جذب کی ہوئی کیفیت وہی منظر پیش کرتی ہے جو آج سے پچاس سال قبل شہر کی تھی۔انسان اس شہر کی اصل ہیئت نہیں دیکھتا۔بلکہ اسکی جذب شدہ کیفیت دیکھتا ہے۔اسلئے اس فضائے ایثری کو عالمِ روحانی سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ اس فضائے ایثری کے مشاہدہ میں ماضی میں ــــ زمین کی ٹھوس کیفیتوں کو روحانی وجود میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔اسکے علاوہ۔جسطرح روح حیوانی ماضی کی کیفیات اور غیر جسمانی کیفیات کا ادراک کرتی ہے۔اسی طرح روحِ حیوانی حال کی ٹھوس مادی جسمانی کیفیات جو حواس (آنکھ) کے احاطہ میں نہ آنے والی ہوں ــــ بغیر آنکھ کی مدد کے مشاہدہ کر لیتی ہے۔اسکے مشاہدہ کی ترکیب بعینہ وہی ہے۔جو حواس کے ذریعہ ــــ روح حیوانی کے مشاہدہ کرنے کی ہے ــــ جیسے آنکھ کے ذریعہ کیفیت دماغ تک پہنچتی ہے ــــ تو دماغ میں روح حیوانی کیفیت کا مشاہدہ کر لیتی ہے ــــ اسی طرح روح حیوانی حدنظر ــــ حدادراک سے دور کیفیت کا تصور کر کے ــــ فضائے ایثری سے رابطہ کرتی ہے تو مطلوبہ کیفیت کا عکس جو کہ فضائے ایثری میں جذب ہوتا ہے۔روح حیوانی پر آ جاتا ہے۔اسی ترتیب سے روح حیوانی اُس ٹھوس مادی کیفیت کا مشاہدہ کر لیتی ہے ــــ مثال کے طور اگر ایک شخص مشرق میں رہ کر مغرب میں مقیم کسی شہر میں ــــ اپنے بھائی کو دیکھنا چاہے۔تو روح حیوانی ارادہ کے ساتھ فضائے ایثری سے رابطہ کرتی ہے ــــ اس رابطہ میں خاص مقام کے تصور کے ساتھ اسی مقام کا تصور فضائے ایثری کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے تو مطلوبہ مقام یعنی شہر ــــ مکان اور بھائی۔ان کیفیتوں کا عکس روح حیوانی پر آ جاتا ہے۔اس وقت انسان ایسے محسوس کرتا ہے۔کہ وہ خود اپنے بھائی کو مکان میں ــــ یا جہاں پر اسکا بھائی جس حالت میں ہو ــــ جو کام وہ کرتا ہو بعینہ اسی حالت میں محسوس ہوتا ہے۔اس طرح روح حیوانی ــــ حدِ نظر ــــ یا حدادراک سے دور ہر کیفیت کا مشاہدہ کرتی ہے ــــ یہ کیفیات عالم ظاہری (یعنی دنیا) پر واقع ہوئی ہیں ــــ ان ٹھوس مادی کیفیتوں کو عالمِ مادی (عالمِ ظاہری) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اور اسی عالمِ ظاہری کا ایک روحانی

وجود بھی قائم ہو جاتا ہے۔ جو ایثری فضائے روحانی میں موجود ہوتا ہے ــــ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس عالمِ ظاہری کے ساتھ اسکا ایک روحانی عالم بھی پایا جاتا ہے ــــ اس عالم کو روحِ حیوانی سے دیکھا جاتا ہے ــــ کیونکہ روحِ حیوانی بذاتِ خود۔ ایک قوی ایثری قوت ہے ــــ اور اس روح میں بھی وہی خاصیت پائی جاتی ہے ــــ جو ایثری قوت میں پائی جاتی ہے ــــ یعنی کیفیات کو اپنے میں جذب کرنا ــــ اس جذب کا عمل آنکھ سے شروع ہوتا ہے ــــ کہ آنکھ جب بیرونی کیفیت کا عکس اپنے میں جذب کرتی ہے۔ تو کسی کیفیت کا عکس جب بیرونی ایثری فضا میں جذب ہو کر ــــ لہروں کی شکل میں آنکھ کی پتلی کے جوہری خون میں جذب ہوتا ہے ــــ تو دونوں قوتوں ــــ یعنی آنکھ کی ایثری قوت اور بیرونی ایثری قوت کی درمیانی ٹھوس کیفیتیں ــــ عکس جذب کرنے ــــ اور آنکھ میں جذب ہونے میں حائل نہیں ہوتیں ــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے ــــ کہ انسانی ایثر کا رابطہ فطری طور بیرونی ایثر سے قائم رہتا ہے اور انکے رابطہ میں۔ درمیان میں کوئی ٹھوس مادی کیفیت رابطہ میں حائل نہیں ہو سکتی ــــ آنکھ سے دماغ تک براہ راست ایثری قوت کا رابطہ قائم رہتا ہے۔ اسلئے آنکھ سے دیکھی ہوئی کیفیت براہ راست دماغ یعنی روحِ حیوانی مشاہدہ کر لیتی ہے ــــ دماغ میں ایثری قوت کی خاصیت وصفت۔ انسانی دماغ میں اسکی ایک جز حافظہ سے ظاہر ہوتی ہے ــــ کہ دماغ تک ہر بڑی سے بڑی ــــ وسیع سے وسیع ــــ عظیم سے عظیم ہیئت کا عکس پہنچ کر دماغی مشاہدہ میں آتا ہے ــــ اور ہر کیفیت ــــ ہر واقعہ کی لطیف (روحانی) ہیئت حافظہ میں جمع ہو کر قائم رہتی ہے ــــ حافظہ میں کیفیات کے جمع ہونے کی خاصیت بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسی فضائے ایثری میں زمین کی ہر کیفیت جذب ہو کر موجود رہتی ہے ــــ انسانی ابتدا سے انتہا تک حافظہ میں غیر جسمانی حالت میں قائم ہونے کی صورت میں۔ حافظہ کو ایک وسیع روحانی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جس میں ــــ عظیم الجثہ پہاڑوں ــــ دریاؤں ــــ سمندروں ــــ شہروں۔ باغات۔ محلات اور زمین کی تمام کیفیات کے نقوش جذب ہو کر سما جاتے ہیں ــــ اس حیثیت میں فضائے ایثری ــــ اور حافظہ کی حیثیت یکساں ہو جاتی ہے۔ روحِ حیوانی ــــ جب حواس کی آمدہ کیفیات سے فارغ ہو ــــ تو وہ حافظہ میں جمع شدہ کیفیات کا مشاہدہ کرتی ہے یعنی حافظہ کا فطری عمل یہ ہے۔ کہ حواس سے آمدہ کیفیات حافظہ میں داخل ہوتی ہیں ــــ حافظہ خود ان کیفیتوں کو عقل یا شعور میں داخل کرتا ہے۔ جس

سے آنکھ کی دیکھی کیفیت کا علم و آگاہی ہو جاتی ہے ـــــ اسی طرح جب حواس سے اطلاع بند ہو جائے ـــــ تو حافظہ اپنی عادت کے مطابق اپنی جمع شدہ کیفیات کا عکس شعور و عقل میں منتقل کرتا ہے۔ تو عقل و شعور انہیں حافظہ کی کیفیتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس مقام پر روحِ حیوانی کیفیات کو غیر جسمانی حالت میں محسوس کرتی ہے۔ اس کیفیت کو خیال کہا جاتا ہے ـــــ اسلئے حافظہ کے روحانی (ایثری) عمل کو جس میں تمام کیفیات جمع و قائم رہتی ہیں عالمِ خیال سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ اس عالمِ خیال کی بھی ایک حیثیت ہے جو مشاہدہ میں آتی ہے ـــــ حافظہ کی ظاہری حیثیت ایک انچ دماغ کے نرم گودے سے سوا کچھ نہیں ـــــ لیکن دماغ ـــــ اور حافظہ میں ایثری قوت پائی جاتی ہے۔ اسی ایثری قوت کی (جو صرف حافظہ کے ایک انچ گودے میں واقع ہے) اتنی وسعت پائی جاتی ہے۔ کہ اس میں تمام دنیا (عالمِ سیارگان) کی کیفیات کے وجودوں کے نقوش لطیف ہیئت میں سما جاتے ہیں ـــــ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ بجائے خود حافظہ کا مشاہداتی عمل یکسر ایثری قوت کا حامل ہے ـــــ اور بجائے خود حافظہ کی حیثیت مثل فضائے ایثری کے ایک وسیع عالم کی سی ہے۔ جسے عالمِ خیال سے موسوم کیا جاتا ہے ـــــ اس عالمِ خیال میں بھی مثل فضائے ایثری کے زمین ـــــ اور دنیا کی ماضی۔ کی کیفیتیں سمائی ہوتی ہیں ـــــ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ فضائے ایثری ـــــ عالم مادی کی وسعت۔ حافظہ کے عالمِ خیال سے وسیع ہے ـــــ کیونکہ حافظہ کے عالمِ خیال میں انسانی پیدائش سے لیکر موت تک کی کیفیات جمع رہتی ہیں ـــــ اور فضائے ایثری میں زمین کی ابتدائی پیدائش سے لیکر انتہا تک کیفیات جمع رہتی ہیں ـــــ روحِ حیوانی انہیں دو عالموں کا مشاہدہ۔ نیند اور بیداری میں کرتی ہے یعنی ماضی ـــــ اور حال کے واقعات کا روحانی مشاہدہ ـــــ اسکے علاوہ

عالمِ خیال کے مشاہدہ میں روحِ حیوانی کو ـــــ مشاہدہ کرنے میں دقت نہیں۔ کیونکہ۔ حافظہ کا فطری عمل یہی ہے۔ کہ اسکی تمام جمع شدہ کیفیات کا عکس خود بخود۔ عقل و شعور (روحِ حیوانی) میں داخل ہوتا ہے۔ جس میں وہ اپنے ماضی کے مٹے ہوئے نقوش کو دوبارہ دیکھ لیتی ہے ـــــ اور فضائے ایثری کے عالمِ مادی کی کیفیات کا مشاہدہ کرنے کیلئے ـــــ اسے بیرونی فضا سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے ـــــ اور کیفیات کا کھوج لگانا۔ پڑتا ہے ـــــ اس کھوج لگانے کے عمل کو تصور ـــــ یکسوئی Concentration کہتے ہیں۔

اس طرح روح حیوانی کا مشاہدہ دوطرح سے ہوتا ہے۔ایک حواس کے ذریعہ قریبی حواس کے احاطہ میں آنے والی کیفیتوں کا مشاہدہ ــــ یہ عام مشاہدہ کہلاتا ہے۔جو ہر انسان کو حاصل ہے ــــ دوسرا روح حیوانی کا ــــ عالم خیال کا مشاہدہ کرنا ــــ یہ بھی ہر شخص کو حاصل ہوتا ہے ــــ کہ ہر شخص اپنے حافظہ میں جمع شدہ کیفیات (غیر جسمانی) کا مشاہدہ کرتا ہے۔اسے خیال یا خیال میں محو ہونا کہتے ہیں۔ خیال میں محو ہونے کی صورت یہ ہے۔کہ جب حواس کے ذریعہ کوئی کیفیت ــــ حصۂ بصارت ــــ واہمہ ۔حافظہ میں داخل نہ ہو ــــ حافظہ کا فطری عمل یہ ہے۔کہ وہ حواس سے آمدہ ہر کیفیت کو عقل میں داخل کرتا ہے تو عقل (روح حیوانی) اسی کیفیت کا مشاہدہ کرتی ہے ــــ اور جب حواس سے کیفیت آنی بند ہو جائیں ــــ تو حافظہ کا عمل جاری رہتا ہے ــــ تو وہ اپنی جمع شدہ کیفیات کا دورہ جاری رکھتا ہے۔جو عقل میں داخل ہوتا ہے ــــ اور عقل انہیں کیفیتوں کو محسوس کرتی ہے ــــ اسی کیفیت کو خیال کہتے ہیں ــــ اور جب یہ سلسلہ برابر جاری رہے ــــ اور عقل انہیں حافظہ کی کیفیات کو دیکھنے میں مصروف رہے ــــ تو اس کیفیت کو خیالات میں غرق ہونا یا محو ہونا کہتے ہیں ــــ جسے Chain of Thought بھی کہتے ہیں۔یہ کیفیت بیداری کی ہے ــــ اور نیند میں بھی حافظہ اپنی عادت کے مطابق اپنے عمل کو ہر لمحہ جاری رکھتا ہے اگر حواس کے ذریعہ کوئی کیفیت حاصل ہو تو وہ کیفیت بھی (نیند کی حالت میں) کان کے ذریعہ آواز ــــ ناک کے ذریعہ بُو ــــ زبان کے ذریعہ ذائقہ ــــ اور مس کے ذریعہ کوئی چھونے کی کیفیت براہ راست حصۂ حرکت ــــ واہمہ ــــ حافظہ تک آجاتی ہے ــــ حافظہ عقل میں کیفیت کو داخل کرتا ہے ــــ لیکن نیند کی حالت میں۔عقل کے اعصاب سکڑ جاتے ہیں ــــ جسوجہ سے کیفیت عقل میں داخل نہیں ہوتی ــــ اسلئے نیند کی حالت میں حواس کے ذریعہ کیفیات حافظہ تک آجاتی ہیں۔مگر عقل میں داخل نہ ہونے کے باعث محسوس نہیں کی جاتیں ــــ یہ جاننا ضروری ہے۔کہ حافظہ اپنے عمل کو فطری طور بیداری اور نیند میں جاری رکھتا ہے ــــ اور نیند کی حالت میں بھی حواس کام کرتے رہتے ہیں۔سوائے آنکھ کے۔کہ آنکھ کی پتلی۔ پپوٹوں کے پردے سے ڈھک جاتی ہے ــــ اسلئے بیرونی کیفیت کی شکل و صورت دماغ تک نہیں پہنچتی۔باقی حواس۔کان میں آواز داخل ہوکر حافظہ تک پہنچتی ہے ــــ ناک زبان سے بھی کیفیت دماغ تک پہنچتی ہے۔اور قوتِ لامسہ (مس) سے بھی ــــ جو شے جسم سے مس ہو ــــ یہ

کیفیت دماغ تک پہنچتی ہے۔لیکن عقل کے معطل ہونے کی وجہ سے کیفیت محسوس نہیں کی جاتی ــــ البتہ ــــ جب حواسِ اربعہ (سوائے آنکھ) کان۔ناک۔زبان۔مس کی کسی کیفیت میں شدت ہو ــــ تو یہ کیفیت جب حافظہ میں داخل ہوکر عقل سے ٹکراتی ہے ــــ تو شدت کی وجہ سے عقل بیدار ہو جاتی ہے ــــ مثال کے طور اگر آواز کے ذریعہ بجلی کی کڑک (گرج) یا کوئی زوردار آواز کان سے ٹکرائے تو آواز اسی شدت کے ساتھ حافظہ میں پہنچ کر عقل سے ٹکراتی ہے ــــ تو اس شدتِ ضرب سے عقل بیدار ہو جاتی ہے ــــ یعنی نیند کی کیفیت ہٹ جاتی ہے ــــ تو انسان بیداری میں گرج یا زوردار آواز محسوس کرتا ہے اگر عقل پر تناؤ (سکڑنا) زیادہ سخت ہو ــــ اور نیند گہری ہو ــــ تو شدت کے اثر کی وجہ سے ــــ عقل کا دوسرا حصہ شعور اس کیفیت کو محسوس کرتا ہے ــــ اس وقت روحِ حیوانی اس کیفیت کو محسوس کر کے حافظہ کی کیفیت کا مشاہدہ اسی طرح کرتی ہے۔جسطرح عقل کے ذریعہ بیداری میں کی جاتی ہے ــــ اسی کیفیت کو نیند میں دیکھنا ــــ یعنی ''خواب'' [1] کہا جاتا ہے ــــ اس وقت انسان مس ــــ یا آواز وغیرہ کو روحِ حیوانی سے محسوس کرتا ہے۔جسطرح ــــ آنکھ۔کان کے ذریعہ بیداری کی حالت میں کیفیت محسوس کی جاتی ہے۔اس مشاہدہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔یعنی جسطرح بیداری کی حالت میں آنکھ کے ذریعہ کیفیت دیکھی جاتی ہے۔اسی طرح نیند کی حالت میں شعور کے ذریعہ بعینہٖ کیفیت دیکھی جاتی ہے ــــ یہ نوعیت بھی عالم ظاہری کے مشاہدہ کی ہے۔کہ سوائے آنکھ کی مدد کے شعوری قوت کے ذریعہ روحِ حیوانی کیفیات کا مشاہدہ کرتی ہے ــــ اس کیفیت کو بھی ''خواب'' سے نسبت دیا جاتا ہے ــــ اس خواب کے مشاہدے کا تعلق۔انسانی۔قلب سے بھی ہوتا ہے ــــ قلب سے ارادہ کا تعلق ہوتا ہے۔نیند میں بھی قلبی ارادے ابھرتے رہتے ہیں۔جسطرح کسی شے کے حصول میں۔دلی ارادہ کام کرتا ہے ــــ اس طرح بعض خواہشات انسانی قلب میں ایسی ہوتی ہیں۔جنکی تکمیل کیلئے ــــ ارادہ کیا جاتا ہے ــــ نیند کی حالت میں بھی۔خواہشات کی تکمیل میں ارادہ ابھر کر دماغ کے ذریعہ تکمیل چاہتا ہے ــــ ایسی صورت میں ــــ جب انسانی قلب کا تصور ــــ حافظہ میں داخل ہوتا ہے ــــ تو حافظہ میں بھی اس

---

[1] خواب سے مراد نیند میں دیکھنا ــــ رَئٰ فِی الْمَنَام

خواہش کا وجود موجود ہوتا ہے ــــ تو حافظہ سے اس خواہش کے لوازمات (اجزأ) ابھر کر شعور میں داخل ہوتے ہیں ــــ تو انسان بیداری کی طرح نیند میں خواہش کی تکمیل کا ارادہ کرتا ہے ــــ تو حافظہ اسکی تکمیل کے تمام اجزأ شعور پر داخل کرتا ہے ــــ شعور انہیں اجزأ کو دیکھ کر نیند میں خواہشات کی تکمیل کے اجزأ دیکھ کر خواب کی شکل پیدا کرتا ہے ــــ مثال کے طور ایک شخص کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ میں اپنا ذاتی مکان بناؤں مگر اس کے پاس ذرائع نہیں ــــ نیند کی حالت میں یہی خواہش دل سے ابھرتی ہے ــــ جسطرح بیداری میں انسان اپنے مکان کی تعمیر میں ارادہ استعمال کر کے مکان تعمیر کرتا ہے ــــ اسی طرح نیند میں بھی انسان ارادہ کو استعمال کرتا ہے۔ تو حافظہ سے مکان کی تعمیر کے اجزأ ابھرتے ہیں ــــ جیسے جستجو کرنا ــــ تعمیری ضروریات فراہم کر کے مکان مکمل کرنا ــــ اس طرح ایک خیالی مکان مکمل ہو کر شعور کے سامنے آتا ہے ــــ تو انسان ایک مکان کی مکمل ہیئت دیکھتا ہے۔ کہ گویا اس نے اپنی خواہش کے مطابق مکان تعمیر کر کے اپنی خواہش پوری کر لی ــــ یہی خواب کی کیفیت عالمِ خیال کی خواب [1] یا مشاہدہ سے تعبیر ہے ــــ گویا حافظہ کی جمع شدہ کیفیات کو جسطرح بیداری میں (خیالات میں محو ہونے کی شکل میں) روحِ حیوانی مشاہدہ کرتی ہے۔ بعینہ اسی طرح نیند کی حالت میں بھی مشاہدہ کرتی ہے ــــ اسکے علاوہ ــــ جسطرح روحِ حیوانی بیداری میں۔ فضائے ایثری سے رابطہ قائم کر کے ــــ ماضی ــــ یا حدادراک سے دور کیفیات کا مشاہدہ کرنے کی قوت رکھتی ہے۔ نیند میں یہ قوت بحال رہتی ہے ــــ تو نیند میں بھی ــــ روح حیوانی کا فضائے ایثری سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے ــــ تو جس طرح بیداری میں انسان ــــ روح حیوانی کے ذریعہ مشرق سے مغرب میں (اپنے بھائی کی کیفیت کا) مشاہدہ کرتا ہے۔

---

[1] اسی ترکیب پر سگمنڈ فرائڈ کے نظریہ کی اساس ہے۔ کہ وہ خواب کو خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور خواہشات نفسانی کا حافظہ سے نکل کر Psychic Area پر منتقل ہونا ہی خواب میں (نیند میں) مشاہدہ تصور کرتا ہے۔ حالانکہ یہ انسانی مشاہدہ کی ایک ناقص صورت تصور کی جاتی ہے۔ جبکہ خواب خواہشات نفسانی کے حافظہ سے ابھرنے سے علاوہ بھی روح حیوانی بیرون ایثری فضا سے رابطہ کر کے خیال (ذہن) سے علاوہ کائنات کے مناظر ماضی حال مستقبل کا مشاہدہ بھی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور یہ ایک فطری عمل ہے۔ کہ انسانی روح خیال سے سوا۔ کائناتِ ارض وسماوات کی کیفیات کا مشاہدہ بغیر حواس۔ نیند اور جاگتی حالت میں کر سکتی ہے۔

اسی طرح نیند میں بھی یہ روح حیوانی مشرق سے مغرب ــــ یا فضائے ایثری کی جذب شدہ کیفیات کا مشاہدہ کرتی ہے ــــ اور ماضی کی کیفیت سے آگاہ ہوتی ہے ــــ یا اپنے بھائی کی اُس وقت کی حالت کا مشاہدہ کرتی ہے۔ جس حالت میں اسکا بھائی ہو ــــ اس کیفیت ''خواب'' کو روحانی مشاہدہ یا رویائے صادقہ کہا جاتا ہے ــــ اسکے علاوہ ــــ روحِ حیوانی کو ایسے واقعات کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے ــــ جسکا تعلق عالمِ روحانی (فضائے ایثری ــــ یا واقعاتِ دنیا) کے مستقبل سے ہو ــــ! ظاہر ہے۔ جب مستقبل کے کسی واقعہ کا ظہور ہوا ہی نہ ہو ــــ تو وہ کیسی کیفیت ہے جو ایک ہیئت وشکل میں روحِ حیوانی کے مشاہدہ میں آتی ہے ــــ جسکا تعلق مستقبل سے ہو ــــ؟ کیونکہ ایسی کیفیت نہ عالمِ خیال (حافظہ) میں ہے۔ نہ عالمِ روحانی (فضائے ایثری) میں واقع ہے؟

اس کیفیت کیلئے یہ جاننا ضروری ہے ــــ کہ مستقبل میں رونما ہونے والے تمام واقعات اگرچہ انکے وجود کا نہ ظہور ہوا ــــ نہ احساس ہوتا ہے ــــ مگر ماضی میں ان کیفیات کا غیر جسمانی ہیئت میں وجود موجود ہوتا ہے ــــ کائناتِ عالم میں ازل سے ــــ ابد تک۔ جن کیفیات کا ظہور ہونا ہے ــــ انکا وجود ازل سے مقرر ہوتا ہے ــــ اور ہر شے ــــ ہر واقعہ کا اپنے وقت اور زمانہ پر ظہور ہوتا ہے ــــ اسکی مثال ایک بیج کی سی ہے۔ کہ بیج میں ایک درخت کا وجود موجود ہوتا ہے ــــ اور بیج میں درخت کے تمام اجزأ ہوتے ہیں۔ مگر محسوس نہیں کئے جاتے ــــ جیسے۔ پودا ــــ تنا ــــ شاخیں ــــ پتے۔ پھول اور میوہ ــــ اسکی بہار وعروج ــــ پھر اسکا تنزل ــــ میوؤں۔ پھولوں۔ پتوں کا جھڑ جانا ــــ پتوں کا گل سڑ کر مٹی ہو جانا ــــ درخت کا گل سڑ کر مٹی ہو جانا ــــ یا کوئلے میں تبدیل ہونا ــــ یہ سب کیفیتیں مستقبل[1] کے زمانہ میں شامل ہیں۔ جو بیج اور درخت میں موجود ہیں مگر حال میں محسوس نہیں

---

[1] اسکی مثال ایسی ہے۔ کہ جسطرح خوردبین کے ذریعہ خون کے ایک قطرے میں بے شمار (بیماری کے) ذرات کو دیکھا جاتا ہے۔ اور پھر باریک دوربینی کیمرہ سے ایک ذرہ کی شکل کو (Expand) وسیع کر کے، دکھایا جاتا ہے ــــ اسی طرح یہ سمجھا جائے۔ کہ ایک بیج کے وجودی اجزأ کو Expand ــــ یا Enlarge کر کے دکھایا جائے تو وہ شکل بعینہٖ درخت کی ہوگی۔ کیونکہ بیج دراصل ایک درخت ہی کا وجود رکھتا ہے۔ یا بیج میں بنیادی طور ایک درخت ہی سمایا ہوتا ہے۔ یہی ترکیب روح حیوانی کے ذریعہ ایک بیج کے مستقبل میں درخت کا وجود مشاہدہ کرنے کی ہوتی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوتی ہیں ــــ بیج کا ماضی وہ کیفیت ہے۔ جہاں سے بیج پیدا ہوتا ہے یہ کیفیت فضائے ایثری میں موجود ۱ ہوسکتی ہے ــ اور حال بھی عالمِ ظاہری سے مشاہدہ میں آتا ہے۔ مگر درخت محسوس نہیں ــــ حالانکہ اسکا وجود بیج میں موجود ہے۔ اور یہ بھی تخلیقی قانون کا فطری عمل ہے۔ کہ اگر درخت کے اجزا بیج میں موجود نہ ہوں۔ تو درخت کا وجود مستقبل میں موجود نہیں ہوسکتا ــــ اور جو اجزا بیج میں موجود ہیں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) روح حیوانی ایک قوی لطیف قوت ہے۔ جو مادی خوردبین کی قوت سے کروڑوں درجہ لطیف ہوتی ہے۔ اسلئے اس روح کو خوردبین کی جگہ استعمال کر کے ایک بیج (یا کسی شے) کے مستقبل کے وجود کو اسی قوت کے مطابق اسکی مستقبل کی پوری ہیئت میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ گویا۔ اسکے معنی یہ ہوئے۔ کہ مستقبل کوئی ایسا وجود۔ یا ایسی کیفیت نہیں۔ جو ماضی۔ حال میں موجود نہ ہو۔ اور اسکا وجود زمانہ کے ساتھ مستقبل میں ہی پیدا ہوتا ہے ــــ ایسا نہیں۔ بلکہ کائنات کی فطری تخلیق کے قانون کے مطابق ہر مستقبل کی ہیئت و کیفیت کا وجود ماضی حال میں ہونا لازمی ہے۔ اگر کسی ہیئت کا وجود ماضی میں موجود نہ ہو۔ تو مستقبل میں ظاہر ہونا قطعاً ناممکن ہوگا۔ لہذا روح حیوانی کے ذریعہ مستقبل کا مشاہدہ دراصل ماضی حال کے وجود کے غیر محسوس وجود کا ادراک ہی ہوتا ہے۔ جو مستقبل میں اپنی پوری ہیئت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقتاً مستقبل کوئی زمانہ نہیں۔ جس میں کسی نئے معدوم وجود کا ظہور ہوتا ہو ــــ مستقبل کے لفظ سے بھی یہ امر واضح ہے۔ کہ ایک وجود کے پیدا ہونے یا ظاہر ہونے سے "قبل" اسکا ادراک کرنا۔ جو وجود ماضی و حال میں غیر محسوس ہیئت میں موجود ہوتا ہے۔

۱ فضائے ایثری میں موجود ہونے سے مراد۔ جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا۔ کہ کائنات میں جو بھی واقعات رونما ہوتے ہیں۔ انکے عکس بعینہٖ فضائے ایثری میں محفوظ ہوتے ہیں۔ مثلاً ــــ بیج گندم کا بونا ــــ ہل چلانا ــــ پودا اگنا ــــ فصل کی شکل اختیار کرنا ــــ فصل کاٹنا ــــ ذخیرہ کی شکل میں گندم کے دانوں کو جمع کرنا ــــ ایسے ہی ہے۔ جیسے ایک فلمساز کمپنی۔ پہلے بیج کے دانے کا فوٹو لیتی ہے۔ پھر اسے بوئے جانے کی فلم لی جاتی ہے۔ ہل چلانے کی فلم لی جاتی ہے ــــ پودا اگنے کی فلم لی جاتی ہے۔ پھر مکمل فصل کی شکل میں تیار پودے کی فلم لی جاتی ہے پھر مشین میں پودوں سے دانے الگ کرنے کی فلم لی جاتی ہے۔ پھر گندم کے دانوں کی ذخیرہ کی شکل میں فلم لی جاتی ہے۔ پھر انہیں دانوں میں۔ ایک دانہ گندم کی واحد شکل میں فلم لی جاتی ہے۔ کہ گندم کے بیج کے دانے کی یہ پیدائشی داستان پردہ پر دکھائی جاتی ہے۔ اسطرح دانے کے ماضی حال کی پوری کیفیت محفوظ ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی صورت ــــ بالکل یہی صورت۔ فضائے ایثری میں ایک بیج کے ماضی کی تمام کیفیت محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور روح حیوانی ایک دانہ کی ماضی کی یہی محفوظ شدہ کیفیت فضائے ایثری سے مشاہدہ کر کے ایک شے کے ماضی و حال کا مشاہدہ کرتی ہے۔ یہ کسی شے کے ماضی کا مشاہدہ کی ترکیب ہے۔

مستقبل میں انکا ظہور ہونا یقینی اور لازمی ہے اسی طرح زمین سے پیدا ہونے والی کیفیات مستقبل میں جنکا ظہور ہونا ہے۔ زمین میں موجود ہیں ــــ اگر زمین میں موجود نہ ہوں ــــ تو زمین پر نہ نباتات۔ نہ جمادات۔ نہ حیوانات کا ظہور ہوسکتا ــــ اور جن کیفیتوں کا وجود زمین میں موجود ہے انکا مستقبل میں ظہور ہونا یقینی اور لازمی ہے ــــ اسی طرح ــــ جمادات میں اجزأ کے اختلاط (ملاوٹ) سے سونا۔ چاندی ــــ تانبا دیگر معدنیات ــــ کا پیدا ہونا ــــ زمین کے جوہری مادہ (گیس۔ آتش فشاں مادہ لاوہ) وغیرہ کے ظہور سے۔ طوفان۔ بارش۔ زلزلے۔ تعمیر و تخریب ــــ وغیرہ ــــ اور مسلسل زندگی کی رفتار کے نتیجہ میں آئندہ آنے والے واقعات کا ظہور ــــ ان سب کے اسباب ماضی و حال سے وابستہ ہیں ــــ یہی کیفیتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں ــــ یعنی روحِ حیوانی سے اشیأ کے (ماضی کے) بنیادی وجود پر نظر ڈال کر انکے مستقبل کے وجود کو پانا ــــ جیسے بیج کو دیکھ کر درخت کے اجزأ کو غیر جسمانی ہیئت میں دیکھنا ــــ اس مشاہدہ میں بیج کو تصور میں لا کر اسکے بطن (اجزأ) کو درخت کی ہیئت میں مشاہدہ کرنا ــــ مستقبل کی کیفیت کا مشاہدہ کرنے سے تعبیر ہے۔ درحقیقت ''مستقبل'' کا تصور ایک موہوم تصور ہے۔ جو زمانہ میں شمار نہیں۔ بلکہ۔ ماضی (ماضی) زمانہ وہ ہے۔ حال کے مشاہدہ میں آکر گزر گیا۔ اور حال کے مشاہدہ کے بعد اس کیفیت کا وجود (ایثری فضا میں) موجود ہے۔ جسکا مشاہدہ مبنی بر حقیقت ہے۔ اور مستقبل (استقبال) وہ کیفیت ہے۔ جو حال کے مشاہدہ تک نہیں پہنچی۔ مگر اسکا وجود بجائے ماضی (ایثری فضا) کے حال کے وجود میں موجود ہے۔ جیسے ایک سیب: یہ کیفیت پہلے مستقبل میں پائی جاتی ہے جبکہ اس پر ماضی وارد نہیں ہوا۔ مگر حال میں موجود ہے۔ پہلے مستقبل میں پائے جانے سے مراد۔ حال کا بیج ہے۔ جو حال میں موجود ہے مگر اس بیج میں سیب کا وجود بھی موجود ہے۔ جو حال کا درجہ رکھتا ہے۔ لہذا مستقبل کی کیفیت حال کے بعد نہیں۔ بلکہ حال ہی میں شامل ہوتی ہے اور جب مستقبل سے آگے اسکا ظہور ہوا۔ تو حال میں داخل ہو جاتا ہے پھر مستقبل نہیں رہتا۔ یہی کیفیت عالمِ روحانی میں کیفیات میں سمائے ہوئے غیر مجسم اجزأ کا مشاہدہ ــــ عالمِ روحانی کا ــــ روحِ حیوانی سے مشاہدہ کہلاتا ہے۔ اس مشاہدہ میں دنیا سے متعلق مستقبل کے واقعات کے ظہور ــــ اور مستقبل میں پیدا ہونے والی کیفیات کا روحانی وجود میں مشاہدہ ہوتا ہے ــــ اس مشاہدہ میں انسانی زندگی سے متعلق ان تمام واقعات کا

مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔ جو مستقبل میں ۔انسان پیدا ہونے ہیں ــــ اورانسے متعلق واقعات کہ انکی زندگی میں انسے کیا ظہور ہوگا مشاہدہ میں آتے ہیں ــــ یہ چیز کائنات کی فطری تخلیق میں ــــ فطری طور ــــ واقع ہوتی ہے ــــ ان کیفیات کو سمجھنے کیلئے ــــ کائنات کی اشیأ پر ــــ نیک نیتی سے۔غور وتحقیق کرنا ہے ــــ ان کیفیات کے نتیجہ پر فکر کے بعد ــــ روحِ رحمانی کے مشاہدات بھی سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ورنہ روحِ رحمانی ایک عظیم ولطیف نوری کیفیت ہے۔کائنات پر عمیق غور کئے بغیر انسانی ذہن اسکے افعال و اثرات کو سمجھنے میں یکسر مجبور ہے ــــ

روح رحمانی نوری ــــ کا مشاہدہ ــــ روحِ حیوانی کے مشاہدہ سے لطیف وغیر محسوس ہے ــــ جہاں پر روحِ حیوانی کے ادراک کی انتہائی حد ہوتی ہے۔وہاں سے روحِ رحمانی کے مشاہدہ کی ابتدأ شروع ہوتی ہے ــــ روحِ حیوانی ناری قوت ہے اسلئے جہاں تک ناری فضائے آسمانی کی حد ہوتی ہے۔ وہیں تک اسکا مشاہدہ وادراک ہوتا ہے ــــ ناری قوت نور میں داخل نہیں ہوسکتی ــــ نار نور میں داخل ہو کر نور میں جذب ہو کر تحلیل ہو کر اپنی ہیئت تبدیل کرتی ہے۔اس حالت میں اسکا وجودِ ناری باقی نہیں رہتا ــــ بلکہ نوری وجود میں جذب ہو کر نور بن جاتا ہے ــــ ناری فضائے آسمانی کے بعد نوری فضائے آسمانی واقع ہے ــــ اسلئے ایسے مقامات کا مشاہدہ ــــ انسانی روح رحمانی کے ذریعہ ہوتا ہے ــــ اور جہاں تک نوری فضائیں واقع ہیں۔وہاں تک روح رحمانی کی پرواز ومشاہدہ جاری رہتا ہے ــــ اسی روح کے ذریعہ عالم بالا نوری فضائے آسمانی سے لیکر نور ابتدائی تک مشاہدہ کیا جاتا ہے یہ تمام مشاہدہ ماضی سے متعلق ہے کیونکہ یہ تمام نوری کیفیتیں ماضی میں پیدا ہو چکی ہیں۔لہذا۔ایسی نورانی کیفیتوں کا حال وہی ہے جس ہیئت میں موجود ہیں۔لیکن۔ان کیفیتوں کا کوئی مستقبل کا وجود نہیں۔کیونکہ انکے مستقبل کا وجود حال میں شمار ہوتا ہے۔ جو موجود ہے ــــ جسکا مشاہدہ حال میں ہوتا ہے ــــ لہذا نور کا مستقبل نہیں تصور کیا جاتا ــــ اسکی ترکیب مشاہدہ۔حقیقتاً مشاہدہ کرنے کی ترکیب ــــ کہ کسی شے کو دیکھنے کا کیا طریق ہے۔وہ یہ کہ انسان جب کسی کیفیت کو دیکھنے کا ارادہ کرتا ہے ــــ دیکھنے سے مراد مشاہدہ ہے ــــ یا مشاہدہ سے مراد دیکھنا ہے ــــ دیکھنا ان قوتوں سے ــــ جو قوتیں انسانی وجود میں مشاہدہ کیلئے پائی جاتی ہیں ــــ ان میں آنکھ ــــ روح حیوانی ــــ روح رحمانی۔روح حیوانی سے دیکھنا دماغ

سے نسبت دیا جاتا ہے ـــــ اور روح رحمانی کا دیکھنا قلب (دل) سے نسبت دیا جاتا ہے۔ بظاہر اگرچہ ''دیکھنا'' آنکھ سے ہی متعلق کیا جاتا ہے ـــــ لیکن ـــــ دیکھنے سے مراد مشاہدہ ہے ـــــ تو مشاہدہ۔ ماسوئی آنکھ ـــــ روح حیوانی اور روح رحمانی سے بھی متعلق ہوتا ہے ـــــ اور یہ امر طے شدہ ہے۔ کہ دراصل مشاہدہ آنکھ سے نہیں ہوتا ـــــ بلکہ دماغ سے ہوتا ہے ـــــ اور دماغ میں روح حیوانی سے ہوتا ہے۔ گویا روح حیوانی کا دیکھنا یا مشاہدہ کرنا ہی ـــــ انسانی دیکھنا یا مشاہدہ کرنے سے تعبیر ہے ـــــ ان کیفیتوں کو گزشتہ بیان کیا گیا ـــــ کہ ظاہری مشاہدہ حواس کے ذریعہ ہوتا ہے ـــــ عالم روحانی ـــــ یا روحانی کیفیات براہ راست روحِ حیوانی مشاہدہ کرتی ہے اور اسکی ترکیب یہ ہے۔ جو گزشتہ اَمْر ـــــ اور کُنْ میں بیان ہوئی۔ کہ اَمر میں ارادہ استعمال ہوتا ہے ـــــ ارادہ سے مراد توجہ ـــــ یا نوری تجلی ـــــ لہذا جب روحِ حیوانی کسی شے کے مشاہدہ کا ارادہ کرتی ہے ـــــ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ جس طرح کسی شے کو دیکھنے کے لئے ارادہ کیا جاتا ہے ـــــ تو آنکھ کو اس شے کی طرف پھیرا جاتا ہے ـــــ اسی طرح روح وسیع ہے ـــــ اِسے رخ پھیرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ارادہ میں ایک مطلوبہ کیفیت کا تصور کرتی ہے ـــــ تو خود بخود اس تصور سے۔ توجہ اس کیفیت کی طرف (جہاں پر وہ کیفیت ہو) ہو جاتی ہے ـــــ اسی توجہ سے روحِ حیوانی کا رابطہ ایتھری فضا سے ہو جاتا ہے ـــــ اور مطلوبہ کیفیت کا عکس روح حیوانی پر آ جاتا ہے ـــــ تو اس کیفیت کو انسان ایسے محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ بغیر آنکھ اس مطلوبہ کیفیت کو (جہاں پر بھی وہ کیفیت ہو) دیکھتا ہے ـــــ یا مشاہدہ کرتا ہے ـــــ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ اس مشاہدہ کیلئے۔ انسانی اخلاق۔ پاکیزہ کردار۔ فاقہ۔ رات جاگنے سے۔ روح حیوانی پاکیزہ اور قوی لطیف حالت میں ہو۔ بغیر ان خصوصیات کے ہر انسان مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ کہ بلا شرط ہر انسان اپنی روح حیوانی سے مشاہدہ کر سکے۔ اسلئے کہ ہر انسان کی روح اپنی اصلی پاکیزہ حالت میں نہیں رہتی۔ ہاں! یہ کیفیت ناری فضائے آسمانی کی ہے۔ کہ روحِ حیوانی ـــــ زمین کی وسعت میں ہر کیفیت کا ـــــ فضا کی وسعت میں ہر سیارے کا ـــــ اس حد تک جہاں تک ناری فضائے آسمانی واقع ہے ـــــ اور روحِ حیوانی کے ادراک کے احاطہ میں آتی ہے مشاہدہ کر سکتی ہے ـــــ روح حیوانی اسی طریق سے۔ جسمانی۔ غیر جسمانی ـــــ عالمِ خیال۔ عالمِ روحانی کا مشاہدہ کرتی ہے ـــــ اس مقام کے بعد عالمِ نورانی ـــــ یا نوری فضائے

آسمانی کی کیفیات کا مشاہدہ کرنے کیلئے ــــ جس طرح آنکھ کام کرتی ہے۔اسی طرح روح رحمانی سے دیکھنے کا کام لیا جاتا ہے ــــ تو اسکا مطلب یہ ہے۔کہ جسطرح آنکھ کے ذریعہ کیفیت دماغ میں ــــ عقل۔شعور (روح حیوانی) تک پہنچتی ہے۔اور عقل وشعور حافظہ سے کیفیت حاصل کرتے ہیں ــــ اسی طرح نوری کیفیات کا عکس قلب سے لیا جاتا ہے وہ اس طرح کہ ــــ روحِ رحمانی نوری فضائے آسمانی سے براہ راست رابطہ کرتی ہے۔تو جو کیفیت نوری فضائے آسمانی سے روحِ رحمانی کو جذب میں حاصل ہوتی ہے۔اسکا عکس قلب سے محسوس کیا جاتا ہے ــــ کیونکہ قلب روح رحمانی کا مرکز ہے۔ اسطرح قلب سے آنکھ کا کام لیا جاتا ہے اور پھر قلب سے کیفیات کا عکس انہیں قویٰ Organs سے ہوتا ہوا دماغ تک پہنچتا ہے۔جن قویٰ سے حواس کے ذریعہ کیفیات دماغ تک پہنچتی ہیں ــــ یہ طریق محض انسانی علم میں باطنی غیر محسوس کیفیات کے مشاہدہ کیلئے ہوتا ہے۔کہ قلب سے کیفیت حصہ حرکت میں منتقل ہوتی ہے حصہ حرکت سے واہمہ میں داخل ہوتی ہے ــــ واہمہ سے حافظہ میں حافظہ سے شعور میں داخل ہوکر روحِ حیوانی اس نوری کیفیت کا مشاہدہ کرتی ہے ــــ اسی ذریعۂ روحِ رحمانی سے ــــ روحِ حیوانی نوری فضائے آسمانی ــــ آسمانِ اول ــــ آسمانِ دوئم ــــ آسمان سوئم ــــ آسمانِ چہارم ــــ آسمان پنجم ــــ آسمانِ ششم ــــ آسمان ہفتم ــــ کرسی۔عرش ــــ اور عرش سے ماورئی عالمِ نورانی تا نورِ ابتدائی تمام عالم اور ان میں واقع جملہ کیفیاتِ نوری کا مشاہدہ کرتی ہے ــــ

یہی ترکیب ہے انسانی مشاہدہ کی ــــ لیکن جیسی ترکیب عالمِ نورانی کی اوپر بیان ہوئی انسانی مشاہدۂ عالمِ مادی ونورانی کی ترکیب ایک مخصوص انداز میں ہوتی ہے ــــ وہ یہ کہ انسان ان کیفیات کو عَلَّمَ اَسْمَآءَ کُلَّھَا کے تابع مشاہدہ میں لاتا ہے۔اَسماء کے مشاہدہ کی ایک علیٰحدہ اور خاص ترتیب ہے۔جسکے لئے اسماء کلھا میں اسماء کی ترتیب جاننا ضروری ہے ــــ

اس ترتیب کو شرعی اصطلاح میں۔مشاہدۂ اسرار الٰہی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اسرار الٰہی سے مراد۔وہ کیفیات۔جو انسانی حواس کے ادراک سے بعید عالم نوری میں ــــ حواس کے احاطہ میں نہ آنے والی کیفیات ــــ اور جن کیفیات کی ہیئت لطیف غیر جسمانی یا روحانی یا نوری ہو ــــ اور ایسی کیفیات عام انسانوں کے درک (علم) میں نہ آنے والی ہوں۔جب تک کہ ان کیفیات کو براہ راست روح

رحمانی کے ذریعہ نہ دیکھا جائے ــــ چونکہ ان کیفیات کی ہیئت ۔ لطیف غیر جسمانی ہے ۔ جنکا وجود ظاہر نہیں ــــ ان کیفیات کا وجود عالمِ غیر جسمانی میں محسوس ہوتا ہے ــــ اسلئے اس عالم کو عالم باطن (یعنی چھپا ہوا عالم) سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ چونکہ ان کیفیتوں کی ہیئت انسانی نظروں سے پوشیدہ ہے ۔ اسلئے اس عالم کو عالمِ سِرّ سے بھی موسوم کیا جاتا ہے ــــ اور انسانی مشاہدہ صرف اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی خصوصیت میں شامل ہے ۔ کہ انسانی پیدائش کا مقصد ــــ روح رحمانی سے تخلیقِ کائنات کے بنیادی اسباب و علل اور انکی ابتدأ ــــ انکا مرکب وجودی پہچان کرانکے بنیادی وجود کو پہچاننا ــــ ان سے استفادہ کرنا ــــ اور اصل مقصد اس کائناتِ خلقت کے خالق کو پہچان کر اسکی تعریف ۔ اسکی تسبیح و حمد اور اس تک رسائی حاصل کرنا ــــ اور یہ جانتے ہوئے کہ انسان کا خالق بھی کائناتِ خلقت کا خالق ہے ــــ تو اسی خالق کی پہچان میں ــــ اسی کا تصور و مشاہدہ حاصل کرنا ہے ــــ چونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے ــــ کہ کائناتِ خلقت کا بنیادی وجود ــــ بنیادی سبب وہ خالقِ کائنات ہی ہے ۔ اسلئے ان تمام کیفیات باطنی کو ــــ اسرار الٰہی سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ یعنی اللہ خالق تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ۔ مخلوقِ کائنات میں اسکا کھوج لگا کر ۔ عالم نورانی میں داخل ہو کر اس تک پہنچنے کی راہ ــــ ایک مخصوص راستہ ۔ اسرارِ الٰہی سے تعبیر ہے ۔ اب جاننا یہی ہے ــــ کہ عالم نورانی ــــ عالم روحانی ــــ عالم باطن ــــ عالم سرّ ــــ اسرار الٰہی یا اللہ تک پہنچنے کے مخصوص [1] راستہ کا حقیقی تصور کیا ہے؟ اور یہ راستہ کیسے حاصل کیا جاتا ہے ۔ اس راستہ کو پانے کیلئے انسان نے کیا طریق اختیار کیا ؟

تواریخِ عالم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے ۔ ماضی کو جاننے ــــ اور سمجھنے کیلئے ۔ انسان کے پاس ــــ یہی ایک (تاریخی) ذریعہ ہے ۔ جس سے ماضی کے واقعات کا علم ہو سکتا ہے ۔ لیکن اس سلسلہ میں ۔ تاریخ کا وجود ۔ خود غیر مستقل ــــ اور ماضی کے واقعات کی آگاہی کیلئے ناکافی ہے ــــ کیونکہ ابتدائے آفرینش میں ــــ تاریخ کا وجود نہیں تھا ــــ حالانکہ واقعاتِ عالم کو جاننے کیلئے تاریخ ہی ایک ذریعہ ہو سکتی ہے ــــ اسلئے تاریخ ہمیں کائناتِ خلقت ۔ یا کائناتِ ارضی کے ابتدائی واقعات بتانے

---

[1] اسکی تفصیل صفحہ ۴۳۹ سے ۵۰۳ تک مسلسل جاری ہے۔

سے قاصر ہے ـــــ اور یہ بات ظاہر ہے ـــــ جب تک واقعاتِ عالم کو انکے اصل روپ میں پیش نہ کیا جائے ـــــ تو کوئی تاریخ مستقل قرار نہیں دی جاسکتی ـــــ اور ظاہر ہے۔ تاریخ کا وجود اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جب انسان نے واقعاتِ عالم کو محفوظ کرنے کا احساس کیا تو اسکے لئے ضروری تھا ـــــ کہ تواریخ کا وجود خود مستحکم اور پائیدار ہو ـــــ تو یہ استحکام تب تک حاصل نہیں ہوسکتا ـــــ جب تک کہ تواریخ کو خود محفوظ کرنے کا ذریعہ حاصل نہ ہو ـــــ تاکہ رفتار زمانہ کے ساتھ اسکی اپنی حیثیت بوسیدہ نہ ہو ـــــ اور اسکی حیثیت سالم رہ کر اسکا علم باقی رہ سکے ـــــ

واقعاتِ عالم کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے ـــــ کہ ابتدائی پیدائش میں انسانی تصور میں ـــــ نہ واقعاتِ عالم کو محفوظ کرنے کا احساس تھا ـــــ نہ اسے اسکی ضرورت محسوس ہوئی ـــــ انسانی معمولاتِ زندگی اس امر کا تقاضا ہی نہ کرتے تھے۔ کہ انہیں واقعات کو محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ـــــ! اسکے علاوہ انسان کو ایسے واقعات سے دوچار بھی نہ ہونا پڑا کہ وہ تاریخ کی تدوین کا احساس کرتے ہوئے۔ ذرائع فراہم کرنے میں دلچسپی لیتا ـــــ اسلئے کائناتِ ارضی کی ابتداً ایسے تصورات سے خالی ہے ـــــ کہ ابتداً کے واقعات کا اصل مواد انسان کو حاصل ہو ـــــ اور جب ابتداً کے واقعات کا حقیقی تصور حاصل نہیں۔ تو ابتداً پر بحث کرنا لاحاصل ہے ـــــ اور اگر ابتداً پر بحث کی گئی تو اس کا تصور قیاس و وہم پر مبنی ہوگا۔ جب تک کہ ابتداً کے واقعات کو پانے کیلئے کوئی مستقل ذریعہ حاصل نہ ہو ـــــ

باوجود ان حالات کے ـــــ انسان اپنے ماضی پر بحث کرنے کا عادی چلا آیا ـــــ اس نے ماضی کے کئی قیاسی ـــــ وہمی تصورات ونظریات پیش کئے ـــــ ان تصورات کی بنیاد میں مختلف واقعات کو پیش کیا گیا ـــــ لیکن ان کی اصل ابتداً کے حقیقی واقعات کے حقیقی نقوش نہ ملنے کے باعث قیاس ووہم پر منتج ہوتی ہے ـــــ جن تصورات میں۔ ابتداً اور انسانی ابتداً کا حقیقی تصور پایا نہیں جاتا ـــــ ان تصورات کی اساس ان تاریخی واقعات پر ہے۔ جو مابعدِ زمانہ قوموں نے۔ پتھروں۔ اور اپنی تمدنی زندگی کی نقل وحرکت میں چھوڑا ـــــ اور وہ رفتار زمانہ کے ساتھ زمین میں بوسیدہ ہوکر دفن ہوگئے۔ ظاہر ہے ـــــ کہ بوسیدہ اور دفن ہوئے نقوش اپنی اصلی ہیئت میں پائے نہیں گئے۔ اور محققین نے ان مٹے ہوئے نقوش پر قیاس ووہم کے کیمیاوی مرکبات چڑھا کر ایک نامکمل ہیئت بنا کر اسی کو اصل قرار دیکر اپنے نظریات وتصورات کی بنیاد

اٹھائی ــــ ظاہر ہے اصولِ فطرت کے تابع ایسے تصورات ونظریات بھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتے ــــ اسکے علاوہ قدیم قوموں کے ذہنوں نے ابتدأ کے چند تصورات پیش کئے۔ لیکن یہ تصورات انتقالی ذہنی ــــ اور زبانی واقعات کی یاد دہانی کے تسلسل کے ذریعہ انسانی ذہنوں میں منتقل ہوتے رہے ــــ اس میں شبہ نہیں ــــ کہ ابتدأ میں انسانی ذہن۔ فطری قانونِ پیدائش کے زیر اثر قوی تھے ــــ اسلئے ایسے تصورات میں کسی حد تک سچائی اور استحکام پایا جاتا تھا۔ انہیں تصورات۔ پر آئندہ آنے والی نسلوں میں تاریخ کا احساس پیدا ہوا۔ اور انہوں نے پتھروں۔ کھالوں۔ اور مٹی کی تختیوں پر تاریخ کی تدوین کی ــــ انہیں تصورات کی اساس پر گزشتہ قوموں میں۔ جب رسول مبعوث ہوئے۔ انکی الہامی کتابوں ــــ وتبلیغ میں گزشتہ ابتدائی واقعات کا ذکر آیا ــــ لیکن ان تاریخوں۔ الہامی کتابوں کی ہیئت وحیثیت بھی محفوظ نہ رہ سکی اسلئے ہر زمانہ میں انسان کو ابتدائی تخلیق اور واقعاتِ عالم کا حقیقی تصور حاصل نہ ہو سکا ــــ اور انسان نے اکثر قیاس و وہم پر ہی اپنے تصورات کو قائم کیا ــــ اب دیکھنا ہے۔ کہ حقیقی علم حاصل ہونے کیلئے۔ انسان کے پاس کونسا ذریعہ ہو سکتا ہے ــــ جس پر اسکی پہچان ومعرفت کی بنیاد۔ استوار و مستحکم ہو ــــ؟

جہاں تک انسانی علم کا تعلق ہے ــــ مستقبل میں کوئی انتقالی مواد ــــ کوئی پتھر کی تاریخ کوئی الہامی کتاب انسان کو میسر نہیں ــــ جس سے انسان کی تحقیق وعلم کی تکمیل ہو ــــ سوائے ایک عالمگیر۔ ازلی ــــ ابدی۔ تاریخ کے ــــ وہ تاریخ۔ ایک ہی الہامی کتاب ہے۔ جس میں ازل سے ابد تک تمام کائنات خلقت کے حقیقی نقوش وتصورات حاصل ہو سکتے ہیں ــــ وہ ہے ــــ "بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۙ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝" [1] قرآنِ مجید جو ایک محفوظ و مستحکم تختی پر منقش ہے۔ جو ازل سے لکھی گئی اور اس

---

[1] یہی ایک ذریعہ یعنی قرآنی تاریخ الہامی اور حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی وقرآنی علم انسان کو ماضی حال ومستقبل کے تمام ازلی ابدی نشانات۔ کائناتِ عالم کی ابتدأ۔ عالم بالا مقامات نوری۔ ناری۔ ارضی کی تمام ابتدائی کیفیات۔ تخلیق۔ ترتیب پیدائش۔ ترکیب پیدائش۔ مرکبات۔ صفات کُلُّھُمْ کے آثار واسرار کا حقیقی تصور دے سکتے ہیں۔ سوائے اس کتاب وراہنمائی کے دنیا کی کوئی تاریخ۔ کوئی محقق۔ کوئی سائنس دان۔ کوئی تاریخ دان ابتدائے آفرینش یا ابتدائے زمانہ کے واقعات وکیفیات کا مدلل بیان پیش نہیں کر سکتا ــــ قرآن نے اس حقیقت کی نشاندہی کرنے کیلئے اپنا ایک اسلوب بیان پیش کیا۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اسکا طریق سوائے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ابد تک کے تمام واقعات درج کئے گئے ہیں۔سوائے قرآن کے اس نوع کا دعویٰ کسی تاریخ ــــ کسی الہامی کتاب نے نہیں کیا۔قرآن نے ہی ابتدائے کائنات خلقت ـــــ ابتدائے کائناتِ ارضی ـــــ ابتدائے تخلیق انسانی کا ایک حقیقی تصور دیا ـــــ یہی قرآن ہے۔جو انسانی نصب العین اور اسکی پیدائش کے مقصدِ حقیقی کا راز بتاتا ہے ـــــ کہ اِنّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کہ زمین پر ابتداءً ایک انسان کی پیدائش اس طرح ہوئی ـــــ کہ

اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ○ ـــــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ○وَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ یعنی پہلا انسان زمین کے جوہری قوتوں کا مرکب ایک جسم بنا ـــــ یہ روح وجسم کا ایک مرقع ہے ـــــ اس میں روح حیوانی پائی جاتی ہے۔جو انسان کو زندہ رکھتی ہے ـــــ اسکے علاوہ اس میں ایک اضافی قوت روحِ رحمانی ودیعت کی گئی ہے۔یہ ایک نوری وجود ہے جو صرف انسانی علم ومشاہدہ کیلئے ہے ـــــ انسان کی اس نوع کی پیدائش کی غرض وغایت کیا تھی ـــــ؟ یہ کہ انسان اَلْخَلِیْفَةُ کہلائیگا ـــــ اسکا عمل اسکے مرکبِ جسمانی کے لحاظ سے ـــــ زمین کی تمام ارضی قوتوں پر برتری حاصل ہونا ـــــ انہیں اپنا مطیع ومسخر رکھ کر ان سے استفادہ کرنا ـــــ اور روحانی لحاظ سے ـــــ اپنی روحانی پاکیزہ قوت کو قائم رکھنا ـــــ کس لئے ـــــ؟ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ۔کہ اِسے تمام کائناتِ خلقت کے آثار و اسرار کی (ازل سے ابد تک) آگاہی دی گئی ـــــ یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ارضی مخلوقِ انسانی کو ملائکہ سے بالاتر مقام دیکر ـــــ اسے صاحبِ مشاہدہ۔صاحبِ معرفت۔صاحبِ مراتب اعلےٰ بنایا ـــــ قرآن نے انسانی پیدائش کے ابتدائی بیان میں۔اسکی پیدائشی ترکیب وخواص ـــــ مرکب جسمانی ـــــ روحانی خصوصیات کا واضح ذکر پیش کیا ـــــ اور پھر انسانی پیدائش کا مقصد بھی ظاہر کیا۔کہ بحثیت خلیفہ اسے ہر لمحہ صاحبِ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی تا ذاتِ الٰہی رہنا ہے۔اور اپنی زندگی کے آخر دم تک اس مشاہدہ وتصور ذاتِ الٰہی کو قائم رکھنا ہے ـــــ یہی انسانی زندگی کا واحد نصب العین ہوگا ـــــ اسکے ساتھ ہی قرآن نے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) مشاہدۂ حقیقت اور کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔جو بغیر وحی الٰہی یا کلام الٰہی کے حاصل ہونا ممکن نہیں۔اور وحی الٰہی سے حاصل ہونا یقینی ہے۔اسے صراط مستقیم کے الفاظ میں بیان کیا گیا۔کہ انسان مشاہدۂ اسرار الٰہی میں۔روح رحمانی کے مشاہدہ سے ماضی حال ومستقبل کی تمام کیفیات کا صحیح طور ادراک کرسکتا ہے۔

مراتب و مشاہداتِ اسرارِ الٰہی کی بھی نشاندہی کی ـــــ چونکہ یہ قرآن حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ذریعہ مخلوقِ انسانی کی ہدایت کیلئے پیش کیا گیا۔ اسلئے قرآن آپؐ ہی کی طرف مخاطب ہوکر ان انسانی مشاہدات و مراتب کی ترتیب بیان کرتا ہے ـــ

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲) اور اسی طرح ہم نے اپنی کلام کو آپؐ کی طرف وحی کیا ـــــ

اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲) تحقیق آپؐ ہی پہنچانے والے ہیں (مخلوقِ انسانی کو) صراطِ مستقیم تک ـــــ صراطِ مستقیم سے کیا مراد ہے؟۔ صِرَاطِ اللّٰهِ ـــ اللہ کی طرف (معرفت کا) جانے کا راستہ ـــــ وہ راستہ کیسا ہے۔؟

الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۳) اللہ کا راستہ وہی ہے۔ جو آسمانوں میں ہے۔ اور زمین میں ہے۔

یعنی اللہ کے راستہ کی ابتدا زمین سے ہوتی ہے۔ اور آسمانوں کی طرف جاتی ہے ـــــ یہی وہ راستہ ہے۔ جو زمین سے لیکر آسمانوں سے ہوتا ہوا۔ کرسی و عرش اور عرش سے اوپر مقاماتِ نوری سے گزرتا اللہ کی ذات تک پہنچتا ہے۔ اس راہ کو اسرارِ الٰہی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسی راہ کو پانے کیلئے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی ضروری ہے ـــــ اس راہ پر جانے کیلئے۔ اور اللہ تک رسائی حاصل کرنے کیلئے۔ انسان کو روحِ رحمانی عطا کی گئی ـــــ یہی روح ہے۔ جس سے ان اسرارِ الٰہی کے مقامات و مراتب کا مشاہدہ و عرفان و قرب حاصل کیا جاتا ہے ـــــ قرآن کا یہ بیان اجمالی ہے۔ اسکی تفصیل خود صاحب مشاہدہ لوگوں نے بیان کی۔ کہ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی میں روح کیسے مشاہدہ کرتی ہے ـــــ اسرارِ الٰہی ـــــ صراط اللہ میں کیفیات کس نوع کی ہیں ـــــ اور جو کچھ صاحبِ مشاہدہ۔ صاحبِ معرفت لوگوں نے صراط اللہ میں پایا۔ اُسے علم الْاَسماء۔ یا علم طریقت سے موسوم کیا گیا۔

علمِ طریقت میں مشاہدہ و مراتب کے متعلق گزشتہ تفصیلی بحث کی گئی۔ اب اس مشاہدہ میں۔ صراطِ مستقیم۔ صراط اللہ (اللہ تک پہنچنے کا راستہ)۔ اسرارِ الٰہی۔ عالمِ باطن مقامات و کیفیاتِ نوری تا ذاتِ الٰہی کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

جیسا کہ قرآنی بیان سے یہ ظاہر ہے۔ کہ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اللہ کے راستہ کی ابتداً مَا فِی الْاَرْضِ۔ زمین سے ہوتی ہے ۔۔۔ارض ۔۔۔زمین ۔۔۔ مخلوقِ انسانی کا مستقر ہے۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ۔۔۔ انسانی قیام کے لحاظ سے اس فضائے زمینی کو عالمِ انسانی ۔۔۔یا۔۔۔ عالم ناس کہا جاتا ہے۔ اس عالم کو محققین طریقت نے عالمِ ناسوت سے موسوم کیا ہے ۔۔۔ یہ عالم ناسوت اس فضائے خاکی کی روحانی ہیئت ہے۔ جو ظاہری حواس کے احاطہ میں نہیں آتی ۔۔۔ یعنی اس فضائے زمینی کے ساتھ ایک روحانی فضا بھی موجود ہے ۔۔۔ جو روحِ حیوانی کے مشاہدے میں آتی ہے ۔۔۔ روحانی اعتبار سے اس عالم میں بھی مثل زمین ۔۔۔ کیفیتیں پائی جاتی ہیں جو روح حیوانی کے ذریعہ مشاہدہ ہوتی ہیں ۔۔۔ اس عالم میں وہ فضائے ارضی بھی شامل ہے۔ جو ایثری فضا کی ہیئت میں زمین پر واقع ہے۔ یہ امر تحقیق شدہ ہے۔ کہ زمین پر ایسی کیفیتیں بھی موجود ہیں جو حواس (آنکھ) کے احاطہ میں نہیں آتی ہیں۔ جیسے ہوا کے ذرات۔ لطیف گیس۔ ایثری فضا کا وجود۔ اور اس فضا میں موجود کیفیات جو لطیف ہیئت میں پائی جاتی ہیں حواس کے ذریعہ انکا ادراک نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ انکے ادراک کیلئے لطیف دوربینی ذرائع میسر نہ ہوں۔ ان کیفیات میں ایثری فضا کی بعض کیفیتیں عالم ناسوت سے تعلق رکھتی ہیں ۔۔۔ جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا۔ کہ روحِ حیوانی کے مشاہدہ میں دور و نزدیک روحانی کیفیات کے مشاہدے میں ایثری فضا کو دخل ہے۔ کہ روحِ حیوانی ایثری فضا سے رابطہ کر کے۔ کسی مقام یا کسی دور مقام میں کسی شخص کے حالات کا دور سے مشاہدہ کرتی ہے ۔۔۔ اسی طرح اس فضائے ارضی کے ساتھ ایک روحانی عالم ہے جسکا مشاہدہ روحِ حیوانی سے ہوتا ہے۔ اس عالم میں بھی مثل زمین۔ باغات۔ دریا۔ محلات۔ روشنی محسوس ہوتے ہیں۔ یہ کیفیتیں ایک وسیع ملک کی شکلوں میں مشاہدہ ہوتی ہیں۔ جن میں مثل زمین۔ ملکی۔ طبقاتی تقسیم کی طرح۔ منازل و مراحل پائے جاتے ہیں ۔۔۔ اس عالمِ ناسوت میں بھی اکتالیس منزلیں واقع ہیں۔ جن میں مختلف قسم کے روحانی مناظر پائے جاتے ہیں ۔۔۔ اس عالم کی ابتدائی منازل میں مشاہدہ میں ایک وسیع فضا دیکھنے میں آتی ہے۔ جس میں سورج سے زیادہ روشن سورج کی روشنی۔ باغات۔ دریا۔ محلات دیکھنے میں آتے ہیں ۔۔۔ اسی طرح ایک منزل سے گزر کر دوسری منزل شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اکتالیس منازل طے کی جاتی ہیں ۔۔۔ عالم ناسوت طے

ہونے کے بعد بھی ایک نوری عالم واقع ہے۔ جو یکسر نوری کیفیت ہے ــــ اسکے مقابل عالمِ ناسوت اپنے مقامِ ارضی کے اعتبار سے ناری حیثیت رکھتا ہے ــــ دوسری کیفیتِ نوری میں بھی مختلف قسم کی کیفیات و مناظر سامنے آتے ہیں۔ اس مقام کو۔ عالمِ نوری ــــ یا عالم ملکوت یا عالمِ سمٰوٰت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ عالمِ سمٰوٰت بھی صراط اللہ میں شامل ہے۔ جسکا اشارہ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ میں دیا گیا ہے ــــ یہ عالم خالص نوری ہے۔ اسلئے اس عالم میں ناری۔ روحِ حیوانی داخل نہیں ہوسکتی ــــ بلکہ جیسا تخلیق انسانی میں روحِ رحمانی کے ذریعہ مشاہدۂ اسرار الٰہی اور اسماء کلھا مقرر کیا گیا۔ ان مقاماتِ نوری کا مشاہدہ روحِ رحمانی سے ہوتا ہے ــــ

یہ امر تحقیق شدہ ہے۔ کہ مختلف زمانوں میں ــــ گزشتہ زمانوں میں بھی۔ انسانی عمل میں مشاہدۂ باطنی لازمی رکھا گیا ــــ یعنی انسان پیدائش کے ساتھ ہی مشاہدہ کرتا رہا۔ اور یہ کیفیتِ مشاہدہ نسلِ انسانی میں ہر زمانہ میں برابر جاری رہی ــــ قرآن نے بھی واضح طور اس کیفیت کی نشاندہی کی جیسا کہ بیان ہوا۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ــــ اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ انسان میں ایک اضافی روح حصولِ علم و عرفان کیلئے ودیعت کی گئی ــــ اسی روح سے اسے اسماء کلھا کا علم دیا گیا۔ اس بیان میں خالص کیفیاتِ نوری کے مشاہدہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ــــ اس سے ظاہر ہے۔ کہ انسان پیدائشی طور مشاہدہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ــــ انسان میں پائی جانے والی روحیں ــــ روحِ حیوانی ــــ اور روحِ رحمانی ــــ دونوں روحوں سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ روحوں کی ہیئت و حیثیت کے مطابق ہے ــــ یعنی روحِ حیوانی ایک ناری وجود ہے۔ جو زمین کی ناری قوت کا جوہر ہے۔ اسلئے اس روح کا مشاہدہ ناری کہلاتا ہے۔ اسکی وسعت ناری حدود تک ہے ــــ ناری حدود زمین سے لیکر ستاروں تک ــــ جہاں تک فضا میں ناری سیارے پائے جاتے ہیں۔ اسکے بعد خالص نوری فضائے آسمانی واقع ہے۔ اس فضا میں ناری روح داخل ہونے کی قوت و صلاحیت نہیں پاتی ــــ اس نوری فضا کیلئے روح رحمانی ہے۔ اس روح کا مشاہدہ نوری کہلاتا ہے ــــ یہ روح آسمان سے لیکر ذاتِ الٰہی تک مشاہدہ کرسکتی ہے ــــ زمین سے لیکر ستاروں کی وسعت تک کیفیات بھی عالمِ ناسوت میں شامل ہیں ــــ روح حیوانی انسانی وجود میں ٹھوس مادی کیفیات کے مشاہدہ (دیکھنے) کا بھی ذریعہ ہے۔ جو کہ حواس خمسہ

اور دماغ کے قویٰ ـــــ سے مشاہدہ کیا جاتا ہے ـــــ یہ مشاہدہ ہر انسان کو بلا تمیز مذہب و ملت حاصل ہے ـــــ کیونکہ یہ روح ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ اور انسانی زندگی کو برقرار رکھنے سے ماسویٰ اسکا کام ظاہری اشیأ کا ادراک کرنا ـــــ اور اسکی پاکیزہ و قوی حالت میں عالمِ ناسوت کا مشاہدۂ باطنی بھی اس روح کے ذریعہ ہوتا ہے ـــــ اس مشاہدہ میں صرف جسمانی صحت اور روحانی ناری قوت کی پاکیزگی کی ضرورت ہوتی ہے ـــــ یعنی اکثر لوگوں میں جسمانی روحانی پاکیزگی قائم نہیں رہتی۔ اسلئے وہ بغیر حواس خمسہ کی مدد کے عالمِ باطن یا عالمِ ناسوت کی کیفیتوں کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ روحِ حیوانی کے ذریعہ مشاہدہ کرنے کیلئے چند جسمانی ورزشیں مقرر کی گئی ہیں۔ جن میں۔ کثرت سے فاقہ کرنا۔ یا رات جاگنا۔ اسکے علاوہ ماہرین نفسیات نے چند ایسے طریقے ایجاد کئے ہیں جن سے روحِ حیوانی کے ذریعہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ ان میں وہ طریقے بھی شامل ہیں۔ جو زمانہ قدیم سے روحانیت سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ایجاد کئے ہیں۔ ماہرین نفسیات نے ہپناٹزم ۔ مسمریزم ۔ شمع بینی۔ بلور بینی۔ اور یکسوئی Concentration کا طریق ایجاد کیا۔ اور اسکے مقابل اہلِ طریقت نے۔ تنفسِ نور ـــــ حبس نفس۔ ذکر اللہ ھو ـــــ ذکرِ ضرب۔ مراقبہ (یکسوئی) عمل تنویم۔ روزہ۔ رات جاگنا۔ جسم پر محنت ڈالنا وغیرہ کا طریق اختیار کیا جس سے انسان میں روحِ حیوانی کے ذریعہ مشاہدہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے ـــــ اسکے مقابل روحِ رحمانی سے مشاہدہ کی صلاحیت پیدا ہونا۔ براہ راست۔ دین و شریعت کی پابندی سے تعلق رکھنے سے ہوتی ہے ـــــ وہ اس لئے کہ روحِ رحمانی سے مشاہدہ میں۔ کیفیاتِ نوری کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ کیفیاتِ نوری میں۔ عالمِ ملکوت۔ آسمان۔ کرسی۔ عرش ـــــ عرش سے ماورئی اسرارِ الٰہی تا ذاتِ الٰہی کیفیات شامل ہیں۔ جسکے لئے۔ احکامِ الٰہی کی پابندی اور دین کے حامل رسول کی اطاعت شرط ہے ۔ بغیر اسکے روحِ رحمانی سے عالمِ ملکوت ـــــ اسرارِ الٰہی (اسماء کلھا) کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا ـــــ برعکس اس کے روحِ حیوانی سے مشاہدہ حاصل کرنے کیلئے صرف فاقہ۔ رات جاگنا یا یکسوئی کرنا ـــــ کافی ہے۔ جو بغیر دین کی پابندی کے بھی ہو سکتا ہے ـــــ دین کی پابندی میں عبادات۔ جیسا کہ قرآنی احکام میں بیان کیا گیا۔ نماز ۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ تہجد (رات کی عبادت) لازمی عمل ہے ـــــ اگر ان احکام کی پابندی لازم نہ رکھی گئی تو اسرار الٰہی۔ اسماء کلھا اور دیدارِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا ـــــ اسکے مقابل

ایک شخص روحِ حیوانی سے عالم ناسوت۔ عالم مادی کی ہر کیفیت کا مشاہدہ بغیر پابندی شریعت کرسکتا ہے ___ نیز جیسا کہ اہلِ طریقت کے طریقِ مشاہدہ میں تنفسِ نور۔ حبس نفس۔ ذکر اللّٰہ ھو۔ ذکر ضرب۔ مراقبہ کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی صورت یہی ہے۔ کہ یہ طریقے بغیر دین کی پابندی کے بھی استعمال کیئے جاتے ہیں۔ یعنی حبسِ نفس میں سانس بند کر کے اللّٰہ ھو کا ذکر و تصور کیا جاتا ہے۔ تو مشاہدہ کی کیفیت ظاہر ہوجاتی ہے یا ذکر ''جہر'' زور سے اللّٰہ ھو کہنا ___ یا ذکرِ ضرب یعنی زور سے سانس لیکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ کر دل پر موہوم ضرب (سانس کی چوٹ) لگانا ___ اس ضرب کے اہل طریقت نے سات طریق ایجاد کیئے ہیں۔ جن میں ذکرِ یک ضرب [1]۔ ذکر دو ضرب۔ ذکر سہ ضرب۔ ذکر چہار ضرب۔ ذکر ارّہ۔ ذکر جہار۔ ذکر ہفت در بند ہیں۔ اس طریقِ عمل سے روحِ حیوانی میں عظیم وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس سے تمام عالمِ ناسوت (اکتالیس منزلیں) اور آسمان کی حد تک تمام کرۂ ناری۔ (فضائے ناری) اور زمین سے اوپر زمین کے اندر کی تمام کیفیات مشرق مغرب۔ شمال و جنوب کی کیفیات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ یہ مشاہدہ بغیر دین کی پابندی۔ بغیر ادائے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ ان طریقوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ گویا یہ طریق بغیر دین کی پابندی کے بھی استعمال ہوتا ہے ___ اگر اہل طریقت بغیر دین کی پابندی یہ عمل کریں تو اس طریق کو طریقت یا فقر یا ولایت (جو مشاہدہ و عرفان کی اصل ہے) میں شامل نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر اس طریق میں عبادات کو شامل کیا جائے تو ایسے شخص کو جب تک وہ عالمِ ناسوت کی حد تک مشاہدہ رکھتا ہو ___ عامل کہا جاتا ہے ___ ولی نہیں کہا جاتا ___ البتہ اس عمل سے ایک شخص کا مشاہدہ حقیقی تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسکے لئے عالمِ ملکوت کا مشاہدہ آسان ہو جاتا ہے۔ برعکس ان لوگوں کے جو بغیر دین کی پابندی کے مشاہدہ (روحِ حیوانی) کریں۔ ایسے عمل کو

---

[1] ان اذکار میں۔ انسانی جسم کے استخوان پر موہوم تصوراتی ضرب لگائی جاتی ہے۔ ذکر یک ضرب میں قلب پر چوٹ لگائی جاتی ہے۔ ذکر دو ضرب میں سینہ کے دو پستان پر۔ ذکر سہ ضرب میں ناف۔ اور دو پستان پر۔ ذکر چہار ضرب میں دماغ پر ضرب لگائی جاتی ہے۔ ذکر ارہ میں تمام جسم پر۔ ذکر جہار میں حواس کو گم کیا جاتا ہے۔ ذکر ہفت در بند میں سانس روک کر وجود کے تمام در کان۔ ناک۔ آنکھ۔ دماغ اور جسم کے بعض حصے بند کیئے جاتے ہیں ___

استدراجی۔ یا شیطانی عمل سے موسوم کیا جاتا ہے ـــــ محققینِ مغرب۔ ماہرین نفسیات نے اسی طریق کو (بغیر دین کی پابندی) اپنایا۔ جو کہ استدراجی۔ یا شیطانی عمل تصور کیا جاتا ہے ـــــ اس طریق سے ماہرین نفسیات نے مشاہدہ کی چند ترکیبیں حاصل کی ہیں۔ جن میں مسمریزم۔ ہپناٹزم۔ حاضرات ارواح اور چند غیب کی کیفیتیں مشاہدہ کرنے کی صلاحیت حاصل کی ہے ـــــ مثلاً

مسمریزم سے۔ قوتِ ارادی کا پختہ کرنا ـــــ شمع بینی۔ بلور بینی کا طریق بھی مسمریزم میں شامل ہے۔ اسکا طریق یہ ہے۔ کہ سامنے شمع۔ یا بلور۔ یا کاغذ پر ایک نقطہ ڈال کر۔ اس پر نظریں جمانا ـــــ اور دیر تک بغیر آنکھیں جھپکائے شمع۔ یا بلور۔ یا نقطہ پر نظریں جمانا۔ اس ترکیب میں ارادہ کو کام میں لایا جاتا ہے۔ چونکہ انسان بار بار آنکھیں جھپکانے کا عادی ہوتا ہے۔ مسلسل نظریں جمانے میں آنکھ نہ جھپکانے کی مشق سے آنکھیں نقطہ پر مرکوز رکھنے سے ارادہ میں پختگی آتی ہے ـــــ ارادہ میں پختگی آنے سے روح حیوانی ؂۱ میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ تو اسکا یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنے ارادہ سے ـــــ روح

؂۱ بعض ماہرین نفسیات جو مسمریزم کے طریق اختیار کرتے ہیں اس میں بلور بینی۔ شمع بینی ـــــ یا نقطہ بینی خاص طریقے سمجھے جاتے ہیں۔ اسکی ترکیب یوں ہوتی ہے۔ کہ بلوری شیشہ پر سیاہ نقطہ پر بغیر آنکھ جھپکائے دیکھنے کی مشق کی جاتی ہے۔ اس طرح شمع کی لو پر بھی بغیر آنکھ جھپکائے ٹکٹکی باندھی جاتی ہے۔ سفید کاغذ پر سیاہ نقطہ کا نشان رکھکر اس نقطہ پر نظر مرکوز کی جاتی ہے۔ یہ ایک طریقہ یکسوئی Concentration کا ہے۔ مسلسل نظر جمائے رکھنے کے عمل سے شریانوں میں خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے ـــــ خون کا دباؤ دماغ میں عقل (یعنی تحت الشعور) پر اثر انداز ہوتا ہے ـــــ تو تحت الشعور پر نیم غشی طاری ہوتی ہے۔ اسے غنودگی کہا جاتا ہے۔ یعنی عقل کسی حد تک جاگتا بھی ہے۔ اور کسی حد تک بے خود بھی ہے جسطرح نیند کی حالت میں عقل یکسر خفتہ ہو جاتا ہے۔ مگر اسے جگائے رکھنے کیلئے مستعد بھی رکھا جاتا ہے۔ تو اس کی حالت نیند اور بیداری کی نیم خفتگی کی سی ہو جاتی ہے۔ بات سن بھی رہا ہے۔ اور اسی عالم میں غیر محسوس کیفیت بھی دیکھ رہا ہے ـــــ اس کی مثال ایسے ہے۔ کہ زید بکر سے گفتگو کر رہا ہے۔ دوران گفتگو زید پر نیند کا غلبہ طاری ہو جاتا ہے۔ گفتگو کا موضوع طویل ہے۔ اسلئے زید پر دوران گفتگو نیند غالب آجاتی ہے۔ تو وہ موضوع پر گفتگو بھی کرتا ہے۔ لیکن غنودگی کی حالت میں خود کسی دوسری جگہ پر عمر سے بھی باتیں کرنی شروع کرتا ہے۔ تو اسکی زبان سے مدہوشی کی حالت میں عمر سے کی ہوئی گفتگو کے الفاظ بھی ادا ہوتے ہیں تو زید کی گفتگو میں ربط نہیں رہتا۔ زید کا عمر سے باتیں کرنا شعوری طور ہوتا ہے۔ اور بکر سے باتیں کرنا عقلی طور ہوتا ہے۔ لہذا غنودگی کی حالت۔ جاگتی حالت میں شعوری کیفیت کا مشاہدہ کرنے سے تعبیر ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حیوانی کی توجہ کسی شے پر ڈالے تو جیسا کہ ارادہ کیا جائے اسی طرح اس شے پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً اگر انسان قوتِ ارادی سے کسی شخص پر توجہ ڈالے۔ تو روحِ حیوانی سے ایک غیر محسوس شعاع نکل کر اس شخص کے دماغ پر پڑتی ہے ــــ اور انسان کا دماغ (روحِ حیوانی) اس ارادے کے زیر اثر ایسا ہی عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ عامل اپنے ارادے سے عمل کرانا چاہتا ہے ــــ اسکے ارادے میں ہے۔ کہ چلتے چلتے رک جاؤ۔ تو انسان رک جاتا ہے۔ یا بیٹھ جاؤ ــــ یا سو جاؤ۔ تو انسان بیٹھ جاتا ہے۔ یا اس پر نیند طاری ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر ارادے میں یہ تاثر ڈالا جائے۔ کہ فلاں شخص کو قتل کر دو۔ تو معمول اسی تاثر کے زیر اثر دماغی طور عمل کرتا ہے۔ اور غیر ارادی طور پر ایک شخص کو قتل کر ڈالتا ہے ــــ عمل تنویم۔ یعنی انسان کو بے حس۔ بے ارادہ کر کے اپنے ارادے کے مطابق اس سے عمل کرانا۔ اور انسان کو سُلا دینا مسمریزم کے ذریعہ ہوتا ہے ــــ ہپناٹزم کا بھی یہی اثر ہوتا ہے۔ کہ انسان کو اپنے ارادے کے مطابق استعمال کیا جائے۔ یعنی انسانی ذہنی قوت پر غلبہ حاصل کر کے اسے اپنی مرضی پر چلانا ــــ اسکے ساتھ ہی۔ اس طریق

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ــــ یہی کیفیت بلور بینی یا نقطہ بینی کی ہوتی ہے۔ کہ عامل کی مسلسل یکسوئی سے ارادہ میں پختگی آتی ہے۔ یعنی روح حیوانی میں لطافت پیدا ہوتی ہے تو وہ غنودگی کے عالم میں خود کو جاگتا محسوس کرتا ہے۔ اور شعوری طور پر ایک نئی کیفیت کا مشاہدہ کرنے لگ جاتا ہے۔ کہ نقطہ کی جگہ اسے ایک نوری ہیولا نظر آتا ہے ــــ اور کبھی یہ ہیولا مختلف رنگوں میں نظر آتا ہے۔ اور کبھی اس ہیولا کی جگہ مختلف مناظر نظر آنے لگ جاتے ہیں اور جب یہ مشق کامل ہو گئی۔ تو اسکا مطلب یہ ہوا۔ کہ دماغ میں روح حیوانی لطیف ہو کر مشاہدہ کی حامل ہو جاتی ہے۔ اور اب مشاہدہ میں جو کیفیتیں اسے نظر آتی ہیں۔ اسے معلوم نہیں کہ یہ کیا کیفیتیں ہیں ــــ کون سے اسرار ہیں۔ کون سا عالم ہے ــــ چونکہ وہ پیشتر ان کیفیتوں کے تصورات سے خالی ہوتا ہے۔ تو اسے ان اسرار کے مشاہدہ میں تعجب اور حیرانگی پیدا ہوتی ہے۔ دراصل یہ کیفیات وہی کیفیات ہیں۔ جو فضائے ایثری میں مختلف وقتوں میں مختلف شکلوں میں محفوظ ہوتی ہیں۔ روح حیوانی انہیں کیفیات کا مشاہدہ کرتی ہے لیکن ایک عامل علم نہ ہونے کے باعث یہ جان نہیں سکتا کہ جو کیفیتیں وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ کس نوعیت کی ہیں۔ کہاں سے آتی ہیں ــــ ایسے میں وہ خود کو ایک اہم شخصیت تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کیفیتیں مادہ سے قریب ادنیٰ درجہ کی کیفیتیں ہوتی ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے۔ کہ اس طرح اس ترکیب سے روح حیوانی میں لطافت پیدا ہو کر مشاہدہ کی قوت پیدا ہوتی ہے اگر یہ سلسلہ مسلسل جاری رکھا جائے۔ کہ قوت ارادی (روح حیوانی) میں مزید تقویت و لطافت پیدا ہو تو روح حیوانی سے مافوق العقل وارداتوں کا صدور بھی ہونا شروع ہوتا ہے۔

عمل سے۔روح حیوانی میں۔عالم باطن (ادراک وحواس میں نہ آنے والی کیفیات) کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے ـــــ ایک شخص مغرب میں بیٹھ کر مشرق کی کیفیت کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔اسکا طریق یہی ہے۔کہ جب روحِ حیوانی میں قوت پیدا ہو جاتی ہے ـــــ تو مشاہدہ کے وقت روحِ حیوانی بیرونی فضائے ایثری سے رابطہ قائم کر کے ـــــ ایثری فضا کی مدد سے ـــــ جس مقام و کیفیت کا مشاہدہ کرنا مقصود ہو ـــــ اس مقام کا عکس فضائے ایثری میں جذب ہوتا ہے۔اسی کیفیت کو روحِ حیوانی جذب کر کے مشاہدہ کرتی ہے ـــــ یہ دماغی مشاہدہ بھی کہلاتا ہے ـــــ اسی طرح روح حیوانی میں یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔کہ وہ ماورائے ادراک کیفیتِ باطنی (عالمِ ناسوت) کا احاطہ کر کے عالمِ ناسوت کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔جیسا کہ بیان ہوا۔یہ مشاہدہ ہر شخص بلا تمیز مذہب۔اور بغیر پابندی دین کے حاصل کر لیتا ہے۔ محققین مغرب۔ماہرین نفسیات انہیں طریقوں سے مشاہدہ حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔لیکن یہ مشاہدہ۔معرفت۔وعلم کی اصل نہیں۔بلکہ یہ طریق استدراجی ـــــ شیطانی۔اور تخریبی ہے۔استدراجی اسلئے کہ انسان کی سفلی جبلت اپنی سفلیت کی طرف فطری طور مائل رہنے کی عادی ہے۔ جہاں اس میں قوت پیدا ہوئی۔اگر فطری قانونی بندشوں کی پابند نہ رہی تو اس قوت سے تخریب وفساد لازمی ہوتا ہے البتہ ایک سلیم العقل انسان اخلاقی پابندی کے دائرے میں رہ کر بجائے تخریب کے تعمیری عمل کرتا ہے ـــــ یہ اخلاقی پابندی فطری قانون ہے۔اسی اخلاقی پابندی پر دین کے قوانین مرتب ہوتے ہیں۔یا یوں کہا جائے۔کہ دین کے قوانین سے ہی اخلاقی عمل اخذ کئے جاتے ہیں۔لہذا جب تک انسانی عمل میں دین کے اخلاقی اصول شامل نہ ہوں اسکی روحانی قوت زیادہ تر فساد میں استعمال ہوتی ہے۔اسی لئے ایسے عمل کو استدراجی کہا جاتا ہے۔کہ اس میں دین کی اخلاقی پابندی نہیں۔جس وجہ سے اسی قوت کو تخریب کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ـــــ اور یہی عمل اگر دین کی پابندی کے ساتھ کیا جائے۔تو ایسے شخص کے روحانی مراتب میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔کہ وہ عالم ناسوت (فضائے ایثری) سے سوا اعلےٰ مراتب تک وسعت پا کر وسیع ملکوتی نورانی مشاہدات بھی پا سکتا ہے۔دین کی پابندی انسان کو اسکے حقیقی نصب العین کی طرف راہنمائی کر کے۔اسکے لئے معرفت کی راہیں کھول دیتا ہے۔جو انسان کا حقیقی مقصد کہلاتا ہے۔کیونکہ انسانی قوتِ مشاہدہ میں۔روحِ حیوانی۔روح رحمانی صرف معرفتِ اسماء کلھا۔مشاہدۂ

اسرار الٰہی کیلئے بنائی گئی ہیں ـــــ جسکے لئے تصور ذاتِ الٰہی اور دین کی پابندی اصل مقصد ہے۔

اہلِ طریقت نے مشاہدہ کیلئے جو طریق ایجادات کر کے طریقِ ولایت میں شامل کئے ہیں۔ یہ اصل طریق عمل نہیں۔ بلکہ انکی اپنی اختراع ہے۔ شریعت نے بذاتِ خود ایسا طریقِ عمل نہیں بتایا۔ دراصل یہ طریق اس زمانہ سے ایجاد ہوا۔ جب خلافت سکڑ کر ترکی کی حکومت تک پہنچی اسوقت بعض لوگوں نے جو طریقت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور انکا مستقر (قیام) ایران تھا۔ یہیں سے یہ طریقِ تزکیہ۔ مجاہدہ ایجاد ہوا۔ یہ کیفیت لوگوں کی اصلاحِ نفس کے مطابق ایجاد ہوئی۔ تا کہ اس طریقہ سے لوگوں کو قوتِ مشاہدہ حاصل ہو۔ اس طریق میں اہلِ طریقت میں دین کی پابندی قائم تھی۔ لیکن بعد میں رفتہ رفتہ اس طریق میں دین کی پابندی کو ترک کیا گیا۔ اور یہ طریق بغیر دین کی پابندی جاری ہوتا رہا چونکہ اس طریق سے قوتِ مشاہدہ حاصل ہو جاتی تھی۔ اس لئے اس طریق کو اصل طریقت سمجھا گیا۔ زمانہ یہاں تک پہنچا کہ اس طریق میں۔ بے عمل لوگ شامل ہو گئے۔ جنکا حقیقی مقصد تصور ذاتِ الٰہی اور مشاہدۂ اسرار الٰہی نہ رہا ـــــ برعکس اسکے ایسے لوگوں نے نشہ آور اشیائ کا استعمال بھی اس طریق میں شامل کر لیا۔ کیونکہ نشہ آور اشیائ۔ شراب۔ چرس۔ بھنگ۔ افیون کے استعمال سے دماغی قوتوں پر مدہوشی کا اثر طاری ہو جاتا ہے۔ مدہوشی کا اثر طاری ہونے سے عقل خفتہ ہو کر قوتِ شعور بیدار ہو جاتی ہے۔ قوتِ شعور سے مراد۔ دماغ کا حصہ شعور ہے۔ جسکا ذاتی فعل غیر مادی کیفیتوں کا مشاہدہ[1] کرنا ہے۔ اسلئے شراب۔ بھنگ۔ چرس۔ افیون سے عقل ماؤف ہو کر انسان پر مدہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ شراب چرس پینے والا بھی مدہوشی میں غیر جسمانی کیفیتیں خواہ مخواہ دیکھنے لگ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اس قسم کی نشہ آور اشیائ سے مشاہدہ میں مدد لینے کی خاطر انہیں استعمال کر کے۔ بے دینی۔ بے عملی۔ نشہ کو طریقت کا جز قرار دیکر۔ شریعت کی ضد بنا کر ایک پر اسرار طریق بنا ڈالا ـــــ اور اسی طریق کو ایک حقیقت قرار دیا ـــــ اور اس طریق میں دین کی پابندی کو لازم قرار نہیں دیا ـــــ اس طریق میں بھی مثل دوسرے طریق کے عالم ناسوت یا عالمِ مادی کا مشاہدہ ہوتا ہے ـــــ لیکن یہ طریق بھی۔ حقیقت کے خلاف۔ استدراجی۔

---

[1] اسکی تفصیل گزشتہ صفحات پر آ چکی ہے۔

شیطانی تصور کیا جاتا ہے ـــــ چونکہ یہ طریق مدتوں اسی حال میں جاری رہا۔ جبکہ اس طریق میں۔ ذکر۔ اللہ ھو۔ کلمہ توحید۔ مراقبہ استعمال کیا گیا۔ اس طریق میں چونکہ تزکیہ مجاہدہ بھی شامل ہے۔ جس سے مثلِ مسمریزم ارادی قوت یا روح حیوانی میں قوت پیدا ہو کر ایک شخص سے روحانی کمالات کا صدور بھی ہوتا ہے ـــــ اس لئے ایسے لوگوں کو حقیقی ولی سمجھ کر کثرت سے لوگ انکے پیرو ہو جاتے ہیں ـــــ اسلئے ـــــ لاعلم عوام نے اس طریق کو حقیقت سمجھ کر ایسے عاملوں کو ولی تصور کیا اور اسی طریق کو اصل علم معرفت سمجھ کر اس پر عامل ہوئے ـــــ لیکن جب تک اس طریق میں دین کی پابندی شامل کر کے اصل مقصد تصور ذاتِ الٰہی مشاہدہ اسرار الٰہی مقصود نہ رکھا جائے یہ عمل شیطانی تصور ہوتا ہے ـــــ

محققین مغرب کی تحقیق عینی مشاہدات پر ہوتی ہے ـــــ روح حیوانی چونکہ ناری قوت ہے یہ زمین کی اعلیٰ جوہری قوت ہے۔ اسلئے محققین مغرب اس قوت کا لطیف احساس رکھتے ہیں۔ کہ انسانی جسم میں ایک روح پائی جاتی ہے ـــــ روحِ رحمانی یکسر نوری کیفیت ہے۔ وہ اس قوت کا ادراک کر نہیں سکتے۔ اسلئے وہ اس روح کے وجود کے قائل نہیں۔ محققین اسلام میں۔ بعض اولیائے کاملین بھی روحِ رحمانی کے وجود کے قائل ہیں۔ لیکن طویل زمانے سے چونکہ اصل علم طریقت کا اجرأ نہ ہوا ـــــ نیز علمائے اسلام نے دینِ حقیقی کی تبلیغ واجرأ میں صحیح طریق عمل پیش نہ کیا ـــــ جس وجہ سے حقیقی طریقِ علم پر صحیح عمل نہ ہونے کے باعث یہ تصور ہی انسانی ذہنوں سے محو ہو گیا۔ کہ انسان بحثییت خلیفہ۔ نبی۔ پیدا ہوا ـــــ اور اسکے ذمہ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ اسماء کلھا ـــــ اور تصور ذاتِ الٰہی ہے ـــــ چونکہ عرصہ دراز سے انسان اس تصور سے خالی ہے۔ کہ اسکی روحِ رحمانی سے مشاہدۂ اسرار الٰہی مشاہدہ ذات الٰہی حاصل ہوتا ہے ـــــ اسلئے خود محققین اسلام میں بعض لوگ روح رحمانی کے وجود کے قائل نہیں ـــــ وہ بھی مثل محققین مغرب کے ایک ہی روح حیوانی کو سمجھتے ہیں ـــــ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ علمائے اسلام نے اس قرآنی آیت پر عمیق نظر سے غور نہیں کیا۔ جس میں انسانی تخلیق میں۔ اسکی تخلیقی ترکیب میں روح کا پایا جانا اسکی خصوصیات خلافت میں۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کی اصل تفسیر میں۔ انسان کا مشاہدۂ اسرار الٰہی اور دیدار الٰہی کا پانے کا۔ واضح تصور موجود ہے۔ برعکس اسکے علماً نے ان آیتوں کی سطحی تفسیر کر کے اصل حقیقت کو نہ سمجھا۔ نہ پیش کیا۔ جیسا کہ علمائے اسلام کا نظریہ ہے۔ کہ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ سے

مراد۔ وہ روح ہے۔ جسے انسان کے مٹی کے پتلے میں نفخ کر کے انسان کو زندہ کیا گیا۔ حالانکہ قرآنی شواہد سے یہ کیفیت واضح ہے۔ کہ انسانی تخلیقی ترکیب اس طرح نہیں۔ جس میں انسانی جسم روح سے خالی ہو ــ اور وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِيۡ دوسری روح ہے۔ بہرحال قرآنی شواہد سے خود یہ امر ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان میں۔ دو روحیں۔ روح حیوانی ــ روح رحمانی پائی جاتی ہیں۔ روح حیوانی زندگی کو برقرار رکھتی ہے۔ اور انسانی مشاہدہ بھی اسی پر منحصر ہے۔ دوسری روح رحمانی صرف۔ خصوصیت خلافت کیلئے ہے۔ خصوصیت خلافت۔ علم الاسماء سے ہے۔ جو صرف روح رحمانی سے ہی ہوسکتی ہے ــــ چونکہ عرصہ دراز سے اہلِ اسلام میں یہ تصور مفقود ہے۔ اسلئے زمانہ حال میں صرف روح حیوانی کے تصرف کو ہی حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اہل طریقت نے جو روح حیوانی کے کمالات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ عوام (بلکہ وہ خود بھی) نے انہیں کمالات کو اصل طریقت سمجھ کر حقیقی مقصد تصور ذاتِ الٰہی کے لئے جستجو کرنے کی زحمت نہ کی ــــ چونکہ علمائے اسلام نے نہ خود اس تصور کو حاصل کیا۔ نہ اس طریق کا اجراٗ کیا۔ اسلئے روحانی حیثیت میں نہ اس علم و طریق سے واقفیت حاصل ہوسکی۔ نہ لوگوں تک یہ حقیقی علم پہنچ سکا۔ نہ ہی اس علم کی حقیقت تسلیم کرنے کیلئے کوئی دلیل و ثبوت فراہم کی جاسکی۔ اسلئے طریقت کا اصل تصور انسانی ذہن سے یکسر محو ہوگیا۔

محققین مغرب روحانیت کی طرف اب توجہ دینے لگے جبکہ انہوں نے مادیت کو آخری ایٹمی درجہ تک پہنچا کر تحقیق کی انتہا کردی۔ اب خود بخود اسکے دوسرے باب میں روحانیت کی طرف نظر پڑتی ہے۔ بزعم خود محققین مغرب ایک انتہائی عظیم تحقیق کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اصل تحقیق کی صفر کے برابر ابتداٗ نہیں۔ محققین مغرب اب روحانی طریق کا اجراٗ کرنے کی سعی کررہے ہیں۔ جس میں وہ مسمرزیزم۔ مشاہدہ حاضرات ارواح کے طریق کو استعمال کررہے ہیں۔ لیکن علمِ مشاہدہ کی لاعلمی کے باعث وہ اس مشاہدہ۔ حاضرات ارواح وغیرہ کی اصل سے واقف نہیں ــــ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اپنے مشاہدات میں شدید غلطی میں مبتلا ہیں۔ حاضرات ارواح یا میڈیم شپ۔ عمل تنویم میں۔ جو واقعات و کیفیات انہیں پیش آتی ہیں۔ وہ انہیں سمجھنے میں شدید غلطی اور دھوکہ میں ڈالتے ہیں۔ اول یہ کہ بغیر تصور خیالی انکا مشاہدہ مکمل نہیں۔ یعنی ایک دوسرے کے خیالات کا طویل فاصلوں پر جاننا۔ جیسے ایک شخص

ایک جگہ پر دماغ میں ایک خیال لاتا ہے دوسرے مقام پر دوسرا شخص۔ یکسوئی کر کے ان خیالات کو روحانی طور اخذ کرتا ہے۔ اس طریق میں محققین مغرب یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ انسان میں کونسی طاقت ایسے خیالات اخذ کرنے میں کام کرتی ہے۔ اور اسکی اصل ترتیب کیا ہے۔ سوائے اسکے کہ عملی طور انہوں نے یہ تحقیق کی ہے۔ کہ دماغ میں برقی لہریں پائی جاتی ہیں۔ وہی لہریں ایک دوسرے کے خیالات کو حاصل کرتی ہیں۔ ابھی تک وہ یہ جاننے سے قاصر ہیں۔ کہ یہ ایک روح حیوانی ہے۔ جسکا مخزن دماغ ہے۔ وہی ایتھری روح۔ زمین کی فضائے ایتھری سے رابطہ قائم کر کے اسی فضائے ایتھری کے توسط سے کیفیات کا عکس حاصل کرتی ہے۔ جسے مشاہدۂ روح حیوانی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ چونکہ محققین مغرب کا یہ ابتدائی عمل ہے ـــ بزعمِ خود وہ اس عمل کو ایک نئی ایجاد تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ علمِ مشاہدہ میں یہ طریق صفر کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ اسکی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ محققین مغرب ہر کیفیت کو عینی مشاہدہ کی صورت میں جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ طریق خالص روحانی ہے جو عینی مشاہدہ میں کلی طور آنہیں سکتا۔ محققین مغرب ایسے مشاہدات میں وہم وظن میں غلط نظریات میں الجھ جاتے ہیں اور ان طریقوں کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ جیسے حاضراتِ ارواح کے عمل میں انکے نظریات غلط ہو جاتے ہیں ـــ اور یہ جو یورپ کے ماہرین نفسیات۔ میڈیم شپ۔ بسیط۔ یا معمول کا مدہوشی میں۔ کیفیات بتانا ـــ یا ارواح کو حاضر کر کے انسے کیفیات دریافت کرنے میں مختلف طریقے اختیار کر کے غلط نظریات پیدا کر رہے ہیں۔ یہ سب روحانیت سے لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ انکا یہ طریق اور تحقیق غلط نظریات پیدا کرتا ہے۔

محققین یورپ نے مشاہدات کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے۔ جس میں میڈیم شپ (بسیط۔ معمول) میں ایک شخص قوتِ ارادی سے معمول پر نیند طاری کر کے اس سے کیفیات دریافت کی جاتی ہیں۔ یا اسکے ذریعہ ارواح کو حاضر کر کے کیفیات دریافت کی جاتی ہیں۔ اس طریق میں ماہرین نفسیات انتہائی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یورپ کی اکثر ترقی یافتہ حکومتوں نے جن میں برطانیہ۔ امریکہ۔ فرانس۔ روس۔ جرمنی پیش پیش ہیں۔ نے خصوصی شعبے قائم کئے ہیں جو اس روحانی طریق پر تحقیقات میں مصروف ہیں۔ اس تحقیق میں اس امر پر زور دیا جا رہا ہے۔ کہ کیسے ایک شخص۔ مخفی کیفیات کا مشاہدہ کر سکیگا ـــ اسی تحقیق میں۔ عمل تنویم۔ میڈیم شپ۔ یا حاضرات ارواح کے عمل کو

کامیاب بنانے کی کوشش کی جارہی ہے ــــ اس عمل میں حاضرات ارواح اور میڈیم شپ کو اہمیت دی جاتی ہے۔ جسکا مقصد ایک انسان اپنی قوتِ ارادی سے کس طرح اشیأ پر یا مخلوق پر غلبہ حاصل کرسکتا ہے۔ اور کیسے پوشیدہ راز دریافت کرسکتا ہے ــــ اسکے باطن میں یہ جذبہ کار فرما ہے۔ کہ روحانی طور اپنے حریف پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ اور اپنے دشمن کے خفیہ فوجی رازوں کو روحانی طریقہ سے حاصل کیا جائے ۱۔

۱۔ ترقی یافتہ حکومتوں میں۔ ہر حکومت کے ماہرین نفسیات۔ سائنسدان۔ اپنی اپنی جگہ اس روحانی طریق پر مختلف قسم کے تجربات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف ہیں۔ ہر حکومت نے نفسیاتی شعبے قائم کئے ہیں۔ جن میں روحانی طریقِ مشاہدہ پر زور دیا جارہا ہے۔ ترقی یافتہ حکومتوں کا۔ اور ماہرین نفسیات کے اس کیفیت کی طرف توجہ دینے کے چند مقاصد بھی ہیں ــــ اول یہ کہ روحانیت سے متعلق انسانی علم میں اضافہ ہو ــــ دوسرے یہ کہ دشمن کی خفیہ کاروائیوں سے روحانی طور آگاہی حاصل ہوسکے۔ تیسرے۔ یہ کہ اسلامی نظریات وعقائد کی کسی طرح رد ہوسکے ــــ روحانیت سے متعلق انسانی علم میں اضافہ۔ اس طرح سے ہے۔ کہ محققین مغرب (یورپ) میں انگریزوں نے دنیوی عروج حاصل کرنے کیلئے۔ ابتدأ دین کے روحانی عقائد کی مخالفت کی۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ جب عیسائی قوم۔ سائنس کی ترقی سے محروم عیسائی پادریوں کے تسلط وغلبہ میں انکے من گھڑت مذہبی عقائد سے باہر قدم نہ رکھتی تھی ــــ تمام عیسائی قوم وحشیانہ زندگی بسر کرتی تھی ــــ اور اپنے پادریوں کے خلاف یا انکے احکام ونظریات کے خلاف کسی قسم کا نظریہ رکھنا گناہ سمجھتے تھے ــــ پادریوں کے احکام دینی (عیسوی مذہب) احکام تصور کئے جاتے تھے ــــ اور جو شخص پادریوں کے نظریات کے خلاف کوئی بھی نظریہ پیش کرنے کی جرأت کرتا۔ اُسے زندہ جلا دیا جاتا تھا ــــ عیسائی قوم میں ایسے کئی واقعات پیش آئے۔ کہ اگر کسی شخص نے اپنی تحقیق میں یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین گول ہے۔ اور گردش کرتی ہے۔ تو اُسے پادریوں نے زندہ جلا دیا۔ اسی قسم کے کئی واقعات ــــ عیسائی پادریوں نے ــــ علمِ غیب کا جاننا۔ اور دین کی تبلیغ کرنا اپنے لئے مخصوص کرلیا تھا ــــ اور لوگوں کو من گھڑت اور وہمی تصور دیکر۔ قدامت پرستی سے سر نکالنے نہ دیتے تھے۔ خوش قسمتی سے جدید دور میں ایسے لوگ عیسائی قوم میں پیدا ہوئے جنہوں نے پادریوں کی کھلم کھلا مخالفت کی اور اپنی تحقیقی مہم چلانے کیلئے ایک منظم جدوجہد شروع کی۔ بالآخر وہ اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوگئے ــــ اور اپنے آپ کو پادریوں کے تسلط سے آزاد کیا ــــ ان لوگوں نے قومی ذہن کو کارآمد بنانے کیلئے تعلیم کو صحیح خطوط پر ترتیب دیا۔ قدیم طب اور فلسفہ کی بنیادوں پر تحقیق شروع کردی۔ جس تحقیق نے سائنس کو پیدا کیا ــــ سائنس کو کامیاب بنانے کیلئے ان لوگوں کا پہلا اقدام دین ومذہب۔ اور دینی نظریات کی رد ومخالفت تھا ــــ جس میں دین ــــ اور دین کے جملہ نظریات اور وہمی تصورات یہاں تک کہ دین اور پیغمبر اور اللہ کی ذات سے انکار کرنا تھا ــــ یہی تصور تمام لوگوں کے ذہنوں میں ڈال دیا گیا ــــ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ماہرینِ نفسیات نے اس سلسلہ میں مشاہدہ روحی میں تھوڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ کہ ایک شخص مخصوص انداز میں دوسرے کے خیالات کو جان لیتا ہے۔ لیکن یہ طریق نامکمل ہے۔ اسلئے ابھی تک

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اس طریق سے عیسائی قوم نے دین کی حدوں سے نکل کر دنیوی عروج پر اپنی پوری قوت صرف کر دی ــــ اس جدوجہد میں اِس قوم نے ایجادات پر زور دیکر اپنی ایک عظیم سلطنت قائم کی ــــ خوش قسمتی سے اس قوم میں عظیم محقق پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنی تحقیق سے نئے تصورات۔ نئے نظریات پیدا کر کے دنیا کو ان نظریات کا قائل بنا دیا ــــ چونکہ اس نئی قوم نے دین کی ابتدأ مخالفت کی اسلئے دین سے متعلق تمام روحانی نظریات کی نفی کر دی ــــ روحانی نظریات میں عالمِ غیب ــــ اور غیب سے متعلق کیفیات۔ یعنی دینی احکام میں عبادات۔ حشر۔ جنت۔ دوزخ۔ ملائکہ۔ سماوات۔ جنات۔ روح اور دیگر غیبی کیفیات ــــ یہ کیفیتیں دینِ عیسوی میں بھی پائی جاتی تھیں سب کی نفی کر دی ــــ اور اپنے لئے ایک اصول یہ مقرر کیا۔ کہ جب تک ایک کیفیت کا وجود انسانی علم واحساس میں نہ آئے اس سے انکار کیا جائے۔ اسی اصول پر انہوں نے دنیا میں نئی ایجادات و نئے نظریات وتصورات پیدا کر کے مادی عروج حاصل کیا ــــ جس میں دین ــــ اور دین سے متعلق نظریات وتصورات کی کوئی گنجائش نہیں رکھی ــــ یہاں تک کہ ان میں عظیم سائنسدان پیدا ہوئے اور اسی سائنس کے ذریعہ عیسائی قوم نے اپنی تحقیق کو اتنی وسعت دی۔ کہ زمین سے متعلق کئی ایک ایسی کیفیتوں کا انکشاف کیا۔ جو عام نظروں میں۔ نادیدہ ــــ اور غیب کا درجہ رکھتی تھیں ــــ یوں تو اس قوم کے محققین نے دین سے متعلق روحانی تصورات ونظریات کی نفی کر دی۔ لیکن انکی سائنس ایک حقیقی علم تھا۔ جس سے انہوں نے کائنات کے فطری نظام کے آثار ہی دریافت کئے ــــ اس فطری نظام کی تحقیق نے خود انہیں اس مقام پر پہنچایا۔ کہ ایسے واقعات انکے سامنے پیش آئے۔ جن سے انہیں ــــ روحانیت کا قائل ہونا پڑا۔ اسی تحقیق نے ان میں روحانیت پر تحقیق کی تحریک دی ــــ چنانچہ محققین مغرب اور ماہرین نفسیات نے روحانیت پر تحقیق کیلئے خصوصی شعبے قائم کئے۔ جس نے یہ ثابت کیا۔ کہ انسان اور کائنات میں ایسی بھی کیفیات ہیں۔ جنکا روحانیت سے تعلق ہے ــــ اسی تحقیق کے نتیجہ میں محققین مغرب مجبوراً اسی دین کی طرف رجوع کرتے جا رہے ہیں۔ جسکی انہوں نے ابتداءً نفی کر دی تھی۔ البتہ جو دین پادریوں نے اختراع کیا تھا۔ وہ حقیقتاً ایک من گھڑت دین تھا۔ جس میں من گھڑت عقائد تھے۔ لیکن آج کی سائنسی تحقیق میں محققین یورپ۔ ایک حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔ جو ایک حقیقت اور فطری قانون کے تحت صحیح آثار سمجھے جاتے ہیں ــــ اسی تحقیق کے نتیجہ میں۔ اس مخصوص شعبہ نے روحانیت سے متعلق طریق ــــ مسمریزم۔ ہپناٹزم ــــ شمع بینی۔ بلور بینی۔ اور حاضراتِ ارواح وغیرہ کے طریق استعمال کئے ــــ مسمریزم۔ ہپناٹزم۔ شمع بینی۔ بلور بینی اور حاضراتِ ارواح کے طریق عیسائی قوم سے قبل قدیم زمانہ سے جاری تھے ــــ انہیں قدیم طریقوں پر محققین مغرب نے اپنی تحقیق شروع (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس طریق میں کلی طور کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اسکے ساتھ ہی ماہرین نفسیات میڈیم شپ اور حاضرات ارواح میں مجلسیں قائم کرتے ہیں۔ انکا طریق یہ ہے ـــــ کہ ایک کمرے میں چند اشخاص ایک میز کے گرد

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کی چنانچہ وہ اب یہ کیفیت دریافت کر چکے ہیں کہ انسان میں ایک لطیف قوت (روح) ہے۔ جس کا تعلق روحانیت یا عالمِ روحانی سے ہے۔ اور یہ کہ فی الواقع ایک روحانی عالم بھی واقع ہے۔ جو ابھی تک قیاس کی حد تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس عالم کی حقیقت ان پر واضح نہیں ہوسکی۔ کیونکہ ایسی کیفیات عقلی تحقیق کے احاطہ سے ماورئی ہے۔ لیکن محققین اپنے قریبی تجربات کی بناً پر ایک روحانی عالم کے قائل ہونے پر آمادہ ہیں۔

دراصل روحانیت کا عقیدہ و نظریہ ابتدائے پیدائش سے برابر قائم ہے۔ انسانی ابتداً اسی تصور کے ساتھ ہوئی ـــــ زمانہ لاتعداد صدیوں سے چلا آتا ہے۔ ابھی تک انسان یا محققین زمانہ کی وسعت اور ابتداً کا تعین نہیں کر سکے ہیں اسلئے یہ جاننا مشکل ہے کہ ابتدائی انسان کی حیثیت کیا تھی۔ آیا اسکے ذہن میں روحانیت کا کوئی تصور پایا جاتا تھا ـــــ؟ یہی وجہ ہے۔ کہ اکثر محققین نے اپنے قیاس پر یہ نظریہ قائم کیا ہے۔ کہ ابتدائی انسان وحشی اور علم سے نابلد تھا۔ قیاس کی اس شدید غلطی کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ جب انسان ظاہری علم سے نابلد ہو ـــــ تو اس میں روحانیت کا پایا جانا قطعی ناممکن تصور کیا جاتا ہے لیکن دینِ اسلام کا قرآن ان تمام نظریات و تصورات کی رد کرتا ہے۔ اور ابتدائی انسان کو ایک مکمل انسان قوی علم وفہم کا حامل قرار دیتا ہے ـــــ اور یہ جو انسان کو وحشی تصور کیا جاتا ہے ـــــ یہ اسی وہمی قیاس کا نتیجہ ہے۔ کہ محققین جس انسانی دور کا تصور کرتے ہیں۔ دراصل وہ ابتدائی دور نہیں بلکہ درمیانی دور ہے جب انسان نے (مثل عیسائی قوم کے) روحانیت ترک کر کے مادی حصول کی طرف توجہ دی ـــــ تو اسکی روحانی صفات محو ہوگئیں۔ یہی کیفیت انسان کی مدتوں رہی ـــــ اور انسان اپنی انسانی خصوصیات و صفات سے گر کر حیوانی صفات پر آیا ـــــ حیوانی صفات ہی میں وحشت و ذلت کا تصور پایا جاتا ہے۔ اسی انسان کو دیکھ کر محققین نے انسان کو ایک وحشی درندہ کے تصور میں پایا۔ اور چونکہ انہوں نے مادی تحقیق سے ہی عروج حاصل کیا۔ اسلئے انہیں انسان کے متعلق یہی تصور حاصل ہوتا ہے۔ کہ مادی عروج کے بغیر انسان مہذب نہیں ہو سکتا ـــــ اور یہ کہ ہمارے مادی عروج سے قبل انسان وحشی تھا ـــــ حالانکہ یہ نظریہ محض قیاس کی اساس پر قائم ہے ـــــ برعکس اسکے قرآن نے۔ جہاں انسان کا نام بتایا۔ وہاں اسکو کائنات کی ہر قوت سے افضل تصور کے ساتھ پیش کیا ـــــ

الغرض۔ محققینِ مغرب نے روحانیت کی تحقیق میں جو طریق اختیار کئے ہیں وہ طریق قدیمی تھے ـــــ اور یہ جاننا بھی ضروری ہے۔ کہ محققین مغرب کائنات کی انتہائی تحقیق میں انتہائی عروج کے بعد اب روحانیت کی ابتداً کر رہے ہیں ـــــ اور اس روحانی تحقیق میں جو طریق انہوں نے اختیار کئے وہ فروعی طریقے ہیں حقیقی نہیں ـــــ اور جہاں تک فی زمانہ دنیا کی قوموں میں روحانیت کا تصور ـــــ اور روحانیت کی تحقیق میں۔ انکشافات یا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیٹھ کر یکسوئی کرتے ہیں۔ یکسوئی کی حالت میں وہ محسوس کرتے ہیں کہ میز ہلتی ہے۔ اور ان لوگوں پر مدہوشی چھا جاتی ہے (بظاہر وہ اپنے آپ کو ہوش مند خیال کرتے ہیں) اسی عالم میں وہ مختلف قسم کی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) مشاہدات کے طریق رائج ہیں۔ یہ سب حقیقی نہیں۔ بلکہ فروعی طریق ہیں ــــ اور ان طریقوں سے جو کچھ حاصل ہو رہا ہے۔ وہ بھی حقیقی معنوں میں اصل روحانیت نہیں۔ بلکہ وہمی تصورات اور ادنیٰ قسم کے انکشافات ہیں۔ ایسی کیفیات کا روحانیت سے تعلق نہیں ــــ اور حقیقی روحانیت کا علم بغیر قرآن کے کسی محقق کے علم میں ــ کسی الہامی کتاب سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے ــ!

جیسا کہ بیان ہو چکا محققین مغرب کو خود سائنس کی تحقیق نے روحانیت کے دروازہ پر لایا ــــ لیکن محققین مغرب اپنی تمام تر قوتوں کو دنیوی عروج کیلئے استعمال کر رہے ہیں ــ اور ابھی تک انہوں نے حقیقی دین ــ اور دین سے متعلق عقائد و نظریات کو قبول کیا نہ تسلیم کیا اسلئے انکی روحانیت بھی مادیت اور دنیوی عروج کے لئے استعمال ہو رہی ہے۔ نیز یہ کہ ابھی وہ اپنے دنیوی عروج کے انتہا پر روحانیت کی ابجد بھی حاصل نہ کر سکے ــ اسلئے بزعم خود وہ روحانی تحقیق میں نئی کیفیات کے مشاہدہ میں ابتدائی علم حاصل کر کے اپنے مادی علم کو روحانیت سے وسعت دے رہے ہیں ــــ لیکن یہ امر ضروری ہے کہ دین ایک ایسی قوت ہے۔ جو انسانی قوتوں کو ایک حد اعتدال میں رکھتی ہے۔ اگر انسانی قوتوں کو ایک فطری نظام اور دین کی حدود میں پابند نہ رکھا جائے تو انسانی قوتوں کے عروج میں۔ جبکہ انسان کسی حقیقی ضابطہ کا پابند نہ ہو ــــ فساد و خونریزی ــ اور تباہی واقع ہونا لازمی ہے ــ اسلئے محققین مغرب جب تک دین کی حدود میں نہ آئیں انکے مادی ــ روحانی تجربات و ایجادات میں۔ فساد و تخریب۔ خونریزی و تباہی کا عنصر زیادہ ہوگا ــــ یعنی انکا مادی عروج ہی انکے لئے تباہی کا سبب ہوسکتا ہے ــــ اسی اثر کے تابع محققین مغرب اس روحانیت کو اپنے دشمن کو زیر کرنے کیلئے ــ اور باقی مخلوق کو اپنے زیر نگین کر کے غلام بنانے کیلئے۔ استعمال کر رہے ہیں ــ

روحانیت۔ حیوانیت کی ضد ہے ــ روحانیت دین سے تعلق رکھتی ہے اور حیوانیت دین سے فرار و انکار کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا بغیر دین روحانیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسکے باوجود محققین مغرب دین کی پابندی کے بغیر روحانیت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ــ فی زمانہ محققینِ یورپ روحانیت سے متعلق جن کیفیتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ صرف ادنیٰ روحانی مشاہدہ (روح حیوانی کا مشاہدہ) تک محدود ہے۔ یورپ کی اکثر قومیں۔ برطانیہ۔ امریکہ۔ فرانس۔ جرمنی وغیرہ میں کئی شعبے خصوصی طور قائم کئے گئے ہیں۔ جن پر زر کثیر صرف کیا جاتا ہے۔ اور یہ تمام اخراجات حکومت پوری کرتی ہے۔ ان شعبوں میں مسمریزم۔ ہپناٹزم۔ حاضرات ارواح کی مشقوں سے ماورائے حواس کیفیات کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ــ اس میں شک نہیں کہ مغربی محققین میں علمی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیفیات کا مشاہدہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ان میں روح حاضر ہو جاتی ہے۔جسے وہ سامنے دیکھتے ہیں۔ اس روح سے مختلف سوالات کئے جاتے ہیں۔اور روح انکا جواب دیتی ہے۔بعض اوقات روح کے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) وسعت کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔لیکن ہر محقق اپنی علمی وسعت کے ساتھ ساتھ اس علم کو اپنی حکومت کے مادی استحکام کیلئے صرف کرنے کا مقصد رکھتا ہے۔اسی لئے ان شعبوں کو حکومت کی سرپرستی وامداد حاصل ہوتی ہے۔ حکومت کے استحکام میں وہ جذبہ کارفرما ہے۔کہ ہر حکومت مادی عروج حاصل کر کے اپنے مدمقابل قوتوں سے اپنی حفاظت اور غلبہ اور دوسروں کو اپنے زیرنگیں کرنے کی کوششوں میں سرگرداں ہے۔اسکی وجہ ؟ یہ کہ جب سے مغربی قوموں نے دینی عقائد کی حدوں سے فرار حاصل کیا۔انکی نظروں میں مادی قوتوں سے ہی عروج وغلبہ حاصل کرنا انکا مقصد رہ گیا ہے۔دین کی حدود میں پابند نہ رہ کر مادی عروج میں فطری طور تخریب ــــ فساد وخونریزی اور ہوس ملک گیری کا جذبہ پایا جاتا ہے ــــ مغربی قومیں اسی اثر کے تحت خود مختلف قوموں میں بٹ گئیں۔اور ہر قوم نے اپنی ایک علیحدہ حیثیت قائم کر کے اپنی علیحدہ حیثیت کو عروج پر لانے کی کوشش کی۔نتیجہ یہ ہوا۔کہ ان قوموں میں ایک دوسرے سے غلبہ میں سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا ہوا۔اور ہر قوم ایک دوسرے کو زیر کرنے میں مصروف ہوگئی ــــ اسی جذبہ کے تحت قوموں نے۔تحقیقی ایجادات سے۔غالب ومہلک قوتیں حاصل کیں ــــ جن میں۔تلوار سے لیکر بندوق۔توپیں۔مشین گنیں۔ ٹینک۔بم۔ایٹم بم۔ہائیڈروجن بم۔میزائیل اور مہلک گیسیں ایجاد کیں۔اور ان اشیأ کو کثرت سے جمع کرنے کیلئے۔ زرعی صنعتیں۔مشینیں۔فیکٹریاں اور دنیوی ساز وسامان کی مشینیں ایجاد کر کے ان سے مختلف مصنوعات بنا کر دنیا کی دولت حاصل کی اسی دولت سے اپنے مہلک ہتھیار واسلحہ فراہم کئے۔اور انہیں مہلک ہتھیاروں کی مدد سے ایک دوسرے کو فنا کر کے اپنا غلبہ وتسلط قائم کیا۔اسی مادی عروج کا نتیجہ دنیا کی مہیب جنگیں پائی جاتی ہیں۔اور یہ جنگ برابر جاری ہے ــــ اس وقت تک ــــ جب تک یہ قومیں۔دینی حدود سے انحراف وفرار پر مائل رہینگی ــــ اور ان ایجادات میں برابر ترقی ہوتی رہیگی۔بندوق سے لیکر توپ مشین گن۔ٹینک۔ایٹم بم کی مادی ترقی رفتہ رفتہ لطیف۔برقی۔ایتھری قوتوں تک عروج کرتی جارہی ہے۔اور اب زمانہ ہے۔کہ انکی تحقیق ایٹمی۔ایتھری قوتوں (گیسوں) تک پہنچ چکی ہے۔ایتھری قوت لطیف قوت ہے۔اس قوت کی منزل روحانی قوت سے جاملتی ہے۔اسلئے محققین مغرب نے روحانی قوتوں کو سر کرنے کی مہم شروع کردی۔اسکی ابتدأ اسی روحانی کیفیتِ مشاہدہ۔ہپناٹزم۔مسمریزم ــــ حاضرات ارواح وغیرہ سے ہوتی ہے ــــ اس قوت کو بھی ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے بعد استعمال کرنے کا ارادہ ہے۔وہ یہ کہ جب تک کسی قوم کے جنگی منصوبے راز میں ہوں۔مخالف قوم اس پر پوری طرح ضرب لگا نہیں سکتی ــــ کسی قوم کو جنگ کے ذریعہ زیر کرنے کیلئے ضروری ہے۔کہ اس کے تمام اندرونی راز حاصل کئے جائیں ــــ اسکے لئے۔جاسوسی۔(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جوابات درست پائے جاتے ہیں۔اور بعض غلط بھی ثابت ہوتے ہیں۔اسی طرح میڈیم شپ میں ایک شخص عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔اور میڈیم (بسیط) معمول بنتا ہے۔عامل۔معمول پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ففتھ کالم کا ایک اہم اور خصوصی شعبہ فوج میں قائم ہوتا ہے۔جنگ کی شکست وفتح اسی شعبہ پر منحصر ہوتی ہے۔مغربی قوموں نے جاسوسی میں بھی انتہائی کمال حاصل کیا لیکن۔یہ کمال اب ہر قوم کو حاصل ہے۔نیز یہ کہ ہر قوم اپنی جنگی قوتوں کو صیغۂ راز میں رکھنے میں اس قدر ماہر ہو چکی ہے۔کہ انکے جنگی منصوبوں کا علم حاصل کرنے میں جاسوسی محکمہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔اسلئے ہر قوم۔ہائیڈروجن بم۔اور گیس سے آگے ایٹری قوت استعمال کر کے روحانی مشاہدہ کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔تاکہ بغیر جاسوسی کے گھر بیٹھے ایک دوسرے کے جنگی سربستہ رازوں سے آگاہی حاصل کر کے ایک دوسرے پر ضرب لگا کر اسے فنا کر دیں۔اسی مقصد کو پورا کرنے کیلئے محققین مغرب روحانی مشاہدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ـــــ جیسا کہ بیان ہو چکا۔کہ مغربی محققین اپنی علمی وسعت کیلئے بھی اس علم کو استعمال کر رہے ہیں اور ان میں مختلف قسم کی ترکیبیں استعمال کی جاتی ہیں۔لیکن ـــ یہ ترکیبیں۔چونکہ مادی تحقیق کی آخری کڑیاں ہی ہیں۔اسلئے ان طریقوں میں بھی وہی مادی ترکیبیں استعمال ہوتی ہیں ـــــ اس مقام پر جو کیفیتیں انہیں محسوس ہو رہی ہیں وہ خالص روحانیت سے تعلق رکھتی ہیں ـــــ اسلئے انکے تجربات۔تحقیق اور نتائج میں جو کیفیتیں انہیں حاصل ہوتی ہیں ـــــ وہ انکے مادی نظریہ کی ارتقاً تصور کی جاتی ہے۔جسے روحانیت تصور نہیں کیا جاتا ـــــ چونکہ یہ کیفیتیں روحانیت سے تعلق رکھتی ہیں۔جس کے لئے ـــــ روحانیت کے مشاہدہ کیلئے۔روحانی طریق میں مشاہدہ کی ترکیب مسمریزم۔ہپناٹزم۔حاضرات ارواح سے مختلف ہے۔اسلئے محققین ان کیفیتوں کے مشاہدہ میں جو علم۔جو نظریہ حاصل کرتے ہیں ـــــ حقیقی معنوں میں وہ نظریات قیاسی۔وہمی ہیں اور روحانیت کی اصل نہیں کیونکہ روحانیت کیلئے جو طریق اور اصول مقرر کئے گئے ہیں وہ ان اصولوں سے واقف ہیں۔نہ انہیں استعمال کرنا جانتے ہیں۔لہٰذا محققین کے وضع کردہ طریق ہپناٹزم وغیرہ سے انہیں حقیقی روحانی مشاہدات حاصل نہیں ہو سکتے۔

چونکہ دین میں بھی روحانیت کا استعمال ہوتا ہے۔اور ابتدأ میں روحِ حیوانی سے اسی قسم کے مشاہدات حاصل ہوتے ہیں ـــــ لیکن ان مشاہدات میں وسعت ہے۔اور دینی ترکیب مشاہدہ میں جو کیفیتیں مشاہدہ میں آتی ہیں۔وہ حقیقی صورت وہیئت میں ہوتی ہیں۔ایسی کیفیتوں کو صرف ہپناٹزم یا مسمریزم کے طریق سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔جب تک کہ دین کی پابندی نہ کی جائے۔اور ان طریقوں کو استعمال نہ کیا جائے۔جو طریق مشاہدہ کیلئے دین نے وضع کئے ہیں ـــــ

بزعم خود محققین مغرب اپنی اس تحقیق پر نازاں ہیں۔اور اس تحقیق کو انتہائی کارنامہ سمجھ رہے ہیں ـــــ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے۔کہ فی زمانہ دین کا طریق مشاہدہ۔اہل مذاہب نے بھی۔نہ استعمال کیا ـــــ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو معمول پر نیم مدہوشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔اسی میڈیم سے سوال کیا جاتا ہے جسکا وہ جواب مدہوشی کی حالت میں دیتا ہے۔یا اسی میڈیم کے ذریعہ روح کو حاضر کیا جاتا ہے۔جس سے سوال کیا جاتا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اور مدت دراز سے اس علم سے وابستگی نہ رکھنے کی وجہ سے اس حقیقی طریقِ مشاہدہ کا نہ اجرا ہوا۔نہ مظاہرہ ہوا۔اسکے برعکس۔دین کے احکام پر صحیح معنوں میں عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے اہلِ مذاہب میں بھی ـــــ عرصہ سے نیم مادی۔نیم روحانی ـــــ اور من گھڑت اور اختراعی طریق استعمال کئے گئے جس وجہ سے محققین مغرب کو روحانیت کی اصل حاصل نہ ہو سکی اور وہ اپنے ہی علم کو ایک حقیقت سمجھنے پر مجبور ہیں ـــــ بدقسمتی سے اہلِ مذاہب خصوصاً اہلِ اسلام نے بھی عرصہ سے حقیقی روحانیت کا نہ مظاہرہ کیا۔نہ اسکی اصل کو پایا۔نتیجہ یہ ہوا ـــــ کہ اسلامی طریقہِ مشاہدہ میں بھی ایسے ہی۔قیاس۔وہمی اور من گھڑت طریق اور نظریات۔شامل ہو گئے۔جن کی کوئی حقیقت نہیں۔اور اہل اسلام۔اہل شریعت وطریقت بھی غیر حقیقی نظریات کو اصل سمجھ کر ایسے ہی طریقوں کا استعمال کر کے اصلی علم کو مسخ کر چکے ہیں ـــــ جس وجہ سے محققین مغرب حقیقی اسلامی علم وعمل پر اعتراضات کرتے ہیں ـــــ

اہل یورپ جہاں اپنی مغربی قوموں سے برسرِ پیکار ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے۔کہ انکی نظر میں انکا حقیقی مخالف اسلام اور اہل اسلام ہیں ـــــ فی زمانہ اہل اسلام کی کچھ بھی حیثیت ہو۔کہ ہر مسلمان نام کا مسلمان ہے ـــــ اس نے قرآنی احکام وعلم پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔مسلمان بھی اس مقام پر پہنچ چکا ہے۔کہ وہ اپنی مادی زندگی کو بھی استحکام نہ دے سکا ـــــ اور اب اپنی مادی زندگی کا استحکام حاصل کرنے پر مجبور ہے۔ایسی صورت میں وہ اس قابل نہیں رہا۔کہ اپنی روحانی قوت کو قوی کر کے محققین مغرب کے اس عروجی طریق مسمریزم سے ایک قدم آگے بڑھ کر مشاہدۂ روحانی حاصل کر کے اپنے مخالفین کے جنگی رازوں سے واقف ہو سکے ـــــ اور محققین مغرب کے میڈیم شپ +(روحانی طاقت) کے مقابلہ میں اپنی روحانی قوت کو قوی کر کے اپنی ارادی قوت سے مخالف قوتوں کو مغلوب کر سکے ـــــ مسلمان میں۔اسکی روحانی و مادی زندگی کے تنزل کا سبب کیا ہے ـــــ وہ صرف یہی۔کہ قانونِ فطرت ـــــ قرآنی احکام اور طریق عبادت سے انحراف وانکار ـــــ!

قانونِ فطرت کے مطابق۔انسان کی روحانی اور مادی زندگی کا عروج۔صرف قرآن (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ در حاشیہ +اس وقت محققین مغرب میڈیم شپ کے ذریعہ ایک تو راز سربستہ کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔دوسری طرف اس طریق سے اپنی روحانی قوت کو قوی بنا کر ایک معمول کو اپنی ارادی قوت سے مغلوب کر کے اس سے کام لے رہے ہیں۔اس قوت کا خاصہ ہے۔کہ ہر ایٹمی قوت کو اشارہ سے ناکام بنایا جا سکتا ہے۔

ہے۔اورروح اسکا جواب دیتی ہے۔ یہاں روح سے مراد وہ روح۔ جوایک مردہ آدمی کی روح ہوتی ہے۔اوراس سے غیب کی خبریں پوچھی جاتی ہیں ــــ لیکن اس عمل میں اکثر واقعات وہم وظن کی غلط

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کے احکام پر عمل کرنا ــــ پاکیزگی روح وجسم کیلئے وہ طریق واحکامات استعمال کرنا جوقرآن نے بتائے ــــ قرآن ایک ضابطۂ ہدایت ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔یہ وہ کتاب ہے۔ جس میں انسانی حقیقی مقصود کی نشاندہی کی گئی ہے۔ کہ انسانی زندگی کا واحد مقصد ــــ انسانی زندگی کا نصب العین ــــ صرف تصورِذاتِ الٰہی۔ مشاہدۂ اسرارالٰہی۔ تسبیح وحمد ــــ تزکیہ ــــ مجاہدہ ــــ ہے ــــ اس میں مقامِ خلافت و عظمت وعروج حاصل ہونے کے مکمل طریق درج ہیں ــــ جن سے انسان کی روحانی قوتیں قوی ہو ــــ کرکائنات عالم پر۔ بغیر مادی ذرائع کے۔ غلبہ وتسلط حاصل کرسکتا ہے۔ زمانہ کے سامنے مثال موجود ہے۔ کہ محققین مغرب۔ ایٹم بم۔ ہائیڈروجن بم۔ اورمہلک گیسوں کواپنے عروج کیلئے ناکافی سمجھ کرایتھری۔ برقی قوتوں کی تلاش میں مصروف ہورہے ہیں ــــ ہائیڈروجن بم ان کی آخری منزل نہیں ــــ بلکہ وہ مسمریزم اورحاضرات ارواح کے ذریعہ گھر بیٹھے بغیر کسی ایٹمی ہتھیار کے دشمن کوتباہ کرنے کامنصوبہ بنارہے ہیں ــــ ایٹم بم۔ اب آلو۔ مولی کی طرح ارزاں ہوتے جارہے ہیں ــــ اور وقت آنے پر جس نے حاضرات ارواح میں کامیابی حاصل کی۔ میڈیم شپ میں کامیابی حاصل کی ــــ وہ دنیا پر غالب رہے گااوردنیا کی ایٹمی طاقتوں کواشارے سے بیکار کردیگا ــــ یہ میڈیم شپ ــــ مسمریزم۔ حاضرات ارواح ــــ روحِ حیوانی کی وہ قوت ہے۔ جودین اسلام۔ طریقت ــــ اورمشاہدۂ اسرارالٰہی کی قوت کے سامنے صفر کی بھی حیثیت نہیں رکھتی ــــ مسلمان نے اپنی نفسانی خواہشات سے مغلوب ہوکراس قوت کوہاتھ سے دیا ــــ مسلمان ــــ مسلمان ــــ! دین فطرت کا حامل تھا ــــ اسی نے دین فطرت کواپنایا ــــ یہی اسکا حقیقی سرمایہ تھا ــــ یہی اسکی روحانی اوردنیوی عروج کی اساس تھی ــــ مسلمان کیلئے لازم یہی تھا کہ وہ قرآنِ حکیم پرعمل کرکے میڈیم شپ سے قوی قوت کا مالک ہوکر ہرزمانہ میں عروج واقتدار حاصل کرے۔ اگرچہ منحرف قومیں ایٹم بم بھی ایجاد کریں ــــ توبھی اگرمسلمان اپنی روحانی قوت کوقائم رکھتا ایٹم بم روحانی قوت کے مقابلہ میں توذرہ ہی ہے ــــ!

اسلام نے مسلمان کواسی حیثیت سے پیش کیا۔ کہ وہ مادی ذرائع کواپنے عروج وارتقا میں شامل نہ کرے ــــ حضرت علیؓ ــــ امیر معاویہؓ کے درمیان یہی چیز باعث نزاع بنی ــــ کہ حضرت علیؓ روحانی اصل کوقائم رکھنا چاہتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے واقعاتِ عالم سے قبل ازوقت مرعوب ہوکر مادی ذریعہ کوخلافتِ اسلامی میں شامل کرنے کی کوشش کی اور بیت المال سے خلافتِ اسلامیہ میں شاہانہ رعب وداب پیدا کرنے کی کوشش کی اسکا نتیجہ لازمی تھا۔ کہ روحانیت کمزور ہوجاتی۔ اورخلافت الٰہی ــــ قانون الٰہی ــــ اورانسانی عروج زوال پذیر ہوجاتا۔ دین محمدیؐ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اختراع کا نتیجہ ہوتے ہیں۔جن میں حقیقت اور اصل کا عنصر بہت کم ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ محققین یورپ مشاہدہ کیلئے جو طریق اختیار کرتے ہیں۔انسے انہیں غیبی مشاہدہ حاصل ہوسکتا ہے۔مگر یہ طریق ناقص ہے۔ایسے مشاہداتِ غیبی کامل نہیں۔جومبنی بر حقیقت سمجھے جائیں۔اسلئے لازمی طور ایسے طریق میں غلط نظریات پیدا ہو جاتے ہیں۔اور آئندہ انہیں غلط نظریات کی بنیاد پر علمِ مشاہدہ یا علمِ غیب کو غلط انداز میں پیش کر کے حقیقت کی شکل مسخ ہو جاتی ہے۔

اب یہاں محققین مغرب کے طریقِ مشاہدات کی تفصیل بیان کی جاتی ہے ـــ اول یہ کہ ایک دوسرے کے خیالات سے روحانی طور آگاہ ہونا ـــ یہ وہی طریقہ ہے۔جو روحِ حیوانی کے ذریعہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کی حقیقی شان معدوم ہو جاتی ـــ اسی مادی قوت کو مٹانے کیلئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کی مزاحمت کی ـــ نتیجہ ظاہر ہے۔دین الٰہی میں۔مادی تصور شامل ہو گیا ـــ رفتہ رفتہ مسلمان سے روحانیت ختم ہو گئی۔چونکہ اسکے مسلک میں مادی ذریعہ سے قوت حاصل کرنا لازمی نہ تھا۔اسلئے مسلمان کسی وقت بھی مادی ذریعہ سے قوت حاصل نہ کر سکا۔برعکس اسکے اہل یورپ نے دین کے تصور کو ذہن سے نکال کر ہی مادی ذریعہ پر اپنی تمام تر طاقت خرچ کی تو لازماً انہیں مادی عروج حاصل ہونا تھا ـــ اسکے مقابل مسلمان کیلئے صرف روحانیت کا عروج لازم تھا مگر اس نے روحانی عروج حاصل نہ کیا ـــ تو ضروری تھا۔کہ اہل یورپ مادی عروج سے غلبہ حاصل کر لیتے ـــ فطرت کا قانون اٹل ہے۔اور محققین مغرب اسکی مثال پیش کر رہے ہیں۔کہ آج بھی روحانی قوت حاصل کرنے والی قوم۔اگرچہ اس میں بھی اہل یورپ سبقت لے جائیں۔دنیا پر فاتح ہونگے۔اور تمام ایٹمی قوتیں مغلوب ہو جائینگی ـــ لیکن یہ میراث مسلمان کی ہے۔مسلمان کے پاس اب بھی قرآن ہی ہے۔لیکن قرآن کا مطالعہ مادہ سے انکار کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔مسلمان قرآنی تعلیم پر عمل کر کے حقیقی روحانیت حاصل کر کے آسمانی قوتوں پر برتری حاصل کر سکتا ہے۔لیکن اسکے لئے ضروری ہے۔کہ اپنے ذہنوں سے تمام فروعی نظریات وعقائد کو یکسر خالی کیا جائے ـــ اور خلوص نیت سے قرآن کا مطالعہ کیا جائے ـــ اور اپنے عروج کیلئے روحانیت کا سہارا لیا جائے ـــ فی زمانہ ـــ روحانیت۔شریعت۔طریقت ـــ اور باقی علومِ فقہ میں جو غلط نظریات شامل کئے گئے ہیں۔انکی تحقیق کی جائے۔اور قرآن کے ٹھوس احکام پر عمل کر کے۔تزکیہ ـــ مجاہدہ ـــ تسبیح وحمد سے مشاہدہ وتصورِ الٰہی۔مشاہدہ اسرارِ الٰہی حاصل کیا جائے ـــ یہ ایک اٹل حقیقت ہے اس قوت پر عظیم سے عظیم تر مادی یا ایٹمی قوت غالب نہیں آسکتی ـــ اور جب تک اس قوت کو حاصل نہ کیا جائے۔مسلمان کسی طرح بھی۔اپنے تنزل وانتشار کو ختم نہیں کر سکتا ـــ

مشاہدہ کیا جاتا ہے۔لیکن محققین۔ماہرینِ نفسیات اس طریق کواصول وشرائط کے مطابق استعمال نہیں کرتے۔یعنی وہ اس طریق میں روحِ حیوانی کا اصل تصور نہیں رکھتے۔نہ وہ ان مشاہدات کو جوانہیں پیش آتے ہیں صحیح تعبیر کر سکے ہیں ـــــ ایک دوسرے کے خیالات کو پانے کا طریق ۱؎ یہ ہے۔کہ ایک شخص اپنی روح حیوانی سے فضائے ایثری سے رابطہ قائم کر کے دوسرے شخص کی روح حیوانی ۲؎ سے تعلق پیدا کر کے جو بات وہ دماغ میں پیدا کرے۔حاصل کر لیتا ہے۔(لیکن محققین مغرب عینی مشاہدہ کے قائل ہیں۔اسلئے یہ کیفیت انکے علم میں نہیں آئی ہے)ـــــ یہی قوت ـــــ یعنی روح حیوانی کے ذریعہ بغیر حواس کی مدد سے غیب کی کیفیات سے آگاہ ہونا۔طریقِ مشاہدہ ۳؎ ہے ـــــ اس میں مشاہدہ کا انحصار انسان کی ذہنی قوت اور روحِ حیوانی کی قوی قوت پر ہوتا ہے ـــــ بعض لوگوں میں پیدائشی طور یہ ذہنی اور روحانی قوت قوی ہوتی ہے۔ایسے لوگ بغیر کسی خاص مشق کے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔بعض لوگ جنہیں قوی ذہنی۔روحانی قوت حاصل نہیں۔وہ لوگ۔یکسوئی۔مسمریزم۔تنفس نور۔شمع بینی۔بلور بینی کے طریقہ سے ذہنی روحانی قوت کو قوی بنا کر مشاہدہ کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔انہیں دوقسموں کے لوگ۔ماہرین نفسیات میں شامل ہیں۔انہیں لوگوں میں بعض حاضرات ارواح کا عمل کرتے ہیں۔جس میں اہل یورپ شدت کے ساتھ مصروف ہیں۔حاضرات ارواح کا طریق یہ ہے۔کہ ایک شخص جسمیں مسمریزم کے ذریعہ روح حیوانی قوی حالت میں پائی جاتی ہے ـــــ وہ ایک معمول کو منتخب کرتا ہے ـــــ معمول سے مراد میڈیم۔جس پر مسمریزم کا عمل کیا جاتا ہے ـــــ اس میں میڈیم (معمول یا بسیط) دوقسم کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جس میں پیدائشی طور مشاہدہ کی ذہنی صلاحیت پائی جاتی ہے۔دوسرا وہ جس سے عمل تنویم کے ذریعہ مشاہدہ

۱؎ اسکی تفصیل گزشتہ صفحات پر آچکی ہے۔یہاں ضرورت کے مطابق دوبارہ بیان کرنا ضروری ہے۔

۲؎ اسکی مثال ایسی ہے۔جیسے ریڈیو پر کسی شہر کے ریڈیو سٹیشن سے ملاپ کرنے کیلئے waves (لہروں) کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جاتا ہے۔ریڈیو کی ترکیب بھی یہی ہے۔کہ ریڈیو میں لگا یا ہوا مقناطیسی آلہ بیرونی فضائے ایثری سے waves (ایثری لہر) کے ذریعہ کسی ریڈیو سٹیشن سے رابطہ کرتا ہے۔وہاں بھی ریڈیو سٹیشن کی آواز بیرونی فضائے ایثری میں جذب ہوجاتی ہے ـــــ وہی آواز یہاں ریڈیو کے مقناطیسی آلہ کے ذریعہ سنی جاتی ہے۔

۳؎ اسے اصطلاح طریقت میں کشف القلوب (دل کی بات جاننا) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

کرایا جاتا ہے ــــ یہ ذہنی صلاحیت کس نوع کی ہوتی ہے؟ چونکہ قدرت نے انسان کے مرکب وجودی میں۔ دو روحیں ودیعت کی ہیں۔ ایک روح حیوانی ــــ دوسری روحِ رحمانی ــــ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ روحِ حیوانی زمین کی آتشی ہیئت کا جوہر ہے۔ اس آتشی ہیئت کے اعتبار سے۔ اسے روح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ آتشی (گیس) ہیئت غیر محسوس ہوتی ہے۔ یہی آتشی جوہری ذرہ۔ حماءِ مسنون۔ مٹی سے محسوس وجود بنا کر انسانی (بشری) شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس میں تمام جسم حواس۔ اور ذہنی (دماغی) قوائے علمی ــــ Area of Sight ۔قوئ بصری۔ Motor Area ۔حصہ حرکت ــــ Psychic Area ۔واہمہ ــــ Psychic Area میں ایک حصہ خود واہمہ کا ہے۔ دوسرا حافظہ ــــ تیسرا حسِ مشترک ــــ حس مشترک بھی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ عقل کہلاتا ہے (جسے ماہرینِ نفسیات نے تحت الشّعور کا فرضی نام دیا ہے)۔ دوسرا شعور ــــ شعور دراصل دماغ کا وہ حصہ ہے۔ جس سے غیر محسوس کیفیات غیبی کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور عقل شعور کے نچلے حصہ کا نام ہے۔ اس وجہ سے بجائے عقل کے اسے تحت الشعور کا نام دیا گیا ہے ــــ عقل ٹھوس مادی کیفیات کا حواس کے ذریعہ مشاہدہ کرتی ہے۔ عقل کا تعلق براہ راست Motor Area سے ہوتا ہے۔ Motor Area دماغ کا وہ حصہ ہے۔ جہاں جسم کی تمام شریانوں (اعصاب یا Nerves) کا جنکشن ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ حواس خمسہ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ مس (جسم کے تمام اعصاب) کا بھی حصہ حرکت جنکشن (مرکز) ہے۔ تمام کیفیات کا عکس اسی حصہ حرکت سے گزر کر واہمہ۔ حافظہ۔ عقل و شعور تک پہنچتا ہے۔ ان تمام اعصاب میں جو جسم کی نشو و نما کرتے ہیں۔ اور حواس کے ذریعہ بیرونی کیفیات کا عکس دماغ تک پہنچاتے ہیں ــــ ایک جوہری قوت پائی جاتی ہے۔ جو کیفیات کو دماغ تک پہنچاتی ہے ــــ اور جسم کو زندہ رکھتی ہے ــــ یہی جوہری قوت ہر مقام پر کام کرتی ہے ــــ اسی قوت کو روحِ حیوانی سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ اسکا ذاتی عمل مشاہدہ کرنا ہے۔ لہذا یہ قوت فطری (پیدائشی) طور انسان میں پائی جاتی ہے ــــ اور اسکا عمل مشاہدہ کرنا ہر انسان کو حاصل ہے یہی قوت ایسے لوگوں میں جو میڈیم کا کام کرتے ہیں۔ پیدائشی طور لطیف اور قوی رہتی ہے اسی قوت سے ایک میڈیم۔ میں غیب کی کیفیات کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے ایسے میڈیم کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔ کہ میڈیم جب

مشاہدہ کرنے کیلئے آمادہ ہوتا ہے۔تو خود بخود اسکی روحِ حیوانی کا فضائے ایثری سے رابطہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک عامل جب میڈیم پر عملِ تنویم کے ذریعہ توجہ کرتا ہے۔تو عامل کی روحِ حیوانی میڈیم کی روحِ حیوانی پر توجہ (اثر) ڈال کر اس کی روحِ حیوانی کو ایثری فضا سے رابطہ کر دیتی ہے ــــ اسوقت میڈیم کی روح حیوانی پر عامل کی روحِ حیوانی کا اثر غالب ہوتا ہے۔تو عامل جو کچھ میڈیم سے پوچھتا ہے۔میڈیم ایثری فضا کی مدد سے کیفیات کا احاطہ کر کے مشاہدہ کی شکل میں کیفیات زبان سے ادا کرتا ہے۔ایسی توجہ میں میڈیم پر نیم مدہوشی طاری ہوتی ہے۔وہ ایک طرف مدہوشی میں مشاہدہ کرتا ہے۔دوسری طرف عقلی قوت سے کلام کرنے کی قوت بھی رکھتا ہے اور زبان سے کیفیات بیان کرتا ہے ــــ ایسے موقع پر اگر حاضراتِ ارواح کا عمل شروع کیا جائے۔تو میڈیم پر توجہ کسی مردے کی روح کو حاضر کرنے کیلئے ڈالی جاتی ہے۔اس وقت میڈیم (معمول) ایک روح کو سامنے دیکھتا ہے۔اور اس مردہ روح سے عامل کے ذریعہ میڈیم کی وساطت سے سوال کیا جاتا ہے۔جسکا جواب روح دیتی ہے ــــ دراصل اس عمل میں روح کا حاضر سمجھنا وہمی کیفیت ہے۔یعنی روح حاضر نہیں ہوتی بلکہ میڈیم ایک روحانی وجود کا احساس کرتا ہے۔کیونکہ موت کے بعد انسان کی روح عالمِ غیبی (عالم ناسوت) میں کسی مقام پر مقید ہو جاتی ہے۔اس مقام کو عالمِ برزخ کہا جاتا ہے ــــ عالمِ برزخ کا تصور اسلامی نظریہ وعقیدہ کے تحت ہے۔ اسلامی عقیدہ ونظریہ۔قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔یہ اصل حقیقت بھی ہے۔اور تصدیق شدہ ہے ــــ اسلامی نظریہ کے تحت جب انسان پر موت واقع ہوتی ہے۔تو اسکا مرکبِ جسمانی منتشر ہو کر الگ الگ ہو جاتا ہے ــــ انسان کا مادی جسم مٹی میں سما جاتا ہے۔روح حیوانی ناری ہے ــــ ناری فضا میں داخل ہوتی ہے۔روحِ رحمانی نوری ہے نوری فضا میں داخل ہو جاتی ہے۔یہ ایک حقیقت ہے۔کہ انسان میں تین قسم کے مرکب پائے جاتے ہیں۔کائنات میں بھی تین قسم کی فضا پائی جاتی ہے۔ایک خاکی۔خاک نار کی تنزلی Analized کیفیت ہے۔خاک کا وجود خود نار کی دلیل بن جاتا ہے۔کہ بغیر سبب Subject کوئی شے وجود نہیں رکھتی لہذا خاک نار کی کمتر درجہ کی کیفیت ہوتی ہے ــــ دوسری ناری فضا ــــ جس میں زمین کی فضا سے باہر ناری سیارے واقع ہیں اس فضا سے ہی ناری سیارے پیدا ہوئے۔زمین کی جوہری قوت۔اسکی ابتدائی ناری قوت کی جز ہے ــــ اسکے علاوہ زمین

اور ناری فضا میں ایک ایسا عالم بھی ہے۔ جسے عالمِ ناسوت کہا جاتا ہے۔ اسی عالمِ ناسوت میں عالم برزخ بھی واقع ہے۔ یہ عالم بھی ناری کیفیت ہے۔ اسلئے انسانی روحِ حیوانی اسی عالمِ برزخ میں منتقل ہوتی ہے ــــ نار۔ نور کی تنزلی Analized کیفیت ہے۔ نار خود نور کی دلیل ہے۔ کہ نار کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں بلکہ اس کا Subject سب نور ہے۔ اسلئے روح رحمانی نور میں منتقل ہو جاتی ہے ــــ یہی نظریہ اسلامی (قرآنی) ہے۔ کہ انسانی روحِ حیوانی۔ عالم برزخ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسکا مقام کسی جگہ ہونا ضروری ہے اسکا مقام نہ خاک میں ہو سکتا ہے۔ نہ نور میں۔ اب روحِ حیوانی کے مقام کا ایک خاص تعین ہے۔ وہ یہ کہ روح حیوانی کا مقام انسانی کردار وعمل پر منحصر ہے۔ ابتداءً روحِ حیوانی ایک قوی۔ پاکیزہ وجود ہوتی ہے۔ اس میں نشو وارتقا ــــ اور مشاہدہ کی پوری صلاحیت ہوتی ہے۔ اور آئندہ اسکی قوت کا انحصار انسانی عمل پر ہے۔ اگر انسان خود پاکیزہ کردار رہے اسکا جسم قوی و صحت مند رہے تو روحِ حیوانی بھی قوی وصحت مند رہتی ہے۔ اگر انسانی کردار وعمل ناقص رہے۔ تو انسانی جسم تنزل پذیر ہو کر بیمار ہو جاتا ہے۔ اسکے قوائے جسمانی کمزور وضعیف ہو جاتے ہیں۔ اسکا مطلب انسانی کردار وعمل کا اثر براہ راست روح پر پڑتا ہے۔ روح کمزور ہوگئی تو جسم بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ اسلام نے انسانی کردار وعمل کو نیکی وبدی کے عمل پر منحصر کر دیا ــــ کردار وعمل میں جسمانی صحت۔ اعتدال میں رہ کر پاکیزہ زندگی گزارنا۔ جس سے روحِ حیوانی اپنی اصلی حالت میں قائم رہتی ہے۔ دوسرے نیکی کے اثرات روح پر پڑنے سے روح کی ناری ہیئت اور لطیف ہو کر نوری ہیئت کی طرف ارتقا کرتی ہے۔ اس طرح موت کے بعد ایک انسان کی روحِ حیوانی عالمِ برزخ میں اس مقام تک ارتقا کرتی ہے جہاں ناری ہیئت نور کی ہیئت میں تبدیل ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ ناری وجود۔ نور سے بنا ہے۔ اسکا بنیادی وجود نور ہے۔ ابتداً میں وجود نوری ہوتا ہے۔ اور ناری وجود اسی نور سے نکلتا ہے۔ اسلئے نور ونار کا ایک سنگھم پایا جاتا ہے۔ نار نوری سنگھم سے لیکر خاکی وجود تک وسیع ہے۔ نوری سنگھم کی طرف اسکا ارتقائی واعلٰے مقام ہے۔ اور خاک کے سنگھم کی طرف اس کا تنزلی مقام ہے ــــ اگر انسان نے اپنی روحِ حیوانی کو نیکی سے جلا دی ــــ نیکی سے مراد۔ دین کی پابندی۔ قوانین فطرت کی پابندی۔ احکام شریعت کی پابندی۔ تزکیہ۔ مجاہدہ ہے ــــ ایسے عمل سے روح میں ارتقا ہوتا ہے

اور وہ فضائے ناری (عالم برزخ [1]) میں نور کی سمت پرواز کر کے ارتقائی و اعلےٰ مقام پر منتقل ہو جاتی ہے۔اسکے برعکس اگر انسانی کردار و عمل ناقص ہو۔یعنی بدی کا حامل ہو ـــــ بدی سے مراد۔دین وفطرت کی پابندی نہ کرنا ـــــ حد سے گزر جانا ـــــ جوا۔شراب۔زنا۔جھوٹ۔لوٹ کھسوٹ وغیرہ اعمال کا صادر ہونا ـــــ ایسے اعمال سے انسانی صحت تنزل پذیر ہو جاتی ہے ـــــ اسکی روح میں تنزل آتا ہے اور وہ عالمِ برزخ میں خاک کے سنگھم پر یا اس سے بھی ذلیل مقام پر منتقل ہو جاتی ہے موت کے بعد انسانی روحِ حیوانی کے یہی مقام ہیں۔موت کے بعد اسکے اعمال کے نتیجہ میں جب انسان کی روحِ حیوانی عالمِ برزخ میں منتقل ہو جاتی ہے۔تو اس کا تعلق عالمِ ظاہر سے کٹ جاتا ہے۔اور روح حیوانی عالمِ برزخ میں مقید ومحصور ہو جاتی ہے۔البتہ ایسی روحیں جو اپنی قوت میں قوی وسالم ہوں انہیں قوت مشاہدہ حاصل ہو اس قوت کے اعتبار سے انکا مشاہدہ باقی رہتا ہے۔اور وہ روحیں موت کے بعد بھی اس قوت کو استعمال کر سکتی ہیں ـــــ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی روحِ حیوانی کے ذریعہ ایسے شخص کی روح حیوانی سے رابطہ کرے تو اسکے لئے شرط یہ ہے۔کہ ایسے شخص کی روحِ حیوانی میں بھی ارتقا پایا جاتا ہو۔تو وہ روح عالم برزخ میں ایسی روح سے رابطہ کر کے کلام کر سکتی ہے ـــــ اور غیب کی کیفیت دریافت کر سکتی ہے۔لیکن اسکی شرط یہ ہے۔کہ عامل صاحبِ مشاہدہ ہو۔اپنی روحِ حیوانی کا رابطہ عالمِ برزخ کی روحِ حیوانی سے کر سکتا ہو۔وہ عالمِ برزخ میں کسی شخص کی روح سے کلام کر سکتا ہے۔ایسا نہیں کہ عالم برزخ سے نکل کر روح اس آدمی کے پاس حاضر ہو۔البتہ یہ مشاہدہ کی کیفیت ہے۔کہ انسان یا تو روح کو اپنے قریب محسوس کرتا ہے۔یا خود کو اس مقام پر محسوس کرتا ہے۔یہی کیفیت میڈیم شپ کی ہوتی ہے۔کہ میڈیم کسی روح کے حاضر ہونے کے وہمی تصور میں ـــــ روح کو اسکے مقام پر مشاہدہ کرتا ہے۔تو اسے اس شخص کی وہی شکل وصورت سامنے نظر آتی ہے جو اس روح کے مردے کی ہوتی ہے۔وہ اسلئے کہ ہر روح کی روحانی شکل بھی اسکے جسم کے مطابق ہوتی ہے ـــــ اس مشاہدہ میں بھی بعض کیفیتیں وہمی [2] ہوتی ہیں۔وہ یہ کہ ہر انسان کا مشاہدہ خواہ

---

[1] اسکی تفصیل حاشیہ میں صفحہ ۲۷۶ تا ۲۷۹ پر دی گئی ہے۔

[2] دراصل یہ مشاہدہ کے علم سے لاعلمی کے باعث ایسا تصور کیا جاتا ہے کہ مردہ روح سامنے حاضر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ دین سے تعلق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اسکا مشاہدہ عالمِ ناسوت میں ہی ہوتا ہے ـــ اسلئے ایک میڈیم عالم ناسوت میں روح کو دیکھ سکتا ہے۔ مگر روح خود حاضر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے وہمی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) محسوس ہوتی ہے۔ مشاہدہ میں ایسی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ کہ کسی روح مردہ یا زندہ کا تصور کیا جائے۔ تو عالمِ غیر مجسم (روحانی) میں وہ روح سامنے حاضر محسوس ہوتی ہے۔ خواہ وہ ہزاروں میل دور مقام پر ہو۔ یا مردہ روح عالمِ برزخ میں ہو ـــ روح حیوانی ایسی روحوں کا یا وجودوں کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ برزخ ہو یا دور مقام۔ انسان اس مقام پر خود کو محسوس کرتا ہے۔ یہ تصور و مشاہدہ کا ایک روحانی طریق ہے۔ ورنہ انسان بجسم اپنی جگہ پر موجود ہوتا ہے۔ اور اسکی روح حیوانی بھی اسکے جسم میں موجود ہوتی ہے۔ خود کو کسی دور مقام پر محسوس کرنے کی نوعیت یہ ہے۔ کہ عالمِ روحانی میں فاصلہ مٹ جاتا ہے۔ اور انسان ایسے دیکھ لیتا ہے۔ جیسے دوربین سے کسی شے کو بالکل اپنے قریب دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ شے بہت دور ہوتی ہے یہی کیفیت میڈیم کی ہے۔ کہ اسکی روح حیوانی کسی پرانے مردے کے تصور میں عالم برزخ میں اسکی روح کو دیکھ کر یہ سمجھتی ہے۔ کہ وہ روح حاضر ہے ـــ حالانکہ وہ عالم برزخ میں ایک مقام پر مقید ہوتی ہے۔ اور اب اس میں ایک اور وہمی کیفیت کو دخل ہوتا ہے۔ کہ میڈیم دراصل اس روح کا خیالی تصور باندھ لیتا ہے۔ کہ وہ روح خوش ہے۔ اور مجھ سے باتیں کرتی ہے۔ یا میرے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔ یہ خیالی اور وہمی مشاہدہ ہوتا ہے۔ مردے کی روح سے نہ سوالوں کا جواب ملتا ہے۔ نہ اسکی وہ حالت ہوتی ہے۔ جو میڈیم محسوس کرتا ہے۔ یعنی اگر مردہ باعمل اور پاکیزہ کردار ہو تو اسکی روح کو اچھے لباس میں خوش دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر ایک انسان کا عمل اور کردار ناقص ہو تو اسکی روح پر تکلیف کے آثار طاری ہوتے ہیں۔ اسی روح کا خوش لباس اور خوشحال دیکھنا وہمی اور خیالی تصور ہے۔ اسی طرح مردے کی روح کا سوال کا جواب دینا بھی وہمی اور خیالی ہوتا ہے۔ دراصل میڈیم اگر قوی پاکیزہ روح رکھتا ہو۔ تو عام روحانی مشاہدہ کی طرح یہ اسکے ماضی کے واقعات کا ذاتی مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس میں اسکے سوال کا جواب خود اسکی روح پاتی ہے۔ نہ کہ مردے کی روح سے جواب ملتا ہے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہ مردہ روح جواب دیتی ہے۔ یہ میڈیم کے ناقص مشاہدہ کی علامت ہے۔ کہ وہ لاعلمی کے باعث ایسا محسوس کرتا ہے اور عامل چونکہ خود مشاہدہ نہیں کرتا۔ بلکہ عامل کی زبان سے ہی واقعات سنتا ہے۔ اسلئے عامل کا علم میڈیم کے مشاہدے کے مطابق ہی صحیح یا غلط ہوتا ہے۔ جس میں خود عامل کی اپنی مشاہداتی تحقیق نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایک عامل کا حاضراتِ ارواح کا نظریہ غیر معقول اور غلط علم کی بناء پر ناقص ہوتا ہے ـــ

اسلام ایسے عقائد کی رد اور نفی کرتا ہے۔ کہ مرنے کے بعد کسی انسان کی روح عالمِ برزخ سے عالمِ انسانی میں آزادانہ آ کر ماضی کے حالات بتانے پر قادر ہو۔ یا خود حاضر ہو ـــ اور جو لوگ عامل اور میڈیم کے عمل کے موقع پر ایسے واقعات دیکھتے ہیں۔ جیسے فی الواقع روح کا حاضر ہو کر جواب دینا اور حاضرین کا سننا۔ یا کمرے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاضراتِ ارواح کہا جاتا ہے ۔۔۔ ایک میڈیم کیلئے صالح کردار ہونا شرط بھی نہیں بلکہ یہ قدرتی طور کسی میڈیم میں لطیف روح مشاہدہ کا کام کرتی ہے۔ایسی صورت میں ایک میڈیم کا مشاہدہ حقیقی نہیں ہوسکتا ۔۔۔ جیسے کہ ماہرین نفسیات کے مشاہدات میں ظاہر کیا جاتا ہے ۔۔۔ کہ چند لوگ ایک میز کے گرد بیٹھ کر تصور کرتے ہیں۔ جونہی ان پر مشاہداتی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ میز ہلتی ہے۔ یا اردگرد کی اشیأ حرکت کرتی ہیں۔اس حالت میں ہر مشاہدہ کرنے والے پر مدہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔اور وہمی صورت میں وہ لوگ اشیأ کی حرکت محسوس کرتے ہیں۔ ورنہ اشیأ حرکت نہیں کرتیں۔ اسی حالتِ مدہوشی میں انکا رابطہ عالمِ برزخ کی روح سے ہو جاتا ہے۔ یہ رابطہ عالمِ برزخ میں ہوتا ہے۔جیسا وہمی طور اشیأ کی حرکت کو اصل حرکت محسوس کیا جاتا ہے۔اسی طرح روح کو حاضر سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ فطری قانون کے تحت روح برزخ سے عالمِ ظاہر میں آنے سے مجبور ہوتی ہے۔ ہاں یہ بات ضروری ہے کہ روح عالم برزخ میں انسے کلام کرسکتی ہے۔مگر غیب کی باتیں نہیں بتا سکتی کیونکہ وہ روح کثیف حالت میں تنزلی مقام پر مقید ہوتی ہے۔اور از روئے شریعت اسلامی وہ اپنے ماحول میں عذاب و تکلیف کی حالت میں ہوتی ہے۔ایسی صورت میں روح کی یہی کیفیت مشاہدہ میں آسکتی ہے ۔۔۔ باقی سوال کا جواب پانا بھی وہمی اور غلط تصور ہوتا ہے۔یعنی ایک عامل میں جب قوتِ مشاہدہ پائی جائے تو وہ خود ایک سوال کا جواب حاصل کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص یہ چاہے۔ کہ ماضی میں بیس سال قبل ایک شخص کا قتل ہوا۔ قاتل کا پتہ نہیں لگ سکا ۔۔۔ تو وہ روح سے رابطہ کر کے حاضر کر کے اس سے سوال

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کی اشیأ کا حرکت کرنا وغیرہ۔ یہ بھی حاضرین کی ذہنی کیفیت پر غنودگی طاری ہونے کی صورت میں وہمی مشاہدہ ہوتا ہے۔ ورنہ روح کا دیکھنا یا اسکی کلام سننا۔ یا کمرے کی اشیأ کا حرکت کرنا۔ آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ سوائے اسکے کہ ایسے لوگوں پر بھی غنودگی کے عالم میں مشاہدے کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ لیکن اس مشاہدے کی حیثیت وہمی اور خیالی ہوتی ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ ذہن کا دھوکہ ہوتا ہے ۔۔۔ اس نظریہ میں ایک اور غلط تصور بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ اکثر عامل۔ یا ماہرینِ نفسیات یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ انسان مرنے کے بعد ایک پر سکون زندگی میں داخل ہو کر سکون حاصل کرتا ہے۔ یہ نظریہ بھی قطعاً غلط ہے۔ بلکہ یہ نظریہ دیدہ دانستہ اسلامی عقیدہ کی رد کیلئے سن گھڑت اختراع کیا جاتا ہے۔

کرتا ہے۔ کہ روح کا قاتل کون ہے ــــ یہاں پر یہ مشاہدہ خیالی تصور کا ہوتا ہے۔ یعنی یہ روحانی وجود خود اسکے حافظہ میں جمع شدہ شکل سامنے آکر مشاہدہ ہوتی ہے۔ یا اگر ایسے شخص کی روح کو حاضر کیا جائے جسکا خیالی تصور حافظہ میں نہ ہو۔ پھر بھی ایک روح حاضر ہوتی ہے۔ تو یہ روح بھی اصل روح نہیں بلکہ وہمی روح ہے۔ جو نہ اصل ہے۔ نہ کسی کی روح ہوسکتی ہے۔ ایسی روح جب قاتل کا پتہ بتاتی ہے۔ تو یہ روح کی اطلاع نہیں۔ بلکہ مشاہدہ کرنے والا خود اپنی ہی ذات سے یہ پتا حاصل کرتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ پتہ روح نے دیا۔ یہ سب وہمی کیفیت ہے۔ جو اس علم سے لاعلمی کے باعث ایک طریق اور نظریہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے ــــ اس مشاہدہ کی ایک اور قسم بھی ہے۔ جسکا تعلق زمین کی ناری قوتوں سے ہے ــــ یعنی اگر میڈیم سے ایسے واقعات سرزد ہوں جو انسانی تصور و مشاہدہ سے باہر ہوں۔ ایسے واقعات میں آثار درست ثابت ہوں۔ جیسے میڈیم ماضی کی کسی کیفیت کو بیان کرے اور وہ صحیح ثابت ہو۔ یا یہ کہ فی الواقع عمل کے وقت اشیأ حرکت میں آئیں اور عام آدمی بھی دیکھیں۔ تو اس کی نوعیت الگ ہوتی ہے ــــ ایسے واقعات میں بیرونی ناری قوتوں کا دخل ہوتا ہے ــــ یہ قوتیں جنات سے موسوم کی جاتی ہیں۔

جنّات کیا ہیں ــــ؟ یہ امر تسلیم شدہ ہے۔ کہ زمین آسمان میں واقع ہے۔ مثل آسمانی سیاروں کے زمین بھی انہیں سیاروں میں ایک آسمانی سیارہ ہے۔ آسمانی سیارہ سے مراد۔ فضائے آسمانی میں واقع سیارے۔ ان تمام سیاروں کا وجود ایک فضا میں معلق ہے۔ یہ فضا آسمان کہلاتی ہے اسکی وسعت نہایت وسیع ہے ــــ جسکی حد کا تصور ناممکن ہے ــــ زمین بھی ابتدأ میں مثل باقی سیاروں کے ناری وجود کی حامل تھی۔ سیارہ کی حیثیت میں اسکی ابتدائی ہیئت ناری ہونا ضروری تھا ــــ یہ ناری ہیئت۔ ایک ناری گیس کا ہیولا تھی۔ اس ناری زمین سے شعلے اٹھتے تھے۔ یہی شعلے زمین پر اڑتے پھرتے تھے۔ انہیں شعلوں کو جنات سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یعنی ناری شعلے ــــ قرآن نے بھی جنات کے وجود کی نشاندہی کی ہے ــــ

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ۙ﴿﴾ وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ۚ﴿﴾ بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے۔ اور بنایا جنوں کو آگ کے شعلوں سے ــــ دوسری جگہ زمانہ کا ذکر بھی جنات کی تخلیق کے ساتھ کیا۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۚ﴿﴾ وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ

مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ○ اور بے شک ہم نے بنایا انسان کو ٹھیکری دار مٹی سے جو پانی کے ذریعہ لیس دار جو ہری مٹی کی شکل اختیار کر گئی اور اس سے قبل بنایا جنوں کو آگ کی لوؤں سے ___

یہ تخلیق کا فطری تقاضا ہے۔ کہ ہر کیفیت میں ایک مخلوق وجود پذیر ہوتی ہے ___ آسمان نوری کیفیتیں ہیں ان میں بھی نوری مخلوق پائی جاتی ہے۔ انہیں ملائکہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آسمان میں ناری فضا واقع ہے۔ اس میں سیارے ناری ہیئت میں ہیں۔ ان میں بھی ناری مخلوق پائی جاتی ہے۔ لیکن اس مخلوق کا وہ تصور نہیں جو زمین کی مخلوقِ انسانی کا تصور پایا جاتا ہے۔ کیونکہ نوری مخلوق مجسم زندگی ہے۔ انہیں جسمانی نشو وارتقا کی ضرورت نہیں۔ لہذا انہیں کسی کاروبار یا تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ناری مخلوق کو بھی جسمانی نشو وارتقا کی ضرورت نہیں ___ اسلئے انہیں بھی۔ مثل زمینی مخلوق کے عروج و ارتقا۔ تحقیق و تجسس کی ضرورت نہیں ___ البتہ انکی وسعت پرواز انکی ہیئت کے مطابق وسیع ہے۔ چونکہ یہ سیارے ناری فضا میں واقع ہیں۔ جہاں کسی سیارے کا خاکی ہیئت میں آنا ممکن نہیں۔ لہذا ایسے سیاروں کی مخلوق ان سیاروں کی ناری قوت کے مطابق ناری شعلوں کی شکل میں ہوگی۔ برخلاف اسکے ایسی مخلوق کیلئے کوئی ایسا تصور پایا نہیں جاسکتا۔ جس میں کسی مخلوق کا جسم کسی خاص نوع کا محسوس ہوتا ہو۔ جسطرح بعض مبالغہ آمیز تصورات میں ایسی مخلوق کو خوفناک حیوانوں کی شکل میں دکھایا جاتا ہے۔ یہ سب خیالی شکلیں ہیں جنکی کوئی حقیقت نہیں۔ آسمانی مخلوق کا عمل انکی ہیئت کے مطابق محدود ہے۔ نوری اعتبار سے انکا عمل نوری ہے یعنی تسبیح وحمد جیسا کہ قرآن نے ملائکہ کے متعلق ذکر کیا۔ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ۔ انکا عمل تسبیح وحمد ہے ___ اسی طرح ناری مخلوق کا عمل بھی تسبیح وحمد ہے۔ جیسا کہ قرآنی بیان سے ظاہر ہے۔ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ۔ جنات کیلئے بھی ناری اعتبار سے تسبیح وحمد مقرر ہے ___ اسکے سوائے ان میں مادیت کا عنصر موجود نہیں۔ اسلئے اس مخلوق کو سامانِ زندگی کے حصول کیلئے۔ ایجادات وتحقیق وجستجو کی ضرورت نہیں۔ نہ انکے پاس ایسے ذرائع ہیں جنہیں کام میں لا کر انسے محیر العقول ایجادات وتحقیقات کا صدور ہو۔ سوائے انسان کے کہ ناری وجود کے ساتھ انسانی مرکب میں مادی وجود شامل ہے جسکے لئے انسان کو نشو ونما۔ عروج وارتقا کیلئے ایجادات وتحقیقات کی ضرورت ہے ___ البتہ باقی مخلوق کی وسعت پرواز اس حد تک ہے کہ نوری ملائکہ بغیر کسی ذریعہ کے نوری

ہیئت میں ناری۔ خاکی فضا میں پرواز کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مگر انکی پرواز حکم خداوندی کے تحت ہے۔ جسے چاہیں۔ آسمان سے زمین کی طرف بھیجیں۔ کسی خاص امر کیلئے۔ جیسے قرآن سے ظاہر ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ج مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ۛ سَلٰمٌ '' فقط اللہ بھیجتا ہے۔ ملائکہ اور روح کو بیچ زمین کے اپنی اجازت کے ساتھ خاص امر (حکم) دیکر ـــــ اسکے سوا ملائکہ اپنے ارادے سے زمین کی طرف آ نہیں سکتے۔ اسکے علاوہ فضائے آسمانی میں مخلوقِ ناری۔ کسی حد تک اس حکم سے مستثنٰی ہے۔ کہ وہ ناری فضا میں ناری سیاروں میں آسکتی ہے۔ اور زمین پر بھی آسکتی ہے۔ لیکن زمینی ماحول انکے موافق نہیں۔ ایک تو یہ کہ ناری مخلوق کی قوت و تمازت قوی ہے۔ جس سے زمینی مخلوق متاثر ہوتی ہے۔ یعنی ناری مخلوق کی ناری تپش سے زمینی مخلوق کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ اسلئے ایسی مخلوق بہت کم زمین کی طرف پرواز کرتی ہے۔ یا یہ کہ ناری مخلوق زمینی فضا میں اپنی قوت برقرار نہیں رکھ سکتی ـــــ اسکے مقابل جنات جو زمین سے پیدا ہوئے انکا مقام و سکونت زمین ہی ہے ـــــ لیکن یہ مخلوق بھی جسمانی نشو و ارتقا کی محتاج نہیں کیونکہ انکے جسم میں مادیت کا عنصر شامل نہیں ـــــ البتہ زمین پر سکونت کی وجہ سے انکا مقام وہ جگہ ہے۔ جو انسانی آبادی سے خالی ہو ـــــ اور بعض جنات کا مسکن انسانی آبادی کے قریب ہے اس قربت کی وجہ سے ایسے جنات کا بعض ویرانوں میں مسکن ہوتا ہے۔ جو انسانی آبادی سے قریب ہوتے ہیں۔ ایسے جنات انسانی آبادی میں بھی گھومتے ہیں۔ یہی وہ مخلوق جناتی ہے۔ جو انسانوں کی آبادی میں داخل ہوتے ہیں۔ اور انسان پر اپنی ناری قوت کی توجہ ڈال کر انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور انسانی کاروبار میں بھی مداخلت کرتے ہیں ـــــ میڈیم شپ اور حاضرات ارواح کے عمل میں۔ ایسے جنات کا دخل ہوتا ہے۔ یہی مخلوق انسانی روحِ حیوانی سے رابطہ کر کے انسانی روح کو متاثر کرتے ہیں۔ چونکہ انسانی روحِ حیوانی بھی ناری ہے۔ اسلئے جناتی روح کو بھی روحِ حیوانی سے مماثلت ہے۔ جنات کا طریق یہ ہے۔ کہ وہ انسانی روح حیوانی پر اپنی ناری توجہ ڈال کر مغلوب و متاثر کرتے ہیں (جسے عام تصور میں جنات کا دخل یا سایہ کہتے ہیں) اور اس روح میں جذب ہو کر جسم پر اپنا تصرف کرتے ہیں۔ ایسے انسان کو اصطلاح عام میں آسیب زدہ کہا جاتا ہے۔ بعض معمولوں (میڈیم) کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ آسیب زدہ ہوتے ہیں۔ عمل تنویم یا میڈیم شپ میں انکا اپنا عمل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عمل جن کا ہوتا ہے جو

صحیح غیب کی کیفیات میڈیم کی زبانی بتا دیتا ہے۔ یا کسی مجلس میں اشیاً میں غیر معمولی طور حرکت یا اشیاً کا غائب ہونا۔ یا اشیاً کا گھر سے باہر جانا۔ یا کسی عامل پر روح کا حملہ کرنا وغیرہ۔ اس میں نہ حاضراتِ ارواح کو دخل ہے۔ نہ میڈیم کے عمل تنویم کا بلکہ یہ تمام واقعات جنات کے ذریعہ ہوتے ہیں ۔۔۔ ماہرینِ نفسیات چونکہ اس علم سے بے بہرہ ہیں۔ وہ ایسے واقعات پر یقین نہیں رکھتے۔ نہ انکی تحقیق میں ایسی چیزیں آتی ہیں ۔۔۔ اسلئے وہ ایسی حرکات یا مشاہدات کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ سوائے اسکے کہ وہ عمل مسمریزم یا میڈیم شپ کے عمل کو ہی ان واقعات کا سبب جانیں۔ لیکن یہ کیفیت چونکہ مسمریزم یا میڈیم شپ کے عمل کے ہو بہو ہے۔ اسلئے جنات کے عمل و دخل کو بھی انسانی روحانی کرشمہ یا حاضرات ارواح کا کرشمہ سمجھا جاتا ہے۔

اسکے علاوہ جیسا کہ بیان ہو چکا علمائے طریقت میں مشاہدہ کا جو طریق رائج ہے وہ بھی اسی نوع کا ہے۔ جس میں روح حیوانی ہی مشاہدات و کمالات میں برسرِ عمل ہوتی ہے۔ علمائے طریقت کے جو بھی طریق فی زمانہ رائج ہیں۔ یہ بھی اصل نہیں۔ بلکہ فروعی ہیں۔ جنکا شریعت یا ولایت سے تعلق نہیں۔ یا ایسے طریق شریعت و طریقت کی اصل جز نہیں۔ جیسا کہ علمائے طریقت میں۔ ذکر اللہ ھو۔ ذکر خفی۔ آہستہ سانس کے ساتھ اللہ ھو کہنا ۔۔۔ ذکر ضرب۔ کلمہ توحید کا ورد کرنا ۔۔۔ اور قلب پر ضرب مارنا ۔۔۔ یا حبسِ نفس۔ سانس بند کر کے کلمہ توحید پڑھنا۔ یہ طریق علمائے طریقت کے ہیں۔ اس عمل کو عینِ طریقت تصور کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ عمل بھی بعض صوفیا کی ذاتی اختراع ہے۔ اسکی ابتدا جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا۔ ایران کے صوفیاً سے ہوئی ہے۔ یہ عمل اصلِ شریعت یا اصل طریقت کے عمل سے ماسویٰ ہے۔

اسلام۔ شریعت۔ قرآن نے۔ طریقت کا جو اصول بتایا وہ شریعت کی جُز ہے۔ قرآن نے اس سلسلہ میں ایک واضح طریقِ عمل پیش کیا۔ جس میں احکام کی پابندی کے ساتھ زائد عبادت میں ایک خاص ترتیب بیان کی گئی ہے ۔۔۔ احکام میں اولاً دین کی پابندی لازم ہے۔ جس میں نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کا عمل ہے ۔۔۔ اولین عمل یہ ہے۔ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی پہلے اسلام کے دائرے میں آ کر اللہ کو معبود تسلیم کرتے ہوئے اسکی تسبیح وحمد کرنا ۔۔۔ اس میں اول تصورِ ذاتِ الٰہی کا پایا جانا ہے۔ تسبیح وحمد میں اللہ کا تصور اور اسکی پہچان ہے ۔۔۔ پہچان کیلئے حقیقی معرفت یہ کہ

اسکی ذات کا حقیقی تصور حاصل کیا جائے ــــ اسکے لئے تین طریقے مقرر ہیں ــــ اول علم الیقین ــــ دوم عین الیقین ــــ سوم حق الیقین ــــ علم الیقین سے مراد ــــ یہ کہ اللہ کو ایک رسول کے ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس تسلیم کیلئے دلیل صرف رسول کی شخصیت تسلیم کرنے سے ہوتی ہے۔ رسول کہتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ کہ تمام کائنات کا خالق اللہ ہے۔ مگر رسول اسکی صداقت کیلئے کوئی ثبوت نہیں دیتا سوائے اسکے کہ رسول کی بات کو بغیر دیکھے۔ بغیر ثبوت حاصل کئے سچ سمجھا جاتا ہے۔ رسول کی صداقت تسلیم کرنے کیلئے۔ رسول کا ذاتی کردار و عمل دلیل ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے بتایا۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ــــ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اللہ تعالیٰ کو خالق و معبود تسلیم کرنے کا یہ ایک خاص طریق ہے۔ کہ رسول ایک قوم کا انہیں میں کا ایک فرد ہوتا ہے۔ جو اسی قوم میں پیدا ہوتا ہے ــــ اسی قوم میں پرورش پا کر بالغ ہوتا ہے۔ اسی قوم میں پلتا بڑھتا ہے۔ اسی معاشرے میں زندگی گزارتا ہے۔ اس طرح ایک رسول کا ذاتی کردار لوگوں کے سامنے آتا ہے ــــ اسکے کردار کے مطابق قوم اسے جانتی پہچانتی ہے۔ رسول چونکہ منتخب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسلئے رسول کی بحیثیت بشر۔ بحیثیت انسان تمام خصوصیاتِ خلافت۔ پاکیزہ و سالم رہتی ہیں۔ خصوصیاتِ خلافت میں۔ خصوصیتِ نبوت ہوتی ہے کہ یہ پیدائش ــــ پیدائشی نبی ہوتا ہے ــــ اسلئے اس رسول کا کردار پاکیزہ ہوتا ہے۔ قانون فطرۃ کے مطابق اس میں اخلاق حسنہ۔ سچائی ــــ اصلاح ــــ امن و سلامتی۔ انسانی ہمدردی۔ امانت کی جملہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ انہیں خوبیوں پر ایک رسول کی سچائی و امانت کو تسلیم کیا جاتا ہے اور قوم ایسے شخص پر کامل بھروسہ رکھتی ہے۔ اور ہر شخص کے دل میں اس کیلئے عزت و احترام اور تسلیم کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی کردار پر ایک رسول کی بات کو سچ سمجھ کر بلا دلیل قبول کیا جاتا ہے اور جب رسول اصلاحِ انسانی پر مامور ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت اس میں خلافت و نبوت کی تمام صفات موجود ہوتی ہیں ــــ اسی خصوصیت کے ساتھ رسول کو وحی کے ذریعہ احکام دیئے جاتے ہیں۔ تو رسول قوم کی اصلاح شروع کرتا ہے ــــ چونکہ قوم اللہ کے احکام کی تعمیل سے منحرف ہوتی ہے ــــ اللہ کے تصور وحمد کو بھول جاتی ہے ــــ اسلئے ابتدائی طور انسان کو اللہ کا تصور[1] یاد

---

[1] یہ اسلئے کہ یہ انسانی پیدائش کا حقیقی مقصد اور نصب العین ہے۔

دلایا جاتا ہے۔کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔کہ انسان اللہ کے تصور وحمد کی طرف رجوع کرے۔اسکے ساتھ اصلاح انسانی کیلئے الٰہی ضابطہ واحکام کا نفاذ کیا جاتا ہے ـــــ اسلئے اسلام میں داخل ہونے کیلئے اولاً کلمہ توحید کا اقرار ضروری ہوتا ہے۔اسکے لئے رسول کا ذاتی کردار ہی دلیل ہوتا ہے اور انسان رسول کے کردار کو دیکھ کر اللہ کو تسلیم کرتا ہے۔کہ رسول جو کچھ کہتا ہے۔سچ کہتا ہے۔جس نے رسول کے کردار کو تسلیم کیا وہ۔رسول کو رسول تسلیم کرتا ہے۔اسے مامور من اللّٰہ تسلیم کر کے اللہ کو تسلیم کرتا ہے۔اور اسلام میں داخل ہوتا ہے۔اسکے ساتھ ہی اصلاحِ نفس کیلئے احکامِ الٰہی کی تعمیل کرتا ہے ـــ یہ طریق علم الیقین کا ہے ـــ اسکے بعد چونکہ اس تبلیغ کا مقصدِ حقیقی منحرف انسان کو مقامِ خلافت پر لاکر۔تصورِ الٰہی اور مشاہدۂ اسرارِ الٰہی دینا ہے ـــــ اسلئے مشاہدۂ باطنی کیلئے اصلاحِ نفس کی ضرورت ہوتی ہے۔جسکے لئے احکام نازل ہوتے ہیں۔اسی کیفیت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۔جب پیدائشی خلیفہ میں خصوصیت خلافت ونبوت میں مشاہدہ اسماء کلھا ـــ مشاہدۂ اسرار الٰہی ۔تصورِ ذاتِ الٰہی کی خصوصیت باقی نہ رہے۔تو اللہ تعالیٰ اصلاحی احکام ایک نبی ورسول کیلئے اصلاحِ انسانی کیلئے پیش کرتا ہے۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی پس تمہاری اصلاحِ نفس۔مشاہدۂ اسرارِ الٰہی ۔تصور ذات الٰہی کیلئے میں اپنی طرف سے اصلاحی احکام ''ھدایت'' بھیجونگا۔ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ۔پس لازم ہے میری ہدایت پر عمل کرو۔تو تم مقام خلافت ونبوت پالوگے ـــــ اسلئے اللّٰہ کو تسلیم کرنا علم الیقین سے ہے۔اسکے بعد اصلاحی احکام پر عمل کرنے سے آثار واسرار کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔تو انسان عین الیقین کی حد میں داخل ہوجاتا ہے۔اور اسماء کلھا۔اسرار الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے ـــــ اسرار الٰہی کا مشاہدہ اصلِ معرفت نہیں جب تک کہ مقصود میں تصور ذاتِ الٰہی اور عرفانِ ذاتِ الٰہی نہ ہو ـــــ اسلئے یہ تصور اس وقت تک کامل نہیں۔جب تک کہ ذاتِ الٰہی کا حقیقی مشاہدہ نہ ہو ـــــ اسرارِ الٰہی کی انتہا کو پاکر وصال الی اللہ حاصل کرنے سے ہی خلافت ونبوت کی تکمیل ہوتی ہے۔مشاہدۂ اسرارِ الٰہی کو انتہا تک پہنچا کر حق الیقین کی حد تک ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ ہوجاتا ہے ـــــ اب جاننا یہ ہے کہ حق الیقین کی حد تک پہنچنے میں شریعت (قرآن) نے احکام میں کیا ترکیب پیش کی ہے۔وہ ہے۔وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ـــ اَلصَّوْمُ شَهْرُ رَمَضَانَ ـــ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ ۔تمہارے لئے ایک ماہ کے روزے مقرر کئے گئے ـــ

تیسرے وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور اپنی دولت ــــ سرمایۂ زندگی سے اپنے ہم جنسوں کو بھی حصہ دو ــــ یہ تین عمل خصوصی ہیں۔ جو شریعت کی اصل ہے۔ اسی عمل کو دین کی پابندی سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ اسکے ساتھ ہی ان احکام پر عمل کرنے سے انسان میں اخلاقِ حسنہ پیدا ہوتا ہے۔ یعنی شرافتِ نفسی۔ خوش اخلاقی۔ ہمدردی۔ احسان۔ اتحاد۔ محبت واخوت وغیرہ خوبیاں ــــ جو احکام پر عمل کرنے میں تحریک دیتی ہیں۔ یا احکام کی پابندی سے ایسی خوبیاں انسان میں پیدا ہوتی ہیں۔ گویا اسکا وجود۔ اسکا ذہن۔ ہر بہتر عمل۔ اصلاح قبول کرنے کا مادہ پاتا ہے۔ چنانچہ اصلاح نفس کیلئے۔ اصلاحی احکام جو خود قرآن نے پیش کیۓ واضح طور انکا ذکر قرآن میں آتا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ ــــ نماز ادا کرنا ــــ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ رات کے اندھیرے میں صبح کے قریب قرآنی آیات کا وظیفہ کرنا اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا۔ تحقیق صبح کا قرآنی آیات کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ ۔ رات کو عبادت کرنا۔ رات کے اندھیرے اور خاموشی میں اللہ کا تصور۔ اللہ کا ذکر۔ یکسوئی ومراقبہ کرنا ــــ قرآن پڑھنا۔ یہ اصلاحِ نفس کیلئے بہتر طریق ہے۔ نَافِلَۃً لَّکَ یہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے توسط سے امت کو عمل ملا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً ۔ رات کا جاگنا کٹھن ہے۔ اور کثیف نفسانی آلائشوں کو کچل کر انسان کو پاکیزہ کر دیتا ہے ــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں۔ اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی عمل کر کے مقامِ خلافت حاصل کیا ــــ یہ "خلافت" وہی خلافت ہے۔ جسکا ذکر قرآن نے اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے بیان میں انسان کی ابتدائی پیدائش پر کیا۔ جسکا مظاہرہ حضرتِ آدم علیہ السلام سے کیا گیا۔ خلافت کی ایک پیدائشی خصوصیت یہ ہے ــــ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ۔ بشری جسم کو عقل وخرد کی صفت سے سنوارا گیا۔ تو اس میں شر وفساد کا مادہ کم ہوا ــــ اسکے بعد وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ اس میں ایک اعلےٰ روح نفخ کی گئی۔ یہ روح وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا اسماً واسرارِ الٰہی کے مشاہدہ کیلئے دی گئی۔ اسی کیفیت کو خَلِیْفَۃً سے تعبیر دیا گیا۔ یہی صفت اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اتباعِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوئی ــــ لہذا یہی اصلاحی احکام ہیں جن پر عمل کرنے سے اصلاحِ نفس ہو کر مشاہدۂ اسرارِ الٰہی تصورِ ذاتِ الٰہی حاصل ہو کر انسان کو مقامِ خلافت حاصل ہوتا ہے ــــ بالفاظِ دگر

شریعت نے مشاہدۂ اسرار الٰہی ۔تصورِ ذات الٰہی حاصل کرنے کا یہی طریق پیش کیا ــــ نماز ادا کرنا۔ روزہ رکھنا ــــ ایک ماہ کے روزہ کے علاوہ ــــ نفلی روزہ رکھنا ــــ رات جاگنا۔ جاگ کر عبادت کرنا ــــ نماز نفل ادا کرنا۔ قرآن پڑھنا۔ اللہ کا تصور کر کے اس کا ذکر کرنا۔ اس طرح کہ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا یکسوئی وانہماک کے ساتھ ''اللّٰه هو'' کا ذکر کرنا۔ ان طریقوں سے ایک طرف اصلاحِ نفس ہوتی ہے۔ دوسری طرف مشاہدہ اسرارِ الٰہی حاصل ہوتا ہے ــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی میں۔ صِرَاطَ اللّٰه کے راستہ پر پہنچنا ہوتا ہے ــــ صراط اللہ کا راستہ عالم ناسوت میں داخل ہو کر ملتا ہے اسلئے پہلے مشاہدہ عالمِ ناسوت ہوتا ہے۔ عالم ناسوت طے کرنے کے بعد حقیقی صراطِ مستقیم پر پہنچا جاتا ہے۔ یہ عالمِ ملکوت ہے۔ یہی راستہ صراط مستقیم کا ہے ــــ یہی راستہ۔ یہی طریق۔ شریعت نے بتایا ــــ اسی طریق کو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔ یہی طریق امتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم امت اور علمائے امت۔ علمائے طریقت نے اختیار کیا۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد علمائے امت نے امت کو یہی طریق بتایا ــــ

کائناتِ ارضی میں تغیر وتبدل کا فطری مادہ پایا جاتا ہے۔ اور انسانی فطرت میں بھی ابتدأً سے تغیر کا مادہ پایا گیا ــــ سب سے اول حضرتِ آدمؑ کو بشری شکل میں پیدا کیا گیا ــــ اس انسانی پیدائش کو دو قوتوں کا مرکب بنایا گیا۔ ایک روح ــــ دوسرا مادی جسم ــــ روح ملکوتی عنصر ہے۔ نور کی طرف مائل رہتی ہے ــــ مادہ خاکی تنزلی۔ سفلی عنصر ہے۔ سفلیت وتنزل کی طرف مائل۔ انسان کا مادیت کی طرف مائل ہونا ــــ خواہشاتِ نفسانی کا غلام ہونا ہے۔ یہ اثر اسے روحانیت اور حقیقت سے دور کر دیتا ہے۔ تو انسان اپنی طاقتوں کو صرف خواہشاتِ نفسانی اور حصولِ دنیا میں صرف کر دیتا ہے ــــ انسانی سرشت میں یہ اسکا فطری اثر ہے۔ حضرت آدمؑ کو علم اور معرفت عطا کی گئی اور حکم ہوا۔

یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَاص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِص ــــ اے آدم تو اور تیرا جوڑا اس باغ میں سکونت کرو۔ اور کھاؤ جی بھر کر جہاں سے چاہو (اور مشاہدہ وتصورِ الٰہی کو قائم رکھو) مگر اس درخت کے قریب نہ جانا۔ پس تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے فَلَمَّا ذَاقَا

الشَّجَرَۃَ ۔پس انہوں نے درخت کو چکھا۔ شیطان نے بہکایا اور انہیں ان نعمتوں سے محروم کر دیا۔ اور اس باغ سے نکلوا دیا ـــــ یہ ابتدائی انسان کی لغزش ۔ مادیت کی طرف مائل ہو کر یادالٰہی میں غفلت کا طاری ہونا ـــــ اور مقامِ خلافت سے گر جانا ہے ـــــ اسی طرح نسلِ آدم میں انسان نے انحراف و نافرمانی کر کے ۔ ہوس ۔ لالچ ۔ طمع دنیا ۔ میں ایک دوسرے کا قتل کر دیا ـــــ اور اپنے عمل سے غافل ہوا۔ مقامِ خلافت سے گرا۔ کئی بار گرا ـــــ بار بار گرا ـــــ یہ چیز انسانی سرشت میں پائی گئی کہ انسان اپنے وعدے پر مستقل طور قائم نہ رہ سکا۔ یہ تو نسلِ انسانی کی فطری خاصیت ہے۔ دنیا پر ایک اولوالعزم نبی و رسول کی ہدایت کے بعد بھی۔ انسان اپنے وعدے پر پورا نہ رہ سکا لہذا ضرورت ہوئی کہ انسانی مخلوق کو یعنی تمام دنیا کی انسانی آبادی کیلئے ایک دائمی اور مستقل ہدایت پیش کی جائے ۔ تا کہ انسان کسی بھی وقت ۔ اپنی اصلاح کیلئے ۔ ہدایت حاصل کرنے میں مجبور نہ ہو۔ اس طرح مخلوق انسانی کیلئے ہدایت کو عام کر دیا گیا۔ وہ ہدایت آخری نبی ـــــ رسول محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے پیش کی گئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامِ قیامت تک باقی رہیگی ۔ علم باقی رہیگا۔ عمل باقی رہیگا۔ مگر اسکے باوجود ۔ اکثر علمائے امت اس دینِ عظیم کے بار کو مستقلاً نہ اٹھا سکے ۔ خلیفہ خلافتِ عظمٰی کو قائم نہ رکھ سکا ـــــ عالمِ شریعت تزکیہ مجاہدہ ترک کر کے حقیقی روحانیت کا اجرا نہ کر سکا۔ عالمِ طریقت باوجود گوشہ نشینی ترکِ دنیا کے بھی اس حقیقی علم و عمل کو جاری نہ رکھ سکا۔ یہ تو سنت الٰہی ہے کہ انسان کو اسکی سفلیت مادیت سے شدید مقابلہ کر کے اپنی روحانیت کو پاکیزہ رکھنا ہے۔ یہی ایک کٹھن عمل انسان کے ذمہ ہے۔ مگر حالات زمانہ کبھی انسانی حیثیت کو اصلی حالت پر قائم نہیں رہنے دیتے ۔ اسکے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ ہاں گزشتہ قوموں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ وہ وقت پر ہدایت و راہنمائی نہ پا سکے۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی یہی خصوصیت خاص ہے ۔ کہ آپ کا علم ہر زمانہ میں ہدایت کیلئے پایا جائیگا۔ اور آپ کی جماعت (امت) کے علما۔ خلفا ہر زمانہ میں اس ہدایت کو جاری کرنے کیلئے پائے جائینگے چنانچہ قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ تحقیق یہ ہدایت و ذکر ہم نے خود نازل کیا اور ہم خود اس کی حفاظت کرینگے ـــــ اور کچھ اس استادِ اعظم ۔ حکیم اعظم ۔ سید الانبیاءؐ ۔ رسولِ محتشم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ ۔ اور حکمت و تدبر نے اس علم کو اس انداز میں پیش کیا کہ باوجود ظلمت ۔ طغیان

کے امت محمدیؐ میں خلفائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر زمانہ میں وجود باقی رہا۔ جنہوں نے آپؐ کے علم وعمل کو قائم رکھا۔ اور قیامت تک جاری رہیگا لیکن اس علم کے اجرا میں علمائے طریقت نے مثل پیروان مذاہب بنی اسرائیل۔ صرف ذاتی خواہشات نفسانی کے زیر اثر من گھڑت طریق وعقائد شامل کر کے علم طریقت کی ہیئت بدل ڈالی ــــ ہوا یہ کہ گوشہ نشین علمائے طریقت۔ جنہیں اصطلاح طریقت میں ولی کہا جاتا ہے نے خلافت کی شہنشاہیت سے الگ ہوکر۔ مسجدوں کی جماعت بندی سے دور جنگلوں میں گھاس کی جھونپڑیوں میں طریق طریقت اور شریعت میں قرآن وحدیث کا درس منتقل کر دیا۔ جسے خانۂ کاہ کہا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں آنے والے خلفاؔ نے محض اغراض پرستی کے لالچ میں تزکیہ میں کوتاہی کی۔ اور ''خانۂ کاہ'' کو خانقاہ میں تبدیل کر ڈالا اور اس تنہائی میں بھی دولت کی فراوانی ہونے لگی۔ علمائے طریقت میں انکے جانشین صحیح معنوں میں تزکیہ۔ مجاہدہ۔ قیامِ لیل (رات جاگنا)۔ تلاوت قرآن نہ ادا کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ علمِ ولایت کی اصل۔ انسان کو طریق مشاہدہ وتصور الٰہی حاصل نہ ہو سکا۔ یہ کچھ قدرتی امر تھا۔ کہ جسطرف خلافت اسلامی نے رخ کیا اسی طرف علمائے طریقت بھی رخ کرتے رہے ــــ جیسے خلافت مدینہ سے بغداد ومصر کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ علمائے شریعت۔ اور علمائے طریقت بھی اسی طرف منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ خلافت۔ سلطنت عثمانیہ ترکی[1] پر ختم ہو گئی ــــ اس وقت علمائے طریقت نے ایران میں اپنا مسکن بنالیا۔ لیکن اسوقت لوگوں میں دین سے لگاؤ باقی نہ رہا تھا۔ لوگ پیدائشی ضعیف اور کثیف الوجود تھے۔ اسلئے ایسے لوگوں کو دین کی طرف لانے کیلئے آسان احکامات دیئے گئے ــــ اور حصولِ طریقت میں بھی آسان طریقِ تزکیہ مجاہدہ دیا گیا ــــ جیسے قرآن کی فہم کیلئے۔ حدیث پیش کی جاتی ہے۔ اسی طرح حدیث کی فہم کیلئے فقہ پیش کی جاتی ہے۔ اس سے مراد۔ دین میں وہ طریق اختیار کیا جائے۔ جو حقیقی اور نتیجہ خیز۔ نفع کا حامل ہو۔ ایسے موقع پر جبکہ لوگ دین کی طرف مائل نہ ہوں۔ انکو دین کی طرف لانے کیلئے۔ وقت اور ماحول اور انسانی ظرف کے مطابق۔ تبلیغی ذرائع میں۔ عقلی اختراع سے کام لیا جاتا ہے۔ جسے اجتہاد کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] اسکی تفصیل صفحہ ۳۲۴ سے ۳۵۳ تک دی گئی ہے۔

معاذ بن جبلؓ کو یمن میں بحیثیت امیر مقرر کر کے بھیجا حضورؐ نے پوچھا۔ کہ وہاں جا کر فیصلہ کس پر کرو گے۔ ؟ ــــ تو آپ نے عرض کیا کہ قرآن کے حکم پر ــــ حضورؐ نے پوچھا اگر وقت کے مطابق قرآن سے مواد نہ ملے۔؟ تو انہوں نے عرض کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اگر میرے حکم میں بھی مواد نہ ملے۔؟۔ تو آپ نے عرض کیا کہ میں اس حکم پر ذاتی فیصلہ دونگا جو اللہ ورسول صلے اللہ علیہ وسلم کو پسند ہوگا۔ یعنی۔ اپنے تدبر و حکمت سے ذاتی فیصلہ دونگا جو شریعت کی حدود میں ہوگا۔ اور فیصلہ غلط نہ ہوگا۔ اس سے مراد یہ کہ۔ قرآن انسانی اصلاح کیلئے احکام پیش کرتا ہے۔ یہ امر غور طلب ہے۔ کہ کلامِ الٰہی۔ ہدایت کا طریقِ اجرا ایسے ہوتا ہے۔ کہ وقت کے مطابق۔ ہدایت کا خطاب ان لوگوں کی طرف ہوتا ہے۔ جو زمانہ میں موجود ہوتے ہیں جیسے وقت کے مطابق انبیاؑ کو۔ بحیثیت رسول ایک ایک قوم کیلئے بھیجا گیا ــــ اس وقت ہدایت کے مخاطب۔ رسول کی بعثت کے وقت قوم موجود تھی۔ اسی قوم کی طرف ہدایت انہیں کیلئے ہوتی تھی ــــ اس طرح ایک رسول کی اتباع میں ایک جماعتِ اسلامی یا جماعتِ مومنین تیار ہو جاتی۔ رسول کے زمانہ حیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی قوم کے افراد کی اصلاح کیلئے پیش کی جاتی اسکے مخاطب وہی رسول اور اسکی جماعت (امت) ہوتی تھی۔ اسی جماعتِ اسلامی سے اسلام تعبیر تھا ــــ اسی جماعتِ اسلامی سے ہدایت کی تعمیل و تکمیل ہوتی تھی ــــ اسی رسول کا نمونہ عمل اسکے تابعین کیلئے ہوتا۔ اور انہیں تابعین کا رسول کی اتباع میں۔ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ عمل ہوتا۔ اور آئندہ نسل انہیں تابعین کے نمونہ عمل پر تقلید کر کے اصلاحِ نفس حاصل کرتی اور ہر زمانہ میں یہی طریق جاری رہا کہ ہر نسل کے لوگ اسی ہدایت پر علمائے امت کے ذریعہ عمل کرتے ــــ یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ رسول اپنے تابعین کو تلاوت۔ تزکیہ سے مزین کر کے مقامِ خلافت پر پہنچا کر مکمل کر دیتا ہے۔ اس طرح اللہ کی ہدایت کا ایک مکمل ضابطہ مرتب ہو جاتا ہے۔ جس پر رسول کی راہنمائی میں اسکے تابعین کے عمل سے ایک جماعتِ اسلامی کی تشکیل ہو جاتی ہے ــــ انکے پاس ضابطہ تو کلامِ الٰہی کا ہی ضابطہ ہوتا ہے مگر اس ہدایت کو سمجھانا رسول کے ذریعہ ہی ہوتا ہے ــــ سو رسول انسانی عادات و خصائل وقت کی پیدائش کے مطابق انسانی جبلتوں کے عین مطابق۔ اجتہادی طور پر جیسا ضرورت پڑتی انسانی اصلاح کرتا ہے ــــ اسے اجتہادِ نبوت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسکا

مطلب یہ ہوا۔ کہ زمانہ بدلنے کے ساتھ انسانی طبیعتوں میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ بعض لوگ حق کے طلبگار ہوتے ہیں۔ وہ جلدی ہدایت قبول کرتے ہیں۔ بعض لوگ انحراف میں سرکش ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دین کی طرف مائل کرنے کیلئے ایسا طریق اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جس سے انہیں دین کی طرف مائل کیا جاتا ہے ــــ مثال کے طور۔ ایک رسول جب تبلیغِ دین کا اجرأ کرتا ہے۔ تو وہ براہ راست اللہ کی کلام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ ان میں حق کے طلبگار فوراً انہیں احکام پر عمل کرتے ہیں ــــ اور منحرف و سرکش لوگ اس ہدایت سے انکار کرتے ہیں۔ اس مقام پر یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد ہدایت بھیجنے سے یہی ہے۔ کہ لوگوں کو ہر حال میں ہدایت کی طرف لاکر۔ انکی اصلاح کر کے نجات کی طرف لایا جائے۔ یا مقامِ خلافت تک پہنچایا جائے ــــ اسکے لئے اتنا ہی کافی نہیں۔ کہ لوگوں کو صرف کلامِ الٰہی سنائی جائے۔ اور وہ خود ہدایت پر آئیں ــــ اس سے ماسویٰ۔ ہدایت کے طریقِ اجرأ میں یہ ضروری ہے۔ کہ لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے کیلئے جدوجہد کی جائے ــــ اور انکے دلوں پر اثر ڈالا جائے کہ وہ ہدایت کو تسلیم کر کے اس پر عمل کریں۔ اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص طریق مقرر کیا ــــ کہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ۔ یہ طریق ہدایت بھیجنے کا ہے۔ کہ ایک رسول کے ذریعہ لوگوں تک ہدایت بھیجی جاتی ہے۔ جو انہیں سنائی جاتی ہے ــــ اسکے بعد رسول کے بھیجنے کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ وہ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج کہ رسول ایسے طریق اختیار کرتا ہے۔ جس سے لوگ دلی طور متاثر ہوں ــــ اسکے لئے اول رسول کا ذاتی کردار ہوتا ہے۔ کہ وہ ہر شخص کو اپنے کردار سے متاثر کر کے اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔ ظاہر ہے۔ رسول کے کردار میں مختلف طبیعتوں کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے۔ ہر شخص کی طبیعت کے مطابق پیش آنا ضروری ہے ــــ یہ ہے اخلاقِ حسنہ ــــ اخلاقِ حسنہ ایسا طریق ہے۔ جس سے ہر اچھا برا شخص متاثر ہو جاتا ہے۔ اگر ایک شخص۔ رسول کی ہدایت اور رسول کی ذات کو تسلیم نہ کرے۔ مگر اخلاقِ حسنہ ایسی چیز ہے کہ مخالف بھی رسول کے آگے جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے ــــ یہی وجہ ہے۔ کہ رسول کی تلاوتِ کلامِ الٰہی پر مخالف کانوں میں انگلیاں دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ رسول کے طرزِ کلام اور اخلاقِ حسنہ سے اسکا دل مسحور ہو جاتا ہے۔ مگر وہ بضد ہوتا ہے۔ کہ دین کی طرف مائل نہ ہو۔ اسلئے کانوں میں انگلیاں

دیتا ہے۔ کہ اس کلام سے دل متاثر نہ ہو ــــ ایسے شخص کو دین کی طرف لانا بھی رسول کے ذمہ ہے۔ اسلئے رسول ایسے شخص کو مائل کرنے کیلئے۔ بار بار ملنا۔ خوش گفتاری سے حسنِ ادا سے۔ اسکے کاموں میں دخل دیکر اسکی مدد کرنا ــ اُسے محبت سے پیش آنا۔ اپنی محبت وایثار سے اسکے گرد حصار باندھنا۔ اس طرح ایسے مخالف کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ وہ خود بخود متاثر ہو کر رسول کا گرویدہ بن جاتا ہے۔ اور پھر خود بخود اسلام قبول کر کے ایک باعمل زندگی میں شامل ہو جاتا ہے۔ جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حسنِ کردار کا ایک واقعہ ہے۔ کہ ایک یہودی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر گفتگو شروع کی اور طرزِ کلام میں بے ادبی ــــ گستاخی کرتا رہا۔ حضورؐ کو تنگ کرتا رہا۔ صحابہ کو یہ حرکت ناگوار گزری ــــ انہوں نے اظہار ناراضگی کیا۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خاموش رہنے کا حکم دیا ــــ آخر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ضبط کو دیکھ کر یہودی آپؐ پر ایمان لایا ــــ بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ خود دشمنانِ اسلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کردار سے متاثر ہو کر آپؐ پر ایمان لایا ــــ اور اعلان کیا کہ جسقدر ہم اسلام کے دشمن تھے۔ اسی قدر ہم اسلام پر فدا ہونے پر تیار ہیں ــــ یہ عمل حضورؐ کا ذاتی عمل ہے۔ اسکے علاوہ دشمنانِ اسلام کے سامنے ہدایت کو اس انداز میں پیش کرنا ضروری ہے۔ کہ وہ آسانی سے اسلام قبول کریں ــــ جیسا کہ مفسرین قرآنی آیات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ کہ شراب کے لئے تین بار مختلف احکام قرآن نے پیش کئے ــــ پہلی بار حکم ہوا۔ شراب میں نفع کم ہے نقصان زیادہ۔ دوسری بار حکم ہوا شراب میں خباثت ہے۔ کہ بدی کی طرف تحریک دینے والی ہے ــــ تیسری بار قطعی حرام ہونے کا حکم ہوا ــــ اس کا تجزیہ یوں کیا گیا۔ کہ ابتدائی حالت میں لوگوں پر شراب حرام ہونا۔ بار ہو جاتا ــــ اور لوگوں سے احکام میں خیانت کا احتمال تھا۔ کہ دل سے ترک نہ کرتے۔ طبیعتیں شدت کے ساتھ شراب کی عادی تھیں۔ تو اللہ نے بھی اگرچہ اللہ کے نزدیک شراب حرام تھی۔ فوری طور شراب کے حرام ہونے کا حکم نہیں دیا ــــ ادھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں لوگوں کے دلوں میں اللہ ورسول کی عزت واحترام اور محبت شدت سے جاگزیں ہوئی۔ تو اللہ نے دوسرا حکم بھیجا تو لوگوں نے اس حکم پر شراب کی خرابی کو شدت سے محسوس کیا۔ یہاں تک کہ لوگ خود اس حکم کے منتظر نظر آنے لگے کہ کسی وقت اللہ اسکے حرام ہونے کا حکم صادر کر دے۔ حکم پہنچنے کی دیر تھی کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ جس نے پیمانہ منہ تک

پہنچایا تھا۔ آگے نہ بڑھا۔ اٹھا کر پیانہ توڑ دیا۔ جنہوں نے گھروں میں شراب رکھی تھی باہر پھینک دی۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہے۔ کہ ہدایت بھیجنے کے ساتھ۔ انسانی خصائل و عادات کے مطابق احکام بھیجنا اور پھر انسان کا تزکیہ کر کے انسان کے قلب کو حقیقت کی طرف مائل ہونے کیلئے۔ اسکی اصلاح کرنا بھی لازمی ہے۔ گو ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ انسان خواہ حق کا طلبگار ہو یا شدت کے ساتھ مخالف ہو ہر انسان کو ہدایت پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کرنا لازمی ہے ___ ایسی صورت میں بعض حالتوں میں اجتہادی صورت میں لوگوں کی طبیعتوں کے مطابق عمل دیکر۔ انکی طبیعتوں کو رفتہ رفتہ حق کی طرف لایا جاتا ہے۔ مثال کے طور اگر ایک شخص یہودی ہو یا نصاریٰ۔ یا ہندو۔ کو اسلام کی طرف لانا مقصود ہو۔ تو اسکے لئے یہ ترکیب بہتر ہے۔ کہ اسکے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں۔ اسکے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آیا جائے ___ اسکے سامنے اپنا ذاتی اخلاق ایسا پیش کیا جائے کہ وہ ان خوبیوں کو دیکھ کر متاثر ہو ___ پھر دین کے احکام خوبصورت انداز میں پیش کئے جائیں کہ وہ ان خوبیوں کو سنکر پسند کرے۔ پھر اس کے ساتھ ایثار و قربانی کے ساتھ پیش آیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ مسلمان اور اسلام کا گرویدہ ہو جائے۔ اسکے بعد یہ ضروری ہے۔ کہ اسکی طبیعت کے مطابق جبکہ وہ اسلام قبول کرے۔ اسکے سامنے اصلاحی احکام پیش کئے جائیں۔ اور یہ جانا جائے کہ ایسے شخص کی طبیعت پر کونسا عمل وقتی طور پر قابل قبول ہے اور کونسا اسکی طبیعت پر بار ہوگا۔ لہذا اسے وہ عمل بتایا جائے۔ جو وہ آسانی سے کرنے پر آمادہ ہو اور پسندیدگی سے کرے اور اسکی گزشتہ عادتوں کو فوری طور ترک نہ کرایا جائے۔ یہاں تک کہ اسکے دل میں اللہ و رسول کی عظمت جاگزیں ہو۔ پھر ایسا شخص ہر کٹھن عمل کرنے پر تیار ہو جائیگا۔ ایسے موقع پر ہر شخص کی طبیعت کے مطابق عمل دینا۔ اجتہاد کے تحت ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اسلام قبول کیا۔ اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ اس نے اللہ کو معبود و رب تسلیم کر لیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول تسلیم کر لیا۔ آپؐ کیلئے اسکے دل میں عزت و احترام اور محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ قرآن کو اللہ کی کلام اور اصلاحِ نفس کا ذریعہ سمجھا ___ مگر وہ علے الصبح اذان کے ساتھ اٹھنے کا عادی نہیں۔ آرام طلب ہے۔ اسلئے اجتہادی طور۔ اسے تلقین کی جائے کہ صبح کی نماز باجماعت پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ فوری طور اسکے ذہن پر دباؤ پڑ جائیگا کہ صبح سردی میں بستر سے نکل کر نماز باجماعت پڑھنی ہے۔ اصلاح نفس کامل نہ ہونے کی وجہ سے اسکے نفس و ضمیر میں کشمکش پیدا

ہوگی۔ آرام طلبی کے باعث صبح اٹھنے پر اسکا دل مائل نہ ہوگا۔ احتمال ہے۔ کہ اس کشمکش میں وہ دین کی پابندی بار محسوس کرے۔ جس کا نتیجہ نفرت تک ہو سکتی ہے۔ اسلئے ضروری ہے۔ تاوقتیکہ اسے تزکیہ سے اصلاح نہ ہو۔ جماعت کا پابند نہ کیا جائے۔ بلکہ کہا جائے ـــ "کوشش کرو ـــ اگر نہ اٹھ سکے بعد میں جب چاہو بستر سے اٹھکر نماز ادا کرنا۔ مگر جماعت افضل ہے"۔ اس طرح اسکے دل پر بار نہ ہوگا۔ رفتہ رفتہ تزکیہ کے ساتھ وہ ایک وقت خود بخود جماعت کا عادی ہو جائیگا ـــ اسکے ساتھ ہی ایک اجتہادی طریق بتایا جائے ـــ کہ صبح سویرے اٹھنا صحت کے لئے فائدہ مند ہے۔ اسلئے رات بستر کو ہلکا کردو ـــ اور صبح کے وقت بستر میں رہ کر اللہ کا ذکر کرو۔ سوتے سوتے ـــ اور چراغ روشن کرو ـــ اس طریقہ سے جب وہ بستر ہلکا کرے۔ بستر میں آرام دہ گرمی کم ہوگی ـــ خود بخود صبح کے وقت جاگ جائیگا اور ہلکا عمل سمجھ کر بستر میں ہی ذکر اللہ کا تصور کرنا شروع کردیگا۔ چراغ روشن کرنے سے نیند ختم ہو جائیگی۔ ادھر سے اذان ١؎ کی آواز اسکے کان میں آجائیگی تو اسکا ضمیر خود بخود بیدار ہونا شروع ہو جائیگا۔ اور بغیر کسی دباؤ کے بستر سے الگ ہوکر باجماعت نماز کی کوشش کریگا یہ ہے اجتہادی طریق۔ جس سے ایک انسان کو ہدایت کی طرف مائل کیا جاتا ہے۔ اور مختلف طبیعتوں کی اصلاح کیلئے ایسے اجتہادی طریق پیش کرنا۔ دین میں شامل ہو سکتا ہے۔ یہ چیز ایک مبلغ ایک عامل کے ذاتی کردار اور تدبر پر منحصر ہے۔ کہ وہ ایسا طریق اختیار کرے جس سے لامحالہ انسان دین کی طرف مائل ہو۔ ورنہ بغیر تزکیہ اور اجتہاد بے روح عمل میں انسانی اجتہاد سے بدعت پیدا ہوتی ہے ـــ

جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ دین پر وہ وقت آیا۔ جب خلافت نے شہنشاہیت کی طرز اختیار کی خلیفہ نے بحیثیت خلیفۂ ارض ـــ خلیفہ نبی۔ صحیح عمل ترک کردیا ـــ عالم شریعت نے تزکیہ مجاہدہ ترک کرکے صرف الفاظ قرآنی کا اجراء کیا۔ خود صحیح عمل نہ کیا۔ ایسے مقام پر حضورؐ نے فرمایا ایک وقت امت پر ایسا آئیگا۔

١؎ اذان کیلئے ضرورت ہے۔ کہ جسطرح مسجدوں میں لاؤڈ سپیکروں پر اذان کا شور و غوغا مچا ہے۔ اور اذان بھی ایسا شخص دیتا ہے۔ جو نہ اذان کے کلمات صحیح ادا کر سکتا ہے۔ اسکا لحن بھی کرخت ہے۔ کہ اذان سنکر انسان کی طبیعت میں سکر پیدا ہو جاتا ہے۔ جب کہ اذان کیلئے کلمات کی صحت اور خوش الحانی کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ انسانی طبیعت حسن کی طرف خود مائل ہو جاتی ہے۔ لحن خوبصورت ہو تو انسان کی طبیعت آواز سنکر خوش ہو جاتی ہے اور انسان کو مسجد کی طرف جانے کی طبیعت ہو جاتی ہے۔

کہ علماً کے حلق سے قرآن نیچے نہ اتریگا۔یعنی۔جیسا کہ خلفائے اسلام (شہنشاہان اسلام) نے قرآن و حدیث اور علوم دینی کو علمی طور ترقی دی کہ انسان نے قرآن وحدیث کو اچھی طرح سمجھا۔مگر اس پر عمل نہ کیا گیا ـــ جیسے کہ ایک شخص بزعمِ خود۔خود کو اسلام کا فرد سمجھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔قرآنی تعلیم۔تفسیر وشرح بھی کرتا ہے۔مگر عملی طور وہ نماز۔روزہ۔زکوٰۃ۔نوافل۔تزکیہ۔رات جاگنے میں اسقدر کوتاہ ہے۔کہ وہ یہ احساس بھی نہیں رکھتا کہ اس پر نماز۔روزہ فرض ہے۔ایک عالم نماز کا فلسفہ لکھ رہا ہے۔مگر پیشاب کرنے کے بعد استنجا کرنے کا عادی نہیں ـــ ایک عالم روزہ کے فلسفہ پر بیان لکھ رہا ہے۔مگر ماہ رمضان میں خود اسکے میز پر چائے کی پیالی۔سگریٹ رکھے ہیں۔کہ چائے اور سگریٹ سے وہ روزہ کے فلسفہ کو اچھی طرح لکھ سکتا ہے۔ایک جماعت میں چند آدمی نماز ادا کرتے ہیں۔باقی لوگ بیٹھے گپیں ہانک رہے ہیں انہیں یہ احساس نہیں کہ ہم پر بھی نماز فرض ہے۔لوگوں کے دلوں سے احساس عبادت مٹ گیا ـــ احساس زیاں جاتا رہا ـــ طبیعتیں آرام طلب ہوگئیں ـــ ارکان اسلام کا تصور بھی انکے دلوں پر بار ہوگیا ـــ ایسے وقت میں علمائے طریقت نے لوگوں کی طبیعتوں کے مطابق آسان طریق۔علم۔طریقِ تزکیہ کا اجتہادی طریقہ اختراع کیا ـــ بجائے اسکے کہ ایک بےعمل انسان کو اسکی طبیعت کے خلاف احکام دیئے جائیں۔ضرورت اس امر کی سمجھی گئی کہ انسان کی اصلاحِ قلبی ہو۔تاکہ انسان اس اصلاح سے خود بخود احکامِ قرآنی پر عامل ہوکر طریقت کی طرف مائل ہو ـــ چنانچہ علمائے طریقت نے طالبانِ حق کیلئے انکی طبیعتوں کے مطابق ایک عمل پیش کیا۔جو دین کی حد میں شامل تھا ـــ مثلاً ایک شخص جو طالب حق ہے اُسے ایک طرف قرآنی علم سکھایا ـــ ساتھ ہی چند وظائف بتائے۔کہ ''جب فرصت ہو'' دن رات میں کسی وقت۔یکسوئی کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو ـــ وہ یہ کہ آنکھیں بند کر کے اللہ کا تصور کر کے دل میں اللہ ھو پڑھو یہ آسان ترکیب ہے۔جب طالب ذکر اللہ ھو کرتا ہے۔یہ اس پر موقوف ہے۔وہ دن کو کرے یا رات کو۔بہر حال متواتر اللہ ھو کے عمل سے۔وہ ذکر کا عادی ہو جاتا ہے۔دوسری طرف ولی اسکا تزکیہ کرتا ہے۔جیسا کہ تزکیہ کے متعلق گزشتہ بیان ہوا۔کہ تزکیہ کا طریق یہ ہے۔کہ ولی اپنے قلبی نور کی شعاع طالب کے قلب پر ڈالتا ہے جس سے طالب کے قلب سے کثافت دور ہوکر صفائی آجاتی ہے۔ذکر اللہ ھو سے بھی انسانی قلب پر انوار طاری ہوتے ہیں۔اور

جب دونوں طریقوں سے۔انسانی قلب منور ہوا۔تو اُسے نورانی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔اور اسکا قلب و ذہن مشاہدہ کے قابل ہو جاتا ہے۔جب اسے روحانی لذت حاصل ہو تو وہ ہر قرآنی احکام پر عمل پیرا ہو کر کلی اصلاح حاصل کرتا ہے۔اور صراط اللہ پر چلنا شروع کرتا ہے ـــــ اسی طرح عالمِ طریقت نے انسانی طبیعتوں کے مطابق۔طالب حق کو چند طریق بتائے جن میں۔اللہ کا تصور شامل ہے۔جیسے اللہ ھو ـــــ سانس کے ساتھ پڑھنا۔شریعت نے اس سے قبل یہ طریق نہیں بتایا۔کیونکہ ابتدأ لوگ پاکیزہ روح۔پاکیزہ وجود بھی تھے۔احکامِ الٰہی پر عامل بھی تھے۔اسلئے انکے لئے رات جاگنا ـــــ تہجد پڑھنا۔صبح کو مراقبہ کرنا اور تلاوت کرنا سہل تھا ـــــ اس سے انہیں صراطِ مستقیم کی راہ مل جاتی اور حقیقی علمائے طریقت انہیں تزکیہ کر کے۔انکے قلوب روشن کرتے اور انہیں صراط مستقیم میں۔عالمِ ناسوت۔عالمِ ملکوت طے کراتے۔اب چونکہ دین کی صحیح تبلیغ بھی باقی نہیں رہی۔علمائے اسلام نے صحیح تبلیغ نہ کی۔علمائے طریقت نے بھی۔حصول دنیا کے لئے اس علم کو استعمال کیا۔لوگوں کو نہ علم ملا ـــــ نہ تزکیہ ملا ـــــ نہ طریق ملا۔نہ عالم ملا۔مدتوں اسی حالت میں رہ کر انسانی عمل مفقود ہو گیا۔انسان خود آرام طلب دین سے بیگانہ بے عمل ہو گیا ـــــ اسلئے علمائے طریقت کو ایسے طریقوں کا اجرأ کرنا پڑا ـــــ جو اگرچہ شریعت کے طریق میں ابتداءً موجود نہ تھے۔مگر یہ طریق دین کے اصول کے تحت تھے۔جن میں اللہ کا ذکر ـــــ اللہ کے ذکر کو سانس [1] کے ساتھ ادا کرنا۔علمائے طریقت کی ذاتی اختراع۔یا ذاتی اجتہاد تھا ـــــ یہی طریقہ ہر زمانہ۔

---

[1] سانس کے ساتھ ذکر کرنے میں مصلحت کیا ہے ـــــ؟ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔کہ سانس کے ساتھ طبی اصول کے مطابق ـــــ جب سانس اندر کھینچا جائے تو باہر کی فضا سے۔ایک جوہری طاقت (جسے محققین مغرب کی اصطلاح میں آکسیجن کہا جاتا ہے) پھیپھڑوں میں داخل ہوتی ہے۔یہ فطری تخلیق کا عمل ہے۔کہ اسی جوہری توانائی پر انسانی زندگی قائم ہے۔اگر یہ جوہری طاقت سانس کے ساتھ پھیپھڑوں میں داخل نہ ہو تو انسان کا سانس بند ہو کر موت واقع ہوتی ہے ـــــ سانس جب باہر آتا ہے۔تو انسان کی کثیف ہوا۔وجود سے باہر نکلتی ہے۔یہ ہوا اگر وجود میں رہ جائے تو انسان مریض ہو کر موت کا شکار ہو جاتا ہے ـــــ یہ انسانی فطری تخلیق میں شامل ہے کہ باہر سے اندر جانے والی جوہری توانائی (آکسیجن) پھیپھڑوں کے ذریعہ خون میں مل کر تمام جسم میں توانائی پیدا کرتی ہے ـــــ یہ توانائی پھیپھڑوں سے گزر کر خون کے ساتھ دل میں داخل ہوتی ہے تو دل میں کثافت مٹ کر توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔دل کا فعل صحیح ہو جاتا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں استعمال ہونے لگا۔اور زمانہ ایسا آیا کہ اس طریق میں بھی ولی کے خلفأ نے تصنع و نقل شامل کر کے اصل علم و عمل کی ہیئت بدل ڈالی ___ اور اب حقیقی فقر عنقا ہو گیا ___ بہت کم لوگ ایسے ہیں۔یا بہت کم

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہے۔جس سے جسم صحت مند ہو جاتا ہے۔دل توانا ہو جاتا ہے۔ایسے وقت میں ذکر اللہ ھو کرنے سے ___ اللہ ھُوٗ میں بھی ایک نور پایا جاتا ہے ___ جسکے متعلق قرآن کا بیان ہے۔اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔زمین و آسمان میں اللہ کا نور پایا جاتا ہے۔یہ ذاتی نور نہیں۔بلکہ صفاتی نور ہے ___ یہی نور ذکر کرنے سے انسانی قلب پر آ جاتا ہے۔تو مثل جوہری توانائی ___ اس نور سے قلب میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔اور قلب مزکی (پاکیزہ) ہو کر قابلِ مشاہدہ ہو جاتا ہے ___ جب قلب قابلِ مشاہدہ ہوا ___ تو وہ اس نور کا مشاہدہ کرتا ہے۔تو انسان اپنے قلب میں ایک نور کا مشاہدہ کرتا ہے۔چونکہ یہ نور ___ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔اَلْاَرض کے باطن میں عالم ناسوت واقع ہے۔اس طرح ایک طالب عالمِ ناسوت کا مشاہدہ کر کے صراط مستقیم تک پہنچتا ہے۔لہذا یہ طریق اجتہادی بھی دین کے عین مطابق ہوتا ہے۔اسی طرح اللہ کی ذات کے تصور میں کلمہ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے وظیفہ میں اللہ ہی کا تصور اور اسکا صفاتی نور قلب پر مثل اللہ ھو طاری ہوتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد بھی سانس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ایک طریق سانس اندر باہر لے جانے کے ساتھ اور ایک طریق سانس بند کر کے ___ سانس بند کرنے کے طریق میں یہ کیفیت ہے۔کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معانی میں ہر شے کے وجود کی نفی کی جاتی ہے۔اسکا مطلب۔وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً۔کہ انسان تمام مخلوقی کیفیات کو محو کر کے اپنی ذات کو محو کر کے ایک نور کی طرف متوجہ ہو۔تا کہ ماسویٰ اللہ کے تخیلات انسانی تصورِ الٰہی میں حائل نہ ہوں۔اس طرح انسان پر استغراقی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔اور اسے کامل یکسوئی حاصل ہو کر تصور حقیقی میں مدد ملتی ہے۔اور وہ آسانی سے عالمِ ناسوت میں داخل ہو جاتا ہے ___ اس طریق میں۔اللہ کے تصور کے ساتھ۔یکسوئی۔مراقبہ۔استغراق و انہماک پیدا ہو کر انسان عالمِ ناسوت کا مشاہدہ کرتا ہے۔

ابتدأ زمانہ میں علمائے طریقت نے اسی طریق سے طریقت کی ابتدأ کی رفتہ رفتہ یہ طریق علم طریقت کی خاص جز بن گئی۔چونکہ مثل قرن اولیٰ ___ نہ خلافت رہی۔نہ شریعت کامل انسان کو مل سکی۔نہ وہ ابتدائی طریق مجاہدہ ___ رات جاگنا۔تلاوتِ قرآن ___ اور پاکیزہ نفسی میسر ہوئی۔اسلئے آئندہ آنے والی نسلوں کو وہ علم و عمل حاصل نہ ہو سکا جسکے لئے علمائے طریقت نے یہ اجتہادی طریقہ رائج کر کے انسان کو معرفت حقیقی کی طرف لایا ___ اسلئے ایسے طریق کو طریقت کی اصل جز تصور کیا جانے لگا ___ مگر جیسا کہ زمانہ کے تغیر کی تاثیر ہے۔علمائے طریقت کے بعد انکے پیرؤں (مریدوں) میں بھی اس اجتہادی طریق پر عمل کامل نہ رہا ___ کیونکہ گوشہ نشیں علمأ کا مسکن شہری آبادی سے باہر جنگلوں کی تنہائیوں میں تھا۔جہاں وہ گھاس کی جھونپڑیوں میں رہتے اور علم طریقت کا اجرأ کرتے اس لئے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلسلے فقر کے ایسے ہیں جہاں اصل علم تو ملتا نہیں البتہ یہی طریق ذکر اللہ ھو وغیرہ سے انسان کو ناسوتی مشاہدہ وکمال میسر ہوتا ہے۔ مگر یہ طریق اصل فقر نہیں۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ انسان کو نہ خلافت ـــ خلافت ارضی میسر ہے۔ نہ علمِ شریعت قرآن وحدیث کا صحیح علم۔ نہ علم طریقت۔ تلاوت۔ تزکیہ۔ رات جاگنا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) جیسا کہ اس دور میں علم ایران میں مسکن تھا۔ اسلئے ایک ولی کا مسکن خانہ کاہ سے مشہور ہوا۔ لوگوں نے گوشہ نشین ولی کے پاس رجوع کرنے کیلئے "خانہ کاہ" کا رخ کیا۔ اور اسی مقام پر محنت ومجاہدہ شروع کیا۔ ظاہر ہے ایسے مقام پر کھانے پینے کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ اسلئے لوگوں نے کھانے پینے کی اشیأ کی فراہمی میں شہروں سے اشیأ لانی شروع کردیں۔ اسطرح ایک وقت فقرأ کے کھانے پینے کیلئے کھانے کا سامان لایا جانے لگا۔ اس چیز نے رواج کی صورت اختیار کی لوگوں نے بھی کثرت سے خانہ کاہ کی طرف حصولِ دعا کیلئے رجوع کیا اسطرح کثرت سے نذرانہ کی صورت میں مختلف قسم کی اشیأ جمع ہونے لگیں۔ اس کیفیت نے بعض طالبوں کی توجہ حصول کی طرف کردی۔ ان میں محنت ومجاہدہ اور صحیح تزکیہ قائم نہ رہ سکا نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ درسلسلہ خلفائے طریقت میں حصولِ معرفت کا جذبہ کم ہوتا گیا ـــ اسکے مقابل انمیں حصول زر کا جذبہ بڑھتے لگا ـــ ایک ولی کے بعد اسکے خلفأ میں ولایت کی کاملیت باقی نہ رہی اور اب طریقِ طریقت میں گو ذکر اللہ ھو ـــ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا طریق ہی جاری رہا۔ مگر خلیفہ میں نہ خود تزکیہ رہا ـــ نہ کسی کا تزکیہ کر سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب "خانۂ کاہ" خانقاہ کی ہیئت میں تبدیل ہوگیا۔ جہاں ایک ولی کی قبر مرکز ـــ اور مرجع خلائق بنا۔ لوگوں نے قبر کی طرف رجوع جاری رکھا ـــ یہاں تک کہ اب قبروں پر عرس۔ قوالی۔ اور مجمع کثرت سے ہو کر فقیری میں بدعت کا وجود پیدا ہوگیا ـــ اس حال میں علمائے طریقت ولی نے خانقاہ کو چھوڑ کر۔ مختلف دیار وممالک میں سفر اختیار کر کے مختلف جگہوں پر گھومنا شروع کیا۔ اور جو کوئی حق کا طلبگار ملا۔ اسے وہی طریق ذکر وتزکیہ بتا کر سلسلہ کو جاری رکھا۔ یہی وہ ہیئت ہے۔ جو علمائے طریقت ولی ہر زمانہ میں استعمال کر رہے ہیں۔ مگر اسکے نتائج کامل نہیں۔ اب اس طریق کو طریقت کی اصل تصور کیا گیا۔ مگر اس طریق میں تلاوت۔ تزکیہ۔ علم۔ مجاہدہ۔ مشاہدہ۔ میسر نہیں۔ اب انسان صرف وقتی لذت کے تابع فقر میں شامل ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو عالمِ ناسوت کا مشاہدہ رکھتے ہیں۔ چونکہ عالمِ ناسوت کے مشاہدہ میں دین کی پابندی نہیں اسلئے بعض لوگ تھوڑی سی محنت۔ فاقہ کشی ـــ رات جاگنا ـــ یا یہ جو نئی بدعت فقر میں شامل ہوگئی (جو انہیں خانقاہوں سے پیدا ہوئی) یعنی چرس۔ نشہ آور اشیأ کے استعمال سے لوگوں میں دماغی سکر پیدا ہو کر حیوانی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی کو فقر میں استعمال کر کے۔ ایک دل کی بات جاننے والا۔ غیب کی بات بتانے والا۔ بیمار کو اچھا کرنا۔ ولایت وفقر کی اصل سمجھ کر لوگ ایسے لوگوں کو ولی کا درجہ دیکر خلافِ شریعت اعمال پر فقر حاصل کر رہے ہیں ـــ یہ کیفیت بجائے حصول مقام کے حقیقت سے دور کر رہی ہے۔

قرآنِ فجر میسر ہے۔ نہ ہی کوئی خلیفہ و نائب رسول میسر ہے۔ جو انسان کو مقامِ خلافت پر پہنچا سکے ــــ اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ جیسا قرآنی بیان سے واضح ہے۔ کہ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ "عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ یہ قرآن انسان کی گمراہی و انحراف اور مقام خلافت سے گر کر مقصد حقیقی سے دور ہونے پر اسے مقامِ خلافت پر لانے کیلئے اصلاحی احکام لیکر نازل کیا گیا ــــ کہ انسان قرآنی طریق پر عمل کر کے مقصد حقیقی۔ مقامِ خلافت حاصل کرے ــــ چونکہ مدتوں سے انسان احکام شریعت کی تعمیل سے غافل رہا ــــ اور زمانہ میں خارجی طریقوں سے علمِ مشاہدہ حاصل کرتا رہا لہذا۔ حصولِ معرفت یا طریقِ مشاہدہ میں دین کی پابندی کا تصور انسانی ذہن سے مٹ گیا اور چونکہ روحِ حیوانی کے ذریعہ خارجی طریق تزکیہ سے بھی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے اسی طریق کو اصل سمجھا گیا ــــ لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ جہاں تک مشاہدہ کا تعلق ہے۔ اول یہ کہ یہ انسانی مقصود میں شامل ہے۔ کہ بحیثیت پیدائش ارضی ہر پیدائش خلیفہ کی حیثیت سے پیدا ہوتی ہے ــــ اور ہر انسان کیلئے مشاہدۂ اسرارِ الٰہی۔ تصور ذاتِ الٰہی اسکا پیدائشی فریضہ ہے کہ وہ۔ صاحب مشاہدہ۔ عارف۔ مشاہدۂ اسرارالٰہی۔ تصورذاتِ الٰہی کا حامل ہو۔ اسکے لئے ہر اس انسان پر جو زمین پر پیدا ہوتا ہے۔ اور نسلِ انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کسی بھی قوم۔ کسی بھی ملت میں بٹ کر الگ ہو چکا ہو۔ ہر انسان پر مشاہدۂ اسرارالٰہی۔ تصورِذات الٰہی لازم ہے۔ اسکے لئے ہر شخص کا دینِ الٰہی کا پابند رہنا ضروری ہے ــــ ورنہ بغیر پابندی دین انسان دنیا کے عروج وارتقا کے کسی مرحلہ پر ترقی کر چکا ہو۔ گمراہ ــــ بے مقصد زندگی کا حامل تصور کیا جائیگا ــــ اور وہ لوگ بھی۔ جو بظاہر دینِ اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ عالم ہو۔ یا عامی۔ اگر حقیقی مقصد خلافت کا حامل نہیں۔ اسکا علم وعمل ناقص تصور ہوگا۔ جب تک کہ ہر عالم ہر فرد اسی حقیقی طریقِ ہدایت پر کاربند ہو کر۔ مشاہدۂ اسرارالٰہی۔ تصورذات الٰہی اپنے نصب العین میں نہ رکھتا ہو ــــ اور اسکے لئے یہ کیفیت بری الذمہ ہونے میں دلیل نہیں ہوسکتی۔ کہ دنیا اسی طرح چل رہی ہے۔ اور یہ عمل ناممکن ہے۔ اسلئے کوئی شخص اپنے اعمال کی عدم صلاحیت یا کوتاہی پر بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے ــــ کہ قانونِ فطرت نے ہر شخص کیلئے اسکے اعمال کا ایک میزان۔ ترازو مقرر کیا ہے۔ قرآن ایک کسوٹی ہے۔ جس پر ناقص عمل اصل ثابت نہیں ہوسکتا۔ اسلئے ہر انسان کا عمل میزان پر پرکھا جائیگا۔ اس میزان پر اصل وفرع

میں تمیز کرنے میں کوئی فرق پایا نہ جائیگا۔ کہ ناقص عمل بھی اصل کی شکل پورا اتر سکیگا۔ پھر یہ تصور کرنا قطعی مبالغہ ہے۔ کہ کوئی شخص ناقص عمل سے مقصود پانے میں کامیاب ہوسکتا ہے ــــ اسلئے یہ چیز انسانی فریضہ میں ہے۔ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھنے والا ہو۔ قرآنی ہدایت کے مطابق۔ قرآنی احکام پر عمل کرکے۔ اپنے پیدائشی مقصد۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ تصورِ ذاتِ الٰہی کو اپنا نصب العین بنائے۔ اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ ہر انسان دینِ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تابع ہو کر اپنے پیدائشی مقصد کی طرف رجوع کرے۔ سوائے اسکے چارہ نہیں۔ کہ انسان اپنے مقصدِ حقیقی مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ تصورِ ذاتِ الٰہی رکھ کر وہی عمل کرے جو قرآن نے دین کی حیثیت میں پیش کیا۔ بغیر اسکے انسانی مقصدِ زندگی حاصل نہیں ہوسکتا۔

فی زمانہ اس وسعتِ ارضی پر نسل انسانی ــــ ایک ہی آدم کی اولاد بے شمار قوموں۔ مذہبوں میں تقسیم ہو چکی ہے ــــ ان میں یہود بھی ہیں۔ نصاریٰ بھی ہیں۔ مجوسی بھی ہیں۔ زرتشتی بھی ہیں۔ ہندو بھی ہیں۔ مسلمان بھی ہیں۔ حصولِ دنیا۔ اور دینِ حقیقی سے انحراف میں انسانی آبادی طبقاتی تقسیم میں۔ برطانوی۔ امریکن۔ فرانسیسی۔ اٹالین۔ جاپانی۔ چینی۔ انڈونیشی۔ جرمن۔ ترکی۔ ایرانی۔ مصری۔ شامی۔ اردنی۔ ہندوستانی۔ پاکستانی بے شمار قوموں میں منتشر ہو چکی ہے۔ ہر قوم کا اپنا ایک نصب العین۔ اپنا ایک مقصد زندگی۔ اپنا ایک طریقِ زندگی پایا جاتا ہے۔ اس اختلافِ مقصد اور طرزِ زندگی نے دنیا کی قوموں کو ایک دوسرے سے دست وگریباں کر رکھا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں۔ جس کے ذہن میں ایک دوسرے کی تخریب وفنا کا جذبہ موجود نہیں۔ ہر شخص ایک دوسرے کا قاتل بن رہا ہے۔ ایک دوسرے کو فنا کرنے کیلئے مہلک سے مہلک ہتھیار بنانے میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ انسانی آبادی میں۔ امن وسکون مفقود ہو چکا ہے ــــ اتحاد ویگانگت کا کوئی حل نہیں ــــ وحدتِ انسانی کا کوئی تصور نہیں۔ ہر شخص دوسرے کی ہلاکت سے اپنی زندگی کو ثبات دینے کا خواہاں ہے ــــ کیا یہ پیدائش ایک اولادِ آدم۔ ایک نسل نہیں ــــ؟ کیا اس تمام پیدائش کا ایک ہی نام ــــ ''انسان'' نہیں؟ کیا اس انسان کا ایک ہی وجود نہیں۔؟ کیا یہ مقولہ درست نہیں۔ کہ ''بنی آدم اعضائے یک دیگر اند'' ــــ تو پھر اس انتشار ــــ اور قتل وغارتگری کا سبب کیا ہے ــــ؟ وہ قرآن نے واضح الفاظ میں انسانی پیدائش سے قبل بیان کیا ــــ

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ کیا تو اس انسان کو خلیفہ

صاحب تسبیح وحمد اور صاحب معرفت بنائیگا جسکی جبلت میں فساد و خونریزی کا مادہ ہے ـــــ یہ انسان کی پیدائشی خاصیت ہے۔ کہ جب انسان نے اپنی روحانی پاکیزگی کو تسبیح وحمد۔ دین واحکام کی پابندی سے برقرار نہ رکھا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ انسان کا حصولِ دنیا میں حد سے تجاوز کرنا۔ اور زائد حصول کے لالچ میں ایک ہی نسلِ انسانی کا آپس میں قتل وخون کرنا لازمی ہے۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ حصولِ دنیا میں انسان ترقی کے بامِ عروج پر پہنچ چکا ہے۔ اور بحر و بر اور ستاروں پر اپنا غلبہ حاصل کر چکا ہے۔ لیکن دین واحکامِ خداوندی کی تعمیل میں اس حد تک غافل ہو چکا ہے۔ کہ انسان دنیوی حصول کو فرضِ عین سمجھ کر اسی زندگی کو اپنا مقصدِ حیات سمجھ رہا ہے۔ اور دین واحکام کی پابندی پر قطعی توجہ نہیں دیتا ـــــ

تواریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قدیم زمانوں سے انسانی زندگی ان واقعات سے دوچار ہوتی رہی ـــــ کہ جب قوموں نے دین واحکام کی پابندی سے روگردانی کر کے دنیوی حصول کی جستجو کی تو حصولِ دنیا کے جذبہ نے ان میں بغاوت انحراف اور سرکشی کا مادہ پیدا کیا۔ اور اس حصولِ دنیا کی خاطر ایک دوسرے کو قتل کر کے نظامِ کائنات میں خلل ڈالا۔ تو قومیں حادثات کا شکار ہو کر تباہ ہو گئیں اور زمین پر انکا نام ونشان مٹ گیا ـــــ عمیق نظروں سے حالاتِ زمانہ پر غور کیا جائے۔ تو یہ اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ انسانی پیدائش کا اصل مقصد ایک خالق کے حکم کی تابعداری ـــــ دین کی پابندی سے ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کر کے پرامن زندگی گزارنا تھا ـــــ یہ تصور قطعی غلط ہے۔ جو محققین ارضیات یا محققین مغرب نے باندھ لیا ہے کہ ابتداءً انسان وحشی تھا۔ دنیوی ایجادات و ترقی نے اسے مہذب انسان بنا دیا ـــــ انسانی تخلیق پر غور کیا جائے۔ تو یہ ثابت ہوگا۔ کہ ابتدائی انسان۔ ایک کامل۔ مہذب۔ ذی عقل۔ ذی شعور انسان تھا ـــــ اسکا مقصد حصول دنیا کا عروج نہ تھا۔ بلکہ اسکی تخلیقی حیثیت کے اعتبار سے ـــــ وہ روحانی پاکیزگی میں اعلٰے مقام حاصل کئے تھا ـــــ اور روحانی اعتبار سے ہی وہ دنیا کی تمام طاقتوں پر غالب وحاکم تھا ـــــ جسکے لئے وہ دنیوی ایجادات کا محتاج نہ تھا۔ اور جب انسان اپنا روحانی کردار وعمل قائم نہ رکھ سکا تسبیح وحمد جاری نہ رکھ سکا۔ اسکا روحانی عروج روبہ تنزل ہوا۔ اسی روحانی تنزل کے باعث وہ وحشیانہ زندگی کا حامل ہوا یہ اسکے روحانی عروج کے بعد تنزل کا زمانہ تھا۔ جب اسے محققین مغرب نے وحشی حالت میں دیکھا۔ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ انسان کو دوبارہ روحانی پاکیزگی اور علم ومشاہدہ میسر

آتا۔۔۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔۔۔ کیونکہ مدتوں انسانی ذہن روحانی تصورات سے محروم ہو چکا تھا۔اسکا مطمع نظر حصولِ دنیا ہو چکا تھا۔اسلئے انسان نے اس موقع پر دنیوی اقتدار سے اپنا عروج حاصل کرنا چاہا۔۔۔ محققین مغرب کا یہ دعویٰ ہے۔کہ مغرب نے ہی انسان کو مہذب بنایا۔مگر تواریخی آثار شاہد ہیں۔اور خود محققین مغرب ارضی تحقیقات میں یہ مشاہدات کر چکے ہیں۔کہ گزشتہ زمانوں کی مدفون کیفیتوں میں محیر العقول نوادرات ایسے بھی پائے گئے۔جن سے اندازہ ہوتا ہے۔کہ قدیم زمانوں میں بھی انسان عظیم الشان ایجادات کا موجد تھا۔اور وہ انسان بھی تحقیق میں انتہائی عقل وفراست کے مالک تھے۔ان میں بعض محققین کے تواریخی نام۔ارسطو۔افلاطون۔لقمان وغیرہ جیسی مشہور زمانہ ہستیاں آج بھی عظیم محقق تسلیم کئے جاتے ہیں۔اس ترقی وعروج میں انتہائی مقام پانے والے یونانی۔۔۔ آج بھی انکے علوم وعمل کو تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ گزشتہ زمانوں کے علوم کی بنیاد پر ہی جدید زمانے کی ترقی یافتہ علوم وایجادات کی بنیاد تصور کی جاتی ہے۔۔۔ خصوصاً وسط ایشیا اور مشرق بعید کی عرب قوموں کے ترقی یافتہ دور اور انکے ایجادات وکمالات کی کوئی عقل مند انسان نفی نہیں کر سکتا۔یہ وہ دور تھا جب خود اقوامِ مغرب ایک وحشیانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔اس سے انکار نہیں کہ محققین مغرب نے بعض کیفیتوں کی تحقیق میں جو انسانی عقل سے ماورئی تھیں عینی مشاہدہ کے ساتھ تسلیم کرایا۔۔۔ اور انہیں حق تسلیم کیا گیا مگر بعض کیفیات جنکا ذکر قرآن نے کیا۔انکی حقیقت کے خلاف محققین مغرب نے جو متضاد نظریہ پیش کیا وہ کسی طرح بھی درست نہیں۔بلکہ انکی تحقیق۔انکا علم۔انکے نظریات۔ظن ووہم کی اساس پر لغو اور بے بنیاد ہیں۔۔۔ البتہ بعض کیفیتوں میں جہاں محققین مغرب نے عینی مشاہدہ کی صورت میں کیفیات کا تصور پیش کیا۔اور انہیں قرآنی نظریہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔اس اختلاف کا اصل سبب یہ ہے۔کہ علمائے اسلام نے قرآنی آیات کے جو نظریات پیش کئے ہیں۔وہ نظریہ اصل قرآن کا نہیں۔بلکہ علمائے اسلام کا قرآنی آیات پر عمیق غور وتحقیق نہ کرنے کے باعث قرآنی آیات کا غلط مفہوم پیش کرنے کی وجہ سے ہے۔ورنہ ایسی کیفیات میں قرآن ہی اصل تصور پیش کرتا ہے جسکی تصدیق وتائید خود سائنس کرتی ہے اسی تصور کی اساس پر محققین مغرب کے نظریات قائم کئے گئے ہیں۔۔۔ اور یہ اختلاف علمائے اسلام کی عدم صلاحیت کے باعث ہے۔ہاں! جن نظریات وعقائد کو قرآن نے واضح طور عام فہم انداز میں پیش کیا انکے خلاف محققین مغرب کا مخالف

نظریہ یا تو محققین کی عدم صلاحیت یا ظن و قیاس یا اسلام دشمنی اور قرآنی علم کی دیدہ دانستہ تکذیب کے جذبہ کی بناٗ پر ہے ـــ ان میں ایسی کیفیات ہیں جو تخلیق سے تعلق رکھتی ہیں ـــ جیسے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ـــ اٰیٰت'' لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۔ تخلیقِ ارضی یا تخلیقِ آسمانی کے متعلق قرآن نے جو نظریات و تصورات پیش کیے ہیں ان میں بعض کیفیتیں واضح ہیں جنکی فہم آسان ہے۔ بعض متشابہ ہیں جنکی نشاندہی علمائے امت کے ذمہ ہے۔ ایسی کیفیات میں بعض نظریات مبنی بر حقیقت ہیں۔ مگر محققین مغرب نے انکے خلاف نظریات صرف اسلام دشمنی اور تکذیب قرآن کی بناٗ پر دیدہ دانستہ پیش کیے ہیں۔ جو محققین مغرب کے قیاسی اور وہمی نظریات ہیں۔ جن سے قرآنی نظریات کی رد ہوتی ہے۔ حالانکہ دنیا کا کوئی محقق۔ کوئی علم۔ قرآنی علم کی رد کرنے میں دلیل پیش نہیں کرسکتا۔ قرآن واضح الفاظ میں دنیا کے تمام محققین کو چیلنج کرتا ہے۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا ـــ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا: اگر تم قرآن کے کسی نظریہ کو اپنے سائنسی (وہمی ۔ قیاسی) نظریہ کے مقابلہ میں غلط سمجھتے ہو۔ تو اسکی اصل دلیل اور ثبوت کے ساتھ اپنا نظریہ پیش کرو (اسکی رد میں) مگر تم نہیں کرسکتے بلکہ تم ہرگز ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکو گے۔ یہ قرآن کا ایک واضح اعلانیہ چیلنج ہے۔ جسکا جواب دنیا کا کوئی خود ساختہ علم۔ دنیا کا کوئی محقق نہیں دے سکتا۔ البتہ قرآنی آیات کے حقیقی معنی و تفسیر میں علمائے امت کا عقلی فقہ و اجتہاد۔ قرآنی آیات کا حقیقی تصور پیش کرنے سے قاصر رہا۔ بلکہ انہوں نے من گھڑت تاویلات سے ایسے تصورات دیئے جو حقیقتاً۔ قرآنی آیات کے حقیقی معانی اور تصورات کے خلاف آفاقی علم۔ خواہ وہ سائنس ہو کے نظریات سے بھی ناقص سمجھے جاتے ہیں۔ ایسی ہی من گھڑت تاویلات سے جو علمائے امت پیش کرتے ہیں۔ قرآنی نظریات پر نکتہ چینی اور رد کی جاتی ہے۔ کیونکہ قرآنی نظریات میں اکثر متشابہات کیفیات کا ذکر ہے۔ بعض متشابہ کیفیات خود علمائے اسلام نے انمیں تاویلیں کرکے قرآنی حقائق کو واضح طور پیش نہیں کیا۔ مگر محققینِ مغرب نے انکے عینی مشاہدات پیش کرکے علمائے اسلام کے ساختہ نظریات کو غلط ثابت کیا ـــ اسوجہ سے ان کیفیات کے حقیقی تصورات پیش نہ ہونے کے باعث۔ محققین مغرب یہ سمجھتے ہیں کہ قرآنی نظریات عینی مشاہدات کے مقابلہ میں درست نہیں۔ اسوجہ سے قرآنی عظمت پر مخالفین اسلام کو

موقع ملتا ہے ___ اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر مخالفین اسلام خصوصاً اہل مغرب دشمن اسلام اسلام کی روحانی عظمت وحقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً۔ تخلیق آدم۔ ارضی کیفیات میں بعض عناصر کی تخلیق آسمان کا تصور۔ بارش۔ بادلوں یا گردشِ زمین۔ سورج۔ چاند۔ ستاروں کی ہیئت۔ انکے وجودوں پر تحقیق میں اختلافات۔ اسلامی عقیدہ قیامت۔ جنت۔ کا اختلاف۔ اور بہت سے ایسے عقائد ہیں۔ جنکا تعلق متشابہ کیفیات اور روحانی عقائد سے ہے۔ علمائے اسلام نے ایسی کیفیات کا وہ حقیقی تصور نہیں دیا جو قرآن نے اپنی کلام وزبان عربی میں پیش کیا۔ برعکس اسکے بعض کیفیتوں پر محققین مغرب نے عبور حاصل کر کے انکے متضاد تصورات دیئے جس سے اکثر طالبانِ علم اسلامی عقائد ونظریات کے سمجھنے میں تذبذب وشک وشبہ میں پڑ کر مغربی نظریات کی طرف مائل ہو کر ان نظریات کو بھی تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ جو قرآن نے حقیقی معنوں میں پیش کیے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمان طالب علم اسلامی عقائد پر یقین کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اسکے مقابل محققین مغرب کے نظریات کو بلا جھجک تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ___ اس طرح مسلمان دینی عقائد سے گریزاں دین واحکام کی پابندی سے بھی گریزاں ہوتے جاتے ہیں۔ انکے دلوں سے اسلام کی عظمت محو ہوتی جارہی ہے ___ اور چونکہ مغربی طرزِ زندگی میں نفسانی خواہشات کی لذت پائی جاتی ہے۔ روحانیت نہ ہونے کے باعث مسلمان طالب علم اس لذت کی طلب میں۔ دینی احکام سے فرار کا ذریعہ اسی طرح فراہم کرتا ہے۔ کہ قرآنی آیات کی تکذیب میں۔ قرآنی روحانیت کو غیر موثر اور (نعوذ باللہ) لغو قرار دیا جائے۔ اور مغربی طرزِ زندگی کو جس میں شہوانیت اور نفسانی لذت پائی جاتی ہے۔ دینی بندشوں میں ضمیر کی آواز کو دبا کر۔ دینی پابندیوں سے آزاد کر دیا جائے اور اگر مغربی تہذیب وترقی کا مطالعہ کیا جائے۔ تو تواریخی طور معلوم ہوگا کہ مغرب کی تہذیب کی ابتداً انکے اپنے دین سے انحراف وبغاوت سے ہی ہوتی ہے ___

محققین مغرب ماہرین ارضیات۔ سائنسدان قدیم کھنڈرات میں ہزاروں سال پرانی تہذیب کے جو آثار مشاہدہ کرتے ہیں ___ ابھی تک وہ انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جن سے انسانی تہذیب وتمدن ذہنی ترقی وعروج کا پتہ چلتا ہے۔ یہ کیفیات بھی ہزاروں سال قبل کی دنیا کے ہیں۔ ان آثار میں انسان کی وحشیانہ زندگی کے آثار نظر نہیں آتے۔ اور پھر تاریخ بھی قدیم زمانوں کے واقعات

بتاتی ہے۔قرآن نے بھی ابتدائے آفرینش سے انسانی زندگیوں۔انکے احوال کا نقشہ کھینچا انسانی آبادی کے مسلسل ادوار کے واقعات بیان کیئے ـــــ ہاں! ـــــ ابتدائی زندگی کے تاریخی واقعات محققین کو میسر نہیں۔کہ ان زمانوں میں تاریخ کا وجود نہ تھا۔مگر قرآن بعینہٖ ان زمانوں کے حالات بیان کرتا ہے۔قوموں کے عروج وزوال کی صحیح تصویر پیش کرتا ہے۔اوراب محققین مغرب انہیں آثار پر تحقیق سے کیفیات مشاہدہ کرتے ہیں ـــــ تو پھر وہ کونسا زمانہ انسان پر آیا جب یہ جنگلوں میں وحشیانہ زندگی بسر کرتا رہا ـــــ البتہ ابتدائی زمانہ میں جب انسان حصولِ سامانِ زندگی میں ضرورتوں کا محتاج نہ تھا۔اسکی فطری پیدائش میں۔فطری غذا میوے پتے رہی۔کیونکہ انسان کی فطری غذا یہی تھی۔جس سے وہ صحت برقرار رکھتا تھا۔اور یہ تصور صحیح نہیں۔کہ انسان جنگلوں میں رہ کر پتے کھا کر وحشی ہوتا ہے۔انسانی زندگی کی ابتداً کا صحیح تصور کیا جائے۔تو معلوم ہوتا ہے۔کہ انسان کی اصل زندگی یہی ہے۔جنگلوں کی سکونت میں اسکی عقلی قوت کا اندازہ کرنا ہے۔کہ کیا انسان بہتر ذہنی صلاحیتیں رکھتا تھا۔یا بالکل عقل سے محروم مثل جانوروں کے زندگی بسر کرتا تھا ـــــ اسکے بارے میں انسان کو کوئی تاریخ مواد بہم نہیں پہنچا سکتی نہ کوئی محقق اس کیفیت کا صحیح اندازہ کرسکتا ہے۔جبکہ اسکے پاس انسانی تصور کا کوئی ٹھوس مواد فراہم نہیں ہوسکتا۔نہ ہی کوئی محقق عقلی طور اس کیفیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔سوائے قرآن کے۔کہ یہ الہامی کتاب ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْہِ ۛ ۔اس کتاب کے سچ ہونے میں کوئی شک نہیں ـــــ کہ اس کتاب میں درج ابتدائی زمانوں کے واقعات اصل ہیں ـــــ قرآن نے انسانی فہم وفراست۔علم وتدبر کا واضح الفاظ میں بیان پیش کیا وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ ـــــ بنائے انسان میں قوی حواس اور دل دماغ۔ ثُمَّ سَوّٰہُ ۔پھر اس کو حیوانی وحشیانہ زندگی کے مقابلہ قوی فہم وفراست اور علم عطا کیا۔یہی قوتیں انسان کو تمام مخلوق میں اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کرتی ہیں ـــــ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔البتہ بنایا انسان کو بہتر ہیئت میں۔پھر انسان (اپنی بےعملی اور کوتاہی کے باعث) ذلیل ہوا۔ لَھُمْ قُلُوْبٌ'' لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَاز وَلَھُمْ اَعْیُنٌ'' لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَاز وَلَھُمْ اٰذَانٌ'' لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَاط اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ط جب انسان نے اپنی برتر قوتوں کو تلاشِ حقیقت۔معرفت وعلم میں استعمال نہ کیا ـــــ دل سے

مشاہدۂ حقیقی نہ کیا۔ اس وقت یہ وحشی جانوروں کی زندگی بسر کر کے پست و ذلیل ہوا ـــــ مگر وہ نہ ہوئے جنہوں نے اللہ کی ذات کو اپنا معبود و خالق تسلیم کر کے اسی کی طرف رجوع رکھا ـــــ تسبیح و حمد اور مشاہدہ کو جاری رکھا ـــــ اگرچہ انسان جنگلوں میں ہی رہا گھاس اور پتے ہی کھاتا رہا یہ اس کی اصل فطری اور خالص صحت مند غذا تھی ـــــ اس بیان سے ظاہر ہے۔ کہ ابتدائی انسان عقل و خرد میں کامل تھا ـــــ اور اسکی خصوصیت اسکی پیدائشی اعتبار سے اسکی روحانیت پر منحصر رکھی گئی وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ اس میں ایک عظیم روح ودیعت کی گئی جس سے اِسے آسمانی علم دیا گیا۔ جو ملائکہ کے علم اور عقل و خرد سے بالاتر تھا ـــــ ملائکہ نوری پیکر ہیں۔ نوری اعتبار سے انہیں عقلِ کل کہا گیا۔ عقلِ کل سے مراد۔ نہ خطا ہونے والی فہم و فراست مگر انسان کے مقابلہ میں ملائکہ نے انسانی عقل و خرد کے آگے سر تسلیم خم کر کے انسانی عظمت کو تسلیم کر لیا ـــــ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ ـــــ پاک ہے تو ہم کلی طور اس علم کا احاطہ نہیں کر سکتے جسکا تو ہم سے مطالبہ کر رہا ہے فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ مگر انسان نے اس علم۔ اس فہم و فراست کا مظاہرہ کیا۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ تمام ملائکہ نے انسانی عظمت کے آگے سر جھکایا۔ قرآن اپنی حقیقت بیان کرنے میں تمام کائنات۔ تمام محققین کو چیلنج کرتا ہے۔ کہ کوئی ہے جو میری حقیقت کو جھٹلا سکتا ہے۔ کوئی نہیں ہو سکتا ـــــ تو پھر محققین مغرب اسکے مقابلہ میں اپنی کوئی تحقیق پیش نہیں کر سکتے کہ انسان بن مانس تھا ـــــ اگر وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ تو انکی تحقیق سوائے ظن و وہم کے کچھ نہیں۔ کہ انکے محققین الٰہی کلام کا احاطہ کرنے کی صلاحیت نہیں پاتے۔ کیونکہ انکی عقلی قوت اس قدر قوی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو خطا و نسیان سے بری ثابت کر سکیں۔ اسکی دلیل اسی قدر کافی ہو سکتی ہے۔ جو محققین کے متعلق تواریخی مشاہدات سے ثابت ہے۔ کہ محقق عقلی بے خودی میں۔ چھڑی بستر پر لٹا دیتا ہے۔ اور خود کمرے کے کونے میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ گویا وہ خود کو بستر پر لٹا رہا ہے۔ اور چھڑی کمرے کے کونے میں کھڑی کر رہا ہے۔ بہر حال۔ قرآن یہ واضح تصور دیتا ہے۔ کہ انسان کی حقیقی زندگی بغیر اسکے کامل نہیں کہ وہ دین الٰہی کا پابند ہو کر مشاہدۂ اسرار الٰہی تصورِ ذات الٰہی کو ہر لحہ قائم رکھے بغیر اسکے اسکا کوئی عروج۔ حقیقی اور نفع بخش نہیں ـــــ جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ آج محققین مغرب دنیوی عروج کی انتہا پر اسی روحانیت کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں جس سے انہوں نے دنیوی عروج حاصل کرنے کیلئے ابتدأً نفی۔ اور بغاوت کی ـــــ قرآن نے

ابتدائی زمانہ سے۔قوموں۔اور محققین۔ مصلحین۔نبیوں۔رسولوں کے وجود کا تصور دیا۔جس میں آدمؑ۔ نوحؑ۔لوطؑ۔ یونسؑ۔ ابراہیمؑ۔ اسحاقؑ۔یعقوبؑ۔ یوسفؑ۔ موسیٰؑ۔ داوٗدؑ۔سلیمانؑ۔عیسیٰؑ ان انبیأ کی قوموں کا عروج وزوال اور اسباب۔انکی قوتیں۔انکی فہم وفراست۔انکی معاشرتی تمدنی زندگی کے واضح نقوش بیان کیئے ـــ ان قوموں میں نبی۔رسول آئے۔اورقوموں کو روحانی عروج دیا ـــ جنہوں نے دین سے انحراف کیا خس وخاشاک کی طرح مٹ گئیں۔انکا کوئی دنیوی عروج باقی نہ رہا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے رسولوں کی پیروی کی اوراپنے پیدائشی مقصد حیات کو قائم رکھا۔کہ دین واحکام کی پابندی کے ساتھ تسبیح وحمد۔مشاہدہ اسرار الٰہی تصور ذات الٰہی کو قائم رکھا۔لہذاانسان کیلیئے لازم ہے کہ وہ حقیقی عروج وارتقا۔اسی طریق سے حاصل کرے۔ورنہ انسان اپنی ایجادوں سے ہی اپنے آپ کو ایک دن تباہ وبرباد کر کے صفحۂِ ہستی سے مٹ جائیگا اور یہ جو محققین مغرب فی زمانہ مسمریزم۔حاضرات ارواح وغیرہ سے کام لے رہے ہیں۔یہ انکے مادی عروج کی انتہا۔اور روحانیت کی ابتدأ ہے۔جیسا کہ انکا مادی عروج ایٹم بم۔ ہائیڈروجن بم۔ اور کئی مہلک گیسوں کی ایجاد تک پہنچ چکا ہے۔درحقیقت یہ سب ایجادات انسان کی فلاح وبہبود کیلیئے نفع بخش ثابت ہوتی ہیں مگر انکے دوسرے پہلو میں تخریبی قوت بھی پنہاں ہے۔ جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے۔یہ چیزیں انسانی بہبود کیلیئے ہونی چاہیں۔مگر کون نہیں جانتا کہ یہی ایٹم اور گیس فی زمانہ ترقی یافتہ برسراقتدار ممالک ایک دوسرے کوانہیں نفع بخش قوتوں سے تباہ و برباد کرنے پر آمادہ ہیں ـــ فی زمانہ ان اشیأ کی ایجاد میں نفع کے ساتھ تخریب کا جذبہ بھی شدت سے کارفرما ہے ـــ اسکا سبب اقوامِ مغرب نے ان ایجادات کی تحقیق۔دین سے انحراف وبغاوت پر ہی شروع کی ہے ـــ تواریخ شاہد ہے۔جسوقت یونان وعرب علم وادب اور عقل وفراست کا گہوارہ تھا اس وقت اقوامِ مغرب ایک وحشیانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ان قوموں پر انکے مذہبی راہب مسلط تھے۔وہ کسی مادی نظریہ کو رائج نہیں ہونے دیتے تھے۔جس سے عام لوگوں کا ذہن دینی عقائد کے تصور سے خالی ہو کر مادی تحقیقات کی طرف متوجہ ہو ـــ اس وقت مذہب کے راہبوں۔پادریوں نے من گھڑت مذہب بنا کر من گھڑت نظریات وعقائد ایسے بنا رکھے تھے کہ انہیں تمام قوم پر اقتدار حاصل تھا۔اگرچہ اسوقت اقوامِ مغرب میں شہنشاہیت بھی تھی۔وہ بھی وحشیانہ طرز کی تھی اور پادریوں کو حکومتوں پر بھی غلبہ حاصل

تھا۔ ایسے وقت میں اگر کوئی محقق یہ کہدے کہ زمین گول ہے اور حرکت کرتی ہے تو پادری اُسے زندہ جلا دیتے تھے۔ بالآخر ہوا یہ کہ ایسے محققین نے جنکے ذہن تحقیق کی طرف مائل تھے۔ اور پادریوں کا غلبہ انہیں تحقیق میں روکاوٹ تھی۔ انہوں نے خفیہ جدوجہد شروع کی اور دوسری طرف پادریوں کے خلاف خفیہ محاذ آرائی شروع کردی۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ اور انہوں نے نئے طرز کی حکومت بنا کر پادریوں کے غلبہ سے نجات حاصل کر کے نئی زندگی کا آغاز کردیا۔۔ یہ قدرتی امر ہے۔ اہل مغرب میں بے شمار ذی عقل ہستیاں محققین کی شکل میں نمودار ہوئیں۔ جنہوں نے۔ اس قوم کو دنیوی ترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔۔ اسی طرح اس قوم نے پادریوں سے نجات حاصل کر کے مصنوعی من گھڑت دین سے نجات پا کر۔۔ دین کی سرے سے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ ابتدائے زمانہ اہل یورپ عیسائیوں نے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے بھی انکار کر کے عوام کے ذہنوں کو ایسے تصورات سے دور کردیا۔ اور آئندہ چونکہ یہ قوم مذہب عیسائیت سے تعلق رکھتی تھی۔ اپنے مذہب سے نام نہاد تعلق رکھا ۔۔ اور اپنی ضرورت و پسند کے مطابق انجیل اور دین کو بنا کر لوگوں کو اپنی راہ پر چلانا شروع کیا۔ یہی وہ جذبہ تھا۔ جس پر اہل مغرب کا دین سے فرار اور مادیت کا عروج تھا۔۔ اور اسی دین سے فرار کا نتیجہ ہے۔ کہ انکی ایجادات خود انکے لئے تباہی کا سبب بنا نظر آتا ہے۔۔ اور دین سے لاتعلقی کے نتائج جو انکی قومی زندگی میں نمایاں ہیں۔ وہ دنیا جانتی ہے۔ کہ اس مہذب زمانہ میں بھی۔ وہ ایک وحشیانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جسے اصولی طور انسانی زندگی سے تعبیر نہیں دیا جا سکتا۔۔ یہی وہ قوم ہے۔ جس نے اپنی مادی ترقی سے دنیا پر غلبہ حاصل کرلیا۔ یہ تسلیم کرنا۔ کہ دنیا پر مادی عروج وارتقا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ بالکل غلط تصور ہے۔ محققین مغرب کو زیادہ سے زیادہ پانچ سو سال بلکہ اس سے کم ہی زمانہ ہوا کہ مادی ترقی حاصل کی۔ اس سے قبل کے زمانہ میں بھی ان سے اعلیٰ ایجادات ہوئی ہیں۔ ان زمانوں میں بھی جب تک دین کی پابندی کو اپنی زندگی میں شامل رکھا انسان مطمئن اور فارغ البال رہا۔ اور جس وقت انسان دین کی پابندی سے فرار حاصل کر کے مادی ترقی کی طرف مائل ہوا۔ تو پھر وہی عروج اسکی زندگی کا وبال اور زوال بنا اور یہ حقیقت ہے۔ دنیا کے واقعات و حادثات کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تو عیاں ہوگا کہ قوموں کی تباہی کا اصل سبب یہی تھا۔ کہ انہوں نے اپنی مادی ترقی میں دین کی پابندیوں سے انحراف کر

کے نظامِ کائنات میں خلل ڈالنے کی طرز اختیار کی تو یہی انکی تباہی کا سبب بنا ـــــ اہل مغرب دنیا پر غلبہ حاصل کر گئے ۔ اور اب وہ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کیلئے وہی طریق اختیار کرتے ہیں ۔ جس سے قومیں خود بخود انکی محتاج اور محکوم ہوں ۔ وہ انکی سازشیں ہیں ۔ کہ قوم میں لالچ ۔ خودغرضی کا مادہ ڈال کر تفرقہ ڈالدیتے ہیں ۔ کہ وہ کسی قوم کو دینی اصولوں کا پابند نہیں رہنے دیتے ۔ خصوصاً اہل اسلام کو ۔ مسلمانوں نے اپنے دینی جذبہ سے انکی عظیم طاقتوں کو شکست فاش دی ۔ انہیں اگر خطرہ محسوس ہوتا ہے تو مسلمان سے ۔ اسلئے وہ جانتے ہیں ۔ کہ مسلمان ۔ جب مومن بنتا ہے ۔ تو کوئی طاقت اسکے آگے نہیں ٹھہر سکتی ۔ اسلئے اہل مغرب کی یہی کوشش رہی ۔ کہ مسلمان کے دل سے قوتِ ایمانی ختم کر دی جائے ۔ جب بھی مغربی قومیں مسلمانوں میں داخل ہوئیں بدقسمتی سے مسلمانوں میں دین کی صحیح تبلیغ اور دین کے احکام پر پابندی اور جذبہ مدہم پڑ چکا تھا ـــــ علمائے اسلام میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو انگریزوں کے خطرناک حربے سے بچا سکیں ۔ اس وقت انگریز کامیاب ہو گیا ۔ اور مسلمان کے دل سے ایمان کا نور اتنا دور ہوا ۔ کہ آج مسلمان بھی ۔ مغربی علم ۔ مغربی تہذیب ۔ مغربی معاشرت اور اصولوں کو اپنے حقیقی دین پر فوقیت دیتا ہے ۔ اور اب دین محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی ۔ بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں ۔ دین کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھا جاتا لیکن یہ حقیقت ہے ۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ جب حق آتا ہے ۔ حق ہر حال میں غالب ہے ۔ تو باطل مٹ جاتا ہے ۔ باطل مٹانے کیلئے حق کا آنا ضروری ہے ۔ اسلئے انسان کیلئے لازم ہے ۔ کہ دنیا پر امن وسکون اور حقیقی عروج حاصل کرنے کیلئے دین کی پابندی کو لازم سمجھے ۔ لیکن دین کی طرف لگاؤ ۔ رجوع ۔ اور پابندی ۔ کتابیں لکھنے ۔ وعظ کرنے ۔ لٹریچر تقسیم کرنے سے یا جگہ جگہ تبلیغ کرنے سے ممکن نہیں ۔ سوائے اسکے کہ سنت الٰہی ـــــ سنت نبوی کے تحت وہی طریق اختیار کیا جائے ۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو ۔ یعنی حسنِ عمل ۔ حسن اخلاق ۔ پاکیزہ کردار ۔ امانت ۔ صداقت ایک مبلّغ کا فطری شیوہ ہو ۔ اسی اخلاق سے وہ عوام الناس میں مقبول ہو ۔ عوام الناس میں اسے نفوذ حاصل ہو کہ ہر شخص اُسے احترام وعزت سے دیکھتا ہو ۔ اس حسنِ عمل ۔ حسن اخلاق کی بنیاد ۔ سچائی ۔ انسانیت سے ہمدردی ۔ خودغرضی سے پاک ہونا ۔ اور اصل چیز یہ کہ ۔ رات جاگنا ۔ کثرت عبادت ۔ روزہ رکھنا ۔ اور دوسروں کیلئے اپنے دل میں درد رکھنا ـــــ یہ

بنیادی اصول ہے۔ جس کا ایک انسان میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ یہی عمل ایک انسان کو مبلّغ کا مقام دیتا ہے۔ یہی مبلّغ ذریعہ بنتا ہے۔ انسان کو ہدایت کی طرف لانے کا۔ بغیر اس مبلّغ کے لوگ ہدایت نہ حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ ہدایت کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے ہی شخص کو عالمِ امت سے موسوم کیا گیا۔ جب تک امت میں ان صفات کا حامل عالمِ امت نہ ہو۔ امت کا دین کی طرف صحیح طور رجوع کرنا مشکل امر ہے سوال یہ ہے۔ کہ اس عالمِ ارضی پر جبکہ امت محمدیؐ یکسر دین سے غافل ہے۔ اور علمائے امت بھی امت کو دین کی طرف مائل کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ لیکن حقیقتاً امت کا ایک فرد بھی مومن کہلانے کا مستحق نہیں نہ ہی عالمِ امت خود مومن ہے۔ ایسی صورت میں سنتِ الٰہی۔ سنت نبوی کے طریق پر عالمِ امت خود بھی۔ رات جاگنے۔ روزہ رکھنے۔ تقویٰ کرنے کا عادی نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ امت بہتر فرقوں میں بٹ چکی ہے۔ ہر عالم بجائے لوگوں کو ہدایت حقہ کی طرف لانے کے اپنے عقائد و نظریات کی تبلیغ پر زور دے رہا ہے۔ ایک صحیح مومن مبلّغ (نائب رسول) کا وجود کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ سیرت النبی میں ــــ ابتدائی پیدائش کی تحقیق میں ــــ قرآن میں بیان ہوا ــــ کہ اِنِیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ــــ زمین پر انسان کو بحثیت خلیفہ پیدا کرنا ــــ اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں مقرر ہوا ــــ کہ انسان ــــ روحِ حیوانی ــــ اور روحِ رحمانی سے۔ اسرار الٰہی ــــ اور ذاتِ الٰہی کا اپنی تمام زندگی میں مشاہدہ قائم رکھے یہ مشاہدہ اسے اسکی پیدائش کے ساتھ ہی دیا گیا ــــ اور زمین پر انسانی زندگی کا یہی واحد عمل مقرر کیا گیا ــــ یہی انسان کا دین ہے۔ یہی اسکی عبادت تصور ہوتی ہے ــــ اس عبادت میں انسان نے۔ اپنی جسمانی روحانی پاکیزگی کو اپنی اصلی حالت میں قائم رکھنا ہے ــــ سو دنیا پر ہر انسان ایک ہی انسانی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اس میں ملت و مذہب کی نہ تخصیص ہے نہ تصور ــــ نہ اسکے لئے اسکے علاوہ کوئی خاص عبادت مقرر کی گئی۔ سوائے اسکے کہ ہر انسان اپنی جسمانی۔ روحانی پاکیزگی کو قائم رکھ کر مشاہدۂ اسرار الٰہی ــــ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی ــــ روح حیوانی ــــ روح رحمانی سے قائم رکھے اس تصور میں ــــ جبکہ ہر انسان مشاہدہ و۔ تصور ذاتِ الٰہی قائم رکھتا ہے ــــ اِسے اصلاح کی ضرورت نہیں رہتی ــــ نہ یہ عمل کسی خاص انسان کیلئے مخصوص کیا جاتا ہے کہ عام

انسانوں میں کسی خاص شخص کو یہ قوت حاصل ہے۔ اور باقی اس قوت سے خالی ہیں ـــــ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ کہ زمین پر انسان اپنی خصوصیاتِ خلافت ـــ پاکیزگی جسم و روح ـــ مشاہدۂ اسرار الٰہی کو دائمی محفوظ رکھتا ـــ زمانہ آیا کہ انسان ان خصوصیاتِ خلافت سے محروم ہو گیا ـــ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوبارہ مقام خلافت پر لانے کیلئے ایک ضابطۂ ہدایت پیش کیا ـــ اور اس ضابطہ کے ساتھ۔ ایک مصلح ـــ راہنما ـــ رسول مقرر کیا ـــ

گزشتہ زمانوں میں انسانی ہدایت کا یہی ایک طریقہ مقرر رہا۔ کہ انسانی گمراہی پر ایک رسول ایک ضابطہ لیکر دنیا میں آیا۔ رسول نے انسانوں کو ہدایت پر لایا ـــ اس میں بعض لوگوں نے ہدایت قبول کی ـــ بعض نے ہدایت قبول کرنے سے انکار کیا ـــ اس طرح انسانی پیدائش دو گروہوں میں بٹ گئی ـــ ایک وہ جو ضابطۂ ہدایت کے سہارے اپنے جسم و روح کو پاکیزہ رکھ کر مشاہدۂ اسرار الٰہی کا خواہاں ہوتا ہے ـــ دوسرا وہ جو صرف حصولِ دنیا کو اپنا مقصد سمجھ کر ـــ ہدایت و رسول کی پیروی سے انحراف کرتا ہے ـــ انہیں دو فریق میں ـــ ایک وہ ہے۔ جو اپنی روحِ حیوانی سے مشاہدہ کرتا ہے۔ اسکا مقصد دنیوی عروج ہوتا ہے۔ لیکن اسکی روح رحمانی ہدایت کے اصولوں کے مطابق عمل نہ کرنے کی وجہ سے پاکیزہ نہیں ہوتی۔ اسلئے اسے مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل نہیں ہوتا ـــ یا ایسا انسان روح رحمانی کے ذریعہ مشاہدۂ اسرار الٰہی اور تصور ذاتِ الٰہی حاصل کرنا نہیں چاہتا۔ چونکہ ایسی صورت میں مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــ ضابطۂ ہدایت اور رسول کی پیروی پر منحصر ہو جاتا ہے ـــ اسلئے اس ضابطۂ ہدایت اور رسول کی پیروی کو دین کی پابندی سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــ کہ بغیر دین کی پابندی روحِ رحمانی کے ذریعہ مشاہدۂ اسرار الٰہی اور تصور ذات الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا ـــ جو کہ انسان کا حقیقی مقصدِ زندگی ہے ـــ اسی مقصد کی تعمیل و تکمیل سے ہی انسان ـــ خلیفہ اور نبی کا مقام حاصل کر سکتا ہے ـــ

یہ جاننا ضروری ہے ـــ کہ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــ تصور و مشاہدۂ ذات الٰہی میں کیفیاتِ مشاہدہ ازل سے متعین ہو چکی ہیں ـــ جنہیں اسماء کلھا کی شکل میں انسانی پیدائش سے قبل مرتب کیا گیا ـــ انہیں اسماء کلھا کی ابتداً عالم ناسوت سے ہوتی ہے ـــ جہاں ہر انسان بلا تمیز مذہب و ملت اس عالمِ ناسوت کا مشاہدہ کر سکتا ہے ـــ اور عالم ناسوت سے آگے اسماء کلھا میں دوسرا عالم

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ہے جسکی ابتدا زمین (الارض) سے ہی ہوتی ہے۔ الارض۔ زمین ـــ عالمِ ناس ـــ عالمِ ناسوت کے بعد مُلْکُ السَّمٰوٰتِ۔ یعنی ملکوتی عالم۔ آسمان کے مراحل آتے ہیں ـــ ان مراحل میں بغیر پابندی دین (ضابطہ) اور بغیر پیروی رسول داخل نہیں ہوا جاتا ـــ اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ اس دین اس ضابطہ ہدایت کی پیروی کی جائے ـــ جس میں انسانی اصلاح وفلاح کا بہتر مواد پایا جائے ـــ اور اس رسول کی پیروی کی جائے ـــ جو اعلےٰ صفاتِ نبوت وخلافت کا حامل ہو ـــ

گزشتہ بیان میں یہ واضح ہو چکا ـــ کہ انسانی انحراف وگمراہی وفساد وخونریزی پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں اپنا ضابطہ ہدایت اور رسول بھیجے ـــ ان رسولوں میں خصوصی رسولوں اور انکی خلافت و نبوت کے متعلق تفصیلاً بیان ہوا ـــ کہ سیرت کے اعتبار سے مخلوقِ انسانی میں ـــ پیدائشی حیثیت میں افضل سیرت کے حامل انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ جنکی ذاتی۔ صفاتی سیرت میں ـــ آپؑ کا وجود نور سے ہوا ـــ آپ جسمانی حیثیت میں نوری تھے ـــ اور آپکا مقام آسمان میں ہوا ـــ لیکن ضابطۂ ہدایت کے انتخاب میں آپنے جو تبلیغ پیش کی اس سے انسانی آبادی کاملاً استفادہ نہ کرسکی۔ اسلئے ـــ آپؑ کے بعد انسانی آبادی کو انکی اصلاح کیلئے ایک ضابطہ اور ایک رسول کی ضرورت باقی رہی ـــ یہ ضرورت انسانی آبادی کے آخری نبی ـــ حضور محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوری کی گئی ـــ

یہ وہی محمد النّبی ہیں۔ جنکا اسمِ مقدس۔ نور ابتدائی میں شامل ہے ـــ نورِ ابتدائی وہ نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے وجودِ لامحدود میں۔ مخلوق ہوا ـــ جس نور سے کائناتِ خلقت کا ظہور ہوا ـــ کائناتِ خلقت میں۔ ابتدائے تخلیق عالمِ بالا کے نورانی آثار واسرار کیفیاتِ نوری۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ عرش۔ کرسی ـــ سبع السمٰوٰت ـــ آسمان دنیا ـــ کائنات کے تمام سیارے۔ اور زمین شامل ہیں ـــ انہیں کیفیات کو اسماء کلھا میں ترتیب دیا گیا ـــ یہ تمام کیفیتیں ـــ نور ابتدائی سے تخلیق ہوئیں ـــ نور ابتدائی ـــ روح محمدی یا۔ محمّد سے تعبیر ہے ـــ اسلئے سیرت النبی میں افضل الخلائق وجود ـــ نورِ ابتدائی ـــ نورِ محمدیؐ ـــ روح محمدیؐ ہے ـــ جو کائنات کی جملہ مخلوق میں افضل وجود کا "کل" ہے۔ اسی نور محمدیؐ کی ادنیٰ مخلوق آدمِ بشری ہے ـــ اور مقام خلافت ونبوت پر فائز کرنے والی قوت ـــ روح

رحمانی ـــــ اور مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ اسماء یہ سب کیفیتیں نور محمدیؐ کی جز ہیں ـــــ مثنوی ۔

گو بصورت من ز آدم زادہ ام   وز بہ معنی جدِّ جد افتادہ ام

بشری حیثیت میں اگر چہ میں آدم سے پیدا ہوا ـــــ مگر روحی حیثیت میں آدم کی تمام خوبیاں میرے ہی نور سے ہیں ـــ گویا معنوی اعتبار سے آدم مجھ سے پیدا ہوا ـــــ اس سے ثابت ہوا۔ کہ حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سیرت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جسمانی حیثیت میں بھی افضل ہیں ـــ کیونکہ آپکا جسم ازلی مخصوص نور ۱ سے بنا ـــــ اور آپکی روح رحمانی ـــــ نورِ ابتدائی ہے ـــ جس نور سے کل کائناتِ خلقت کا ظہور ہوا۔ اسی نور سے حضرتِ آدم کی روح حیوانی ـــــ روح جسمانی بنی ـــــ اسی صفت کے اعتبار سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ـــــ ع وز بہ معنی جدِّ جدا فتادہ ام ـــ پورا ہوتا ہے ـــــ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کائناتِ خلقت کی تمام مخلوق میں سیرت میں افضل ہیں۔ آپکی ذاتِ اقدس کو بھی بحثیت رسول ـــــ بحثیت احمد۔ زمین پر پیدا کیا گیا ـــــ اور احمد کی صفت کے ساتھ آپکو بھی تمام انبیاءؑ سے اعلےٰ وارفع واکمل ہدایت دی گئی۔ جسے قرآن کہا گیا ـــــ اسی قرآنی ہدایت کو شریعت سے موسوم کیا گیا ـــــ اسی قرآنی ضابطہ ـــــ اور شریعت پر تعمیل کرنے سے اسماء کلّھا ـــــ اسرار الٰہی ـــــ کیفیاتِ ملکوتی ـــــ عالم بالا۔ تا ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ روحِ رحمانی سے ہونا مقرر ہے ـــــ چنانچہ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی کیلئے۔ شریعت کی تابعداری لازمی قرار دی جاتی ہے ـــــ اسکا طریق یہ ہے ـــ کہ شریعت کا علم۔ ایک عالم کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے ـــــ جسے عالم امت یا نائب رسول۔ خلیفۂ رسول و نبی کہا جاتا ہے۔ حصولِ علمِ شریعت میں ایک عالم امت کی اتباع لازمی ہوتی ہے ـــــ طریق حصولِ مشاہدۂ اسرار الٰہی میں ایسے عالم کو۔ مرشد۔ راہبر ـــــ ولی یا نبی کی صفت سے پکارا جاتا ہے ـــ اس عالم کی صفت میں یہ کیفیت شامل ہوتی ہے۔ کہ وہ قرآنی علم سے مکمل آگاہ ہوتا ہے۔ اور اسے طریق مشاہدہ میں۔ تمام اسرار الٰہی ـــ اسماء کلھا ـــ صراط مستقیم ـــ صراط اللہ کے جملہ آثار و اسرار سے آگاہی و مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی شخص ایک طالب حق کو اِنَّکَ لَتَھۡدِیۡۤ اِلٰی

---

۱ اس کی تفصیل گزشتہ بیان کی گئی ہے۔

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ نائب رسول و نبی کی حیثیت سے جملہ اسرار و اسماء کلھا کا تا ذاتِ الٰہی مشاہدہ کراتا ہے۔ سوایسے عالم کی راہنمائی میں شریعت پر عمل سے ہی اسرار الٰہی کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔

شریعت کیا ہے۔؟ شریعت قرآن میں نازل شدہ وہ احکام ہیں۔ جنہیں محکمات کہا گیا ــــ ان میں اصل اصولِ شریعت مخصوص کئے گئے ہیں۔ جن میں ــــ اول اللہ کی ذات کو تسلیم کرنا ــــ دوسرے اللہ کی کلام۔ کتاب کو تسلیم کرنا۔ اللہ کے رسول کو تسلیم کرنا ــــ عالم ملکوتی۔ ماورائے ادراک روحانی عالم۔ آسمان۔ عرش و کرسی۔ مقامات عالم بالا اور ملائکہ کے وجود کو تسلیم کرنا ــــ اور اس کائنات کے انجام کے بعد۔ ایک دوسرے عالم کو تسلیم کرنا جو اس کائنات کے فنا ہونے کے بعد واقع ہوگا۔ ایسے عالم کو یوم القیامۃ کہا جاتا ہے۔ یعنی اس کائنات کے انجام اور ارتقا کے ٹھہراؤ یا خاتمہ کے بعد ایک ایسا عالم جہاں اس کائنات میں پیدا ہوا ہوا۔ ہر فرد جمع ہوگا۔ اور جو کچھ انسان نے اس دنیا میں عمل کیا۔ اسی عمل کے مطابق اُس دوسرے عالم میں اسے راحت و عذاب حاصل ہونا ہے ــــ گو بظاہر اس عالم کی کوئی دلیل دی نہیں جاسکتی لیکن دین اسلام میں داخل ہوکر۔ اللہ و رسول اور کتاب اللہ کو تسلیم کرنے کے بعد قیامت [1] کو بلا دلیل تسلیم کرنے سے ہی۔ دین کی پابندی مکمل ہوسکتی ہے ــــ یہ اجزأ شریعت کے ٹھوس اصول ہیں۔ جنہیں تسلیم کرنا ضروری ہے ــــ اسکے بعد شریعت کے اور چند اجزأ ہیں۔ اول۔ اللہ کو تسلیم

---

[1] علاوہ ازیں عقلی اور سائنسی طور بھی یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ کائنات کی ہر شے کیلئے جبکہ انکی قوتیں اور اجزأ منتشر ہونے کی ان میں ایک فطری ترکیب پائی جاتی ہے۔ اس نظام کائنات کی ہر شے منتشر ہو جائیگی۔ سورجوں۔ ستاروں۔ سیاروں کی تمام ناری قوتیں کم ہوکر انکی کشش اتنی کم ہو جائیگی کہ انکا آپس کا باہم تعلق و رابطہ ٹوٹ جائیگا۔ اور ہر شے فضا میں بکھر کر ایک عظیم فضا ــــ یا ان تمام سیاروں کی مجموعی فضا کی شکل میں ہو جائینگی۔ یہی کیفیت قیامت سے تعبیر ہے یہ تو ایک سائنسی تصور ہے۔ لیکن اسلامی نظریہ قیامت میں شریعت و دین کی رو سے اس نظام کا درہم و برہم ہونا اللہ تعالیٰ کے ذاتی ارادہ پر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حکم کریگا۔ اور کائنات کی ہر شے پہاڑ۔ دریا۔ زمین۔ ستارے۔ سورج۔ آسمان سب اپنی ہیئت کھوکر گرد و غبار کی شکل میں ہو جائینگے۔ اور انکی نوری ناری خاکی قوتیں مل کر ایک وسیع فضا کی شکل میں بن جائیگی۔ جس فضا میں آسمانوں کی نوری قوت اور سورجوں ستاروں کی ناری قوتیں یکجا ہوکر ایک شدید تپش اور روشنی کا ماحول بنا کر قیامت کا منظر پیش کرینگے۔ اسی کیفیت کو بلا دلیل بلا مشاہدہ تسلیم کرنا شریعت کی ایک جز ہے۔

کرنا ــــ اسکے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت لازم رکھنی ــــ اور معرفتِ الٰہی کا مقصد خاص رکھنا ــ اور معرفت حاصل کرنے کیلئے۔ کتاب الٰہی سے راہنمائی حاصل کرنے کیلئے۔ کتاب کے احکام پر عمل کرنا ــــ یعنی کتاب کو تسلیم کرنا اور اسکے احکام پر عمل کرنا۔ اسے تسلیم وحی جلی کہتے ہیں۔ اسکے بعد دوسری جز رسول کو تسلیم کرنا ــــ اور رسول کے کلام (قول و فعل) کے مطابق۔ کتاب الٰہی کو سمجھنا اور رسول کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے کتاب کے احکام پر عمل کرنا ــــ اس طریق کو تفہیم وحی جلی کہا گیا۔ رسول کے قول و فعل کو حدیث کہا جاتا ہے ــــ یعنی کتاب (قرآن) کے احکام کی تعمیل میں جو طریق رسول پیش کرے اسی طریق پر عمل کرنا ــــ اور قرآنی احکام کو سمجھنا۔ تیسری جز۔ کو تفہیم وحی جلی و خفی کہا گیا ہے ــــ یعنی ہر زمانہ میں انسان کو حقیقی راہنمائی کے حصول کیلئے نائب رسول۔ قائم مقام۔ عالمِ امت سے رجوع کرنا ــــ رسول و نبی کے بعد مابعدِ زمانہ میں بھی کتاب (قرآن) اور حدیث کی فہم کیلئے ایک عالم کی ضرورت لازمی ہے۔ کیونکہ انسان بغیر کسی کامل عالم کی راہنمائی کے قرآن و حدیث کے احکام کو نہ سمجھ سکتا ہے نہ عمل کرسکتا ہے ــــ قرآن نے خود بھی اس طریق کے متعلق بیان پیش کیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳) اور اسی طرح بنایا تم کو (اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو) ایک درمیانی جماعت تاکہ تم نمونہ عمل بنو واسطے لوگوں کے اور ہوئے نمونہ عمل رسول تمہارے لئے۔

یہی طریق مخصوص ہے ــــ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ــــ کیلئے ــــ کہ جب انسان اپنے مرتبہ خلافت سے گرا ــــ اسکا مشاہدۂ اسرارِ الٰہی۔ تصورِ ذاتِ الٰہی۔ اسکے قلب و ذہن سے یکسر محو ہوگیا ــــ تو اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ هُدًى ــــ ایک نبی و رسول کے ذریعہ بھیجی تاکہ ایک رہبر کے ذریعہ انسان اپنا مرتبہ خلافت ــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی ــــ مشاہدۂ اسماء کلھا ــــ حاصل کرے۔ اسکے لئے اتباعِ رسول۔ تعمیل احکام الٰہی (هُدًى) پر عمل ضروری ٹھہرا۔ اتباع رسول میں ــــ ایک نبی و رسول کے قول و فعل کی تقلید لازم ہوئی ــــ جیسے نبی و رسول ارشاد کرے ویسے ہی عمل کرنا ــــ اس طریقِ اتباع میں۔ خصوصی عمل ــــ ''حب'' اور ''بیع'' ہے ــــ حُب سے مراد ایک نبی و رسول کی پیروی میں سرِ موفرق نہ پایا جانا۔ بیع سے مراد ــــ ایک نبی و رسول کی تقلید میں قدم بقدم چلنا ــــ اسکے ارشاد و حکم

کے خلاف اپنے ارادہ سے کوئی دوسرا قدم نہ اٹھانا ـــــ نیز تعمیلِ ارشاد میں نبی و رسول کے قول و فعل میں مطابقت کرنی ـــــ ان دو کیفیتوں۔ حُب اور بیع کے متعلق قرآن نے خود ایک تصور پیش کیا ـــــ

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَا یَعْتُمْ بِہٖ ط وَ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۱) تحقیق اللہ نے خرید لیں مومنوں سے انکی جانیں اور انکے مال۔ بدلے جنت کے۔ وہ جہاد کرینگے اللہ کی راہ میں۔ پس قتل کرینگے ـــــ اور قتل ہونگے ـــــ یہ وعدہ اللہ کا سچا توراۃ میں۔ انجیل میں اور قرآن میں ـــــ اور جس نے اپنے وعدے کو پورا کر دکھایا۔ پس خوشخبری ہے۔ اسکے سودے کی۔ جو سودا[ا] تم نے کیا اللہ سے ـــــ یہ سودا عظیم نفع کا ہے ـــــ

اس آیت میں اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی ـــــ سے مراد بیع کرنا ہے۔ بیع کا عجمی تصور اپنے آپ کو فروخت کر ڈالنا ـــــ اسلئے ایک نبی کی اطاعت و پیروی میں بھی بیع ہونا شرط ہے۔ کہ نبی کی پیروی میں۔ اپنی تمام خواہشات۔ ارادے یکسر چھوڑ کر نبی کے ہر حکم کی تعمیل کرنا ـــــ اس حکم میں اصل احکامِ الٰہی ہی ہیں۔ جنکی پیروی کرنی ہے ـــــ البتہ حکم کی تعمیل میں جب نبی سے بیعت ہوئی ـــــ تو اسکا ایک مخصوص طریق مقرر کیا گیا ـــــ اس مخصوص طریق میں۔ احکام کی پیروی اور بیع کے ساتھ ''حُب'' استعمال کی جاتی ہے۔ حُب کا عجمی تصور ''محبت'' یا ''عشق'' ہوتا ہے۔ یعنی حصول خلافت میں ـــــ حصولِ مشاہدہ ـــــ مشاہدہ اسرار الٰہی ـــــ معرفت الٰہی ـــــ اسماء کلھا کا مشاہدہ ـــــ مقصود ہے۔ اس حصول میں نبی کی پیروی شرط ہے۔ اور پیروی کیلئے بیع شرط ہے ـــــ اور اسکے بعد پیروی میں نبی کی اطاعت اس درجہ ہو ـــــ کہ انسانی مقصود میں یہی ایک تصور باقی رہے ـــــ کہ نبی سے اس درجہ تعلق و نسبت قائم کی جائے ـــــ کہ اپنی تمام خواہشات کے مقابلہ میں۔ نبی کے ارشادات کی تکمیل فرض سمجھے ـــــ تو اسکا طریقہ یہ ہے ـــــ جیسا کہ تابعینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا کے قرآنی بیان

[ا] سودا سے مراد رسول کے احکام کی پیروی میں۔ مال و جان قربان کرنے تک نوبت پہنچے تو اسے بلا دریغ قربان کر دینا۔

کے مطابق اپنی تمام تر خواہشات۔ مال و جان اور دنیا کی ہر خواہش قربان کر کے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں ـــــ ایک نمونہ عمل پیش کیا ـــــ ہر فرد نے محبت کی حد تک آپؐ کی پیروی کی ـــــ اس پیروی میں ہر فرد کے قلب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس قدر محبت پیدا ہوئی۔ کہ آپ کے مقابلہ میں۔ آپؐ کے ارشادات کی تعمیل و تکمیل میں اپنے قلب و ذہن میں کسی اور تصور کو جگہ نہ دی ـــــ اس حُب کے متعلق ایک حدیث نبوی میں بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ نہیں مومن ہوسکتا تم میں سے ایک بھی جب تک محبت نہ رکھے مجھؐ سے اپنی اولاد اور والدین اور ہر شے سے زیادہ ـــ یہ حب ایسی ہی ہے۔ جیسی اولاد اور ماں باپ اور ہر شے سے کی جاتی ہے یہ حب مومن بننے کیلئے شرط ہے ـــ یہی حُب کا طریقہ ہے ـــــ یہی طریق حصولِ خلافت ـــــ حصولِ معرفت ـــــ حصولِ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ مشاہدہ اسماء کلھا ہے ـــــ کہ شریعت ـــــ ارشاداتِ نبی کی تعمیل کے ساتھ نبی سے نسبتِ خاص قائم کر کے نبی سے حب کی جائے ـــــ اِسی حُب کے جذبہ کے ساتھ ـــ قوتِ مشاہدہ حاصل ہونے کیلئے ـــــ انسانی قلب و ذہن میں۔ ایک نبی کا تصور باقی رہے ـــــ یہی تصور ـــــ بمنزلہ عبادت ہے ـــــ یہ ایک خصوصی طریق۔ معرفت حاصل کرنے کا ہے [1] ـــــ اسی تصور و حب کو طریقت سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ کہ روحانی طور نبی کی روح سے نسبت

---

[1] درحقیقت حقیقی جذبۂ حب ایک ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود سے رابطہ و اتصال کرنے کا ـــــ جذبۂ حب انسانی ذہن (روح) پر ایک لطیف کیفیت پیدا کرتی ہے۔ اور ذہن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تصور (روحانی) کرتا ہے۔ تو جذبۂ حب کے ذریعہ اس میں وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے ذہن (روح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود سے رابطہ قائم کرتا ہے اور اس طرح ایک طالب روحانی وجود کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اسی مشاہدہ کو دیدارِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ البتہ اس تصور میں حُب کے ساتھ تصور پیر لازمی ہے۔ یہ اسلئے کہ اجرائے شریعت محمدیؐ میں ہر زمانہ میں ہر انسان کیلئے۔ دین محمدیؐ کی پیروی لازمی ہے جس میں قرآن و حدیث سے ہدایت و حقیقت کی راہ پانے کیلئے راہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس راہنمائی کیلئے ایک رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ رسول کے بعد۔ رسول کے خلفا۔ نائب رسول۔ بحیثیت عالمِ امت سے ہی یہ راہنمائی حاصل ہونا مقرر ہے۔ لہٰذا وقت کے عالمِ امت کی پیروی اسی طرح لازم ہے جس انداز سے رسول کی پیروی کی جاتی ہے۔ ایسے عالم کو اصطلاح طریقت میں پیر کہا جاتا ہے۔ پیر کا روحانی وجود۔ رسول اللہ کے نوری وجود سے قرب پا چکا ہوتا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی جائے۔یعنی انسانی روح رحمانی ــــ نبی کی روح سے رابطہ ونسبت قائم کرے ــــ تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا ــــ کہ شریعت کی تابعداری کے ساتھ چند خصوصی احکام پرعمل کرنے سے روح رحمانی کی رسول کی روح

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہے ــ اسلئے زیارتِ رسول یا رابطۂ روحانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حاصل کرنے کیلئے پیر کے روحانی وجود (روح رحمانی) کو واسطہ یا وسیلہ بنا کر طالب اپنے روحانی وجود (روح رحمانی) کا پیر کی روح رحمانی سے رابطہ قائم کرلیتا ہے۔اس رابطہ واتصال کی حقیقت یہ ہے۔کہ طالب کی روح رحمانی پیر کی روح رحمانی میں جذب ہوکر اتنی قوت وہیئت حاصل کرلیتی ہے۔جتنی پیر کی روح میں پائی جاتی ہے۔اس جذب سے ہی آئندہ طالب کی روح بمنزلہ پیر کی روح کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح سے نسبت واتصال پیدا کرسکتا ہے۔بغیر اس طریق کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح سے طالب کی روح کا رابطہ ممکن نہیں ہوسکتا ــ بہ الفاظ دگر پیر کی روح رحمانی مثل ایک برتن کے ہے۔کہ بغیر برتن پانی آگ سے رابطہ رکھ کر حرارت حاصل نہیں کرسکتا ــ گویا درمیانی واسطہ ووسیلہ ہی دو روحوں کے اتصال کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔بغیر اس واسطہ کے اتصال ممکن نہیں ــ اور اسکے لئے طالب کو نسبت پیر میں۔پیر سے حُب رکھنا ضروری ہے۔ پیر سے حب رکھنے میں۔اول تصور پیر میں پیر کی روح سے نسبت کرنی لازمی ہے۔تصور پیر سے مراد۔اصلاً۔یہ ہے۔کہ یہ ایک طریق روح سے روح کو نسبت دینے کا ہے۔اس طریق کا اشارہ قرآن میں فَتَابَ عَلَيْهِ کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔کہ توجہ کرنا ــ یا ایک طالب کا پیر کی روح سے رابطہ قائم کرنے کیلئے۔ذہنی تصور کے ذریعہ۔اسکی صورت (روحانی صورت) کا عکس حاصل کرنا۔جس سے مراد یہ ہے۔کہ ذہنی توجہ کے ذریعہ روح حیوانی پر پیر کی روح کا عکس حاصل کرنا ــ جیسے نفسیات کی رو سے (یا طریقت کی رو سے) ایک عامل فضائے ایثری کے ذریعہ کسی ماضی یا روحانی کیفیت وہیئت کا روح حیوانی سے مشاہدہ حاصل کرتا ہے۔یہ مشاہدہ روح حیوانی کا اس کیفیت کی طرف توجہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔بہ الفاظ دگر توجہ کرنے میں ــ ذہن میں اس کیفیت کا تصور قائم کیا جاتا ہے۔گویا۔توجہ اور تصور ایک ہی کیفیت ہے۔اسی تصور کے ذریعہ پیر کے روحانی وجود ــ روح حیوانی ــ سے رابطہ کیا تو اسے تصور خیالی سے بھی تعبیر دیا جاتا ہے ــ اسکے بعد ایک طالب اپنی روح رحمانی سے پیر کی روح رحمانی کا تصور کرتا ہے۔تو دونوں روحوں کا آپس میں رابطہ قائم ہوتا ہے۔ پیر کی روح چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح سے رابطہ حاصل کئے ہوتی ہے۔بہ الفاظ دگر پیر کی روح رحمانی پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود کی توجہ جاری ہوتی ہے۔تو یہی نوری عکس ایک طالب جب پیر کی روح سے نسبت قائم کرے۔اسے مشاہدہ میں آتا ہے جسے زیارتِ رسولؐ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔چونکہ طریق طریقت میں رسول سے نسبت کرنے کا یہی واحد ذریعہ ہے۔اسلئے اس ذریعہ کے بغیر ایک طالب بغیر ایک عالمِ امت۔خلیفہ رسولؐ۔عالمِ ملکوت۔اور اسماء کا مشاہدہ کرنہیں سکتا۔اسلئے اسماء کلها کے مشاہدہ کرنے کیلئے تصور پیر (عالم امت) لازمی ہے۔

سے نسبت و قربت قائم ہو جاتی ہے ــــ اس طریق عمل میں ۔اصل عمل قرآنی احکام کی پابندی میں۔ خصوصی احکام ۔نماز۔روزہ۔زکوٰۃ وحج مقرر ہیں۔ان احکام کی تکمیل کے بغیر۔حصولِ خلافت۔حصول معرفت۔حصولِ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــ مشاہدۂ اسماء کلھا ممکن نہیں ہوسکتا۔ان احکام سے ماسویٰ حصولِ معرفت کیلئے احکامِ قرآنی کے مطابق زائد عبادات مقرر کی گئی ہے۔جس میں ۔اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط (قائم کر نماز سورج غروب ہونے سے رات گہری ہونے تک اور صبح کو قرآن پڑھ) ایک خصوصی عمل شامل ہے۔اس عمل میں ایک عالمِ امت۔ایک راہبرِ اکمل کی راہنمائی اشد لازمی ہے۔بغیر راہبر یہ عمل نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا ـــ راہبر اس عمل کے ذریعہ انسان کو طریقِ مشاہدۂ قلبی بتاتا ہے۔جو ''حُب'' کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔اسی کیفیت کو علمِ طریقت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔یعنی معرفت و مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل کرنے کا ایک مخصوص طریق ـــ جسے علمِ معرفت یا علمِ طریقت کہا جاتا ہے ـــ اسکی ترکیب یہ ہے۔کہ طالب حق۔طالبِ معرفت ایک راہبر کی تقلید و راہنمائی میں ـــ نماز۔ روزہ۔ادا کرنے کے بعد رات جاگتا ہے۔اور اَقِمِ الصَّلٰوۃَ نماز پڑھتا ہے۔جسے قرآن نے فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ (پس رات کو جاگ کر نماز ادا کریں یہ اصل احکام سے ماسویٰ زائد عبادات میں شامل ہے) میں بیان کیا۔یہ اسلئے کہ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلاً ط رات کا جاگنا ایک کٹھن کام ہے۔جس سے انسانی وجود کی تمام مادی کثافتیں (جو روحانی مشاہدہ میں حائل ہیں) کچل کر رہ جاتی ہیں۔اور انسانی جسم و روح لطیف و پاکیزہ ہو جاتے ہیں اسکے ساتھ ہی قرآنی حکم کے مطابق وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔رات کے آخری حصہ میں آیات قرآنی کا ورد و وظیفہ پڑھنے سے ان آیات کی نوری ہیئتیں مشاہدہ میں آتی ہیں ـــ اس وظیفہ میں قرآنی آیات الم سے آخری آیت والناس (سورۃ الناس) تک جو بھی حرف پڑھا جائے ان الفاظ میں ایک نوری کیفیت پائی جاتی ہے۔یا ان الفاظ کا ایک نوری وجود عالمِ باطن میں محسوس ہوتا ہے۔اسی کیفیت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔الفاظِ قرآنی کی یہ نوری کیفیتیں بھی اسماء کلھا یا اسرار الٰہیٰ میں شامل ہیں جو یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ کے معنی میں پوشیدہ ہیں ـــ یعنی اسماء کلھا کی کیفیت انہیں قرآنی الفاظ کے انوار کی شکل میں مشاہدہ ہوتا ہے ـــ اس زائد عبادات پر عمل کرنے کیلئے ہی ایک راہبر کی راہنمائی ضروری ہے۔کہ راہبر انسانی

طبیعت کے مطابق ہر شخص کو اسکی قوت کے مطابق عمل بتاتا ہے ــــ اور خصوصی طریقِ راہنمائی میں۔ایک راہبر ایک طالب کو ایک طرف احکام کی تعمیل کا طریقہ سکھاتا ہے۔ دوسرے مشاہدہ حاصل ہونے کیلئے قرآنی حکم کے مطابق وَیُزَکِّیۡھِمۡ وَ یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ انسانی جسم و روح کو پاکیزہ بنانے کیلئے ایک خصوصی ترکیب استعمال کرتا ہے۔جس سے کتاب کا علم ــــ ایک تو ظاہری احکام کی پیروی کا طریقہ۔دوسرے آیاتِ قرآنی کے انوار کا مشاہدہ تیسرے الحکمۃ عالمِ باطن کی چھپی ہوئی کیفیتیں جو آیات قرآنی کے انوار کی ہیئتوں میں مشاہدہ کی جاتی ہیں مشاہدہ کراتا ہے۔ایک عالمِ امت۔ایک راہبرِ طریقت کا طریق تزکیہ۔ایک مخصوص طریق ہے۔ جسے ''توجہ'' کہا جاتا ہے۔قرآن میں اس ''توجہ'' کی ترکیب فَتَابَ عَلَیۡہِ ط اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ (پس پھر آیا امر اسکے تحقیق وہ توجہ کرنے والا ہے) سے ظاہر ہوتی ہے ــــ دوسرا تصور توجہ کا اس آیت میں بھی پایا جاتا ہے۔وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ ''کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ ــــ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ میں ایک توجہ کی ترکیب پائی جاتی ہے۔اسی طرح ایک راہبر ایک طالب پر توجہ کرتا ہے ــــ یہ توجہ روح سے ہوتی ہے ــــ روح میں۔روحِ رحمانی سے جسکا مخزن انسانی قلب ہوتا ہے ــــ تو اسکی ترکیب یہ ہے۔کہ راہبر ایک طالب کے قلب پر جہاں روحِ رحمانی کا مخزن ہے۔اپنے قلب کے نور (روحِ رحمانی) کی ایک شعاع طالب کے قلب میں داخل کرتا ہے یعنی اپنی روحِ رحمانی کی ایک شعاع طالب کی روح رحمانی پر ڈالتا ہے۔اس شعاعِ نوری کا اثر یہ ہوتا ہے۔کہ انسانی روحِ رحمانی ــــ اور روح حیوانی میں لطافت و قوت پیدا ہو جاتی ہے۔اور یہی نوری شعاع روح حیوانی میں داخل [1] ہو کر انسانی جسم میں لطافت و پاکیزگی پیدا کرتی ہے ــــ یہ ایک خاص طریقِ ''توجہ'' ہے جس سے ایک طالب میں قوتِ مشاہدہ پیدا ہوتی ہے۔اسکے لئے ایک طالب کیلئے بھی یہ ضروری ہے۔کہ اس عمل میں قرآنی آیات میں جو حرف یا آیت ایک راہبر ورد کرنے کو بتائے۔ورد کرتے ہوئے۔اپنے راہبر یا پیر اکمل کی طرف متوجہ ہو جائے۔اس متوجہ ہونے کا طریق یہ ہے۔کہ

---

[1] جیسے ایک مریض کے جسم میں سورج یا بجلی (برقی) کی شعاع داخل کرکے انسانی جسم کا علاج کیا جاتا ہے یا جسطرح سرد موسم میں سورج کی شعاعیں انسانی جسم میں داخل ہو کر حرارت کو بڑھا کر جسم گرم کرتی ہیں۔

طالب ــــ آنکھیں بند کر کے ــــ یکسو ہو کر ــــ پیر کی صورت کا تصور کرتا ہے۔ اس تصور سے مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ اپنے ذہن میں ایک صورت کا وجود قائم کر کے۔ جیسے عالمِ خیال میں اپنے کسی عزیز کا تصور آتا ہے۔ کہ اسکی صورت ذہن میں سما جاتی ہے ــــ اس تصور کی ضرورت اسلئے ہوتی ہے ــــ کہ انسانی وجود میں مشاہدہ کرنے کی قوت انسانی ذہن ہے۔ انسانی ذہن مرکز و مخزن ہے روحِ حیوانی کا یعنی مشاہدہ اصل روح حیوانی ہی سے ہوتا ہے۔ انسانی ذہن میں مشاہدہ کرنے کی ایک فطری ترکیب یہ ہے۔ کہ کیفیت حافظہ سے گزر کر عقل یا شعور میں داخل ہوتی ہے۔ شعور میں کیفیت داخل ہونے سے ہی مشاہدہ میں آتی ہے۔ اسلئے ضروری ہے۔ کہ حافظہ و شعور کو اس حالت پر لایا جائے کہ وہ باطنی نوری کیفیات کو حاصل کرنے کی صلاحیت پائیں ــــ اسی کیفیت کو حاصل کرنے کیلئے ''تصور'' کیا جاتا ہے۔ تصور کا ابتدائی طریق تصورِ خیالی سے ہوتا ہے ــــ کہ پیر اکمل کی توجہ حاصل کرنے کیلئے۔ انسانی قلب ــــ حافظہ۔ شعور کو قوی و پاکیزہ کیا جائے ــــ پاکیزہ کرنے کیلئے۔ پیر کی روح رحمانی سے رابطہ کیا جائے ــــ رابطہ کرنے کیلئے۔ پہلے پیر کے ظاہری وجود کا تصور کیا جائے۔ ظاہری تصور سے مراد۔ پیر کی اس صورت کو حافظہ سے شعور پر لایا جائے۔ جو پیر کی پہلے دیکھی صورت حافظہ میں جمع ہے ــــ پیر کی صورت بار بار حافظہ سے شعور کی طرف لانے سے حافظہ میں یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ارادہ کے ساتھ ایک جمع شدہ کیفیت کو شعور پر لا کر تصورِ خیالی کو مضبوط کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے قبل انسانی ذہن منتشر الخیال اور کمزور ہوتا ہے۔ کمزوری کی حالت میں حافظہ میں خیالات یکسو کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی ــــ اس طریق کو یکسوئی [1] کرنا

---

[1] یکسوئی۔ دین کی پابندی میں مشاہدہ کی قوت حاصل کرنے کیلئے۔ یکسوئی اور تصور کا یہی طریقہ ہے۔ کہ پیر کا تصور کیا جائے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً اور ذکر کر اپنے رب کا یکسوئی کے ساتھ کہ ذہن میں باقی تصورات و خواہشات شعور کے سامنے نہ آسکیں اس ذکر میں تصور اللہ اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کا تصور کرنا لازمی ہے ــــ اس ذکر میں خواہ مشاہدہ کا مقصد ہو۔ یا بغیر مشاہدہ ذکر ہو۔ بہر حال ذکر کے ساتھ تصور ضروری آتا ہے۔ لہذا تصور شرعاً بھی جائز ہے البتہ جہاں خصوصی طور مشاہدہ کرنا مقصد ہو تو اسی حکم وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ کے ارشاد و تصور ذات حاصل کرنے کیلئے۔ وسیلہ رسول۔ اور نسبت پیر سے ہی ذکر کی حقیقی تکمیل ہوتی ہے۔ کہ تصور پیر سے قوت مشاہدہ ــــ روحانی نسبت۔ قرب و وصال رسولؐ اور اسکے نتیجہ میں مشاہدہ و وصال ذات ہو جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے ــــ اور جب حافظہ اس قابل ہو جاتا ہے۔ کہ اپنی جمع شدہ کیفیت سے پیر کی صورت کو مستقل طور سامنے لاتا ہے۔ تو اسے تصورِ خیال کی پختگی کہا جاتا ہے۔ اسی تصور کے ساتھ طالب ــــ نماز ــــ روزہ ــــ رات کے جاگنے اور ارشاد کردہ قرآنی آیات کا وظیفہ شروع کرتا ہے ــــ اور پیر اپنی طرف سے طالب کے قلب و ذہن پر اپنی قلبی (نوری) توجہ ڈالتا رہتا ہے ــــ اس طرح پیر کی قلبی روح (نوری شعاع) طالب کے قلب (روح رحمانی) پر وارد ہوتی ہے ــــ ادھر طالب پیر کے تصور میں یکسوئی حاصل کرتا ہے۔ تو پیر کی روحانی شعاع جو طالب کے قلب پر وارد ہوتی ہے ــــ قلب سے ذہن کا رابطہ ہو کر یہی روحانی ہیئت پیر کی صورت میں حافظہ پر آتی ہے ــــ گویا اس تصور میں ایک روحانی قوت و ہیئت ہی ہے جو انسانی قلب پر وارد ہو کر حافظہ میں آتی ہے ــــ یہی صورت حافظہ سے شعور میں داخل ہوتی ہے ــــ یہی صورت ہے۔ جو پیر کی شکل میں مشاہدے میں آتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ طالب پیر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے ــــ کہ تصور خیالی میں پیر کی وہ صورت مشاہدے میں آتی ہے۔ جو قبل حافظہ میں جمع ہوتی ہے۔ تصور و یکسوئی سے مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ پیر کی صورت سامنے لائی جائے۔ اس صورت کو شعور کے سامنے لانے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ علمِ طریقت میں مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل کرنے کی یہ ایک حقیقی ترکیب ہے۔ جو ابتداءً کرنی ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اس ترکیب۔ بغیر پیر اکمل طریق مشاہدہ حاصل ہونا ممکن نہیں ہو سکتا۔ گویا تصور پیر طالب کیلئے اصل عمل نہیں بلکہ طریقِ عمل ہے۔ اس طریقِ عمل میں مقصود مشاہدۂ اسرار الٰہی یا مشاہدۂ ذات الٰہی ہے ــــ اور جب قلب کے ذریعہ پیر کی صورتِ روحانی مشاہدہ کرنے کی استطاعت پیدا ہوئی۔ تو یہ تصور۔ تصورِ حقیقی کہلاتا ہے۔ اور یکسوئی کر کے قلب سے حافظہ و شعور پر پیر کی روحِ رحمانی کی صورت جو بعینہٖ پیر کی شکل میں محسوس ہوتی ہے ــــ حاصل کرنا۔ مراقبہ سے تعبیر ہوتا ہے ــــ اس مراقبہ میں قلب و ذہن کا رابطہ کیا جاتا ہے ــــ اسکے ساتھ ہی تصور پیر حاصل کرنے کیلئے طالب کی روحِ رحمانی کا پیر کی روحِ رحمانی کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کیلئے ایک خاص کیفیت وہی ''حُب'' ہے۔ جو ایک نبی و رسول کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ جس طرح مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل کرنے کیلئے ایک نبی کی راہنمائی میں آپؐ کے تابعین نے اُمَّةً وَّسَطًا ــــ اور وَطَآئِفَةٌ ''مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ کی حیثیت میں عبادت کے ساتھ ''حُب'' استعمال کی اسی طرح اُمَّةً

وَّسَطًا کی حیثیت میں ایک تابعِ نبی بحثیت قائم مقام ــــ خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔اور خلیفۂ رسول اللہ کی حیثیت میں ایک طالب کو نائبِ رسول کی اطاعت میں اس سے حُب کو قائم کرنا ضروری ١؎ ہے۔اس حُب کا تاثر وہی ہے۔جو انسانی قلب میں۔اولاد۔ماں باپ اور ہر شے کیلئے ہوتا ہے ــــ ایسا ہی تاثر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حاصل کیا ــــ ایسا ہی تاثر اس طائفہ (جماعت) نے حاصل کیا جو آپؐ کے ساتھ راتوں کی عبادت میں شامل رہے۔یہی خاص جماعت ہے۔جو بحثیت خلیفہ اُمت کو ہر زمانہ میں علم طریقت پہنچائینگے۔ ــــ سکھائینگے اور انہیں سے امت کو مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل ہوگا۔لہذا ایسے خلیفۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے طریقِ معرفت میں حُب استعمال کرنا ضروری ہے اور حُب اسلئے استعمال کرنا ضروری ہے۔کہ بغیر اسکے طالب کی روح کو پیر کی روح سے نسبت و رابطہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

حُب کا طریق یہ ہے۔کہ جس طرح اصحاب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کر کے ہر شے کی محبت سے نفی کر دی۔اسی طرح طالب کیلئے لازم ہے۔کہ مشاہدۂ اسرار الٰہی اور مقامِ خلافت حاصل کرنے کیلئے اپنے ذہن میں انتہائی جذبۂ حصول معرفت پیدا کرے۔یہی انتہائی جذبۂ حصولِ معرفت سبب بنتا ہے حُب پیدا کرنے کا۔جس میں انسان کائنات کی کسی اعلےٰ سے اعلےٰ خوبصورت سے خوبصورت شے سے یکسر نظر ہٹا کر دل میں وصالِ الٰہی ــــ دیدارِ الٰہی ــــ معرفتِ الٰہی کا جذبہ پیدا کرتا ہے ــــ یہی لگن انسان کو حقیقت کی طرف مائل ہونے میں معاون بن جاتی ہے ــــ اسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے۔طریق معرفت۔علم معرفت حاصل کرنے کیلئے ایک عالم۔ایک پیر سے رجوع کیا جاتا ہے ــــ اسی جذبہ۔اسی لگن کی ایک جز۔ایک عکس۔ایک سایہ ہے۔جو محبتِ پیر کی شکل میں قلب پر نمودار

١؎ اسی کیفیت کے مطابق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ــــ اور قرآن نے اسی حب کی طرف اشارہ کیا قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط (پارہ ١٠ سورۃ ٩ آیت ٢٤)

ہوتا ہے۔اسی کیفیت کو محبتِ پیر سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــ گویا۔یہ جذبہ۔یہ لگن ہی اصل بنیاد ـــ اور ابتدأ ہے۔وصالِ الٰہی کے حصول کی۔اسلئے تصور پیر میں ـــ جب حُب کے ساتھ مراقبہ کیا جائے۔تو طالب کی روحِ رحمانی کا پیر کی روحِ رحمانی سے رابطہ ہو جاتا ہے۔ظاہر ہے۔پیر کی روحِ رحمانی کا مرکز پیر کا قلب ہے۔تو طالب کو تصور پیر حاصل ہو جاتا ہے۔تو تصور پیر حاصل ہونے کی غرض وغایت کیا ہے ـــ؟ ـــ وہ یہ کہ پیر اکمل کی روح رحمانی مشاہدۂ اسرار الٰہی میں ـــ ذات الٰہی تک صراط اللہ۔یا صراطِ مستقیم کا تمام سفر طے کر چکی ہوتی ہے۔اسکا مقام ومرتبہ ذاتِ الٰہی تک ہوتا ہے۔تو ضروری ہے۔پیر اکمل کی صورتِ روحی (نوری) کے تصور کے ساتھ اسکا مقام بھی مشاہدہ میں آتا ہے۔یہی کیفیت اصل مقصد ہے۔کہ تصور پیر ـــ پیر کی روح رحمانی سے وصال و جذب حاصل کر کے وہ مقام حاصل کیا جائے۔جو پیر کی روح رحمانی نے حاصل کیا ہے۔یہی مقصد تصور پیر میں ہے ـــ کہ اسی تصور کے ساتھ طالب صراط اللہ کے طے کرنے میں پیر اکمل کے ساتھ چلتا ہے۔

مشاہدۂ اسرار الٰہی میں صراط اللہ اللہ کا راستہ عالم ناسوت۔عالمِ ملکوت۔عالم جبروت۔عالم لاہوت سے ہوتا ہے۔اسلئے طالب نے انہیں مراحل سے گزر کر اسرار الٰہی۔ذات الٰہی کا مشاہدہ کرنا ہے ـــ تو پیر کی روح سے نسبت حاصل کر کے ہی پہلے طالب عالم ناسوت کی منازل مشاہدہ کرنا شروع کرتا ہے ـــ یعنی طالب مراقبہ سے مشاہدہ کی ابتدأ کر کے تصور پیر کرتا ہے تو اولاً پیر کو عالمِ ناسوت میں اپنے ساتھ پاتا ہے۔یا پیر کے ساتھ عالمِ ناسوت کی منزل مشاہدہ کرتا ہے۔یہاں تک کہ عالمِ ناسوت کی اکتالیس منزلیں مشاہدہ کرتا ہوا ان سے گزر جاتا ہے۔

عالمِ ناسوت کی اکتالیس منازل طے کرنے کے بعد۔عالمِ ملکوت کی ابتدأ ہوتی ہے۔عالمِ ناسوت کی بعض ابتدائی منزلیں ایک غیر مسلم۔بغیر پابندی دین کے روح حیوانی سے مشاہدہ کر لیتا ہے ـــ اور یہ مشاہدہ انسان کی اپنی محنت سے بھی حاصل ہوتا ہے جس میں کسی راہبر یا پیر کی ضرورت نہیں پڑتی۔صرف چندے۔پابندی خواہشات۔فاقہ اور خاص کر رات کو جاگنے سے روح حیوانی میں مشاہدے کی صلاحیت پیدا ہو کر عالمِ ناسوت کے چند مناظر مشاہدے میں آتے ہیں۔لیکن اس طریق میں کئی نقائص اور خطرات بھی پیدا ہوتے ہیں ـــ بغیر دین کی پابندی ـــ اور بغیر پیر اکمل کی راہنمائی

کے جب انسان عقلی حدود سے باہر کی روحانی کیفیات مشاہدہ کرتا ہے۔ لاعلمی کی وجہ سے خود انسان پر حیرت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ ایسی کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جسکا اسکے ذہن میں نہ پہلے کوئی تصور ہوتا ہے ۔ نہ ایسی کیفیتیں ظاہری دنیا میں دیکھی ہوتی ہیں اسلیئے وہ ان کیفیتوں کی اصل حقیقت کو عقلی طور سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اور جب ان کیفیتوں کو عقلی طور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو عقلی۔ علمی وسعت نہ ہونے کے باعث وہ ان کیفیتوں کو سمجھنے میں دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اور غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ مثال کے طور۔ عالمِ ناسوت کی ابتدائی منزل میں۔ ایک شاہد کو ایک عظیم نور مثل سورج کے مشاہدے میں آتا ہے۔ وہ اس نور کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا کہ یہ نور کس نوع کا ہے اس کے ساتھ ہی۔ مختلف قسم کے مقامات تمثیلی شکل میں۔ باغات۔ دریا ۔ اور فضائے آسمانی (جو روحانی ہیئت میں ہوتی ہے) کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی عالم میں۔ انسان زمین کے اطراف میں پرواز کرتا ۔ زمین کے خزانے دیکھتا۔ مردوں (قبروں) کے حالات دیکھتا ہے۔ یہ انوکھی کیفیتیں دیکھنے پر انسان اپنے آپ کو ایک عظیم ہستی تصور کرنے لگ جاتا ہے ۔ اور اپنے آپ کو مافوق الفطرت ہستی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ تو ایسا شخص اپنی برتری کا دعویٰ کرنے لگ جاتا ہے۔ ایسے عالم میں بعض مقامات پر مختلف اقسام کے انوار (روشنیاں) سبز۔ سنہری۔ سرخ۔ نیلے رنگ کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ جنہیں انسان سمجھ نہیں سکتا۔ اور اپنی عقلی تاویل میں۔ ایسی کیفیات کو عظیم مراتب تصور کرنے لگ جاتا ہے ۔ اسی زعم میں انسان طریقت سے متعلق اونچے مراتب کا دعویٰ کرنے لگ جاتا ہے۔ چونکہ یہ مشاہدہ اور کیفیات طریقت۔ یا علمِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے ہی مقامات وکیفیات کے مشاہدے میں انسان اپنے آپ کو ولی اور نبی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اسکا اصل سبب۔ پیر اکمل کی راہنمائی حاصل نہ ہونا ہے۔ کہ بغیر پیر کے ایک شخص یا تو اس میں عام آدمیوں کے مقابلہ میں قدرتی طور مشاہدہ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اور وہ عالمِ ناسوت کے منازل ومناظر مشاہدہ کرتا ہے۔ اور لاعلمی کی وجہ سے جبکہ اسے راہنمائی حاصل نہیں ہوتی اپنی عقلی تاویل سے مناظر وکیفیات کی غلط تشبیہات دیکر غلط دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ جو ایک شخص کی گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ اور اس مقام پر انسان غلط فہمی میں مبتلا ہو کر۔ مہدی ۔ عیسیٰ۔ موسیٰ وغیرہ انبیاؑ سے نسبت کا دعویٰ کرنے لگ جاتا ہے۔ ایسے ہی موقع پر ایک شخص نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ اور ایسے ہی موقع پر بعض لوگ اپنے آپ کو ولی سمجھ کر فقیری کا سلسلہ

چلانا شروع کرتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ شریعت محمدیؐ میں ۔خلل واقع ہونے کا احتمال ہو جاتا ہے۔ عوام الناس ایسے مافوق الفطرت واقعات سے متاثر ہو کر ایسے لوگوں کی پیروی کرنا شروع کرتے ہیں ـــ اور جیسے کہ یہ لوگ بغیر دین کی پابندی کے مشاہدات حاصل کرتے ہیں۔ تو عوام الناس میں یہ تصور قائم ہو جاتا ہے۔ کہ بغیر شریعت کی تابعداری کے بھی علمِ طریقت۔ یا مشاہدۂ اسرار الٰہی ہو سکتا ہے ـــ دوسرے یہ کہ بعض حالتوں میں شریعت کی پابندی کو حصولِ معرفت میں لازم نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ شریعت کو طریقت کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ اس طریق میں انسان دین کی پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ اس لئے عوام ایسے طریق کو اپنانے میں آسانی پاتے ہیں۔ اور کثرت سے لوگ اس طریق کو قبول کر کے غلط راہ پر چلے جاتے ہیں ـــ اس طریق کا یہ اثر بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص غلط دعویٰ کے ساتھ۔ شریعت کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ جنہیں اصل طریقت سمجھا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ ایسا شخص اپنی طاقت کو حصول دنیا میں صرف کر کے کثیر دولت کا مالک بن جاتا ہے ـــ اور پشت در پشت۔ سلسلہ در سلسلہ جب یہ طریق رائج ہو جاتا ہے تو آئندہ قائم مقام خلفاء میں۔ جب حقیقی علم و عمل استعمال نہ ہوا ایک مصنوعی ولی کی قبر کو مرجع خلائق بنا کر دولت و امارت کے حصول کی ہوس پیدا ہو کر ایک گمراہ کن طریق کا اجراء ہو جاتا ہے۔ اور عوام الناس بوجہ لاعلمی اس طریق کو مبنی بر حقیقت سمجھ کر بت پرستی کی حد تک لے جاتے ہیں ـــ ایسا شخص بغیر دین کی پابندی۔ بغیر راہنمائی کے اگرچہ عالمِ ناسوت کی کئی منازل مشاہدہ کرے۔ ولی۔ خلیفہ یا نبی کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ ہی لاعلمی کی وجہ سے مہدی یا نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جس سے امت میں فتنہ پیدا ہو جاتا ہے ـــ البتہ۔ ضروری ہے۔ کہ صراط اللہ میں ـــ جب عالمِ ناسوت کی منازل کا انکشاف ہو۔ ایک پیر اکمل کی راہنمائی ـــ شریعت کی پابندی۔ اور خلوص نیت سے۔ تزکیہ مجاہدہ۔ فاقہ۔ رات جاگنا۔ عبادت کی کثرت۔ جسمانی روحانی پاکیزگی پر عامل ہو۔ تو ایسا شخص عالمِ ناسوت کی منازل طے کرنے میں پیر اکمل کی راہنمائی میں۔ پیر اکمل سے ہر کیفیت کے مشاہدہ میں راہنمائی و واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔ ایسا شخص کسی قسم کا غلط نظریہ نہیں پا سکتا۔ بلکہ کیفیات کی اصل حقیقت سے آگاہ ہو کر واقفِ اسرار ہو جاتا ہے ـــ یہاں تک کہ عالم ناسوت کی اکتالیس منزلیں طے ہو جاتی ہیں ـــ ایسے شخص کیلئے بھی طریقت کی رو سے کسی قسم کا دعوائے ولایت یا فقر جائز نہیں۔ کیونکہ عالمِ ناسوت کی

منازل طے کرنے سے ولی نہیں کہلایا جاتا ___ جب تک کہ روح رحمانی کے ذریعہ عالمِ ملکوت میں داخل نہ ہو۔ تو عالمِ ملکوت میں بغیر پیر اکمل کی نسبت و راہنمائی کے طالب داخل نہیں ہوسکتا ___ کیونکہ ___ عالم ملکوت خالص ملکوتی اور نوری مقام ہے ___ عالم ملکوت۔ طریقت کی اصطلاح میں۔ مقامِ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ یعنی عالمِ ملکوت کی ابتدائی منزل ___ روضہ مطہرہ مدینہ منورہ سے ہوتی ہے ___ اس مقام پر پیر اکمل کے تصور کے ساتھ روضہ مدینہ منورہ کا تصور (تصور خیالی) کرنا ہوتا ہے ___ یا صرف تصور پیر کرنا ہوتا ہے ___ تصور پیر میں جب پیر کا تصور حقیقی ہو۔ اور پیر کا روحانی وجود مشاہدے میں آئے۔ تو پیر طالب کو اپنی ہمراہی میں روضہ مدینہ شریف کے اندر داخل کرتا ہے۔ روضہ مقدس کی حقیقی ___ باطنی ہیئت ___ ظاہری ہیئت (جس میں صرف تین قبریں دیکھنے میں آتی ہیں) سے مختلف مشاہدے میں آتی ہے۔ یہاں ایک طالب اپنے پیر کی معیت میں ایک عظیم اجلاس دیکھتا ہے۔ جس میں ظاہری اجلاس کی مانند روحانی اجلاس ہوتا ہے۔ اس اجلاس میں وہ تمام فقراً۔ یا اولیاً موجود ہوتے ہیں۔ جو صراط اللہ کی راہ روی میں۔ عالمِ ملکوت میں داخل ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ سب حسبِ مراتب کرسی نشین ہوتے ہیں اور صدر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ جہاں ایک پیر اپنے طالب کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتے ہیں ___ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم مرید کو قبول فرما کر ولایت کی ایک سند اور خلعت عطا فرماتے ہیں۔ اسی سند اور خلعت سے ایک طالب ولی کہلاتا ہے۔ اسے ولی کامل کہا جاتا ہے ___ یہ مقام عالمِ ملکوت کی ابتدائی منزل ہے ___ اس مقام کے حصول کے بعد ایک طالب کو عالمِ ناسوت کی کیفیات و مناظر کی طلب و مشاہدہ نہیں رہتی۔ نہ طالب اسکے بعد دنیوی حالات کا مشاہدہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ سوائے اسکے کہ مراقبہ میں براہ راست دربار محمدی صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اسکے بعد مقامات و مراتب حاصل کرنے کی سعی میں۔ خصوصی طور۔ شریعت کی پوری پابندی۔ کثرتِ عبادت۔ فاقہ ___ رات کا جاگنا ایک طالب کی زندگی کا شب و روز معمول رہنا ضروری ہے۔ تا کہ عالمِ ملکوت سے آگاہ۔ عالمِ جبروت ___ عالمِ لاہوت۔ یا عالم اسرار الٰہی ___ یا عالم اسماء کلّھا کا مشاہدہ حاصل ہو ___ اسکے لئے مذکورہ عمل۔ شریعت۔ ریاضت و مجاہدہ سے علاوہ خصوصی عمل ''حُب'' ہے۔ جو طالب کو مراتب عطا کرنے والی ہے۔ حُب کے مقابلہ میں۔ باقی عمل۔ کثرت عبادت۔ مجاہدہ۔

تزکیہ وغیرہ یہ عمل مشاہدہ کی قوت کو قائم رکھنے والے ہیں ـــ اسکے مقابلہ میں ''حُب'' کے ذریعہ مرتبہ خلافت یعنی اسماء کلھا کے اسرار تا ذات الٰہی رسائی حاصل ہوتی ہے۔ حُب کا طریقہ وہی ہے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بیان کیا گیا۔ کہ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔

نہیں مومن ہوسکتا تم میں سے ایک بھی یہاں تک کہ محبت کرے ہمؐ سے اولاد۔ ماں باپ اور ہر شے سے زیادہ۔ اس اَحَبَّ کی حد انتہائی محبت ہے۔ کہ اپنی جان۔ مال۔ اولاد ہر شے کی محبت دل سے نکال کر حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت کی جائے ـــ ایسی ہی محبت جیسی کسی باپ کو اپنی اولاد سے۔ کسی اولاد کو اپنے ماں باپ سے۔ کسی عاشق کو اپنے مجازی محبوب سے۔ یہ حُب ایک جذبہ ہے۔ جو دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جسے عام عشق کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے ـــ ایسے جذبہ میں سوائے محبوب کے تصور کے اور کوئی تصور باقی نہیں رہتا ـــ ایسے محبوب کی محبت میں۔ ایک محبت کرنے والا۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واحکام سنتا ہے ـــ تو دل وجان سے اسکی تعمیل کرتا ہے ـــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واحکام میں قرآنی تعلیم۔ احکام خداوندی کی تعمیل اور احادیث کے ارشادات شامل ہیں۔ جنکے پورے کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی حکم دیتا ہے۔ تو ان احکامات کی تعمیل ''حُب'' کے جذبہ سے ہی کاملاً ہوتی ہے ـــ اور پھر اس حُب کے جذبہ میں یہ تاثر ہے کہ سوائے محبوب کے تصور کے اور کوئی دنیوی تصور قلب وذہن پر مسلط نہیں رہتا ـــ اور طریقت میں تصور ہی ایک طریق ہے۔ جس سے مشاہدہ میں تقویت حاصل ہوتی ہے ـــ تو جس قدر ایک طالب کے قلب میں حب کا جذبہ قوی ہو گا۔ اسی قدر وہ صراط اللہ میں مراتب اعلےٰ حاصل کر لیتا ہے۔

حُب ہی اصل عبادت سے تعبیر ہے ـــ حُب ہی طریق طریقت ہے ـــ طریقت میں اصل عمل حُب ہی ہے ـــ مشاہدہ ومراتب کے حاصل ہونے کیلئے حُب ہی ایک مخصوص عمل ہے۔ جو انسان کو مقصد خلافت (خلیفہ) ونبوت عطا کرتا ہے ـــ مقصد خلافت حاصل کرنے کیلئے۔ دین کی پابندی اور ایک راہبر کی راہنمائی لازمی ہے ـــ ایک طالبِ حقیقت کیلئے۔ دین کی پابندی کے ساتھ ایک عالم۔ ایک راہبر کی راہنمائی شرط ہے۔ اسلئے صراط اللہ کی راہ میں گامزن ہونے کیلئے ایک راہبر سے نسبت قائم

کرنا شرط ہے ـــــ اور جب ۔ حُب ۔ ہی طریق عمل ہو ــــ تو ضروری ہے ۔ کہ حُب کو ہی پیر کی تقلید میں استعمال کیا جائے ۔ کیونکہ پیر اکمل قائم مقام ــــ نائب وخلیفہ محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے ــــ اسلئے پیر کی تقلید و پیروی میں بھی حُب کو استعمال کرنا ضروری ہے ۔ کیونکہ بغیر تصور پیر ۔ روحانی نسبت حاصل نہیں ہوسکتی ۔ روحانی نسبت پیر کی حاصل نہ ہو ۔ تو عالمِ ملکوت میں داخل نہیں ہوسکتا ــــ تو طریق طریقت میں تصور پیر سے پیر کی حُب پیدا ہو جاتی ہے ۔ ایسی ہی حُب جیسی حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کرنی ہے ــــ اس حالت میں جب طالب پیر سے حب پیدا کرتا ہے ۔ تو اسکے قلب و ذہن میں سوائے پیر کی محبت کے اور کسی شے سے محبت باقی نہیں رہتی ــــ حصولِ معرفت میں ۔ جب تک ماسویٰ سے محبت ترک نہ کی جائے ۔ انسان معرفت کی راہ پر نہیں پہنچ سکتا ــــ حصولِ معرفت کی ابتدا ۔ پیر کی نسبت سے ہی شروع ہوتی ہے ۔ اسلئے پیر کی پیروی میں ہی ۔ تزکیہ ۔ مجاہدہ ۔ ریاضت ۔ میں ماسویٰ کی خواہش ترک کرنی لازمی ہو جاتی ہے ۔ تو اس ترکِ ماسویٰ میں تصورِ پیر ــــ حُب پیر معاون بن جاتی ہے ــــ ایک انسان نفسانی خواہشات کے غلبہ سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف لگاؤ اور رجوع پیدا کرتا ہے ۔ دوسرے جسقدر پیر اکمل سے محبت کی جائے اسی قدر تصور پختہ ہو جاتا ہے ۔ جتنا تصور پختہ ہو جائے ۔ اتنا ہی طالب کی روح رحمانی پیر کی روح رحمانی کا قرب حاصل کر کے قوی ہو جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ پیر کی روح رحمانی میں جذب حاصل کر کے طالب مانند پیر ہو جاتا ہے ۔ پیر کی روح رحمانی ۔ چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود سے نسبت و جذب پا چکی ہوتی ہے ۔ اس طرح طالب جذبِ پیر کے ساتھ زیارت ونسبتِ محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حاصل کر لیتا ہے ۔ طریق طریقت ــ طریقہ مشاہدۂ اسرار الٰہی میں یہی طریق حصولِ معرفت کیلئے مقرر ہے ۔ جو کہ انسانی پیدائش کا واحد مقصد ونصب العین ہے ــــ اور جب جذبِ پیر میں ۔ نسبتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حاصل ہوئی ۔ تو اس نسبت میں خود بخود حُبِ محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتی ہے ۔ ایسے عالم میں ایک طالب کو اپنے پیر کی روح رحمانی بھی ۔ نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم میں جذب محسوس ہوتی ہے ۔ تو ایسے عالم میں حُب مشترک ہو جاتی ہے ۔ جہاں پیر کا تصور باقی نہیں رہتا ــــ بلکہ حُب حقیقی میں ایک طالب کو محمد رّسول اللہ ﷺ کے وجود نوری میں جب جذب قوی حاصل ہوا ۔ تو مشاہدہ میں اسکا اپنا وجود معدوم محسوس ہوتا ہے ۔ اول حُب کو فنائے شیخ

ـــــ اور آخر حُب کو فنائے محمدیؐ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہی حُب ہے جس سے عالمِ ملکوت کے بعد منازل میں مراتب ملتے ہیں ان مراتب میں عالمِ ملکوت کی دوسری منزل بیت اللہ ہے ـــــ بیت اللہ۔ خانہ کعبہ عالمِ ظاہری کی کیفیت ہے۔ عالمِ مشاہدہ میں کیفیت اس سے مختلف ہے۔ یعنی بیت اللہ کے مقام پر ایک وسیع سنہری دریا مشاہدے میں آتا ہے۔ اس دریا کو۔ دریائے توحید کہا جاتا ہے۔ اس دریا میں لاتعداد کشتیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ کشتیاں تمثیلی وجود ہیں ان اولیا کے نوری وجود (روح رحمانی) کے جنہوں نے عالمِ ملکوت کو طے کیا ہوتا ہے۔ ان میں ایک عظیم سنہری کشتی پائی جاتی ہے۔ جس میں مثل روضہ مدینہ منورہ کے ایک عظیم اجلاس (دربار) ہے۔ یہاں پر بھی اولیاً اللہ کے اجلاس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اس مقام پر طالب تصور پیر کے ساتھ تصور بیت اللہ کرتا ہے۔ تو پیر اکمل طالب کو دریائے توحید میں سنہری کشتی میں اجلاس محمدیؐ میں داخل کر کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے۔ یہاں پر بھی طالب کو ایک سندِ ولایت (قطبیت) اور خلعت عطا ہوتا ہے۔ اس مقام کے بعد عالمِ ملکوت کی سیر میں۔ اور بھی کئی مقامات مشاہدے میں آتے ہیں۔ جن میں صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ ـــ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ ـــــ کی راہ میں سات آسمان ـــ جنت۔ کرسی۔ عرش۔ تحت الثریٰ کے مقامات کا مشاہدہ و مرتبہ عطا ہوتا ہے۔ اسکے بعد عالمِ جبروت۔ یعنی اولوالعزم ملائکہ مقربین کے ملکوتی مقامات ـــــ اسکے بعد عالمِ لاہوت۔ جو مقامات اسرار الٰہی۔ اور اسماء کلّھا میں شامل ہیں۔ ان مقامات کی وسعت۔ نورانیت۔ تپش اور ہیئت کا انسانی تصور کوئی کیفیت نہیں پا سکتا یہاں تک کہ نور ابتدائی کا وہ مقام آتا ہے جہاں سے مخلوق کی بَدَا (ابتدا) ہوتی ہے۔

صراط اللہ ـــ صراط مستقیم ـــــ عالمِ ناسوت سے شروع ہو کر نور ابتدائی پر ختم ہوتا ہے ـــــ یہ امر ثابت شدہ ہے۔ کہ ذاتِ الٰہی سے ماسویٰ مخلوق۔ کی تخلیقی ترکیب یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کیلئے اپنے ہی نور کی ایک جُز کو مخصوص و مصطفٰے (منتخب) کر کے اس نور سے عالمِ ناسوت یا اُلْاَرْض (زمین) تک کی تمام مخلوق بنائی ـــــ اس ترکیب سے ثابت ہے۔ کہ نور ابتدائی سے لیکر الارض زمین تک کی تمام کیفیات۔ کو ہی صراط اللہ ـــــ صراط مستقیم ـــــ کی ہیئت میں ترتیب دیا گیا ـــــ اس ترتیب

میں نور ابتدائی سے لیکر عرش تک لاتعداد وسیع نوری مقامات ہیں جو مراحل ومنازل کی شکل میں مشاہدے میں آتے ہیں ــــ اور عرش سے لیکر آسمان اول تک کرسی۔ سات آسمان نوری مقامات ہیں۔ جنکا تصور۔ انسانی عقل میں سمانہیں سکتا۔ اسلئے ان کیفیات کو عالمِ غیب سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ الْغَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ــــ السموات بھی غیب میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ عالمِ ناسوت میں مشاہدہ ہوتا ہے غیب میں شامل ہے ــــ الغیب ہونے کے اعتبار سے۔ یہ تمام کیفیات اسرار الٰہی سے تعبیر ہیں ــــــ جیسا کہ گزشتہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ نور ابتدائی کی صفت مُحَمَّد'' صلے اللہ علیہ وسلم ہے ــــ گویا ــــ نور ابتدائی سے لیکر اَلْاَرض کی آخری مخلوق تک ــــ مجموعہ ہے صفت مُحَمَّدِیؐ کا ــــ اسلئے ثابت ہوا۔ کہ صراط اللہ ــــ صراطِ مستقیم ــــ اسرار الٰہی ــــ اسماء کلها ــــ تعبیر ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے ــــ تو ظاہر ہے۔ عالمِ مشاہدہ میں سوائے ان دو کیفیتوں کے کسی دوسری کیفیت کا تصور باقی نہیں رہتا ــــ کہ کائنات میں ان دو کیفیتوں کے سوا کسی دوسری کیفیت کا وجود باقی نہیں ہوسکتا ــــ یہی کیفیت اس کلمہ شہادت میں پائی جاتی ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلے اللہ علیہ والہ وسلم) ــــ نہیں کوئی ذات اکبر و لامحدود۔ سوائے اس ذات کے جس کی احدیت ــــ لامحدودیت ازلی ــــ ابدی پر فکر کرنے میں عقل حیرت و درماندگی میں پڑ جاتی ہے۔ اللہ سے تعبیر ہے ــــ اس ذات کی احدیت کے مقابل کسی دوسری کیفیت کا وجود معدوم ہو جاتا ہے ــــ اور جو کچھ ماسویٰ اللہ محسوسات میں آتا ہے۔ یہ تمام اللہ کی تخلیقی ترکیب کا ایک مظہر ہے جسے محمد سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ لہذا ــــ ایک طالب کو۔ اسماء کلها ــــ اسرار الٰہی۔ صراط مستقیم ــــ صراط اللہ کے مشاہدے میں۔ حقیقت محمدیؐ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اسی حقیقت محمدیؐ کے عرفان کیلئے ــــ آدم کو پیدا کیا گیا۔ اسی حقیقتِ محمدیؐ کی پہچان کیلئے اِنِّیْ جَاعِل'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا منصوبہ بنایا گیا ــــ اور منصوبۂ الٰہی کے مطابق اولاد آدم میں ــــ انبیاؑ و جملہ مخلوق میں جس نے حقیقت محمدیؐ کا عرفان حاصل کیا۔ نبی کی صفت سے موسوم کیا گیا ــــ قرآن نے اسی عرفانِ حقیقت محمدیؐ کو وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا کے بیان میں حضرت آدمؑ کو مشاہدہ کرایا۔

اس تخلیقی منصوبہ میں۔ اولاً حضرت آدم علیہ السلام کو منتخب کیا گیا ــــ قرآنی شواہد سے ظاہر

ہے۔ کہ پیدائش ارض ـــــ مخلوقِ انسانی سے قبل ۔نوری مخلوقِ ملائکہ پیدا کیئے گئے ۔ انکا عمل ـــــ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ۔ اللہ کی تسبیح ۔ تقدیس و بزرگی بیان کرنا تھا ـــــ مگر باوجود ـــــ نوری حیثیت اور خالص تسبیح وحمد کے ملائکہ کو حقیقتِ محمدیؐ کا عرفان کاملاً حاصل نہ تھا ـــــ فَقَالَ اَنۡبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے حقیقت محمدیؐ کی معرفت سے متعلق سوال کیا۔ مگر قرآنی شواہد سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ملائکہ کو وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کی اصل حاصل نہ تھی اسلیئے وہ اس حقیقت کی پہچان میں نامکمل تھے ـــــ اس لئے کہ یہ پہچان صرف مخلوقِ ارضی کیلیئے وقف تھی ۔ جس کا اولین مظاہرہ حضرت آدم علیہ السلام سے کیا گیا۔ جسکی صفت میں قرآن نے واضح الفاظ میں بیان دیا ـــــ فَاِذَا سَوَّیۡتُه وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ ۔ قرآنی آیات میں تخلیق انسانی پر عمیق غور کیا جائے ۔ تو معلوم ہوگا ـــــ انسان اپنی پیدائش میں ـــــ ایک روح (روح حیوانی) ساتھ لیکر آتا ہے ـــــ اور اسکی سوّی کے بعد جو روح اس میں نفخ کی جاتی ہے۔ وہ زندگی کیلیئے نہیں ۔ بلکہ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً کے منصوبہ کی تکمیل کیلیئے ہے ـــــ خلیفہ کے تصور میں قرآنی شواہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا میں ـــــ اسرار الٰہی ـــــ صراط مستقیم ـــــ صراط اللہ۔ حقیقت محمدیؐ کی معرفت اسی روحِ رحمانی سے حاصل ہوئی ۔ اگر انسان میں روحِ رحمانی ودیعت نہ ہوتی ۔ تو انسان ۔ اسرار الٰہی کا مشاہدہ نہ کرسکتا ـــــ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۔ میں مقصد صرف یہی ہے۔ کہ آدم سے حقیقت محمدیؐ کے عرفان کا مظاہر کیا جائے ـــــ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ (پس جب آدم نے خبر دی اسماء کی) تو اس خطاب سے اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً کی تصریح کی گئی کہ مخلوقِ ارضی کی مخلوق انسانی کو ـــــ خلیفہ و نبی کے حیثیت سے پیدا کیا جاتا ہے ـــــ اسی مخلوق انسانی کے ذمہ۔ حقیقت محمدیؐ کا عرفان کیا جاتا ہے ـــــ اسلیئے کائناتِ ارض و سمٰوٰت میں مخلوق انسانی ایک واحد ذات ہے۔ جسکی تخلیق کا واحد مقصدِ زندگی عرفانِ حقیقت محمدیؐ ہے۔ جس عرفان سے اسے خلیفہ و نبی کا خطاب دیا جاتا ہے ـــــ سو دنیا میں جس نے اپنے مقصدِ زندگی کا احساس کیا ـــــ اور قانون الٰہی کے مطابق ۔ دین کی پابندی ـــــ تزکیہ ۔ مجاہدہ ۔ فکر و تصور کو قائم رکھا اسے ۔ اسرار الٰہی ـــــ اسماء کلھا کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ اور اس مشاہدہ سے حقیقتِ محمدیؐ کا عرفان حاصل کیا ـــــ وہ انسان ۔ خَلِیۡفَه و نبی کہلانے کا از روئے

قرآن مستحق قرار دیا جاتا ہے ــــ

تخلیق انسانی میں پہلا انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپؑ کے بعد آپکی ذریت میں ہر انسان کیلئے جوز مین سے پیدا ہوا۔ یہی عمل مقرر کیا گیا۔ سوائے۔ اسکے کچھ نہیں ــــ اولاد آدم میں۔ جو وجود انسانی ہیئت میں پیدا ہوا وہ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں شامل ہے ــــ کیونکہ اولاد آدم میں ہر انسان کی تخلیقی ترکیب میں ــــ کیفیات بشری ــــ سؤی ــــ نفخ روح (روح رحمانی) پائی جاتی ہیں۔ یہ کیفیات صرف مشاہدہِ اسرار الٰہی ــــ اور عرفانِ حقیقتِ محمدیؐ کیلئے انسان کو عطا ہوئی ہیں سو جس انسان نے ان کیفیات کو عرفان حقیقت محمدیؐ میں استعمال کیا۔ وہ از روئے قرآن خلیفہ و نبی کی صفت میں شمار ہوگا ــــ

قرآنی تواریخ سے یہ ثابت ہے۔ کہ ابتدائی انسان جسمانی اور روحانی لحاظ سے زمین کی تمام قوتوں اور تمام مخلوق (نباتات۔ جمادات۔ حیوانات) میں افضل و اعلیٰ حیثیت رکھتا تھا۔ اسکے ساتھ ہی ۔ عقلی۔ علمی۔ روحانی حیثیت میں۔ انسان۔ مخلوق ارضی سے علاوہ۔ مخلوق آسمانی میں بھی افضل حیثیت رکھتا تھا ــــ اسلئے اسے اشرف المخلوقات انسان سے خطاب کیا گیا ــــ اس افضل ترین تصور کے ساتھ انسان کو دیکھا جائے۔ تو یہ تصور قطعی غلط اور مبالغہ آمیز ہوگا۔ کہ ابتدائی انسان۔ وحشی اور عقل وخرد سے عاری تھا ــــ نہیں بلکہ انسان اپنی ابتدأ میں جسمانی ــــ روحانی۔ عقلی۔ علمی اعتبار سے کامل و اکمل صاحبِ فہم وتدبر اور صاحبِ عرفان ومشاہدہ ہستی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ابتدائی اولاد آدم بھی انہیں صفات وخصوصیات کی حامل ــــ کامل واکمل تصور کی جائیگی۔ ایسی صورت میں بھی۔ ابتدائی پیدائشِ انسانی کیلئے وحشی۔ درندہ صفت اور عقل وخرد سے خالی شخصیت کا تصور درست نہیں ہوسکتا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی صفت کے اعتبار سے ابتدائی پیدائش ــــ ابتدائی اولاد آدم کو وہی خصوصیت حاصل ہے۔ جو حضرت آدمؑ کو خلیفہ و نبی کی حیثیت سے حاصل ہوئی ــــ یعنی اولاد آدم کو بھی۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ــــ مشاہدہ اسرار الٰہی ــــ عرفانِ حقیقت محمدیؐ حاصل ہونا لازمی ہوا ــــ اسلئے اولاد آدم میں ہر وہ شخص جسکی جسمانی ــــ روحانی حیثیت پاکیزہ وسالم رہی۔ صاحبِ مشاہدہ ــــ صاحبِ عرفان تصور کیا جاتا ہے جو صفت خلیفہ و نبی کی ہے ــــ اسکے بعد ــــ جیسا کہ

گزشتہ بیان ہو چکا ــــ اولادِ آدم میں پاکیزگی جسم و روح قائم نہ رہ سکی ــــ جسکے نتیجہ میں۔ اولادِ آدم میں قوتِ مشاہدہ باقی نہ رہی ــــ اور وہ عرفان و مشاہدۂ اسرارِ الٰہی سے محروم ہو کر۔ فساد و خونریزی میں مبتلا ہو گئی ــــ اسلئے ایسی مخلوق۔ مقامِ خلافت و نبوت سے گر کر تنزل و حیوانیت کے مقام پر آ گئی۔ ایسا زمانہ آیا۔ کہ انسانی آبادی مدتوں اسی عالم میں رہی۔ ان میں کوئی ایسا فرد باقی نہ رہا ــــ جسے مشاہدۂ اسرارِ الٰہی حاصل ہو ــــ اسلئے انکے ذہن سے تصورِ خلافت و نبوت محو ہو گیا ــــ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى۔ ایک ہدایت بھیجی ــــ ہدایت کیلئے ــــ اسی اولادِ آدم میں ــــ اسی مخلوقِ انسانی میں ــــ اسی ضال و گمراہ قوم میں سے ــــ ایک پیدائش ــــ ایک فرد کو منتخب کیا۔ جسے عام انسانوں کی طرح۔ پیدائش کے ساتھ۔ علم و مشاہدہ دیا گیا ــــ اور خصوصیت یہ کہ اسکی جسمانی ــــ روحانی خاصیتوں کی حفاظت کی گئی ــــ یعنی ــــ ایسے فرد کا مشاہدہ و علم قائم رہا ــــ اور عمر کے ساتھ ساتھ اس فرد کی صفت و خصوصیتِ خلافت قائم رہی ــــ اس شخص نے اسی انتخاب پر۔ دعویٰ کیا۔ کہ میں خلیفہ ہوں ــــ یعنی میں نبی ہوں۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے ــــ اسکی ذات صفتِ خلافت و نبوت کے ساتھ خطاب کیا ــــ اسی نبوت کی صفت پر ــــ جبکہ اسے مشاہدۂ اسرارِ الٰہی حاصل رہا ــــ یا اس میں قوت مشاہدہ پائی گئی۔ اسی قوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے خاص احکام دیئے۔ جو گمراہ لوگوں کی اصلاح کیلئے (بطور ہدایت) مقرر ہوئے ــــ اسکے لئے یہ ضروری تھا جب کہ مخلوق انسانی میں کسی شخص میں۔ خصوصیتِ خلافت و نبوت۔ قوتِ مشاہدہ۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی باقی نہ رہی ــــ اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت لوگوں تک پہنچانے کیلئے۔ انہیں میں سے۔ ایک پیدائش۔ ایک فرد کو منتخب کر کے اسکی خلافت و نبوت کی حفاظت کر کے اسے ہدایت و احکام دیتا۔ اسلئے عام مخلوق میں جب کہ کوئی فرد مقامِ خلافت و نبوت پر قائم نہ رہا۔ ایک منتخب فرد کو نبی کے خطاب سے پکارا گیا ــــ اس مقام پر باقی مخلوق کے مقابلہ میں۔ ایک ہی منتخب ہستی کیلئے نبوت کا خطاب مخصوص کیا گیا ــــ اور ہدایت حاصل ہونے پر اسے رسول کے خطاب سے پکارا گیا ــــ اس سے ظاہر ہوا۔ کہ ایک فرد کے انتخاب سے۔ عام مخلوق میں ایک فرد کو باقی مخلوق کے مقابلہ میں۔ یہ خصوصیت و برتری حاصل ہوئی۔ اور ایک ہی فرد باقی مخلوق میں نبی و رسول تصور کیا جانے لگا ــــ اس مقام پر ایک فرد کو منتخب کرنے ــــ اور نبی و رسول کے خطاب سے پکارے

جانے کی غرض وغایت کیا تھی ــــ؟ وہ یہ کہ وعدۂ الٰہی کے مطابق اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تجدید کرنی تھی ــــ جو اسی نبی کے ذریعہ کی گئی۔ اسلئے ایسے نبی کو مجدد بھی کہا گیا ــــ تجدید کس طرح ہونی تھی ــــ وہ اس قرآنی آیت کے مطابق تھی ــــ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ ــــ وَیُزَكِّیْهِمْ ــــ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ ــــ اللہ تعالیٰ نے ازلی وعدے کے مطابق بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'' ــــ یہ وہی زمانہ ہے جب کہ مخلوق انسانی خصوصیت خلافت سے محروم ہو کر فساد وخونریزی پر آ گئی۔ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہوئی۔ کہ انسان دوبارہ قوتِ مشاہدہ ــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل کر کے۔ مقامِ خلافت ونبوت پائے۔ تو اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی مخلوق میں سے ایک فرد کو منتخب کیا۔ جو اپنی پیدائش میں۔ خلیفہ ونبی کی صفت کے ساتھ پیدا ہوا ــــ یہی نبی اللہ کی طرف سے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ۔ ہدایت کے احکام لوگوں کو سناتا ہے۔ اور طریقِ نبوت (طریقت) کے مطابق انسان کا جسمانی ــــ روحانی تزکیہ ــــ توجہ ــــ کرتا ہے ــــ تا کہ انہیں جسمانی ــــ روحانی پاکیزگی حاصل ہو ــــ جب روحانی۔ جسمانی پاکیزگی ہوگئی ــــ تو اسکا نتیجہ یہ ہونا ضروری ہے کہ انسان کو قوت مشاہدہ حاصل ہو ــــ اور جب قوتِ مشاہدہ حاصل ہوئی۔ تو اسرار الٰہی کی نشاندہی اس وحی وکتاب میں بھی کی گئی ہے۔ جسکا علم انہیں دیا جاتا ہے۔ یہ کیفیتیں۔ اسماء کلھا ــــ اور اسرار الٰہی ــــ اور حقیقت محمدیؐ کی صورت میں مشاہدہ کی جاتی ہیں ــــ یہی کیفیتیں عالمِ باطن ہیں جو پوشیدہ ان لوگوں سے تھیں ــــ جنہیں اَلْحِكْمَةَ سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ چونکہ مخلوقِ انسانی مدتوں سے گمراہ چلی آتی تھی ــــ انہیں حقیقت کی راہ ــــ صراط مستقیم کا راستہ نہیں مل رہا تھا اسلئے وہ عرصہ سے اس راہ اور اپنی حقیقت سے قطعاً بے خبر تھے ــــ یا ــــ اگر وہ اپنی اصلاح اور راہِ حقیقت پانے کے خواہاں بھی تھے۔ لیکن ان میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جو اس راہ ــــ علم نبوت کی نشاندہی کرتا ــــ اسی لئے انسان کو صراط مستقیم تک پہنچانے کیلئے ایک نبی کو بحیثیت رسول منتخب کیا گیا ــــ اسلئے ایسے ہی فرد کو نبی کے تصور میں لایا جاتا ہے۔ چونکہ اس رسول کی رسالت کی غرض وغایت باقی انسانوں کو مقامِ خلافت ونبوت پر پہنچانا ہے۔ تو لازمی طور فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ'' عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ پس جس نے رسول کی پیروی کی اور ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے مقامِ خلافت ونبوت

حاصل کیا___ تو عام مخلوقِ انسانی میں ایسا شخص بھی خلیفہ و نبی کے تصور میں دیکھا جائیگا___ اور رسول کے بعد ایسا شخص قائم مقام۔ رسول و نبی۔ خلیفہؑ نبی۔ خلیفہؑ رسول پکارا جائیگا___ خلیفہؑ نبی و خلیفہِؑ رسول کی حیثیت میں ایسے شخص نے وہی کام کرنا ہے۔ جو مصطفےٰ نبی و رسول نے کیا___ یعنی عام مخلوق انسانی تک ہدایت پہنچانا۔ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايٰتِهٖ ___ وَيُزَكِّيهِمْ ___ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ___ بحیثیت نبی طریق نبوت (طریق طریقت) میں۔ انسان کا تزکیہ اسی طرح کرنا___ جس طرح مصطفےٰ نبی نے کیا۔ تزکیہ سے انسان میں قوتِ مشاہدہ پیدا کرنا___ اور مشاہدہ سے اسرار الٰہی۔ کا انکشاف کرانا___ یہ انکشاف تمام اسماء کلّھا کا کرنا___ تا کہ کلی طور مقامِ خلافت حاصل ہو___ اس طرح مصطفےٰ نبی کے بعد___ نبی کے قائم مقام۔ کا درجہ آتا ہے۔ جسے خلیفہِؑ ۱ نبیِ مصطفےٰ رسول۔ نائبِ رسول۔ عالم امت کی صفت سے پکارا جاتا ہے___ خلیفہِؑ رسول کی حیثیت میں۔ یہ مصطفےٰ نبی کے تصور سے نہیں دیکھا جاتا۔ کیونکہ اول نبی کو اللہ تعالیٰ منتخب کرتا ہے اور خلیفہ نبی کو خود مصطفےٰ نبی و رسول منتخب کرتا ہے۔ یا نبی بناتا ہے۔ اس مقام پر خلیفہِ نبی کو وہ مقام۔ وہ درجہ___ وہ خطاب حاصل نہیں جو مصطفےٰ نبی کا درجہ و خطاب پایا جاتا ہے۔ اس مقام پر انتخاب (اصطفا) میں مدارج (درجہ بندی) پائے گئے___ دونوں ہیئتوں میں اگرچہ نبوت ۲ کا تصور ایک ہی ہے۔ مگر مراتب و اصطفا میں بیّن فرق ہے۔ اسلئے دونوں نبیوں کو ایک ہی تصور میں نہیں پکارا جاتا۔ بلکہ انکے لئے تصورات الگ الگ ہیں۔ ایک تو پیدائشی اعتبار سے خلیفہؑ ارض کی حیثیت میں دونوں ہستیوں کیلئے ایک ہی تصور ہے۔ دوسرے۔ خلیفہِؑ مصطفےٰ جو اول نبی کیلئے ہے۔ کہ خلیفہؑ ارض بھی ہے۔ اور خلیفہِؑ مصطفےٰ بھی___ خلیفہؑ مصطفےٰ کی حیثیت میں اسے رسول کہا گیا___ تیسرے۔ خلیفہؑ نبی مصطفےٰ___ جو خلیفہ ارض بھی ہے۔ اور اسکے ساتھ رسول کے مشن (عمل) کو جاری رکھنے والا قائم مقام ہے___ جس میں خلیفہِؑ نبی کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہدایت نہیں ملی___ بلکہ رسول کی ہدایت وراثت میں ملی___ اس وراثت کو اسی طرح پیش کرنا ہے۔ جسطرح رسول نے کی۔ اگر خلیفہِؑ رسول اس ہدایت کو اسی طرح پیش کرتا ہے جسطرح نبیِ مصطفےٰ پیش کرتا رہا۔ پھر بھی اس عمل سے اسے

---

۱ قائم مقام نبی و رسول ۲ اسماء کلّھا (اسرار الٰہی) کا مشاہدہ

رسول نہیں پکارا جا سکتا۔ کیونکہ رسول اسے پکارا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے منتخب کر کے براہ راست ہدایت عطا کرے۔ اس مقام پر مخلوق میں تین قسم کے مدارج پائے گئے ــــ ایک درجہ پیدائشی ہے ــــ وہ بحیثیت انسان پیدا ہونا ــــ روح رحمانی کا حاصل ہونا ــــ پیدائش کے ساتھ علم الاسماء کا روح رحمانی [1] سے مشاہدہ ہونا ــــ یہ خلیفۂ ارض ہے ــــ اس نبوت میں ہر فرد یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ اس درجہ میں کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی ــــ عامی ہو یا رسول پیدائشی حیثیت میں جبکہ نبوت علم الاسماء سے ہے۔ ہر پیدائش ایک ہی تصور میں خلیفہ و نبی کہلاتی ہے۔ دوسری قسم مصطفیٰ نبی و رسول۔ مصطفیٰ نبی سے مراد ایک پیدائشی خلیفۂ ارض جو علمی حیثیت میں نبی کہلاتا ہے۔ اسے رسالت کیلئے منتخب کیا گیا اور رسول کہلاتا ہے ــــ تیسری قسم قائم مقام نائب رسول جو اپنی پیدائش میں خلیفہ ارض ہے مشاہدہ اسرار الٰہی سے نبی کہلایا یا اصلاحِ رسول سے مقامِ خلافت و نبوت پایا اور رسول کے بعد اصلاح امت پر مامور کیا گیا۔ ان میں سے دو قسموں میں۔ مصطفیٰ نبی اور خلیفۂ رسولِ نبی ــــ میں فرق رسالت و اصطفیٰ کی بنأ پر آ گیا۔ جو صفت یکساں نہیں بلکہ کم و بیش ہے ــــ یعنی خلیفہ ارض۔ نبی بھی ہے۔ مگر رسول نہیں۔ اور مصطفیٰ نبی۔ خلیفہ ارض۔ نبی بھی ہے۔ اور رسول بھی ہے۔ اسی طرح دو نبیوں میں۔ مراتب و اصطفیٰ کے اعتبار سے۔ ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ گو دونوں ہستیوں کو نبی کہا جاتا ہے۔ مگر ایک نبی مصطفیٰ رسول ہے۔ دوسرا نبی قائم مقام نبی و رسول ہے۔

ازل سے مخلوقِ انسانی میں۔ انسان کو بشری ہیئت میں۔ ایک ہی تخلیقی ترکیب پر پیدا کیا گیا ــــ اس بشری حیثیت میں انسان کو باقی مخلوقِ حیوانی کے مقابلہ میں سوٗی کے اعتبار سے برتری حاصل ہے ــــ روح حیوانی ــــ روح رحمانی اور بشری ہیئت میں ہر مصطفیٰ نبی۔ خلیفۂ نبی اور عام مخلوق کو یکساں حیثیت حاصل ہے ــــ اسی حیثیت میں ہر انسان پیدا ہوا ــــ مگر قرآن نے خصوصی طور حضرت یحییٰ ــــ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش میں بشری ہیئت میں ایک نئی تخلیقی ترکیب کا بیان پیش کیا ــــ

---

[1] یہاں پیدائشی طور روح رحمانی کو مشاہدہ ہونے میں جسمانی طور عدم صلاحیت کی بنأ پر انسان ان مشاہدات کا احساس نہیں کرتا۔ جس وجہ سے انسانی نبوت کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔

جس میں عام بشری ہیئت اور اس نئی تخلیقی ترکیب میں ایک نئی تخلیقی ترکیب پیش کی گئی۔ وہ یہ کہ عام بشری ہیئتوں کو اِنِّیْ خَالِقٌ'' بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ۔۔۔ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کا مرکب ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ 'بتایا گیا۔ کہ انسانی وجودِ جسمانی مٹی سے بنایا گیا۔ مگر حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے وجود کو ۔۔۔ روح ۔۔۔ اور نور کے مرکب سے بنایا گیا ۔۔۔ گویا جہاں اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں تخلیقی ترکیب میں ایک خلیفہ و نبی کو مٹی سے بنایا گیا ۔۔۔ اور مصطفےٰ نبی کو بھی مِنْ طِیْنٍ ۔ مٹی سے بنایا گیا ۔۔۔ وہاں ایک مقام پر ایک منتخب مصطفےٰ نبی کو روح یا نور سے بنایا گیا۔ ظاہر ہے۔ کہ نور مٹی سے افضل درجہ رکھتا ہے۔ حضرت یحیٰؑ کے متعلق بیان ہوا۔ کَذٰلِکَ بغیر مادی ذریعہ و سبب کے ایک پیدائش نور سے بنائی گئی ۔۔۔ اسکی شہادت پیدائشِ حضرت عیسیٰؑ میں پیش کی گئی۔ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (مصطفےٰ نبی) وَ کَلِمَتُهٗ' (روح سے بنایا گیا جسم) ۔۔۔ اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ ۔۔۔ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ۔۔۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کا جسم نور سے بنایا گیا ۔۔۔ اس لحاظ سے عام مخلوق انسانی میں۔ مصطفےٰ نبی۔ خلیفہ نبی کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰؑ کو جسمانی حیثیت میں باقی خلفاً وانبیاً (خلیفہ و نبی) کے مقابلہ میں جسمانی فضیلت و برتری حاصل ہے۔ جو کسی دوسرے نبی و خلیفہ کو حاصل نہیں۔ اس مقام پر حضرت یحیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ۔ مصطفےٰ نبی۔ خلیفہ ارض کی حیثیت میں باقی نبیوں (مصطفےٰ نبی) میں یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر جسمانی لحاظ سے ان نبیوں سے افضل ہیں۔ جسمانی فضیلت کے اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ کو تمام مخلوق (خلیفہ ارض۔ خلیفہ مصطفےٰ) سے افضل قرار دیا جاتا ہے ۔۔۔ جسمانی حیثیت میں افضلیت میں ایک خصوصی صفت و فضیلت پائی جاتی ہے ۔۔۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد کسی خلیفہ ارض۔ خلیفہ مصطفےٰ کیلئے قرآن نے ایسی خصوصیت کا بیان پیش نہیں کیا۔ اسلئے مخلوقِ کائنات میں تخلیقی اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ کو افضلیت حاصل ہے۔ البتہ خلیفہ مصطفےٰ۔ کی حیثیت میں حضرت عیسیٰؑ کو بھی وہی درجہ و مقام حاصل ہے۔ جو باقی مصطفےٰ نبی کو حاصل ہے۔ مصطفےٰ نبی کو جب رسول کے تصور میں دیکھا جائے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہدایت انجیل ملی ۔۔۔ رسول کی حیثیت میں حضرت عیسیٰؑ نے مخلوقِ انسانی کی اصلاح میں کس حد تک تکمیل کی ۔۔۔ اسکا تواریخی ثبوت موجود ہے۔ کہ آپ کی تبلیغ میں انجیل کی ہدایت سے مخلوق انسانی کا ملاً ۔۔۔ اور بہ تمامہ اپنا مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہ رہی۔ بلکہ مخلوق انسانی کو ابھی ایک رسول کی ضرورت باقی

رہی۔ اسکے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خلیفہ ارض کو مصطفیٰ کیا ـــ اس خلیفہ ارض کی صفت اور تخلیقی ترکیب واضح ہے ـــ یہ خلیفہ ارض ـــ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی ہے ـــ آپ خلیفہ ارض کی حیثیت میں عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بطنِ مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے انکی شکل وصورت بھی بشری تھی۔ مگر مرکبِ جسمانی نوری تھا ـــ یا جسمانی مرکب کی اصل کلمۃ اللّٰہ ـــ اللہ کا نور تھا ـــ انکو انسانی صورت میں پیدا ہوتے محسوس کیا گیا۔ اسی طرح حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی بطنِ آمنہ علیہا الصلوٰۃ والسلام سے پیدا ہوئے۔ انکی شکل و صورت بھی بشری تھی ـــ مگر مرکبِ جسمانی کے متعلق بظاہر قرآن نے کسی نوری مرکب کی نشاندہی نہیں کی ـــ لیکن تحقیقِ حقیقت ـــ معرفتِ حقیقتِ محمدیؐ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مقدس بھی نوری مرکب سے ہے ـــ چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اس کیفیت کی نشاندہی کرتی ہے ـــ جو واقعہ معراج [1] میں پیش کی گئی ہے ـــ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک نقل مکانی اس امر کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مقدس نوری مرکب کا حامل ہے ـــ قرآن کے اس تفصیلی بیان سے ایک نوری وجود کی اصل بھی معلوم ہوتی ہے ـــ حضرت عیسیٰؑ کے لئے قرآن نے روح کی قوت اور اصل کا بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ کے بیان میں ایک تصور پیش کیا ـــ کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس بشری وجود کو آسمان پر اٹھا لیا ـــ یہ کیفیت مشاہدۂ اسماء کلھا میں منکشف ہو جاتی ہے کہ آپؑ آسمانِ سوئم میں مشاہدہ میں دیکھے جاتے ہیں ـــ آسمان سوئم میں آپؑ سے ملاقات کی جاتی ہے۔ آسمان نوری کیفیت ہے۔ جہاں مادی ہیئت کی رسائی نہیں۔ اسلئے یہ وجود نوری قوت کا حامل ہے۔ جو کَلِمَۃُ اللّٰہِ ہے ـــ یہی وہ وجود ہے۔ جو زمین (الارض) پر بطن مریمؑ سے پیدا ہوا ـــ قرآن کریم کی آیت سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ ـــ اور ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ﴿۸﴾ فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ﴿۹﴾ کے بیان میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم بجسم معراج کرتے ہیں ـــ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] اس کیفیت کی تفصیل گزشتہ صفحہ ۲۷۲ تا ۲۸۲ حاشیہ میں بیان ہو چکی ہے۔

کا جسمِ مقدس بھی نوری قوت کا حامل ہے۔ اسی دفع — اور معراج (اسریٰ) کے اشارہ میں دو وجودوں میں فرق اور تفصیل ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نوری وجود آسمانِ سوئم کی نوری ہیئت میں قرار کے مطابق — وہ فضیلت نہیں پاتا۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی کے مقام تک جسمانی ہیئت میں پہنچنے میں حاصل ہے — واقعہ معراج میں — معارج" النبوت کے مطالعہ سے اس حقیقت کا مزید انکشاف ہو جاتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجودِ نوری کی اصل کیفیت کیا ہے — یعنی معارج النبوّت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آسمانی سفر کی تفصیل درج ہے۔ جس میں بذاتِ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ سفرِ معراج میں۔ مقامات اور مشاہدات کا ذکر فرمایا۔ کہ آپؐ نے مسجد اقصیٰ سے آسمان اول۔ دوئم۔ سوئم۔ چہارم۔ پنجم۔ ششم۔ ہفتم۔ کرسی۔ عرش — اور عرش سے اوپر بالا مقاماتِ باطنی۔ عالمِ نورانی کی سیر اور مشاہدہ کیا۔ یہاں تک کہ ذاتِ الٰہی کا بشری آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ یہ مقامات — اور ان مقامات کی سیر — اور مشاہدہ — وہی کیفیتیں ہیں۔ جو ایک خلیفہٗ ارض کو۔ مشاہدہٗ اسرارِ الٰہی میں — صراطِ مستقیم کی راہ روی میں۔ اسماء کلھا کی صورت میں مشاہدہ میں آتی ہیں — اور یہ کیفیتیں ایک خلیفہٗ ارض (انسان) کو روح رحمانی کے ذریعہ مشاہدہ میں آتی ہیں — یعنی ان مقامات کی سیر اور مشاہدہ۔ انسان کی روح رحمانی کرتی ہے۔ تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایک بشری وجودِ انسانی کی روح رحمانی — اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم مقدس کا مرکبِ وجودی ایک ہی وجود یا کیفیت ہے۔ یعنی ایک خلیفہ ارض کی روح رحمانی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس ایک ہی نور سے بنے ہیں یا ایک ہی روحی یا نوری ہیئت کے حامل ہیں — اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس — نوری صفت کا حامل ہے — جو کائناتِ خلقت میں۔ حضرت یحیٰؑ۔ حضرتِ عیسیٰؑ کے وجود سے افضل ہے —

حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی بحیثیت رسول — بحیثیت مصطفٰے نبی پیدا ہوئے۔ اسلئے باقی مخلوق کے مقابلہ میں حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت قطعی مختلف ہے —

اول یہ۔ کہ عام مخلوق انسانی کا وجود — زمین کی مٹی — من طین۔ من حماءٍ مسنون سے بنایا گیا۔ اس ترکیب کے مقابل۔ حضرت یحیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ کے بشری وجود کا مرکب زمین من طین سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک مخصوص منتخب نور (کلمۃ اللّٰہ) سے بنایا گیا — اور اس نور کی حیثیت اسی

قدر ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے مقام (آسمانِ سوئم) سے ظاہر ہوتی ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بشری وجود کا مرکب بھی من طین (زمین) سے نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک مخصوص ومنتخب نور سے بنایا گیا۔ اس نور کی حیثیت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معراج سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ یہ نور ـــ نور ابتدائی کی ایک اعلےٰ جز سے ہے۔ جو تمام مخلوق کی روح وجسم سے افضل ہے ـــ یہ نور۔ تمام انبیاؑ ـــ کے وجودی مرکب سے افضل ہے۔ یہ نور حضرتِ عیسیٰؑ کے نوری وجود سے بھی افضل ہے ـــ اس نور ـــ اس وجودِ بشری کا نام احمدؐ ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کا وجود بھی اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تخلیقی ترکیب میں شامل ہے اسلئے اس تخلیقی ترکیب کے اعتبار سے۔ حضرت عیسیٰؑ میں بھی دو روحوں (روح حیوانی۔ روح رحمانی) کا پایا جانا لازمی ہے ـــ اسلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح رحمانی وہی حاصل ہے۔ جو عام مخلوق کو حاصل ہے ـــ اسی روحِ رحمانی سے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ اسماء کلّھا اور عرفان حقیقتِ محمدیؐ حاصل ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی حیثیت میں۔ ہر نبی کیلئے مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــ مشاہدۂ اسماء کلھا۔ روح رحمانی سے ہی حاصل ہونا مقرر ہے۔ اسلئے ہر نبی کو روحِ رحمانی سے۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ میں عرفانِ حقیقت محمدیؐ سے ہی مقامِ خلافت ونبوت حاصل ہوتا ہے۔ مگر حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اس۔ تخلیق وترکیب سے مختلف ہے۔ کہ آپؐ کو اپنی روحِ رحمانی (یعنی جسم بشری) سے مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل ہوتا ہے ـــ یہ ضروری ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے منصوبہ میں ـــ بحیثیت خلیفہ ارض آپکی بھی پیدائش ہوئی۔ اور نبی مصطفےٰ کی حیثیت سے آپ بھی رسول ہیں۔ اسلئے آپ میں بھی دو روحوں کا پایا جانا ضروری ہے ـــ ایک روح حیوانی ـــ دوسری روح رحمانی ـــ سو حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں تخلیقی اعتبار سے روحِ حیوانی نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ آپ کا وجود۔ من طین سے نہیں روحِ حیوانی کی جگہ آپکا وجود روح رحمانی سے تخلیق ہوا ـــ اور آپکی روح رحمانی۔ دوسری روح نورِ محمدیؐ سے تعبیر ہے ـــ جسے حقیقت محمدیؐ میں ـــ تمام مخلوقِ اِرض و سمٰوٰت کی صورت میں بنایا گیا جسے محمد کے نامِ مقدس سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسلئے مشاہدۂ اسرار الٰہی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہی نوری ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جسے

عَرْفِ نَفْسِ کہا جاتا ہے ـــــ یہی حقیقت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح رحمانی ہے ـــــ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور باقی مخلوقِ کائنات میں حضرت آدمؑ اور اولادِ آدم میں تمام انبیأ کو بمعہ حضرت یحییٰؑ حضرت عیسیٰؑ کو مشاہدۂ اسرار الٰہی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے ـــــ جو بالاتر مقاماتِ نوری۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ عرش۔ کرسی ہفت سمٰوٰت کی شکل میں واقع ہے ـــــ اسلئے تخلیقی اعتبار سے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تمام مخلوق ارض و سمٰوٰت سے افضل ہے۔ اور اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی حیثیت سے مخلوق کائنات میں افضل ترین ہی حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے ـــــ چونکہ آپ نبی مصطفٰے کی حیثیت سے۔ احمد کی شکل میں مبعوث ہوئے ـــــ اسلئے بحیثیت نبی مصطفٰے آپ آخری نبی ہونگے۔ کہ آپ کے بعد ہی کائناتِ ارض و سمٰوٰت میں افضلیت و اکملیت کی حد ہوتی ہے۔ اسلئے بحیثیت نبی مصطفٰے۔ رسول آپکی ذاتِ اقدس سے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی کے وعدے کی کلی طور تکمیل ہوکر آئندہ مخلوق انسانی کو دوبارہ ہدایت کی ضرورت پیش نہ آئیگی۔ اسلئے آپؐ کے بعد کسی مصطفٰے نبی و رسول کا ظہور نہ ہوگا۔ اس کی صورت کیا ہوگی ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن۔ ہدایت دی گئی ـــــ قرآن میں جو علم اور احکام پیش کئے گئے وہ ایسا علم ہے۔ جسکے اجرأ سے زمین پر مشاہدۂ اسرار الٰہی ہر حال میں مخلوقِ انسانی میں باقی رہیگا۔ کوئی ایسا زمانہ تا قیام قیامت نہ آئیگا۔ جب کہ یہ مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ اور انسان مقامِ خلافت حاصل نہ کئے ہوں ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ایسی ہوگی ـــــ کہ یہ تعلیم ہر زمانہ میں جاری رہیگی ـــــ اسلئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت کے مصداق ہونگے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ق وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝لا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی بحیثیت نبی مصطفٰے ـــــ رسول ـــــ حضرت عیسیٰؑ کے بعد تمام کائنات کی مخلوق کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوئے ـــــ آپ بھی تلاوت قرآن ـــــ تزکیہ سے گمراہ انسان کو قوتِ مشاہدہ عطا کرینگے ـــــ اور اسے مشاہدۂ اسرار الٰہی کے ساتھ۔ مقامِ خلافت و نبوت پر پہنچائینگے ـــــ اور

آپ کے لئے قرآن نے یہ شہادت پیش کی۔ کہ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ آپکی تعلیم تا قیام قیامت باقی رہیگی۔ ہر زمانہ میں انسان کو یہ تعلیم ملیگی ـــ اسلیئے کہ آپکی تربیت سے آپکی امت میں بے شمار خلیفۂ نبی۔ قائم مقام باقی رہینگے۔ انہیں کلی طور مقامِ خلافت و نبوت (خلیفۂ ارض) حاصل ہوگا۔ یہ نبی قائم مقام رسول و مصطفیٰ نبی آپکی تعلیم کو جاری رکھینگے۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ۔ تلاوتِ قرآن کرینگے۔ انسان کا تزکیہ کرینگے ـــ انمیں اصلاح کر کے تزکیہ و توجہ سے انہیں مشاہدۂ اسرار الٰہی عطا کرینگے اور مقامِ خلافتِ ارض پر پہنچا ئینگے۔ انہیں خلفاً میں ہر زمانہ میں۔ خلیفۂ ارض کی حیثیت میں خلیفہ و نبی (اسماء کلھا کی خبر پانے والے۔ خبر دینے والے) پیدا ہوتے رہینگے ـــ اسی طرح حضور محمد رّسول اللہ ﷺ کی امت میں قائم مقام۔ خلیفۂ نبی رسول۔ ہر زمانہ میں انسان کی اصلاح کرتے رہینگے ـــ اور اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ـــ اور فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کی تکمیل و تعمیل کرتے رہینگے ـــ اس طرح ہر زمانہ میں انسان کو عرفانِ حقیقت محمدیؐ حاصل ہوتا رہیگا۔

یہ امر ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین پر انسانی پیدائش کی غرض و غایت ـــ اسماء کلھا کا علم و مشاہدہ ہے ـــ اسماء کلّھا ـــ اسرار الٰہی سے تعبیر ہے۔ اسرار الٰہی حقیقت محمدیؐ سے تعبیر ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ۔ زمین پر ـــ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔ میں ایک انسان کی پیدائش کا مقصد۔ اسکی غرض و غایت۔ صرف۔ عرفانِ حقیقت محمدیؐ ہے۔ جسے مشاہدۂ اسرار الٰہی سے تعبیر دیا گیا ـــ یعنی انسان نے حضور محمد رّسول اللہ ﷺ کی تخلیق اور آپ کی حقیقت کو پہچان کر ذاتِ الٰہی کی خالقیت ہی کا راز پہچاننا ہے ـــ اسلیئے معرفتِ الٰہی میں ـــ اللہ کی پہچان میں اللہ کی خالقیت کی پہچان کرنی ہے۔ اسکی ذات انسانی پہچان و تصور سے ماورئی ہے۔ گویا انسانی معرفت۔ خلافت۔ نبوت کی تکمیل کی عرفان حقیقت محمدیؐ سے ہی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی مقصد الٰہی ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہی۔ اصل معرفت ہے اور معرفت میں۔ حقیقت محمدیؐ ہی کو پہچاننا اصل کیفیت ہے ـــ اسی مقصد کیلیئے یہ تمام کائناتِ خلقت پیدا کی گئی ہے۔ کہ حقیقت محمدی کو پہچانا جائے۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو محمد و احمد کہا گیا۔

اسکے بعد۔ مشاہدہ و معرفت کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ مخلوق کا مشاہدہ و معرفت کس

نوع کا ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے۔ جب کہ مخلوق کو آپکی ہی معرفت حاصل کرنی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت اِنِّی جَاعِل'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ___ اور قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَر'' مِّثْلُکُمْ کی حیثیت میں آپؐ کا مشاہدہ کس نوع کا ہے۔

مشاہدہ سے مراد ___ کسی کیفیت کی اصل سے آگاہ ہونا ___ اسکے لئے انسان کو چند قوتیں حاصل ہیں ___ وہ یہ ہیں ___ حواس ___ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ اور تمام وجود میں پھیلے ہوئے اعصاب (شریانیں یا رگیں)۔ انہیں۔ قوتِ بصارت۔ قوتِ سمع۔ قوتِ شامہ۔ قوتِ ذائقہ۔ قوتِ لامسہ کہتے ہیں۔ یہ پانچ قوتیں ہیں۔ جنہیں حواس خمسہ کہا جاتا ہے ___ انہیں حواس خمسہ سے کسی کیفیت کی اصل کو پہچانا جاتا ہے ___ یہ پہچان کے آلات ہیں۔ جنکے ذریعہ کسی کیفیت کو محسوس کیا جاتا ہے ___ اور حقیقی پہچان دماغ سے ہوتی ہے۔ دماغ روح حیوانی کا مخزن ہے ___ اسکے علاوہ کسی کیفیت کی اصل کو پہچاننے کیلئے روح رحمانی ذریعہ ہے جسکا مخزن قلب (دل) ہے ___ ان قوتوں سے کسی کیفیت کی اصل سے آگاہ ہونا تین طرح سے ہوتا ہے۔

اول۔ علم الیقین ___ یعنی کسی بیرونی ذریعہ سے کسی وجود۔ کسی کیفیت کا بغیر دیکھے آگاہ ہونا یا اس کیفیت کے وجود کا یقین کرنا کہ یہ کیفیت فی الواقع وجود رکھتی ہے۔ دوسرا۔ عین الیقین۔ یعنی اس کیفیت کے وجود کو حواس کے احاطہ میں لیکر یقین کرنا کہ فی الواقع اس کا وجود ہے ___ تیسرا۔ حق الیقین۔ ایک کیفیت کے قریب ہو کر اسکی اصل سے آگاہ ہونا۔ علم الیقین کی صورت میں ایک کیفیت حواس سے دور ہوتی ہے۔ اسکے وجود کو یقین کی حد میں لانے کا ذریعہ ایک شخصیت ہوتی ہے۔ جو کہتی ہے۔ کہ ایک نادیدہ کیفیت کا وجود موجود ہے ___ علم الیقین کی حد تک یقین کرنا۔ ایک شخصیت کی ذات پر منحصر ہے۔ کہ اسکی نشاندہی پر کامل یقین کیا جائے۔ اسکے لئے اس شخصیت کو تسلیم کرنا شرط ہے۔ کہ اسکے قول کو مبنی بر حقیقت سمجھا جائے۔ یہ شخصیت۔ نبی ___ اور رسول کی ہوتی ہے۔ نبی و رسول کی شخصیت کو تسلیم کرنے کیلئے۔ اسکے کردار کو قریب سے دیکھا جاتا ہے۔ شخصیت تسلیم کرنے کے شرائط یہ ہیں۔ کہ ایسا شخص قوانینِ فطرت کے مطابق پاکیزہ اخلاق۔ پاکیزہ جسم و روح ہو ___ اس سے خلافِ فطرت کوئی عمل سرزد نہ ہو ___ یہ ذریعہ علم الیقین کیلئے ہے۔ اسلئے ایسی شخصیت پر اعتماد رکھ کر ایک

نادیدہ کیفیت کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ علم کامل نہیں۔ جب تک بجائے خود ایک انسان کے ذہن کو اس کی اصل حقیقت سے آگاہی نہ ہو ـــــ اس تسلیم میں ایک طرف ایک شخصیت کا دعویٰ ذریعہ بنتا ہے۔ دوسری طرف قوتِ سمع (کان) جس کے ذریعہ دماغ کو ایک کیفیت کی خبر ملتی ہے۔ اسلئے اس نوع کو عِلْمُ الْیَقِیْن یا سَمْعُ الْیَقِیْن بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا ذریعہ آنکھ کا ہے۔ اسے عین الیقین کہتے ہیں جسکے ذریعہ ایک کیفیت کا وجود احاطہ میں آتا ہے۔ آنکھ سے اسی حد تک یقین کیا جاتا ہے۔ جس حد تک آنکھ فاصلہ کا احاطہ کرسکتی ہے ـــــ یہ آنکھ ایک قدم سے لیکر اربوں میلوں تک کیفیت کا احاطہ کرسکتی ہے۔ ایک قدم قریب کی کیفیت کی جسمانیت کا احاطہ بھی کرسکتی ہے اور اربوں میل دور سیاروں کی جسامت کا احاطہ بھی کرلیتی ہے جس سے کیفیت کے وجود کا یقین و تسلیم ہوتا ہے۔ حق الیقین ـ لیکن دور فاصلہ کی کیفیت کی اصل ماہیت اس وقت تک کامل یقین کی حد میں نہیں آتی جب تک کہ اسکے قریب نہ ہوا جائے۔ یا آنکھ میں اتنی قوت پائی جائے کہ آنکھ اس کیفیت کی اصل ماہیت کا احاطہ مکمل طور کر سکے۔ لیکن یہ احاطہ مجموعی حیثیت میں ممکن نہیں کہ ہزاروں میل دور کی کیفیت کا آنکھ احاطہ کر سکے ـــــ اسلئے کسی کیفیت کے وجود کا یقین اسوقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ کیفیت کے قریب نہ ہوا جائے ـــــ کیفیت کے قریب ہونے سے۔ کیفیت کا احاطہ کیا جائے۔ اسے حق الیقین کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے۔ کہ چند ہزار میلوں کے فاصلہ پر ایک وسیع سمندر واقع ہے۔ اس امر کا یقین کرنا۔ کہ فی الواقع ایک مقام پر ایک وسیع سمندر ہے۔ مدعی شخصیت کے دعوے پر یقین کرنے کیلئے اسکی ذاتی شخصیت کی صداقت کا یقین کرنا شرط ہے۔ اگر مدعی شخص کی صداقت مسلم ہے۔ تو اس کیفیت کو صرف مدعی شخص کی صداقت پر یقین کر کے تسلیم کیا جاتا ہے ـــ کہ فی الواقع ایک وسیع سمندر کا وجود موجود ہے۔ یہ یقین بغیر مشاہدۂ عینی تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ ایک خبر کو کانوں سے سنکر یقین کیا گیا۔ اسے علم الیقین یا سمع الیقین کہا جاتا ہے ـــــ اسکے بعد اس کیفیت کی اصلی ہیئت پہچان کر یقین کرنے کیلئے سمندر کی کیفیت کو حواس کے احاطہ میں لایا جاتا ہے۔ حواس میں قوتِ بصارت یعنی آنکھ تحقیق و پہچان کا اصل ذریعہ ہے۔ کیونکہ آنکھ کے ذریعہ ایک کیفیت کی ماہیت محسوس کی جاتی ہے ـــ آنکھ ایک کیفیت کو دور سے دیکھ کر (ساحل پر آکر) اسکی ماہیت کا یقین کرلیتی ہے۔ کہ فی الواقع ایک کیفیت (سمندر) کا وجود

موجود ہے۔ اس عینی مشاہدہ کو عین الیقین کہا جاتا ہے۔ لیکن اس مشاہدہ سے بھی کیفیت کی پہچان کامل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ کیفیت کے اصل وجود کے بطن کو نہ دیکھا جائے۔ اسلئے سمندر میں غرق ہو کر اسکی تہہ تک دیکھا جاتا ہے۔ کہ سمندر وسیع پانی ہے۔ جو زمین میں ہزاروں میل کی گہرائی تک واقع ہے۔ اور اس میں مختلف قسم کی مخلوق بھی موجود ہے ـــــ یہ پہچان قریب ہو کر یا جذب ہو کر ہو سکتی ہے۔ اس مشاہدہ کو حق الیقین کہا جاتا ہے ـــــ یہی ترتیب مشاہدہ اسرار الٰہی ـــــ مشاہدۂ اسماء کلھا ـــــ یا عرفانِ حقیقت محمدیؐ کی ہے ـــــ کہ ایک مدعی نبوت یہ دعویٰ کرتا ہے ـــــ کہ عالمِ باطن میں۔ عالمِ ناسوت۔ عالم ملکوت۔ عالم جبروت اسرار الٰہی کی شکل میں اور عالمِ لاہوت میں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے تو ابتداءً ایک طالبِ حقیقت ایک شخصیت پر اعتماد کے ذریعہ ہی اس حقیقت کو بغیر دیکھے تسلیم کرتا ہے۔ اور شخصیت پر اعتماد اس صورت پر کیا جاتا ہے۔ کہ قریب سے اس شخصیت کے کردار اور اسکی صداقت کو قابل یقین تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ ایسی شخصیت کا قول و فعل قانونِ فطرت کے مطابق مسلمہ ہے ـــــ یہ شخصیت نبی کی ہوتی ہے جسکا دعویٰ نبوت کا ہوتا ہے۔ کہ میں نبی ہوں۔ مجھے اسرارِ الٰہی اور ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ حاصل ہے ـــــ اسلئے اپنی صداقت و شہادت کی دلیل میں۔ علم الیقین کے بعد۔ عین الیقین کے ساتھ مشاہدہ کراتا ہے۔ علم الیقین۔ دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک کسی شخصیت کی زبان سے کیفیات کا بغیر آنکھ سے دیکھے علم ہونا یا کان سے سننا ـــــ یا کتابی صورت میں کسی کیفیت کا علم لفظی شکل میں محسوس کرنا کہ بقول شخصے "فلاں کیفیت کا وجود ہے"۔ مگر اس کی ہیئت و حیثیت کا حقیقی تصور حاصل نہیں ـــــ اسی طرح کسی ان دیکھی کیفیت کا تسلیم کرنا ایک مسلمہ شخصیت کی ذات تک محدود ہے۔ مگر اس دعویٰ میں عین الیقین حاصل ہونا ضروری ہے ـــــ لہذا۔ ایک مدعی نبوت کیلئے لازم ہے۔ کہ وہ خود اپنی شخصیت کی صداقت کیلئے۔ ان کیفیات (اسرار الٰہی) کا کسی دوسرے کو مشاہدہ کرائے۔ اور دوسرا شخص بھی دیکھ کر اسکی تصدیق و شہادت دے ـــــ اسکا طریق چونکہ یہ کیفیات روحانی ہیں اسلئے ان کیفیات کا مشاہدہ روح حیوانی سے ہوگا روحِ حیوانی کے ذریعہ اسماء و اسرار کا مشاہدہ کرنا۔ عین الیقین میں شامل ہے۔ اس طرح ایک مدعی نبوت کے دعوئ نبوت کی تصدیق ہو جاتی ہے ـــــ اسکے بعد ایک طالب ایسے مدعی کی راہنمائی میں صراطِ مستقیم پر بلا خوف و خطر راہ روی کرتا اور مشاہدۂ اسرار الٰہی کرتا ہے ـــــ یہ

صورت عین الیقین کی ہوتی ہے۔ مگر علم کی تکمیل کیلئے۔ جب تک کسی کیفیت کی اصل ماہیت کا علم حاصل نہ ہو۔ علم کامل نہیں ہوتا ــ اسکے لئے حق الیقین سے علم حاصل کرنا لازمی ہے۔ کہ روح۔ حیوانی یا رحمانی۔ کیفیات ملکوتی ــ اسرار الٰہی کی کیفیات تک پہنچ کر۔ ان کیفیاتِ نوری میں جذب ہو کر ان کیفیات نوری کی اصل ماہیت کا تصور حاصل کرتی ہے۔ اسی کیفیت کو حق الیقین کہا جاتا ہے۔ یہ کیفیت فنا سے بھی تعبیر ہے۔ فنا سے مراد کسی نوری کیفیت میں جذب ہو کر اسکی بنیادی اصل کا پورا علم حاصل کرنا۔ یہی تین ترکیبیں مشاہدہ کی ہیں۔

علم الیقین ــ بغیر دیکھے سنکر کسی وجود کا تسلیم کرنا۔ یا سمع الیقین کان سے سنکر بغیر دیکھے کسی وجود کو تسلیم کرنا۔

عین الیقین ــ آنکھ یا روحِ حیوانی سے مشاہدہ کے ساتھ ایک وجود کا مشاہدہ کرنا۔

حق الیقین ــ ایک کیفیت کے قریب ہو کر ــ اور کیفیت میں جذب ہو کر اسکے وجود کا کلی طور احاطہ کرنا۔

علم طریقت یا مشاہدۂ اسرار الٰہی میں یہی تین نوع کے مشاہدے پائے جاتے ہیں۔ یعنی اپنے مقام پر بیٹھ کر ہزاروں میل دور کی کیفیتیں روح حیوانی سے مشاہدہ کرنا۔ اسکا طریق یہ ہے۔ کہ روحِ حیوانی ایثری فضا سے رابطہ قائم کر کے ہزاروں میل دور کی کیفیت انسانی وجود میں رہ کر مشاہدہ کر لیتی ہے ـــــ دوسرا طریق یہ کہ روحِ حیوانی۔ ایثری فضا میں جذب ہو کر خود کیفیت کو جذب کر لیتی ہے ــ پہلا طریق۔ عین الیقین ہے۔ دوسرا طریق۔ حق الیقین ـــــ اسی طرح ایک شاہد اپنے مقام پر بیٹھ کر آسمانی نوری کیفیات کا مشاہدہ روحِ رحمانی سے کرتا ہے ـــ ایسے جیسے ایک شخص گھر بیٹھ کر آسمانوں کی طرف نگاہ ڈال کر آسمانوں کو دیکھتا ہو ـــ روحِ رحمانی میں اتنی قوت ہے کہ انسان کے وجود میں رہ کر آسمانوں اور ماورئی عالمِ بالا کی کیفیات کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔ دوسرا طریق ایسا ہی ہے۔ کہ روحِ رحمانی آسمانوں میں سے گزر کر ـــ کرسی۔ عرش۔ عالم بالا تا نور ابتدائی وسیع پرواز کے ساتھ ان کیفیتوں میں سما کر ـــ ہر کیفیت کا احساس و مشاہدہ کرتی ہے۔ پہلے طریق کو ـــ عین الیقین کہتے ہیں۔ اور روحِ رحمانی کی پرواز کے ساتھ ہر نوری کیفیت میں جذب ہو کر اس کا احساس کرنا (جیسے سمندر میں غرق ہو کر

سمندر کا احساس کیا جائے) حق الیقین سے تعبیر ہے۔اسی کیفیتِ جذب [1] کو فنا سے موسوم کیا جاتا ہے۔

طریقت میں اس فنا کی ترتیب ایسے ہے۔کہ جب طالب اپنے پیر کا تصور کرتا ہے۔تو وہ روح رحمانی کے ذریعہ پیر کی روح رحمانی کے قریب ہو جاتا ہے — اس تصور میں اتنا انہاک پیدا ہوتا ہے۔کہ طالب اپنے وجود کے احساس سے بے خبر ہو جاتا ہے — یہ انہاک و بے خودی۔ذہنی تصور کی ہوتی ہے۔جیسے ایک انسان خیالات میں کھو جاتا ہے — لیکن طالب روحانی طور۔تزکیہ۔مجاہدہ سے اپنی روح رحمانی کا پیر کی روح سے رابطہ کر کے پیر کی روحِ رحمانی میں جذب حاصل کرتا ہے (یعنی مل جاتا ہے) تو طالب کو پیر کا تصور حقیقی حاصل ہوتا ہے اس طرح طالب عالم مشاہدہ میں بھی اپنے روحانی وجود — روحِ رحمانی کو ایک علیحدہ وجود محسوس نہیں کرتا — بلکہ پیر کے جذب میں اپنے آپ کو پیر تصور کرتا ہے۔اسکی مثال ایسی ہے۔جیسے پانی کا قطرہ کسی نہر یا نالہ میں گر کر اپنا وجود — نہر کے پانی میں جذب کر دیتا ہے — اور نہر کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔اس مقام پر جذب کی حالت میں قطرہ اپنے وجود کو نہر کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے۔اسی طرح ایک طالب کی روحِ رحمانی۔عالمِ باطن میں ایک انسانی شکل وصورت میں محسوس ہوتی ہے — یہ شکل وصورت ویسی ہی ہوتی ہے۔جیسی کہ اس طالب کی شکل وصورت ہوتی ہے۔جسکی یہ روح رحمانی ہو — ادھر تصورِ پیر میں بھی۔پیر کی روحِ رحمانی کو پیر کی ظاہری شکل وصورت میں ہی۔محسوس ومشاہدہ کیا جاتا ہے — اور جب طالب کی روحِ رحمانی پیر کی روحِ رحمانی میں جذب ہو گئی۔تو طالب اپنا وجود (روحِ رحمانی) گم محسوس کر کے اپنے آپ کو پیر کی شکل وصورت میں محسوس کرتا ہے — اس کیفیت کو۔محویت اور فنا سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اس فنا کو فنا فی الشیخ سے

---

[1] جذب سے مراد اصل میں یہ ہے۔کہ جب روحِ رحمانی عالمِ بالا کے کسی مقام کا مشاہدہ کرتی ہے۔تو اس مشاہدہ کی نوعیت یہ ہوتی ہے۔کہ روحِ رحمانی اس مقام میں داخل ہو جاتی ہے۔وہ مقام نوری ہوتا ہے۔روح رحمانی اس مقام پر اس نور کی فضا میں جذب ہو جاتی ہے (یعنی اس نور میں مل جاتی ہے) یہی نوری مقام کے نور میں یکجز یا یک جان ہونا۔سما جانا۔یا جذب ہونا مراد ہے۔اور جب روح رحمانی ایک نور میں جذب ہو تو اسی جذب کا عکس قلب پر آ جاتا ہے۔قلب کا عکس دماغ میں داخل ہو جاتا ہے۔جہاں اس قلبی عکس کو روحِ حیوانی مشاہدہ کرتی ہے۔اسی مشاہدہ کو۔جذب وفنا اور مشاہدۂ حقیقی یا حق الیقین کہا جاتا ہے۔

موسوم کیا جاتا ہے ــــ فنا کے معنی ــــ اپنی روحانی ہیئت کو پیر کی روحانی ہیئت میں ضم کرنا ــــ اسی طرح پیر کو تصورِ محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتا ہے۔ اسکی روحِ رحمانی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود میں جذب ہوتی ہے۔ اور اس جذب میں پیر کو اپنی ہیئتِ روحی محسوس نہیں ہوتی ــــ بلکہ کیفیتِ فنا میں وہ اپنے وجود کو جذب کی حالت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے۔ اس جذب وفنا کو۔ فنا فی الرّسول کہا جاتا ہے یہ کیفیت محویت وجذب وفنا کی ہے اسی مقام پر جبکہ طالب کو فنا فی الشیخ کا مقام حاصل ہوا ہوتا ہے جب پیر کے مقامِ فنا فی الرّسول تک پہنچتا ہے۔ تو طالب بھی فنافی الرسول کے جذب میں اپنے آپ کو فنا فی الرّسول محسوس کرتا ہے ــــ اسکے بعد جب طالب کو پیر کی روح کے ذریعہ فنا فی الرّسول کا مقام حاصل ہوا۔ تو جب طالب کا مشاہدہ ذاتِ الٰہی تک پہنچتا ہے ــــ تو اللہ کے دیدار وقرب میں طالب کو فنا فی اللّٰہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ یہ مقام فنا فی الرّسول کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات خود فنا فی اللّٰہ ہوتی ہے (اسکی تفصیل آگے آئیگی) یہ کیفیت ایک طالب کو گہرے انہاک۔ شدید محویت کے تصور میں ۔محسوس ہوتی ہے ــــ اس محویت میں ایک شاہد اپنے وجود سے یکسر بے خبر ہو کر جذب کی حالت میں آجاتا ہے۔ ایسے شاہد کو مجذوب کہا جاتا ہے۔ اس کیفیت مشاہدہ کو بھی حق الیقین کہا جاتا ہے ــــ اسکے علاوہ ایک طالب ہوش وحواس قائم رکھ کر مشاہدہ کرتا ہے ــــ اس مشاہدہ میں طالب کے مشاہدہ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے۔ کہ طالب تصور پیر کرتا ہے۔ تو اسکی روحِ رحمانی پیر کی روح رحمانی سے رابطہ کرتی ہے۔ تو طالب تصورِ پیر میں اپنے سامنے پیر کو دیکھتا (مشاہدہ کرتا) ہے۔ پیر اسے عالمِ ناسوت میں لے جا کر (یعنی پیر کے ساتھ عالمِ ناسوت کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے) عالمِ ناسوت کی منازل مشاہدہ کراتا ہوا عالمِ ناسوت کی اکتالیس منازل طے کراتا ہے ــــ اکتالیس منزلیں طے کرنے کے بعد۔ پیر طالب کو عالمِ ملکوت کے باب میں داخل کر کے اجلاس محمدی (دربارِ محمدی) صلے اللہ علیہ وسلم میں لے جاتا ہے ــــ جہاں طالب کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے ــــ اسی طرح طالب صراط مستقیم کی راہ روی میں۔ عالمِ ملکوت کی دیگر کیفیات۔ بیت اللہ میں دریائے توحید اور دریائے توحید میں اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہو کر۔ عرش۔ تحت الثریٰ۔ سات آسمان۔ جنت وغیرہ کی سیر کرتا ہوا ــــ عالم بالا کے مقامات ــــ اسرارِ الٰہی

مشاہدہ کرتا ہوا ـــ نورِ ابتدائی تک مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مشاہدہ میں یہ ضروری ہے۔ کہ طالب کے ہمراہ ـــ عالمِ ناسوت سے لیکر نورِ ابتدائی تک۔ اس کا پیر ساتھ ہوتا ہے ـــ نورِ ابتدائی کے مشاہدہ میں۔ طالب اپنے ساتھ ایک طرف اپنے پیر کو دیکھتا ہے۔ دوسری طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے ـــ نورِ ابتدائی کو طے کرنے کے بعد طالب اللہ کے نور کا مشاہدہ کرتا ہے ـــ ان مشاہدات کے ساتھ ـــ چونکہ عالم بالا کے یہ انتہائی عظیم نورانی مقامات قوی نورانی عالم ہیں۔ ایسے مقامات میں۔ بعض حالتوں میں نوری اثر کے تابع۔ جذب کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی بعض اوقات طالب محویت میں بے خود ہو کر مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے اپنے وجود کی خبر نہیں رہتی ـــ چنانچہ نورِ ابتدائی کے عظیم نور کے مشاہدے میں بھی جذب و محویت طاری ہو جاتی ہے۔ اس جذب میں جب طالب کی روحِ رحمانی داخل ہو جاتی ہے۔ تو اسے اپنی ذات حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات محسوس ہوتی ہے۔ ایسے جذب میں ایک طالب کی زبان سے بھی یہ روحانی جذب و تاثر ادا ہوتا ہے ـــ کہ طالب "اَنَا مُحَمَّد" کہہ دیتا ہے ـــ یا جذبِ ذاتِ الٰہی میں سبحانی ما اعظم الشانی ـــ یا انا اللّٰہ یا انا الحق کہہ دیتا ہے۔ دراصل یہ بے خودی کے عالم میں وہ تاثر ہوتا ہے۔ جو ایک طالب کی روح رحمانی پر جذب کی حالت میں طاری ہوتا ہے ـــ اسی طرح اللہ کی ذات کے مشاہدہ میں جب طالب کی روح رحمانی فنائے رسول کا مقام حاصل کر کے ذاتِ الٰہی کے نور میں داخل ہوتی ہے۔ تو یہ امر ضروری ہے۔ کہ یہ وصال بغیر فنائے محمدیؐ کے نہیں ہو سکتا کیونکہ ذاتِ الٰہی کے نور میں۔ نورِ محمدیؐ ہی واصل ہو سکتا ہے ـــ بغیر اس توصل کے ایک طالب کی روح نورِ الٰہی کی تجلی کی تاب نہ لا کر نورِ الٰہی میں اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ اور پھر اس نور سے باہر نہیں آسکتی۔ ایسے طالب کی محویت مستقل ہو جاتی ہے۔ اور طالب اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اور اپنی موت تک ہوش میں نہیں آتا ـــ ایسے مجذوب کی علامت یہ ہے۔ کہ اس کا جسم آگ میں جل جائے اسے اپنے وجود کا قطعی احساس نہیں رہتا۔ بظاہر وہ اپنے وجود سے قطعی بے خبر ہوتا ہے۔ بہ باطن وہ دیدار الٰہی میں محو و بیخود رہتا ہے۔ ایسے طالب کو حقیقی مجذوب کہا جاتا ہے ـــ البتہ ایک طالب مشاہدۂ اسرار الٰہی میں جب پیر کے تصور ـــ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تصور و فنا کو قائم رکھ کر ذاتِ الٰہی کے نور میں جذب حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس کے ہوش و حواس قائم ہوتے ہیں۔ اور وہ بقائی ہوش و حواس ذاتِ الٰہی

تک مشاہدہ کرتا ہے۔اس پر بیخودی ایسی طاری نہیں ہوتی کہ وہ اپنے وجود سے بے خبر ہو جائے ــــ جب طالب مشاہدہ سے فارغ ہو کر۔ مشاہدہ ترک کرتا ہے۔تو وہ اپنے ہوش و حواس سے عالمِ مادی میں کاروبارِ زندگی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ایسے طالب کو سالک کہا جاتا ہے۔البتہ اس مشاہدہ میں طالب قوی تزکیہ مجاہدہ اور ریاضت سے کام لیکر اپنی روح حیوانی اور روح رحمانی کو اس قدر قوی کرتا ہے کہ جذب کی حالت میں اسکی روح حیوانی نوری اثرات سے اتنی متاثر نہیں ہوتی کہ ظاہری طور ہوش حواس کھو بیٹھے۔ بلکہ روح حیوانی میں قوی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور مشاہداتِ نورانی کی شدت سے مغلوب نہیں ہوتی ــــ یہ ہے ایک خلیفۂ ارض ــــ عام انسان کا مشاہدۂ اسرار الٰہی ــــ

اسکے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت خلیفۂ ارض مشاہدہ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

تواریخ اسلامی سے یہ امر واضح ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عام بشری پیدائش کے مانند ہوئی ــــ شیر خوارگی سے لیکر سنِ بلوغ تک آپؐ ان مراحل سے گزرے جو ایک بشر کیلئے۔ شیر خوارگی۔ بچپن اور بلوغ کی عمر مقرر ہے ــــ بظاہر ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ آپکے وجود مقدس میں کوئی نوری صفت پائی جاتی ہے ــــ اسکے مقابل۔ کہ حضرت عیسیٰؑ نے شیر خوارگی میں نوری صفت کا ثبوت دیا۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ قفل اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ۝۔ یہ کلام فی المھد خود اس امر کی دلیل ہے۔ کہ نوری وجود ہی۔ زبان۔ سمع کی عدم صلاحیت میں۔ کلام کر سکتا ہے۔ اور سن سکتا ہے ــــ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر اس قسم کے کسی واقعہ کو عام مشاہدے میں نہیں لایا گیا ــــ

واقعہ حضرت عیسیٰؑ میں قرآن نے اس واقعہ کو اصطفائے عیسیٰ علیہ السلام قرار دیا۔ وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ یہ منصوبہ اور اصطفا ازل سے ارادۂ ازلی میں آچکا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کا بشری وجود نور سے ہوگا ــــ اور پیدائش پر بھی نوری صفت کا حامل پیدا ہوگا ــــ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو احمد کی صفت سے پکارا گیا ــــ یہ امر ارادۂ ازلی میں مقرر تھا۔ کہ جسطرح روحی طور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کائناتِ خلقت میں افضل درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح بشری حیثیت میں بھی آپؐ کی ذاتِ اقدس تمام خلفائے ارض میں افضل قرار دی جائے ــــ وہ اس طرح کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط میں مٹی کے حقیر ذرہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے بڑائی و فضیلت عطا کر کے ملائکہ

سے افضل بنایا ـــــ یہی چیز ارادہ الٰہی میں تھی کہ اس مخصوص و مصطفےٰ ہستی کی فضیلت کو اِن کے ذاتی جہد و عمل پر منحصر رکھا گیا۔ کہ گو بنیادی وجود نور سے ہے مگر انکی پرورش اسی غذا سے ہوئی جو عام انسان کو ماں کے پیٹ میں ملتی ہے۔ برعکس اسکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے بطن مریم علیہا السلام کو مادی آلائشوں سے پاک رکھا گیا ـــ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ـــ میں اللہ تعالیٰ نے انکے وجود کو ایسی غذا پہنچائی جو مادی آلائشوں سے پاک تھی۔ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ ـــ اے مریم یہ غذا کہاں سے آئی ہے۔ تو حضرت مریمؑ نے کہا یہ اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ یہی غذا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے بطنِ مریم کو پاک رکھا ـــــ یہی پاک غذا وجودِ حضرت عیسیٰؑ کیلئے مقرر ہوئی۔ جس سے وہ پیدائش میں نوری مظہر کے حامل ہوئے ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بطن آمنہ علیہا السلام میں وہی غذا پائی جو ایک عام انسان کو حاصل ہوئی۔ اور پھر دائی حلیمہ سعدیہ کا دودھ بھی ایسا تھا جسکے متعلق غذائے مریمؑ کی طرح بشارت نہیں تو ظاہر ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم عام بشری حیثیت میں پیدا ہوئے۔ بجائے اسکے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بنیادی نطفہ (نور) کیلئے بطن مریمؑ میں بھی لطیف (نوری) خون مہیا کر کے ان کے جسم کو مادی آلائشوں سے پاک رکھا گیا۔ برعکس اسکے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی بنیادی نطفہ (بجائے حضرت عبداللہ علیہ السلام کے بشری نطفہ کے) نوری منتخب نطفہ بطن آمنہ علیہا السلام میں متشابہ طریقہ پر نفخ کیا گیا۔ اس حال میں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بطن آمنہ علیہا السلام میں مادی آلائشوں سے مرکب خون مقرر کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر یہ منحصر کر دیا کہ آپ اپنے جہد و عمل۔ محنت و تزکیہ سے اس مادی قوت کو تحلیل کر کے اپنی نوری قوت کو خالص بنائیں ـــــ جسکے لئے کائنات میں جملہ خلفاً و انبیاً سے زیادہ شدید محنت۔ ریاضت و تزکیہ آپؐ کے ذمہ مقرر ہوئی اور اس امر میں بھی شبہ نہیں ـــــ کہ آپ کو اپنی پیدائش میں نوری صفت حاصل تھی۔ جسکی شہادت واقعہ شقِ صدر سے ملتی ہے ـــــ جیسا کہ حلیمہ سعدیہ علیہ السلام کے فرزند عبداللہؓ کا بیان ہے کہ کمسنی کے عالم میں۔ جبکہ آپؐ جنگل میں گلہ بانی کرتے تھے۔ ملائکہ نے آپؐ کا سینہ چاک کر کے۔ قلب مبارک کو سینہ سے باہر نکال کر دھویا اور پھر سینۂ مبارک میں رکھدیا۔ یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ قلب کو سینہ سے نکال کر الگ کرنا اور حضورؐ کی زندگی میں فرق

نہ آنا ـــــ نوری صفت کی دلیل ہے ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی حیثیت میں سب سے زیادہ ـــــ کائنات میں سب سے زیادہ حمد کرنے والی ذات بنا کر احمد کا خطاب عطا کرنا تھا ـــــ تاکہ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی خصوصیتِ خلافت بھی آپ سے ہی تکمیل پذیر ہو۔ اسلئے آپ کو صفتِ احمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیدا کیا گیا کہ انتہائی حمد سے اپنی مادی آلائشوں کو جوان پر طاری کی گئیں پاک کر کے اپنی نوری صفت کو پھر سے بحال کریں۔

جیسا کہ بیان ہو چکا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس میں روح حیوانی کی جگہ روحِ رحمانی کام کرتی تھی ـــــ یہی روح زندگی کا سبب تھی۔ جیسے روحِ حیوانی عام انسانوں میں زندہ رکھنے کا کام کرتی ہے ـــــ چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں بھی بشری کیفیتیں (حواس وذہن۔ اعضے وجسم) تھیں۔ اسلئے آپ پر بھی۔ عبادت۔ تسبیح وحمد ـــــ تصور ومشاہدۂ اسرار الٰہی اور مشاہدۂ ذات الٰہی مقرر تھا ـــــ تو آپ کو خواہ خلیفہ ارض کی حیثیت میں مشاہدۂ اسرار الٰہی ہوا ـــــ یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے مشاہدہ ہوا یا نبی مصطفےٰ رسول اللہ کی حیثیت سے مشاہدہ ہوا۔ یہ سب مشاہدات آپ کو آپؐ کی روح رحمانی (روحِ جسمانی) سے ہوئے ـــــ جو روح آپؐ میں بمنزلہ روحِ حیوانی ہے۔ اور جب مشاہدہ کی تکمیل آپکی روحِ رحمانی سے ہوئی۔ تو پھر آپکو کسی اور روح کی ضرورت باقی نہ رہی۔ البتہ آپکی اصل روحِ رحمانی نورِ ابتدائی ہے۔ جسکی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ سب سے پہلے جو مخلوق ہوا۔ وہ میرا نور تھا ـــــ درحقیقت نُوْرِیْ سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح رحمانی یعنی عام بشر کے مقابلہ میں دوسری روح جو حقیقت محمدیؐ میں محمد ہی کی شکل ہے۔ یہی محمد بحیثیت روحِ رحمانی (روح محمدیؐ) صرف ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس حال میں کہ آپ کے لئے اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی حیثیت میں۔ اسماء کلھا کا مشاہدہ مقرر نہیں۔ جبکہ اسماء کلھا آپ ہی کی روح (نوری) سے تشبیہ ہیں۔ اس اعتبار سے بھی آپ کو احمد کہا گیا۔ کہ کائناتِ خلقت میں سب سے قریب ذاتِ الٰہی کے۔ اسی اعتبار سے آپ نے کائناتِ خلقت میں ذاتِ الٰہی ہی کی بدرجہ اکمل پہچان کرنی ہے ـــــ اور بحیثیت احمد آپکو اپنے بشری وجود کو مادی آلائشوں سے ـــــ محنت وریاضت۔ عبادت۔ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ـــــ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ

وَطٰا کی ریاضت سے پاک وطاہر کرنا محض عبادت کیلئے ہی نہ تھا۔ بلکہ اپنا حقیقی نوری مقام (نوری جسم) حاصل کرنے کیلئے تھا۔ کہ اپنی روحِ جسمانی سے اللہ تک رسائی حاصل کریں۔ اور جسم سے اللہ کا قرب حاصل کریں۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل (سورہ سبحٰن الذی) میں واقعہ معراج کو قرآن نے دانستہ طور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری جسم کی شہادت کیلئے بیان کیا۔ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی طرح کھل کر آپ کیلئے ترکیب پیدائش کا ذکر نہ ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپکے نوری وجود کی خود شہادت اسی آیت سے دی ___ کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ___ اور ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ___ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس امر کی شہادت دی (وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأَیْتُ رَبِّیْ بِعَیْنِیْ وَبِقَلْبِیْ (حدیث)) کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ___ آپکا یہ معراج حق الیقین کا مشاہدہ ہے۔ اس مشاہدہ کی اصل کیفیت یہ ہے۔ کہ آپؐ نے معراج میں اپنی روح رحمانی (روحِ جسمانی) سے صراط مستقیم کے اسرار کا مشاہدہ کیا۔ یہ اسرار خود آپؐ کی ذات تھی۔ اور آپ اپنے جسم سے اپنی روح میں پرواز کرتے۔ اپنی روحِ رحمانی (روح محمدیؐ) تک پہنچ کر۔ روحِ محمدیؐ (نور ابتدائی) میں مل گئے۔ اس مقام پر آپؐ نے محمد واحمد کی حیثیت میں ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا ___ اور ذاتِ الٰہی ___ نورالٰہی میں وصال حاصل کیا ___

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معراج اس معراج سے علاوہ بھی ہیں۔ جن کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی ہے۔ کہ اکثر معراج کی راتوں میں آپ گھر پر موجود ہوتے تھے ___ یہ معراج عین الیقین کی نوع کے تھے ___ کہ آپ گھر بیٹھے اپنی روحِ جسمانی (روح رحمانی) سے عالم بالا کے مناظر مشاہدہ فرما کر ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے ___ اسی طرح ___ جس طرح ایک خلیفۂ ارض۔ نبی۔ اپنی روح رحمانی سے مشاہدہ میں اسرار الٰہی اور ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے ___

یہی نوعیت ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کی۔ کہ آپ مثل بشر ___ اپنی روح جسمانی سے۔ اسرار الٰہی (حقیقت محمدیؐ ___ نور محمدیؐ) کا مشاہدہ کرتے ہیں ___ جو دو طرح سے ہوا۔ ایک عین الیقین کی صورت میں گھر بیٹھے معراج کیا ___ دوسرا بھی اسی روحِ جسمانی سے قریب ذاتِ الٰہی پہنچ کر حق

الیقین کی صورت میں کیا۔ اس امر سے یہ ثابت ہوا کہ سیرت النبی میں تمام کائناتِ خلقت میں افضل نبی بجمیع کمالات حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے ___ جنکی ذات اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کا واحد مقصد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی کسی شے کو نہ بنانا تھا۔ فقط محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو بنانا تھا۔ آپ کی ذات سے ماسویٰ اور کوئی ذات نہیں جو اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کے منصوبہ میں اللہ تعالیٰ کی تخلیقی ترکیب میں ظاہر ہو ___ اور یہ جو کچھ ماسویٰ ہے۔ اسکی شکل وصورت۔ مادہ ___ مرکب ___ سب نورِ محمدیؐ ہی ہے ___ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ماسویٰ جو شے ہے۔ جو مقام ہے۔ سب محمد ہی محمد ہے۔ اسلیئے آپ کی ذات کیلیئے۔ حاضر وناظر ۔غیب دان۔ حیات النبی۔ سب خصوصیات آپکی صفات میں شامل ہیں اور زمین پر آپکا ظہور بھی اس غرض سے ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ روحی اعتبار سے تمام کائناتِ خلقت پر فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہر طور بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ایک عام بشری حیثیت میں پیدا کر کے ___ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کی مخلوق میں شامل کر کے۔ آپ کی فضیلت کو آپ کے عمل پر منحصر کر دیا۔ کہ آپ اپنے عمل سے مخلوقِ انسانی میں مقام خلافت ونبوت پر فائز ہوں۔ تا کہ آپ کیلیئے یہ حجت باقی نہ رہے۔ کہ آپکو یہ فضیلت باقی انبیاءؑ کی طرح وہبی یا اصطفائی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ملی ___ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا۔ کہ آپکی فضیلت کو آپکی ذاتی جدوجہد پر منحصر کر کے تمام مخلوقِ بشری میں آپکو فضیلت حاصل ہو ___ سو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی جہد وعمل سے یہ افضل مقام حاصل کیا۔ جو کسی نبی کو حاصل نہ ہوا اور اپنے جہد وعمل سے ایک ایسا نمونہ قائم کیا۔ جو رہتی دنیا تک علےٰ حالہٖ باقی وقائم رہیگا۔ یہ مقامِ اصطفےٰ ورسالت ہے ___ جو آپ کے بعد تا قیام قیامت باقی رہیگا۔ یہ مقامِ محمود ہے۔ جسکے متعلق قرآن نے ایک خصوصی بیان پیش کیا ___ کہ یا محمدِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو زمین پر اسلیئے بحیثیت بشر مبعوث کیا گیا۔ کہ آپ بحیثیت رسول ایک ایسا عمل جاری رکھیں جو تا قیامت باقی رہے۔ جس سے قیامت تک انسان راہنمائی حاصل کر کے حصولِ معرفت میں تشنہ و محروم نہ رہے ___ سو اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا ___

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِط اِنَّ قُرْاٰنَ

الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا ١ ۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ ق عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۔ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ـــــ نماز قائم کریں دن ڈھلنے سے رات گہری ہونے تک ـــــ اور صبح کے وقت پڑھنا (ذکرالٰہی)۔ تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے ـــــ اور رات کو (جیسا کہ آپ رات کے تین چوتھائی۔ نصف حصہ اور تیسرے حصہ میں اٹھ کر نماز قائم کرتے ہیں) تہجد ادا کریں ـــــ یہ عبادت محض آپکی ذات کیلئے۔ بطور زائد عبادت ہے ـــــ تاکہ اس عبادت سے۔ آپکو مقامِ محمود حاصل ہو ـــــ مقامِ محمود ٢۔ کا عجمی تصور ـــــ کثرت سے ـــــ اور طویل زمانہ تک آپکی حمد کی جائے ـــــ اور حمد سے مراد پہچان ـــــ پہچان میں تصور۔ معرفتِ حقیقتِ محمدیؐ ہے ـــــ

آیت مذکور پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے ـــــ کہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ـــــ اور مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ۔ یعنی رات کے آخری حصہ میں قرآن پڑھنا ـــــ اور رات جاگنے اور عبادت کرنے سے ایک تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بشری یکسر نور ہوگئی ـــــ کیونکہ رات جاگنے کا اثر قرآن نے اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً ـــــ بتادیا۔ کہ انسانی روح و جسم پر طاری شدہ کثافت ـــــ کچل کر رہ جاتی ہیں۔ یعنی نفس کی کثیف آلائشیں ضائع ہوکر۔ انسانی جسم و روح پاکیزہ اور لطیف ہوجاتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شدید۔ ریاضت۔ محنت و عبادت کا نتیجہ لازمی وَطْاً ـــــ کثیف مادی آلائشوں سے آپؐ کے بشری جسم کا پاک ہونا تھا ـــــ یہ وہی مادی آلائشیں تھیں جو آپ کو بشری حیثیت

١۔ یہ آیات قرآنی شریعت میں طریقت کا ایک خاص تصور رکھتی ہیں۔ جس سے اسلام میں طریقِ طریقت کا ثبوت ملتا ہے۔ افسوس کہ علمائے شریعت نے ان آیات کے بطن پر عمیق نظر سے غور نہیں کیا۔ محض اہل طریقت سے عناد و منافرت کے باعث ان پر ان آیات کی صحیح تفسیر واضح نہ ہوسکی۔ چونکہ ان علماءؔ نے دیدہ دانستہ علم طریقت کی نفی کی اسلئے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا کے معنی میں انہیں مبالغہ آمیز تصور کے اور سمجھ میں نہ آسکا۔ کہ صبح کا قرآن پڑھنا فرشتوں کے ذریعہ اللہ کے سامنے حاضر کیا جاتا ہے ـــ گویا صبح کا پڑھنا فرشتوں کے ذریعہ اللہ کے سامنے فوقیت رکھتا ہے۔ حالانکہ قرآنی اصطلاح میں "حاضر ہونا" مبالغہ آمیز معنی ہے۔ جبکہ مَشْهُوْدًا سے واضح مراد مشاہدے میں آنے کے ہیں۔

٢۔ مقامِ محمود کے بھی علماءؔ و مفسرین نے سطحی معنی لئے۔ کہ یہ کوئی خاص مقام ہے۔ حالانکہ محمود کے واضح معنی حمد کیئے گئے ہیں۔ یعنی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی حمد کیا جانا۔

میں آپکے نوری (بنیادی وجود) وجود پر طاری کی گئیں ـــــ اسکا نتیجہ یہ ہوا۔کہ کائنات میں بشری حیثیت میں بھی آپکو جملہ انبیاءؑ میں مقامِ افضلیت حاصل ہوا ـــــ اور یہ کیفیت قرآن کے احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہوئی۔ یہ عمل آئندہ امت کیلئے باقی رکھا گیا ـــــ کہ اسی طرح خلفائے رسول اللہ بھی اس عمل سے جملہ مخلوقِ بشری میں ـــــ رات جاگنے۔صبح کا قرآن پڑھنے سے ـــــ تحلیل نفسی۔ پاکیزہ اور لطیف روح و جسم حاصل کر کے اپنے بشری وجود کو نوری خاصیت میں لاسکینگے ـــــ چونکہ امتِ محمدیؐ میں خلفائے رسول اللہ ﷺ کا جسم روحِ حیوانی سے بنا ہے ـــــ اس طرح انکی روح حیوانی بھی بمنزلہ روح رحمانی ہو سکے گی ـــــ اور وہ بھی اپنی روحِ حیوانی سے عالمِ ناسوت میں بجسم انتقال کر سکینگے۔اس کیفیتِ انتقالی کو اصطلاحِ طریقت میں طئِ مقام سے موسوم کیا جاتا ہے ـــــ دوسرے یہ کہ روحِ حیوانی کو بوجہ لطافت دوام حاصل ہوگا۔یعنی یہ روحِ حیوانی مٹی میں دفن ہونے کے بعد جذبِ زمین نہیں ہوگی۔ بلکہ اپنی لطیف ہیئت کے اعتبار سے۔قبر (زمین) میں ـــــ اس روح میں زندگی کے آثار علےٰ حالہٖ باقی رہینگے جسطرح موت سے قبل اس میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں ـــــ اور ایسی ہستیاں جیسا کہ انکا عمل ـــــ (حرکت و عمل) زندگی میں پایا جاتا تھا۔موت کے بعد بھی بوجہ حیات باقی رہیگا ـــــ اور عالمِ برزخ میں انکی روحِ حیوانی۔سن سکے گی۔کلام کر سکے گی۔اور کسی کے پکارنے پر انکی امداد (قوت نوری سے) کر سکے گی۔جسطرح وہ زندگی میں کر سکتے تھے ـــــ یہ امداد کس نوع کی ہے ـــــ؟ اسکے متعلق نوری قوتوں کا تجزیہ کرنا ضروری ہے ـــــ وہ یہ کہ انسان میں دو روحیں ـــــ نوری حیثیت میں پائی جاتی ہیں۔ایک روح حیوانی ـــــ یہ ناری قوت ہے ـــــ اس ناری قوت کی طاقت ایسی ہی ہے جیسی زمین اور فضائے آسمانی کی ناری قوتوں کی طاقت ہے ـــــ فضائے آسمانی کی ناری قوتوں میں ـــــ تمام کرۂ ناری کی ناری طاقتیں۔جن میں سورج اور سورج سے علاوہ اور بھی فضائے آسمانی میں واقع سورجوں کی ناری قوتیں ـــــ ان میں شدید تپش اور روشنی پائی جاتی ہے۔انکی شدت کا اثر یہ ہے۔کہ اگر ہمارے قریب کے سورج کی شعاع کسی مادی شے پر قریب سے پڑ جائے تو وہ شے جل کر معدوم ہو جائیگی ـــــ اگر سورج کی شعاع قریب سے زمین پر پڑ جائے۔تو زمین کی ہر شے پگھل کر معدوم ہو جائیگی ـــــ یہ ایک ناری قوت کا اثر ہے ـــــ محققین نے ایسی ہی قوتوں کو کام میں لا کر انکے اثرات سے کیفیتوں کی ہیئتِ

تبدیل کرڈالی ہیں ــــ اسکے علاوہ زمین سے خارج ہونے والی قوت ــ یا فضائے آسمانی کی قوت ایثر ــــ زمین سے خارج ہونے والی قوت میں ۔ایٹم ۔ہائیڈروجن گیسیں ہیں ۔جنکی شعاع کسی مادی شے پر ڈالی جائے تو اسکی ہیت تبدیل ہوکر فنا و معدوم ہو جاتی ہے ــــ اسکے مقابلہ میں ایثری قوت فضائے آسمانی کی قوت ہے ۔جو زمین سے لیکر آسمانِ دنیا تک واقع ہے ــــ اور آسمانِ دنیا سے لیکر آسمان ہفتم تک بھی یہی ایثری قوت واقع ہے ۔لیکن آسمان نوری ہیئتوں میں ہیں ۔اسلئے ان آسمانوں کی ایثری قوت میں نوری قوت پائی جاتی ہے ــــ آسمان دنیا تک واقع ایثری قوت ناری قوت کی حامل ہے ۔یہی ناری قوت (ایثر) انسانی وجود میں روحِ حیوانی کی شکل میں واقع ہے ۔گویا ۔انسانی وجود میں ــــ اسکا روحی وجود (جو بذات خود انسان ہے) بھی ایثری قوت کا حامل ہے اور اس قوت میں بھی وہی طاقت اور اثر پایا جاتا ہے ۔جو فضائے آسمانی کی ناری قوتوں میں پایا جاتا ہے ۔لہذا ۔اگر انسان کی روحِ حیوانی ۔خالص اور پاکیزہ و لطیف ہو ۔تو اسکا عمل بھی ایسا ہی ہوگا جیسا کہ سورج کی ناری قوت کا ۔کہ انسان اپنی روحِ حیوانی سے کسی شے پر توجہ (عکس) ڈالے تو وہ شے معدوم و فنا ہو سکتی ہے ۔یعنی اگر ایک پاکیزہ انسان کسی شخص پر اپنی روحی توجہ ڈالے تو اسے اپنی قوت کے احاطہ میں لیکر مغلوب یا زیر کر سکتا ہے ۔اسی قوت سے ایک پاکیزہ روح انسان صرف توجہ و ارادہ سے ہر شے کی ہیئت تبدیل کرنے پر قادر ہوتا ہے ۔اور اس قوت کا تاثر یہ ہے ۔جیسے سورج کی شعاعوں سے ۔مردہ زمین اور زمین کی مخلوق (نباتات ۔جمادات ۔حیوانات) میں زندگی کے آثار آجاتے ہیں ــــ اسی طرح روح حیوانی کی توجہ سے ایک بیمار جسم ۔میں زندگی کے آثار قائم ہو جاتے ہیں ــــ الغرض ــ انسان ۔جو کچھ بھی اپنی جسمانی طاقت سے حرکت و عمل کرتا ہے ۔یہ اسکی روحِ حیوانی کے زیر اثر ہوتا ہے ۔کسی دشمن سے مظلوم کو بچانا ۔مغلوب کرنا ــــ کسی غریب کی امداد کرنا ــ بیمار کو دعا سے صحت یاب کرنا ــــ کسی شخص کی حاجت پورا کرنا ۔یہ سب خصوصیات روحِ حیوانی سے بھی وابستہ ہیں ۔یہ تمام خصوصیات ایک پاکیزہ انسان کی روح حیوانی میں (روحانی حیثیت میں) قائم رہتی ہیں ۔اور قبر میں جبکہ اسکی روحِ حیوانی اپنی صفات و کمالات میں کامل ہو ــــ ایک خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زندہ حالت میں ان تمام صفات و کمالات پر قادر ہو سکتا ہے ۔کہ اپنی توجہ سے زمین پر رہنے والے انسانوں کی امداد و اعانت کر سکے ــــ اور اگر ایسی ہستی سے کوئی

شخص امداد و اعانت کیلئے رجوع کرے یا پکارے۔تو عالمِ برزخ میں واقع روح حیوانی۔جبکہ اس میں قوتِ سمع و کلام و عمل باقی و قائم ہے۔ایک شخص کی پکار۔سن سکتی ہے۔کلام کر سکتی ہے۔اور اسکا عمل بھی جاری رہ سکتا ہے یہ عمل۔یہ کمال امتِ محمدیؐ میں۔ایک خلیفۂ نبی ــــ قائم مقام رسول کو۔رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسی عمل سے حاصل ہوتا ہے۔جو عمل قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے قرآن پڑھنے۔رات جاگنے کی شکل میں مقرر کیا ــــ اس عمل سے امتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم میں وہ تمام خصوصیات باقی رہینگی۔جو خصوصیات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھنے۔رات جاگنے میں حاصل ہونگی ــــ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ جسدی کو جو کمال دنیا سے رحلت کرنے کے بعد حاصل ہونگے۔یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح جسدی کو۔جبکہ آپؐ کی روح ــــ روح رحمانی کی مثل ہے۔ابدی حیات حاصل ہے۔کیونکہ روح پر موت واقع نہیں ہوتی ــــ گویا آپؐ بعد وفات بھی حیات النبی رہینگے۔چونکہ آپ کی روحِ جسدی مجسم روح ہے۔اسلئے عالمِ برزخ میں۔آپ کی ذات (روح) ویسی ہی ہوگی جیسی دنیا پر تھی اسلئے آپ کی روح۔کو سمع و کلام۔حرکت و عمل بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگا اور آپؐ کی امت میں خلیفۂ نبی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی عالمِ برزخ میں سمع و کلام۔حرکت و عمل حاصل ہوگا ــــ اسی طرح جیسا کہ انسان کو دنیا پر زندہ حالت میں۔علم و معرفت۔اور راہنمائی حاصل ہے ــــ بعد وفات بھی یہ صفتِ علم و معرفت باقی رہیگی۔جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔عِلْمِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ (وفاء الوفا صفحہ ۱۳۵۳) میرا علم جیسا زندگی میں ہے۔بعد وفات بھی باقی رہیگا ــــ اسی طرح خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی بعدِ وفات علم باقی رہیگا ــــ اور اس علم کی حیثیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔علمائے امت۔خلیفۂ نبی رسول اللہ میں۔باقی رہیگی ــــ کہ آپؐ کی امت میں ہر زمانہ میں خلفائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے رہینگے۔جو آپؐ کے علم و عمل ــــ علم نبوت ــــ علم رسالت کو قیامت تک جاری رکھینگے ــــ علمِ نبوت میں مقامِ نبوت و خلافت ــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی ــــ مشاہدۂ اسماء کلھا ــــ عرفان حقیقت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم میں ــــ پہچانِ حقیقت محمدیؐ تا قیامت جاری رہیگا۔جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی پہچان ہوگی۔یعنی عالمِ مشاہدہ میں۔عالم ملکوت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی

زیارت (مشاہدہ) اور بیت اللہ میں دریائے توحید ۔تحت الثریٰ۔عرش اور عالمِ بالا میں نورِ محمدیؐ کا مشاہدہ۔خلفائے رسول اللہ جاری رکھیں گے ــــ اور یہی خلفائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۔علمِ رسالت ۔یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا علمِ شریعت اور آپؐ کی ذاتی عبادت کو ہر زمانہ میں جاری رکھیں گے۔انہیں خلفائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں۔آپکے اصحاب کیلئے۔وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کا خطاب اللہ تعالیٰ نے دیا کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علمِ نبوت و رسالت (طریقت و شریعت) کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے آئندہ آنے والی مخلوق کیلئے ایک مستحکم و مکمل علم باقی رکھیں گے اور انکے بعد اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نبی اسی علم و عمل کو قیامت تک جاری رکھیں گے۔یہی مراد مقامِ محمود سے ہے۔کہ اس زائد عبادت میں آپؐ کے ساتھ ایک جماعت (اُمَّةً وَّسَطًا) صاحب علم۔صاحب مشاہدہ۔کا ایک سلسلہ جاری رہیگا ــــ جو اسی عمل کے نتیجہ میں صاحب مشاہدہِ۔اسرار الٰہی ہونگے اور آئندہ آنے والی امتوں کی راہنمائی کرتے رہینگے۔جن سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ہر لمحہ۔ہر زمانہ میں درود پڑھا جائیگا۔اور طریق طریقت سے حقیقتِ محمدیؐ کی پہچان ہوتی رہیگی۔اس عمل کی خصوصیت یہ ہوگی۔کہ گزشتہ انبیاؑ کا علم و عمل زیادہ دیر تک محفوظ نہ رہ سکا۔اور ایک نبی و رسول کے بعد زمانہ کو دوسرے نبی و رسول کی ضرورت رہی۔مگر مقامِ محمود کا تقاضا ہے۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس خصوصی عمل کے نتیجہ میں۔امت میں کثرت سے علمائے امت (ولی کی حیثیت سے) پیدا ہونگے جو قرآن و حدیث کا علم جاری رکھیں گے اسکے ساتھ مشاہدہ اسرار الٰہی کو بھی ہر زمانہ میں عام کر دینگے جس سے مقامِ محمود کو قیامت تک دوام ملیگا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کے جانشین۔خلیفہ نبی۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہوئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلے قائم مقام ــــ خلیفہِ رسول اللہ خلیفہ نبی ہیں ــــ جنکے ذمہ۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی رسالت (شریعت۔قرآن) کو لوگوں تک پہنچانا ــــ اسکے ساتھ ہی علم نبوت ــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی ــــ انسان کو عطا کرنا جو اس آیت کے حکم کے مطابق ہوگا ــــ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

وَیُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ۔ کیونکہ ازلی وعدے کے مطابق ـــــ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ھُدًی کے مطابق۔ ایک نبیؐ مصطفیٰ۔ رسول کے ذمہ یہی عمل ہے۔ کہ اللہ کے احکام۔ اللہ کی کلام۔ لوگوں تک پہنچائے ـــــ انہیں تزکیہ کرے ـــــ انہیں علم و حکمت ـــــ مشاہدۂ اسرار الٰہی سے آگاہ کرے۔ یہی واحد مقصد ایک مصطفیٰ نبی۔ رسول کا ہے ـــــ یہی مقصد حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تھا ـــــ اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ ابتدائی تخلیق آدم پر نظر ڈالی جائے۔ تو ظاہر ہے ـــــ کہ ابتدائی پیدائش میں۔ انسان کو کسی دینوی نظام یا نظامِ حکومت کی ضرورت نہ تھی۔ جسکے لئے۔ ایک انسان کو خلیفہ بنا کر اسے مخلوق پر حکمرانی۔ یا مخلوق کی ضروریاتِ زندگی کے حصول میں ایک امیر یا لیڈر مقرر کیا جاتا اور قرآن نے اس بارہ میں تفصیلی طور انسانی مقصد زندگی کا بیان پیش کیا۔ کہ انسان کو ماسویٰ حصول سامانِ زندگی کی جستجو کی ذمہ داری کے ـــــ صرف مشاہدہ ۱؎ اسماء کلھا یا مشاہدہ اسرار الٰہی ـــــ تصور ذات الٰہی ـــــ عرفانِ حقیقتِ محمدیؐ کیلئے بنایا گیا۔ اور جب انسان نے صرف حصولِ سامان زندگی پر اپنی طاقت استعمال کی تو اسکے نتیجہ میں انسان کی روحانی قوتیں کمزور ہو کر انسان مشاہدۂ اسرار الٰہی سے محروم ہوتا گیا ـــــ اور اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اس زمانہ کی نشاندہی کر دی بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ـــــ اور اسی کمزوری کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہدایت اپنے مصطفیٰ نبی کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائی ـــــ اللہ تعالیٰ کے اِس منصوبہ میں بھی ـــــ زمانہ کے حالات پر غور کیا جائے۔ تو ظاہر ہوگا اول سے لیکر آخر تک ہر نبی مصطفیٰ۔ رسول نے انسان کو صرف ہدایت کی طرف لانے کی سعی و جستجو کی ـــــ اور کسی نبی نے کسی حکومت یا سامانِ زندگی کے حصول کیلئے کوئی خدائی ضابطہ۔ یا اپنا کوئی الگ ضابطہ پیش نہیں کیا۔ جس میں کسی حکومت کا تصور پایا جاتا ہو ـــــ تو ایسی صورت میں یہ تصور قطعاً درست نہیں ـــــ کہ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً کے بیان میں۔ انسان یا حضرت آدمؑ کو زمین پر کسی دینوی نظام چلانے کیلئے بحیثیت امیر یا حکمران یا خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجا گیا ـــــ تا کہ وہ دینوی نظام چلا کر انسان کی معاشی زندگی کو بحال کرے ـــــ ایسا نہیں ـــــ اور تواریخ بھی کسی رسول یا مصطفیٰ نبی کیلئے ایسے کسی دینوی نظام

۱؎ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ نہیں بنایا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کیلئے۔

کے عروج وارتقا کی نشاندہی نہیں کرتی۔

تواریخ سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قبل اور آپؐ کی بعثت کے وقت دنیا پر کئی عظیم الشان بادشاہتیں موجود تھیں ـــــ جن میں ہرقل روم ـ خسرو پرویز ـــــ قیصر وکسریٰ ـــ نوشیروان اور کئی بادشاہتیں دنیا پر قائم تھیں۔ اسکے باوجود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ نہ ایک لیڈر کی حیثیت سے۔ نہ کسی امیر کی حیثیت سے۔ نہ کسی حکمران کی حیثیت سے ظہور ہوا ـــــ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا کی حیثیت سے آپ قرآنی ہدایت کو لیکر آئے ـــــ جس میں انسان کو صرف اللہ کی ذات کی خالقیت کا تصور۔ اور ربوبیت کا تصور دلایا گیا ـــــ عبادت۔ تسبیح وحمد۔ قیامت۔ نتیجہ اعمال۔ صراط مستقیم اور ضلالت انسانی کا احساس دلایا گیا ـــــ جس میں کسی حکومت یا حکمرانی کا تصور پایا نہیں جاتا ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں۔ کسی حکومت یا حکمرانی کا کوئی تصور پیش نہیں کیا ـــــ اور جو احکام قرآن نے پیش کئے۔ ان میں سوائے عبادت۔ تسبیح وحمد اور حصولِ مقامِ خلافت (خلیفہ) اور کسی نظامِ زندگی کے قیام کا تصور پایا نہیں جاتا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں اس امر کی نشاندہی فرمادی۔ کہ آپؐ نے اپنے بعد ـــــ ہدایت میں اصل عمل۔ تسبیح وحمد کا طریقِ عمل۔ اور ایک قائم مقام خلیفہ نبی ـــــ خلیفۂ رسول اللہ کی تقلید واتباع کا تصور چھوڑا ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ رسالت (تیئس سالہ دور) میں۔ اسلامی اقتدار کی وسعت۔ مصر وشام اور جزیرۂ عرب کے وسیع علاقہ تک پہنچ چکی تھی ـــــ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی حیثیت کا سوائے۔ ایک رسول اور نبی کے کسی امیر یا حکمران بادشاہ۔ کے تصور میں نہیں پایا گیا۔ نہ ہی اتنے عظیم الشان اقتدارِ اسلامی میں کسی حکومت کا تصور پایا گیا۔ جس میں انتظام ملکی کیلئے کسی آئین یا انتظامی ڈھانچہ کی ضرورت کا احساس پایا جاتا ہو۔ سوائے اسکے کہ قرآن نے اس اقتدار اسلامی کو اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًاط ـــ آپؐ کے لئے آپ کا دین۔ قرآن۔ ھدایت۔ احکامِ شریعت اور طریقِ عمل جس سے انسان گمراہی کے اندھیرے سے نکل کر اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط ـــ نور میں داخل ہوتا ہے۔ یہ نور مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ مقامِ خلافت ونبوت اور عرفانِ حقیقت محمدی کا عمل ہے۔ یہی اسلام کا دین ہے۔ اور یہی مقامِ خلافت ونبوت

اور اسکے حصول کا آسان طریق جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انسان کیلئے ضابطہ کی شکل میں قائم کیا اور اس ضابطہ کی تعمیل سے انسان نے مقامِ خلافت حاصل کیا اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ کی شکل میں ملا۔

یہی علم و عمل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی میراث تھا۔ جو آپؐ کے بعد آپؐ کے قائم مقام خلیفہ نبی کو وراثت میں ملا۔ ظاہر ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہ تخت خلافت میں ملا۔ نہ حکومت خلافت میں ملی۔ نہ انتظام ملکی کا کوئی ضابطہ ملا۔ سوائے قرآن اور طریقِ عمل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ ظاہر ہے حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی اسی قرآنی تعلیم اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کو پیش کرنا تھا۔

اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ مصطفٰے نبی۔ انسان کو مقامِ خلافت و نبوت پر پہنچانے کیلئے۔ اسے قوتِ مشاہدہ۔ مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ عرفانِ حقیقت محمدیؐ حاصل کرانے کیلئے مقرر ہوتا ہے۔ سو مصطفٰے نبی کا کام انسان کو مقامِ خلافت پر پہنچانا ہے۔ اور اپنے بعد اس کام کو جاری رکھنے کیلئے ایک جانشین۔ خلیفہ کو بھی بنانا ہے۔ جو رسول کے بعد۔ خود مقام خلافت بدرجہ اولیٰ حاصل کئے ہو۔ اسے مشاہدہ اسرارِ الٰہی۔ مشاہدۂ ذات الٰہی۔ عرفانِ حقیقت محمدیؐ بدرجہ اولیٰ حاصل ہو۔ ورنہ بغیر اس صفت کے رسول کا جانشین ہونا ممکن نہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ان صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک قائم مقام خلیفہ نبی کیلئے یہ شرط لازمی قرار دی۔ کہ خلیفۂ اسلام سب سے زیادہ قرآن جاننے والا۔ اور سب سے زیادہ اس پر عمل کرنے والا ہونا چاہیے اور حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کا مقامِ خلافتِ رسولی پر فائز ہونا خود اس امر کی شہادت ہے کہ آپ کی ذاتِ عالی امت کے تمام افراد پر۔ علم و عمل میں افضل حیثیت کی حامل تھی۔ جو آئندہ انسان (امت) کی راہنمائی و اصلاح کرنے کی پوری صلاحیت رکھنے والی ہستی تھی اور یہ ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے۔ قرآن اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقِ عمل ہی کا اجرا کیا۔

جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ یہ وہ زمانہ تھا جب اسلامی اقتدار عرب کے وسیع علاقہ پر قائم ہو چکا تھا۔ اور کئی علاقے اسلامی اقتدار کے زیر نگیں ہو کر۔ کئی حکومتیں مٹ کر اسلامی اقتدار کے ماتحت آ چکی تھیں۔ اسکے باوجود اسلامی خلافت میں حکومت کا تصور پایا نہیں گیا۔ البتہ اسلامی اقتدار کا عوام

اور ممالک پر قائم رہنے کیلئے ایک منصوبہ کی ضرورت پیش آئی۔

تواریخ اسلام اس امر کی نشاندہی کرتی ہے۔ کہ اسلام کی بنیاد و ابتدأ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوئی ___ اسلام ایک دین کی حیثیت میں آیا ___ اسلام میں ایک رسول کے ذریعہ کلامِ الٰہی ___ یا احکام الٰہی۔ انسان تک پہنچانا ___ اور انسان کی جسمانی ___ روحانی اصلاح کر کے ___ اسے صاحب علم۔ صاحب معرفت بنانا ___ لہٰذا اجرائے دینِ اسلام میں کسی حکومت یا حکمرانی کا سرے سے تصور پایا ہی نہیں جاتا ___ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کے اجرأ میں ___ نہ طاقت کو استعمال کیا ___ نہ کسی اور ذریعہ کو اپنے اقتدار کیلئے استعمال کیا ___ سوائے اسکے بازاروں میں۔ محلوں میں۔ قریوں میں۔ قصبوں میں جا جا کر يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ۔ اللہ کی کلام سناتے رہے۔ کہ انسان اللہ کو بھول چکا ہے ___ عبادت و تسبیح وحمد بھول چکا ہے ___ اللہ کا راستہ بھول چکا ہے ___ اور اپنی انسانی صفات کھو چکا ہے۔ دنیا پر فساد و خونریزی کا دور دورہ ہو چکا ہے۔ انسان ہر حال میں منتشر ___ گمراہ اور تباہی میں آ چکا ہے ___ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اجرأ میں جو ابتدائی قدم اٹھایا ___ وہ صرف خالص تبلیغ تھی ___ جیسا کہ تواریخ سے ثابت ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو کوہ صفا کے دامن میں اکٹھا کر کے۔ فرمایا ___ اے میری قوم! تم مجھے کس حیثیت میں دیکھتے ہو ___؟

اس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کیا تھی ___ آپؐ اگرچہ مکہ میں بنی اسماعیل خاندانِ ہاشمی کے فرد کی حیثیت سے ایک ممتاز قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اس قبیلہ کے مقابلہ میں۔ اور بھی بنی اسماعیل خاندان کے قبیلوں میں بنوتمیم۔ بنوامیہ۔ بنومخزوم۔ بنوعدی۔ بنوعامر۔ بنوجمح۔ بنوسہم۔ بنواسد۔ ہصیص وغیرہ قبیلے یکساں حیثیت رکھتے تھے ___ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان مطلبی کو باقی قبیلوں میں شرافت کے اعتبار سے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ___ کیونکہ اس خاندان کی بزرگ ہستیوں میں۔ حضرت عبدالمطلبؓ۔ حضرت عبداللہؓ۔ حضرت ابو طالب۔ ابولہب۔ جیسی ہستیاں موجود تھیں۔ جنہیں ہر قبیلہ کے لوگ احترام سے دیکھتے تھے ___ حضور علیہ السلام کی ذاتی زندگی کا تاثر اس میں شامل تھا ___ کہ جوانی سے لیکر چالیس سال کی عمر تک آپکے اخلاق وحسنِ کردار سے قوم کا ہر فرد متاثر تھا اور آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا ___ لیکن اس احترام میں۔ نہ قوم کے تصور میں یہ چیز موجود تھی

کہ ایسا شخص ایک حکمران یا امیر قوم ہونا چاہیے ___ نہ ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تصور میں یہ بات تھی کہ آپ اس قوم کے امیر یا حکمران بنیں ___ نیز یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے ذاتی خاندانی وقار کے ___ اور کوئی ذریعہ ایسا میسر نہ تھا۔ جس سے کہ آپ عوام کو اپنا محکوم یا اپنا تابع بناتے ___ سوائے اسکے کہ قوم آپ کو امین و صادق ___ امن پسند۔ مدبر و عقلمند۔ صاحب الرائے۔ شریف۔ اور بہتر اخلاق کا مالک سمجھتے تھے۔ یہی صفت تھی جس کے ذریعہ آپؐ عوام کو اپنی بات سنانے ___ اور اپنی بات منوانے پر آمادہ کر سکتے تھے ___ چنانچہ آپؐ کی قوم نے۔ آپؐ کے جواب میں۔ پر اعتماد لہجہ میں جواب دیا۔ آپؐ کی حیثیت۔ اخلاقی اعتبار سے اعلےٰ ہے ___ آپؐ سچے ہیں ___ جو بات بھی کرینگے۔ اس میں بہتری اور سچائی کا پہلو غالب ہوگا ___ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ___ اللہ ایک ہے ___ وہی معبود ہے ___ میں اسکا رسول ہوں ___ میں نبی ہوں ___ نیکی کی جزا بھلائی ___ برائی کی سزا نقصان۔ تم ایک اللہ کی عبادت کرو ___ بتوں کی پرستش چھوڑ دو ___! ___ اس بیان میں کسی قسم کی حکمرانی ___ یا حکومت یا نظامِ ملکی کی اصلاح و عروج کا کوئی تصور موجود نہیں ___ یہی تبلیغ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اول سے آخر تک رہی ___ ہاں! جو کچھ حصولِ اقتدار میں معاون و سبب یا ذریعہ ہو سکتا تھا۔ اس تبلیغ نے اُسے بھی ختم کر دیا۔ وہ خاندانی وقار جاتا رہا ___ وہ خاندانی قوت جاتی رہی ___ وہ ذاتی وقار و احترام بھی جاتا رہا۔ قوم نے یکلخت منہ پھیر لیا۔ ناراض ہوگئی اور آپ کو برا بھلا کہنے لگی۔ گھر گھر میں۔ آپؐ کے خلاف چہ میگوئیاں اور نکتہ چینی ہونے لگی ___ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا۔ کہ قوم آپؐ کی تبلیغ سے برافروختہ ہوگئی۔ اب انکے دل میں آپ کا احترام باقی نہ رہا ___ بلکہ قوم آپؐ کی مخالف ہوگئی ___ ظاہر ہے۔ ایسے وقت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی ضروری تھا کہ آپ قوم کی مخالفت پر اپنی قوت کو محفوظ کر لیتے یا قوم کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک غالب قوت حاصل کرنے کا منصوبہ بناتے ___ تواریخ سے ظاہر ہے کہ اقوام عالم کے پیغمبروں کی تبلیغ میں اسی طرح کی مشکلات پیش آتی رہیں۔ کوئی پیغمبر (رسول) اپنی تبلیغ میں بذاتِ خود کامیاب نہیں ہوا۔ جب تک کہ اِسے۔ اللہ کی طرف سے معجزات کی امداد ___ یا کسی بادشاہ کی اعانت حاصل نہ ہوئی ___ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کوئی معجزہ پیش کرتے۔ یا اپنی خاندانی قوت کو استعمال کرتے۔ یا کسی

غالب جماعت یا قبیلہ کی حمایت حاصل کر کے ہر مخالفت کا مقابلہ کر کے اپنا غلبہ واقتدار حاصل کرتے ـــــ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسلئے کہ آپ کے مشن میں بَلِّغۡ مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ۔ اللہ کی کلام کو لوگوں تک پہنچانے کا ایک واحد تصور ومقصد تھا ـــــ ابتدائی دور میں حضرت عبدالمطلب کا سایہ سر سے اٹھ گیا ـــــ ابوطالب نے بھی بظاہر آپؐ کی حمایت میں قوم کی مخالفت کا بڑھ جانا مناسب نہ سمجھا۔ اور آپ کو (بغیر قوی اقتدار) قوم سے مخالفت نہ لینے کا مشورہ دیا ـــــ ابولہب۔ ابوالحکم (ابوجہل) اس وقت بھی قبیلوں میں۔ عزت واحترام ـــــ اور سرداری کا مقام رکھتے تھے۔ اگر یہی دو شخصیتیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوقت ساتھ دیتیں۔ تو قوم حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر وہ مظالم روا رکھنے کی جرأت نہ کرتی جو انہوں نے آپ پر تبلیغی دور میں کئے۔ بلکہ اغلب تھا۔ کہ انہیں دو شخصیتوں کے اسلام قبول کرنے سے۔ بجائے مخالفت وظلم وجور کے اکثریت کے ساتھ لوگ بلا مزاحمت اسلام قبول کرتے۔ مگر آپ کی ابتدائی تبلیغ میں یہی دو قوتیں آپکی مخالف ودشمن ہوگئیں۔ جنکے مخالف ہونے سے آپؐ کیلئے۔ اقتدار وغلبہ حاصل کرنے کی تمام راہیں مسدود ہوگئیں ـــــ مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں کسی غلبہ واقتدار کا تصور موجود ہی نہ تھا ـــــ آپ تنِ واحد ـــــ ایک رسول و نبی کی حیثیت سے اٹھے۔ اور انسان کو صراطِ مستقیم تک پہنچانے۔ اور صراط اللہ کی راہ پر لے جانے کیلئے برابر وعظ کرتے رہے۔ اور تکلیفیں اٹھاتے رہے ـــــ آپ نے ایک دن بھی ایسا نہ آیا کسی شخص کو یہ تحریک دی ہو۔ کہ میری جماعت میں شامل ہوجاؤ ـــــ! تاکہ ایک طاقتور جماعت تشکیل دی جائے۔ اپنی جماعت کے اغراض ومقاصد وضع کئے جائیں۔ روپیہ جمع کیا جائے۔ جو تبلیغی سلسلہ میں خرچ کیا جائے جلسے کئے جائیں۔ میٹنگیں کی جائیں۔ لٹریچر۔ کتابی صورت میں پراپیگنڈہ کیا جائے ـــــ ہرگز نہیں ـــــ سوائے اسکے یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ۔ قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ اللہ کی کلام سناتے رہے ـــــ بس ـــــ اسی کلام نے انسانی قلوب متاثر کئے ـــــ یہ کلام حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ قدسی سے ادا ہوتے رہے۔ اور انسان اسی کلام کو سنکر مجبور ہو گئے کہ کانوں میں انگلیاں دیں ـــــ جنہوں سے سنا انہوں نے خود بخود محکومیت کا جوا گلے میں ڈال لیا ـــــ جنہوں نے سنا ـــــ اور تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوسکے مجبوراً انہیں کہنا پڑا۔ کہ اگر آپ اقتدار وحکومت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں ـــــ مگر یہ جب تھا ـــــ کہ جب آپکا مقصد حکمرانی یا

حکومت ہوتا ـــــ آپؐ نے فرمایا ـــــ دین اسلام میں حکمرانی ـــــ حکومت کا تصور ہی نہیں ـــــ میں تو رسول و نبی ہوں ـــــ تمہیں اللہ کی عبادت۔ تسبیح وحمد ـــــ اور صراط مستقیم کی طرف لانے کیلئے آیا ہوں ـــــ بس ـــــ بالآخر قرآن نے ـــــ اللہ تعالیٰ نے۔ اعلان کر دیا ـــــ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○

حق جب آتا ہے تو باطل بغیر مقابلہ خود بخود سرنگوں ہو جاتا ہے ـــــ حق غالب ہو جاتا ہے۔ اسی کا اقتدار باقی رہتا ہے ـــــ یہ غلبہ واقتدار کیا ہے ـــــ دینِ اسلام میں لوگ جوق در جوق شامل ہو گئے ـــــ اسلام کو مٹانے والی کثرت ـــــ اقلیت میں آ گئی۔ اسلام کے مخالفین نے کوشش کی کہ دین اسلام میں کسی فرد کو شامل نہ ہونے دیں ـــــ اور جو شامل ہو اُسے قتل کر دیا جائے ـــــ یہی چیز دین اسلام کی مخالفت ہے۔ کہ اسلام میں جماعتی رنگ نہ پیدا ہو ـــــ اور جماعتِ اسلامی کو ختم کر دیا جائے ـــــ اسکے لئے ضروری تھا ـــــ کہ جماعتِ مسلمین کو محفوظ کیا جائے ـــــ اور اسلام کی تبلیغ میں حائل رکاوٹ۔ مخالفینِ اسلام کی قوت کو کمزور کیا جائے ـــــ اور ایک قوی جماعت کے زیر نگیں کیا جائے ـــــ کیوں اسکی ضرورت محسوس ہوئی ـــــ ؟ اسلئے کہ ایسا ہونا فطری طور ناگزیر تھا ـــــ کہ باوجود دین کو جماعت بندی اور اقتدار کے ذریعہ جاری نہیں کیا جاتا ـــــ لیکن ایسا ہونا فطری بات ہے کہ باطل خود۔ دین کی مخالفت میں برسرِ پیکار ہو جاتا ہے ـــــ لہٰذا اس پیکار کو ختم کرنے کا یہی ایک طریق ہے ـــــ کہ دشمن کو بے دست و پا کر کے اسکے ہاتھ سے ہتھیار چھینا جائے ـــــ ! اسلئے مخالف کے پیکار و جنگ و جدل میں اسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔ کہ انسانی مخلوق کو فلاح و امن میں داخل کرنے کیلئے ـــــ مخالف قوت کو بے دست و پا کیا جائے ـــــ یعنی اسکے ہاتھ سے ہتھیار چھینا جائے۔ تا کہ اسے قتل کرنے کا موقع نہ ملے ـــــ ہاں۔ اس مقابلہ میں جماعتِ اسلامی کا مقصد مخالف کو قتل کرنا نہیں ـــــ بلکہ اپنی حفاظت اس غرض سے کرنی ـــــ کہ کثیر جماعتِ اسلامی سے تبلیغی مقاصد میں وسعت ہو ـــــ اور مخالف کو اس تبلیغی مقصد میں رکاوٹ پیدا کرنے کی قوت حاصل نہ ہو ـــــ اور یہ بھی ـــــ کہ مخالف کو قتل نہ کیا جائے ـــــ صرف اسکی حملہ آور طاقت کو کمزور کیا جائے ـــــ اور زیادہ سے زیادہ افراد کو اپنا محکوم بنایا جائے ـــــ تا کہ وہ اپنے باطل ارادوں کو پورا کرنے میں مجبور ہوں ـــــ اس مقام پر اسلام کا مقصد محکوم بنانے میں۔ ایک انسان کو

ایک انسان کا غلام ومحکوم بنانا نہیں۔ کہ انسان اُسے اپنی ذات کیلئے استعمال کرے ــــ نہیں صرف اسلئے ۔کہ اسکے انسانی حقوق بحال رہیں ــــ صرف اسکے تخریبی ارادوں کو پابند کیا جائے۔اسکے ساتھ ہی اسلام کیلئے یہ ضروری ہے۔ کہ ایسے افراد کے تمام انسانی حقوق ــــ کھانا پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔آزادی سے اپنے ارادے کو کام میں لانا (اس حد تک جس حد تک ارادوں میں تخریب نہ ہو) اور جبر وظلم انسان پر روا نہ رکھنا ــــ اور انسانی جسم وروح کی اصلاح وتزکیہ کرنا اشد لازمی اور ضروری ہے۔اگر انسانی محکومی میں۔انسان کا تزکیہ واصلاح نہ کیا گیا تو خود اسلام ایسی محکومی کو جائز قرار نہیں دیتا ــــ بلکہ اسے ہر معاملہ میں آزاد کیا جانا ضروری ہے۔اگر ایسا شخص تخریب پر ہی آمادہ رہے ــــ

اسلام نے تبلیغ دین میں ہر شخص کو اسکی مرضی پر چھوڑ دیا۔ چاہے اسلام قبول کرے یا نہ کرے۔ اس پر کسی قسم کا جبر وزور نہیں ــــ اسلام کسی شخص کو دین میں داخل ہونے کیلئے کوئی فروعی طریق استعمال نہیں کرتا ــــ سوائے یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ ۔قرآن کے احکام سنانا ــــ سنانا اس طرح کہ خود احکامِ الٰہی کا پابند ہو کر۔بہتر کردار کا نمونہ پیش کرنا ــــ عمل میں ــــ یہی ایک عملی مظاہرہ ہے جسے دیکھ کر دوسرا متاثر ہو ــــ اور بات اسکے دل میں اتر جائے ــــ اور یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ جب تک کسی اچھی بات سے ایک انسان کا قلب متاثر نہ ہو کوئی انسان تسلیم ورضا پر آمادہ نہیں ہوسکتا ــ اور جب تک کسی انسان کو ایک بہتر عمل ــــ حسن کردار سے متاثر نہ کیا جائے ــــ کسی شخص کو کسی شخص کی اصلاح کسی اور طریق یا ذریعہ سے کرنے کا حق نہیں۔ نہ ہی کوئی اور ذریعہ اسلام نے مقرر کیا ہے۔ اسلئے یہ ضروری ہے۔ کہ جماعتِ اسلامی کا ہر فرد۔احکامِ الٰہی کا پابند ــــ بہتر کردار وعمل کا حامل۔صاحبِ تزکیہ ومجاہدہ ہو ــــ یہی ایک جماعت ــــ جماعتِ اسلامی دین کی دعویدار ہوسکتی ہے۔اسی جماعت کے ذمہ دینِ اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے ــــ جو صرف دین کے اجرا کیلئے ــــ زمین پر پھیل جائے ــــ یہی جماعت مخالفین اسلام کو محکوم بنا سکتی ہے۔ کہ محکومی کی حالت میں۔انسان کے حقوقِ انسانی کا ذمہ دار ہو جاتا ہے ــــ اور انسانی اصلاح وتزکیہ کا بھی ذمہ دار ہو جاتا ہے۔

یہی صورت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئی جب مخالفین اسلام نے اسلام کی افرادی قوت کو ختم کرنے کی کوشش میں مقاتلہ ومحاربہ شروع کیا۔نتیجتاً۔بعض مخالف طاقتوں کا قتل ہونا

لازمی تھا ـــــ اور اس مقابلہ میں جماعتِ مسلمین کا بھی قتل ہونا ضروری تھا۔ جبکہ مقابلہ دو قوی طاقتوں کا تھا۔ اور جو محاربہ میں کمزور ہوا۔ اس پر اسلام نے تلوار اٹھانا حرام قرار دیا ـــــ صرف انہیں محکوم بنایا گیا۔ جنہیں اسلامی اصطلاح میں غلام کہا گیا ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو بھی محاربے (جنگیں) ہوئے۔ وہ اسلام کی طرف سے نہیں۔ بلکہ مخالفین اسلام کی طرف سے ہوئے ـــــ جسکا انجام فتح مکہ پر ہوا ـــــ جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے ـــــ اس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک عظیم شہنشاہ کی تھی ـــــ مگر تاریخ گواہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ قدسی سے ایک لفظ بھی ایسا ادا نہ ہوا۔ جس میں شہنشاہیت کا تصور پایا جاتا ہو۔ بلکہ آپ نے فرمایا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ـــــ بس قصہ ختم ہوا۔ حق غالب ہوا۔ باطل ہر حال میں باطل ہے۔ جسکی شکست لازمی ہے ـــــ یہ الفاظ قابل غور ہیں جو دشمنان اسلام نے اپنی شکست کے بعد استعمال کئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج آپ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے ـــــ یہ امر بھی فطری ہے۔ کہ جن دشمنانِ اسلام نے جماعتِ اسلامی کے عظیم فرزندوں کو عذاب دے دے کر ہلاک کیا۔ انہیں قتل کیا۔ انہیں طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کیا۔ یہ ذاتی بغض وعناد ہی تھا۔ جسکے بدلے میں آج انتقام لینا ضروری تھا ـــــ مگر یہ بات تو کسی کے بھی تصور میں نہ تھی۔ کہ اسلام یا مخالفین اسلام کے درمیان جنگ و جدل کسی ذاتی اقتدار یا حکمرانی کے جذبہ کے تحت تھا ـــــ تو مخالفین اسلام نے۔ فوراً جواب دیا۔ کہ آج وہی سلوک ہونا چاہیے۔ "جو ایک بھائی۔ دوسرے بھائی سے کرتا ہے" حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج کے دن تم سے کوئی بدلہ چکایا نہیں جاتا ـــــ کیوں ـــــ؟ ـــــ اسلئے کہ آپ رسول و نبی بن کر آئے۔ جس نے انسانیت کی اصلاح کرنی ہے۔ اور انہیں صراطِ مستقیم تک پہنچانا ہے۔ انہیں مقامِ خلافت پر پہنچانا ہے۔ انہیں امن وسلامتی عطا کرنی ہے ـــــ آپؐ نے اللہ کی کلام انسان تک پہنچانی ہے اسکے لئے باطل کی راہیں مسدود کرنی ہیں۔ بس آج باطل کی طاقت ختم ہو کر رہ گئی۔ اور تم انسان ہو میں تمہارے لئے بھی رسول و نبی بن کر آیا ہوں۔ میں اس حال میں بھی تمہاری بھلائی چاہتا ہوں ـــــ اسلئے تم سے بدلہ نہیں چکایا جاتا ـــــ کیونکہ اسلام کسی شخص کی ذات کو اقتدار نہیں دیتا۔ بلکہ دنیا پر اللہ ہی کی ذات کا اقتدار ہے۔ اسی اقتدار کو خود قبول کرنا ہے۔ اور دوسروں سے قبول کرانا

۔۔۔۔ وہ اقتدار ۔۔!؟ انسان نے اللہ کی عبادت کرنی ہے اور جس مقصد کیلئے انسان کو پیدا کیا۔ اسے پورا کرنا ۔۔۔۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔ انسان نے۔ دنیا پر بحیثیت خلیفہ رہنا ہے ۔۔۔۔ خلیفہ کے معنی۔ اللہ کا نائب نہیں۔ یا زمین پر نظامِ حکومت چلانا نہیں۔ یا انسان کیلئے اسکی دنیوی ضرورتوں کو پورا کرنے والا نہیں ۔۔۔۔ بلکہ ملائکہ کے بعد۔ ادنیٰ خاک سے بنا ہوا بشری وجود ۔۔۔۔ جس کو روحِ رحمانی ودیعت کر کے ملائکہ سے اونچا درجہ دیا گیا۔ اور اسکے ذمہ ملائکہ کی تسبیح وحمد سے اعلےٰ تسبیح وحمد اور مشاہدۂ اسرار الٰہی رکھا گیا۔ یہی تصور خلیفہ کا ہے۔ یہی تصورِ نبیِ مصطفےٰ لیکر آتا ہے۔ اسی تصور کی تکمیل نبیِ مصطفےٰ سے ہوتی ہے۔ اسی تصور کی تکمیل نبیِ آخر الزمان حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کی گئی اور آپؐ نے یہی تصور۔ اپنے قائم مقام۔ خلیفہ نبی حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر ابن الخطاب۔ حضرت عثمان بن عفان۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیا ۔۔۔۔ اسی تصور کو لیکر حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین خلیفہ۔ مقامِ خلافت پر فائز ہوئے ۔۔۔۔ اس مقام پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاً ۔۔۔۔ ایک تو پیدائشی حیثیت میں۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی صفت کے خلیفہ و نبی ہیں۔ دوسرے عام انسانوں میں ۔۔۔ مصطفےٰ نبی ۔۔۔ رسول ۔۔۔ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصلاح کردہ قائم مقام عام امتِ محمدیؐ میں افضل درجہ رکھتے ہیں ۔۔۔ اس اعتبار سے یہ خلفاً ۔ خلیفۂ ارض کے علاوہ خلیفۂ رسول۔ خلیفہ نبی مصطفےٰ کہلائینگے۔ اور قائم مقام حیثیت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشن (مقصد تبلیغ) کو پورا کرینگے ۔۔۔۔ ایک گمراہ انسان کو صراط مستقیم تک پہنچانا۔ جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دوسرا۔ مخالفین اسلام جو اپنی طاقت سے جماعتِ اسلامی کو ختم کرنا چاہتے ہیں ۔۔۔ ان سے جہاد کرنا ۔۔۔۔ یہاں تک کہ ان کی طاقت ختم ہو جائے ۔۔۔۔ اور باطل قوتیں محکوم ہو جائیں ۔۔۔۔ اسکے لئے قرآن نے ہی حکم دیا ۔۔۔۔ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ'' وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ' لِلّٰہِ قتل کرو ۔۔۔۔ مخالف جماعتوں میں جو تلوار سے جماعتِ اسلامی کو اسلئے ختم کرنا چاہتی ہیں۔ کہ دینِ اسلام کا قیام ممکن نہ ہو ۔۔۔ انکا اس وقت تک مقابلہ کرنا لازمی ہے جب تک وہ یا تو ہتھیار ڈالدیں ۔۔۔ یا لڑتے لڑتے مارے جائیں ۔۔۔ تاکہ جماعتِ اسلامی کا وجود مستقلاً باقی رہے ۔۔۔۔ اسکی صورت یہی ہوتی ہے۔ کہ مخالفین اسلام کو محکوم بنایا جائے ۔۔۔ محکوم بنا کر انکی اصلاح

کی جائے۔ اصلاح کے بعد یہ لوگ خود اللہ و رسول کو تسلیم کریں اور جماعت اسلامی کے فرد بن جائیں اسکے لئے جماعتِ اسلامی کا اقتدار قائم رہنا ضروری ہو جاتا ہے ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جماعتِ اسلامی کو اگر چہ کسی۔ حکمران جماعت کی ہیئت میں تشکیل نہیں دیا ـــــ لیکن حالاتِ زمانہ نے۔ جبکہ مخالفین اسلام نے اسلام کو مٹانے کیلئے۔ جماعتِ اسلامی کو مٹانے کی کوشش کی۔ تو نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مخالفین اسلام مغلوب ہو گئے ـــــ اور جماعتِ اسلامی خود بخود غالب حیثیت اختیار کر گئی۔ اور باطل قوتوں کے مقابلہ میں۔ اسلامی اقتدار کا برقرار رہنا لازمی ہوا ـــــ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جتنے بھی غزوات (جنگیں) ہوئے۔ وہ سب اسی نوع کے تھے۔ کہ تبلیغ اسلام میں جس قوم۔ جس قبیلہ نے مخالفت کی اسکی سرکوبی کرنا لازمی تھا ـــــ اور یہ امر ایک حقیقت ہے۔ کہ اسلام کا ایسا اقدام مبنی بر حقیقت تھا ـــــ اسلئے کہ اسلام۔ انسانی فلاح و نجات اور انسانی روحانی عروج۔ اور امن و سلامتی کا دعویدار تھا ـــــ سو انسان کو اسکے مقامِ خلافت پر پہنچانے کا مقصد ایک حقیقی مقصد تھا ـــــ جسکا پورا کرنا ایک رسول اور جماعت اسلامی کیلئے ضروری تھا۔ ایسی صورت میں مخالفین اسلام کو مفادِ عامہ کے تحت ختم کرنا۔ یا محکوم بنانا۔ ایک راست اقدام تھا ـــــ جو عین فطرت کے مطابق تھا ـــــ اسی مقصد کو پورا کرنے کیلئے ـــــ اس چیز کی ضرورت محسوس ہوئی ـــــ کہ جماعتِ اسلامی۔ مفتوحہ قبائل ـــــ یا مفتوحہ ممالک کو اپنے زیر نگیں رکھ کر احکام الٰہی کے اجرا و نفاذ کیلئے اپنا ایک آئین مرتب کرے۔ جو عین اسلام کے مطابق ہو ـــــ جسکی پیروی سے ہر انسان کی اصلاح ہو کر جماعتِ اسلامی کو وسعت حاصل ہو ـــــ اسلئے کہ انسانی مخلوق کو صراط مستقیم حاصل ہونے میں آسانی ہو ـــــ اور کوئی طاقت اس مقصد کے حصول میں مزاحم نہ ہو ـــــ یہی کیفیت تھی جسکے لئے اسلامی اقتدار کا عوام اور مفتوح ممالک پر قائم رہنے کیلئے۔ ایک منصوبہ کی ضرورت پیش آئی۔ کہ محکومی کی حالت میں جماعتِ اسلامی ایک حکمران حیثیت میں محسوس کی جانے لگی۔ جس میں مفتوح علاقوں میں۔ عوام کے ہر حقوقِ انسانی کی ذمہ داری جماعتِ اسلامی پر آئی۔ کہ وہ عوام کی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی میں ـــــ انکے حقوق پورے کرے ـــــ اور جماعتِ اسلامی کے حقیقی مقصدِ خلافت یعنی تبلیغ دین کو آسانی سے جاری رکھے ـــــ ایسی صورت میں یہ تصور درست نہیں ہو سکتا کہ اسلام یا جماعت اسلامی کیلئے۔ عوام کی دنیوی

ضروریات پورا کرنا۔ انکے حقیقی مقصدِ تبلیغ میں شامل ہے ـــــ یہ صرف اسی صورت میں ہے۔ جب کسی قوم یا ملک کو محکوم حیثیت میں رکھنا مقصود ہو ـــــ اور یہ بھی اس وقت تک جب کوئی قوم اسلام کی حقیقت تسلیم نہیں کرتی اور جب ایک قوم نے حقیقت تسلیم کر لی۔ تو وہ محکوم نہیں رہتی بلکہ جماعت اسلامی کا جزو بن کر خود مصلح و مبلّغ بن جاتی ہے۔ پھر ایسی قوم کیلئے اسکے دنیوی سامانِ زندگی کی فراہمی کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی ـــــ پھر ایسی آزاد مسلم جماعت خود اپنی ضرورتوں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ چاہے کھائے یا فاقہ کرے۔ وہ خود اپنی ضرورتوں کی ذمہ دار ہوتی ہے ـــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جماعتِ اسلامی کیلئے نہ کوئی آئین تھا۔ نہ ان پر پابندی تھی ـــ نہ ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم یا آپ کے قریبی صحابہ ۔ باقی جماعتِ اسلامی (یعنی باقی اہل اسلام جنہوں نے اسلام قبول کیا) نے اپنی جماعت یا کسی اور قوم کیلئے کسی دنیوی ضرورت کیلئے کوئی منصوبہ بنایا ـــــ سوائے اسکے کہ حکم الٰہی کے مطابق ـــ غربا و مساکین کیلئے صدقات یا زکوٰۃ اہل اسلام دیں ـــــ یہ ایک فریضہ کی حیثیت میں تھا جو عبادت میں شامل تھا ـــ اسکے علاوہ اور کوئی انتظام نہ تھا ـــ آپ کے زمانہ میں بھی عرب کا وسیع علاقہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا ـــ آپ نے انکی دنیوی ضروریات کیلئے کوئی منصوبہ نہیں بنایا ـــ سوائے اسکے کہ لوگ خود اپنی ضرورتوں کے کفیل ہوتے۔ صرف دین کی حیثیت میں قرآنی احکام پر عمل پیرا ہو جاتے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بھی اسی نوع کی خلافت ملی جس میں سوائے قرآنی تعلیم کے کسی قسم کا کوئی آئین نافذ نہیں تھا۔ اور آپؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں کسی آئین کا نفاذ نہیں کیا ـــ البتہ ایک چیز تھی۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ وہ صحابہ میں سے منتخب کردہ امیر تھے۔ جو مفتوح علاقوں میں تبلیغ دین کے سلسلہ میں بھیجے جاتے انکا کام صرف تبلیغِ دین۔ قرآنی تعلیم کا اجرا ـــ احکامِ الٰہی کی عوام سے پابندی کرانے کا اصول و طریقہ تھا ـــ اسکے ساتھ ہی اصلاحِ انسانی سے متعلق قرآنی احکام میں۔ ایک خالص اور پاکیزہ معاشرے کا قیام ـــ جس میں قرآنی احکام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ہر انسان کے جانی مالی ـــ اور ایمانی تحفظ کا ایک ضابطہ تھا ـــ کہ ظالم سے مظلوم کی حفاظت اور ظالم کا مواخذہ ـــ اور ایسے جرائم کی روک تھام جو انسانی معاشرہ

میں فتنہ کا سبب بن جائیں۔ چوری۔ زنا۔ شراب۔ جوا۔ مظلوم کے مال پر بہ جبر قبضہ کرنا۔ کسی کی ذاتی ملکیت پر بہ جبر قبضہ کرنا ـــــ جو افعال ایسے تھے جو بدی میں شمار ہوں۔ انکی روک تھام اور اصلاح کیلئے قرآنی احکام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق فیصلہ دینا۔ ایک امیر کے ذمہ ہوتا ـــــ یہی طریق تھا جسے ایک آئین یا قانون کی شکل میں محسوس کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ آئین عروجِ دنیوی کیلئے نہیں۔ بلکہ ایک پاکیزہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے تھا۔ جسکے باطن میں صرف تبلیغ دین اور اصلاح انسانی مقصد تھا ـــــ یہی چیز حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی پائی گئی۔ آپؓ نے بھی مفتوحہ ممالک یا علاقوں میں امیر مقرر کئے جنکا کام قرآنی احکام کا اجراؔ اور عوام میں ایک پاکیزہ معاشرہ کو قائم رکھنا تھا ـــــ ہر علاقہ کا امیر ذمہ دار تھا۔ کہ وہ خود قرآنی احکام پر کلی طور عامل ہو۔ اور قرآنی تعلیم لوگوں تک پہنچائے ـــــ اور اسکے ساتھ کسی مظلوم کی دادرسی کر کے ظالم سے اسکے حقوق دلائے ـــــ اسکے بعد ہر شخص اپنی ضرورتوں کا خود ذمہ دار ہوتا ـــــ صرف ایسے لوگ جو غرباؔ و مساکین میں شمار ہوتے انکی ذاتی طور امداد کرنی ـــــ یا بیت المال سے انکی کفالت کرنی ـــــ جسکے لئے ہر صاحبِ مال سے قرآنی حکم کے مطابق زکوٰۃ وصول کرنا ـــــ اسکے لئے بھی اسلام نے حصول دولت میں کسی پر جبر نہیں کیا۔ جسکی مرضی دے یا نہ دے۔ لیکن جماعتِ اسلامی کا ہر فرد بحیثیت مومن بلا کسی مطالبہ کے خود زکوٰۃ دینا ایک فرض سمجھتا ـــــ اور صدقات (خیرات) بھی دیتا۔ اور ایسے لوگ جنہوں نے اسلامی اقتدار کو تسلیم کیا ـــــ یا اسلام قبول کیا ـــــ اور اپنی ذات کا تحفظ حاصل کیا ـــــ ایسے لوگوں میں بعض ایسے تھے۔ جن کے دلوں میں اسلام کے مقابلہ میں خواہشاتِ نفسانی ـــــ اور مالِ دنیا کی لذت باقی تھی ـــــ زکوٰۃ ادا کرنے میں تامل کرتے۔ جماعتِ اسلامی (امیر) ایسے لوگوں سے زکوٰۃ ادا کرنے میں طاقت استعمال کرنے کی مجاز سمجھی جاتی کہ ایسے لوگوں سے زکوٰۃ ادا کرنے کا مطالبہ کرے۔ وہ اس لئے۔ کہ اقتدارِ اسلامی میں ہر شخص کو اسکے تحفظ کی ضمانت ملتی تھی ـــــ اور دوسرے اقتدارِ اسلامی میں حاکمیت اللہ کی تسلیم کی جاتی تھی۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ زکوٰۃ لوگوں سے وصول کرنا ـــــ ایک خلیفہ یا امیر کے لئے فرض تصور کیا جاتا تھا ـــــ اسلئے ایک خلیفہ مجاز تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ زکوٰۃ حاصل کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہی شامل رکھا جاتا ـــــ جو ایک خلیفہ یا امیر کے ذریعہ پورا کیا جاتا ـــــ جیسا کہ

ایک رسول کیلئے قرآنی احکام کی تعمیل میں۔ بعض جرائم کی روک تھام کے لئے قرآن نے تعزیر مقرر کی تھی۔ کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں ــــ زانی۔ شرابی۔ جواری کے درے مارے جائیں۔ قاتل کو قتل کیا جائے ــــ یہ تعزیریں۔ آئینی حیثیت میں نہیں۔ بلکہ عبادت کی حیثیت میں رسول کے ذریعہ پوری کی جاتیں ــــ ایسی ہی تعزیریں رسول کے بعد ایک خلیفہ یا امیر کے ذریعہ پوری کی جاتیں۔ جن تعزیرات کی ہیئت قانونی حیثیت میں محسوس کی جاتی ہے ــــ دراصل یہ تعزیرات۔ دنیوی نظام یا دنیوی عروج کے تصور میں نہیں بلکہ دین کی تعمیل کے تصور میں دیکھی جاتی ہیں ــــ ان تمام اصولوں اور ضابطوں میں ایک دین ــــ اور عبادت کا تصور پایا جاتا ہے ــــ ایسے ضابطوں کو ایسے آئین و قانون تصور نہیں کیا جاتا جیسے بعض حکمرانوں میں خود ساختہ قوانین پائے جاتے ہیں کہ انہیں اسلامی آئین یا قانون سے تعبیر دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایسے ضابطوں کا نفاذ ہوا ــــ مگر آپؓ رسول اللہؐ کے بعد۔ ایک خلیفہ کی حیثیت میں خلیفہِ نبی کی حیثیت سے قائم مقام مقرر ہوئے اور آپؓ نے اسی حیثیت میں خلافتِ اسلامی کو چلایا ــــ کہ انسان تک ہدایت ــــ قرآنی تعلیم پہنچائی جائے ــــ اسکا تزکیہ کیا جائے۔ اسے مقامِ خلافتِ ارضی تک پہنچایا جائے۔ اس مقصد کیلئے دین کی تبلیغ نے جو شکل اختیار کی۔ اس میں نظام دنیوی کا انتظام۔ یا حکومت کا تصور پایا نہیں جاتا ــــ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں۔ باقی اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی۔ حضرت علی رضی اللہ عنھم نے بھی حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے ساتھ خلافت بحیثیت خلیفہ نبی جاری رکھی ــــ ان اصحاب نے بھی تبلیغ دین۔ اصلاح امت۔ اور اجرائے احکامِ قرآنی کو جاری رکھا۔ اسلئے یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپکے چاروں خلفاً بیک وقت مقامِ خلافت ــــ خلیفہ نبی۔ و قائم مقام پر فائز رہے ــــ ایسا نہیں۔ کہ صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ تھے باقی تین اصحاب خلیفہ نہ تھے ــــ نہیں۔ بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب کو اس مقام تک پہنچایا ــــ جہاں ایک انسان بحیثیت خلیفہ ارض ــــ قوتِ مشاہدہ پاتا ہے۔ اور اسے مشاہدۂ اسرار الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اسے مشاہدۂ ذات الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسے عرفانِ حقیقت محمدیؐ حاصل ہو کر مقامِ خلافت و نبوت حاصل ہوتا ہے ــــ اسی حیثیت میں یہ چاروں اصحاب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاً۔ خلیفہ نبی میں شمار ہیں۔ یہ

مقام انہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حاصل ہوا۔ اسلیئے آپؐ کی زندگی میں ان اصحاب کو مقامِ خلافت حاصل ہونا یقینی اور لازمی ہے۔ اور آپؐ کے بعد ان اصحاب کا مقام خلافت پر فائز ہو کر۔ اپنا عمل جاری رکھنا ضروری ہے ـــــ البتہ مقامِ خلافت کے ساتھ جبکہ تبلیغ دین میں۔ یا اجرائے دین میں۔ جیسا کہ ایک رسول کی اتباع کیلیئے ایک ہی رسول کا ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح رسول کے بعد ایک خلیفہ نبی کا منتخب ہونا اس وجہ سے بھی ہے کہ تبلیغ دین میں ـــ احکامِ الٰہی کے نفاذ کیلیئے اقتدارِ اسلامی میں۔ قیام اقتدار کیلیئے تمام امت کو ایک ہی امیر کی اتباع کرنی سنت ہے ـــ جسکے لئے خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب کیا ـــ یہ اس لئے کہ ـــ اصول شریعت (اصول قرآنی) اور اصولِ طریقت میں وجہِ فضیلت اتباعِ نبی مصطفٰے میں۔ رسول کی حُب ہوتی ہے ـــــ اور حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حُب باقی امت سے اعلےٰ و اکمل تھی۔ جسکے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی حُب کی خود تصدیق کی ـــــ کہ ابو بکر نے سب سے زیادہ میرا ساتھ دیا۔ اپنی دولت ہم پر قربان کی۔ اپنے عزیز ہم پر قربان کئے ـــــ اپنی لڑکی ہمیں بیاہ دی ـــــ اور غار میں میرے ساتھ رہے۔ چنانچہ تواریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حصولِ دنیا کی تمام خواہشات کو ترک کر کے صرف حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اپنا مقصودِ زندگی قرار دیا ـــــ اور ہمیشہ صبح سے لیکر شام تک۔ شام سے لیکر صبح تک ایک لمحہ آپؐ کی رفاقت سے علیٰحدہ نہ ہوئے ـــــ ابتدائی تبلیغ دین میں آپ نے قدم بقدم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا ـــــ اپنی دولت سے کفار کے ظلم میں مجبور غلاموں کو اسلام اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر آزاد کرا کر اسلام میں داخل کیا ـــــ شعب ابی طالب میں محصور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین سال خدمت میں رہے ـــــ ہجرت کا زمانہ جماعت اسلامی پر شدید مصائب کا زمانہ تھا ـــــ کفار مکہ انتہائی اور آخری فیصلہ کن اقدام پر اتر آئے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا ـــــ کہ رات کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو گھر میں قتل کیا جائے ـــــ مگر اس سے قبل ہی حضورؐ نے سفر ہجرت فرمایا ـــــ یہ ایک نازک اور خطرناک وقت تھا۔ کفار کو صرف محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قتل ہی مقصود تھا۔ ایسے وقت میں آپؐ کا ساتھ دینا خود قتل ہونے کے مترادف تھا ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضورؐ نے لوگوں کی امانتیں دیکر اپنے گھر پر ہی

اپنے بستر پر سلایا۔کون نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مقام بھی انتہائی خطرناک تھا۔ جب کفار حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ پاتے۔تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قتل کرتے۔لیکن عربوں میں کچھ اپنے قومی اور قبیلوی اصول ایسے بھی تھے۔جن پر باوجود دشمن دین ہونے کے وہ اپنے وضع کردہ اصولوں کے پابند رہتے تھے۔وہ یہ کہ بلا ضرورت کسی کو قتل کرنا انکی قومی شان کے خلاف تھا۔ دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ عرب قوم کے سرداروں کی اولاد میں سے تھے۔ تیسرے خود حضرت علیؓ قوم کے بہادر۔ پہلوانوں اور فن سپاہ گری میں یکتا۔تلوار کے دھنی۔اور نڈر تھے۔ انکے ذہن میں یہ خوف آنے کی گنجائش نہ تھی کہ کفار آپؓ کو قتل کر سکینگے۔لہذا بے خوف وخطر حضورؐ کے بستر پر نیند کی آغوش میں لیٹ گئے۔یہ خوف نہ ہونے کی علامت ہے مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک ہستی کے ساتھ تھے۔جنہیں خاکم بدہن (نعوذ باللہ) موت قدم قدم پر کفار کی شکل میں تلاش کر رہی تھی۔ظاہر ہے ایسی ہستی کے ساتھ رہنا موت کے قریب ہونا تھا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ غار ثور میں اترے تو وہاں زمین میں بے شمار سوراخ تھے۔اس خیال سے کہ کسی سوراخ میں کوئی سانپ نہ ہو آپؓ نے تمام سوراخوں میں کپڑا دیا دو سوراخوں کیلئے کپڑا نہ بچا۔تو اپنی ایڑیاں سوراخوں پر رکھدیں سوراخ میں سانپ تھا۔سانپ نے ڈس دیا۔یہ تھی حضرتِ صدیق اکبرؓ کی رفاقت۔ہجرت میں جان ومال حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر محبت میں قربان کر دیا۔ اسی حُب سے آپکو باقی امت پر فضیلت حاصل رہی۔ اور خلافتِ اسلامی کیلئے یہ شرط بھی ضروری ہے۔کہ خلیفہ کیلئے۔صاحب قرآن۔ صاحبِ علم ہونا۔قرآن کو سب سے زیادہ سمجھنے والا۔قرآن پر سب سے زیادہ عمل کرنے والا۔ تزکیہ۔مجاہدہ کرنے والا اور صاحب تدبر و صائب رائے ہونا ضروری ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تمام خوبیوں کو صدیقِ اکبر میں پایا۔اور اپنی زندگی میں ہی آپؓ کو امت کی امامت کیلئے قائم مقام منتخب فرمایا۔اسلئے حضورؐ کے بعد اتباع اور اقتدار اسلامی کی مسند پر حضرت ابوبکرؓ کو ہی تمام امت نے بھی منتخب کیا۔

آپؓ کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی کو بے حد وسعت حاصل ہوئی۔اور جس قدر وسعت اسلامی اقتدار کو حاصل ہوئی اسی قدر ملکی انتظامات میں تدبیر اور تنظیم کی ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی بعض قبائل نے اسلام کی مخالفت میں سر اٹھایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو انکی

سرکوبی کیلئے عملی اقدام کی ضرورت پڑی آپ نے مجاہدین اسلام کو لشکر میں ترتیب دیکر مخالفین اسلام کی سرکوبی کی اور معاشرے کو پاکیزہ رکھا ـــــ اور اقتدار اسلامی کو قائم رکھا ـــــ آپ کے اتباعِ رسول اور محبتِ رسولؐ کا ایک واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے ـــ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر شام کی طرف جہاد کیلئے مقرر کیا۔ ابھی لشکر روانہ نہ ہوا تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے ـــــ آپ کی رحلت کے ساتھ ہی مخالفین اسلام نے بغاوت شروع کی۔ اکثر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جن میں حضرت عمر فاروقؓ بھی شامل تھے مدینہ کی خلافت کو خطرے میں محسوس کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مشورہ دیا۔ کہ وقت کا تقاضا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر فی الحال روک دیا جائے۔ یہاں تک کہ مدینہ کی خلافت خطرے سے محفوظ ہو جائے۔ مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر روکنے سے انکار کر دیا۔ کہ یہ لشکر خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ اسلئے میں اس لشکر کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے منصوبہ کے مطابق جہاد پر بھیج دونگا۔ اور خود اپنے حسنِ تدبر سے۔ مدینہ کے اطراف میں جتنے بھی قبیلے باغی ہو چکے تھے۔ سب کو خاموش کر دیا ـــــ اور اپنے دور خلافت میں اقتدارِ اسلامی کو دور دور تک وسعت بخشی۔ ایسا ہی آپؓ کے علمی تبحر کا ایک واقعہ ہے ـــ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ..... وحی ہوئی ـــــ جس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھی تو صحابہ نے اس آیت کو خوشخبری سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ زار زار رونے لگے ـــــ صحابہ نے آپؓ سے دریافت کیا۔ کہ اس خوشخبری کے موقع پر آپ کیوں روتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا ـــــ بے شک یہ وسعتِ اقتدارِ اسلامی کی خوشخبری ہے۔ مگر اس میں ہمارے لئے ایک غمناک خبر کا بھی اشارہ ہے۔ کہ عنقریب حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہم سے جدا ہونے والے ہیں ـــــ حضرت ابو بکر صدیقؓ سب سے زیادہ قرآن کو سمجھنے والے تھے ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں اکثر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ہی مشورہ کیا کرتے تھے ـــــ آپؓ متقی و دیندار ہونے کے علاوہ صاحب تدبیر و ماہر سیاستدان بھی تھے۔ جسوجہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے اربعہ میں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کو ـــ خلیفہٗ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مقرر کیا گیا ـــــ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد اقتدار اسلامی کی ہیئت ـــ ایک غالب حکومت کی سی ہو چکی تھی

ــــ کیونکہ اس دور میں مصر وشام اور کئی ممالک کی حکومتیں مٹ چکی تھیں۔ اور کئی ایک ایسی حکومتیں موجود تھیں۔ جنہیں دنیوی اقتدار وغلبہ حاصل تھا ــــ یہ حکومتیں اسلامی اقتدار کو دیکھ کر محسوس کرنے لگی تھیں کہ اگر اقتدارِ اسلامی اسی طرح وسعت پذیر ہوتا گیا۔ تو ایک دن ان حکومتوں کا اقتدار بھی ختم ہو کر رہ جائیگا۔ جن حکومتوں میں انسانی حقوق پامال کئے جاتے تھے۔ حکمران قوم نے انسانوں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا ــــ اور انکے وجود سے دنیا پر شر وفساد برپا تھا ــــ ضرورت تھی کہ انسان کو ایسے جابر حکمرانوں سے آزادی دلائی جائے ــــ اور انسانی حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ اور اصل مقصد یہ کہ انسان کو ہدایت کی طرف لانے کیلئے راہیں ہموار کی جائیں ــــ ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں حکمران جماعتوں سے جہاد کرنا لازمی تھا۔ خواہ اقتدارِ اسلامی اس جہاد میں خود ابتدأ کرتا ــــ ایسے موقع پر اقتدارِ اسلامی میں ایک ایسے خلیفہ نبی۔ کی ضرورت تھی۔ جو خلافت کی شرائط کے مطابق۔ قرآنی تعلیم وتبلیغ میں افضل ہو اور مخالفین اسلام حکومتوں سے نبرد آزما ہونے میں جنگی صلاحیتوں اور تدبر عقلی میں بھی کامل سیاستدان ہو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی فراست وتدبر سے یہ جان لیا۔ کہ اقتدار اسلامی کو وسعت دینے۔ اور مخالفین اسلام کی یلغار کا مقابلہ کرنے کیلئے جس سیاستدان کی ضرورت ہے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے بعد خلیفہٴ نبی ــ قائم مقام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کر کے اقتدار اسلامی ــــ اور خلافت اسلامی آپ کے سپرد کر دی ــــ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نظریات۔ عرب رواج کے مطابق ہمارے تصورات سے مختلف تھے۔ اول یہ کہ ــــ اقتدار اسلامی میں۔ مقامِ خلافت۔ اور خلیفہ کا تصور ــــ ایسا تھا ــــ کہ خلیفہ کے لئے صاحبِ قرآن ــــ انتہائی متقی ومومن ہونا ــــ قرآنی علم سے بدرجہ کمال واقف ہونا ــــ قرآنی احکام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کا بدرجہ اولیٰ حامل وعامل ہونا ــــ لازمی تھا ــــ

دوسرے یہ کہ ــــ اقتدارِ اسلامی کی ہیئت وحیثیت اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک۔ ایک یہ کہ خود قرآن وحدیث رسول اللہ پر بہ حدِ کمال اتباع کرنا ــــ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت رسول بعثت اس غرض سے تھی۔ کہ ہدایت الٰہی ــــ قرآن کی تعلیم واحکام کا اجرأ کیا جائے ــــ اسلئے کہ مخلوقِ انسانی کو صراطِ مستقیم تک پہنچایا جائے۔ انہیں قرآنی تعلیم سنائی جائے۔ انکا

تزکیہ کیا جائے۔ انہیں مشاہدۂ اسرار الٰہی ـــــ عطا کیا جائے۔ تاکہ انسان اپنا مقامِ خلافت (ونبوت) حاصل کرے ـــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی مقصد کولیکر آئے۔ اورزمین پرلاتعداد مخلوق کو ہدایت پر لاکر ایک جماعتِ اسلامی قائم کی ـــــ اور آئندہ اسی جماعتِ اسلامی کیلئے یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ بحثیت۔ جماعتِ اسلامی۔ قائم مقامِ مخلوق انسانی کو مقامِ خلافتِ ارضی پر پہنچا کر قرآنی تعلیم اور رسول اللہ کی تعلیم کا اتباع کرایا جائے۔ یہی جماعتِ اسلامی ـــــ اقتدارِ اسلامی سے تعبیر ہے ـــــ کہ مخلوق انسانی کو کثرت کے ساتھ جوق در جوق۔ دینِ اسلام میں داخل کیا جائے۔ اس نظریہ میں سوائے اسکے کہ جماعت اسلامی کا ہر فرد ـــ اپنے دینی فرائض پورے کرے۔ کسی بالادستی۔ کسی حکمرانی ـــ یا کسی بالاتر مقام حاصل کرنے کی خواہش کا تصور ہی موجود نہ تھا ـــ اقتدارِ اسلامی سے مراد یہ تھی کہ دینِ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا پر وسعت حاصل ہو۔ تاکہ اس دین سے کائنات کا ہر فرد ہدایت حاصل کر کے دینی و دنیوی سلامتی حاصل کرے ـــــ اسلئے اقتدارِ اسلامی میں کسی فرد کی برتری کا تصور بھی نہیں پایا جاتا ـــ البتہ دین ـــ کتاب الٰہی۔ قرآن کے نزول کا طریقہ خود اللہ تعالیٰ کی منشأ کے مطابق یہ تھا ـــ کہ قرآن کے ساتھ ایک رسول کو منتخب کر کے اسکی اتباع کو لازمی قرار دیا گیا ـــ اسلئے شریعتِ اسلامی میں ـــ اجرائے دین کیلئے ـــ ایک فرد کی اتباع ضروری سمجھی گئی ـــ جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ـــ خلیفہ نبی ـــ قائم مقام ـــ یا جانشین قرار دیا گیا ـــ اس انتخاب کی ابتدائی نوعیت ـــ یہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ مخلوقِ انسانی میں۔ ایک خلیفہ ارض کو ہدایت واتباع کیلئے مصطفےٰ کرتا ـــ جسے نبی مصطفےٰ یا رسول کہا گیا ـــ اسلئے ایسے فرد کا انتخاب خود اللہ کی ذات سے ہوا ـــ اسی انتخاب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم رسول ہو کر مبعوث ہوئے ـــ آپ نے خود اپنی رسالت واصطفا کا دعویٰ کیا ـــ جو کہ ہر فرد کو خود تسلیم کرنا لازمی تھا ـــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک فرد کے اتباع اور اسکی برتری تسلیم کرنے کے لئے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انتخاب[1] ضروری تھا ـــ کہ آپ خود ایک افضل ترین

---

[1] انتخاب ـــ کی ابتدا خود اللہ کی ذات سے ہوئی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرد کی اتباع کیلئے مخلوق (انسان) کے ذریعہ انتخاب نہیں کرایا۔ بلکہ خود کیا۔ اور انسان کے اختیار پر یہ انتخاب موقوف نہیں رکھا۔ وہ انتخاب ایک نبی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرد۔ کو منتخب کرتے۔ سو آپ نے۔ اقتدار اسلامی کے قیام و استقلال کیلئے موزوں ہستی حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب کیا۔۔۔ یہ بات ایسی ہے۔ کہ جو لوگ اقتدار اسلامی کی ہیئت و حیثیت اور خلافت ۔۔۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) مصطفیٰ کا ہوا۔ جسکے لئے ہر انسان پر ہر حال میں اسکی تابعداری لازم رکھی۔ نبی مصطفیٰ کے بعد بھی یہی طریق باقی رہنا ضروری تھا۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفہ نبی۔ یا قائم مقام مقرر کیا۔ اسکے بعد بھی بطریقِ سنت یہی طریق جاری رہنا ضروری تھا۔۔۔ اسلئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔۔۔

واضح ہو کہ ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے انتخاب کا یہی ایک طریق مقرر کیا۔ کہ انسانی اصلاح کے لئے ایک مصلح یا راہنما کا خود انتخاب کیا جسے مصطفیٰ نبی کہا گیا۔ اور یہی طریق ہر زمانہ میں ہر قوم میں جاری رہا۔۔۔ اسکے برعکس کسی قوم نے اتباع کیلئے خود کسی فرد یا نبی کا انتخاب نہیں کیا۔ یہی طریق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک جاری رہا ۔۔۔ آپ کے بعد بھی لازماً یہی طریق باقی رہنا لازمی ہوگا۔ البتہ گزشتہ زمانہ میں ہر قوم کیلئے ایک نبی کی ضرورت رہی۔ اسلئے اسکا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے کیا۔ لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جبکہ آپکا علم و عمل باقی رہیگا۔ اللہ تعالیٰ کسی اور نبی کو انسانی اصلاح کیلئے منتخب نہیں کرتا۔۔۔ اسلئے نبی محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بعد الٰہی انتخاب کے طریق کی ضرورت باقی نہ رہی۔۔۔ اور اس وجہ سے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپکی امت میں بے شمار خلیفۂ نبی مصطفیٰ پیدا ہوتے رہینگے۔ جو آپؐ کے علم و عمل کو برابر جاری رکھینگے۔۔۔ ایسی صورت میں امتِ مسلمہ میں ایک مصلح کا انتخاب خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوگا۔ جس مصلح کا پیدائشی طور انتخاب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ گزشتہ انبیاءؑ کا ہوا۔۔۔ بلکہ ایسے مصلح کا انتخاب اسکی پیدائش کے بعد اسکے علم و عمل کے کمال پر منحصر ہوگا۔ یہ امر واقع ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں صاحبِ علم و عمل کثرت سے ہونگے۔ اسلئے ضرورت اس امر کی رہیگی کہ جملہ علمائے اسلام میں کونسا فرد اپنے علم و عمل میں یکتا و اولیٰ ہے۔ جسکی اتباع کی جائے۔۔۔ یہ عمل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوگا۔ اسکے لئے بھی طریقِ انتخاب سنتِ نبویؐ کے مطابق ہونا لازمی ہے۔ کہ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے جانشین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا ۔۔۔ اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپکے بعد نائب رسول اللہ کی حیثیت میں ایک شخص کا انتخاب ہوگا۔ چنانچہ اسی طریق پر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کا انتخاب کیا۔۔۔ اور یہ انتخاب صرف۔ اصلاحِ امت۔ اصلاح انسانی۔۔۔ ہدایت کے اجراءؑ۔۔۔ اور مقصدِ اصلی یہ کہ انسان کو مقامِ خلافت پر پہنچانے کیلئے الٰہی ہدایت کے ذریعہ احکامِ الٰہی کا پابند بنا کر اسے مشاہدہ اسرار الٰہی دیا جائے اور صراط مستقیم تک پہنچایا جائے۔۔۔ کیونکہ انسانی مخلوق میں ایک نبی مصطفیٰ کا انتخاب و بعثت اسی مقصد کیلئے تھی۔۔۔ اسکے سوا کچھ نہیں۔۔۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور خلیفہ کی حیثیت کا حقیقی تصور رکھتے ہیں۔ وہ جان سکتے ہیں۔ کہ اس مقام پر اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں اقتدار اسلامی۔ یعنی جماعتِ اسلامی پر کسی قسم کی حکومت کرنا ـــــ یا افرادِ جماعت پر اپنا حکم

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بھی اسی مقصد کو لیکر مبعوث ہوئے۔ اور آپ کے بعد بھی خلفائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتخاب اسی مقصد کی تکمیل کے لئے ہونا لازمی ہے ـــــ آپؐ کے بعد یہ مقصد چار خلفاءؓ سے حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بیک وقت پورا ہوتا رہا۔ لیکن اتباع کیلئے یہ ضروری ہوا۔ کہ اتباع ایک خلیفہ کیلئے وقف ہو ـــــ اسلئے خلفاءؓ میں علم وعمل میں افضل ہستی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا گیا۔ آپؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا انتخاب ہوا ـــــ اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیوں کیا۔ جبکہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق چند واضح خصوصیات بیان فرمائیں۔ اِنَّ عَلِیًّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ کہ علی مجھ سے ہے ـــــ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِیٌّ'' بَابُهَا۔ میں پوشیدہ اسرار کا گھر ہوں ـــــ علی اسکا دروازہ ہیں۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی ـــــ کی وحی میں اسماء کلّھا کے جو اسرار مشاہدہ ہوئے وہ مشاہدۂ اسرار الٰہی کی صورت میں آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتمامہ مشاہدہ کرائے۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مخلوقِ انسانی کو جو فیضِ روحانی حاصل ہونا ہے۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسط سے ملیگا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ طریق معرفت میں اولین جانشین قائم مقام حضرت علی کرم اللہ وجہہ منتخب کئے گئے ـــــ ایسی صورت میں لازم تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خلافت اسلامی کیلئے انتخاب ہوتا ـــــ اسکے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ پہلے خلفاءِ اربعہ کے اتباعِ رسول ـــــ اور اجرائے دین میں انکی حیثیت کا بغور تجزیہ کیا جائے ـــــ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ـــــ اجرائے دین کا طریق کیا تھا۔ اور خلفائے اربعہ نے اجرائے دین اور اتباع میں کیا حیثیت حاصل کی ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ تبلیغ اور اجرائے دین کی صورت یہ تھی ـــــ جیسا کہ قرآن نے اسکا ایک خصوصی تصور پیش کیا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق

ـــــ وہ اللہ ہے جس نے اٹھایا امیوں میں سے انہیں کے بیچ سے ایک رسول جو تلاوت کرتا ہے میری آیتیں اور تزکیہ کرتا ہے ان لوگونکا اور علم دیتا ہے کتابِ الٰہی اور پوشیدہ کیفیتوں (اسرار) کا ـــــ اب تواریخی طور یہ جاننا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے مصداق کس طرح احکامِ الٰہی کا نفاذ کیا ـــــ اس آیت کی رو سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ایک نبی مصطفےٰ ـــــ رسول۔ کی حیثیت میں ایک ذاتِ واحد ہے جنکے ذمہ تلاوتِ قرآن (یعنی لوگوں کو قرآنی احکام سنانا) ـــــ دوسرے تزکیہ کرنا ـــــ تیسرے۔ علم دینا قرآنی آیات کا جس میں از روئے قرآن (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چلانے کی خواہش کا جذبہ ـــــ یا اپنی برتری کا جذبہ ـــــ یا افرادِ جماعت پر اپنی امارت وحکمرانی کا جذبہ پائے جانے کا نہ تصور تھا نہ احساس تھا۔ بلکہ جماعتِ اسلامی کا ہر فرد اپنی ذات کے اعتبار سے ـــــ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) دوقسم کی آیات ہیں۔ ایک مِنۡهُ مُحۡكَمٰتٌ' احکام ہیں ـــــ دوسرے وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ'۔ یہ آیاتِ قرآنی تشبیہی انداز میں بیان کئے گئے ہیں ـــــ احکام تو صاف ظاہر ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی قرآن کے ان احکام پر عمل کرنا جن سے اصلاحِ نفس ہو ـــــ اور ان افعال سے پرہیز کرنا جو انسان کیلئے پستی وگمراہی کا سبب بنے۔ جن سے انسان اپنے مقامِ خلافت سے محروم ہوا۔ سو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ذاتِ واحد کی حیثیت میں انسانی اصلاح کیلئے قدم اٹھایا ـــــ اب تو اریخی طور مطالعہ کرنا ہے ـــــ کہ آپؐ کی تبلیغ میں کیا واقعات پیش آئے ـــــ اول یہ کہ قوم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے انکار کر دیا ـــــ دوسرے آپؐ کی تبلیغ میں شدت کے ساتھ مخالفت کی اور درپئے آزار ہو گئے۔ دوسری طرف چند لوگوں نے آپؐ کی تبلیغ کو قبول کیا ـــــ اور آپؐ کی اتباع کی ـــــ اس طریقِ تبلیغ میں اس کیفیت کا اضافہ ہو گیا۔ کہ بعض آپ پر ایمان لائے۔ اور بعض نے انکار کر کے اجرائے دین میں روکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی ـــــ لہٰذا تبلیغ دین میں ـــــ تلاوت قرآن۔ تزکیہ اور علم سکھانے کیلئے اس بات کی ضرورت پیدا ہوئی ـــــ کہ ایک طرف مخلوقِ انسانی کیلئے تلاوت وتزکیہ کو جاری رکھا جائے۔ دوسری طرف مخالفین دین کے مخالفانہ اقدامات کو روک کر دین کی تبلیغ کیلئے راہ آسان وہموار کی جائے ـــــ گو تبلیغ دین میں مخالفینِ دین سے مقابلہ کرنا ـــــ شرط نہیں۔ لیکن واقعات وحالات نے اس چیز کو تبلیغِ دین کا ایک جزو بنا دیا ـــــ چنانچہ حالات یوں رونما ہوئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ۔ اور چند غلام شامل ہو گئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا ـــــ اور تبلیغ دین میں آپؐ کا ساتھ دیا ـــــ ایسی صورت میں جہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف تلاوتِ قرآن اور تزکیہ ہی کرنا تھا ـــــ اس امر کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ مخالفینِ اسلام کو جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعتِ مسلمین کو ختم کرنے کیلئے منصوبے بنائے۔ اسکے سدباب کیلئے بھی خصوصی اقدامات کرنے پڑے۔ سو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ دین میں رونما ہونے والے واقعات تو اریخی طور پر سامنے آ چکے ہیں۔ کہ کفار نے جماعتِ اسلامی ـــــ اقتدارِ اسلامی کو ختم کرنے کیلئے کتنی جنگیں۔ کتنے منصوبے بنائے ـــــ اس لئے تبلیغِ دین کی حیثیت بدل گئی ـــــ وہ یہ کہ تلاوت قرآن ـــــ تزکیہ۔ اور کتاب وحکمت کا علم بھی جاری رہا۔ اجرائے دین کیلئے ایک قوی اقتدار کی ضرورت محسوس کی گئی۔ جو اقتدار جماعت اسلامی کے تحفظ کیلئے ضروری تھا ـــــ لہٰذا اقتدارِ اسلامی کو مخالفینِ اسلام سے محفوظ کرنے کیلئے بھی ایک خاص منصوبہ جاری کیا گیا ـــــ اور اسکے لئے یہ ضروری ہوا۔ کہ تبلیغ دین کے اجرأ کے ساتھ ـــــ اقتدارِ اسلامی کا خصوصی طور انتظام کیا جائے۔ اور یہ طریق بھی تبلیغ دین میں شامل ہوا۔ ایسی صورت میں تبلیغ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یکساں حیثیت رکھتا تھا ـــــ اور یہ کہ اقتدارِ اسلامی ـــــ صرف مومنین کی ایک جماعت تھی۔ جس میں کسی فرد کو کسی پر فوقیت حاصل کرنے کا خیال نہ تھا کہ میں دوسرے سے افضل ہوں ـــــ اور یہ کہ اقتدارِ اسلامی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) دین کیلئے جماعتِ اسلامی کے تحفظ و اقتدار کیلئے۔ مخالفینِ اسلام سے مقابلہ اور۔ اسلامی اقتدار کیلئے منصوبہ بندی دین کا خصوصی جز ہو گیا۔ یہی حیثیت تھی جس پر دین کا اجرا ہونا مقرر ہوا ـــــ جہاں تک تبلیغ دین کا تعلق ہے۔ اسکے لئے صرف کلام الٰہی کا سننا۔ سمجھنا۔ اس پر عمل کرنا اور تزکیہ کرنا ـــــ اور نتیجہ میں کتاب و حکمت کا علم حاصل کرنا واحد مقصود ہے ـــــ اور اقتدارِ اسلامی کے تحفظ کیلئے منصوبہ بنانا ـــــ اور اس پر عمل کرنا۔ ایک زائد چیز ہے جو فرع میں شامل ہے ـــــ یعنی اگر مخالفین اسلام کا وجود نہ ہوتا تو اس منصوبہ کی ضرورت پیدا نہ ہوتی ـــــ لیکن تبلیغ دین میں۔ اقتدارِ اسلامی کا تحفظ ضروری ہوا۔ اسلئے تبلیغ دین میں اقتدار اسلامی کے تحفظ کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ انہیں واقعات کے مدنظر۔ تواریخ سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیکر۔ اپنی اپنی بساط کے مطابق۔ یا محبتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کے تحت کم و بیش تبلیغِ دین میں برابر ساتھ دیا۔ چنانچہ خلفائے اربعہ کے تعاون میں تواریخی واقعات سے انکی استعانت کا ثبوت ملتا ہے کہ غزوہ تبوک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مدد طلب کی تو حضرت عمرؓ نے اپنی تمام جائیداد کا آدھا مال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش کیا ـــــ انکے مقابل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا تمام سامان حضورؐ کے پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنے جسم کے کپڑے اتار کر ٹاٹ کے ٹکڑے کانٹوں سے سی کر جسم پر لگائے ـــــ اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی محبت و تعاون کا مقام ظاہر ہوا۔ یہ سب کچھ اس تصور کے ساتھ پیش ہوتا ہے۔ کہ تبلیغ دین میں ـــــ اجرائے دین میں ـــــ اقتدارِ اسلامی کے تحفظ کیلئے مخالفین اسلام کی شدت ختم کرنے کیلئے اپنے اثاثے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش کئے گئے ـــــ اسی طرح ایک مقام پر حضرت عثمان غنیؓ نے قحط کے دوران اور جنگ کے دوران اپنا مال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش کیا۔ جسکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو جنت کی بشارت دی ـــــ ان واقعات سے۔ تبلیغ دین میں۔ دین کی حیثیت اور خلفائے اربعہ کے تبلیغ دین میں ـــــ اجرائے دین کے تصورات و نظریات کا پتہ چل سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ تبلیغ دین میں خلفائے اربعہ کو رسول اللہ کی وراثت سے کیا ملتا ہے ـــــ وہ یہ کہ

(۱) بحیثیت خلیفہ النبی ـــــ تلاوت قرآن کرنا ـــــ تزکیہ کرنا ـــــ کتاب و حکمت کا علم انسان کو بتانا ـــــ

(۲) اقتدارِ اسلامی کا تحفظ ـــــ اور اقتدار اسلامی کی وسعت کا احاطہ اور اسکا تحفظ۔

یہ دونوں چیزیں تبلیغِ دین میں لازم ہیں۔ لیکن اس امر میں خلفائے اربعہ کی حیثیت انکی ذاتی کمالیت کے مطابق ہے ـــــ جہاں تک دین کا تعلق ہے۔ اسکے لئے ایک خلیفہ کا صاحبِ قرآن۔ صاحبِ علم۔ صاحبِ عمل۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

__ کی ایسی کوئی شکل نہ تھی۔ جیسی کہ حکمران جماعتوں میں خزانہ شاہی۔ یا تخت شاہی۔ یا حکمرانی یا ایک اعلےٰ فرد کے لئے بحیثیت حاکم اعلےٰ __ محلاتِ شاہی یا وافر دولت کے خزانے۔ یا افراد پر اپنا حکم چلانا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) صاحب تزکیہ ہونا لازمی ہے __ دوسری طرف اقتدار اسلامی کے تحفظ کیلئے __ صاحبِ علم۔ صاحب عمل۔ صاحب تزکیہ ہونے کے علاوہ صاحب عقل۔ صاحب تدبر۔ اور سیاستدان ہونا لازمی ہے __ یہ چیز دین میں شامل نہیں بلکہ زائد کیفیت ہے اور یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ اقتدار اسلامی کے تحفظ کی ضرورت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی تبلیغ کے ساتھ ہی محسوس کی گئی __ لہذا آئندہ بھی تبلیغ دین میں اقتدار اسلامی کے تحفظ کو مقدم رکھنا شرط ہے __ کیونکہ جب تک اقتدارِ اسلامی کا تحفظ نہ ہو۔ تبلیغ دین کیلئے راہ آسان نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ جنگ بدر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ تو ان مٹھی بھر مجاہدین اسلام کو مخالفین اسلام کی شر سے محفوظ رکھ۔ اگر یہ جماعت ختم ہوگئی تو دنیا میں تیرے دین کی تبلیغ نہ ہوسکے گی __ ظاہر ہوا۔ اقتدارِ اسلامی کے تحفظ پر ہی تبلیغ دین کا انحصار ہے __ چنانچہ قرآن نے اقتدار اسلامی کے تحفظ کیلئے ہی جہاد کو فرض قرار دیکر جہاد کی اہمیت کو ظاہر کیا __

ان حالات و واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ اسلامی کا تصور کیا جائے __ کہ تبلیغ دین کی حیثیت کیا ہوگی __ اور تبلیغِ دین میں ایک خلیفہ کی حیثیت کیا ہونی چاہیے __ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تبلیغ دین کی کیا حیثیت رہی۔ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ تبلیغ دین میں اقتدارِ اسلامی کا تصور شامل نہیں __ بلکہ اقتدارِ اسلامی کا تصور۔ مخالفین دینِ اسلام کا پیدا کردہ ہے __

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی ابتدا اُس آیت سے ہوتی ہے۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یہ خطاب صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ واحد کی طرف ہے __ آپ نے بحیثیت ذاتِ واحد اس تبلیغ کی ابتداً کی۔ اس حالت میں کہ آپؐ نے یہ محسوس نہیں کیا۔ کہ قوم میری مخالف ہوکر میری دشمن بن جائیگی لہذا ہمیں اپنے تحفظ کیلئے بھی کوئی ذریعہ حاصل کرنا ہوگا __ تاریخ شاہد ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ذاتِ واحد کی حیثیت سے قوم کو خطاب کیا __ اسکے بعد بھی تاریخ شاہد ہے۔ اس وقت بھی آپکا کسی نے ساتھ نہیں دیا __ جب آپکے راستے میں کانٹے بچھائے گئے __ آپ پر غلاظت پھینکی گئی۔ آپؐ کے گلے میں پھندا ڈالا گیا __ آپ کو سنگ باری سے لہولہان کیا گیا۔ ایسے وقت میں نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کی مدد چاہی۔ نہ آپؐ کے خاندان میں آپ کا کوئی مددگار رہا __ یہاں تک کہ حضرت ابو طالبؓ نے بھی یہ مشورہ دیا کہ آپ کو اقتدار حاصل نہیں۔ کافر آپکو ایذا پہنچائینگے۔ اس وقت بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں اقتدارِ اسلامی کا تصور نہ تھا __ یہاں تک کہ حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے __ تصور کیا جائے۔ کہ اس وقت بھی چند لوگ اسلام قبول کرچکے تھے اور چھپ کر نماز ادا کرتے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ــــ یا اپنی امارت کے اظہار کیلئے۔غلاموں اور خدام کی خدمات میسر ہوں۔جسکے حصول کیلئے کوئی فرد حاکمِ اعلیٰ کا مقام حاصل کرنے کی تمنا دل میں رکھتا ــــ یہاں اقتدارِ اسلامی کی ہیئت مختصر تھی ــــ مسجد

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تھے۔اس وقت بھی کسی کے ذہن میں اقتدارِ اسلامی کا تصور نہ تھا ــــ اور جب مخالفینِ اسلام نے ظلم و جور کی حد کردی ــــ بلال رضی اللہ عنہ کو تپتی ریت پر عذاب دیا۔حضرت سمیہؓ۔حضرت یاسرؓ کو اذیتیں دیکر شہید کردیا۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا کی یا اللہ اسلام کو عمر بن ہشام ــــ یا عمر بن الخطاب سے نصرت دے۔تو حضرت عمر فاروقؓ کا اللہ نے انتخاب کیا۔اور حضرت عمر فاروقؓ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے ہی ــــ اقتدارِ اسلام کا تصور پیدا ہوا ــــ کفار مکہ کے حوصلے پست ہوئے۔اور انہوں نے جمعیت کے ساتھ چند حلقہ بگوشانِ اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی۔رسول اللہؐ کے ساتھیوں نے انکا مقابلہ شروع کیا۔اور اپنے تحفظ کیلئے تدبیریں شروع کردیں۔اسی مقام پر تبلیغ دین میں۔مخالفین اسلام کے جور و ستم نے اہل اسلام کو اقتدارِ اسلامی کے تحفظ کا احساس دلایا ــــ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تبلیغ میں کفار نے پے در پے لشکر کشی کی مگر ہر بار شکست کھائی۔یہاں تک کہ وہ دن آیا۔جب اہل اسلام نے دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر۔مخالفین اسلام کے زور کو ختم کردیا ــــ اور یہ سمجھنا ضروری ہے۔کہ اگر تبلیغ دین میں مخالفین دین مزاحم نہ ہوتے تو اہل اسلام کو تحفظ کی ضرورت پیش نہ آتی۔ تبلیغ دین جاری رہتی۔اور اقتدارِ اسلامی کی نہ نوبت آتی نہ اسکا تصور قائم ہوتا ــــ ہر شخص جس حال میں تھا۔اسلام قبول کرتا۔تسبیح و حمد کا حامل ہوتا۔اسکے لئے اسلام پر یہ ذمہ داری عائد نہ ہوتی۔کہ اہل اسلام کی ضروریاتِ زندگی کا بھی اسلام کفیل ہوتا ــــ اسکی ضرورت تب پیش آئی جب اسلام نے وسعت پائی اور مکہ سے علاوہ مدینہ منورہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا ــــ اور یہاں پر مسجد نبوی میں تبلیغ کا کام شروع کیا اور یہ تبلیغ مصر و شام اور دور دور تک اطراف میں پھیلی۔اس وقت مخالفینِ اسلام سے علاوہ باقی حکومتوں نے یہ محسوس کیا کہ اسلام۔اقتدارِ اسلامی کی حیثیت میں دنیا پر پھیلنے لگا ہے۔تو ان حکومتوں نے بھی مزاحمت کی۔نتیجہ یہ ہوا۔کہ تمام حکومتیں مٹ گئیں اور اقتدارِ اسلامی نے ان حکومتوں کے آئین و قوانین ختم کر ڈالے۔اس مقام پر بھی اقتدارِ اسلامی میں کسی قانون کا واضح تصور پایا نہیں جاتا۔سوائے اسکے مبلغین اسلام نے قرآنی تعلیم کا اجرا کیا ــــ جس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر (احکامات الٰہی) برائے اصلاح انسانی و حصولِ مقامِ خلافتِ ارضی کا تصور تھا ــــ البتہ اقتدار اسلامی کے تحفظ کے تصور نے یہ صورت پیدا کردی کہ انسان کو ہر انسان کی غلامی سے آزاد کر کے ایک خدائے مالک الملک کا عبد (غلام) بنایا جائے ــــ اس عبدیت میں سوائے تسبیح و حمد اور اصلاحِ انسانی کے اور کوئی تصور پایا نہیں جاتا ــــ لہذا انسان کو جابر حکمرانوں کی غلامی سے آزاد کرنے میں اقتدار اسلامی کی ہیئت حکمران ہیئت محسوس ہوتی ہے۔مگر اس ہیئت میں کسی اجتماعی اقتدار کی حاکمیت کا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نبوی ــــ جماعتِ اسلامی کے ہر فرد کے اجتماع کا مقام تھا۔ یہی جگہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تخت گاہ تھی ــــ مسجد نبوی کے ساتھ حجرۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ملحق تھا۔ جو مٹی کی چار دیواری تھا ــــ اور اسی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تصور نہیں ــــ بلکہ اللہ کی حاکمیت کا تصور ہے۔ یہی تصور خلافتِ اسلامی سے تعبیر ہے ــــ جس میں ایک خلیفہ کی حکمران حیثیت محسوس کی جاتی ہے۔ یہ اسلئے کہ اس مقام پر بھی اقتدارِ اسلامی کا تحفظ اور اسکی وسعت کا تحفظ مقصود ہے۔ جسکے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک خلیفہ کیلئے صاحب عقل سلیم۔ مدبر۔ اور سیاستدان ہونا لازمی ہے ــــ اور یہ امر واقع ہے۔ کہ اب تبلیغ دین کا انداز اقتدارِ اسلامی کے تحفظ کی صورت میں پیش ہوتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اسلام میں تحفظِ اقتدار اسلامی اصل نہیں بلکہ فرع ہے۔ اصل شے تلاوت آیات۔ تزکیہ۔ علم الکتٰب والحکمہ ہے ــــ ان دو کیفیتوں پر ہی خلفائے اربعہ میں خلافت کا انتخاب ہوتا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اقتدارِ اسلامی کے تحفظ کی بھی ضرورت تھی اسلئے آپؐ نے نزاکتِ وقت کے تابع حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اقتدارِ اسلامی کے تحفظ پر مامور فرمایا ــــ اور تلاوتِ قرآن ــــ تزکیہ۔ علم الکتٰب والحکمہ کے حقیقی مقصد کی تکمیل کیلئے اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ ''بَابُہَا کی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ نبی کی حیثیت سے اپنا جانشین مقرر فرمایا ــــ اور جبکہ اس تمام نظام کی اصل یہی ہے۔ کہ خلیفہ نبی کی حیثیت میں تلاوت قرآن۔ تزکیہ۔ علم الکتٰب والحکمہ ہے۔ تو اس حال میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا انتخاب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلئے ثابت ہوگیا۔ کہ آپ کو تبلیغ دین ــــ تلاوت۔ تزکیہ۔ وعلم الکتٰب کی خلافت دی گئی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اقتدارِ اسلامی کے تحفظ کی خلافت دی گئی۔ اور آپ کے بعد اس خلافت کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو موزوں سمجھا گیا ــــ اور آپؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کو اور حضرت عثمانؓ کے بعد بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتخاب نہ ہوا اسلئے کہ آپکو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلافتِ عظمیٰ عطا ہو چکی ہے۔ اور اقتدارِ اسلامی کے تحفظ کیلئے۔ ایک مدبر سیاستدان کا انتخاب ہی لازمی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت۔ اور حضرت امیر معاویہؓ کا خلافت کے حصول میں کوشش کرنا۔ اسی حیثیت میں تھا۔ کہ اقتدار اسلامی کے تحفظ کیلئے ــــ ایک ایسے مدبر سیاستدان کی ضرورت ہے۔ جو ایک طرف اقتدار اسلامی کا تحفظ کرے۔ دوسری طرف اقتدارِ اسلامی کو وسعت دیکر دین اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک پھیلا کر دین اسلام کی تبلیغ کیلئے راہیں ہموار اور آسان کردے اور وہ خلفائے نبی مصطفیٰ علمائے امت جنکے ذمہ تبلیغ دین میں تلاوت۔ تزکیہ علم الکتٰب و الحکمہ ہے۔ لوگوں کی اصلاح کر کے مشاہدہ اسرار الٰہی۔ معرفت حقیقت محمدیؐ۔ صراط مستقیم۔ اسماء کلہا کا مشاہدہ۔ دیکر مقامِ خلافتِ ارضی پر پہنچا دیں۔ یہ فریضہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد تھا ــــ آپ کے بعد آپ کے خصوصی خلفاءؑ کا جن میں حضرت امام حسنؑ۔ حضرت امام حسینؑ۔ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ ہیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حجرہ میں کھانا پکانا۔ کھانا کھانا۔ فرش پر سونا ــــ گھر کے تمام امور خانگی اسی کچی مٹی کی چار دیواری میں طے ہوتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صبح وشام مسجد نبوی کے منبر پر قرآنی تعلیمات کا وعظ فرماتے اور روزمرہ کے معاملات۔ دینی ــــ دنیاوی ــــ معاشی۔ جنگی سب اسی مسجد میں طے فرماتے۔ اس مقام پر کوئی تخت شاہی نہ تھا۔ صرف ایک منبر اس غرض سے بنا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اونچے مقام پر وعظ فرمائیں۔ تاکہ ہر شخص آپؐ کی کلام سن سکے۔ ورنہ منبر کی بھی کوئی اونچی یا اعلیٰ حیثیت نہ تھی ــــ بعض اوقات حضور صلے اللہ علیہ وسلم اصحاب کے مجمع میں بیٹھ کر وعظ فرماتے اور معاملات طے فرماتے ــــ یہ تھی اقتدارِ اسلامی کی حقیقی ہیئت وحیثیت ــــ اسکے علاوہ جب اقتدارِ اسلامی کو وسعت ہوئی ــــ اور زکوٰۃ جمع ہونے لگی۔ تو جماعتِ اسلامی میں مسجد نبوی۔ اور منبر سے علاوہ بیت المال کا اضافہ ہوا۔ جہاں زکوٰۃ۔ صدقات اور جہاد کا مالِ غنیمت جمع ہوتا ــــ اور یہ چیز اضافہ ہوئی کہ اقتدارِ اسلامی میں غرباً ومساکین کو ضروریات زندگی کیلئے۔ کھانا ۱؎۔ کپڑا ملنے لگا۔ یہ چیز انسانی حقوق کے تحفظ میں شامل تھی ــــ کہ اقتدار اسلامی میں ایک فرد دوسرے کا مددگار ہو ــــ اور ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری کی جائے ــــ اور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) جن کے ذریعہ علم شریعت وطریقت میں مشاہدہ اسرار الٰہی ــــ لوگوں کو حاصل ہوتا رہا ــــ یہی کیفیت دین ــــ تبلیغ دین ــــ خلفائے اربعہ میں۔ اقتدار اسلامی کے خلفاً۔ اور خصوصاً نبی مصطفےٰ کے خلفاً کی ہے جو خود خلیفہ نبی کے لقب سے ملقب ہیں۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ــــ خلافتِ حقیقی (خلافتِ عظمٰی) از ابتدا تا انتہا حضرت علیؓ ہی کو حاصل ہے اور بقیہ خلفاً کو اقتدارِ اسلامی کی خلافت حاصل ہے ــــ اور اسی اقتدارِ اسلامی کے تصور سے ہی آئندہ خلافتِ اسلامی میں خلیفہ نے حکمران حیثیت حاصل کی اور یہی اقتدارِ اسلامی کا تصور ہے۔ جو آئندہ بنی امیہ۔ بنی عباس کے خلفاً کے زمانہ میں شہنشاہیت کی شکل میں تبدیل ہوا ــــ کہ اس زمانہ میں بظاہر اقتدار اسلامی دنیا کے کثیر حصہ پر پھیلا اور غالب رہا ــــ

۱؎ جماعتِ اسلامی کا انسانی حقوق کے تحفظ میں لوگوں کی ضروریات پوری کرنا بھی اس نقطۂ نظر سے تھا کہ انسان کو عبادات واصل مقصدِ زندگی کیلئے آسانی میسر ہو۔ اور یہ کہ انسان عبادات۔ تصور ومشاہدہ کی طرف آسانی سے رجوع کر سکے۔ ورنہ بغیر عبادات صرف حصولِ سامانِ زندگی کا الگ کوئی تصور نہ تھا ــــ کہ لوگوں کے لئے ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا جماعتِ اسلامی کے فرائض میں ہو ــــ سوائے اسکے کہ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ کا ایک الٰہی حکم تھا۔ جسکی تعمیل کیلئے یہ طریق بیت المال اختیار کیا گیا۔

بیت المال سے اقتدارِ اسلامی کے دفاع و جہاد کیلئے سامان مہیا کیا جائے ـــ اسکے سوا کچھ نہیں ـــ یہی ہیئت و حیثیت اقتدارِ اسلامی سے تعبیر تھی ـــ اور ایک خلیفہ کا اقتدارِ اسلامی کا امیر ہونا اس نوعیت کا تھا ـــ کہ بحیثیت قائم مقام حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ خلیفۂ رسول اللہ مسجد نبوی میں وعظ فرمائے۔ قرآنی تعلیم لوگوں کو سنائے۔ انکا تزکیہ کیا جائے۔ انہیں مقصدِ ہدایت ـــ تسبیح و حمد ـــ مشاہدہ اسرار الٰہی ـــ اور معرفت حقیقی سے آگاہ کرے اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر۔ اقتدارِ اسلامی کی ہیئت و حیثیت کو قائم رکھے اور بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرے۔ اور بیت المال سے ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کر کے انسانی حقوق کا تحفظ کرے۔ اس تحفظ میں وہ امور بھی شامل تھے۔ جس سے پاکیزہ معاشرہ قائم رہے۔ یعنی لوگوں کے باہم معاملات میں ان خرابیوں کو دور کرنا۔ جس سے جماعتِ اسلامی میں فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہو ـــ یہ دنیوی معاملات سے تعلق رکھنے والے امور تھے ـــ جنکا طے کرنا ـــ خلیفۂ اسلام کے ذمہ تھا ـــ یہ تمام ذمہ داریاں ایک خلیفۂ اسلام کیلئے محنت و مشقت کا باعث تھیں ـــ جسکے لئے خلیفہ نے اپنا تمام وقت صرف کرنا ـــ اور کٹھن محنت کرنا تھا ـــ یہاں تک کہ خلیفہ کو اپنی ضروریات اور خانگی معاملات کیلئے وقت میسر نہ آتا ـــ یہ ذمہ داریاں بھی بحیثیت عبادت خلیفہ کیلئے تھیں۔ کہ خلیفہ بھی من جانب اللہ تصور کیا جاتا۔ کہ اگر خلیفہ سے اپنی ذمہ داریوں میں غفلت و کوتاہی ہوتی۔ تو اسکے لئے یوم قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا تھا ـــ اسلئے خلیفہ کی یہ تمام ذمہ داریاں اسکے لئے شب و روز فکر مندی۔ اور کٹھن محنت و مشقت کا سبب تھیں۔ اس خلافت میں بذاتِ خود خلیفہ کوئی برتر حیثیت نہ رکھتا تھا ـــ بحیثیت امیر المومنین۔ ادنیٰ سے ادنیٰ جماعتِ اسلامی کے فرد کے آگے جوابدہ ہوتا ـــ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے چند واقعات سے معلوم ہوتا ہے ـــ کہ آپؓ اقتدار اسلامی کے قیام میں قرآن و حدیث کے مطابق عمل کرتے۔ اور اگر کسی قرآنی حکم میں آپ اپنی ذاتی تاویل سے کام لیتے تو فوراً کوئی صحابی آپ پر اعتراض کر بیٹھتا۔ تو آپ علمائے قرآن و حدیث کا اجلاس بلا کر قرآنی فیصلہ پر بحث کرتے۔ خود صحیح ہوتے تو شکر کرتے۔ اگر اختلاف ہوتا تو تسلیم کرتے ـــ آپکے دور خلافت میں تحفظِ حقوقِ انسانی سے متعلق واقعات مشہور ہیں ـــ کہ آپ رات بھر محلوں میں گشت کرتے کہ کوئی شخص رات فاقہ سے نہیں رہا۔ ایک رات ایک مکان میں ایک بڑھیا کو دیکھا کہ چولہا جلا کر ہنڈیا

میں پتھر پکا رہی ہے ــ آپ نے دریافت کیا ـــ کہ یہ کیا پک رہا ہے۔ بڑھیا نے کہا۔ ہمارے پاس اناج نہیں۔ بچوں کو اس بہانے سلا رہی ہوں۔ کہ کھانا پک رہا ہے۔ اس اثنا میں بچے سو جائینگے ـــ تو حضرت عمرؓ پریشان ہوئے۔ کہ بیت المال کی تقسیم میں ہم پورے نہ اتر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے باز پرس کریگا۔ کہ جب بیت المال غرباً کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور بحیثیت خلیفہ (بحیثیت خادمِ جماعتِ اسلامی) میں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ تو اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ مجھ سے کیا معاملہ کریگا ـــ فوراً واپس گئے اور بیت المال سے آٹے کی بوری کندھے پر اٹھا کر بڑھیا کے گھر لائے ـــ اور بڑھیا سے کہا۔ کہ امیر المومنین سے تمہارے معاملہ میں کوتاہی ہوئی۔ تم اسے معاف کردو ـــ اور بڑھیا سے معافی نامہ کی دستاویز حاصل کی۔ کہ یہی دستاویز خلیفۃ المومنین کی نجات کی ضامن ہوگی ایسے ہی آپؓ کے دور خلافت کے کئی واقعات موجود ہیں۔ جن میں اقتدارِ اسلامی اور خلافت کی حقیقی ہیئت و حیثیت ظاہر ہوتی ہے ـــ ایسی صورت میں یہ جان لینا آسان ہے کہ جماعتِ اسلامی کے کسی فرد یا خلفائے اربعہ کے دل میں حصولِ خلافت۔ حصول مقامِ خلافت کا کوئی جذبہ یا تمنا پائی جاسکتی ہو ـــ جبکہ انہیں نہ امارت کی خواہش تھی۔ نہ حکمرانی کی خواہش نہ کسی اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کا تصور انکے ذہن میں تھا ـــ نہ ہی اقتدار اسلامی میں ایسا کوئی مقام تھا جسکے حصول کیلئے جماعتِ اسلامی کے کسی فرد میں تمنا پیدا ہوتی ـــ جہاں تک خلفائے اربعہ۔ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی حیثیتوں کا تعلق ہے۔ ان حضرات کے متعلق انکے اعلیٰ مقام کی نشاندہی خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اور بعض مقامات پر قرآن نے بھی ان کے مقامِ اعلیٰ کی نشاندہی کردی ـــ یہ امر مسلمہ ہے کہ افرادِ امتِ مسلمہ میں اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خصوصاً خلفائے اربعہ کے متعلق انکی عظمت کیلئے لطیف احساسات پائے جاتے ہیں ـــ لیکن خود اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت۔ انکے باہمی تعلقات ـــ قومی۔ قبیلوی۔ رشتوں کے لحاظ سے عام حیثیت میں تھے۔ وہ آپس کے روابط۔ گفتگو۔ ملنے جلنے۔ معاملات میں آپس میں کوئی فرق کوئی تفوق نہ رکھتے تھے۔ امتِ مسلمہ کیلئے اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات واجب الاحترام تھی مگر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عام حیثیت میں ایک دوسرے سے معاملات میں الجھتے اور جھگڑتے بھی تھے

___ آپس میں انکی حیثیت عام تھی۔ ایسا ہی واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا۔ کہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروقؓ خلیفۃ المسلمین کا برسرِ منبر سختی سے مواخذہ کیا ___ کہ آپکے پاس مال غنیمت میں تقسیم شدہ کپڑے سے۔ پوری قمیض کا کپڑا کیسے آیا۔ جبکہ اس کپڑے سے پوری قمیض بن نہیں سکتی ___ یہ انکی عام حیثیت تھی ___ بحیثیت خلیفہ بھی ___ کہ کسی کو کسی کی برتری کا احساس نہ تھا۔ البتہ بحیثیت خلیفہ مقامِ خلافت کا احترام ضرور تھا۔ کہ جماعتِ اسلامی کا ایک فرد بحیثیت خلیفہ ان صفات و خصوصیات کا حامل ہے۔ جو صفات شرائطِ خلیفہ میں مقرر ہیں ___ کہ خلیفہ سب سے زیادہ عالم۔ سب سے زیادہ عمل کرنے والا ___ اور علم و فہم۔ فراست میں اعلےٰ صفات کا حامل ہے۔ یہی صفات تھیں جنکی اتباع جماعتِ اسلامی کے ہر فرد پر واجب تھیں۔ جنکی وجہ سے ایک خلیفہ کا احترام بھی واجب ہوتا ہے ___ المختصر یہ کہ ان تمام کوائف میں خلیفہ کے لئے ایک خصوصی تصور خلیفہ ارض (اِنِّیْ جَاعِلٌ ’’ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً) دوسرا رسول اللہ کا قائم مقام ___ خلیفۂ رسول۔ دو خصوصیات ہیں۔ جن سے خلیفۂ اسلام متصف ہوتا ہے ___ باقی امت میں۔ جس نے خلیفہ کی اتباع میں عبادت۔ تسبیح وحمد ___ تزکیہ۔ قیام لیل۔ قرأت قران الفجر ___ کو قائم کیا خلیفۂ ارض کہلاتا ہے۔ جسکے بطن میں نبی کا تصور۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا کی کیفیت پائی جاتی ہے ___ اسماء کلھا کی خبر پانا ___ خبر دینا ___ نبی کے تصور میں آتا ہے ___ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے اربعہ کو یہ مقام بدرجہ اولیٰ حاصل ہے اور انہیں امت مسلمہ کے مقابلہ میں۔ خلیفۂ رسول ___ خلیفہ نبی کا مقام حاصل ہے ___ جس وجہ سے خلفائے اربعہ اور انکے خلفأ باقی امت سے ممتاز درجہ و حیثیت حاصل کئے ہیں ___ امت محمدیہ میں خلفأ کا وجود ہر زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ ایسے خلفأ بمطابق حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔ بنی اسرائیل کے انبیأ کے مانند۔ خلیفۂ رسول ___ خلیفہ نبی ___ نبی یا مجدد کے تصور میں پائے جاتے ہیں ___ انکی نبوت کی حیثیت دو طرح سے ہے۔ ایک اتباعِ رسول اللہ میں ___ اتباعِ نبی مصطفےٰ میں انہیں۔ مقام خلافت و نبوت ___ خلیفہ ارض کا مقام حاصل ہے ___ دوسرے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد مقصدِ رسالت پورا کرنے کا مقام۔ خلیفۂ رسول اللہ کا مقام یہ ہے۔ کہ خود نبی ہیں اور مخلوق انسانی کو رسول اللہ کی وحی کردہ ہدایت سے نبی بناتے ہیں ___ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان

خلفائے اربعہ کو مقامِ خلافت میں یکساں حیثیت حاصل ہے۔اور ہر فرد اقتدار اسلامی میں اولوالعزم درجہ کا حامل ہے ـــــ خلافتِ اسلامی میں جو درجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہے۔وہی حضرتِ عمر فاروقؓ کا ہے۔ وہی حضرتِ عثمانؓ کا ہے۔وہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔البتہ جیسا کہ بیان ہوا ـــ کہ قرآن نے ان چہار خلفاً کی اولوالعزمی کی خود نشاندہی کی۔جن میں ہر خلیفہ کی خصوصیات وصفات منفرد ہیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق قرآن نے آپکی خصوصیت بیان کی ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ اِذْیَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یہ انتہائی مقامِ قرب وحُب کا ہے۔قرآن نے مجملاً خلفائے اربعہ کے متعلق انکی صفات کا ذکر کیا ـــ مَحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ز سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ ج وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ج محمد رسول اللہ ہیں۔اوران لوگوں میں جو آپکے ساتھ ـــ آپکے ساتھی۔اوروہ جو کافروں پر سخت ہیں ـــ اوروہ جو آپس میں محبت کرنے والے ہیں ـــ اوروہ جنہیں تم دیکھتے رکوع وسجود کرنے والے۔دیکھتے ہوا نکے پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ـــ انکے متعلق علامات ہیں توراۃ میں اور انجیل میں۔اس آیت میں قرآن نے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات بیان کی ہیں۔جیسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر بیان کی ہے ـــ مُحَمَّدٌ'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ یَعْنِیْ اَبَابَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَقَامَ مَعَهٗ بِدَعْوَةِ الْکُفَّارِ اِلٰی دِیْنِ اللّٰهِ تَعَالٰے ۔ اَشِدَّآءُ عَلَے الْکُفَّارِ بِالْغِلْظَةِ وَ هُوَ عُمَرُ کَانَ شَدِیْدًا عَلٰی اَعْدَاءِ اللّٰهِ قَوِیٌّ'' فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ نَاصِرُ الرَّسُوْلِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ مُتَوَادُّوْنَ فِیْمَا بَیْنَهُمْ بَآرُّوْنَ وَهُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ کَانَ بَارٌ'' اَعْلَے الْمُسْلِمِیْنَ بِالنَّفْقَةِ عَلَیْهِمْ رَحِیْمًا بَیْنَهُمْ۔تَرَاهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا فِی الصَّلٰوةِ وَهُوَ عَلِیُّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَانَ کَثِیْرُ الرَّکُوْعِ وَ السُّجُوْدِ۔ترجمہ۔ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپکے ساتھ ہیں۔مومنوں سے ـــ مراد ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے۔اور اللہ کے دین کی طرف کفار کو بلانے میں آپ کا ساتھ دیا ـــ اور نہایت سخت ہیں کفار پر مراد اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں ـــ کہ آپ قوی اور کافروں پر سخت تھے

اور اشاعتِ اسلام میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہوئے ــــ محبت کرنے والے ہیں آپس میں ــــ مراد اس سے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہ وہ مومنوں پر نہایت رحیم اور لوگوں پر اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے والے۔ اور احسان کرنے والے تھے ــــ تو ان کو رکوع وسجود کرنے والا دیکھتا ہے ــــ مراد اس سے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہ آپ حد درجہ عابد۔ کثرت سے رکوع وسجود کرنے والے تھے۔

ان خصوصیات کے تحت خلفائے اربعہ کا مقام امتِ مسلمہ میں اعلےٰ وافضل ہے۔ اسی اعتبار سے خلفائے اربعہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے دین میں مقامِ خلافت حاصل ہوا ــــ جیسا کہ بیان ہوا ــــ مقام خلافت میں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اجرائے دین میں اقتدارِ اسلامی کا تحفظ اور وسعتِ اقتدارِ اسلامی کا کام سپرد ہوا ــــ اور حقیقی خلافتِ نبوت میں بھی آپ شمار ہیں ــــ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ماسوئی خلافتِ اقتدار اسلامی حقیقی خلافتِ نبوت کا مقام حاصل ہوا ــــ کہ آپ کے ذریعہ خصوصاً اجرائے دین میں ــــ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق کے منصوبہ کی تکمیل ہوئی ــــ کہ وَعَلِيٌّ ''بَابُهَا ــــ معرفتِ حقیقی ــــ حصول مشاہدہ ــــ مشاہدہ اسرار الٰہی ــــ معرفت حقیقت محمدیؐ ــــ مشاہدہ اسماء کلّھا ــــ صراط مستقیم ــــ صراط اللہ ــــ اور مشاہدۂ ذاتِ الٰہی کا طریق آپؓ ہی کے ذریعہ مخلوقِ انسانی کو حاصل ہونا مقرر ہوا ــــ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات عالی سے ہی زمانہ میں سلسلہ طریقت کا اجرا ہوا ــــ اور زمانہ کے جتنے مشاہیر اولیاءؒ گزرے وہ سب آپ کے سلسلہ سے نسبت رکھتے ہیں۔ جن میں حضرت امام حسن علیہ السلام۔ حضرت امام حسین علیہ السلام۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور دیگر امامین اور ان کے بعد حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت معین الدین چشتیؒ۔ دیگر اولیائے کاملین ۱؎ ــــ اور اولیائے ہند میں سلسلہ قادریہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ نقشبندیہ کے مشہور

۱؎ بایزید بسطامیؒ۔ جنید بغدادیؒ۔ شہاب الدین سہروردیؒ۔ بہاؤ الدین نقشبندؒ۔ جلال الدین رومیؒ وغیرہ۔

اولیأ ۱؎ ہیں۔ جنہوں نے دنیا کے عمیق اندھیروں میں دین اسلام کی روشنی پہنچائی ـــــ ان اولیأ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت سے خالص سلسلہ نبوت خلیفہ نبی کی حیثیت سے۔تلاوت قرآن میں قرآنی احکام کا اجرا کیا ـــ تزکیہ میں۔انسانی جسمانی روحانی تزکیہ کر کے۔انہیں صاحب مشاہدہ بنا کر مشاہدۂ اسرار الہٰی کرایا۔اور مقامِ خلافتِ ارضی پر پہنچایا ـــــ

جیسا کہ ابتداءِ سیرت النبی میں بیان ہوا۔کہ قرآن نے ابتداءِ نبی کا تصور اس آیت کی تفسیر میں پیش کیا ـــ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃًط اسی آیت کی شرح میں خود قرآن نے حضرتِ آدم علیہ السلام کے واقعہ کو پیش کیا ـــــ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا پھر اس واقعہ کی تفصیل میں خصوصیتِ آدم علیہ السلام میں ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ لا فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ میں اسماء کی کیفیت کا حقیقی تصور مشاہدۂ اسرار الٰہی کی صورت میں ظاہر ہوا ـــــ اور خلیفہ کی صفت کو فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ ـــــ نباءِ اسماء سے ظاہر کیا۔تو ثابت ہوا۔کہ۔اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں نبی کا حقیقی تصور پایا جاتا ہے ـــــ اور فِی الْاَرْضِ کے بیان سے یہ ظاہر ہوا۔کہ زمین کی مخلوقِ انسانی خلیفہ کے تصور میں شامل ہے۔اس امر کی تائید ملائکہ کے بیان سے کی گئی قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ کہ خلیفہ کے تصور میں تمام مخلوقِ انسانی شامل ہے ـــ اسکے ساتھ ہی ملائکہ کے بیان وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط سے ہی اس امر کی توضیح بھی ہوئی کہ حصولِ نبوت کیلئے تسبیح وحمد شرط ہے ـــــ سو یہ تمام صفات مخلوقِ انسانی سے وابستہ کی گئیں ـــــ اس سے ثابت ہوا۔کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین کی تمام مخلوقِ انسانی کو بحیثیت نبی پیدا کرنا مقصد الٰہی کے تحت ہے اور پھر آئندہ آنے والے واقعات کے بیان میں انسانی مخلوق میں نبوت کے علیحدہ علیحدہ مدارج پائے گئے۔جو اس آیت کے بیان سے ظاہر ہیں۔ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ـــ یعنی انسان شیطان کے

۱؎ علی احمد ہجویری داتا گنج بخشؒ۔بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ۔قطب الدین بختیار کاکیؒ۔بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ۔نظام الدین اولیاؒ۔علی احمد صابر کلیریؒ۔مجدد الف ثانیؒ وغیرہ۔

بہکانے میں آکر فساد و بغاوت پر آمادہ ہوا اور مقامِ خلافت سے گر کر اسکا مشاہدۂ اسرار الٰہی (اسماء) بند ہوا ــــ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقررہ منصوبہ کے تحت اصلاحِ انسانی کیلئے۔ ایک خلیفہ (نبی) کو مصطفیٰ (منتخب) کیا ــــ جسے اپنی ہدایت (فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی) دیکر بھیجا گیا ــــ اس مقام پر ایک منتخب ہستی کی صفت میں ــــ اسکی پیدائشی صفت نبی و خلیفہ ہے۔ اور اصطفیٰ کی خصوصیت ایک زائد صفت سے اس نبی کو عام مخلوق انسانی پر فضیلت دی گئی ــــ جسے مقامِ رسالت (رسول) کہا گیا ــــ یہ مقام علم کے اعتبار سے ملا کہ ایسے نبی کو کلام الٰہی کا علم دیا گیا ــــ اسکے ساتھ ہی قرآن نے مخلوق انسانی کی خصوصیت میں انسان کو باقی مخلوقِ حیوانی سے افضل و اشرف مقام دیا ــــ جسکا تصور اس آیت میں دیا گیا۔ اِنِّیْ خَالِقٌ ۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ــــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ــــ ثُمَّ سَوّٰهُ ــــ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کی ترکیب میں انسانی وجود افضل مادہ سے بنایا گیا۔ اس پر مزید وجہِ فضیلت اسکی سوّی قرار دی گئی ــــ یہ انسان کی پیدائشی فضیلت ہے۔ جس ترکیب پر ہر مخلوقِ انسانی کی تخلیق مقرر کی گئی ــــ مگر قرآن نے اس تخلیقی ترکیب سے سوئی ایک اور خصوصی تخلیقی ترکیب کا ذکر کیا ــــ اِس تخلیق انسانی میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا وجود ــــ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وجود اور خصوصی تخلیقی ترکیب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی وجود شامل ہے۔ جس میں تخلیق کا بنیادی وجود حماءِ مسنون سے نہیں۔ بلکہ روح (نور) سے ہے۔ جیسا کہ تخلیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں قرآن نے ایک خصوصی تصور دیا۔ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ــــ وَكَلِمَتُهٗ ــــ اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ ــــ رُوْحٌ مِّنْهُ ــــ اس مقام پر اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تخلیقی ترکیب میں حضرتِ عیسیٰؑ کو جسمانی حیثیت میں بھی باقی مخلوقِ انسانی کے مقابلہ میں فضیلت حاصل ہوئی۔ اس فضیلت کا مقام بھی اعلےٰ وارفع روحانی اعتبار سے ہے ــــ اور علمی اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ کو اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ــــ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ ــــ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ــــ عبد اللہ کے بیان میں حضرتِ عیسیٰؑ مخلوقِ انسانی میں ہی شامل ہیں۔ ملائکہ میں نہیں ــــ کیونکہ رُوْحٌ مِّنْهُ میں ملائکہ کا تصور پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ○ میں ایک بشری شکل وصورت میں اصل وجود ملائکہ کا ہے ــــ اسلئے عبد اللہ کے تصور سے حضرت عیسیٰؑ کے وجود کو مخلوقِ انسانی میں شامل کیا گیا۔ اور تخلیقی

اعتبار سے آپ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ خلیفہ و نبی ایسے ہی ہیں ۔جیسے عام مخلوق انسانی کی صفت ہے ــــ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ کے بیان سے آپکو بھی مخلوقِ انسانی میں علمی حیثیت میں افضلیت دی گئی کہ آپ کو بحثیت نبی مصطفیٰ ــــ بحثیت رسول بھیجا گیا ــــ آپؑ کو بھی کلام الٰہی ــــ کتاب دی گئی۔ اس اعتبار سے حضرتِ عیسیٰؑ جسمانی ــــ روحانی اعتبار سے عام مخلوق انسانی میں افضل قرار دیئے گئے ــــ آپؑ کے بعد جسمانی حیثیت میں کسی مخلوق کی افضلیت کا قرآن نے تصور پیش نہیں کیا ــــ لیکن بحثیت نبی مصطفیٰ ــــ بحثیت رسول ۔آپؑ کے بعد بھی اصلاحِ انسانی تشنہ تکمیل رہی ــــ جسکے لئے ابھی ایک نبی مصطفیٰ کی ضرورت باقی رہی ــــ یہ ضرورت آپؑ کے بعد پوری ہوئی جسکے متعلق قرآن نے یہ بیان پیش کیا ــــ وَاِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط ــــ جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی اسرائیل تحقیق میں تمہاری طرف نبی مصطفیٰ رسول بن کر آیا ہوں ــــ میں تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کا۔ اور بشارت دیتا ہوں تمہیں کہ میرے بعد ابھی ایک رسول کی ضرورت باقی رہیگی ــــ اور تمہاری طرف میرے بعد ایک رسول آئیگا۔ انکا اسمِ مقدس احمد ہوگا ــــ یہاں ایک رسول کی نشاندہی نامِ اَحْمَدُ سے کی گئی یہ وہ احمد ہیں۔ جنہیں مُحَمَّدُ کے اسمِ مقدس سے دنیا میں پکارا گیا ــــ یہ ذاتِ عالی حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے ــــ اور احمد کے نام سے نشاندہی کرنے میں مصلحت یہ ہے۔ کہ آپؐ جسمانی حیثیت میں اَحْمَدُ ہیں ــــ علمی ــــ روحانی حیثیت میں محمدؐ ہیں۔ جسمانی حیثیت میں نشاندہی کرنے میں مصلحت یہ ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسمانی حیثیت میں باقی مخلوقِ انسانی میں افضل ہیں۔ اسی طرح احمد کے اسمِ مقدس میں یہ تصور پایا جاتا ہے۔ کہ احمد کَلِمَةُ اللّٰهِ کے وجود سے افضل ہیں ــــ چنانچہ گزشتہ بیان میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مقدس کی تخلیق کے سلسلہ میں بالدلیل یہ ثابت ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بحثیت مُحَمَّدُ کائنات ارض سمٰوٰت میں سب سے افضل پیدائش ہے ــــ اور وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ کی حیثیت میں بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں جن کی ذاتِ عالی سے مقامِ اصطفیٰ ــــ مقامِ رسالت کی کلی طور تکمیل ہوتی ہے چونکہ مقامِ مصطفیٰ میں ایک پیدائش کو باقی مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ

وسلم کو بحیثیت رسول تمام انبیاءِ مصطفےٰ پر فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ گزشتہ بیان ہوا کہ مخلوقِ انسانی میں ـــ خلیفہ و نبی کی حیثیت میں نبی مصطفےٰ کو باقی مخلوق پر فضیلت حاصل ہے ـــ یہ فضیلت بحیثیت نبی ـــ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو تمام کائناتِ ارض و سمٰوٰت پر حاصل ہے ـــ اسی کیفیت کے اظہار کا سیرت النبی میں ظاہر کرنا مقصود ہے ـــ کہ سیرت النبی میں کائنات میں سب سے افضل مخلوق ـــ خلیفہ ـــ نبی ـــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے ـــ اسکے بعد جیسا کہ گزشتہ انبیأ و رسولوں کے بعد خلفائے رسول ـــ جانشین یا قائم مقام رسول ـــ کسی رسول کے خلفأ کو دوام حاصل نہ ہوا ـــ بلکہ اکثر خلفأ نے اپنے رسول کو بُت کی حیثیت دیکر بت پرستی کا وجود پیدا کیا۔ اسکی وجہ یہ تھی۔ جیسا کہ مشاہدۂ اسرار الٰہی میں طریق طریقت میں۔ عالمِ امت (ولی یا پیر) اور رسول کا تصور قائم کرنے سے قوتِ مشاہدہ اور مشاہدہ اسرار الٰہی حاصل کیا جاتا ہے۔ گزشتہ انبیأ میں بھی یہی طریق جاری تھا۔ کیونکہ آدم سے لیکر تا ایں دم اسماء کلھا کے مشاہدہ میں کیفیت ایک ہی نوع کی ہے۔ وہ یہ کہ صراط اللہ میں عالم ناسوت کا مشاہدہ ـــ عالم ملکوت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود کا مشاہدہ پایا جاتا ہے۔ اس مشاہدہ کو حاصل کرنے کیلئے گزشتہ زمانوں میں ایک نبی کے تصور کو قائم رکھا جاتا تھا ـــ نبی کے گزرنے کے بعد قائم مقام خلفأ اسی تصور کے ساتھ لوگوں کو مشاہدہ کراتے۔ لیکن زمانہ کی طوالت کے ساتھ خلفائے نبی میں تزکیہ۔ مجاہدہ کی قوت قائم نہ رہتی ـــ جس سے قوتِ مشاہدہ حاصل نہ ہوتی۔ تو خلفأ نبی کے تصور کو قائم رکھنے کیلئے تصورِ خیالی سے کام لیتے یعنی نبی کے گزر جانے کے بعد نبی کی خیالی تصویر بت کی شکل میں بنا کر اسکا تصور کرنا شروع کر دیتے ـــ اور جب لوگوں میں خلفأ کے ذریعہ نہ علم میسر ہوتا نہ تزکیہ حاصل ہوتا تو وہ خیالی تصور میں بت کی پوجا کرنی شروع کر دیتے اسطرح بت پرستی کا وجود پیدا ہوتا ـــ گزشتہ دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت و رسالت اولاد اسحاق (بنی اسرائیل) میں جاری رہی۔ اسلئے بت پرستی کا وجود۔ قوم بنی اسرائیل میں یہود و نصاریٰ سے پیدا ہوا ـــ تواریخ سے ثابت ہے کہ بت پرستی زیادہ تر قوم بنی اسرائیل۔ یہود و نصاریٰ میں ہی پائی جاتی تھی ـــ دوسری طرف مکہ میں قوم بنی اسماعیل حضرت ابراہیم و اسماعیلؑ کے دین اسلام پر قائم تھی ـــ اور ایک زمانہ میں بنی اسماعیل قبیلہ کے ایک سردار عمرو بن لحی نے شام میں

نصاریٰ کو بت پرستی کرتے دیکھا۔اسے یہ طریق پسند ہوا کہ اس طرح کے تصور خیالی سے تصور حقیقی میں مددمل سکتی ہے۔اس نے تصور کو قائم کرنے کیلئے شام سے اپنے ساتھ ایک بت لاکر بیت اللہ میں رکھدیا۔ کیونکہ مشاہدہ حاصل کرنے کا طریق ہر قوم میں ایک ہی تھا۔۔۔ اسطرح بنی اسماعیل قوم میں بھی بت پرستی کا رواج شروع ہوا۔۔۔ اور اسی تحریک پر آئندہ بیت اللہ میں بنی اسماعیل قوم نے بتوں کو جمع کر کے لات۔مناۃ وہبل کے نام سے بت پرستی شروع کردی۔۔۔ بظاہر یہ بت پرستی تھی۔مگر اصل کیفیت اس بت پرستی میں یہی تھی کہ اسطرح مشاہدہ کی قوت حاصل کی جائے۔۔۔ گوان میں آئندہ یہ تصور باقی نہ رہا۔ بلکہ اس طریق نے ہر جگہ خالص بت پرستی کو رواج دیا۔۔۔ اسکا سبب یہ تھا کہ انبیأ کے بعد انکے خلفأ کو حصولِ معرفت میں دوام حاصل نہ ہوسکا اور مخلوق انسانی حصولِ معرفت میں تشنہ ومحروم رہ گئی۔۔۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفأ میں۔علم القرآن۔۔۔ قول وفعل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔۔۔ طریق تزکیہ۔مجاہدہ۔علم وعمل باقی رہا اسلئے بت پرستی کی نوبت نہ آئی۔اور آپ کے بعد علمِ نبوت علےٰ حالہ قائم رہا۔۔۔ اور یہ خصوصیت بحثیت نبی آخر الزمان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔کہ آپ کے بعد آپکے خلفائے امت کے ذریعہ تا قیامت علمِ نبوت قائم رہیگا۔اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفأ کو بحثیت خلیفہ نبی گزشتہ خلفائے انبیأ پر فضیلت حاصل ہے۔اسکے ساتھ ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں عام مخلوقِ انسانی کثرت سے قوت مشاہدہ۔۔۔ مشاہدہ اسرار الٰہی۔۔۔ معرفتِ حقیقت محمدی۔مشاہدۂ ذاتِ الٰہی حاصل کئے ہونگے اس حثیت میں امت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جبکہ آپ کے بعد کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہیگی تا قیامت جتنی مخلوق پیدا ہوگی سب امتِ محمدیؐ میں شامل ہوگی اسطرح امت محمدی کو وسعت حاصل ہوگی اور مقامِ خلافت ونبوت کے اعتبار سے امت محمد رسول اللہ ﷺ تمام سابقہ امتوں پر بحثیت خلیفہ نبی فضیلت حاصل کئے ہوگی۔جس سے مقصدِ الٰہی مقصد ازلی اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی کلی طور تکمیل ہوجائیگی۔۔۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی ارادے کا اظہار اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط کے بیان سے کر کے یہ ظاہر کردیا۔کہ کائناتِ خلقتِ ارض و سمٰوٰت میں صرف اَلْاَرْض بنانا مقصود ہے اور اَلْاَرْض میں انسان کا بنانا مقصود ہے۔انسان کو بحثیت خلیفہ بنانا مقصود ہے۔خلیفہ کی صفت نبوی اور علمِ نبوت سے ظاہر کرنی ہے۔اور مخلوقِ انسانی میں سیرت کو

سیرت النبی کی صورت میں ــــ تخلیقی (پیدائشی) اور علمی حیثیت میں سب سے افضل سیرت والے نبی کا ظہور اصل مقصد ہے ــــ جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے از اول تا آخر تمام انبیأ اور ان پر نازل کردہ کتب وحی کو بطور دلیل وثبوت پیش کیا۔تمام کتب سماویہ ــ توراۃ۔زبور۔انجیل (کلام الٰہی) اور قرآن میں اس نبی کی خصوصیات بیان کر کے ثابت کر دیا۔کہ میرے ارادۂ ازلی میں ــــ کائناتِ خلقتِ ارض وسمٰوٰت میں جو سیرت النبی میں افضل ہے ــــ اس نبی کو اسکی صفات وکمالات کے اعتبار سے اَحْمَدُ و مُحَمَّدُرَّسول اللّٰہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰے سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا یَا مُحَمَّدُ نِ النَّبِیُّ الْاُمِّیُ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ۔وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰیO

===﴿تمت بالخیر﴾===

مطبوعات سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

۱	نور العرفان	از	جناب محمد نور الدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ
۲	منازل فقر مع شرح		ایضاً
۳	حقیقتِ تصوف		ایضاً
۴	راہِ حقیقت		ایضاً
۵	علم العرفان		ایضاً
۶	فتنہ مرزائیت ایک تجزیہ		ایضاً
۷	تاریخ خلافت اسلامی		ایضاً
۸	سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم		ایضاً
۹	روح البیان		ایضاً
۱۰	عرفان حقیقت	از	ریاض احمد خیال اویسی
۱۱	نور بصیرت	مرتبہ	ایضاً
۱۲	صراط المستقیم	مرتبہ	ایضاً

برائے رابطہ وحصول مطبوعات

۱ محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون: 00441254671126

۲ ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون: 03007424574,03451566483

۳ محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون: 03465259352